انطاق المفہوم

اردو ترجمہ

احیاء العلوم

جلد سوم



مصنف
ابو حامد حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم
ابو صالح حضرت علامہ مولانا محمد فیض احمد اویسی دامت برکاتہم العالیہ

شبیر برادرز
اردو بازار ○ لاہور

انطاق المفہوم

اردو ترجمہ

احیاء العلوم

جلد سوم

مصنف

ابو حامد حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

ابو صالح حضرت علامہ مولانا محمد فیض احمد اویسی دامت برکاتہم العالیہ

ناشر

شبیر برادرز ۴۰ - اردو بازار لاہور

فون: 7246006

نام کتاب ———— احیاء العلوم سوم

مصنف ———— حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم ———— مولانا فیض احمد اویسی مدظلہ

تصحیح کنندہ ———— صاحبزادہ محمد منیر رضا قادری

بار اوّل ———— اکتوبر سنہ ۱۹۹۸ء

پرنٹر ———— اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز۔ لاہور

ناشر ———— شبّیر برادرز لاہور

ہدیہ ———— /- روپے

———— ملنے کا پتہ ————

شبّیر برادرز۔ ۴۰ اردو بازار۔ لاہور فون ۷۲۴۶۰۰۶

احیاء العلوم (جلد سوم) کی فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

دیباچہ

از حضرت امام غزالی قدس سرہ

حمد اُس اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لائق ہے جس کے جلال کے ادارک میں قلوب و خواطر سرگرداں و حیران ہیں اور اس کے نور کی ادنیٰ تجلّی سے آنکھیں و نگاہیں خیرہ۔ وہ تمام اسرار مخفیہ اور مکنونات خمائر کو خوب جانتا ہے۔ وہ اپنی سلطنت کی تدبیریں مشیران کار اور وزراء سے مستغنی ہے عیوب کو چھپانا اور قلوب کو پھیرنا اسی کا کام ہے ستارُ العیوب و غفارُ الذنوب اِسی کا نام ہے۔

صلوٰۃ و سلام کے تحفے حضور سید المرسلین رحمۃ للعلمین شفیعُ المُذنبین ﷺ کے لیے جنھوں نے دین کی خرابی کو صحیح فرمایا اور بے دینوں کو جڑ سے اکھاڑا اور آپ کی آلِ پاک اور اصحابِ طیبین و طاہرین پر بہت بہت سلام۔

امابعد

ثناء و حمد اور صلوٰۃ و سلام کے بعد معلوم ہونا چاہئے کہ شرافت اِنسان کہ جس وجہ سے اسے جملہ مخلوق پر فضیلت ہے وہ استعداد معرفت خداوندی عزوجل ہے۔ یہی معرفت دنیا و آخرت میں انسان کا جمال و کمال ہے اور آخرت میں اس کا ذخیرہ اور سامان یہی معرفت ہے۔

پھر جو استعداد قلب انسان کو نصیب ہوئی اس کے دیگر اعضاء اس سے دور ہیں کیونکہ قرب الٰہی اور معرفت اور اس کے لیے عمل وسعی قلب کا کام ہے اور اشیائے حضوری کا مکاشفہ بھی اسی قلب سے متعلق ہے۔ انسان کے تمام اعضاء قلب کے آلات اور تابعدار و خدمت گار ہیں۔ وہ ان سے ایسے کام لیتا ہے جیسے مالک غلام (نوکر) سے اور حاکم رعایا سے۔ خلاصہ یہ کہ قلب اللہ عزوجل کے نزدیک مقبول و پسندیدہ ہے بشرطیکہ ماسویٰ اللہ سے محفوظ رہے۔ قلب مجوب ہوتا ہے جب غیر اللہ کی طرف متوجہ ہو۔ اس کو باز پرس ہوتی ہے اور اسی کو اوامر اور نواہی کا خطاب و عتاب ہے اور یہی قرب الٰہی سے مشرف ہوتا ہے۔ اگر صفائی و تزکیہ نصیب ہوگیا تو فلاح کو پہنچتا ہے اگر گناہوں کی آلودگی میں ملوث ہو تو بدبختی و ناامیدی کا مورد ہوا۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت دل کرتا ہے اور اعضاء ظاہری میں صرف عبادات کی وجہ سے نور پھیلتا ہے نیز نافرمانی و تمرد بھی دل سے سرزد ہوتا ہے۔ جب اس سے نافرمانی سرزد ہوتی ہے تو اعضاء میں فحش اور برائیوں کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ اسی قلب کی روشنی و تاریکی سے ظاہر کے

محاسن و قبائح کا ظہور ہوتا ہے کیونکہ برتن میں سے وہی نکلتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے اور دل ایسی شے ہے کہ جب اسے انسان سمجھ لے تو اپنے نفس کو جان لیتا ہے اور خود کو جاننے پر معرفت الٰہی کا دارو مدار ہے' جو کوئی دل کی حقیقت سے بے خبر ہے اور وہ اپنے نفس سے جاہل ہے اور اپنی نفس کی جہالت سے معرفت الٰہی سے بھی جہالت رہتی ہے۔ اکثر لوگ اپنے قلوب و نفوس سے ناواقف ہیں۔ یہ ان کے اور نفوس کے درمیان میں حجاب ہے۔ اللہ (عزوجل) فرماتا ہے اَنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِہٖ (نمبر 9 الانفال 24) ترجمۂ کنزالایمان :- اللہ کا حکم آدمی اور اس کے دلی ارداوں میں حائل ہو جاتا ہے۔

فائدہ اللہ تعالیٰ کا حائل ہونا اس طرح ہے کہ دل کو مشاہدہ و مراقبہ اور ادارک صفات قلبی سے روک دے اور یہ کیفیت سمجھنے نہ دے کہ دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں میں کس طرح پھرتا رہتا ہے اور یہ کہ کس طرح احکامات اس کا میلان اسفل السافلین کی طرف ہو کر شیاطین کی حد تک پہنچتا ہے اور بعض اوقات اس کی رغبت اعلیٰ علیین کی طرف ہو کر عام ملائکہ مقربین تک عروج کر جاتا ہے اور جو اپنے دل کا حال نہ جانے کہ اس کی نگہبانی و محافظت کرے اور خزائن ملکوتیہ جو اس پر وارد ہوتے ہیں ان کا امیدوار رہے وہ ان لوگوں میں شامل ہے جن کے متعلق اللہ (عَزَّوَجَلَّ) فرماتا ہے۔ نَسُو اللّٰہَ فَاَنْسَاھُمْ اَنْفُسَھُمْ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ○ (الحشر 19 - ترجمۂ کنزالایمان) جو اللہ کو بھول بیٹھے تو اللہ نے انہیں بلا میں ڈالا کہ اپنی جانیں یاد نہ رہیں وہی فاسق ہیں۔ پارہ ۲۸

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ قلب کی معرفت اور اس کے اوصاف کی حقیقت کا علم اصل دین اور طریقہ سالکین کی بنیاد ہے۔ چونکہ ہم کتاب (احیاء العُلوم) کے نصف اول میں عبادات اور معاملات متعلقہ اعضاء ظاہری کا لکھ چکے ہیں جسے علم ظاہر کہتے ہیں اور وعدہ کیا تھا کہ نصف ثانی میں صفات مہلکہ اور منجیہ جو قلب پر جاری ہوتے ہیں جن کا نام علم باطن ہے بیان کریں گے۔ اسی لیے ضروری ہوا کہ تفصیل مہلکات و منجیات سے قبل دو باب لکھیں۔ پہلے باب میں عجائبات صفات قلبی اور اخلاق کا بیان ہو پھر دوسرے باب میں کیفیت و ریاضت قلب اور اس کے اخلاق کی تہذیب مذکور ہو اب ہم عجائباتِ قلب کو بر طریق مثال ذکر کرتے ہیں تاکہ قارئین کو جلد سمجھ آجائے ورنہ اس کے عجائب و اسرار جو عالم ملکوت سے متعلق ہیں اکثر سمجھ نہیں آتے۔

باب نمبر ا

عجائبات قلب

اس میں نفس، روح، دل اور نفس کے معانی و مراد کا بیان ہے۔ ان الفاظ (چاروں) کا استعمال فصول مہلکات و منجیات میں ہوتا ہے۔ علماء میں بہت کم ہیں جو الفاظ کے معانی کا اختلاف و مراد جانتے ہیں اور اکثر لوگ غلطی اسی لیے کرتے ہیں کہ وہ ان کے معانی نہیں جانتے اور نہ ہی ان کے معانی متعلقہ کے اشتراک کو پہنچاتے ہیں۔ ہم یہاں ان کے وہ معانی بیان کریں گے جن سے ہمارا مقصد ہے۔

قلب:- اس کے دو معنی ہیں (1) گوشت کا ٹکڑا، گائے کی دم کی طرح سینے کے بائیں جانب واقع ہے، اس کے وسط میں ایک خلو ہے اس میں سیاہ خون رہتا ہے جو روح کا منبع و معدن ہے لیکن ہمیں یہاں اس کی شکل اور کیفیت بیان نہیں کرنا کیونکہ یہ اطباء کا کام ہے دینی احکام کا اس سے کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ یہ تو جانوروں بلکہ مردوں میں بھی ہوتا ہے۔ اس کتاب میں جہاں ہم دل کا ذکر کریں وہاں یہ معنی مراد نہ ہوگا اس لیے کہ اس معنی پر تو دل بے قدر ایک گوشت کا ٹکڑا ہے اور عالم محسوسات سے ہے یہاں تک کہ اسے جانور بھی دیکھ سکتے ہیں، انسان کی کیا بات ہے۔

(2) وہ ایک روحانی لطیفہ ہے جسے اس جسمانی قلب سے بھی تعلق ہے اسے حقیقت انسانی کا لطیفہ کہا جاتا ہے، (مدرک و ادراک کرنے والا) عالم، مخاطب، معاتب (جس پر عتاب کیا جائے) یہی نہیں قیامت میں بازپرسی ہوگی اور وہ تعلق جو اسے اس جسم والے قلب سے ایسا ہے کہ لوگ اس پر حیران ہیں کیونکہ اس کا قلب انسانی سے ایسا تعلق ہے جیسے اعراض کا اجسام سے یا صفات کا موصوف سے یا کاریگر کا آلہ سے یا مکان کا مکین سے اس کی وجہ نہ بیان کرنے کی دو وجہیں ہیں۔

ا(1) یہ علوم مکاشفہ یعنی اسرار غیبیہ سے متعلق ہے اور ہم اس کتاب (احیاء العلوم) میں صرف علوم معاملہ بیان کر رہے ہیں۔ (2) اس کے بیان سے حقیقت روح کے راز فاش کرنے پر موقوف ہے اور یہ وہ راز ہے جسے حضور سرور عالم ﷺ نے کوئی ارشاد نہ فرمایا اس لیے دوسروں کو بھی اس کی لب کشائی لائق نہیں۔

فائدہ: اس کتاب احیاء العلوم میں جہاں بھی ہم قلب کا لفظ بولیں یہی لطیفہ مراد ہوگا اور ہماری غرض بھی یہی ہے کہ ہم اس کے اوصاف و احوال بیان کریں لیکن اس کی حقیقت فی ذات بیان کرنا مطلوب ہے اس لیے علم معاملہ کا دارو

مدار قلب کے صفات و احوال کے علم پر ہے اسی لیے حقیقت قلب کے بیان کی ضرورت نہیں۔

روح: اس کے بھی دو معنی ہیں (ا) روح جسم لطیف ہے جس کا سرچشمہ قلب جسمانی کا خلو ہے وہاں سے بذریعہ شریاں (رگیں) کے تمام اعضاء بدن میں پھیلتی ہے۔ اس کا بدن میں پھیلنا اور حیات (حواس خمسہ کا اعضاء کو دینا ایسے ہے جیسے چراغ گھر میں رکھا ہو اس کی روشنی ہر سو پھیل جاتی ہے' وہاں اجالا ہی اجالا ہوتا ہے اس معنی پر روح جس میں بمنزلہ چراغ اور حیات بمنزلہ روح کے ہے اور روح کا باطن میں حرکت کرنا اور بدن میں ساری و جاری ہونا چراغ کی طرح ہے جیسے اسے گھر میں لایا جائے اور وہ ہر طرف روشنی پھیلا دے۔ یہ روح کا طبی معنی ہے' یعنی روح ایک لطیف بخار ہے جو حرارت قلب ہے' نصیخ (قوام) پاتا ہے۔ ہمارا مقصد اس طبی روح سے نہیں کیونکہ یہ معنی اطباء کی اصطلاح ہے جو کہ وہ بدن کے معالج (ڈاکٹر) ہیں اور جو دین کے اطباء اور ڈاکٹر ہیں ان کا کام ہے کہ رب العالمین تک بندے کو پہنچانا اسی لیے انہیں اس روح سے ذرہ برابر بھی بحث نہیں' ان کی غرض ایک اور معنی سے ہے۔

صوفیاء کے نزدیک روح کیا ہے: صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ روح ایک لطیفہ مدرکہ ہے جو صرف انسان ہی کو نصیب ہوا' یہ وہی معنی ہے جس کا ہم نے قلب کے روحانی معنی میں بیان کیا ہے۔ یہی مراد ہے آیت قل الروح من امر ربی (فرمایئے روح امر ربی سے ہے) اور یہ ایک عجیب روحانی شے ہے جس کی کنہ حقیقت کے ادراک میں عقول و فہوم عاجز ہیں۔

نفس: نفس انسان وہ شے ہے جو قوت غضب و شہوت کی جامع ہے اس کا بیان عنقریب آئے گا (ان شاء اللہ) صوفیہ کرام میں یہی معنی اکثر مشہور ہے' لیکن یہ لفظ نفس مشترک معانی پر بولا جاتا ہے' اس میں صرف دو معانی ہمارا مقصود ہیں۔

(ا) وہی جو اوپر مذکور ہوا یعنی قوۃ غضب و شہوت و دیگر صفات مذمومہ کا جامع اسی لیے صوفیہ کرام کے نزدیک نفس سے جہاد کرکے اسکی خوب سرکوبی کی جائے حدیث شریف میں بھی قل روح من ربی سے یہی معنی مراد ہے۔

(2) لطیفہ ربانی جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں درحقیقت اسی اعتبار سے انسان یہی ہے یعنی نفس انسان کو سمجھنا چاہئے لیکن بحسب اختلاف الاحوال مختلفہ صفات سے موصوف ہوتا ہے مثلاً جب جب شہوات سے مزاحمت کرکے اضطراب دور کردے اور حقتائی کی فرمانبرداری کو مطمح نظر بنائے تو اسے نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً (الفجر 28-27 پ30) ترجمہ کنزالایمان اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی اس لیے کہ نفس کا پہلے جو معنی بیان ہوا اس میں اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا معنی متصور نہیں بلکہ وہ الٹا اللہ عزوجل سے دور کرتا ہے بلکہ وہ تو یوں سمجھئے کہ شیطان کے گروہ سے ہے اور جب اسے سکون کامل حاصل نہیں مگر نفس شہوانی کو روکتا

رہتا اور اس پر معترض رہتا تو اس کا نام نفس لوامہ ہے اس لیے کہ وہ اپنے حب کو عبادت الٰہی سے قاصر پا کر ملامت کرتا ہے۔ اس کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (پارہ 29 قیامہ 2) ترجمہ کنزالایمان :- اور اس جان کی قسم جو اپنے اوپر بہت ملامت کرے۔

نفس امارہ: جب خواہشات نفسانی و شہوانی کی رکاوٹ نہ کرے بلکہ مقتضائے شہوات و شیطانی حرکات کا مطیع و فرمانبردار ہو جائے تو اسے نفس امارہ کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام یا حضرت زلیخا رضی اللہ عنہا کے حال میں فرمایا وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ (یوسف 53) ترجمہ :- اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے۔

فائدہ: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امارہ بالسوء سے مراد نفس باعتبار معنی اول ہو تو اسی صورت میں یعنی بمعنی اول نہایت ہی برا ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے عمدہ ہے اس لیے کہ وہ انہیں معنی کے اعتبار سے ذات و حقیقت انسانی ہے جو معرفت الٰہی و دیگر معلومات کی عالم ہے۔

عقل: یہ بھی معانی مختلفہ میں مشترک ہے جن کا بیان ہم باب العلم میں کر چکے ہیں اور ان میں دو معنوں کے ساتھ ہماری مراد متعلق ہے کبھی (نمبر۱) عقل بول کر اس سے علم حقائق امور مطلوب ہوتا ہے اس صورت میں عقل

1- اس میں ایک تفسیر کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس مقولہ کے قائل حضرت یوسف علیہ السلام ہیں لیکن اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ انبیاء علیہ اسلام بھی معصوم نہیں ورنہ ان کا قول غلط ٹھہرتا ہے۔ اس کا جواب صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تفسیر خزائن العرفان میں لکھتے ہیں۔

زلیخا کے اقرار و اعتراف کے بعد حضرت یوسف علیہ الصلوۃ و السلام نے جو یہ فرمایا تھا کہ میں نے اپنی برائت کا اظہار اس لیے چاہا تھا تاکہ عزیز کو یہ معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی غیبت میں اس کی خیانت نہیں کی ہے اور میں اس کے اہل کی حرمت خراب کرنے سے مجتنب رہا ہوں اور جو الزام مجھ پر لگائے گئے ہیں میں ان سے پاک ہوں اس کے بعد آپ کا خیال مبارک اس طرف گیا کہ اس میں اپنی طرف پاکی کی نسبت اور اپنی نیکی کا بیان ہے ایسا نہ ہو کہ اس میں شان خودبینی اور خود پسندی کا شائبہ بھی آئے اسی لیے اللہ تعالیٰ کی جناب میں تواضع و انکسار سے عرض کیا کہ میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا' مجھے اپنی بے گناہی پر ناز نہیں ہے اور میں گناہ سے بچنے کو اپنے نفس کی خوبی قرار نہیں دیتا۔ نفس کی جنس کا یہ حال ہے کہ جو مذکور ہوا' لیکن منصرین عصمت انبیاء کا سوال تب صحیح ہوتا جب اگلا جملہ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ (مگر جس پر میرا رب رحم کرے) نہ ہوتا اور اس کے بغیر ویسے بھی جملہ ناتمام ہے اس لیے جب تک حرف استثنا میں مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ دونوں نہ ہوں کلام ناتمام ہوتا اب اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ کہا گیا تو اعتراض خود بخود اٹھ گیا اس لیے کہ اب معنی یہ ہوا کہ اپنے جس مخصوص بندے کو اپنے کرم سے معصوم کرے تو اس کا برائیوں سے بچنا اللہ کے فضل و رحمت سے ہے اور معصوم کرنا اسی کا کرم ہے۔ معصوم ہونا خود بخود ثابت ہو گیا' ہمیں اس کی تاویل کی ضرورت نہیں رہی۔

فائدہ: اگر یہ مقولہ زلیخا کا ہو تو جیسے امام غزالی قدس سرہ نے اشارہ فرمایا تو بھی مطلب ظاہر ہے۔ (اویسی غفرلہ)

صفت علیہ ہوگی جس کا محل قلب ہے کبھی (نمبر2) عقل سے قوت مدرکہ علوم مراد ہوتی ہے اس صورت میں عقل بھی وہی لطیفہ مذکورہ بالا ہوگا اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ عالم بنفسہ موجود اور قائم بذات خود ہے اور صفت علم اس میں حلول کیے ہوئے ہے اور صفت موصوف کی غیر ہوتی ہے پس عقل سے کبھی تو یہ صفت علم مراد ہوتی ہے اور کبھی محل ادارک یعنی اس صفت کا موصوف مراد ہوتا ہے اور اس حدیث شریف میں عقل کا یہی معنی ہے۔ اول ما خلق اللہ تعقل ۔ ترجمہ : (سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا فرمایا) کیونکہ صفت علم تو قائم بالذات نہیں وہ ایک عرض ہے اس کا اول مخلوق ہونا کیسے سمجھا جائے تو ضروری ہے کہ اس کا محل اس سے پہلے یا اس کے ساتھ مخلوق ہو ورنہ خطاب کس طرح ممکن ہوگا جو اسی حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کو فرمایا کہ سامنے آتو سامنے آئی پھر فرمایا پیٹھ پھیر اس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں عقل سے محل صفت علمی مراد ہے۔

فائدہ : ان چاروں الفاظ (1) قلب (2) نفس (3) روح (4) عقل کے مدلول جداجدا موجود ہیں یعنی قلب جسمانی اور روح جسمانی اور نفس شہوانی اور علوم اور پانچواں معنی یعنی لطیفہ مدرکہ انسانی وہ ان چاروں الفاظ میں مشترک ہے' اس صورت میں الفاظ چار ہوئے اور معانی پانچ اور ہر لفظ کے دو دو معانی ہوئے چونکہ اکثر علماء پر ان الفاظ کا اختلاف اور اشتراک مشتبہ ہوگیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ خواطر میں لکھتے ہیں کہ یہ خاطر قلب ہے اور یہ خاطر نفس ہے اور یہ خاطر روح ہے لیکن عوام کو ان چیزوں میں معنی کا اختلاف کچھ معلوم نہیں ہوتا اس قباحت کے دور کرنے کے لیے ہم نے ان الفاظ کی شرح پہلے کردی اور جہاں کہیں قرآن مجید یا حدیث شریف میں لفظ قلب واقع ہے اس سے مراد وہ چیز ہے جو انسان میں ہے اور وہ حقیقت اشیاء کو سمجھتی اور معلوم کرتی ہے اور اس کو کنایۃ اس قلب پر بولتے ہیں جو آدمی کے سینہ میں ہے کیونکہ اس لطیفہ اور جسم قلب میں ایک تعلق خاص ہے اور اگرچہ وہ تمام بدن سے متعلق ہے وہی تمام اعضاء سے کام لیتا ہے لیکن اعضاء سے تعلق بواسطہ قلب ہے یعنی لطیفہ مذکورہ کا تعلق اول قلب جسمانی ہی سے ہے گویا کہ قلب جسمانی اس کا محل اور دارالسلطنت اور سواری ہے اسی لیے حضرت سہل تستری رحمتہ اللہ علیہ نے قلب جسمانی کو عرش سے اور سینہ کو کرسی سے تشبیہ دی ہے یعنی فرمایا ہے کہ قلب عرش ہے اور سینہ کرسی ہے۔

ازالہ وہم: اس سے یہ نہ سمجھنا کہ ان کی مراد یہ ہے کہ قلب عرش خدا ہے اور سینہ اس کی کرسی ہے کیونکہ یہ امر تو محال ہے بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ قلب جسمانی اور سینہ لطیفہ قلبی کے لیے دارالسلطنت اور تخت گاہ ہیں کہ اول اس کا تصرف یہاں سے شروع ہوتا ہے غرضیکہ قلب جسمانی اور سینہ کو لطیفہ قلبی سے وہ نسبت ہے جو عرش و کرسی کو اللہ تعالیٰ سے اور یہ تشبیہ بھی صرف بعض وجوہ سے درست ہے چونکہ اس سے ہماری غرض متعلق نہیں اسی لیے اسے ترک کرتے ہیں۔

دل کا لشکر: اللہ تعالیٰ کے لشکر قلوب اور ارواح اور دوسرے جہانوں میں اتنا ہے کہ ان کی حقیقت اور گنتی سوا اس

کے اور کوئی نہیں جانتا خود فرماتا ہے وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ (المدثر 31 پ 29) ترجمہ کنزالایمان : اور تمہارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ہم قلب کے بعض لشکر بیان کرتے ہیں کیونکہ ہماری غرض قلب سے متعلق ہے۔ یاد رہے کہ قلب کے دو لشکر ہیں (1) وہ جو ظاہری آنکھ سے محسوس ہوتا ہے (2) وہ جو عقل کی آنکھ سے معلوم ہوتا ہے اور وہ دونوں قلب کے لیے بمنزلہ خدام اور مددگاروں کے ہیں' یہاں لشکر کا یہی معنی ہے وہ لشکر جو ظاہری آنکھ 'کان' ناک اور تمام اعضاء ظاہری اور باطنی ہیں کہ سب کے سب قلب کے خادم اور تابع ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے۔ یہ سب اسی کی اطاعت کے لیے پیدا ہوئے ہیں حتیٰ کہ اس کے خلاف کی قدرت نہیں رکھتے اور نہ اس سے منحرف ہو سکتے ہیں مثلاً آنکھ کو کھلنے کا حکم کرتا ہے وہ کھل جاتی ہے اور پاؤں کو چلنے کا حکم کرتا ہے تو وہ چلنے لگتا ہے' زبان کو بولنے کے لیے حکم دیتا ہے تو وہ بولنے لگتی ہے اسی طرح تمام اعضاء کا حال ہے اور اعضاء اور حواس کا مطیع ہونا قلب کے لیے ایسا ہے جیسے فرشتے اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں کہ وہ بھی اطاعت کے لیے مخلوق ہیں اس لیے خلاف کی قدرت نہیں رکھتے بلکہ ان کا حال یہ ہے کہ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ○ (التحریم 6 پ 28) ترجمہ کنزالایمان :جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔

البتہ ان میں ایک فرق ہے کہ فرشتے اطاعت اور امر الٰہی کی بجا آوری کے عالم بھی ہوتے ہیں اور اعضاء میں یہ بات نہیں مثلاً آنکھ کی پلکیں کھلنے اور بند ہونے میں اطاعت تو کرتی ہیں مگر نہ ان کو اپنے وجود کی خبر ہے اور نہ اس کی اطاعت کی چونکہ قلب کو حاجت سواری اور زاد راہ کی اس سفر کے لیے ہوتی ہے جس کے لیے پیدا ہوتا ہے یعنی سفر معرفت الٰہی اور قطع منازل دیدار رحمانی جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذاریات 56 پ 27) ترجمہ کنزالایمان : اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی لیے بنائے کہ میری بندگی کریں۔

اسی لیے اسے ان معاونین اور مددگاروں کی حاجت پڑی اب ہم سمجھئے کہ قلب سواری و بدن اور زاد راہ علم ہے اور جن اسباب سے کہ یہ زاد راہ تک پہنچ کر توشہ حاصل کرتا ہے وہ نیک اعمال ہیں اور مالک کے لیے ممکن نہیں کہ راہ سلوک الی اللہ بدن اور دنیا میں بسر کیے بغیر حاصل ہو سکے کیونکہ بڑی منزل تک پہنچنے کے لیے چھوٹی منزل کا طے کرنا ضروری ہوتا ہے اسی لیے فرمایا اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ ترجمہ : دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ گو دنیا بھی ایک منزل ہدایت ہے اور اس کا نام دنیا اس لیے ہوا کہ یہ قدر و منزلت میں اس دوسری منزل یعنی آخرت سے کم ہے بہرحال قلب کے لیے ضروری ہے کہ اس عالم میں زاد راہ حاصل کرے اور بدن وہ سواری ہے جس کے باعث اس دنیا میں آجاتا ہے بس اس کی حفاظت اور کفالت بھی ضروری ہوئی اور اس کی حفاظت اس طرح ہے کہ اسے موافق غذا وغیرہ دی جائے اور جو اسباب اس کی ہلاک کے ہوں وہ اس سے دور کیے جائیں اس اعتبار سے حصول غذا کے لیے دو

خادموں کی حاجت ہوئی (ا) باطنی جس کا نام بھوک اور خواہش ہے۔ (2) ظاہری یعنی ہاتھ و دیگر اعضاء جن سے غذا حاصل ہو اسی لئے قلب میں بقدر حاجت خواہش بھی پیدا کی گئی اور اعضاء جو ذریعہ خواہش ہیں وہ بھی عنایت ہوئے انہیں مہلکات سے بچنے کے لئے دو لشکروں کی ضرورت ہوئی (ا) باطنی جس کو غضب کہتے ہیں جس سے دشمنوں سے انتقام لیتا ہے اور مہلکان کو دور کرتا ہے (2) ظاہری یعنی ہاتھ اور پاؤں وغیرہ جن سے غضب کے وقت حسب مقتضائے غضب کام لیتا ہے گویا ان اعضاء کا وجود بدن میں ہتھیاروں جیسا ہے جو شخص غذا کا محتاج ہے غذا کا حال معلوم نہ ہو تو صرف غذا کی محبت اور بھوک سے کام نہ چلے گا اس لیے قلب کو غذا پہنچانے کے لیے دو خادموں کی ضرورت ہوئی (ا) باطنی یعنی ادراک حواس خمسہ ظاہری (2) ظاہری یعنی مواضع حواس خمسہ ظاہرہ جیسے کان' آنکھ' ناک' وغیرہ اور قلب کو جوان اشیاء کی ضرورت ہے اور یہ کہ اس میں کیا حکمت ہے اتنا طویل بحث چاہتی ہے کہ بہت سی جلدوں میں بھی بیان نہ ہو سکے ہم نے اس کا تھوڑا سا باب باب ا لشکر میں لکھا ہے۔

خلاصہ: قلب کے خادم تین قسم ہیں(1) اس کو کسی شے کی طرف رغبت دلائی خواہ حصول نفع کی طرف جیسے بھوک یا ضرر دفع کرنے کی طرف متوجہ کریں جیسے غضب اس قسم کے خادم کو ارادہ بھی کہتے ہیں۔

(2) حصول مقصود کے لیے اعضاء کو حرکت دیتی ہے اسے قدرت و طاقت کہتے ہیں جو تمام اعضاء خصوصاً رگ و ریشہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ (3) جاسوسوں کی طرف ان اشیاء کی مدرکہ یعنی پہچاننے والی یعنی دیکھنے اور سونگھنے اور سننے اور چکھنے اور چھونے کی قوت جو اعضائے معینہ میں موجود ہے اس قسم کا نام علم ادراک ہے اور ان باطنی لشکروں میں سے ہر ایک کے ساتھ ظاہری لشکر بھی ہیں یعنی اعضاء مرکب گوشت و پوست و چربی' خون' ہڈی وغیرہ سے یہ اعضاء آلات و اسباب پہلے لشکروں کے ہیں مثلاً قوت گرفت انگلیوں سے متعلق ہے اور قوت بینائی آنکھ میں ہے۔ علی ہذا القیاس دوسرے قویٰ کو سمجھنا چاہئے۔ اعضاء ظاہری سے ہمیں بحث نہیں کیونکہ یہ عالم ظاہری سے ہیں بلکہ ہم ان اعوان قلبی کا ذکر کرتے ہیں' جو آنکھ سے محسوس نہیں ہوتے اور ان میں قسم سوم ہے یعنی قوائے مدرکہ اور ان کی دو قسمیں ہیں (ا) وہ جس کا ٹھکانہ اعضاء ظاہری میں ہے یعنی حواس خمسہ ظاہری جو اعضاء ظاہری آنکھ' کان' ناک وغیرہ سے متعلق ہیں۔ (2) وہ جن کا مسکن منازل باطنی میں ہے یعنی دماغ کی تجویفوں میں اور یہ بھی پانچ ہیں اس لیے کہ آدمی کسی چیز کو دیکھ کر جو اپنی آنکھیں بند کرلیتا ہے تو اس شے کی تصویر اپنے نفس میں پاتا ہے اس کو خیال کہتے ہیں پھر یہ صورت بعض باتیں یاد رکھنے سے اس کے ساتھ رہتی ہے' وہ حافظہ کہلاتا ہے' پھر یاد کی چیزوں کو سوچتا اور بعض سے ملاتا ہے اور جو بھولا ہوا ہوتا ہے وہ یاد آجاتا ہے اور جو صورت جوں کی توں نفس میں ہو جاتی ہے پھر محسوسات کی سب باتوں کو حس مشترک سے اپنے خیال میں جمع کرلیتا ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ باطن میں یہ قوتیں ہیں (ا) حس مشترک (2) خیال (3) فکر (4) ذکر (5) حفظ اگر اللہ تعالیٰ قوت حفظ اور فکر اور ذکر اور خیال پیدا نہ فرماتا تو دماغ ان چیزوں سے خالی ہوتا جیسے ہاتھ پاؤں وغیرہ ان سے خالی

ہیں غرضیکہ جیسے یہ قویٰ باطنی ہیں اسی طرح ان کی جگہیں بھی باطنی ہیں اطباء کے نزدیک جو حواس خمسہ باطنی ہیں وہ سب کو معلوم ہیں اور نام بھی ان کے مشہور ہیں۔

دل کے باطنی خدام: قلب کے دو خادم ہیں (1) غضب (2) شہوت کبھی قلب کی فرمانبرداری بدرجہ اتم کرتے ہیں تو اس وقت ان سے قلب کو سلوک میں مدد ملتی ہے بلکہ قلب ان دونوں کو اپنے سفر الی اللہ میں اچھا رفیق سمجھتا ہے اور کبھی یہ دونوں اس کی بے فرمانی کرکے اس سے باغی بن جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ قلب کو غلام بنا لیتے ہیں بلکہ اسکی بربادی کا موجب بنتے ہیں اور جس سفر سے کہ قلب کو سعادت ابدی حاصل ہوتی ہے اس سے باز رہتا ہے۔ ہاں قلب کے مددگار اور بھی ہیں، وہ یہ ہیں (1) علم (2) حکمت (3) تفکر ان کا بیان عنقریب آئے گا (ان شاء اللہ) ایسے آڑے وقت میں قلب کو مناسب ہے کہ ان مددگاروں سے (جو اللہ تعالیٰ کے گروہ کہلاتے ہیں) ان دونوں خادموں کے مقابلہ کے لیے مدد مانگے اس لیے کہ وہ دونوں کبھی شیطان کی جماعت میں شامل ہو کر قلب کو دباتے ہیں اگر قلب نے مدد نہ مانگی اور غضب اور شہوت کا مطیع ہوگیا تو بھی ہلاکت اور نقصان ہے اور اکثر لوگوں کا یہی حال ہے کہ ان کی عقلیں شہوت کو پورا کرنے کے لیے بیسیوں حیلے ڈھونڈتی ہیں اور مناسب یوں تھا کہ عقل کی ضروریات میں شہوت اس کی مطیع رہتی، ہم سالکوں کی سہولت کے لیے اس کی تین مثالوں سے وضاحت کرتے ہیں۔

مثال 1 فرض کرو کہ نفس انسانی یعنی لطیفہ مذکورہ بالا بادشاہ ہے اور بدن اس کا شہر اور دارالسلطنت اور اعضاء قویٰ اسکے ارکان و عملہ اور قوت عقیلہ اس کا وزیر باتدبیر ہے اور غضب اس کے شہر کا کوتوال ہے اور شہوت اس کا غلام بدطینت جو اس شہر میں کھانا وغیرہ لایا کرتا ہے اور بڑا مکار جھوٹا فریبی پلید ہے کہ خیر خواہ ہونے کی صورت میں بظاہر خیر خواہی کرتا ہے مگر اس کی خیر خواہی میں سراسر فساد اور زہر قاتل ہے اور اس کی عادت یہ ہے کہ وزیر باتدبیر کے ساتھ اس کی تجویزوں میں جھگڑا کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ کوئی گھڑی اس کے جھگڑے سے خالی نہیں رہتی، پس ایسی صورت میں اگر بادشاہ اپنے امور سلطنت میں وزیروں کے مشوروں پر چل کر اس غلام پلید کے کہنے سے روگرداں رہے گا اور طے کرے گا کہ اس کے خلاف ہی میں بہتری ہے اور اپنے وزیر کی خاطرداری سے کوتوال کی بھی سرزنش کرے گا اور وزیر کی طرف داری کرکے اس کو اس غلام خبیث اور اس کے تابعین پر متعین کرے گا تاکہ غلام مذکور اپنے درجہ سے بڑھنے نہ پائے بلکہ مغلوب اور محکوم بنا رہے تو ظاہر ہے کہ شاہی انتظام درست اور عدل سے ہوگا اسی طرح اگر نفس عقل سے مدد چاہے گا اور غضب کی سرزنش کرکے اسکو شہوت پر مسلط رکھے گا اور کبھی غضب کو کم کرنے کے لیے شہوت سے مدد چاہے گا اور کبھی شہوت کو دبانے کے لیے غضب کو اس پر مسلط کرکے مقتضیات شہوت کو برا سمجھے گا تو اس کے قویٰ حد درجہ اعتدال پر رہیں گے اور اس کے تمام اخلاق بہتر ہوں گے اور اگر اس طریقہ سے روگردانی کرے گا تو ان لوگوں میں سے ہوگا جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ (جاثیہ نمبر 23) ترجمہ کنزالایمان: بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرا

لیا اور اللہ نے اسے باوصف علم کے گمراہ کیا اور وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ (پ 9 اعراف 176) ترجمہ کنزالایمان: اور اپنی خواہش کا تابع ہوا تو اس کا حال کتے کی طرح ہے تو اس پر حملہ کرے تو زبان نکالے اور چھوڑ دے تو زبان نکالے۔ ہاں جو شخص نفس کو شہوت سے روکتا ہے اس کو حق ہے' ارشاد ہے وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (پ 30 نازعات 40 تا 41) ترجمہ کنزالایمان: اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی ٹھکانا ہے۔

فائدہ: ان کے ساتھ مجاہدہ اور ایک کو دوسرے پر مسلط کرنے کی کیفیت عنقریب باب ریاضت نفس میں آئے گی (ان شاء اللہ ثم ان شاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

مثال نمبر2: فرض کرو کہ بدن ایک شہر اور اس کا حاکم مدبر عقل ہے۔ یعنی وہ چیز جو انسان کی مدرک ہے اور جو اس ظاہری و باطنی اس کے لشکر اور مددگار ہیں اور اعضاء اس کی رعیت اور نفس امارہ یعنی شہوت اور غضب اس کے دشمن کہ اس کی سلطنت کے بدخواہ ہیں اور رعیت کو تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں تو اب بدن کو ایک مورچہ بنانا چاہیے جس میں بادشاہ خود حفاظت کے لیے موجود رہے پس اگر اپنے دشمن سے لڑ کر بھگا دے گا یا مغلوب کرلے گا تو اس کا کام دربار اعلیٰ میں پسند ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً (پ 5 نساء 95) ترجمہ کنزالایمان: اللہ نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کا درجہ بیٹھنے والوں سے بڑا کیا۔ اور اگر اس مورچہ کو کھو بیٹھے گا اور اپنی رعیت کو بیکار کردے گا تو اللہ تعالیٰ عزوجل کے نزدیک مذموم ہوگا اور اس کی سزا اسے دی جائے گی جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ ایسے شخص سے قیامت کو یوں کہا جائے گا اے خبیث نگہبان تونے گوشت کھایا اور دودھ پیا مگر کم ہوئی سے ٹھکانا نہ لگایا اور شکستہ کو درست نہ کیا آج میں تجھ سے بدلہ لوں گا۔

مثال نمبر3 اسی مجاہدہ کی طرف اشارہ ہے اس حدیث شریف میں کہ فرمایا وجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر ترجمہ: ہم جہاد اصغر سے رجوع کرکے جہاد اکبر کی طرف آئے۔

فائدہ: عقل کو ایک سوار سمجھنا چاہیے جس کا ارادہ شکار کا ہے اور شہوت کو اس کا گھوڑا اور غضب کو اس کا کتا خیال کرنا چاہیے' پس اگر سوار تجربہ کار اور ماہر ہوگا اور گھوڑا بھی ہوشیار اور کتا بھی سکھایا ہوگا تو بے شک یہ اپنے مقصود کو پہنچے گا اور جب سوار بذات خود فن سواری سے بے خبر ہوگا اور گھوڑا سرکش اور کتا دیوانہ تو نہ گھوڑا ہی اس کے فرمان پر عمل کرے گا اور نہ کتا اشارہ پر چلے گا' پس ایسے شخص کو شکار کا حصول تو درکنار اپنی جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔ اس مثال میں سوار کو سواری نہ آنے کی صورت میں انسان کی جہالت اور قلت حکمت اور بصیرت کی کمی ہے اور گھوڑے کی سرکشی' مثال غلبہ شہوت بالخصوص شہوت شکم اور شرمگاہ اور کتے کی دیوانگی مثال غلبہ غضب ہے۔ اللہ

تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو ان سے بچائے۔ آمین۔

انسانی دل کی خصوصیات: جتنی چیزیں ہم نے اعضاء و حواس سے بیان کی ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے تمام حیوانات کو بھی عطا کی ہیں مثلاً شہوت اور غضب اور حواس ظاہری و باطنی تمام حیوانات کو حاصل ہیں۔ مثلاً جب بکری بھیڑیئے کو دیکھتی ہے تو اس سے عداوت قلبی کی وجہ سے فوراً بھاگتی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ حیوان میں بھی ادراک باطنی موجود ہے لیکن ہم وہ چیز کرتے ہیں جو صرف انسان میں پائی جائے اور جس کی وجہ سے اسے شرف اور تقرب الی اللہ کی استعداد ہے' وہ دو ہیں۔

(ا) علم (2) ارادہ علم جو امور دینوی اور اخروی اور حقائق عقلی کا موجب ہے کہ یہ امور نہ محسوسات کی حد میں داخل ہیں نہ حیوانات کو ان میں انسان کے ساتھ شرکت ہے بلکہ علوم کلیہ بدیہی بھی خواص عقل انسانی سے ہیں مثلاً انسان حکم کرتا ہے کہ ایک شخص کا دو مکانوں میں ہونا ایک وقت میں ناممکن ہے' پس یہ حکم ہر شخص کے لیے ہے (ا) گویا اس نے دنیا کے بعض اشخاص دیکھے ہیں اس صورت میں اس کا حکم دینا جمیع اشخاص پر اس کی حس کے ادراک سے زائد ہے اور جب علم خاص بدیہی میں یہ امر سمجھ چکے تو تمام نظریات میں اور بھی زیادہ ظاہر ہے اور ارادہ سے یہ مراد ہے کہ جب انسان عقل سے انجام کار کو سوچتا ہے اور اس میں بہتری معلوم ہوتی ہے تو اس کی طبیعت میں اس بہتری کا اور اس کے لوازم کی تحصیل کا شوق ہوتا ہے اسے ارادہ کہتے ہیں اور یہ ارادہ وہ نہیں جو ارادہ شہوت یا ارادہ حیوانات کا ہوتا ہے بلکہ یہ ارادہ شہوت کے ارادہ کی ضد ہے مثلاً شہوت فصد (خون نکلوانا) اور پچھنے لگوانے سے نفرت کرتی ہے مگر عقل اس کا ارادہ کرتی ہے اور اس کے لیے مال خرچ کرتی ہے یا بیماری کی حالت میں شہوت کا میل لذیز کھانوں کی طرف ہوتا ہے اور عاقل آدمی اپنے نفس میں ان سے ایک مانع پاتا ہے اور یہ مانع شہوت کی طرف سے نہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ عقل کو تو پیدا فرماتا جس سے انجام کار معلوم ہوتا ہے لیکن اس ارادہ کو پیدا نہ فرماتا جس کی وجہ سے حرکت اعضاء کی عقل کے حکم کے بموجب ہوتی ہے تو عقل کا حکم بے فائدہ محض ہوتا بہرحال قلب انسانی میں وہ علم و ارادہ ہے جو تمام حیوانات میں نہیں بلکہ ابتدا میں بچوں میں بھی نہیں ہوتا کیونکہ یہ ارادہ ان میں بعد بلوغ پیدا ہوتا ہے اور شہوت اور غضب اور حواس ظاہر و باطنی ان میں سب موجود ہوتے ہیں' ہاں ان علوم کے حصول کے لیے بچے میں دو درجے ہیں (ا) اس کے دل میں علم بدیہی امور کا آجائے مثلاً جن چیزوں کا وجود ظاہر میں نہیں ہو سکتا ان کا محال جاننا یا ممکنات ظاہری کا جائز سمجھنا تو اس صورت میں تو علوم نظریہ تو حاصل نہ ہوں گے مگر ان کے حصول کے قریب ہو جائے گا اور اس کا حال علوم نظریہ میں ایسا ہوگا جیسے کوئی کاتب کہ کتاب مرکبات سے تو جاہل ہے مگر

ا: اس سے اولیاء و انبیاء علی نبینا و علیہم الصلوۃ والسلام مستثنیٰ ہیں۔ تفصیل دیکھئے فقیر کا رسالہ' ولی اللہ کی پرواز اور دوسرا رسالہ الاتجلاء فی تعلو الاولیاء (اویسی غفرلہ)

مفردات حروف اور دوات و قلم کو جانتا ہے' اس طرح کا کاتب اگرچہ درجہ کتابت پر نہیں پہنچتا مگر اس کے قریب ہو جاتا ہے۔ (2) علوم اس کو اکتساب اور تجربہ اور فکر سے حاصل ہوں اور ان کا مخزن اس کے پاس رہے جب چاہے ان کی طرف رجوع کرے تو ایسے شخص کا حال کاتب ماہر جیسا ہے کہ وہ بالفصل نہ لکھتا ہو تب بھی اس کو کاتب کہیں گے کیونکہ وہ کتابت پر ہروقت قدرت رکھتا ہے اور یہ مرتبہ علوم کا انسانیت کے مدارج میں سے اعلیٰ درجہ ہے لیکن اس درجہ میں مراتب غیر متناہی ہیں کہ ان میں لوگ کثرت اور قلت معلومات کے باعث یا شرافت اور محنت معلومات کی وجہ سے متفاوت ہیں اور نیز طریق حصول میں بھی تفاوت ہوتا ہے کہ بعض قلوب کو پہلی ہی توجہ (بسبیل مکاشفہ الہام الٰہی) سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور بعض کو اکتساب اور تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے پھر بعض جلدی سمجھتے ہیں اور بعض بڑی دیر کے بعد اور اس مقام میں انبیاء و علماء اور اولیاء و حکماء کے درجات مختلف ہیں اور ترقی کے درجات کی انتہا نہیں اس لیے کہ معلومات الٰہی کی حد نہیں اور سب میں اعلیٰ مرتبہ اس نبی علیہ السلام کا ہوتا ہے جس پر تمام حقائق بلا اکتساب و تکلف صرف مکاشفہ الٰہی سے بہت جلد منکشف ہو جائیں (1) اور اسی سعادت سے بندہ کو اللہ رب العزت سے قرب معنوی اور حقیقی اور وصفی نصیب ہوتا ہے۔ یہاں قرب مکانی اور نزدیکی مسافت مراد نہیں۔ ان درجات میں ترقی سا لکین الی اللہ کی منازل کہلاتی ہیں اور ان منازل کی کوئی حد نہیں بلکہ ہر سالک کو جس منزل پر وہ پہنچتا ہے' اس کا اور اس کے نیچے کی منازل کا حال معلوم رہتا ہے جو منزلیں اس کے آگے ہیں ان کے علماً" تو نہیں جانتا مگر کبھی ایماناً" بالغیب ان کی تصدیق کرتا ہے جیسے ہم نبوت اور نبی علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کے وجود کی تصدیق کرتے ہیں مگر حقیقت نبوت کو سوائے نبی کے دوسرا نہیں جانتا اور جس طرح کے پیٹ کے بچہ کو شیر خوار کا حال معلوم نہیں ہوتا ایسے شیر خوار کو تمیز دار لڑکے کا حال معلوم نہیں ہوتا کہ اس کو کیا کیا بدیہی باتیں حاصل ہوگئی ہیں اور تمیز دار کو عاقل کا حال معلوم نہیں ہوتا کہ علوم نظریہ سے اس نے کیا سیکھا ہے اسی طرح عاقل کو بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے اولیاء اور انبیاء پر کیا کیا الطاف و رحمت زیادہ عطا فرمائی ہے۔ خود فرماتا ہے۔ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا (فاطر 2[23]) ترجمہ کنزالایمان: اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھولے اس کا کوئی روکنے والا نہیں۔ اور رحمت بموجب خود اور کرم اللہ عزوجل کے عام ہے کسی کے ساتھ اس کی طرف سے بخل نہیں مگر ظہور اس رحمت کا ان قلوب میں ہوتا ہے جو نعمات رحمت کے وقت انتظار میں رہتے ہیں جیسا کہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات الا فتعد منوالھا ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بہت سی لپٹیں ہیں تمہاری زندگی کے ایام میں پس تم ان کی تاک میں رہو۔ اور ان پر تاک لگانا اسی طرح ہے کہ دل کو پاک رکھیں اور خبث و کدورت (جو اخلاق مذمومہ سے ہیں) سے اجتناب کریں جیسا کہ اس کا عنقریب بیان آئے گا (ان شاء اللہ تعالیٰ ثم ان شاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

فائدہ: اللہ عزوجل کے وجود کی طرف اشارہ حدیث شریف میں ہے ینزل اللّٰہ کل لیلۃ الی السمآء الدنیا فیقول

بل من داع فاستجب لہ اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر نزول اجلال فرما کر ارشاد فرماتا ہے کہ کوئی مانگنے والا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں اور اس حدیث قدسی میں ہے طال شوق الابرار الی لقائی و انا الی لقائهم اشد شوقا ترجمہ : ابرار کا شوق میری ملاقات کے لیے بہت زیادہ ہے اور میں ان کی ملاقات کا زیادہ مشتاق ہوں اور اس حدیث قدسی میں من تقرب الی شبراً تقربت الیه ذراعا ترجمہ : جو میری طرف ایک بالشت نزدیک ہوتا ہے میں اس کی طرف ایک بالشت نزدیک ہوتا ہوں۔

فائدہ : ان احادیث سے معلوم ہوا کہ انوار عالم جو قلوب سے مخفی رہتے ہیں منعم حقیقی کی طرف سے تو کچھ بخل اور روک نہیں بلکہ خبث اور کدورت جو دلوں میں رہتی ہے وہی حجاب انوار معرفت الٰہی سے حجاب کا باعث ہوتی ہے کیونکہ قلوب کا حال برتن کی طرح ہے جب تک برتن میں پانی بھرا رہے گا اس میں ہوا نہیں جا سکے گی اس طرح جب دل غیر اللہ سے مشغول رہے گا اس میں معرفت نہ جا سکے گی اور اسی طرف اشارہ ہے اس حدیث شریف میں لولا ان الشیطن یحومون علیٰ قلوب بنی ادم نظر وا الی ملکوت السماء ترجمہ : اگر شیطان بنی آدم کے دلوں کے گرد نہ پھرتے ہوتے تو آدمیوں کو آسمان کے فرشتے اور اسرار نظر آتے[1] چونکہ انبیاء و اولیاء کے قلوب شیطان کے تسلط سے پاک ہیں اسی لیے ان کے لیے اسرار و رموز مخفی نہیں ہاں منکرین کمالات انبیاء و اولیاء اس قاعدہ سے جاہل ہیں وہ نہ سمجھیں تو میں کیا کروں (اویسی غفرلہ)

فائدہ : اس تمام بیان کا خلاصہ یہ ہوا کہ خاصیت انسان علم اور حکمت ہے اور اشرف العلوم علم الٰہی جل شانہ اور اس کی صفات اور افعال ہے جس میں کمال انسانی ہے اور اس کمال کی وجہ سے سعادت اور لیاقت حضوری حضرت رب العزت (عزوجل) حاصل ہوتی ہے غرضیکہ بدن نفس کی سواری ہے اور نفس محل ہے اور علم انسان کا مقصود اور اس کی خاصیت ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے اور جس طرح یہ گھوڑا بوجھ اٹھانے میں گدھے کا شریک ہے اور خوبصورتی اور دوڑ دھوپ میں اس سے خاص ہے تو گویا گھوڑے کی خاصیت یہی ہے اور اسی کے لیے پیدا ہوا ہے۔ اگر گھوڑا اس بات سے عاری ہوگا تو گدھے کے درجہ کو پہنچ جائے گا۔ اسی طرح انسان بہت سی باتوں میں گھوڑے اور گدھے کا شریک ہے مگر جو خاصیت انسانی ہے اس کی وجہ سے ان دونوں میں سے ممتاز ہے اور یہ خاصیت ملائکہ مقربین کے اوصاف میں سے ہے اور انسان کا رتبہ بہائم اور ملائکہ کے درمیان میں ہے اس لیے کہ انسان باعتبار غذا اور نشو و نما کے تو سبزہ ہے اور حس و حرکت اختیار کی وجہ سے حیوان اور صورت و قد و قامت کے اعتبار سے مثل نقش دیوار ہے لیکن خاصیت اس کی حقائق اشیاء کی معرفت ہے پس جس شخص نے اپنے تمام اعضاء اور قویٰ سے

1: یہ درجہ ہمارے نبی پاک ﷺ کو بطریق اتم حاصل تھا (12 اویسی غفرلہ)

2 : اس تقریر غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے وہ فرقہ عبرت حاصل کرے جس کا عقیدہ ہے انبیاء و اولیاء اور عام بشر میں کوئی خاص فرق نہیں (اویسی غفرلہ)

اس طرح کام کیا کہ علم و عمل میں اس کو استعانت ہو تو ایسا شخص فرشتوں کے مشابہ ہے اور اس میں لاحق ہونے کے لائق ہے اور اگر اس کو ملک ربانی کہا جائے تو بجا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنے والوں کا قول نقل فرماتا ہے ما ہذا بشرا ان ہذا الا ملک کریم ترجمہ: نہیں ہے یہ آدمی یہ تو کوئی فرشتہ ہے بزرگ، اور جس نے اپنی ہمت لذت بدنی میں صرف کی اور جانوروں کی طرح کھانے لگا تو وہ درجہ بہائم میں داخل ہو کر یا تو بالکل ناتجربہ کار ہوگا یا حریص مثل خنزیر کے یا غرانے والا مثل کتے بلی کے یا کینہ در مثل اونٹ کے یا متکبر مثل چیتے کے یا مکار مثل لومڑی کے بن جائے گا اور اگر ان سب باتوں کا جامع ہوگا تو پورا شیطان رجیم ہے اور آدمی میں کوئی عضو یا حاسہ ایسا نہیں کہ جس سے وصول الی اللہ کی طرف مدد نہ مل سکے جیسا کہ باب الشکر میں کچھ مختصر سا بیان آئے گا پس جو کوئی اپنے اعضاء کو اسی کام میں لائے گا وہ فلاح پائے گا اور جو اس سے روگردانی کرے گا وہ نقصان میں رہے گا اور انسان کی سعادت کا صلہ اسی میں ہے کہ دیدار الٰہی کو اپنا مقصد بنائے اور آخرت کو اپنی قرار گاہ سمجھے اور دنیا کو منزل اور بدن کو سواری اور اعضاء کو خادم تصور کرے اور اپنی قوت مدرکہ کو بادشاہ قرار دے۔ جس کا دارالسلطنت قلب ہے اور قوت خیالی جو مقدم دماغ میں ہے اس بادشاہ کا قاصد ہے کیونکہ محسوسات کی خبریں اس کے پاس جمع ہوتی ہیں اور قوت حافظہ جس کا مسکن موخر دماغ ہے اس کا خزانچی ہے اور زبان اس کی ترجمان اور اعضاء متحرک اس کے محرر اور حواس خمسہ اس کے جاسوس ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی طرف اخبار رسانی پر متعین ہے اور کان عالم آواز پر اور ناک عالم خوشبو پر علیٰ ہذا القیاس باقی اعضاء پر یہ سب اپنے اپنے علاقہ کے اخبار جمع کر کے قوت خیالی تک پہنچا دیتے ہیں جس کا کام قاصد ہونا ہے وہ ان اخبار کو خزانچی یعنی حافظہ کے سپرد کرتی ہے اور خزانچی بحضور بادشاہ پیش کرتا ہے تاکہ بادشاہ ان اخبار میں سے جس قدر سلطنت کی تدابیر میں یا جس سفر کے درپے ہے اس کی تکمیل میں یا جس دشمن کے ساتھ جھگڑا ہے اسے قلع قمع میں یا رہزنوں کے دفع کرنے میں ضرورت ہو اس قدر لے لے اگر ایسا کیا تو سعادت مند اور کامیاب اور اللہ کی نعمتوں کا شکر گزار ہوگا۔ جب اس نے ان سب کو بیکار رکھا تو بدبخت اور شرمسار ہوگا اور اللہ کی نعمتوں کا ناشکرا اور لشکر الٰہی جو اس کا تابع تھا اسے ضائع کرے گا اور دشمنان خدا کی عزت اور حزب اللہ کی ذلت ہوگی، انجام اس کا یہ ہوگا کہ عذاب اور عتاب اور خرابی آخرت کا مستحق ہوگا (نعوذ باللہ منہا)

فائدہ: جو مثال ہم نے بیان کی ہے حضرت کعب بن احبار (رضی اللہ عنہما) نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ انسان میں آنکھیں راہبر ہیں اور کان محافظ اور زبان ترجمان اور ہاتھ دونوں طرف کے لشکر اور پاؤں قاصد اور قلب بادشاہ ہے۔ جب بادشاہ اچھا ہوگا تو اس کے توابع بھی اچھے ہوں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب ارشاد فرمایا کہ میں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایسے ہی سنا ہے۔ آپ بھی یہی فرماتے تھے۔

فائدہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قلوب میں تمثیل یوں ارشاد فرمائی ہے کہ زمین میں اللہ کے برتن قلوب

ہیں اور ان میں سے اس کو زیادہ محبوب وہ ہے جو نرم اور صاف اور سخت ہے پھر ان الفاظ کی تفسیر یوں فرمائی ہے کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ نرم اور یقین میں صاف اور دین میں سخت ہو۔ اس میں اشارہ ہے اس آیت کریمہ کی طرف اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ (الفتح 29) ترجمہ کنزالایمان (کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل) پارہ 26

فائدہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ (النور 35) ترجمہ کنزالایمان (اس کے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے) (ا) کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہ مثال نور مومن اور اس کے دل کی ہے اور اس آیت میں اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ (النور 40) ترجمہ کنزالایمان (یا جیسے اندھیریاں کسی کنڈے کے دریا میں) فرمایا کہ مثال قلب منافق کی ہے اور زید بن اسلم لوح محفوظ کو قرآن شریف میں وارد ہے فرمایا ہے کہ وہ مومن کا قلب ہے اور حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ مثال قلب اور سینہ کی عرش و کرسی ہے یہ قلب کی مثالیں ہیں۔

بیان جامع اوصاف قلب مع امثلہ: انسان کی خلقت اور ترکیب میں چار اشیاء کی ملاوٹ ہے جس کے سبب سے اس میں چار اوصاف سبعی، شیطانی، بہیمی، ربانی جمع ہیں اس وجہ سے اس پر غضب مسلط ہے۔ جب افعال سباع کا ارتکاب کرتا ہے اور عداوت اور کینہ لوگوں سے لڑائی جھگڑا گالی گلوچ کرتا ہے اور شہوت کے مسلط ہونے کی وجہ سے اس کے بہائم کے افعال یعنی حرص و حسد و طمع وغیرہ سرزد ہوتے ہیں اور اس وجہ سے کہ وہ خود فی ذاتہ امر ربانی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (بنی اسرائیل 85) ترجمہ کنزالایمان: تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ہے۔ دعویٰ ربوبیت کا کرتا ہے اور تشخص اور تمام امور پر اصرار کرنا اور ربانیت کا مدعی ہونا اور عبودیت اور تواضع کے حلقہ سے نکلنا تمام باتوں کو پسند کرتا ہے اور تمام علوم کی اطلاع کا متمنی ہوتا ہے بلکہ علم اور معرفت اور حقائق امور پر واقفیت کا مدعی ہوتا ہے اور جب علم کی طرف منسوب ہوتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور جہل کی طرف نسبت کیے جانے پر ناراض۔ ظاہر ہے کہ جمیع امور کے حقائق پر محیط ہونا اور تمام مخلوق پر کبریاؤ منی کا مدعی ہونا اوصاف ربوبیت سے ہے اور انسان میں اس کی حرص موجود ہے اور چونکہ باوجود اشتراک غضب و شہوت کی تمیز کے باعث بہائم سے جداء ہے تو اس میں شیطنیت بھی ہے جس سے شریر کہلاتا ہے اور اپنی تمیز کو شر کی صورتوں میں استعمال کرتا ہے اور اپنی اغراض مکر و حیلہ و فریب سے حاصل کرتا ہے اور خیر کے بدلے شر ظاہر کرتا ہے اور یہ تمام علامات شیطانوں کی ہیں غرضیکہ ہر آدمی میں ان چاروں اصول یعنی ربانیت اور شیطانیت اور سبعی اور بہیمی کی خلط پائی جاتی ہے اور یہ چاروں قلب میں جمع ہیں تو گویا انسان کے حب میں یہ چار چیزیں (خنزیر، کتا، شیطان، حکیم) ہیں خنزیر اس کی شہوت ہے اس لیے کہ خنزیر جو مذموم کہلاتا ہے وہ رنگ اور شکل کی وجہ سے برا نہیں بلکہ شدت حرص اور بسیار خوری سے مذموم ہے اور کتا آدمی کا غضب ہے کیونکہ درندہ جو ضرر پہنچاتا ہے اور کتا جو کاٹ لیتا ہے بااعتبار

(ا) ایک تفسیر یہ ہے کہ اسی نور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں (12 خزائن العرفان)۔

صورت و شکل کے یہ امراس سے سرزد نہیں ہوتا ہے بلکہ معنی سبعیت کی وجہ سے آزار دینا اور عداوت اس میں پائی جاتی ہے۔ اسی طرح انسان کے باطن میں بھی تکلیف دہی اور غضب درندہ کی طرح موجود ہے اور حرص و طمع خنزیر کی طرح پس خنزیر حرص کی وجہ سے فحش اور مناہی کی طرف بلاتا ہے اور درندہ غضب کی وجہ سے ظلم اور ایذا کی طرف اور شیطان، ان دونوں کی حرص و غضب کو اشتعالات دیتا رہتا ہے اور ایک دوسرے پر بھڑکاتا رہتا ہے اور ان کی جبلی صفت کو ان کی نظروں میں اچھا کرتا ہے اور عقل انسانی جو بمنزلہ حکیم کے ہے اس پر مامور ہے کہ شیطان کے مکرو حیلہ کو دفع کرے یعنی اپنی بصیرت کاملہ اور نور واضح سے اس کا مکر واضح کردے اور خنزیر اور کتے کو مسلط کرکے اس کی شہوت توڑ دے کیونکہ غضب سے شہوت ٹوٹتی ہے اس طرح خنزیر کتے پر مسلط کرکے اس کی ایذا کو دفع کرے اور کتے کو اپنی سیاست کا مغلوب رکھے پس اگر ایسا کیا تو انجام بخیر ہوگا اور مملکت بدن میں عدل ظاہر ہوگا اور سب کے سب راہ راست پر آجائیں گے اور اگر وہ حکیم ان کو مغلوب نہ کرسکا تو یہ چیزیں اس کو دبا لیتی ہیں۔ پھر اس سے خدمت لیتی ہیں تو اب اس کو خنزیر کے پیٹ بھرنے اور کتے کے راضی رکھنے کے حیلے ڈھونڈنے پڑتے ہیں اور ہمیشہ ان دونوں کا غلام رہتا ہے اور یہ حال اکثر لوگوں کا ہے کہ ان کی اکثر ہمت شکم اور شہوت اور اعدا کی خوشامد پر مصروف ہوتی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ ایسا آدمی بت پرستوں پر پتھر کی پرستش کا اعتراض کرتا ہے اور اگر ان کا حجاب دور کیا جائے اور حقیقت حال بتائی جائے اور اہل کشف کی طرح اس کی صورتحال کو مجسم بنا کر بیداری یا خواب میں دکھلایا جائے تو معلوم ہوگا کہ شخص مذکور کبھی خنزیر کے سامنے سجدہ کرتا ہے اور کبھی رکوع اور اس کے اشارہ اور امر کا منتظر ہے اور جب خنزیر اپنی خواہش کی کوئی چیز مانگتا ہے فوراً اس کی تعمیل اور بجا آوری میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے یا یوں معلوم ہوگا کہ خود ایک باولے کتے کی طرح مائل ہے اور اس کی عبادت اور اطاعت کر رہا ہے اور اس کی گذارشات کو برضاؤ رغبت سن رہا ہے اور اس کی اطاعت کی بجا آوری میں گہرے فکر میں ہے اور ان باتوں سے اپنے شیطان کی خوشی میں کوشاں ہوتا ہے کیونکہ شیطان خنزیر اور کتے کو بھڑکاتا ہے اور انسان سے خدمت لینے کے لیے ان کو برانگیختہ کرتا ہے تو اس وجہ سے خنزیر اور کتے کی کیا عبادت کی بلکہ شیطان کی پرستش کرتا ہے۔ پس ہر ایک شخص اپنی حرکات اور سکنات اور نطق و قیام و قعود کو تاکتا رہتا ہے۔ سالک غور سے ملاحظہ کرے پھر انصاف کرے گا تو معلوم ہوگا کہ تمام دن انہیں چیزوں کی پرستش میں کوشش کرتا رہتا ہے اور یہ نہایت درجہ کا ظلم ہے کہ اس نے مالک کو مملوک کردیا اور آقا کو غلام بنا دیا اور غالب کو مغلوب ٹھہرا دیا اس لیے کہ غلبہ اور سرداری کے قابل تو عقل تھی جس کو اس نے تینوں چیزوں کا مغلوب اور خادم کردیا پس نتیجہ اس کی اطاعت کا یہ ہوگا کہ اس کے دل پر پے درپے ایسی صفت آئیں گی جن سے دل پر زنگ چڑھ جائے گا اور انجام کار باعث اس کی ہلاکت کے ہوں گے۔ خنزیر شہوت کی طاعت سے یہ صفات اس سے صادر ہوں گی۔ بے حیائی، خبث، اسراف، بخل، ریا، ہتک، حرص، حسد، خوشامد، غضب حقد، شماتت وغیرہ اور کلب غضب کی طاعت سے دل پر یہ صفات منتشر ہوں گی۔ تہور عدم

صیانت، تعلی خود ستائی، مغلوب الغضب ہونا، تکبر عجب استہزا، تحقیر خلق ارادہ، شر خواہش ظالم وغیرہ اور شیطان کی طاعت جو طاعت غضب اور شہوت پرستی سے لازم آتی ہے اس سے مکرو فریب و حیلہ و دغا بازی اور خیانت اور تانت اور فحش کلامی وغیرہ صفات حاصل ہوتے ہیں اور اگر امر بالعکس ہو اور سب کو صفت ربانیت کی سیاست سے دبا لیا تو دل میں صفات ربانیت قائم ہوں گی۔ یعنی علم اور حکمت اور یقین اور معرفت حقائق ماہیت اشیاء اور غالب ہونا سب پر قوت علم و عقل سے اور استحقاق تقدم خلق پر بباعث کمال علم و جلال کے اور نیز اس صورت میں شہوت و غضب کی عبادت سے مستغنی ہو جائے گا اور خنزیر شہوت کے روکنے سے اور اس کے حد اعتدال پر رکھنے سے بہت سی برگزیدہ صفات پیدا ہوں گی۔ مثلاً عفت اور قناعت اور سکون اور زہد اور ورع اور تقویٰ اور انبساط اور حیا اور حسن صورت اور ظرافت اور مساعدت وغیرہ اسی طرح قوت غضب کے روکنے اور مغلوب رکھنے اور حد واجبی پر لانے سے یہ صفات حاصل ہوں گی۔ شجاعت اور کرم اور رفعت اور ضبط نفس اور صبر اور حلم اور عفو اور استقلال اور جوانمردی اور توقیر و اصالت وغیرہ پس اس معاملہ میں دل کو آئینہ سمجھنا چاہئے کہ جس کو ان تینوں امور موثرہ نے لے رکھا ہے اور یہ آثار پے درپے دل پر پہنچتے رہتے ہیں مگر آثار محمودہ مذکورہ بالا سے آئینہ قلب کو زیادہ تر جلا اور نور و چمک بڑھتی ہے یہاں تک اس میں تجلی حق جلوہ گر ہوتی ہے اور اگر امر دینی مطلوب ہو، اس کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔ ایسے دل کی طرف اس حدیث شریف میں ارشاد ہے خیرا جعل لہ واعظا من قلبہ ترجمہ: جس شخص کے لئے خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل میں واعظ موجود کرتا ہے یعنی اس کے لئے اللہ عزوجل کی طرف سے نگہبان رہتا ہے اور ایسے ہی دل میں ذکر الٰہی عزوجل ٹھہرتا ہے جس کے لئے اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ہے اَلَاَ بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ترجمہ: (اللہ کی یاد ہی سے دل چین پاتے ہیں) اور آثار مذمومہ جو آئینہ قلب پر عکس افگن ہوتے ہیں ان کا حال سیاہ دھوئیں جیسا ہے کہ جتنا آئینہ پر پہنچتا ہے وہ سیاہ ہو جاتا ہے اسی طرح دل بھی ان آثار سے تاریک ہوتے ہوتے بالکل اللہ تعالیٰ سے محجوب ہو جاتا ہے اور اسی پردہ کا نام طبع اور ران ہے یعنی مہر اور رنگ جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ترجمہ: کوئی نہیں پر رنگ پکڑ گیا ہے ان کے دلوں پر جو وہ کماتے تھے۔ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ترجمہ: اور اگر ہم چاہیں تو ان کو پکڑ لیں ان کے گناہوں پر اور ہم نے مہر کر دی ہے۔ ان کے دلوں پر سو وہ نہیں سنتے۔ اس آیت شریف میں نہ سننے کو کثرت گناہوں کی وجہ سے مہر لگ جانے کے ساتھ مربوط کیا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ سننے کو تقویٰ کے ساتھ مربوط فرمایا۔ اور وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ترجمہ: اور ڈرتے رہو اللہ سے اور سن رکھو ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ تم کو سکھاتا ہے۔ غرض کہ جب گناہوں کی کثرت سے دل پر مہر لگ جاتی ہے تو وہ ادراک حق اور دین کی محبت سے اندھا ہو جاتا ہے اور امر آخرت کو حقیر جاننے لگتا ہے اور دنیا کا کام بڑا سمجھتا ہے اور بالکل اسی میں ہمت صرف کرتا ہے اور جب آخرت اور اس کے احوال کا سنتا ہے تو ایک کان سے سن

کر دوسرے کان سے نکال ڈالتا ہے اور یہ ذکر اس کے دل میں قیام نہیں کرتا اور تدارک اور توبہ کی طرف رغبت نہیں دلاتا ایسے لوگوں کا حال یہ ہے کہ قَدْ یَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ترجمہ: وہ آس توڑ چکے ہیں۔ آخرت سے جیسے آس توڑی منکروں نے قبر والوں سے۔

فائدہ: یہی معنی ہے سیاہی قلب کا جس کا ذکر قرآن مجید اور سنت مبارکہ میں ہے' میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ منقوش ہو جاتا ہے اور جب توبہ کرتا ہے تو مٹ جاتا ہے پھر اگر دوبارہ گناہ کرتا ہے تو اس نقطہ میں زیادتی ہوتی ہے یہاں تک کہ ہوتے ہوتے سارے دل پر سیاہی دوڑتی ہے اور اسی کا نام رین یعنی زنگ ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں قلب المومن اجرد فیہ سراج یز ھرو قلب الکافرا سود منکوس ترجمہ: مومن کا دل صاف ہوتا ہے اس میں چراغ روشن ہوتا ہے اور کافر کا دل سیاہ اور اوندھا ہوتا ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ (عزوجل) کی طاعت اور شہوات کی مخالفت سے دل کی جلا ہوتی ہے اور اس کی نافرمانی سے دل سیاہ ہوتا ہے پس جو کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور گناہ کے بعد نیک کام کرتا ہے اور پہلا اثر مٹانا چاہتا ہے تو اگرچہ سیاہی دور ہو جاتی ہے مگر نور میں کمی پھر بھی رہتی ہے جیسے آئینہ پر پھونک مار کر اسے صاف کر ڈالو پھر پھونک مار کر پھر صاف کرو تو اس میں کچھ نہ کچھ میل رہ جاتی ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ القلب ربعة قلب اجرو فیہ سراج یزہرو فذالک قلب المؤمن و قلب اسود منکوس فذلک قلب الکافرو و قلب غلب مربوط علی غلافہ فذالک قلب المنافق وقلب مصفح فیہ ایمان و نفاق مثل الایمان فیہ کمثل البقلة یمد ہا الماۤء الطیب و مثل الناق فیہ کمثل القرحة یمدھا القیح والصد یدہ فای الماوتین غلیت علیہ حکم لہ بھاؤ فی روایۃ وھیۃ ترجمہ: دل چار قسم ہیں۔ ایک دل جلا کیا ہو۔ جس میں چراغ روشن ہے۔ یہ تو ایمان دار کا دل ہے اور دوسرا دل اوندھا ہوتا ہے۔ وہ کافروں کا دل ہے۔ تیسرا وہ دل ہے جس پر غلاف ہے اور اس کا منہ بندھا ہوا ہوتا ہے۔ وہ منافق کا دل کی ہے۔ چوتھا وہ دل ہے جس میں ایمان و نفاق دونوں ہوں۔ ایمان کا اثر اس میں ایسا ہوگا جیسے سبزہ کو پاک پانی نشو ونما دیتا ہے اور نفاق کی تاثیر ایسی ہوگی جیسے پیپ' وہ زخم کو پھیلاتی ہیں پس جونسا مادہ ان دونوں میں سے بڑھ جائے گا دل کو اس کا حکم لگ جائے گا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ دل کو وہی مادہ لے جائے گا

اور اللہ جل شانہ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (الاعراف 201) ترجمہ کنزالایمان: بے شک وہ جو ڈر والے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے ہوشیار ہو جاتے ہیں اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اس آیت میں بتلا دیا کہ جلاء قلب ذکر اللہ سے حاصل ہوتی ہے اور ذکر

تقویٰ والے ہی کرتے ہیں۔

فائدہ: تقویٰ ذکر کا پھاٹک ہے اور ذکر کشف کا دروازہ ہے اور کشف نور اکبر یعنی دیار الٰہی کا دروازہ ہے۔

دل کی مثال بااعتبار علوم کے: علم کا محل قلب ہے یعنی وہ لطیفہ جو تمام اعضاء کی تدبیر کرتا ہے اور سب اس کی طاعت و خدمت کرتے ہیں۔ اس کا حال حقائق معلومات کی بہ نسبت ایسا ہے جیسے آئینہ کا حال بہ نسبت صور محسوسہ کے یعنی جس طرح کی چیزوں کی تصویر آئینہ میں منقش ہو کر اس میں موجود رہتی ہے اسی طرح ہر ایک معلوم کی تصویر آئینہ قلب میں عکس افگن ہو کر اس پر واضح ہو جاتی ہے اور جس طرح کہ آئینہ اور چیز ہے اور چیزوں کی صورت لور چیز اور ان کا آئینہ میں آجانا اور چیز اسی طرح دل کے بارے میں بھی تین چیزیں جدا جدا ہیں۔ ایک قلب' دوسرا حقائق اشیا' تیسرا علم۔ ان حقائق کی صورتوں کا آئینہ جو قلب میں حاضر ہوتا ہے ایک اور مثال عالم اور معلوم اور علم کی ہے۔

فائدہ: قبضہ اور گرفت کے لیے تین چیزیں چاہئیں گرفت کرنے والا جیسے ہاتھ' جس کو گرفت کرتا ہے جیسے تلوار' ہاتھ اور تلوار کا ملنا جسے گرفت کہتے ہیں۔ اسی طرح معلوم کی تصویر کا دل میں پہنچنا علم کہلاتا ہے اور کبھی حقیقت چیز کی بھی موجود ہوتی ہے اور دل بھی موجود مگر علم نہیں ہوتا کیونکہ علم نام اسی شے کا ہے کہ حقیقت چیز کی دل تک پہنچ جائے جس طرح تلوار بھی ہو اور ہاتھ بھی مگر جب تک ہاتھ میں نہ آئے گی تو گرفت نہیں کہلائے گی۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ گرفت میں بعینہ تلوار ہاتھ میں آجاتی ہے اور معلوم بعینہ دل میں نہیں آتا۔ مثلاً کوئی آگ کو جان لے تو خود آگ اس میں نہیں چلی جائے گی بلکہ آگ کی حقیقت جو اس کی ظاہری شکل کے مطابق ہے وہ دل میں آجاتی ہے۔ اسی وجہ سے اسے آئینہ کے ساتھ تشبیہ مناسب ہے کیونکہ آئینہ میں بھی خود آئینہ نہیں چلا جاتا بلکہ ایک د صورت اس کے مطابق حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح دل میں معلوم کی صورت ہی آجاتی ہے اور بڑی وجہ تشبیہ کی آئینہ کے ساتھ یہ ہے کہ آئینہ میں پانچ وجہ سے صورت معلوم نہیں ہوتی۔ اول تو یہ کہ آئینہ ہی اچھا نہ ہو یعنی اس کے جواہر میں نقصان ہو یا اس کی شکل ٹھیک نہ ہو' دوسرا یہ کہ اس میں کسی اور وجہ سے میل آگئی ہو۔ تیسرا یہ کہ جس چیز کا آئینہ میں عکس پڑے وہ اس کے سامنے نہ ہو یا مثلاً اس کے پیچھے ہو۔ چوتھے یہ کہ چیز اور آئینہ کے درمیان میں آڑ ہو۔ پانچویں یہ کہ جس چیز کی صورت آئینہ میں دیکھی ہے اس کی جہت معلوم نہ ہو اس کے بموجب آئینہ ٹھیک سمت پر رکھا جائے۔ اسی طرح آئینہ قلب بھی ایسی چیز ہے کہ اس میں تمام امور میں امر حق منکشف ہو سکتا ہے مگر قلوب میں جو بعض علوم نہیں آتے تو ان کا سبب وہی پانچ چیزیں ہیں اول خود قلب کا ناقص ہونا' جیسے بچوں کا قلب ہوتا ہے کہ اس میں معلومات کا انکشاف نقصان کی وجہ سے نہیں ہوتا دوسرے کدورت گناہوں کی اور میل معاصی کا بباعث کثرت شہوات کے قلب پر پے درپے آتا ہے اور اس کی صفائی اور جلا کو ضائع کر دیتا ہے تو اس

کی تاریکی کی وجہ سے حق بات اس میں ظاہر نہیں ہو سکتی اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس حدیث شریف میں کہ جو شخص گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو عقل اس سے جدا ہوجاتی ہے اور پھر کبھی اس کے پاس نہیں آتی یعنی اس کے دل میں ایسی کدورت آجائے گی کہ اس کا اثر کبھی نہیں جائے گا کیونکہ اس بارے میں اصل یہ ہے کہ گناہ کے بعد جو نیکی کرے گا جس کے سبب وہ اثر دور نہ ہو لیکن وہ اگر گناہ نہ کرتا اور نیکی ہی کرتا تو بے شک دل میں نور زیادہ ہوتا مگر چونکہ پہلے گناہ کرچکا ہے تو نیکی کا فائدہ نہ ہوا۔ جیسا کہ قلب گناہ سے پہلے تھا ویسا ہی ہوگیا۔ نور کی زیادتی نہ ہوئی تو یہ واقع میں بڑا نقصان ہے جس کا کچھ علاج نہیں۔ مثلاً جس آئینہ پر زنگ لگ جاتا ہے صقیل سے دور کیا جاتا ہے وہ اس آئینہ کی طرح نہیں ہوتا جسے بے زنگ جلا کی جائے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ کی اطاعت کی طرف متوجہ ہونا اور مقتضائے شہوات سے روگردان ہونا جلائے قلب اور صفائے باطن کرتا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (عنکبوت 69) ترجمہ کنزالایمان: اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیں گے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا من عمل بما علم ورثه الله علم مالم يعالم ترجمہ: جو شخص علم کے بموجب عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ایسی چیزوں کا علم دیتا ہے جو اس کو معلوم نہ تھیں۔ تیسرا یہ کہ حقیقت مطلوبہ کی جہت سے پھرا ہوا ہو مثلاً ایک شخص مطیع اور صالح ہے مگر اس کا قلب طالب حق نہیں بلکہ اکثر طاعات بدنیہ یا اسباب معیشت کی تحصیل میں اپنی ہمت کو مصروف رکھتا ہے اور فکر کے حقائق خفیہ الہیہ اور حضرت ربوبیت کے تامل میں نہیں لگاتا تو اس کا دل اگرچہ صاف ہوتا ہے لیکن اس میں جلوہ حق نہیں ہوتا' بلکہ اس میں وہی امر منکشف ہوتا ہے جس کا اس کو خیال ہے مثلاً اگر آفات اعمال کے حقائق میں تھی یا نفس کے خفیہ عیوب جاننے میں یا مصالح معیشت کے متعلق ہیں تو یہی باتیں منکشف ہو جائیں گی' ثابت ہوا کہ صرف ہمت اجمال اور تفصیل طاعات میں مانع انکشاف جلوہ حق ہے تو جو لوگ اپنی ہمت کو شہوات دنیوی اور اس کی لذات و علائق میں مصروف رکھتے ہیں ان پر کس طرح کشف حقیقی ہو سکتا ہے۔ چوتھا حجاب مانع انکشاف ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی نیک آدمی جس نے اپنی شہوات کو دبا رکھا ہے۔ اگر کسی حقیقت کے دریافت میں فکر کرے تو بعض اوقات اس کو امر حق منکشف نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ بوجہ تقلید آبائی یا حسن ظن کے کسی ایسی بات کا اعتقاد کرلیتا ہے کہ یہی اعتقاد امر حق میں اور اس کے دل میں حجاب ہو جاتا ہے اور جس بات کا وہ بچپن سے معتقد ہے اور خاندانی تقلید کی وجہ سے اس کے دل پر جم رہی ہے وہ اسے مانع ہے کہ اس کا خلاف اس کے دل پر منکشف ہو جائے اور یہ بھی بڑا حجاب ہے کہ جس کی وجہ سے اکثر متکلمین اور مذاہب کے متعصبین امر حق سے محجوب ہیں بلکہ اکثر صالحین جن کو فکر ملکوت زمین و آسمان میں رہتی ہے وہ بھی اس بلا میں مبتلا ہوتے ہیں کہ بعض اعتقادات تقلید یہ ان کے نفوس میں ایسے جم جاتے ہیں کہ ادراک حقائق سے مانع ہوتے ہیں۔ پانچویں عدم واقفیت کہ جس کی وجہ سے مطلوب حاصل ہو مثلاً کوئی طالب علم اگر کسی مجهول شے کو

دریافت کرنا چاہے تو جب تک معلومات مناسب مطلوب کا خیال نہ کرے گا اور ان معلومات کو بہ ترتیب خاص کہ علماء کے نزدیک معتبر ہوں نہ رکھے گا اس وقت قید تک مجہول مطلوب حاصل نہ ہوگا کیونکہ جو معلمات جبلی نہیں ہیں ان کا علم بغیر دوسرے معلومات کے حاصل نہیں ہو سکتے بلکہ ہر ایک علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم اس سے پہلے حاصل ہوں اور ان میں ترکیب و ازدواج مخصوص عمل میں آئے تب تیسرا علم حاصل ہو جس طرح کہ بچہ نر اور مادہ سے پیدا ہوتا ہے۔ پھر جیسا کہ بچھڑا اگر کسی کو مطلوب ہو تو وہ اونٹ اور گدھے اور انسان سے نہیں مل سکتا بلکہ اس کے لیے گھوڑا گھوڑی چاہئے کہ ان دونوں میں وطی کے بعد مطلوب حاصل ہو اسی طرح ہر ایک علم کے لیے دو اصل مخصوص اور ایک طریق لن کی ترکیب کو چاہئے جن سے علم مطلوب حاصل ہو پس عدم واقفیت اور عدم کیفیت ترکیب کی مانع ادارک ہوتی ہے جیسے آئینہ میں جہت مطلوب کے معلوم نہ ہونے سے صورت عکس افگن نہیں ہوتی۔

فائدہ: واضح تر مثال یہ ہے کہ مثلاً کوئی آدمی یہ چاہے کہ آئینہ میں اپنی پیٹھ دیکھ لے تو اگر آئینہ کو اپنے منہ سے سامنے رکھے گا تو پشت نظر نہ آئے گی کیونکہ آئینہ اس کے محاذی نہیں اگر آئینہ کو پشت کے محاذی کرے گا تب بھی پشت نظر نہ آئے گی بلکہ خود آئینہ بھی نظر نہ آئے گا کہ آنکھ سے اوجھل ہوگیا تو اس صورت میں آئینہ کی ضرورت یوں ہوگی کہ ایک تو وہ محاذی پشت کے رکھے اور دوسرے کو اسی طرح آنکھ کے سامنے رکھے کہ دونوں آئینوں میں محاذات رہے۔ اس صورت میں یہ شخص اپنی پیٹھ دیکھ سکتا ہے اس لیے کہ اس کی پشت کا عکس پیچھے کے آئینہ میں پڑے گا اور اس کا عکس دوسرے آئینہ (جو سامنے رکھا ہوا ہے) میں پڑے گا تو پہلے آئینہ میں جو پشت کا عکس تھا وہ دوسرے میں معلوم ہونے لگے گا اسی طرح علوم کے حاصل کرنے میں تصرفات اور تعریفات اس مثال سے بھی بڑھ کر عجیب تر ہوتے ہیں اور روئے زمین پر ایسا کوئی نہیں کہ جس کو ان تعریفات کی کیفیت ہی معلوم ہو جایا کرے تو یہی سبب قلوب کے لیے مانع معرفت حقائق امور کا ہو جاتا ہے۔

فائدہ: ہر ایک قلب کو بااعتبار جبلت ادراک حقائق کی صلاحیت ہے اس لیے کہ وہ امر ربانی ہے اور تمام جواہر میں اسی خاصیت کے باعث ممتاز و اشرف ہے۔ اسی طرح اللہ جل شانہ نے اس آیت مبارکہ میں ارشاد فرمایا ہے۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (احزاب 72) ترجمہ کنزالایمان: بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی' آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں' پر تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اٹھائی)

فائدہ: انسان میں ایک خاصیت ہے جس سے وہ آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں سے ممتاز ہو کر تحمل اور امانت الٰہی کے قابل ٹھہرا اور وہ امانت معرفت اور توحید ہے کہ ہر ایک شخص کا دل اس کے اٹھانے کی لیاقت رکھتا ہے مگر جو

اسباب ہم نے ذکر کیے ان کی وجہ سے امرواجی تک نہیں ہو سکتا اسی لیے حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کل مولو یولد علی الفطرۃ و انما ابواہ یھودانہ اوینصرا او یمجسانہ ترجمہ: ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر والدین اسے یہودی بنائیں یا نصرانی یا مجوسی۔

(حدیث شریف) لولا ان الشیاطین یحمون علی قلوب بنی ادم لنظر و الی ملکوت السماء ترجمہ: اگر شیاطین بنی آدم کے قلوب کے اردگرد نہ گھومیں تو آسمان کے ملکوت کا مشاہدہ کریں۔ اس ارشاد میں ان بعض اسباب کی طرف اشارہ ہے جو قلب اور ملکوت میں حجاب ہوئے ہیں اور اسی کی طرف اشارہ ہے کہ اس قول میں جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضور ﷺ سے لوگوں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے زمین میں ہے یا آسمان میں ہے آپ نے فرمایا ایمان والوں کے دلوں میں (اویسی غفرلہ) کہتا ہے کہ اللہ والوں کے قلوب میں جلوہ حق کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ خود کعبہ کو ان کے طواف کا اشتیاق ہوتا ہے۔ جیسے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا و دیگر اکابر اولیاء اکرم کے لیے مشہور ہے اس مسئلہ کی شرعی و علمی تحقیق فقیر کے رسالہ 'التحقیق الجلی فی ان الکتبہ تذھب الی زیارۃ الولی میں پڑھئے۔

حدیث قدسی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہ میری گنجائش زمین ہے نہ آسمان ہے اور میری گنجائش میرے بندہ مومن کے دل میں ہے۔ جو نرم اور ساکن ہو اور ایک حدیث میں ہے قیل یا رسول اللہ من خیر الناس فقال کل مومن مخموم القلب فقال ہو النقی الذی لا غش فیہ ولا بغی ولا غل ولا حسد (ترجمہ) عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ سب سے بہتر کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو مخدم القلب ہے۔ عرض کی گئی اس کا معنی کیا ہے۔ فرمایا وہ متقی جس میں کھوٹ اور سرکشی اور فریب اور حسد نہ ہو اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے دل نے اللہ کو جب دیکھا جب تقویٰ کے باعث حجاب دور ہوگیا اور جس شخص کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سے حجاب اٹھ جاتا ہے تو ملک اور ملکوت کی صورت اس کے دل میں ظاہر ہوتی ہے تو اس کو ایسی جنت نظر آتی ہے کہ اس کا معمولی عرض آسمان اور زمین کے برابر اور تمام جنت تو ایسی ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں نہیں سما سکتی کیونکہ یہ چیزیں اس عالم محسوس کی ہیں اور یہ عالم اگرچہ بہت لمبا چوڑا ہے پھر بھی حد و انتہا رکھتا ہے لیکن عالم ملکوت یعنی وہ اسرار غائبہ (جو آنکھ سے محسوس نہیں ہوتے اور ان کے لیے نور بصیرت درکار ہے۔) وہ بے حد و بے پایا ہیں۔ ہاں جس قدر کے قلب میں ان کا ظہور ہوتا ہے وہ مقدار متناہی ہے مگر ان کو بذات خود دیکھنا باعتبار علم الٰہی کے خیال کرنا اس کا کوئی ٹھکانا نہیں یعنی بے انتہا ہیں اور تمام عالم ملکوت کو یکجا کیا جائے تو اس کا نام حضرت ربوبیت ہے کیونکہ حضرت ربوبیت تمام موجودات کو محیط ہے اس لیے کہ سوائے اللہ کے جو کچھ موجود ہے وہ اس کے افعال میں یا اس کی مملکت یا اس کے بندے تو جس قدر ان میں سے قلب پر واضح ہوتا ہے بعض کے نزدیک بعینہ وہی جنت ہے مگر اہل حق اس کو سبب استحقاق جنت جانتے ہیں اور جنت میں وسعت ملک موافق وسعت معرفت کے ہوگی۔ یعنی اللہ کی صفات اور افعال میں سے جس قدر اس کو زیادہ معلوم ہوگا اسی قدر وسعت بھی زیادہ ہوگی۔ اور تمام طاعات اعمال جوارح کا

مقصود یہی ہے کہ دل صاف و شکستہ اور جلا یافتہ ہو اور اس کی جلا سے یہ مراد ہے کہ نور ایمان یعنی لمعہ معرفت اس میں آجائے اور یہی مراد ہے اس آیت شریف میں فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (الانعام 126) ترجمہ کنزالایمان: اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے ایک دوسری آیت میں بھی ہے اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (الزمر 22) (ترجمہ: کنزالایمان) تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔

فائدہ: اسی تجلی اور ایمان کے تین مرتبے ہیں۔ (1) ایمان عوام اس کی بنا محض تقلید پر ہوتی ہے۔ (2) ایمان متکلمین اس میں کچھ حجت و دلیل بھی ہوتی ہے مگر اس کا درجہ بھی ایمان عوام کے قریب ہی ہوتا ہے۔ (3) ایمان عارفین جو نور یقین سے معمور ہوتا ہے۔ ہم ان مراتب کو مثال سے بیان کرتے ہیں۔

(1) زید کی گھر میں موجودگی کی تصدیق انسان کو تین طرح سے ہو سکتی ہے۔ کوئی ایسا شخص بیان کرے جس کے لیے بارہا اس کی صداقت کا امتحان ہو کسی طرح کی جھوٹی بات اس کی طرف سے مشہور نہ ہوئی ہو نہ اس کے قول میں گنجائش اتہام ہو تو ایسے شخص کے کہتے ہی یقین ہوگا کہ بے شک زید گھر میں ہے یہ مثال اس ایمان کی ہے جو محض تقلید سے ہو۔ یعنی ایمان عوام کیونکہ ان کا بھی یہی حال ہے کہ جب سن تمیز کو پہنچ کر اپنے ماں باپ سے اللہ تعالیٰ

1: امانت کے متعلق علماء کا اختلاف، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ امانت سے مراد اطاعت و فرائض ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پیش کیا، انہیں کو آسمانوں زمینوں پہاڑوں پر پیش کیا تھا کہ اگر وہ انہیں ادا کریں گے تو ثواب دیئے جائیں گے نہ ادا کریں گے تو عذاب کیے جائیں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ امانت نمازیں ادا کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزہ رکھنا، خانہ کعبہ کا حج، سچ بولنا، ناپ اور تول میں اور لوگوں کی ودیعتوں میں عدل کرنا ہے۔ بعضوں نے کہا کہ امانت سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جن کا حکم دیا گیا اور جن کی ممانعت کی گئی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ تمام اعضاء، کان ہاتھ، پاؤں وغیرہ سب امانت ہیں۔ اس کا ایمان ہی کیا جو امانت دار نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ امانت سے مراد لوگوں کی ودیعتیں اور عہدوں کو پورا کرنا ہے تو ہر مومن پر فرض ہے کہ نہ کسی مومن کی خیانت کرے نہ کافر معاہد کی نہ قلیل میں نہ کثیر میں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ امانت اعیان سموت و ارض و جبال پر پیش فرمائی پھر ان سے فرمایا کیا تم ان امانتوں کو مع اس کی ذمہ داری کے اٹھاؤ گے۔ انہوں نے عرض کیا ذمہ داری کیا ہے۔ فرمایا یہ کہ اگر نافرمانی کرو تو تمہیں عذاب کیا جائے گا۔ انہوں نے عرض کیا نہیں اے رب ہم تیرے حکم کے مطیع ہیں نہ ثواب چاہئے نہ عذاب اور ان کا یہ عرض کرنا براہ خوف و خشیت تھا اور امانت بطور تخیر پیش کی گئی تھی۔ یعنی انہیں اختیار دیا گیا تھا کہ اپنے میں قوت و ہمت پائیں تو اٹھائیں ورنہ معذرت کردیں۔ اس کا اٹھانا لازم نہیں کیا گیا تھا اور اگر لازم کیا جاتا تو وہ انکار نہ کرتے کہ اگر ادا نہ کرسکے تو عذاب کیے جائیں گے تو اللہ عزوجل نے وہ امانت حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کی اور فرمایا کہ میں نے آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کی تھی وہ نہ اٹھا سکے تو مع اس کی ذمہ داری کے اٹھا سکے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اقرار کیا (خزائن) اس آیت کی مزید تحقیق د تفسیر فقیر کی تفسیر فیوض الرحمان ترجمہ روح البیان میں ملاحظہ ہو (اویسی غفرلہ)

کے وجود اور علم و قدرت و ارادہ و جمیع صفات الٰہی اور انبیاء کے مبعوث برحق ہونے کو اور جو احکام لائے ہیں ان کو سچ ہونے کو سنتے ہیں تو فوراً ایمان لاتے اور اس پر ثابت قدم رہتے ہیں اور اس کا خلاف ان کے دل میں نہیں گزرتا کیونکہ اپنے ماں باپ اور اساتذہ کی طرف حسن ظن ہوتا ہے۔

فائدہ: اس طرح کا ایمان باعث نجات اخروی ہوتا ہے۔ ایسے ایماندار اصحاب یمین میں سے ادنیٰ درجہ کے ہوتے ہیں مگر مقربین میں سے نہیں ہوتے کیونکہ تقرب میں کشف اور بصیرت اور نور یقین سے سینہ کا منور ہونا بھی ہوتا ہے جو تقلیدی ایمان میں نہیں پایا جاتا اس کے علاوہ اعتقاد میں جو خبر بعض یا بہت سے لوگ بیان کریں اس میں غلطی بھی ممکن ہے۔ مثلاً یہود اور نصاریٰ کے قلوب کو بھی اپنے ماں باپ کے قول پر اطمینان ہوتا ہے مگر جس بات کے وہ معتقد ہیں وہ غلط ہے کیونکہ ان کے دلوں پر غلطی ہی کا القا ہوا ہے اور مسلمانوں کا اعتقاد حق ہے اور یہ حقیقت اس وجہ سے نہیں کہ ان کو اس کی اطلاع ہوگئی بلکہ اس وجہ سے ہے کہ دلوں میں حق بات کا القا ہوا ہے۔

(2) کوئی زید کی آواز گھر سے سنے اور وہ خود دیوار کی آڑ میں ہو تو اسے بھی معلوم ہوگا کہ زید گھر میں ہے اور جس قدر تصدیق کہ دوسرے کہ کہنے سے ہوئی آواز سننے سے اس سے کسی قدر زیادہ ہوگی مثلاً پہلے سے سن رکھا تھا کہ زید گھر میں ہے پھر اس کی آواز بھی اندر سے سن گئی تو زیادہ یقین ہو جائے گا کیونکہ آواز سننے سے تمام شکل و صورت بولنے والی خیال میں گزر جاتی ہے اور دل میں یہ بات آجاتی ہے کہ یہ آواز فلاں شخص کی ہے یہ مثال دوسری قسم کے ایمان کی ہے جس میں کچھ دلیل کی بھی ملاوٹ ہوتی ہے غلطی اس میں بھی ممکن ہے کیونکہ ایک آواز دوسری آواز سے بھی مشابہ ہو سکتی ہے اور بعض اوقات دوسرے شخص کی آواز نقل کرنے سے بہ تکلف ویسا ہی بولنے لگتے ہیں اور یہ امر سامع کو معلوم نہیں ہوتا کیونکہ وہ بالکل خالی الذہن ہوتا ہے اور آواز کی مشابہت اور نقل و حکایات سے کچھ غرض نہیں رکھتا۔

(3) انسان خود اندر جا کر زید کو دیکھ لے کہ گھر میں موجود ہے یہ ایمان عارفین اور مقربین اور صدیقین کی مثال ہے۔ اسی کو معرفت حقیقی اور مشاہدہ یقین کہتے ہیں کہ ان کا ایمان مشاہدہ کے بعد ہوتا ہے۔ ان کا ایمان عوام اور متکلمین کو متضمن ہے مگر اس میں ایک ایسی زیادتی مشاہدہ میں ہو جاتی ہے کہ اس میں غلطی کا احتمال نہیں رہتا ہاں ان میں بھی مقدار علوم اور کشف میں تفاوت ہوتا ہے۔ علم کے درجہ کا تفاوت تو یوں سمجھنا چاہئے کہ مثال مذکورہ بالا میں کوئی زید کو گھر کے صحن میں قریب جا کر خوب روشنی میں دیکھے اور دوسرا اس کو کسی کوٹھڑی میں یا دور سے یا شام کے وقت دیکھے تو پہلے شخص کا دیکھنا زیادہ کامل ہوگا اور دوسرے کا بھی گو اس وجہ سے عمدہ ہے کہ دیکھنے کے بعد اس کے وجود کا یقین ہوا۔ مگر اس کے خیال میں زید کی شکل و صورت میں جو علامات ہوں گے وہ اچھی طرح نہ آئیں گی۔ اسی طرح مشاہدہ کے امور میں بھی فرق ہوا کرتا ہے کہ بعض کو خوب حقائق خفیہ تک معلوم ہو جاتے ہیں اور بعض اس سے محروم رہتے ہیں۔ جیسا کہ تفاوت علم میں ہوتا ہے۔ ویسا ہی معلوم میں بھی ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے زید کو مع

بکر و عمر وغیرہ کے دیکھا اور دوسرے نے صرف زید کو دیکھا تو اول کے معلومات زیادہ ہوں گے۔

باعتبار عقلی دینی، دینوی اور اخروی علوم کے دل کے حالات: پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ قلب اپنی طبیعت سے حقائق معلومہ کے قبول کرنے پر مستعد ہے۔ اب یہ بیان ہوگا کہ جو علوم اسے حاصل ہوتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں (۱) عقلی (2) شرعی۔ پھر عقلی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (۱) بدیہی (2) سیکھنے سے حاصل ہو۔

جو علوم سیکھنے سے حاصل ہوں وہ بھی دو طرح ہیں۔ (۱) دینوی (2) اخروی اور علوم عقلی سے ہماری مراد یہ ہے کہ نفس عقل ان کا مقتضی ہو، تقلید و سماع کو اس میں دخل نہ ہو۔ ان میں سے بدیہی علوم وہ ہیں کہ جن سے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کہاں سے اور کس طور حاصل ہوئے مثلاً یہ جاننا کہ ایک شخص دو مکانوں میں ایک ہی وقت نہیں رہ سکتا اور ایک ہی چیز قدیم اور حادث یا موجود اور معدوم بیک وقت نہیں ہو سکتی تو یہ علوم انسان بچپن سے جانتا ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ یہ کب اور کس طرح حاصل ہوئے۔ یعنی ان کا کوئی سبب قریب ظاہری نہیں جانتا ورنہ یہ تو جانتا ہے کہ یہ علوم اللہ کی طرف سے دل میں آگئے ہیں اور جو علوم کو سیکھنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ وہ ہیں کہ جن میں تعلیم اور استدلال کی ضرورت ہے اور ان دونوں قسموں کو عقل کہتے ہیں چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے فرمایا۔

احادیث مبارکہ: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا خلق اللّٰہ خلقا اکرم علیہ من العقل ترجمہ اللہ تعالیٰ نے کوئی مخلوق اپنے نزدیک زیادہ بزرگ عقل سے بڑھ کر پیدا نہیں کی۔

فائدہ: (۱) اس سے عقل کی قسم اول مراد ہے (2) ارشاد فرمایا اذا تقرب الناس الی اللّٰہ تعالی بانواع البر فتقرب انت بعقلک ترجمہ: جب لوگ اللہ تعالیٰ کا تقرب اقسام نیکیوں سے حاصل کریں تو اپنی عقل سے قرب الی اللہ کریں۔

اس میں دوسری قسم کی عقل مراد ہے کیونکہ تقرب الی اللہ عقل عزیزی فطری سے ممکن نہیں اور نہ علوم بدیہی سے حاصل ہو سکتا ہے بلکہ اس کے لیے علوم مکتبہ درکار ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسا شخص ہی تقرب کے لیے ان علوم کے حاصل کرنے میں کہ جن سے قرب رب العالمین حاصل ہو، عقل کو استعمال کر سکتا ہے۔ ہر ایک کا کام نہیں۔

فائدہ: قلب کو بمنزلہ آنکھ کے تصور کرنا چاہئے اور عقل فطری کو اس میں بمنزلہ قوت بینائی معلوم کرنا چاہئے اور قوت بینائی ایک ایسا لطیفہ ہے جو نابینا میں نہیں ہوتا اور بینا میں موجود رہتا ہے اگرچہ وہ اپنی آنکھیں بند کرلے یا اندھیری رات میں ہو اور قلب کو جو علم اس عقل سے حاصل ہوتا ہے اس کو بجائے قوت ادراک آنکھ کے یعنی رویت عین اشیا کی شمار کرنا چاہئے اور عقل کی آنکھ سے جو اور علوم وقت بچپن سے ہیں تمیز اور بلوغ تک مخفی رہتے ہیں ان کو یوں سمجھنا چاہئے کہ آنکھ بھی جب تک آفتاب نہیں چمکتا اور مبصرات پر اس کا نور نہیں پھیلتا اس وقت

تک آنکھ کوئی کام نہیں کرتی اور قلم کو جس سے اللہ تعالیٰ نے معلوم کو قلب پر نقش فرمایا ہے بمنزلہ قرص آفتاب کے خیال کرنا چاہئے اور بچپن میں جو علم حاصل نہیں ہوتا اس کی وجہ یہی ہے کہ اس وقت تک اس کے قلب کی تختی میں لیاقت نقش علوم کی نہیں ہوئی اور قلم سے ہماری یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی چیز پیدا نہیں کی جس سے علوم کا نقش دل پر ہو جاتا ہے۔خود فرمایا اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ (العلق پ30، 4) ترجمہ کنزالایمان: جس نے قلم سے لکھنا سکھایا آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا ہے۔

ازالہ وہم: اللہ تعالیٰ کا قلم (ا) ہمارے تمہارے قلم جیسا نہیں جیسے اس کے اوصاف مخلوق کے اوصاف سے بالکل جدا ہیں اس کا قلم لکڑی اور کانے وغیرہ کا نہیں جیسے وہ خود جوہر عرض ہونے سے منزہ ہے۔ ایسے ہی اس کا قلم غرضیکہ بصیرت باطنی اور بینائی ظاہری ہیں ان وجوہ مذکورہ بالا سے مشابہت ہو سکتی ہے مگر شرف اور مرتبہ میں کوئی مناسبت نہیں کیونکہ بصیرت باطنی عین نفس ہے جو لطیفہ مدرکہ کہلاتا ہے وہ بمنزلہ سوار کے ہے اور بدن مثل گھوڑے کے اور سوار اگر نابینا ہو تو اس کا زیادہ ضرر ہے بہ نسبت گھوڑے کی بینائی کے بلکہ ایک ضرر کو دوسرے سے کچھ مناسبت نہیں اور چونکہ بصیرت باطنی اور ظاہری میں مشابہت پائی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے بھی دل کے ادراک کو بینائی سے تعبیر فرمایا ہے کہ مَاکَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی (النجم پ27، 11) ترجمہ کنزالایمان: دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔ اسی طرح اس آیت شریفہ میں کَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرٰھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الانعام پ7، 75) ترجمہ کنزالایمان: اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

ادراک قلبی کو رویت سے بیان فرمایا اس سے رویت ظاہری ہرگز مقصود نہیں کیونکہ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی خصوصیت نہیں رہتی بلکہ اعتراض کی گنجائش باقی رہتی ہے اور نیز بوجہ مشابہت مذکورہ ضد ادراک کو نابینائی سے تعبیر فرمایا ہے کہ فَاِنَّھَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ (الحج پ17، 46) ترجمہ کنزالایمان: تو یہ کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔اور فرمایا وَمَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی (بنی اسرائیل پ15) کنزالایمان: اور جو اس زندگی میں اندھا ہو وہ آخرت میں اندھا ہے۔

یہ ہے بیان علم عقلی کا اب علوم دینی کو سننا چاہئے وہ یہ ہیں کہ تقلید انبیاء صلوٰۃ اللہ علیہم سے علوم پہنچے ہوں اور وہ کتاب اللہ اور حدیث شریف رسول کریم ﷺ کے سیکھنے اور ان کے معانی سمجھنے سے حاصل ہوتے ہیں اور صفت قلبی کا کمال انہیں سے ہوتا ہے اور قلب امراض اور درد دل سے انہیں کے باعث بچتا رہتا ہے۔ علوم عقلیہ قلب کی سلامتی کے لیے کافی نہیں اگرچہ ان کی حاجت ہوتی ہے جس طرح

ا: یہ تقریر ان علم سے محروموں کو سنائے جو درود تاج پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں منقوش فی القلم عبارت صحیح نہیں ان کا اعتراض بھی اسی قیاس پر ہے کہ اللہ کا قلم عام قلموں جیسا ہے سوال و جواب کی توضیح و تشریح فقیر کی کتاب 'ضوء السراج فی شرح درود تاج' میں پڑھیے (اویسی غفرلہ)

کہ حدف دوام صحت بدن کے لیے کافی نہیں بلکہ خواص ادویہ اور ان کے اصولوں کو اطباء سے دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ یہ باتیں خود بخود عقل سے نہیں معلوم ہوتیں مگر سننے کے بعد ان کے سمجھنے کے لے عقل کی ضرورت ہوتی ہے اس سے یہ ثابت ہوا کہ عقل کو سماع سے چارہ نہیں اور سننے کو عقل سے گریز نہیں، پس جو محض تقلید کا ہو رہے اور عقل کو بالائے طاق رکھے وہ جاہل ہے۔ اسی طرح جو صرف عقل ہی پر اکتفا کرے اور انوار قرآنی اور حدیث شریف کی طرف ملتفت نہ ہو وہ مغرور اور فریب خوردہ ہے۔ سالک کو چاہئے کہ دونوں اصلوں کا جامع ہو کیونکہ علوم عقلیہ مثل غذا کے ہیں اور علوم شرعیہ مثل دوا کے بیمار کو اگر دوا نہ ملے گی تو صرف غذا سے تکلیف ہوگی۔ اسی طرح قلوب کی بیماری کا علاج انہیں معجونوں سے ہو سکتا ہے جو شریعت کے شفاخانہ سے ملتی ہیں۔ یعنی وظائف عبادات اور اعمال جن کو اصلاح قلوب کے لیے حکماء روحانی انبیاء علیہم الصلوۃ السلام نے تربیت دیا ہے جو شخص اپنے دل بیمار کا علاج عبادات شرعیہ سے نہ کرے تو اس کو ضرر ہوگا جیسے اس بیمار کو نقصان ہوتا ہے جو دوا نہ کھائے اور صرف غذا کھاتا رہے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ علوم عقلیہ علوم شرعیہ کے خلاف ہیں دونوں کا جامع ہونا ممکن نہیں تو یہ بات ان کی لاعلمی سے ہے۔ وہ لوگ نور بصیرت سے عاری ہیں بلکہ ایسے لوگوں کے نزدیک بعض علوم شرعیہ بھی ایک دوسرے کے مخالف معلوم ہونے لگتے ہیں اور ان کے جمع کرنے سے عاجز ہو کر یہ گمان کرتے ہیں کہ دین میں تناقص اور حیران ہو کر دین میں سے ایسے خارج ہو جاتے ہیں جیسے بال آٹے سے اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ان کو اپنے عجز کے باعث دین سے اختلاف معلوم ہوا حالانکہ یہ بات نہ تھی اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی نابینا کسی کے گھر جائے اور اتفاقاً" اس کا پاؤں برتنوں پر پڑ جائے پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ عجیب طرح کے آدمی ہیں کہ برتن راہ میں رکھ چھوڑے ہیں۔ ان کو اپنے موقع پر کیوں نہیں رکھا تو وہ لوگ اس سے کہیں کہ برتن تو تمام اپنے موقع پر ہیں مگر جناب کو نابینائی کی وجہ سے تمیز نہیں اور بڑے تعجب کی بات ہے کہ اپنے آپ کو تو نہ سمجھائے اور دوسروں کا قصور بتلائے یہی نسبت علوم دینیہ کی طرف علوم عقلیہ کی ہے۔ پھر علوم عقلی کی دو قسمیں ہیں۔ دنیوی جیسے علم طب اور حساب اور ہندسہ اور نجوم و دیگر صناعات اور حرفہ اور اخروی مثل علم احوال قلب اور آفات اعمال اور علم اللہ تعالیٰ اور اس کے صفات و افعال جیسا کہ باب علم میں ہم مفصل لکھ چکے ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے منافی ہیں۔ اس نظرے کہ اگر کوئی ان میں سے ایک طرف بہ تمام ہمت متوجہ ہوگا تو غالباً اس کی بصیرت دوسرے سے قاصر رہے گی۔ اسی لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دنیاؤ آخرت کی تین مثالیں فرمائی ہیں۔ (1) کہ دونوں مثل دو پلہ ترازو کے ہیں (2) میں ارشاد فرمایا کہ دونوں مثل مشرق اور مغرب کے اور (3) میں فرمایا کہ دونوں مثل دوستوں کے ہے اگر ایک راضی ہوگی تو دوسری ناراض اور یہی سبب ہے کہ جو لوگ امور دنیا میں خوب ہوشیار ہوتے ہیں اور علم طب اور حساب اور ہندسہ اور حکمت خوب جانتے ہیں وہ امور آخرت سے جاہل رہتے ہیں اور جن لوگوں کو دقائق علوم آخرت پر عبور ہوتا ہے وہ اکثر علوم دنیا کو نہیں جانتے کیونکہ قوت عقلی اکثر لوگوں کو

دونوں باتوں کے جمع کرنے کی وفا نہیں کرتی جب ایک کو سیکھتے ہیں تو دوسری بات میں کمال نہیں ہو سکتا اور اسی بنا پر حدیث میں وارد ہے کہ ان اکثر اہل الجنة بلہ جنت کے اکثر آدمی بھولے ہیں یعنی جن کو کہ امور دنیا کا شعور نہیں۔ (1)

ملفوظ حضرت حسین بصری رحمتہ اللہ علیہ: اپنے وعظ میں فرمایا کہ ہم نے ایسے لوگوں سے ملاقات کی ہے کہ اگر تم ان کو دیکھو تو تم ان کو مجنون کہو اور اگر وہ تمہیں دیکھیں تو وہ تمہیں شیطان کہیں۔

فائدہ: سالک کو چاہئے کہ جب کوئی امر دینی سنے کہ علماء علوم ظاہری اس کے منکر ہوں تو یہ شبہ نہ کرے کہ ان کو ایسے امور کے اقرار سے انکار ہے بلکہ یوں سمجھے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی چلے تو مشرق کو اور مغرب کی چیز اسے حاصل ہو جائے۔ امر دنیا اور آخرت بھی ایسے ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ (یونس 7) ترجمہ کنزالایمان: بے شک وہ جو ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پسند کر بیٹھے اور اس پر مطمئن ہوگئے اور وہ جو ہماری آیتوں سے غفلت کرتے ہیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (روم 7) ترجمہ کنزالایمان: جانتے ہیں آنکھوں کے سامنے کی دنیوی زندگی۔

فائدہ: امور دنیا میں کمال بصیرت انہیں حضرات کو حاصل ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے تدبیر معاش اور مواد دونوں عنایت فرمائے ہیں اور وہ زمرہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ہے کہ جنہیں روح قدس اور قوت الٰہی سے تائید ہوتی رہتی ہے۔ ان کے قلوب میں تمام امور کی گنجائش اور کچھ دقت نہیں ہاں عام لوگوں کے قلوب اگر دنیا میں پختہ ہوں گے تو آخرت کے کمال سے قاصر رہیں گے۔

صوفیہ کرام و علماء عظام کے علوم ظاہرہ اور الہام میں فرق: علوم بدیہی نہیں اور یہ دل میں کبھی آجاتے ہیں ان کا دل میں آنا کئی طرح ہوتا ہے کبھی تو دل پر یوں آجاتے ہیں گویا کسی نے بے خبر دل میں ڈال دیئے اور کبھی بطریق تعلیم اور استدلال کے حاصل ہوتے ہیں جو علم کہ بلا اکتساب اور دلیل حاصل ہوتے ہیں ان کو الہام کہتے ہیں اور جو استدلال سے حاصل ہوتے ہیں ان کو اعتبار اور استبصار بولتے ہیں۔

فائدہ: علم الہام کی دو قسمیں ہیں۔ (1) انسان کو کچھ خبر نہ ہو کہ علم مذکور کہاں سے اور کس طرح حاصل ہوا اور اس کو الہام اور نفخ فی القلب کہتے ہیں اور یہ علماء اور اصفیاء کے لیے ہوتا ہے (2) جس طریقہ سے علم حاصل ہو وہ انسان

1۔ دور حاضرہ میں ان علماء کرام اور ان کے ماننے والوں کے لیے یہ مثال فٹ آسکتی ہے جبکہ انہیں نئی تہذیب کے دلدادگان اور مسٹر طرز کے مولوی دقیانوسی یا پرانی تہذیب کے صوفی گردانے جاتے ہیں اس لیے کہ اسی قسم کے لوگ دنیوی امور کا شعور نہیں رکھتے اور نہ اتنے چالاک ہونہار ہوتے ہیں۔ یہ اکثریت کی بات ہے ورنہ ...... (اویسی غفرلہ)

کو معلوم ہو جائے یعنی وہ فرشتہ جو دل میں ڈالتا ہے وہ نظر آجائے اسے وحی کہتے ہیں اور یہ خاصہ انبیاء علیہم السلام ہے اور وہ علم جو اکتساب اور استدلال سے حاصل ہوتا ہے وہ علماء کو ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ قلب میں اسکی استعداد ہے کہ اسے تمام چیزوں میں امر حق معلوم ہو جائے مگر وہی پانچ وجوہ جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اس کو مانع ہوتی ہیں تو گویا یہ چیزیں آئینہ قلب اور لوح محفوظ کے درمیان میں حجاب ہو جاتی ہیں اور لوح محفوظ وہ ہے جس پر تمام امور قیامت تک ہونے والے منقوش ہیں اور لوح محفوظ سے حقائق علوم کا قلب پر جلوہ گر ہونا ایسا ہے جیسے آئینہ کا عکس دوسرے آئینہ بالمقابل میں محسوس ہوا کرتا ہے اور جس طرح کہ دونوں آئینوں کے درمیان کا حجاب کبھی ہاتھ سے سرکا دیتے ہیں اور کبھی خود بخود ہوا وغیرہ سے ہٹ جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی نسیم الطاف یزدانی چلتی ہے اور قلب کی آنکھ کے سامنے سے پردہ ہٹ جاتا ہے تو بعض چیزیں جو لوح محفوظ میں مسطور ہیں وہ نظر آنے لگتی ہیں اور یہ امر کبھی تو خواب میں ہوتا ہے کہ اس سے مستقبل کا حال معلوم ہو جاتا ہے اور بالکل حجاب کا مرتفع ہونا موت پر ہے۔ موت کی وجہ سے انکشاف تام ہو جاتا ہے اور کبھی بیداری میں ہوتا ہے کہ حجاب کے اٹھتے ہی پردہ غیب سے عجیب باتیں علوم کی دل پر کھلتی ہیں۔ مگر یہ انکشاف بعض اوقات پے درپے ایک حد تک گزرتا رہتا ہے اور اس کا دائمی ہونا نہایت قلیل ہے۔ خلاصہ یہ کہ الہام اور اکتساب میں نہ تو نفس میں فرق ہے نہ محل اور سبب میں بلکہ صرف فرق حجاب کے زائل ہونے کا ہے جو بندہ کے اختیار میں نہیں۔ اسی طرح وحی اور الہام میں بھی کچھ فرق نہیں صرف اتنا فرق ہے کہ وحی میں وہ فرشتہ جو ذریعہ علم کا ہوتا ہے نظر آتا ہے اور علم جو دلوں میں حاصل ہوتا ہے وہ فرشتوں ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ (شوریٰ 51) ترجمہ کنزالایمان: اور کسی آدمی کو نہیں پہونچتا کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر یا یوں کہ وہ بشر پردہ عظمت کے ادھر ہو یا کوئی فرشتہ بھیجے کہ وہ اس کے حکم سے وحی کرے جو وہ چاہے۔

الہام صوفیہ کرام: صوفیہ کرام علوم الہامی کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ علوم تعلیمی کی طرف مائل کم ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کتب مصنفین کی نہیں پڑھتے اور اقوال اور ادلہ سے بحث نہیں کرتے بلکہ فرماتے ہیں کہ پہلے خوب مجاہدہ کرنا چاہئے اور صفات ذمیمہ اور تمام علائق کو قطع کرکے ہمہ تن اور بہ تمام ہمت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ جب یہ حاصل ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ خود اپنے بندہ کے قلب کا متکفل و متولی ہوگا اور جب وہ متولی ہوگا تو بندے پر سایہ رحمت ہوگا اور قلب میں نور چمکے گا اور سینہ کھل جائے گا اور سر ملکوت ظاہر ہوگا اور قلب کے سامنے سے حجاب دور ہو جائے گا اور امور الہیہ کے حقائق روشن ہوں گے۔ اس تقریر کے مطابق بندے کا کام صرف اتنا ہے کہ محض تصفیہ کرے اور اپنی ہمت کو ارادۂ صادق کے ساتھ متوجہ کرے اور رحمت الٰہی سے انکشاف کا ہمیشہ منتظر اور مشتاق رہے۔ ہاں انبیاء اور اولیاء پر یہ امر منکشف ہو جاتا ہے اور دلوں پر نور پھیل جاتا ہے۔ یہ تعلیم اور نوشت

خواند سے نہیں ہوتا دنیا میں زہد اور خلائق سے انقطاع اور اشغال دنیوی سے فارغ البال ہونے اور بتمام ہمت متوجہ الیٰ اللہ ہونے سے ہوتا ہے کیونکہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے اور صوفیہ کرام کا بھی مقولہ ہے کہ سالک اسباب میں اول علائق سے دنیا کو مکمل طور پر منقطع کر ڈالے اور دل کو اس سے فارغ کرلے اور ہمت کو اہل و مال اور اولاد اور باطل امور اور علم و ولایت اور جاہ سے دور کردے اور دل کو ایسی حالت میں ڈال دے کہ اس کے سامنے اشیاء کا ہونا نہ ہونا برابر ہو جائے پھر خود ایک گوشہ میں ہو جائے اور ضروریات فرائض و وظائف پر اکتفا کرکے تمام مقاصد ماسوئ اللہ سے فارغ البال ہو جائے یہاں تک کہ تلاوت قرآن اور معانی تفسیر و حدیث وغیرہ کی فکر سے بھی اپنا خیال پریشان نہ کرے بلکہ کوشش کرے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے دل میں اور کچھ نہ رہے اور خلوت میں بیٹھ کر بحضور قلب اللہ اللہ ...... کہتا رہے اور اسم پاک کا یہاں تک ورد کرے کہ ایسی حالت تک پہنچ جائے کہ اگر زبان کی حرکت موقوف کردے تب بھی یہی معلوم ہو کہ زبان سے اللہ اللہ نکل رہا ہے پھر اسی حالت میں ٹھہر کر اس لفظ کا اثر زبان سے مٹا دے اور قلب سے ذکر کی مواظبت کرے۔ یہاں تک کہ قلب سے الفاظ کی صورت اور ہیئت محو ہو جائے اور صرف الفاظ کے معانی ہمیشہ موجود رہیں گویا کہ قلب کے ساتھ لازم ہیں اور اس حد تک پہنچنے اور اس حالت کے دائماً" رکھنے میں بندہ کو اختیار ہے۔ اس طرح کہ غیر اللہ کا وسوسہ دفع کرتا ہے لیکن رحمت الٰہی کی کوشش کا اختیار نہیں بلکہ اس فعل سے جذب رحمت کی لیاقت ہو جاتی ہے۔ اب صرف یہی باقی رہا کہ اس درجہ کو پہنچ کر فتوحات غیبی کا منتظر رہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور اولیاء پر امور حق مفتوح فرمائے اس پر منکشف فرمائے اور اس صورت میں اگر اس کا ارادہ سچا ہوگا اور ہمت بھی درست ہوگی اور مواظبت بھی خوب کرے گا اور جذب شہوات سے بچا رہے گا اور علائق دنیا کی کوئی بات دل میں نہ آئے گی تو لازماً لوامع حق اس کے دل میں چمکنے لگیں گے اور ابتدا میں بجلی کی طرح گزر جائیں گے اور ذرا نہیں ٹھہریں گے پھر دوبارہ ایسا ہی ہو گا اور بعض اوقات دیر بھی ہو جائے گی اور دوبارہ اگر آئیں گے تو کبھی ٹھہریں گے اور کبھی نہ ٹھہریں گے اور ٹھہرنے کی صورت میں کبھی کبھی زیادہ مدت ہوگی اور کبھی تھوڑی اور بعض اوقات اس طرح کے لوامع سے مسلسل ہوں گے اور بعض دفعہ صرف ایک ہی فن پر اقتصار رہے گا اور بلحاظ وجوہ مذکورہ کے اولیاء کے منازل کے تفاوت کی کوئی انتہا نہیں جیسے کہ ان کے اخلاق کے تفاوت کی انتہا نہیں۔

فائدہ: اہل تصوف کی تقریر کا یہ خلاصہ ہے کہ تصفیہ اور جلائے قلب بندہ کی جانب سے ہونا چاہئے اور پھر لیاقت پیدا ہو جانے کے بعد امیدوار رحمت ہونا چاہئے اور علماء ظاہر کو اس طریق کے امکان اور بر سبیل شاذ منزل مقصود تک پہنچ جانے میں کسی طرح انکار نہیں کیونکہ اکثر انبیاء علیہم السلامؑ اولیا اکرامؒ کا یہی حال ہوتا ہے مگر علماء ظاہر کہتے ہیں کہ یہ طریق نہایت مشکل ہے اور اس کا نتیجہ دیر سے حاصل ہوتا ہے اور ان شروط کا جمع ہونا بھی بہت بعید ہے کیونکہ علائق کا درجہ تک ضائع کر دینا گویا غیر ممکن ہے اور اگر ہو بھی جائے تو اس کا باقی رہنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے

کیونکہ ذرا سے وسوسہ اور اندیشہ سے قلب کو تشویش ہو جاتی ہے چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قلب المومن اشد تقلب من القدر فی غلیا نھا ترجمہ: قلب مومن ہنڈیا کے ابال سے بھی زیادہ ابلتا رہتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ قلب المومن بین اصبعلین من اصابع الرحمان ترجمہ: مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کے درمیان ہے۔ اس کے علاوہ اس مجاہدہ میں کبھی مزاج بدمزہ ہو جاتا ہے اور عقل خبط ہو جاتی ہے اور بدن بیمار پڑ جاتا ہے اور اگر پہلے سے حقائق علوم سیکھ کر نفس کی تہذیب نہیں کی جاتی تو دل میں صدہا طرح کے خیالات فاسدہ جمع ہو جاتے ہیں کہ بغیر ان کے رفع کرنے کے نفس انہیں میں مبتلا رہتا ہے اور عمر بھر وہ حل نہیں ہوتے۔ بہت سے صوفیہ جو اس راہ پر چلے ایک ہی خیال میں بیس سال تک الجھے رہے۔ اگر پہلے سے علم پڑھ لیتے تو اس طرح کے خیال کا التباس ان پر فوراً کھل جاتا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ اشتغال تعلیم کا طریقہ معتبر اور اقرب الی المقصود ہے اور علماء یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ اہل تصوف کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص فقہ نہ سیکھے اور یوں کہے کہ حضور ﷺ نے اس کو نہیں سکھایا تھا آپ تو وحی اور الہام سے فقیہ ہوگئے تھے کوئی یہ خیال کرے کہ میں بھی ریاضیت اور مواظبت کرتے کرتے ویسا ہو جاؤں گا تو جس نے ایسا خیال کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا اور عمر بھر ناحق ضائع کی بلکہ وہ تو ایسا ہے کہ کھیتی اور محنت نہ کرے اور اسباب کا متوقع ہو کہ کہیں سے خزانہ مل جائے تو یہ ناممکن اور نہایت بعید ہے اور علماء کا اسباب میں یہ فرمان ہے کہ پہلے تحصیل علم چاہئے اور علماء کے اقوال سمجھنے چاہئیں اس کے بعد اسباب کا منتظر ہو کہ جو علماء کو معلوم نہیں ہوا اسے معلوم ہو جائے تو شاید بعد مجاہدہ یہ بات حاصل ہو۔

دو مقامات کا فرق بذریعہ مثال محسوس: قلب کے عجائب حواس سے مدرک نہیں ہو سکتے جیسا کہ خود قلب احاطہ جو اس سے خارج ہے اور جو چیز مدرس بالحواس نہیں ہوتی تو جب تک اس کی مثال محسوس چیز سے نہ بتائی جائے تب تک اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتی لہٰذا کم فہموں کے لیے ہم اس کی دو مثالیں بیان کرتے ہیں۔

مثال: فرض کرو کہ حوض زمین میں کھدا ہوا ہے۔ اب اس میں پانی ہونے کے دو طریقے ہیں یا تو اوپر سے نالیاں بنا کر کسی جگہ سے اس میں پانی بھر دیا جائے یا زمین کو اتنا کھودا جائے کہ خود بخود اندر سے پانی نکل آئے دوسرے طریقے سے پانی صاف بھی زیادہ ہوگا اور ہمیشہ بھی رہے گا اور بعض اوقات زیادہ بھی ہوگا۔ اب قلب کو حوض اور علم کو پانی اور حواس خمسہ کو نالیوں کی طرح سمجھنا چاہئے تو قلب کی طرف علم کا پہنچانا بھی ہو سکتا ہے کہ حواس خمسہ کے ذریعے سے جس طرح مشاہدات ہوتے جائیں علم آتا جائے۔ یہاں تک کہ قلب خوب علم سے بھر جائے اور ایک صورت یہ ہے کہ جو اس کی نالیاں عزت کے باعث بند کردی جائیں اور خود قلب کی ریاضت میں سعی کی جائے اس طرح کہ خلوت میں بیٹھ کر اس کی صفائی کی جائے اور حجابات کے طبقات اس سے دور کیے جائیں یہاں تک کہ خود اس میں

سے علم کا چشمہ پیدا ہو جائے۔

سوال: جب دل میں علم موجود نہیں تو اس کے اندر کس طرح چشمہ نکلے گا؟

جواب: اسرار قلبی میں سے یہ عجیب امر ہے اور علم معاملہ میں اس کا اسی قدر ذکر ہو سکتا ہے کہ اشیاء لوح محفوظ میں مکتوب ہیں بلکہ فرشتوں کے قلوب میں مسطور ہیں جس طرح کہ معمار پہلے سادہ کاغذ پر عمارت کا نقشہ کھینچ لیتا ہے پھر اسی کے مطابق عمارت بناتا ہے اسی طرح خالق آسمان و زمین نے عالم کا حال اول سے آخر تک لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے اور اسی کے مطابق تخلیق ظاہر فرماتا رہتا ہے۔ اس عالم ظاہری کی شکل انسان کی حس و خیال میں بھی موجود ہوتی ہے۔ مثلاً آسمان اور زمین کی طرف دیکھ کر اگر کوئی آنکھیں بند کرلے تو ان دونوں کی صورت خیال میں معلوم ہوگی۔ گویا انہیں کی طرف دیکھ رہا ہے۔ یہاں تک کہ اگر بالفرض آسمان و زمین نیست و نابود ہو جائیں اور صرف دیکھنے والا باقی رہ جائے تب بھی آسمان و زمین کی صورت اپنے خیال میں ایسے ہی پائے گا گویا ان کی طرف دیکھ رہا ہے۔ پھر خیال سے ایک اثر قلب پر پڑتا ہے تو اس میں ان اشیاء کے حقائق آتے ہیں جو حس اور خیال میں موجود رہتے ہیں۔ پس جو کچھ دل میں حاصل ہوتا ہے وہ تو مطابق صورت خیالی کے ہے اور صورت خیالی موافق وجود ظاہری کے ہے جو انسان اور اس کے قلب دونوں سے علیحدہ موجود ہے اور یہ عالم ظاہری مطابق اس نقشہ کے ہے جو لوح محفوظ میں مندرج ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ عالم ظاہری کے چار وجود ہیں۔ (1) لوح محفوظ میں اور یہ وجود اس کے وجود جسمانی سے مقدم ہے۔ (2) وجود حقیقی جو دنیا میں ہوتا ہے۔ (3) وجود خیالی جو وجود حقیقی کے بعد اس کی صورت خیال میں موجود ہوتی ہے۔ (4) وجود عقلی جو صورت خیالی سے قلب میں صورت حاصل ہوتی ہے اور ان چاروں وجودوں میں بعض تو وجود جسمانی ہیں اور بعض روحانی اور وجود ہائے روحانی میں سے بعض میں روحانیت زیادہ ہے اور بعض میں کم ایسے امور میں حکمت الٰہی نظر پڑتی ہے مثلاً آنکھ کے حلقہ کو ایسا بنایا کہ باوجود چھوٹے ہونے کے جہان کی صورت اور آسمان و زمین کی شکل اس میں پیدا ہو جاتی ہے اور ان چیزوں کا پھیلاؤ اس قدر ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ پھر آنکھ کے ذریعہ سے ان چیزوں کا وجود خیال میں پہنچتا ہے اور وہاں سے دل میں آجاتا ہے۔ تب دل کو معلوم ہوتا ہے کیونکہ انسان کو جب تک کوئی چیز اس کے دل تک نہیں پہنچتی اسے خبر نہیں ہوتی پھر اگر اللہ تعالیٰ انسان کے دل میں عالم کی صورت نہ بناتا تو چیزیں انسان سے علیحدہ ہوتیں ان کا کبھی علم نہ ہوتا سبحان اللہ قلوب اور ابصار میں کیسی عجیب باتیں رکھی ہیں اور بعض قلوب اور ابصار کو اندھا بھی کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ اکثر لوگوں کو اپنے نفس اور اس کے عجائبات کی مطلق خبر نہیں۔

فائدہ: اب ہم اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ قلب میں جو حقیقت عالم کی آتی ہے تو کبھی تو حواس

سے آتی ہے اور کبھی بذریعہ پانی کے دیکھنے سے جس میں سورج کا عکس ہوتا ہے اور یہ عکس سورج کی اصل صورت کے مشابہ ہوتا ہے۔ اس طرح جب دل کے سامنے سے حجاب دور ہو جاتا ہے تو لوح محفوظ کی چیزیں محسوس ہونے لگتی ہیں اور ان کا علم اس میں آجاتا ہے۔ اس صورت میں جو اس کے استفادہ سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہو جاتی ہے کہ گویا زمین کو اس قدر کھودا کہ خود بخود اس میں سے پانی نکل آیا اور کبھی قلب کی توجہ ان خیالات کی طرف ہوتی ہے جو محسوس حاصل ہوتے ہیں تو یہ امر اس کو مطالعہ لوح محفوظ سے مانع ہوتا ہے جیسے پانی جب نہر میں جمع ہو جاتا ہے نیچے سے نہیں نکل سکتا یا جس طرح کے کوئی شخص سورج کے عکس کو پانی میں دیکھے تو اس کو وہ سورج نظر نہ آئے گا۔ خلاصہ یہ کہ قلب میں دو دروازے ہیں۔ ایک تو عالم ملکوت اور لوح محفوظ کی طرف کو ہے اور دوسرا دروازہ حواس خمسہ کی جانب کو ہے جو عالم ظاہری اشیاء سے اخذ کرتے ہیں اور ان دونوں عالموں میں ایک طرح کی مشابہت ہے پس دروازہ عالم ظاہری ہے جس طرح پر کہ قلب کو بذریعہ حواس علم ہوتا ہے تو وہ معلوم ہی ہے مگر جو دروازہ عالم ملکوت کی طرف ہے اور اس سے لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس کا بھی یقین ہو سکتا ہے اگر اسے سوچا جائے کہ خواب میں عجیب عجیب حالات پیش آتے ہیں تو دل کو احوال آئندہ اور گزشتہ معلوم ہو جاتے ہیں حالانکہ حواس کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا اور یہ دروازہ اس شخص کے لیے کھلتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی میں مستغرق رہے جیسا کہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا سبق المفردون قبل ومن هم یا رسول اللہ قال المنتزہون بذکر اللہ تعالیٰ وضع الذکر عنهم او زار ہم عنهم فورد والقیامنہ خفافاء ترجمہ: مفرد لوگ آگے بڑھ گئے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مفرد کون لوگ ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی وجہ سے پاک و صاف ہوگئے ہیں یا اللہ نے ان کے بوجھ اتار دیئے ہیں اور قیامت میں وہ ہلکے پھلکے پہنچے پھر آپ نے فرمایا کہ میں ان لوگوں کے سامنے اپنا چہرہ کرتا ہوں اور کوئی جانتا ہے کہ ان کو کیا دینا چاہتا ہوں پھر ارشاد فرمایا کہ اول یہی عطا ہوتی ہے کہ ان کے دلوں میں روشنی ڈال دیتا ہوں تو وہ میرے حال سے خبر دینے لگتے ہیں۔ جیسے میں ان کا حال کہتا ہوں اور ان خبروں کا مدخل ان خبروں کا باطنی دروازہ ہے۔

علوم انبیاء اولیاء: اس بیان سے علوم اولیاء اور انبیاء اور علوم علماء اور حکماء کا فرق واضح ہوا وہ یہ ہے کہ اولیاء و انبیاء کا علم باطنی دروازہ ہے (۱) تو اس دروازہ سے وہی ہوتا ہے جو عالم ملکوت کی طرف کھلا ہوا ہے اور علم و حکمت و دیگر ابواب حواس سے حاصل ہوتا ہے جو عالم ظاہری کی طرف مفتوح ہیں۔

فائدہ: عجائب قلبی اور اس کی آمدورفت دونوں جہانوں (غیب اور شہادت) میں علم معلومات میں حصر نہیں ہو سکتے۔

فقیر اویسی غفرلہ نے امام غزالی حضرت قدس سرہ کے عقائد جلد اول کے مقدمہ میں لکھے ہیں۔ ان میں ایک عقیدہ یہ بھی کہ انبیاء اولیاء علوم غیبیہ کے متبحر عالم ہوتے ہیں۔ ان کے علوم باطن (غیب) سے تعلق رکھتے ہیں اسی کو امام غزالی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس مختصر تقریر میں بیان فرمایا ہے۔ تفصیل فقیر کی کتاب غایۃ المامول فی علم الرسول میں پڑھیے۔ (اویسی غفرلہ)۔

صرف اس مثال سے مدخل دونوں جہانوں کا معلوم ہوگیا۔

مثال نمبر2 یہ اس لیے بیان کی جا رہی ہے کہ اس سے علماء و اولیاء کے عمل کا فرق معلوم ہو جائے۔ یعنی علماء کا عمل تو یہ ہے کہ نفس علوم کو حاصل کرتے ہیں اور اس کو دل کی طرف کھینچتے ہیں اور اولیاء صوفیہ صرف قلوب کی جلاء اور صفائی میں کوشش کرتے ہیں اور دونوں کی مثال یوں سمجھئے کہ کسی بادشاہ کے سامنے ذکر ہو کہ اہل روم اور چین والے نقوش کے کام میں بڑے ماہر اور تصویر بہت عمدہ کھینچتے ہیں۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ ایک مکان کی ایک طرف تو روم والوں کے سپرد کرنی چاہئے تو دوسری جانب چین والوں کو دینی چاہئے تاکہ دونوں فریق اپنا کارنامہ ظاہر کریں اور درمیان میں ایک ایسا پردہ ڈالنا چاہئے کہ ایک کے کام کی دوسرے کو اطلاع نہ ہو چنانچہ ایسا ہی کیا۔ پس روم والوں نے عجیب عجیب اور بے شمار رنگ اکٹھے کیے اور چین والے بے رنگ کے بغیر کام میں مصروف ہوئے۔ یعنی اپنی طرف والی جانب کو خوب صاف کرنا شروع کر دیا جب روم والے رنگ کے نقوش سے فارغ ہوئے تو چین والوں نے بھی کہا کہ ہم بھی نقوش کر چکے۔ بادشاہ بہت متحیر ہوا کہ انہوں نے کیسا نقش بنایا ہے جس میں رنگ کی ضرورت نہ ہوئی۔ ان سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ کو اس سے غرض نہیں پردہ اٹھا کر ملاحظہ فرمالیجئے جوں ہی پردہ اٹھایا گیا تمام نقوش رومیوں کے چین والوں کی جانب میں صفائی کی وجہ سے معلوم ہونے لگے بلکہ ان میں چمکاہٹ زیادہ تھی کیونکہ ان کی جانب جلا کی وجہ سے آئینہ کی مثال ہوگئی تھی اس سے اور بھی زیادہ خوبی ہوتی تھی۔
(اس واقعہ کو مولانا رومی قدس سرہ نے مثنوی شریف میں مزید وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ اویسی غفرلہ)

فائدہ: اولیاء اللہ کی توجہ بھی چین والوں کی طرح قلب کی جلاء اور تطہیر اور صفائی میں مصروف رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اس میں امور حق چمکنے لگتے ہیں اور علماء ظاہر کی توجہ روم والوں کی طرح اکتساب اور نقوش علمی کی طرف رہتی ہے۔ بہرصورت علم قلب میں کسی طرح حاصل ہو قلب مومن کا فنا نہیں ہوتا اور نہ اس کا علم موت سے جاتا رہتا ہے نہ صفائی قلب میں کچھ کدورت آتی ہے جیسا کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خاک قبر ن ایمان کو نہیں کھاتی بلکہ اس وسیلہ تقرب الی اللہ ہوتی ہے اور نفس علم جو دل میں آتا ہے اور صفائی استعداد اس علم کے حصول کے لیے یہ چیزیں ضروری ہیں۔ سعادت ابدی بغیر علم اور معرفت کے ہوتی ہے تو تھوڑے سرمایہ والا بھی غنی کہلاتا ہے اور جس کے پاس بہت سے خزانے ہوں وہ بھی غنی ہے مگر دونوں میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ اسی طرح معرفت ایمان میں بھی متفاوت درجات ہیں کہ اس کی کوئی انتہا نہیں۔ وہ نور ہے جس سے ایمان والے اللہ تعالیٰ کے دیدار کی طرف چلیں گے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ (التحریم 8)
ترجمہ کنزالایمان: ان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور ان کے داہنے۔ حدیث شریف میں ہے کہ بعض کو نور مثل پہاڑ کے عنایت ہوگا اور بعض کو اس سے کم۔ یہاں تک کہ سب سے پچھلا وہ شخص ہوگا کہ اس کو دونوں پاؤں کے انگوٹھوں پر نور عنایت ہوگا اور وہ کبھی تو چمکنے لگے گا اور کبھی بجھ جائے گا۔ چمکنے کی حالت میں وہ ایک قدم آگے

بڑھائے گا اور بجھ جانے کی صورت میں کھڑا رہے گا اور پل صراط پر گزرنا نور کے موافق ہوگا۔ کوئی تو آنکھ کے جھپکتے ہی اتر جائے گا اور کوئی بجلی اور بادل کی طرح اور کوئی شہاب کی طرح اور کوئی سرپٹ گھوڑے کی طرح گزرے گا اور جس کے صرف انگوٹھوں پر نور ہوگا وہ گرتا اٹھتا چلے گا کہ ایک ہاتھ کو بچائے گا تو دوسرا لٹک جائے گا۔ اس طرح ہاتھ پاؤں کو آگ سے لگ کر نجات پائے گا۔

فائدہ: اس سے لوگوں کے ایمان کا تفاوت معلوم ہوا۔

شان حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ: مروی ہے کہ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان تمام جہانوں کے ایمان کے ساتھ سوائے پیغمبروں کے وزن کیا جائے تو انہیں کا ایمان بھاری ٹھہرے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی کہے کہ اگر سورج کا نور اور تمام دنیا کے چراغوں کا مقابل کیا جائے تو سورج کا نور غالب رہے گا۔ اسی معنی پر عوام میں سے بعض کے ایمان کا نور چراغ جیسا ہے اور بعض کا نور مشعل جیسا اور صدیقین کے ایمان کا نور چاند اور ستاروں کے نور جیسا ہے اور انبیاء کے ایمان کا نور سورج کی مانند تو جس طرح کے سورج کے نور سے تمام آفاق کی صورت باوجود وسعت کے منکشف ہو جاتی ہے اور چراغ کے نور سے صرف مکان کا ایک کونہ ظاہر ہوتا ہے اسی طرح سینہ کے انشراح کا فرق سمجھنا چاہئے کہ قلوب عارفین پر بباعث معرفت تمام عالم ملکوت منکشف ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ قیامت میں کہا جائے گا کہ جس کے قلب میں مثقال کے برابر ایمان ہو اسے دوزخ سے نکال لو۔ ایسے ہی اسے بھی جس کے دل میں نصف مثقال یا ربع مثقال یا جو بالکل ذرہ برابر ہو تو بھی اسے دوزخ سے نکال لو۔

فائدہ: اس حدیث سے کئی امور ثابت ہوئے (1) درجات ایمانی میں تفاوت (2) استعدر ایمان دخول نار کا مانع نہیں (3) جس شخص کا ایمان مثقال سے بڑھ کر ہوگا وہ تو داخل نار نہ ہوگا کیونکہ اگر وہ بھی داخل ہوتا تو حکم اس کے اخراج کا بھی ہوتا۔ (2) جس کے دل میں بوزن ذرہ ایمان ہوگا اگرچہ دوزخ میں جائے گا مگر اس میں ہمیشہ نہ رہے گا۔ حدیث شریف میں ہے لیس شئی خیراً من الف مثلہ الا نسان المومن ترجمہ: کوئی چیز اپنی جیسی ہزار چیزوں سے ابتر نہیں سوائے ایماندار کے

فائدہ: اس سے عارف کے قلب کی فضیلت ثابت ہوئی' عارف باللہ کہ جو یقین کامل رکھتا ہو کیونکہ وہ ہزار عامی لوگوں کے قلب سے بہتر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (مجادلہ 11) ترجمہ کنزالایمان: اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا۔

فائدہ: اس آیت میں الذین امنو سے وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے بلا علم تصدیق کی۔ ان حضرات کو علم والوں سے علیحدہ بیان فرمایا اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مومن کا لفظ مقلد پر بھی بولا جاتا ہے۔ اگرچہ تصدیق کشف اور بصیرت سے نہ ہو۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عالم کا درجہ مومن پر سات سو درجہ بلند کرے گا کہ ہر درجے کا فاصلہ اس قدر ہوگا جیسے آسمان اور زمین کے درمیان کا فاصلہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اکثر اہل الجنتہ البلہ و علیون لذوی الالباب اہل جنت اکثر بھولے ہیں اور نیز فرمایا فضل العالم علی العابد اور اوپر والا درجہ مقام علیین عقل والوں کے لیے ہے۔ کفضلی علی ادنی رجل من اصحابی عالم کا مرتبہ عابد پر اتنا زیادہ ہے جتنا میرا مرتبہ میرے اصحاب میں سے ادنیٰ شخص اور ایک روایت میں ہے کفضل القمر لیلتہ البدر علی سائر الکواکب جیسا کہ چودھویں رات کے چاند کو فضیلت ہے دیگر ستاروں پر۔

فائدہ: ان دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ درجات اہل جنت کا تفاوت مطابق ان کے معارف اور قلوب کے ہوگا اسی لیے قیامت کو تغابن یعنی گھاٹے کا دن کہتے ہیں کیونکہ جو کوئی اللہ کی رحمت سے محروم رہے گا اس کو بڑا گھاٹا اور نقصان ہوگا۔ اس طرح کسی کا اپنے اوپر بڑے درجے دیکھے اوراس کو دیکھنا ایسا ہوگا جیسے دس روپیہ والا ایسے شخص کو دیکھے جو روئے زمین کا مالک ہے۔ اگرچہ دونوں غنی ہیں لیکن دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پس جس کو آخرت کے بڑے بڑے درجات اور فضائل سے کچھ کم ملے گا اس کو کتنا بڑا نقصان ہوگا۔

صوفیہ کرام کے طریقہ تحصیل معرفت الٰہی کی صحت پر قرآن و احادیث کے دلائل: جس کے دل میں کوئی تھوڑی سی چیز بھی بطریق الہام یا بے خبر دل میں غیبی اخبار سے کچھ منکشف ہو جائے تو وہ بوجہ صحت طریق حق کے عارف کہلائے گا اور جسے یہ بات معلوم نہ ہو تو اس کو بھی اس پر ایمان چاہئے کیونکہ درجہ معرفت انسان کے اندر امر جبلی ہے اور اس کے لیے دلائل شرعی اور تجربہ اور حکایات موجود ہیں (الحمد للہ دور حاضرہ عوام سنی بریلوی مرتبہ ہیں کہ اگرچہ انہیں عرفاء کا مقام حاصل نہیں لیکن اس پر ایمان تو رکھتے ہیں۔ بخلاف دوسروں کے وہ خود تو اس مقام سے محروم ہیں اور ایسے مراتب والوں اور ان کے ماننے والوں کو مشرک گردانتے ہیں۔ (اویسی غفرلہ)

آیات قرآن آیت نمبر 1 وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ (عنکبوت پ 21 69) ترجمہ کنزالایمان: اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھائیں گے۔

فائدہ: حکمت کا ظہور قلب سے بسبب دوام عبادت کے لیے تعلیم بطریق کشف اور الہام کے ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا من عمل بما علم ور ثہ اللّٰہ علم مالم یعلم ومن لم یعمل بما یعلم تاہ فیما یعلم ولم یوفق یعمل حتی یستو حب النار ترجمہ: جو شخص اپنے علم کے بموجب عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو علم ان اشیا کا عنایت کرتا ہے جو اس کو معلوم نہیں اور عمل کرنے کی اس کو توفیق دیتا ہے۔ یہاں تک کہ مستحق جنت کا ہو اور جو علم کے بموجب نہیں کرتا جو کچھ جانتا ہے اس میں حیران ہوتا ہے اور عمل کی توفیق نہیں دیا جاتا حتیٰ کہ مستحق دوزخ ہو جاتا ہے۔ آیت نمبر 2 وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق پ 28 2) ترجمہ کنزالایمان:

اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو۔ یعنی اشکالات اور شبہات سے مخرج نصیب ہوتا ہے اور علم اور فطانت بلاتحمل و تجربہ کے عنایت ہوتا ہے۔

آیت نمبر 3 یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (انفال 29) ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو اگر اللہ سے ڈرو گے تو تمہیں وہ دے گا جس سے حق کو باطل سے جدا کرلو۔ اس میں فرقان سے مراد نور ہے کہ جس سے حق و باطل میں فرق کرے اور شہادت سے نکل جائے اسی وجہ سے حضور ﷺ اپنی دعاؤں میں اکثر نور مانگا کرتے تھے (دعا) اللھم اعطنی نوراً و زدنی نوراً وجعل لی فی قلبی نوراً و فی قبری نوراً وفی بصری نوراً الٰہی مجھ کو نور دے اور نور میں مجھ کو زیادہ کر اور میری قبر میں اور میرے کان میں اور میرے دل میں اور آنکھ میں نور عنایت فرما۔ یہاں تک کہ یوں فرماتے میرے بال اور گوشت و پوست اور خون اور ہڈیوں میں نور عنایت فرما۔

فائدہ: جب حضور ﷺ نے اس آیت (اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ) (الزمر 22 پ 23) ترجمہ کنزالایمان: تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے کے شرح صدر کا معنی پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا کہ اس سے غرض فراخی ہے۔ یعنی نور جب دل میں ڈالا جاتا ہے تو اس کے لیے سینہ کھل جاتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لیے دعا مانگی اللھم فقھم فی الدین و علمہ التاویل الٰہی اس کو دین کی سمجھ عنایت فرما اور معانی کی تعبیر سکھا

فائدہ: حضرت علی کرم اللہ وجہ نے فرمایا کہ ہمیں حضور ﷺ نے کوئی بات خفیہ نہیں بتلا دی ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو کتاب اللہ کی سمجھ مرحمت کر دیتا ہے اور یہ بات تعلم سے نہیں نصیب ہوتی۔

فائدہ: آیت نمبر 5 یُّؤْتِی الْحِكْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ (البقرہ 269 پ 3) ترجمہ کنزالایمان: اللہ حکمت دیتا ہے جسے چاہے میں حکمت کی تفسیر فہم کتاب اللہ کی ہے۔ اس آیت نمبر 6 فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ (پر سمجھا دیا ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو) میں جو بات حضرت سلیمان پر بواسطہ کشف ظاہر ہوتی تھی اس کی فہم سے تعبیر فرمایا۔

فائدہ: حضرت ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مومن وہ ہے جسے اللہ کے نور سے پردہ کے پیچھے کی چیز نظر آئے اور قسم کھا کر ارشاد فرماتے ہیں کہ بات ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ امر حق مومنوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے اور ان کی زبانوں پر جاری کر دیتا ہے۔

فائدہ: بعض سلف صالحین کا قول ہے کہ مومن کا غلبہ گمان کہانت ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے اتقو فراسته المومن فانه ینظر بنور الله تعالٰی مومن کی فراست سے ڈرتے رہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اسی طرف اشارہ ہے۔ اس آیت میں قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ہم نے بیان کردی نشانیاں واسطے ان لوگوں کے جن کو یقین ہے۔ (فراست کا دوسرا نام علم لدنی ہے اس موضوع پر فقیر کا رسالہ بنام شرح حدیث الفراسۃ

مطالعہ کیجئے) اویسی غفرلہ

حدیث: حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے یوں روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا العلم علمان فعلم باطن فی القلب فذالک ہو العلم النافع علم دو ہیں علم باطنی قلب میں اور علم نافع ہے۔ بعض علماء سے علم باطن کے معنی پوچھے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ایک راز ہے اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے کہ وہ اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے اور کسی فرشتہ یا انسان کو آگاہ نہیں فرماتا۔

حدیث حضور ﷺ نے فرمایا امتی محد ثین و معلمین و ان عمر منہم میری امت میں بعض لوگ صادق اور تعلیم کرنے والے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان میں سے ہیں۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول اور کوئی نبی کے بعد ولا محدث بھی پڑھا ہے اور محدث کے معنیٰ صدیقین فرماتے ہیں۔

فائدہ: محدث اس کو کہتے ہیں جس پر الہام ہو اور صاحب الہام وہ شخص ہے کہ جس پر باطن قلب سے اشیاء کا انکشاف ہو اسے محسوسات خارجی کی حاجت نہ ہو اور قرآن شریف یہ امر مرحج ہے کہ تقویٰ مفتاح ہدایت اور کشف ہے اور اسی کا نام علم بلا تعلم ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ (یونس 6) ترجمہ کنزالایمان : اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ان میں نشانیاں ہیں ڈر والوں کے لئے (10) هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ (آل عمران 138) ترجمہ کنزالایمان : یہ لوگوں کو بتاتا اور راہ دکھاتا اور پرہیزگاروں کو نصیحت ہے' ہدایت میں اہل تقوی کی تخصیص فرمائی

فائدہ: حضرت ابو زید رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ عالم اس شخص کا نام نہیں ہے کہ کتاب میں سے کچھ یاد کرلے اور جب اسے بھول جائے تو جاہل رہ جائے بلکہ عالم اسے کہتے ہیں کہ اشیاء کا پروردگار کی طرف سے جس وقت چاہے بلا درس و حفظ علم حاصل کرلے اور علم ربانی اسی کو کہتے ہیں۔ اسی طرف اشارہ ہے اس آیت میں وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا اور ہم نے دیا اس کو اپنے پاس سے ایک علم اور ہر ایک علم اسی کی طرف سے ہے فرق یہ ہے کہ بعض علوم بواسطہ تعلیم مخلوق ہوتے ہیں۔ ان کا نام علم لدنی نہیں بلکہ لدنی وہ ہے جو قلب میں بغیر کسی سبب خارجی معتاد کے حاصل ہو۔

فائدہ: یہ تھے دلائل نقلی۔

فائدہ: اگر تمام آیات و احادیث میں جو اس باب وارد میں لکھے جائیں تو بے شمار ہو جائیں گے تجربہ سے جو ان امور کا مشاہدہ ہوتا ہے وہ بیان ہوتا ہے وہ بھی بے نہایت ہے اور صحابہ اور تابعین اور بعد کے لوگوں کو سب کو عطا ہوا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا علم غیب: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنی وفات

کے وقت فرمایا کہ تیرے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں آپ کی زوجہ اس وقت حاملہ تھیں اور بعد میں بیٹی پیدا ہوئی تو پیدا ہونے سے پہلے ہی معلوم کرلیا کہ لڑکی پیدا ہوگی۔

علم غیب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عین خطبہ کے درمیان ارشاد فرمایا کہ یا ساریۃ الجبل اے لشکر والو پہاڑ کی جانب اختیار کرو

فائدہ: جب آپ کو کشف سے معلوم ہوا کہ دشمن لشکر اسلام پر چڑھ آیا تو آپ نے لشکر اسلام کو للکارا کہ پہاڑ کی طرف ہو جاؤ پھر اس آواز کا لشکر میں پہنچ جانا بڑی کرامت ہے۔

علم غیب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ: حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جاتا تھا' راستہ میں مجھے ایک عورت ملی میں نے اس کو دیکھا اور اس کے حسن کا اچھی طرح معائنہ کیا جب میں خدمت عثمان میں حاضر ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ بعض آدمی میرے پاس ایسے آتے ہیں جن کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ آنکھوں کا زنا بری طرح دیکھنا ہے تو توبہ کرو ورنہ سزا دوں گا میں نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وحی آتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں لیکن بصیرت اور فراست صادقہ ہے۔

حکایت: حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں حرم شریف میں گیا اور ایک فقیر کو دیکھا کہ دو خرقے پہنے ہوئے ہے۔ دل میں کہا کہ اس قسم کے لوگ عوام پر بھاری ہوتے ہیں اس نے مجھے پکار کر کہا اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ترجمہ: اللہ کو معلوم ہے جو تمہارے دل میں ہے اس سے ڈرتے رہو۔ تو میں نے اپنے دل میں استغفار کیا پھر اس نے مجھے پکار کر کہا هُوَالَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ ترجمہ: وہی ہے جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے اور یہ کہہ کر میری نظروں سے غائب ہوگیا۔

حکایت: حضرت زکریا ابن داؤد رحمۃ اللہ علیہم سے روایت ہے کہ وہ حضرت ابو العباس ابن مسروق رحمۃ اللہ علیہم ابو الفضل ہاشمی کی عیادت کو گئے اور یہ مریض عیالدار تھے اور بسر اوقات کا سامنا ظاہری کچھ نہ تھا' جب ابو العباد اٹھنے لگے دل میں کہا کہ الٰہی یہ شخص کہاں سے کھاتا ہوگا اسی وقت حضرت ابو الفضل رحمۃ اللہ علیہ نے آواز دی کہ خبردار اس نکمی بات کا کبھی دھیان نہ کرو اللہ تعالیٰ کے الطاف پوشیدہ بہت ہیں۔

حکایت: حضرت احمد نقیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اے احمد اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو پہچان کے لیے دماغ دیا ہے۔ میں نے پوچھا کہ حضرت کیا حال ہے۔ آپ نے فرمایا میں اس وقت بیٹھا تھا' میرے دل میں یہ بات گزری کہ تو بخیل ہے احمد کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں تو بخیل نہیں ہوں' پھر آپ نے تامل کرکے فرمایا بے شک تو بخیل ہے۔ پھر میں نے دل میں قصد کیا کہ جو کچھ آج

ملے گا اس کو جو فقیر مجھے سب سے پہلے ملے گا۔ اسے دے ڈالوں گا میں اسی فکر میں تھا کہ ایک شخص میرے پاس پچاس اشرفیاں لے کر آیا اور کہا کہ اسے اپنے مصارف میں خرچ کرو۔ میں ان کو لے کر ایفائے وعدہ کے لے اٹھا تو ایک نابینا درویش حجام سے سر منڈاتا ہے۔ میں جا کر اشرفیاں اسے دینے لگا اس نے جواب دیا کہ حجام کو دے دو۔ میں نے کہا کہ پچاس ہیں اس نے جواب دیا کہ تجھ سے کہہ دیا کہ تو بخیل ہے۔ حجام کو دے دے جب حجام کو دینے لگا تو اس نے کہا کہ جب سے یہ فقیر مجھ سے سر منڈوانے بیٹھا ہے میں نے عہد کیا ہے کہ اجرت نہیں لوں گا پس میں نے ان اشرفیوں کو دریا میں پھینک دیا اور کہا کہ جو کوئی تمہاری عزت کرتا ہے اسے اللہ ذلیل کرتا ہے۔ (فلہذا تو میرے لائق نہیں)

حکایت: حضرت حمزہ بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ حضرت ابوالخیر کے گھر گیا اور دل میں عہد کیا کہ ان کے گھر کچھ کھانا نہ کھاؤں گا جب میں گھر سے نکلا تو دیکھا وہ میرے پاس کھانے کا ایک طباق لیے آتے ہیں۔ فرمایا کہ لو اب کھاؤ یہاں تو میرا گھر نہیں ہے اور ان صاحب کی کرامات بھی مشہور ہیں۔

حکایت: حضرت ابراہیم رقی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ ان کی زیارت کو گیا مغرب کی نماز انہوں نے پڑھائی تو الحمد بھی اچھی طرح نہ پڑھ سکے ۔ میں نے دل میں سوچا کہ ناحق میں ان کے پاس آیا جب نماز ہو چکی تو میں استنجے کو باہر گیا ایک شیر نے مجھے ڈرایا۔ میں نے ابوالخیر کی خدمت میں آکر حال بیان کیا۔ آپ نے وہیں سے شیر کو للکارا کہ ہم نے کہہ دیا تھا کہ ہمارے مہمانوں سے مزاحمت نہ کیا کر یہ سنتے ہی شیر علیحدہ ہو گیا۔ میں طہارت کے بعد جب واپس آیا تو مجھے ارشاد فرمایا کہ تم نے اپنے ظاہر کو سیدھا کیا ہے۔ اس وجہ سے شیر سے ڈر گئے اور ہم نے اپنے باطن کو سیدھا کیا اس لیے شیر ہم سے ڈرتا ہے۔

فائدہ: اسی طرح کی بے شمار حکایتیں ہیں جن سے مشائخ کی فراست اور لوگوں کے دلوں کا حال معلوم کرنا ان کے اعتقاد کو بتلا دینا پایا جاتا ہے بلکہ مشائخ نے جو حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی ہے اور ان سے سوال کیے ہیں اور ہاتف کی آوازیں سنی ہیں اور دیگر اقسام کی کرامات اس قدر ہیں کہ ان کا حصہ بھی نہیں ہو سکتا' ہاں منکر کے لیے حکایات کافی نہیں جب تک اس کو خود اپنی ذات سے اس کا مشاہدہ نہ ہو جائے۔ (اسی کو علم غیب سے تعبیر کرتے ہیں جو انبیاء کو بذریعہ وحی اور اولیاء کو بذریعہ الہام حاصل ہوتا ہے' وہابی دیو بندی اس کا منکر ہے۔ (اویسی غفرلہ)

منکر کو منوانے کا طریقہ: جو اس کیفیت کا منکر ہو گا وہ تمام تفصیل کا منکر ہو گا لیکن وہ دلیل قاطع کو جس کا کوئی انکار نہ کرے دو باتیں ہیں۔ (۱) عجیب و غریب سچی خوابیں کہ ان سے غیب کا حال کھلتا ہے کیونکہ جب یہ ممکن ہوا کہ خواب میں احوال غیب منکشف ہو جائے تو بیداری میں ہو جانا محال نہیں اس لیے دونوں حالتوں میں فرق صرف یہی ہے کہ خواب میں حواس ساکن ہوتے ہیں اور محسوسات ظاہری کی طرف مشغول نہیں ہوتے اور یہ بات اکثر بیداری

میں بھی واقع ہو جاتی ہے کہ اگر آدمی کسی بات کو خود غور کر رہا ہو تو اس وقت نہ آواز سنتا ہے اور نہ کوئی چیز دیکھتا ہے۔ اپنے خیال میں ہوتا ہے۔ (2) خبر دینا رسول اللہ ﷺ کا غیب کے احوال اور امور کا آئندہ کا جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور جب (1) یہ بات نبی علیہ السلام سے ثابت ہوئی تو غیر نبی سے بھی ثابت ہو سکتی ہے کیونکہ نبی اسے کہتے ہیں جس کو حقائق امور مکاشفہ سے معلوم ہوں اور اصلاح خلق میں مشغول ہو تو ممکن ہے کہ کوئی اور شخص اس طرح کا ہو جس کو حقائق امور مکاشفہ سے معلوم ہو جائیں مگر اصلاح خلق اس کا کام نہ ہو ایسے شخص کو نبی تو نہیں کہیں گے بلکہ ولی اللہ کہیں گے۔ اب جو آدمی انبیاء کو مانے گا اور سچے خوابوں کی تصدیق کرے گا اس کو لازماً اقرار کرنا پڑے گا کہ قلب کے دو دروازے ہیں۔ ایک خارج یعنی حواس کی طرف دوسرا عالم ملکوت کی طرف جس کو دروازۂ الہام اور وحی کہتے ہیں جب ان دونوں دروازوں کا اقرار کر لے گا تو پھر یہ نہیں کہہ سکتا کہ علوم کا انحصار صرف تعلیم اور اسباب معتاد ہی پر منحصر ہے بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ذریعہ علم کا مجاہدہ ہو اس بیان سے حقیقت آمد و رفت قلب کی درمیان عالم ظاہری اور عالم ملکوت کے صاف ظاہر ہے لیکن یہ بات کہ خواب میں انکشاف امر کیوں ہوتا ہے اور انبیاء اور اولیاء کے فرشتے صورت مختلفہ میں کیوں آتے ہیں یہ اسرار عجائب قلب میں سے ہیں اور اس کا بیان علم مکاشفہ کے لائق ہے اسی لیے ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ ترغیب مجاہدہ اور اس سے احوال کے معلوم کرنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

حکایت: بعض اہل کشف سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے کراماً کاتبین نے ظاہر ہو کر کہا کہ تم اپنا ذکر خفی اور مشاہدہ توحید کچھ لکھ دو کیونکہ ہم تمہارا کوئی عمل نہیں لکھتے اور اسباب کے آرزومند ہیں کہ جس عمل سے تم تقرب الی اللہ کرتے ہو اس کو لے کر آسمان پر جائیں میں نے پوچھا کیا تم میرے فرائض نہیں لکھتے انہوں نے کہا لکھتے ہیں میں نے جواب دیا کہ لکھنے کو بس اسی قدر کافی ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ کراماً کاتبین کو بھی اسرار قلب پر اطلاع نہیں ہوتی وہ صرف اعمال ظاہری پر مطلع ہوتے ہیں۔

حکایت: بعض عارفین سے منقول ہے کہ میں نے ایک ابدال سے مسئلہ مشاہدہ یقین پوچھا تو وہ اپنے بائیں طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ کیوں بھائی کیا کہتا ہے۔ پھر داہنی طرف متوجہ ہو کر کہا پھر سینہ کی طرف گردن جھکا کر یہی کہا اس کے بعد عجیب و غریب جواب دیا کہ میں نے ویسا کبھی نہ سنا تھا۔ میں نے ابدالی سے متوجہ ہونے کا حال پوچھا فرمایا کہ مجھے تمہارے سوال کا جواب معلوم نہ تھا تو میں نے بائیں طرف کے فرشتے سے پوچھا اس نے کہا مجھے معلوم

1: حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں معتزلہ تھے۔ وہ اولیاء کے منکر تھے لیکن انبیاء کے لیے غیب مانتے تھے۔ ہمارے دور کے معتزلہ بری بلا ہیں کہ یہ نہ صرف اولیاء کے منکر ہیں بلکہ انبیاء کے بھی منکر ہیں۔ (اویسی غفرلہ)

نہیں، میں نے داہنے فرشتے سے پوچھا کہ وہ زیادہ جانتا ہے اس نے بھی لاعلمی بیان کی پھر میں نے اپنے دل کی طرف دیکھا اور اس سے دریافت کیا تو اس نے وہ جواب دیا جو میں نے ذکر کیا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ دل دونوں سے زیادہ جانتا ہے۔ یہ صاحب گویا اس حدیث کے مصداق تھے ان امتی صحدثین و ان عمر منهم ترجمہ: میری امت میں بعض لوگ الہام سے خبریں دینے والے ہوتے ہیں ان میں ایک عمر بھی ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) (حدیث قدسی شریف ہے) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ایها عبدا طلعت علی قلبه فرایت لغالب علیه التمسک بذکری تولیت سیاسته وکنت جلیسه ترجمہ: جس بندے کے دل پر میں جھانکتا ہوں کہ میرے ذکر کا تمسک اس پر غالب ہے تو اس کی سیاست کا منتظم ہو جاتا ہوں اور اس کا جلیس و ہم کلام اور انیس ہوتا ہوں۔

فائدہ: حضرت ابو سلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قلب بمنزلہ ایک برج کے ہے جس کے چاروں طرف دروازے بند ہیں۔ ان میں سے جو دروازہ اس کے لئے کھلتا ہے وہ اسی کا کام کرتا ہے۔

فائدہ: ان سے ظاہر ہوا کہ قلب کے دروازوں میں ملکوت کی جانب بھی ایک دروازہ ہے اور وہ مجاہدہ اور ورع اور انقطاع شہوات دنیاوی سے کھلتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کے رئیسوں کو ارقام فرمایا تھا کہ جو نیک لوگ تم سے کچھ کہیں اس کو یاد رکھا کرو کیونکہ ان پر امور صادقہ منکشف ہوتے ہیں۔

فائدہ: بعض علماء نے فرمایا ہے کہ حکماء کے منہ پر اللہ کا ہاتھ ہے، وہی بات ان کے منہ سے نکلتی ہے جو اللہ تعالیٰ ان کے لیے امر حق تیار کر دیتا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خاشعین کو اپنے بعض اسرار پر مطلع فرما دیتا ہے۔

بذریعہ وساوس شیطان کا انسانی قلوب پر تسلط اور وسوسہ کا معنی و غلبہ: یہ مثال پہلے بیان ہو چکی ہے کہ قلب مثل ایک برج ہے جس کے گرد بہت دروازے ہوں۔ انہیں دروازوں سے اس پر احوال کی آمد رفت ہوتی ہے۔ یا قلب کو مثل نشان کے سمجھنا چاہئے جس پر چار طرف سے نشانے لگتے ہوں یا مثال آئینہ کے جاننا چاہئے جس پر مختلف صورتیں گزرتی رہتی ہیں اور ایک عکس بعد دوسری کے پڑتا رہتا ہے۔ یا ایک حوض ہے جس میں مختلف نالیوں سے پانی آتا ہے۔ بہرصورت قلب میں ہر وقت ان نئے آثار کا ظہور یا تو حواس خمسہ ظاہری کی وجہ سے ہوتا ہے یا باطن کی وجہ سے اس صورت میں خیال اور شہوت اور غضب اور اخلاق مرکبہ انسان کے مزاج میں داخل ہیں مثلاً اگر کسی چیز کو حواس سے معلوم کرے گا تو اس کے دل میں ایک اثر پیدا ہوگا۔ اسی طرح کثرت غذا اور زور طبیعت کے باعث اگر ہیجان شہوت ہوگا تو اس سے بھی دل پر ایک اثر ہوگا۔ اگر حواس کو روک دے تو نفس میں جو خیالات باقی رہتے ہیں ان کی طرف خیال بنے گا اور جس طرح خیال ایک شے سے دوسری کی طرف بدلتا جائے گا اسی

طرح دل بھی ایک حال سے دوسرے کی طرف بدلتا جائے گا۔

خلاصہ: دل کا تغیر ہمیشہ انہیں اسباب سے ہوتا ہے اور جو آثار خصوصیت سے دل میں کرتے ہیں ان کو خواطر کہتے ہیں۔ یعنی فکر اور ذکر سے مراد یہ ہے کہ علوم کا قلب ادراک کرتا ہے خواہ وہ نئے ہوں یا پہلی باتوں کا تذکرہ ہو۔ اسی کا نام خواطر ہے کیونکہ یہ چیزیں دل میں آتی ہیں حالانکہ پہلے دل کو ان سے غفلت تھی اور ارادوں کے محرک یہی خواطر ہوتے ہیں اسی لیے کہ جس چیز پر آدمی نیت اور عزم اور ارادہ کرتا ہے پہلے وہ چیز دل میں گزرتی ہے۔ بہرحال آدمی کے افعال کا مبداء خواطر ہیں پھر خواطر سے رغبت متحرک ہوتی ہے اور رغبت سے عزم اور نیت کو حرکت ہوتی ہے اور نیت اعضاء کو حرکت دیتی ہے لیکن جن خواطر سے رغبت متحرک ہوتی ہے اور رغبت سے عزم اور نیت کو حرکت ہوتی ہے اور نیت اعضاء کو حرکت دیتی ہے لیکن جن خواطر سے رغبت متحرک ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں (1) خاطر شر جو انجام کو مضر ہو (2) خاطر خیر جس سے آخرت میں نفع ہو اور چونکہ یہ دونوں مختلف ہیں اس لیے ان کے نام بھی جدا جدا رکھے گئے ہیں خاطر خیر کو الہام کہتے ہیں اور خاطر شر کو وسواس بولتے ہیں۔

فائدہ: خاطر جو دل میں حادث ہوتی ہے کوئی اس کا بانی بھی چاہیے جس کے سبب یہ دل میں حادث ہوتے ہیں اس وجہ سے کہ مسبب مختلف ہیں ان کے اسباب بھی مختلف ہی ہوں گے اور اللہ عزوجل کی عادت کریمہ بھی اسی طرح جاری ہے کہ جیسا مسبب ہوتا ہے ویسا ہی اس کا سبب ہوتا ہے مثلاً گھر میں آگ جلا دیں اور دیواریں اس کی روشنی سے روشن ہو جائیں اور دھوئیں سے چھت سیاہ پڑ جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ سیاہی کا سبب آگ کی روشنی نہیں ہے۔ اسی طرح دل کی روشنی اور سیاہی کے بھی سبب جدا جدا ہیں یعنی خواطر خیر کا سبب فرشتہ ہے اور خواطر شر کا سبب شیطان اور دل کی نرمی جس سے کہ الہام یعنی خواطر خیر کے قبول کے لیے تیار ہوتا ہے توفیق کہلاتی ہے۔
اگر اس سے وسواس شیطانی کو قبول کرے تو اس کو خذلان بولتے ہیں کیونکہ معانی کے اختلاف سے الفاظ میں بھی اختلاف ہونا چاہیے اور فرشتہ سے وہ مخلوق مراد ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اضافہ خیر اور افادۂ علم اور کشف حق اور وعدہ خیر اور امر بالمعروف کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ اس کام کے لیے مسخر ہے اور شیطان وہ مخلوق ہے کہ جس کا کام اس کے خلاف ہو یعنی وعدہ شر اور امر بالفحشاء اور خیرات کرنے کے وقت مفلسی کا خوف دلانا وغیرہ۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ وسوسہ کے مقابل الہام ہے اور شیطان کے مقابل فرشتہ اور خذلان کے مقابل توفیق اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اس آیت میں وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ ترجمہ: اور ہر چیز کے بنائے ہم نے جوڑے' یعنی موجودات تمامہا متقابل اور جوڑا ہیں سوائے ذاتِ الٰہی عزوجل کے کہ اس کا کوئی جوڑ ہے نہ مقابل بلکہ وحدہ لاشریک خالق جنت تمام چیزوں کے جوڑ کا ہے۔

خلاصہ: یہ کہ قلب انسانی شیطان اور فرشتہ کی کھینچا تانی میں رہتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ فی القلب

المستان لمته من الملک الیعاد بالخیر و تصدیق بالحق فمن وجد ذلیک فلیعلم انه من اللّٰه سبحا، والحمد للّٰه والمته من العد والیعاد بالشرو و تکذیب بالحق و نهی عن الخیر ترجمہ: دل میں جو اتارے ہوتے ہیں ایک فرشتہ کا اتارا اس کا کام خیر کا وعدہ دینا اور امرحق کا سچ جاننا ہے جس کو یہ معلوم ہو تو جان لے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور شکر کرے اور ایک اتارا دشمن یعنی شیطان کا ہے اس کا فعل امرحق کو جھٹلانا اور امرخیر کو منع کرنا ہے جس کو یہ معلوم ہو اس کو چاہئے کہ اللہ سے پناہ مانگے شیطان مردود سے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ (البقرہ 268) ترجمہ کنزالایمان: شیطان تمہیں اندیشہ دلاتا ہے محتاجی کا اور حکم دیتا ہے بے حیائی کا۔

فائدہ: حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ قصد دل کے گرد پھرتے ہیں ایک اللہ کی طرف سے اور ایک دشمن کی طرف سے پس اللہ رحم کرے اس بندے پر جو قصد کرنے کے وقت توقف کیا کرے اگر اللہ کی طرف سے معلوم ہوا کرے تو اسے جاری کرے۔ اگر دشمن کی طرف سے جانے تو اس سے لڑے اور قلب کی اس کھینچا تانی کی طرف اشارہ ہے۔ اس حدیث میں قلب المومن بین اصبعین من اصابع الرحمٰن مومن کا دل دو انگلیوں میں ہے اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے' کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات سے بری ہے کہ اس کی کوئی انگلی گوشت پوست و خون و ہڈی وغیرہ سے مرکب ہو بلکہ مراد یہ ہے کہ جیسے انسان جلد جلد انگلیوں سے کام کرتا ہے اور دوسرے کی سرعت کو تحریک انگلیوں سے بتلایا کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرشتہ اور شیطان سے کام لیتا ہے اور یہ دونوں دل کے بدلنے میں آدمی کی انگلیوں کی طرح ہیں۔ اجسام کے بدلنے میں اور یہ اعتبار اصل پیدائش کے دل میں لیاقت قبول کرنے آثار ملکی اور شیطانی کی دونوں کی مساوی ہے کسی کو ترجیح ایک دوسرے پر نہیں ہاں اتباع شہوات اور ان کی مخالفت سے ایک جانب سے دوسرے پر ترجیح ہو جاتی ہے یعنی اگر انسان غضب اور شہوت کے مقتضا کے موافق کام کرے گا تو شیطان بواسطہ خواہش نفسانی غالب ہو جائے گا اور اس صورت میں قلب شیطان کا ملجا اور ماوا ہوگا کیونکہ خواہش نفسانی اس کی چراگاہ اور سیرگاہ ہے اگر شہوت کو مغلوب کرکے فرشتوں کے اخلاق اختیار کرے گا تو اس صورت میں دل فرشتوں کی منزل اور مستقر ہو جائے گا اور چونکہ قلب میں صفات بشریہ یعنی شہوت و غضب و حرص و طمع و طول امل وغیرہ جو خواہش نفسانی کی فرع ہیں تمام موجود ہیں تو بالضرور ہر ایک قلب میں شیطان کو بھی وسوسہ کرنے کی مجال ہے اسی وجہ سے حدیث شریف میں ہے منکم من احد الا وله شیطانه قالواوانت یا رسول اللّٰه قال و انا الا ان اللّٰه اعافنی علیه فاسلم ولا یا مرالا بخیر اور شیطان کا خیر کے لیے عمل کرنا صرف شہوت کے ذریعہ سے تصرف کرنا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے عنایت کی اور اس کی شہوت کو اس کا ایسا مطیع کردیا کہ حد مناسب کے سوا اس کا ظہور نہ ہونے پائے تو اس صورت میں اس کی شہوت اس کو شر کی طرف داعی نہیں ہوتی پس شیطان بھی کہ شہوت کا جامعہ پہنے ہوئے ہے اس کو امرخیر کے سوا کچھ نہیں کہتا اور جب دل پر خواہش نفسانی کی وجہ سے ذکر دنیا غالب ہو

جاتا ہے تو شیطان کو مجال وسوسہ کی ملتی ہے اور اپنے کام میں مصروف ہوتا ہے اور جب قلب ذکر اللہ کی طرف سے رجوع کرتا ہے تو شیطان کو وسوسہ کا موقع نہیں ملتا' وہ دل سے چل دیتا ہے تو پھر فرشتہ اپنی مداخلت کرتا ہے اور شیطان اور فرشتوں کے دونوں لشکروں میں ہمیشہ یہی کشمکش دل پر رہتی ہے۔ یہاں تک کہ قلب ایک کا ان میں سے فرمانبردار ہو جائے اور پھر اسی کا مستقر اور مکان بن جاتا ہے۔ دوسرے کا گزر اس میں اگر ہوتا بھی ہے تو بطور اتفاق اب اکثر قلوب کا یہ حال ہے کہ لشکر شیاطین نے انہیں مفتوح اور مسخر کرکے ان کا مالک بن بیٹھا ہے تو ایسے دل وسوسوں سے پر ہیں اور انہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دے رکھی ہے اور اس لشکر کے غالب ہونے کا مبدا شہوات اور ہوائے نفسانی کا اتباع ہے جب تک کہ شیطان کا زور کم نہ ہوگا ان کا مسخر ہونا ناممکن نہیں اور اس کا زور اس طرح کم ہوتا ہے کہ شہوت اور ہوائے نفسانی سے دل کو خالی کرے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اس کو پُر کرے جس کے سبب فرشتوں کا اثر دل پر نزول کرتا ہے۔

حکایت: حضرت جابر بن عبیدہ عدوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علا بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے شکایت کی میرے دل میں وسوسہ ہوتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ مثال یوں سمجھنی چاہئے کہ ایک گھر میں چور گھسے اگر اس میں کچھ ہوگا تو لے جائیں گے اگر کچھ نہ ہوگا تو چھوڑ جائیں گے۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ جو دل ہوائے نفسانی سے خالی ہوتا ہے اس میں شیطان نہیں جاتا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (بنی اسرائیل 65) ترجمہ کنزالایمان: بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں' جو آدمی اتباع ہوائے نفسانی کرتا ہے وہ گویا اللہ کا بندہ نہیں ہے اس کو بندہ ہوا کہنا چاہئے چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (جاثیہ 23) ترجمہ کنزالایمان: بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرالیا' اس میں صاف ارشاد فرمایا کہ تبع ہوائے نفسانی بندہ ہوا ہے اس کو اپنا معبود سمجھتا ہے ایسے شخص پر شیطان کو غالب فرما دیا ہے۔

شیطان سے بچاؤ کا نسخہ: شیطان سے بچاؤ کے لیے بھی احادیث میں ذکر اللہ ہی مذکور ہے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت مبارک میں عرض کیا یا رسول اللہ کہ شیطان مجھ میں اور میری نماز میں حائل ہوتا ہے۔ یعنی نماز و قرات میں وسوسہ ڈالتا ہے آپ نے ارشاد فرمایا ذلک شیطان یقال له خنزب فاذا احسسته فتعوذ باللہ منه واتفل عن یسارک ثلاثا ترجمہ: اس شیطان کو خنزب کہتے ہیں جب وہ تجھ کو معلوم ہو تو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ اور اپنے بائیں طرف تھوک تین بار حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق عمل کیا تو وہ بات جاتی رہی (2) حدیث میں ہے ان للوضوء شیطانا یقال له الولهان فاستعیذوا باللہ منه ترجمہ: وضو میں بہکانے کے لیے ایک شیطان ہے جس کو ولہان کہتے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو۔

نکتہ: خدا کے ذکر ہی سے شیطان کا دفع ہونا ایک عمدہ درجہ سے ہم ثابت کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ وسوسہ شیطانی دل میں سے جب ہی جائے گا جب اس وسوسہ کے سوا کوئی اور بات کا دل میں گزر ہوتا ہے۔ دوسری سے جو پہلے تھی وہ اس میں نہیں رہتی پس دل کو کسی اور بات کی طرف متوجہ کرنے سے وسوسہ شیطانی رفع ہو سکتا ہے مگر یہ بھی ممکن ہے کہ اس دوسری بات میں بھی وسوسہ کرنے لگے لیکن ذکر الٰہی اور اس کے متعلقات ایک ایسی شے ہیں کہ ان کے ہوتے شیطان کی مجال نہیں ہوتی کہ دل کے پاس پھٹکے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ وساوس کے دفع کے لیے سوائے ذکر الٰہی اور اس کے متعلقات کے کوئی شے مفید نہیں اسی لیے دفع شیطان کے لیے اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم' لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پناہ مانگتا ہوں میں اللہ کی شیطان مردود سے' نہیں طاقت گناہ سے بچنے کی اور نہ قوت بندگی کی مگر ساتھ اللہ برتر اور عظمت والے کی توفیق کے' واقع ہوا ہے اور اس کی دفع کی قدرت نہیں کو ہے جو متقی ہیں اور اکثر ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ہیں ایسے لوگوں پر شیطان وسوسہ کے لیے خفیہ طور پر گزر جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (الاعراف 201) ترجمہ کنزالایمان: بے شک وہ جو ڈر والے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے ہوشیار ہو جاتے ہیں اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔اور امام مجاہد من شر الواسواس الخناس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ شیطان دل پر پھیلا ہوا ہے جب قلب ذکر الٰہی کرتا ہے تو وہ ڈر کے مارے سکڑ جاتا ہے اور جب غافل ہو جاتا ہے تو پھیلتا ہے۔

فائدہ: ذکر اللہ اور وسوسہ میں ایسا اختلاف ہے جیسے روشنی اور اندھیرے میں یا دن اور رات میں ہے اور ان دونوں میں ضدیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ قابو میں کرلیا ہے ان کو شیطان نے پھر بھلائی کو اللہ کی یاد

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ان الشیطٰن واضع خرطوم علی قلب ابن ادم فان ہو ذکر اللہ اخنس و ان نسی اللہ تعالٰی التقم قلبہ ترجمہ: شیطان اپنی سونڈ آدمی کے دل پر رکھے ہوئے ہے پس اگر آدمی ذکر خدا کرتا ہے تو وہ ہٹ جاتا ہے اور اگر اللہ کو بھول جاتا ہے تو شیطان اس کے دل کو نگل لیتا ہے' اور ابن اوضاع سے روایت ہے کہ جب انسان چالیس سال کا ہو جاتا ہے اور توبہ نہیں کرتا تو شیطان اس کے منہ پر ہاتھ پھیرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس صورت کے قربان جایئے کہ فلاح نہیں پائے گی۔ خلاصہ یہ کہ شہوات انسان کے گوشت اور خون میں گھسے ہوئے ہیں تو سلطنت شیطان کی بھی اس کے خون اور گوشت میں موجود ہے اور قلب کو چاروں طرف سے محیط ہے۔ حدیث شریف میں ان الشیطٰن یجری من ابن آدم بحری الدم فضیقوا مجارع بالجوع شیطان آدمی زاد کے بدن میں خون کی جگہ پھرتا ہے پس اس کے پھرنے کی وجہ کو بھوک سے تنگ

کرو۔

فائدہ: یہ اس لیے فرمایا ہے کہ بھوک کی وجہ سے شہوات کمزور ہوتی ہیں اور شیطان کے دخول کا راستہ شہوات ہیں اور قلب کو چاروں طرف سے شہوات میں گھرا رہنا اس آیت سے ثابت ہے قَالَ فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ (الاعراف 17-16) ترجمہ کنزالایمان: بولا تو قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور تیرے سیدھے راستہ پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا پھر ضرور میں ان کے پاس آؤں گا ان کے آگے اور ان کے پیچھے اور ان کے داہنے اور ان کے بائیں سے

حدیث میں ہے کہ ان الشیطٰن قعد لابن ادم بطریق فقعد لا بطریق الاسلام فقال اتسلم و تترک دین آباءک فعصاہ اسلم و ثم قعد لہ بطریق اتسلم الھجرۃ فقال ازضک و سماءک فعصاہ وہا جر ثم قعدلہ بطریق الجھاد للمجا ہد فقال وہو تلف النفس و المال فقنالل فقتل فتنکع نساءک و تقسم مالک فعصاہ وجاہد ترجمہ: شیطان آدمی کی کئی راہوں پر بیٹھا طریق اسلام پر بیٹھا اور کہا تو مسلمان ہوتا ہے اور اپنے باپ دادا کا دین چھوڑتا ہے۔ آدمی نہ مانا اور مسلمان ہوگیا۔ پھر ہجرت کی راہ پر بیٹھا اور کہا کہ تو ہجرت کرکے اپنا ملک چھوڑتا اس نے نہ مانا اور ہجرت کی پھر جہاد کی راہ پر بیٹھا اور کہا کہ لڑنا تو جان اور مال کا ضائع کرنا ہے اگر تو لڑے گا تو مارا جائے گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جو شخص ایسا کرے گا خدا بالضرور اس کو داخل جنت کرے گا۔ پھر آپ ﷺ نے وسوسہ کا ذکر فرمایا کہ وہ اسی طرح کے وساوس ہیں جیسے مجاہد کے دل میں گزرے کہ اگر مارا جاؤں گا تو میری منکوحہ غیر سے منسوب ہو جائے گی اور اس طرح کے اور وسواس کے جہاد سے مانع ہوں اور یہ خواطر سب کو معلوم ہیں تو وسواس بھی معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ سبب ان خواطر کا شیطان ہوتا ہے اور انسان کا اس سے جدا ہونا مقصود نہیں البتہ اس کی متابعت اور نافرمانی کی وجہ سے انسانوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا مامن احد الا ولہ شیطٰن ترجمہ: ہر ایک کے لیے شیطان ہے۔

فائدہ: اس تمام بیان سے معنی وسوسہ و الہام اور فرشتہ شیطان اور توفیق خذلان کا معنی معلوم ہوگیا۔

سوال: شیطان کیا چیز ہے وہ جسم لطیف ہے یا نہیں اگر جسم ہے تو انسان کے بدن میں کیسے گھستا ہے؟

جواب: ان امور کا ذکر علم معاملہ میں ضروری نہیں لیکن یہاں صرف اتنا سمجھ لیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے کپڑوں میں سانپ گھس جائے تو وہ یہ فکر نہ کرے کہ کسی طرح نکل جائے اور وہ اس کے ضرر سے محفوظ ہو جائے بلکہ پوچھنے لگے کہ سانپ کا رنگ اور شکل کیسی ہے اور اس کا طول و عرض کیا ہے تو ایسا سوال محض جہالت ہے جب یہ معلوم ہوگیا کہ انسان کے دل میں ایسے خواطر گزرتے ہیں جو شر کی وجہ سے ہوا کرتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ان خواطر کا کوئی سبب ہوا کرتا ہے اور یہ امر بھی یقینی ہے کہ جو چیز آئندہ کے شر کا موجب ہو وہ جانی دشمن ہے تو

ان باتوں سے دشمن کا وجود تو یقیناً معلوم ہوا۔ اب اس بارے میں کوشش کرنی چاہیئے کہ دشمن ضرر نہ پہنچا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی عداوت کا اپنی کتاب پاک میں اکثر جگہ اسی لیے ارشاد فرمایا ہے کہ لوگ اس پر یقین کر کے اس کے ضرر سے بچیں چنانچہ فرمایا اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَکُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ﴿فاطر 6﴾ ترجمہ کنزالایمان: بے شک شیطان تمہارا دشمن تو تم بھی اسے دشمن سمجھو وہ تو اپنے گروہ کو اسی لئے بلاتا ہے کہ دوزخیوں میں ہوں۔ اور ارشاد ہوا اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْکُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ (یٰسین 60) ترجمہ کنزالایمان: اے اولاد آدم کیا میں نے تم سے عہد نہ لیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ **فائدہ:** سالک پر واجب ہے کہ دشمن سے اپنے آپ کو بچائے۔ یہ نہ پوچھے کے اس کی اصل و نسب و مسکن کیا ہے بلکہ پوچھنے کے لائق یہ امر ہے کہ اس کے ہتھیار کیا کیا ہیں تاکہ ان سے اپنے آپ کو دور رکھے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ شیطان کے ہتھیار شہوات نفسانی ہیں۔ اس قدر علماء کے لیے جاننا کافی ہے لیکن پہچاننا اس کی ذات کا اور فرشتوں کی حقیقت کا یہ امر عارفین سے متعلق ہے جو علوم مکشافات میں منہمک رہتے ہیں اس کی آگاہی کی حاجت علم معاملہ میں ضروری نہیں۔

فائدہ: خواطر میں تین قسم ہیں (1) وہ قطعاً داعی الی الخیر ہوں تو ان کے الہام ہونے میں کچھ شک نہیں (2) وہ یقیناً داعی الی بشر ہوں۔ ان کے وسوسہ ہونے میں کلام نہیں (3) وہ بین بین ہوں اور معلوم نہ ہو کہ یہ خواطر فرشتہ کی طرف سے ہیں یا شیطان کی طرف سے تو اس میں بڑا دھوکا پڑتا ہے اور اس کی تمیز بہت دقیق ہے کیونکہ بعض لوگ جو نیک ہوتے ہیں شیطان ان کو صریح شر کی طرف تو بلا نہیں سکتا بلکہ شر کو خیر کی صورت میں لا کر ان کے سامنے پیش کرتا ہے اور یہ بڑا فریب ہے۔ اس سے اکثر لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں مثلاً عام سے بطریق وعظ کہتا ہے کہ خلق کا حال دیکھو کہ جہل میں گرفتار اور غفلت سے سرشار دوزخ کے کنارے پر ہیں - ان اللہ کے بندوں پر رحم کر کے ہلاکت سے بچانا چاہیئے اور وعظ و نصیحت سے بتانا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے نعمت علم اور دل روشن اور تقریر دلکش اور لحن خوش سے بہرہ مند فرمایا ہے تو اللہ کی نعمت کی ناشکری کس طرح کرے گا اور علم کی اشاعت سے رک کر مورد عنایت خداوند کیونکر ہوگا۔ لوگوں کو راہ کی طرف بلانا چاہیئے اسی طرح کی تقریریں نفس سے ہمیشہ کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو وعظ گوئی پر آمادہ کر دیتا ہے۔ پھر اس کے بعد اس کے دل میں ڈالتا ہے کہ اگر عمدہ لباس پہن کر اچھے لہجہ سے تقریر اور اظہار خیر نہ کرو گے تو تمہاری بات دل پر اثر نہ کرے گی اور نہ کسی کو راہ راست نصیب ہوگی۔ اسی طرح کی تقریر عالم کو ہمیشہ کرتا رہتا ہے اور اس کی غرض ان باتوں سے یہ ہوتی ہے کہ عالم مذکور ریا میں ڈالے کہ اسے اپنی تعظیم اور کثرت خدام اور اپنے علم پر تکبر اور جاہ اور حقارت کی آنکھ سے اور وہ دن کو دیکھنے کا شوق ہو جائے دیکھیئے ظاہر میں تو کیسی خیر خواہی کی باتیں پیش کرتا ہے مگر واقع میں ایک غریب بے چارے کی ہلاکت کی فکر میں ہی اس کی چرب زبانی سننے والا بھی جانتا ہے کہ یہ خیر خواہی کرتا ہے اور اللہ کے نزدیک ہمارا بڑا مرتبہ ہو گا

حالانکہ اس کی غرض یہی ہوتی ہے کہ ریاء عجب میں گرا کر تباہ ہو جائے۔ ایسے لوگوں کی طرف مندرجہ ذیل احادیث میں اشارہ ہے۔ (1) ان اللہ لیوید هذا الدین بقومه لا خلاق لهم ترجمہ: بے شک اللہ اس دن کو ایسے لوگوں سے مدد دے گا جن کو کچھ بہرہ نہ ہو یعنی وہ دیندار نہ ہوں گے۔ (2) وان اللہ لیوهذ هذا الذین بالرجل الفاجر ترجمہ: اس دین فاسق سے مدد پہنچا دیتا ہے۔

حکایت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شیطان مردود کے جواب میں کیا اچھا ارشاد فرمایا تھا یعنی ابلیس مردود جب آپ کے سامنے آیا اور آپ سے عرض کیا کہ کہو لا الہ الا اللہ تو آپ نے فرمایا کہ یہ کلمہ تو ٹھیک ہے مگر تیرے کہنے سے نہیں کہوں گا۔ اس سے غرض آپ کی یہی تھی کہ مردود خیر کے اندر بھی دھوکہ کرتا ہے۔

فائدہ: شیطان کے اس قسم کے فریب بے شمار ہیں' علماء' فقرا اور اغنیاء اور دیگر قسم کے لوگ جو بظاہر صرف شر کو برا جانتے ہیں اور محض گناہ علانیہ کے مرتکب نہیں ہوتے تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ ہم شیطان کے فریب اس جلد کے آخر میں باب غرور میں لکھیں گے اور فرصت ملی تو ایک کتاب بھی اسی باب خاص میں لکھ کر اس کا نام تلبیس ابلیس رکھیں گے کیونکہ آج کل اس کے فریب زمانہ میں اور مخلوق میں بالخصوص مذاہب اور اعتقادات میں بہت پھیلے ہوئے ہیں حتیٰ کہ خیر کا نام ہی رہ گیا ہے۔ یہ اسی لیے ہے کہ لوگ شیطان کے دھوکوں کو یقین کر لیتے ہیں پس سالک پر واجب ہے کہ جو قصد اس کے دل میں آئے اس میں توقف اور تامل سے معلوم کرے کہ یہ فرشتہ کی جانب سے ہے یا شیطان کی جانب سے اور خوب غور سے سوچے کیونکہ یہ بات تو تقویٰ اور کثرت علم اور بصیرت کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی جیسا کہ اللہ نے فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (الاعراف 201) ترجمہ کنزالایمان: بے شک وہ جو ڈر والے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے ہوشیار ہو جاتے ہیں اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

فائدہ: اس سے غرض یہی ہے کہ متقی لوگ ایسے وقت میں نور علم کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کا اشکال دور ہو جاتا ہے اور جو شخص تقویٰ نہیں کرتا اس کو خواہش نفس کی متابعت کی وجہ سے شیطان کے فریب کا یقین ہو جاتا ہے اور سب سے دھوکہ کھا کر بے سمجھے بوجھے ہلاک ہو جاتا ہے۔ انہی جیسوں کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ یَكُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ (زمر 47) ترجمہ کنزالایمان: اور انہیں اللہ کی طرف سے وہ بات ظاہر ہوئی جو ان کے خیال میں نہ تھی۔ جن اعمال کو وہ حسنات تصور کرتے تھے سیئات میں داخل ہوئے اور علم معاملہ کی مشغولی میں سب سے باریک بات نفس و شیطان کے فریبوں کا معلوم کرنا ہے اور یہ ہر ایک سالک پر فرض عین ہے مگر لوگ اس سے غافل ہو کر ایسے امور میں مشغول ہوئے جن سے وساوس زیادہ ہوں اور شیطان غالب ہو اور اس کی عداوت اور اس سے بچنے کا طریقہ بھول جائیں۔

وسوسہ شیطان سے بچنے کا طریقہ : کثرت وساوس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ ابواب خاطر کے ابواب بند کیے جائیں اور وہ حواس خمسہ ظاہری ہیں اور باطن میں شہوات اور دنیا کے علائق ہیں حواس ظاہری تو اس طرح بند ہوتے ہیں کہ اندھیرے مکان میں بیٹھ جائے اور باطن کے وساوس بعد روکنے کا طریقہ یہ ہے کہ اہل و عیال اور مال سے جدا ہو جائے۔ اس صورت میں صرف تخلیات کے راستے کھلے رہیں گے جو ہر وقت دل میں جاری رہتے ہیں۔ ان کے دفع کے لیے سوائے ذکر اللہ کے اور کوئی چارہ نہیں لیکن شیطان دل کو وہاں بھی نہیں چھوڑتا۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر اس سے بھلا دیتا ہے۔ اس صورت میں اس سے مجاہدہ کرنا چاہیے۔ اس مجاہدہ کی انتہا موت تک ہوتی ہے کیونکہ جب آدمی زندہ رہتا ہے شیطان سے چھٹکارہ نہیں پا سکتا۔ ہاں ایسا زبردست ہو جاتا ہے کہ شیطان کا فرمانبردار نہیں رہتا اور مجاہدہ سے اس کے شر کو ٹال دیتا ہے لیکن جب تک خون بدن میں رہتا ہے اس وقت تک اس کا مجاہدہ ضروری ہے کیونکہ ابواب شیطانی زندگی بھر آدمی کے دل پر مفتوح رہتے ہیں اور بند نہیں ہوتے اور وہ غضب اور شہوت اور طمع اور حسد وغیرہ ہیں جیسا کہ عنقریب ان کا بیان ہوگا اور جب دروازے کھلے ہوں اور دشمن بھی غافل نہ ہو تو بغیر حفاظت اور مجاہدہ کے کام نہ بنے گا۔

فائدہ : حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ اے ابو سعید شیطان سویا بھی کرتا ہے' آپ نے فرمایا اگر وہ سوتا تو ہم کو چین ہوتا۔ خلاصہ یہ کہ مومن کو اس سے چھٹکارہ نہیں البتہ اس کا زور کم ہو سکتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے ان المومن ینضی شیطانہ کما ینضی احدکم بعیرہ فی سفرہ ترجمہ : ایماندار اپنے شیطان کو لاغر کرتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنا اونٹ سفر میں لاغر کر دیتا ہے۔

فائدہ : حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مومن کا شیطان دبلا ہوتا ہے۔

حکایت : حضرت قیس ابن حضرت حجاج فرماتے ہیں کہ میرا شیطان مجھے کہنے لگا کہ میں تمہارے پاس اونٹ کی طرح آیا تھا' اب چڑیا جیسا ہوں - میں نے پوچھا یہ کیسے جواب دیا کہ تم ذکر اللہ سے مجھے دبلا کرتے ہو۔

فائدہ : ان روایت سے معلوم ہوا کہ تقویٰ والوں پر ابواب ظاہری شیطانی کا بند ہونا مشکل نہیں کہ جو طریق واضح گناہوں کی طرف لے جانے والے ہیں ان سے اجتناب کرتے ہیں اور حفاظت و حراست خوب بجا لاتے ہیں مگر جو مکر و فریب شیطانی طریقے ہیں ان میں ان کو بھی لغزش ہو جاتی ہے کیونکہ وہ جلد معلوم نہیں ہوتے کہ ان کی حفاظت کریں جیسا کہ ہم نے علماء کو فریب دینے کی ایک مثال لکھی ہے۔ ہاں زیادہ تر مشکل یہ ہے جو ابواب شیطانی دل پر مفتوح ہیں وہ تو بہت ہیں اور فرشتوں کی طرف کا دروازہ صرف ایک ہے اور یہ اکیلا دروازہ ان سب میں مشتبہ ہو گیا ہے۔ انسان کا حال بہ اعتبار ان دروازوں کے ایسا ہے جیسا کوئی مسافر اندھیری رات میں کسی جنگل میں کھڑا ہو جس میں بہت سی راہیں دشوار گزار موجود ہیں تو اسے ٹھیک راستہ دو طرح سے معلوم ہو سکتا ہے۔ (۱) بصیرت اور عقل

سے (2) چاند کی روشنی سے پس ان دروازوں کی معرفت میں متقی کا قلب بجائے بصیرت اور عقل کے ہے اور علم کثیر کتاب اللہ اور سنت کا مثل آفتاب کے بعد ان کے سبب سے صحیح راستہ معلوم ہوگا۔ ورنہ شیطان کے طریقے بہت ہیں اور نامعلوم۔

حدیث شریف: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک روز حضور سرور عالم ﷺ نے ہمارے سامنے ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ راستہ اللہ کا ہے پھر اس خط کے دائیں بائیں بہت سے خط کھینچے اور فرمایا یہ راستے شیطان کے ہیں اور ہر ایک راہ پر ایک شیطان ہے کہ اسی طرف کو بلاتا ہے پھر یہ آیت پڑھی وَ اَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ (الانعام 154) ترجمہ کنزالایمان: اور یہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو اس پر چلو اور اور راہیں نہ چلو۔

فائدہ: سبل انہیں خطوط کو فرمایا پھر آپ (ﷺ) نے اس کے راستوں کی کثرت واضح کردی اور ہم نے اس باریک راہ کی ایک مثال بھی لکھ دی جس سے وہ علماء اور لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے، حالانکہ یہ لوگ اپنی شہوات پر غالب ہوتے ہیں اور گناہ ظاہری بھی نہیں کرتے۔ اب ہم اس کے ایک واضح طریق کا ذکر کرتے ہیں کہ سالک خواہ مخواہ اس راہ پر چلنے لگتا ہے۔ جس پر یہ حکایت دلالت کرتی ہے۔

حکایت: بنی اسرائیل میں ایک راہب تھا، شیطان نے ایک لڑکی کا گلا دبا کر اس کے گھر والوں کے دل میں یہ بات ڈال دی اس کا علاج فلاں راہب کے پاس ہے۔ لوگ اسے اپنے راہب کے پاس لے گئے۔ اس نے پہلے تو علاج سے انکار کیا مگر انہوں نے اصرار کیا۔ یہاں تک کہ راہب مان گیا اور لڑکی کو اپنے پاس علاج کے لیے چھوڑا۔ اب شیطان نے راہب کے دل میں اس سے صحبت کرنے کا وسوسہ ڈالا یہاں تک کہ وہ نہ رہ سکا اور مباشرت کرلی۔ لڑکی کو حمل ہوگیا اور پھر اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اب تیری رسوائی ہوگی بہتر یہ ہے کہ اس کو مار کر دفن کردے۔ اگر کوئی پوچھے تو کہہ دینا کہ مرگئی۔ راہب نے ایسا ہی کیا۔ پھر شیطان اس لڑکی کے اقربا کے پاس گیا اور ان کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ راہب نے اس کے ساتھ ایسا ایسا کیا ہے اور مار کر دفنا دیا وہ لوگ راہب کے پاس آئے اور پوچھا تو اس پر گمان کرکے اسے قصاص میں گرفتار کیا۔ پھر شیطان اس کے سامنے آیا کہ یہ سب کام میرے کیے ہوئے ہیں۔ اب اگر میرا ہی کہنا مانے تو اس سے تو بچ جائے گا۔ اس نے پوچھا کیا کروں کہ کسی طرح خون سے نجات پاؤں۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے دو سجدے کرلے بچ جاؤ گے جب اس نے سجدے کرلیے تو کہا میں کچھ نہیں کر سکتا میں تجھے کیا جانوں۔

فائدہ: یہی شخص ہے جس کا حال اللہ تعالی نے یوں ارشاد فرمایا ہے۔ کَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اکْفُرْ فَلَمَّا کَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکَ (الحشر 16) ترجمہ کنزالایمان: شیطان کی کہاوت جب اس نے آدمی سے کہا کفر کر پھر جب

اس نے کفر کرلیا بولا میں تجھ سے الگ ہوں۔

فائدہ: غور فرمایئے کہ شیطان کیسا بڑا مکار ہے کہ راہب کو کس طرح کبیرہ گناہوں میں مبتلا کردیا اور منشا اس کا صرف اس قدر تھا کہ راہب نے علاج کے بارے میں اس کا وسوسہ مان لیا اور ایک امر بہت آسان تھا ابتدا میں یہی معلوم ہوتا تھا کہ علاج کرنا عمدہ بات ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے شیطان دل میں ایسی بات ڈالتا ہے کہ انسان بسبب رغبت خیر کے اسے اچھا جانے اور بالاخر کام ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور ایک بات سے دوسری بات ایسی پیدا ہو جاتی ہے کہ اس سے چھٹکارا میسر نہیں ہوتا (ابتدائی امور کے ضائع ہوجانے سے اللہ تعالیٰ بچائے۔ آمین) حدیث شریف میں ہے من حام حول الحمی یوشک ان یقع فیہ ترجمہ: جو شخص چراگاہ کے گرد پھرے گا کیا عجب ہے کہ اس میں چلا جائے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔

دل کی طرف شیطانی راستوں کی تفصیل: قلب انسانی بمنزلہ ایک قلعہ کے ہے اور شیطان دشمن ہے کہ اس کے اندر گھس کر اس پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اگر قلعہ کے دروازوں کی حفاظت کی جائے اور شیطان کی آمد کے راستوں کی مکمل نگرانی رہے تو قلب محفوظ رہ سکتا ہے لیکن جو شخص اس کے دروازے ہی نہ جانتا ہو وہ حفاظت بھی نہیں کر سکتا (مسئلہ) قلب کو وسوسہ شیطان سے بچانا واجب ہے بلکہ ہر بندہ عاقل بالغ پر فرض عین ہے جو چیز فرض عین تک پہنچنے کا ذریعہ ہو وہ بھی واجب ہے اور دفع کرنا شیطان کا اس کی آمد کے راستوں کے پہچاننے سے ہو سکتا ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ ایسے راستوں کا پہچانا واجب ہے اور یہ راستے انسان کی صفات میں اگرچہ ان کی کچھ انتہا نہیں لیکن ہم ان میں سے بڑے بڑے راستوں کو بتلائے دیتے ہیں کہ جن پر شیطان کے لشکروں کی کثرت رہتی ہے۔ (۱) اس کا بڑا مدخل غضب اور شہوت ہے کیونکہ غصہ سے عقل جاتی رہتی ہے اور جب عقل کمزور ہوتی ہے فوراً لشکر شیطان حملہ کرتا ہے اور جب آدمی غصہ کرتا ہے تو شیطان اس سے ایسا کھیلتا ہے جیسے کھلاڑی گیند سے۔

حکایت: ابلیس حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملا اور عرض کیا کہ تم تو وہ ہو جن کو اللہ نے رسول بنایا اور کلام کیا اور میں بھی اللہ کی مخلوق ہوں۔ مجھ سے ایک گناہ ہوگیا ہے اور اس سے توبہ کرنا چاہتا ہوں تو آپ اللہ تعالیٰ سے میری سفارش کردیجئے تاکہ توبہ قبول فرمائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طور پر تشریف لے گئے اور رب تعالیٰ سے ہم کلام ہو کر اترنا چاہا تو اللہ رب العزت نے فرمایا کہ اے موسیٰ امانت ادا کر۔ عرض کیا کہ تیرا بندہ ابلیس چاہتا ہے کہ اس کی توبہ قبول ہو۔ حکم ہوا کہ وہ آدم کی قبر کو سجدہ کرے۔ اس کی توبہ قبول ہو جائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ابلیس سے فرمایا کہ تیری حاجت میں نے پوری کی ہے حکم ہوا کہ تو آدم کی قبر کو سجدہ کرے تو توبہ قبول ہو جائے گی۔ وہ ملعون غصہ کرکے تکبر سے کہنے لگا کہ میں نے اس کو زندہ میں سجدہ نہ کیا بعد انتقال کیوں سجدہ کروں گا۔ پھر عرض کیا کہ آپ

کا مجھ پر حق ہے کہ آپ نے اللہ سے میری سفارش کی میں آپ کو ایک بات بتلاتا ہوں۔ مجھ کو تین چیزوں میں یاد رکھیئے۔ ان سے آپ کو ضرر نہ پہنچا سکوں گا۔ ایک غصہ کی حالت میں کیونکہ میری روح تو آپ کے دل میں ہے اور آنکھ آپ کی آنکھ میں اور جہاں بدن کا خون پھرتا ہے وہاں تک میرا گزر ہوتا ہے۔ غصہ کی حالت میں میرا خیال ضرور کیا کرو اس لیے کہ جب انسان غصہ کرتا ہے تو میں اس کی ناک میں پھونک مار دیتا ہوں۔ پھر اس کو خبر نہیں رہتی کہ میں کیا کرتا ہوں اور (2) صفا قتال میں مجھے یاد رکھو کیونکہ جب آدمی لڑائی میں چلتا ہے تو اس کا گھر اور اہل عیال' زوجہ اور بچے یاد دلاتا ہوں۔ یہاں تک کہ بھاگ جائے (3) اور اس بات کو یاد رکھو کہ جس عورت کا محرم پاس نہ ہو اس کے پاس ہرگز مت بیٹھنا کیونکہ اس کی طرف میں تمہارا پیغام پہنچاتا ہوں اور اس کا پیغام تم کو پہنچاتا ہوں یہاں تک کہ دونوں گناہ میں مبتلا ہو جائیں۔

فائدہ: ان باتوں سے اس نے شہوت اور غضب اور حرص کی طرف اشارہ کیا کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو بعد وفات سجدہ نہ کرنا تو حسد کی وجہ سے تھا اور بھاگنا صف قتال سے دنیا کی حرص کی وجہ سے اور یہ شیطان کے بڑے مداخل میں سے ہیں۔

حکایت: بعض اولیاء سے منقول ہے کہ انہوں نے ابلیس سے پوچھا کہ آدمی کے دل پر تو کس وقت غالب ہوتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ غضب اور خواہش نفسانی کے وقت۔ اسے دبا لیتا ہوں۔

حکایت: ابلیس ایک راہب کے سامنے آیا' اس نے پوچھا کہ آدمی کی کون سی صفت سے تجھے زیادہ مدد ملتی ہے۔ ابلیس نے کہا کہ تیزی مزاج سے کیونکہ جب آدمی تیز مزاج ہوتا ہے تو میں اس کے دل کو ایسا گھماتا ہوں جیسے کھلاڑی گیند کو۔

فائدہ: شیطان کا یہ کہنا ہے کہ انسان مجھ پر کس طرح غالب ہو سکتا ہے کہ جب وہ ہنسی خوشی رہتا ہے تو میں اس کے دل میں رہتا ہوں اور وہ جب غصہ بھی ہوتا ہے تو میں اڑ کر اس کے سر میں پہنچتا ہوں (2) شیطان کا بڑا مدخل حسد اور حرص ہے جب آدمی کسی شے پر حریص ہوتا ہے تو حرص اس کو اندھا اور بہرہ کر دیتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حبک الشئی یعمی و یصم ترجمہ: تیری کسی سے محبت تجھے اندھا بہرا کر دیتی ہے۔ **فائدہ:** جب نور بصیرت حسد اور حرص کی وجہ سے جاتا رہتا ہے تو کچھ نہیں سوجھتا اور شیطان کو اس وقت موقع مل جاتا ہے کہ جو چیز حریص کی خواہش تک پہنچانے کی ہو اس کو اسی کی نظروں میں اچھا کر کے دکھاتا ہے۔ گو وہ کیسی ہی بری ہو۔

حکایت: حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی میں سوار ہوئے تو بموجب ارشاد الٰہی ہر ایک چیز کا اس میں جوڑا بٹھا لیا۔ کشتی میں آپ نے ایک بوڑھا اجنبی شخص دیکھ کر پوچھا کہ تو کیوں سوار ہوا ہے۔ اس نے عرض کی کہ آپ کے یاروں کے دل لوٹنے آیا ہوں تاکہ ان کے بدن آپ کے ساتھ رہیں اور دل میرے ساتھ ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تو مردود

دشمن خدا ہے۔ یہاں سے نکل جا۔ اس نے عرض کیا کہ پانچ باتیں ہیں جن سے میں لوگوں کو ہلاک کروں گا ان میں تین تو آپ کو بتلا تا ہوں دو نہیں بتاؤں گا۔ اس وقت آپ کو وحی ہوئی کہ جو باتیں یہ بتانا چاہتا ہے ان کی آپ سب کو کچھ ضرورت نہیں۔ وہ دو باتیں پوچھو جو چھپاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ دو باتیں کون سی ہیں اس نے کہا کہ وہ ہیں حسد اور حرص حسد تو وہ ہے کہ جس سے میں ملعون اور شیطان رجیم ہوا اور حرص وہ ہے کہ آدم کے لیے تمام جنت سوائے ایک درخت کے مباح ہوئی تھی تو میں نے حرص ہی کی وجہ سے اپنا کام نکال لیا۔(3) شیطان کے بڑے راستوں میں سے پیٹ بھر کر کھانا ہے اگرچہ مال حلال طیب ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ پیٹ بھرنے سے شہوت کا زور ہوتا ہے اور شہوت شیطان کا ہتھیار ہے۔

حکایت: حضرت یحیٰ علیہ السلام کے سامنے ابلیس حاضر ہوا اور اس کے ہاتھ میں پھندے تھے۔ آپ نے پوچھا کہ یہ پھندے کیسے ہیں؟ عرض کیا یہ شہوات ہیں کہ ان سے انسانوں کو پھنساتا ہوں۔ آپ نے پوچھا کہ ان میں کوئی میرے لیے بھی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں کبھی جو آپ پیٹ بھر کر کھانا کھاتے ہیں' میں آپ پر نماز پڑھنا اور ذکر بھاری کر دیتا ہوں! پھر آپ نے فرمایا کہ اس کے سوا کوئی اور چیز بھی ہے؟ عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا مجھے قسم ہے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاؤں گا۔ شیطان نے کہا کہ میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ مسلمان سے کبھی خیر خواہی کی بات نہیں کہوں گا۔

فائدہ: بہت کھانے میں چھ چیزیں مذموم ہیں (1) خوف الٰہی دل سے جاتا رہتا ہے (2) خلق پر رحم نہیں رہتا کیونکہ یہ جانتا ہے کہ سب پیٹ بھرے ہیں۔ (3) اطاعت اللہ بھاری پڑ جاتی ہے۔ (4) حکمت کی بات سننے سے دل میں نرمی نہیں ہوتی (5) اگر اوروں کو نصیحت کرتا ہے تو کسی کے دل میں تاثیر نہیں ہوتی (6) بیماریوں کا گھر ہو جاتا ہے۔
(4) شیطان کے بڑے راستوں میں سے خود کو اچھا سمجھنا یہ زینت ظاہری کے اسباب اور لباس اور مکان وغیرہ سے ہے کیونکہ جب شیطان یہ بات انسان پر غالب پاتا ہے تو اس میں انڈے بچے دیتا ہے اور ہمیشہ یہی کہتا رہتا ہے کہ گھر خوب اونچا اور وسیع بنائے۔ اس کی چھت اور دیواروں کو خوب آراستہ کیجئے۔ اسی طرح لباس اور سواری بھی خوب آراستہ پیراستہ ہونی چاہئے۔ زندگی بھر انسان کو اسی امر پر لگائے رہتا ہے۔ جب کسی کو ایک بار اس امر میں منہمک پاتا ہے تو پھر دوبارہ اس کے پاس جانے کی ضرورت بھی نہیں جانتا کیونکہ انسان کو خود ایک چیز سے دوسری کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس پر قوت آجاتی ہے اور اسی راہ شیطانی اور ہوائے نفسانی میں چل دیتا ہے اور اس سے خوف خرابی عاقبت اور کفر کا بھی ہے۔
(5) شیطان کے بڑے راستوں سے طمع ہے کیونکہ جب دل پر طمع غالب ہوتا ہے تو شیطان یہ سکھاتا ہے کہ جب سے طمع رکھتا ہے اس کے سامنے خوب زینت اور تکلف ظاہر کرنا چاہئے اور اتنا تلبیس اور ریا کرتا ہے گویا جس سے طمع ہے وہی اس کا معبود ہے اور ہمیشہ اسی کی فکر میں رہتا ہے کہ کوئی حیلہ ایسا نکلے جس سے اس کی نظروں میں

محبوب ہو جاؤں اس کے لیے بڑی خاک چھانتا ہے۔ ادنیٰ یہ ہے کہ اس کی تعریف میں غلو کرتا ہے اور اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا موقع آئے تو عملاً اس سے درگزر کرتا ہے۔

حکایت: حضرت صفوان بن سلیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ابلیس نے حضرت عبداللہ بن حنظلہ رحمۃ اللہ علیہم کے سامنے حاضر ہو کر کہا کہ میں تمہیں ایک بات سکھائے دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تیری بات کی ضرورت نہیں۔ اس نے عرض کیا کہ اگر اچھی ہو تو یاد رکھیں بری ہو تو میرے پلے باندھ دیں۔ وہ یہ کہ سوائے اللہ کے کسی سے ایسا سوال مت کرنا جس میں طمع ہو اور غصہ کے وقت اپنے آپ کو سنبھالنا کیونکہ اس وقت تم میرے قابو میں ہوتے ہو (6) شیطان کے بڑے طریقوں میں سے امور میں عجلت ہے اور استقلال کو ہاتھ سے جانے دینا حدیث شریف میں ہے العجلہ من الشیطن والتانی من اللہ جلدی شیطان کی طرف سے ہے اور تاخیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ خلق الانسان من عجل انسان جلد بازی سے پیدا کیا گیا ہے۔ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا (بنی اسرائیل 11) ترجمہ کنزالایمان: اور آدمی بڑا جلد باز ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرمایا لَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَى إِلَيْكَ وَحْيُهُ ترجمہ: تو جلدی نہ کر قرآن لینے میں جب تک نہ پورا ہو چکے اس کا اترنا۔

فائدہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ اعمال کا ارتکاب سوچ بچار کے بعد ہو جائے اور سوچ کے لیے فکر اور مہلت چاہیے۔ جلدی سے یہ بات نہیں ہو سکتی اور جلدی میں شیطان اپنی برائی انسان پر ایسے مسلط کرتا ہے کہ اسے خبر بھی نہیں ہوتی۔

حکایت: جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو چھوٹے شیطان ابلیس کے پاس آئے اور کہا کہ آج تمام بت اوندھے گر گئے اس نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نئی بات ہوئی ہے۔ تم ٹھہرو میں خبر لاتا ہوں۔ اسی وقت روئے زمین پر اڑ گیا۔ مگر کوئی چیز معلوم نہ ہوئی۔ پھر دیکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے ہیں اور ان کو فرشتوں نے گھیر رکھا ہے۔ اپنے گروہ میں واپس آکر بیان کیا کہ شب گزشتہ میں ایک پیغمبر پیدا ہوا ہے اور جو عورت حاملہ ہوتی ہے یا بچہ جنتی ہے۔ میں اس وقت موجود رہتا ہوں اس لڑکے کا مجھے علم نہ ہوا تو آج سے بتوں کی پرستش سے ناامید ہونا چاہیے۔ انسانوں کو جلدی کے وقت بہکایا کرو۔ (7) شیطان کی بڑی راہوں سے روپیہ پیسہ اور اسباب اور جائیداد وغیرہ ہے کیونکہ ان چیزوں سے جب مقدار قوت سے زائد ہوتی ہے۔ اس پر شیطان کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کے پاس مقدار قوت موجود ہو وہ آدمی فارغ البال ہے لیکن اگر کسی طرح اس کو زائد پیسہ مل جائے تو اس کے دل کے اندر سے دس ایسی شہوات اٹھیں گی کہ ہر ایک کے پورا ہونے کے لیے دولت وافر چاہیے تو جس قدر اس کے پاس ہے اس سے کام نہ نکلے تو زائد کی ضرورت ہوگی حالانکہ جب کچھ نہ تھا تب فارغ البال اور بے پروا تھا اس کو یہی علم ہے کہ روپیہ پیسہ سے مجھے تونگری ہوگئی یہ خبر نہیں کہ دولت ملنے سے زائد دولت کا محتاج ہوگیا۔

مثلاً جب دولت ملی تو یہ خیال ہوا کہ اس سے زائد اگر اور ہوتے تو مکان خرید لیتا اور اسباب خانہ داری اور لباس وغیرہ درست ہو جاتا اور ہر ایک ان میں سے ایسی شے ہے جس کو کوئی دوسری اور چیز لازم ہے۔ اسی طرح بے انتہا چیزیں ضروری نکلتیں آتی ہیں۔ ان کی فکر کرتے کرتے انجام یہ ہوتا ہے کہ جہنم میں گر جاتا ہے اور اسی پر خاتمہ ہوتا ہے۔ (معاذ اللہ)

حکایت: حضرت ثابت بنانی رحمتہ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نبوت و رسالت سے نوازے گئے تو ابلیس نے اپنے گروہ سے کہا کوئی نئی بات ہوئی ہے اسے تلاش کرو تمام شیاطین نے ادھر ادھر سے پھر کر عاجز ہو کر واپس آکر کہا ہمیں معلوم نہیں ہوا۔ ابلیس نے کہا ٹھہرو میں خبر لاتا ہوں اور جا کر یہ خبر لایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو پیغمبر بنایا۔ اب تم ان کے صحابہ کی خبر لو شیاطین ناامید ہو کر اس کے پاس آئے اور کہا کہ ایسے لوگ کبھی دیکھے بھی نہیں۔ اگر کوئی بات ہم ان سے کرا لیتے ہیں تو وہ نماز کو کھڑے ہو جاتے ہیں جس سے ان کی خطائیں محو ہو جاتی ہیں۔ ابلیس نے کہا کچھ عرصہ توقف کرو امید ہے جب یہ لوگ ممالک فتح کریں گے اور ان کو دنیا ملے گی تو اس وقت ہمارا مطلب ان سے نکل آئے گا۔

حکایت: ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک پتھر اپنے سر کے نیچے رکھ لیا۔ ابلیس کا ان پر گزر ہوا۔ کہنے لگا حضرت آپ کو بھی دنیا کی رغبت ہوئی۔ آپ نے پتھر کو سر کے نیچے سے نکال کر پھینک مارا اور فرمایا کہ یہ دنیا تیرے لیے ہے۔

فائدہ: اگر غور کرو تو جس شخص کے پاس تکیہ کے بجائے پتھر ہو تو اس کے پاس اتنی دنیا تو ہو گئی کہ شیطان اپنا داؤ چلا سکے۔ اگر کوئی تہجد کے لیے اٹھے اور اس کے قریب ایک پتھر بھی ہو جس پر تکیہ ہو سکتا ہے تو شیطان ضرور دل میں وسوسہ ڈالے گا کہ ذرا اس پر تکیہ لگالے اور اس صورت میں نیند کی رغبت ہو جاتی ہے۔ اگر سرے سے پتھر نہ ہوتا تو ایسا خیال دل میں نہ گزر سکتا اور نہ سونے کی رغبت ہوتی۔ یہ حال تو پتھر کا ہے لیکن جس کے پاس گاؤ تکیے اور گدے اور آرام طلبی کے لوازم موجود ہوں اس کو عبادت الٰہی سے کب مزہ حاصل ہو سکتا ہے۔ (8) شیطان کی بڑی راہوں میں بخل اور فقر و تنگدستی کا خوف ہے اور ہر وہ تصور ہے کہ صدقہ اور خیرات کچھ نہیں کرنے دیتا بلکہ جمع کرنے اور ذخیرہ اندوزی کی رغبت ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے عذاب الیم کی وعید کلام مجید میں موجود ہے۔

فائدہ حضرت خیثمہ بن عبدالرحمان رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان کا کہنا ہے کہ انسان کتنا ہی مجھ پر غالب ہو جائے مگر تین باتوں میں مجھ پر نہیں بڑھ سکتا جو کہتا ہوں وہ مانتا ہے۔ (1) ناحق کسی کا مال لینا (2) اس کا بے موقع خرچ کرنا (3) جہاں ضرورت ہو وہاں خرچ نہ کرنا۔ ابو سفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ شیطان کا کوئی ہتھیار مفلسی کے خوف دلانے سے بڑھ کر نہیں جب انسان اسے مان لیتا ہے تو باطل کی طرف راغب ہوتا ہے اور امر حق سے باز رہتا ہے اور مطلب کی بات کہتا ہے اور

اللہ تعالیٰ سے بدگمان ہو جاتا ہے اور بخل اور حرص کی آفات میں سے یہ بھی ہے کہ مال جمع کرنے کے لیے ہر وقت بازار میں موجود ہے جو شیطان کے رہنے کی جگہ ہے۔

حدیث: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب ابلیس زمین پر اترا تو رب العزت سے درخواست کی الٰہی تو نے مجھے زمین پر اتار کر مردود کر دیا۔ میرے لیے رہنے کی جگہ کیا ہے۔ فرمایا حمام تیرے رہنے کا مقام ہے۔ عرض کیا کہ بیٹھک بھی ارشاد ہو۔ حکم ہوا تیری بیٹھک بازار اور چوک۔ عرض کیا کہ میری خوراک بھی مقرر ہو۔ حکم ہوا کہ جس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ تیری غذا ہے۔ عرض کیا کہ میرے لیے پانی بھی عنایت ہو۔ ارشاد ہو کہ نشہ کی چیزیں تیرا پانی ہیں۔ عرض کیا کہ مجھے ایک خبر رساں بھی چاہیے۔ حکم ہوا کہ گانے تیرے موذن ہیں۔ عرض کیا کہ میرے لیے کچھ پڑھنے کی چیز مرحمت ہو حکم ہوا کہ وہ اشعار ہیں۔ عرض کیا کہ لکھنے کے لیے بھی ارشاد ہو حکم ہو ابدن گوندنا تیری کتابت ہے۔ عرض کیا کہ مجھے گفتگو عنایت ہو۔ حکم ہوا کہ جھوٹ تیری گفتگو ہے۔ عرض کیا کہ بھی شکار گاہ بھی مقرر ہو۔ حکم ہوا کہ وہ عورتیں ہیں۔ (9) شیطان کے بڑے راستوں میں سے تعصب مذاہب اور خواہش نفسانی ہے اور وہ جو اپنے مذہب کے خلاف ہوں ان سے بغض رکھنا اور ان کو حقارت سے دیکھنا یہ ایک ایسی شے ہے کہ جس سے عابد اور فاسق دونوں ہلاک ہوئے ہیں کیونکہ لوگوں پر طعن کرنا اور ان کی برائیوں کا ذکر کرنا یہ ایک صفت طبعی ہے جو انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ جب شیطان اس صفت کو انسان کی نظروں میں حق قرار دیتا ہے اور اس کی طبیعت میں تو پہلے ہی سے تھی تو قلب پر اس کا چسکا بڑھ جاتا ہے اور بتمام ہمت اس میں مشغول ہو جاتا ہے اور اس سے بہت خوش ہوتا ہے اور جانتا ہے کہ میں دین میں سعی کرتا ہوں اسے یہ خبر نہیں کہ اتباع شیاطین کرتا ہوں۔ مثلاً ایک شخص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت میں متعصب ہے مگر حرام خور اور منہ پھٹ اور جھوٹا' جھگڑالو اور فسادی ہے تو ایسے شخص کو اگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ دیکھتے تو اپنا بڑا دشمن تصور فرماتے اس لیے ان کا دوست تو وہ ہے جو ان کی راہ پر چلے اور ان کی سیرت کو دستور العمل بنائے اور زبان کو واہیات باتوں سے روکے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ دستور تھا کہ منہ میں کنکر رکھتے تھے تاکہ کوئی کلمہ غلط نہ نکلے تو یہ مدعی کیسے ان کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور ان کی سیرت اختیار نہیں کرتا۔ اسی طرح بعض کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت میں تعصب ہوتا ہے حالانکہ ریشمی کپڑے بدن پر ہوتے ہیں اور مال حرام سے خوب زرق برق لباس پہنتا ہے۔ دعویٰ محبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کرتے ہیں حضرت ممدوح نے عین خلافت میں وہ کپڑے پہنے ہوتے جن کا دام ایک روپیہ سے بھی کم تھا۔ پھر ایسے شخص سے وہ کیسے خوش ہوں گے بلکہ قیامت کو یہ شخص ان کا دشمن ہوگا۔

فائدہ: مقام غور ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے فرزند لخت جگر کو لے جا کر اس کے بال نوچے اور اس کے بدن کو مقراض سے کاٹے اور ہر طرح کے ایذا دے اور پھر مدعی ہو کہ میں اس بچہ کے باپ سے محبت رکھتا ہوں۔ یہ دعویٰ

کس طرح صحیح ہوگا۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ دین اور شریعت جو خلفاء اربعہ اور جمیع صحابہ کے نزدیک فرزند و زن مال و عیال بلکہ خود اپنی جانوں سے بھی عزیز تھے ان کے تو یہ لوگ یوں ٹکڑے کریں کہ کوئی بات اس کو اختیار نہ کریں بلکہ پابندی شہوات سے ابلیس لعین دشمن دین کی خوشی مناتے رہیں۔ پھر محبت صحابہ رضی اللہ عنہم کا دم بھریں۔ قیامت کے دن معلوم ہوگا کہ صحابہ رضی اللہ علیہم اور اولیاء کرام کے سامنے ان لوگوں پر کیا گزرے گا۔ قیامت تو دور ہے اگر دنیا میں پردہ اٹھا لیا جائے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو نظریہ امت معلوم ہو جائے کہ ان لوگوں کو کس طرح کے لوگ اچھے معلوم ہوتے ہیں تو یہ لوگ اپنے خیالات دیکھ کر شرم کے مارے کبھی اپنی زبان ناقص سے ان کا نام بھی نہ لیں۔ خلاصہ یہ کہ تخلیلات شیطانی سے ان کے دلوں میں یہ بات اثر کر گئی ہے کو جو کوئی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی محبت میں مرے گا اس کے گرد شعلہ دوزخ نہ پھرے گا یا کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں وفات پائے گا اس کے گرد قیامت کا خوف نہ آئے گا۔ یہ غلط خیالی ہے۔ حضور ﷺ اپنی لخت جگر قرۃ العین حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے کہ اعملی فانی الا غنی عنک من اللہ شیئا ترجمہ: عمل کر کہ میں تیری طرف سے اللہ تعالیٰ کی کسی چیز کو نہیں بچا سکتا۔ (۱)

فائدہ: یہ ہوائے نفسانی میں سے ایک مثال ہے۔ اس طرح ان لوگوں کا حال جو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تعصب کرتے ہیں جو لوگ ایک امام کے مذہب کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کی سیرت اختیار نہیں کرتے۔ قیامت کے دن وہی امام ان کے سامنے ہو کر پوچھیں گے کہ میرا مذہب تو عمل تھا قول نہ تھا اور قول بھی عمل کے لیے تھا دعویٰ کرنے کے لیے نہیں تھا تو نے میرے عمل کی مخالفت کیوں کی جس پر میں ہمیشہ عمل کرتا اور اس پر خاتمہ ہوا اور پھر جھوٹا دعویٰ میرے مذہب کا کیا مطلب یہ ایسا بڑا راستہ شیطان کے لیے کارآمد کا ہے کہ بہت سے لوگ اس میں تباہ ہوتے ہیں۔ وعظ و نصیحت ایسے لوگوں کے متعلق ہے جو اللہ کا خوف نہیں کرتے۔ دین کے مسائل سے کم واقف ہیں۔ دنیا کی رغبت کا زور ہے۔ لوگوں کو معتقد کرنے کا حرص بہت ہے اور لوگوں کا اعتقاد اور ان کا وقار صرف تعصب ہی سے بڑھا ہے اسی لیے اسی بات کو اچھا بتلاتے ہیں۔ شیطان کے فریبوں کو نہیں بتلاتے بلکہ اس کے فریب جاری ہونے کے لیے وہ اس کے نائب بن گئے ہیں اور لوگ بھی انہیں کی باتوں پر جم گئے ہیں اور اصول دین کو بالکل بھول گئے تو وہ خود بھی تباہ ہوئے اور ان کو بھی تباہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اور ہماری توبہ قبول فرمائے۔

فائدہ: حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شیطان کا یہ کہنا میں نے امت محمد ﷺ کے لیے جو معصیتوں کو آراستہ کیا تو انہوں نے استغفار کر کے میری پیٹھ توڑ دی پھر میں نے ان کے لیے ایسے گناہ گھڑے کہ ان سے استغفار نہ کریں۔ وہ

۱۔ یہ ارشاد نبوی مبنی بر وعظ و تبلیغ ہے ورنہ آپ کی شفاعت کا انکار کون کر سکتا ہے جو لوگ اس مضمون کو حضور علیہ السلام کی بے بسی پر لاگو کرتے ہیں وہ خطا پر ہیں۔ اویسی غفرلہ

خواہشات نفسانی ہیں۔ اس ملعون نے سچ کہا کیونکہ ایسے امور میں لوگوں کو خبر ہی نہیں ہوتی کہ انجام کیا ہے ورنہ استغفار ضرور کرے۔ (10) بڑا حیلہ شیطان کا یہ ہے کہ انسان اپنے آپ لوگوں کے اختلاف اور جھگڑوں میں مصروف ہو جائے۔

حکایت: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک جماعت ذکر الٰہی میں مشغول تھی، شیطان نے چاہا کہ یہاں سے اٹھ کھڑے ہوں اور جلد جدا ہو جائیں، مگر کچھ نہ بن سکا پھر وہ ایک دوسری جماعت میں گیا جو دنیا کی باتیں کر رہے تھے۔ ان میں فساد کرا دیا۔ یہاں تک کہ ان میں کشت و خون ہونے لگا تو پہلی جماعت اٹھ کھڑی ہوئی اور ان میں بیچ بچاؤ کر دیا۔ مطلب اس کا یہ نہ تھا کہ پچھلی جماعت میں کشت و خون ہو بلکہ جماعت اول کا اٹھانا مقصود تھا سو اس طرح اٹھا دیا (11) شیطان کا طریقہ ہے کہ عوام لوگوں کو جو دینی علوم سے بے خبر ہیں۔ اللہ تعالٰی کی ذات اور صفات اور ایسے امور کی فکر میں انہیں الجھا دیتا ہے جو ان کی عقل میں نہ آسکیں۔ یہاں تک کہ اصل دین پہ شک کرنے لگتے ہیں اور خداوند کریم کی نسبت انہیں ایسے خیال پیدا ہوتے ہیں کہ یہ کافر یا دہریہ ہو جاتے ہیں اور ان باتوں سے بہت خوش ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بصیرت اور معرفت یہی ہے اور یہ امر ہمیں کشف سے معلوم ہوا ہے۔ اپنی تیزی عقل پر نازاں ہوتے ہیں حالانکہ سب میں زیادہ بے وقوف وہ ہے جو صرف اپنی عقل پر اعتماد کرے اور عقلمند وہ ہے جو اپنی عقل کو کمزور سمجھ کر علماء سے پوچھتا رہے۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان الشَّیطٰنَ یاتی احدکم فیقول من خلقک فیقول اللّٰہ تبارک و تعالٰی فیقول فمن خلق اللّٰہ فاذ اوجدا احد کم ذلک فلیقل امنت باللّٰہ و رسولہ فان ذلک یذہب عنہ ترجمہ :شیطان تم میں سے کسی کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ تم کو کس نے پیدا کیا؟ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالٰی نے پھر پوچھتا ہے کہ اللہ تعالٰی کو کس نے پیدا کیا؟ جب کوئی تم میں ایسا حال معلوم کرے تو چاہئے کہ کہے میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے رسول پر اتنا کہنے سے وہ بات جاتی رہے گی۔

فائدہ: حضور ﷺ نے اجازت نہیں فرمائی کہ اس وسوسہ کے علاج میں بحث کی جائے کیونکہ یہ وسوسہ عوام کو ہوتا ہے۔ علماء کو نہیں عوام کو چاہئے کہ ایمان و اسلام لا کر اپنی عبادت و معیشت میں مصروف ہوں۔ علم کی کتابیں علماء پر چھوڑیں۔ عام آدمی اگر زنا اور چوری کرے تو اس سے بہتر ہے کہ ایسی باتوں میں نہ پڑے کیونکہ جو کوئی بے علمی میں اللہ تعالٰی اور اس کے دین کی نسبت کچھ کہے گا کافر ہو جائے گا اور اسے خبر نہ ہوگی اور اس کی مثال یوں ہے جیسے کوئی تیرنا نہیں جانتا اور دریا کی موج میں کود پڑے۔

فائدہ: مذاہب اور عقائد کے بارے میں شیطان کے فریب بے انتہا ہیں، ہم نے بطور نمونہ کچھ کہہ دیا ہے۔ (12)شیطان کے دروازوں میں سے مسلمانوں سے بدگمان ہونا ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

اَجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ (الحجرات پ 12) ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو بہت گمانوں سے بچو بے شک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے۔

فائدہ: جو کوئی دوسرے پر برائی کا گمان کرے گا شیطان اس کو اس بات کی بھی ترغیب دے گا کہ اس کی غیبت کرے یا اس کے حقوق کم ادا کرے یا تعظیم میں سستی کرے اور اس کو بچشم حقارت دیکھے اور اپنے آپ کو اس سے بہتر سمجھے۔ یہ تمام صورتیں تباہی کی ہیں اور اسی وجہ سے شریعت میں تہمتوں سے بچنے کے لیے حکم ہے حدیث شریف میں ہے اتقوا مواضع التھم ترجمہ: تہمت کی جگہوں سے بچو خود حضور ﷺ نے تہمت سے احتراز فرمایا۔

حکایت: حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہم حضرت صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ایک بار حضور ﷺ مسجد میں معتکف تھے جب آپ کی خدمت میں گئیں تو حائضہ ہوگئیں۔ شام کو لوٹیں آپ بھی میرے ساتھ چلے۔ راستہ میں دو انصاری ملے اور آپ کو سلام کرکے واپس آئے۔ آپ نے ان کو پکار کر فرمایا کہ یہ حضرت صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا یعنی میری زوجہ ام المومنین ہے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمیں آپ کے ساتھ گمان خیر ہے۔ آپ نے فرمایا یہ درست ہے شیطان انسان کے ساتھ ہے جیسا خون بدن میں ہے اس لیے مجھے یہ خوف ہوا کہ تم کو بہکائے (اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں کہ بات بات پر حضور ﷺ پر بدگمان رہتے ہیں)

فائدہ: اس شفقت نبوی کو دیکھنا چاہئے۔ ان کے دین کا خوف کرکے ان کو بھی بچا دیا اور امن کے لیے طریق احتراز تہمت سے بھی سکھا دیا کہ ایسا نہ ہو کوئی عالم متقی جو دینداری میں انگشت نما تہمت کے حالات میں سستی کرے اور اپنے نفس پر عجب کرکے یہ جانے کہ مجھ پر کوئی بدگمانی نہ کرے گا۔ عوام میرے ساتھ ظن خیر سے پیش آئیں گے اس لیے کہ کیسا ہی بڑا متقی اور عالم ہو تمام لوگ اس لیے یکساں نہیں معتقد ہوتے بلکہ بعض اس سے خوش رہتے ہیں اور بعض ناراض جو خوش ہیں وہ اس کے عیب نہ دیکھیں گے اور فریق ثانی اظہار برائی میں مبتلا رہیں گے۔ جیسا کہ عربی کا ایک شعر مشہور ہے وعین الرضا کلیلتہ ولکن عین السخط تبدی الماویا ترجمہ:۔ رضا، خوشی کی آنکھ تو عیب جوئی سے گنگ ہے اور غصے کی آنکھ خواہ مخواہ ہی عیب ظاہر کرتی ہے۔ ضروری ہوا کہ بدگمانی اور بروں کی تہمت سے احتراز کیا جائے کیونکہ یہ شریر لوگ ہمیشہ سے بدگمان رہتے ہیں۔

مسئلہ: جب کوئی نظر آئے کہ لوگوں کی طرف بدگمانی کرتا ہو اور ان کے عیب کا متلاشی ہو تو جان لینا چاہئے کہ وہ خود باطن میں خباثت رکھتا ہے اور یہ عیب جوئی اسی خباثت کا ظہور ہے کہ سب کو اپنے جیسا جانتا ہے کیونکہ عیب جوئی منافق کا کام ہے۔ مومن کا سینہ تمام مخلوق کی طرف سے صاف رہتا ہے (تصوف کا قاعدہ ہے کہ خبیث گمان خبیث قلب سے ابھرتا ہے)

فائدہ: یہ تھوڑا سا بیان شیطان کے راستوں کا قلب کی جانب کا ہے اگر تمام راستوں کو لکھا جائے تو ہمارے مکان

سے باہر ہے۔ اسی طرح سے اور دن کا قیاس ہو سکتا ہے۔ مثلاً یوں جاننا چاہئے کہ جو وصف برے آدمی کی ہے وہ شیطان کا ہتھیار ہے اور وہی اس کا مدخل بھی ہے۔

سوال: شیطان کے دفع کرنے کی تدبیر کیا ہے۔ اس کے دفعیہ میں زبان سے لاحول ولا قوۃ الا باللہ یا اور کوئی ذکر اللہ کافی ہے یا نہیں؟

جواب: شیطان سے بچانے کے لیے دل کا علاج یہ ہے کہ اس کی تمام راہیں بند کردیں جائیں۔ یعنی دل کو ان صفات مذمومہ سے صاف کیا جائے اور اس کا بیان بہت طویل ہے اور اس جلد میں یہی مقصد ہے کہ صفات مہلکہ بیان کریں۔ ہر ایک صفت کے لیے ایک بات علیحدہ کی ضرورت ہے جیسا کہ مفصل بیان آئندہ ہوگا۔ یہاں اس قدر ضروری ہے کہ جب قلب ان صفات کے اصول سے منقطع اور علیحدہ ہو جاتا ہے تو پھر صرف ہیرا پھیری اور خطرات ہی کرتا رہتا ہے۔ خاموش نہیں بیٹھتا اور اس کی آمدو رفت کو ذکر اللہ مانع ہے کیونکہ دل میں ذکر اللہ جب جاگزیں ہوتا ہے اور جب تقویٰ اور صفائی کی وجہ سے صفات مذمومہ سے دل آزاد ہوتا ہے۔ (اگر ایسا نہ ہو تو ذکر بھی از قبیل خطرات ہوتا ہے)۔ اسے دل پر کچھ قابو نہیں ہوتا اور شیطان کو بھی دفع نہیں کر سکتا اسی لیے خداوند کریم نے فرمایا اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّهُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيۡطٰنِ تَذَكَّرُوۡا فَاِذَا هُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ‌ (الاعراف پ9 201) ترجمہ کنزالایمان: بے شک وہ جو ڈر والے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے ہوشیار ہو جاتے ہیں اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ ذکردافع شیطان کو متقی کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔ خلاصہ یہ کہ شیطان کو بھوکے کتے جیسا سمجھنا چاہئے۔ اگر آدمی کے پاس روٹی و گوشت وغیرہ نہ ہو تو صرف معمولی سے اشارے سے بھی ٹل جائے گا لیکن سامنے کھانے کا سامان ہوگا اور کتا بھوکا ہوگا تو ضرور کھانے پر گرے گا۔ صرف للکارنے اور اشارے سے نہیں ہٹے گا۔ اسی طرح جس دل میں غذا شیطانی نہیں تو اس کے پاس سے شیطان صرف ذکر اللہ سے ہٹ جائے گا لیکن اگر دل پر شہوت غالب ہے تو دل کا اندرونی حصہ شیطان کے قابو میں ہوگا۔ اس وقت ذکر اللہ کو قلب کے اطراف میں پھیلا دے گا اور متقیوں کے دل میں جو ہوائے نفسانی اور صفات مذمومہ سے خالی ہوتے ہیں ان پر شیطان کا آنا شہوات کے باعث نہیں ہوتا بلکہ جس وقت ذکر سے دل غفلت کرتا ہے اس وقت وہ اپنی راہ نکالتا ہے اور جب پھر وہ ذکر میں مشغول ہوتا ہے تو ہٹ جاتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دفع کے لیے فرمایا ہے۔ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ‏ تو پناہ لے اللہ کی شیطان مردود سے اسی طرح دیگر آیات اور اخبار جو ذکر کے بارے میں ہیں۔

حکایت: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک بار مومن کا شیطان اور کافر کا شیطان آپس میں ملے۔ کافر کا شیطان تو خوب چکنا چوڑا اور موٹا اور اچھا لباس پہنے تھا اور مومن کا شیطان ننگا اور دبلا اور غبار آلود تھا۔ کافر کے شیطان نے

مومن کے شیطان سے پوچھا کہ تو دبلا کیوں ہے؟ اس نے کہا کہ میں ایسے شخص کے ساتھ رہتا ہوں کہ وہ کھانے اور پینے اور کپڑا پہننے اور سر میں تیل ڈالنے کے وقت بسم اللہ کہتا ہے تو نہ مجھے کھانا نصیب ہوتا ہے نہ پانی نہ کپڑا نہ تیل اسی لیے بھوکا پیاسا ننگا بال بکھرے رہتا ہوں۔ کافر کے شیطان نے کہا کہ میں تو ایسے کے ساتھ ہوں کہ ان امور میں سے کسی پر بھی اللہ کا نام نہیں لیتا اسی لیے میں اس کے تمام امور میں شریک رہتا ہے۔ (یہ صرف کافر کی مثال نہیں بلکہ اہل ایمان بھی کھانے پینے پر بسم اللہ نہ پڑھیں تو ان کے شیطان کا بھی حال یہی ہے) اویسی غفرلہ

حکایت: حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ ہر روز بعد نماز صبح یہ دعا مانگا کرتے تھے الھم انک سلطت علینا علو ابصیراً والعیوبنا برانا ہو قبیلہ من حیث لا نرا ھم اللھم فایسہ منی کما آیسنہ من رحمتک و قنطہ متا کما قنطہ من عفوک وباعد بیننا و بینہ کما باعدت بینہ و بین رحمتک ترجمہ: الٰہی تو نے ہم پر ایک دشمن کو مسلط کیا جو ہمارے عیوب سے خوب واقف ہے اور وہ اس کی جماعت اس کو اس طرح دیکھتے ہیں کہ ہم ان کو نہیں دیکھتے الٰہی اس کو ایسا مایوس کر جیسا تو نے اس کو اپنی رحمت سے مایوس کیا اور اس کو ناامید کر ہم سے جیسا کہ تو نے اپنے عفو سے ناامید کردیا اور اس میں اور ہم میں دوری کردے جیسا تو نے اس میں اور اپنی رحمت میں دوری کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن شیطان مجھے مسجد کے راستہ میں ملا اور پوچھا کہ مجھے پہچانتے ہو میں نے کہا تو کون ہے جواب دیا کہ ابلیس ہوں۔ میں نے پوچھا کہ کس مقصد سے آیا ہے کہا میں چاہتا ہوں کہ یہ دعا کسی کو نہ سکھانا میں تم سے مقابلہ نہیں کروں گا۔ میں نے کہا میں ہرگز کسی کو منع نہیں کروں گا جو چاہے پڑھے تیرا جو دل چاہے کرلے۔

حکایت: حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شیطان حضور ﷺ کے سامنے نماز کی حالت میں آگ کی مشعل لیے کھڑا ہوا کرتا تھا اور قرات اور استغفار سے نہیں جاتا تھا۔ آپ کی خدمت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا کہ آپ یوں پڑھئے اللہ الٰامات التی لا یجاوز ھن برولا فا جرمن شرما یلج فی الارض وما یخرج منھا فما ینزل من السماء وما یعرج فیھا ومن فتن الیل ونھار ومن طوارق الیل والنھار ترجمہ: پناہ مانگتا ہوں میں اللہ تعالٰی کے پورے کلموں سے کہ نہیں خلاف کرتا اس سے کوئی نیک اور نہ بدی سے اس چیز کی کہ جاتی ہے۔ زمین میں اور نکلتی ہے اس سے جو اترتی ہے آسمان سے اور چڑھتی ہے اس پر اور برائی سے فتنوں رات اور دن کے اور حوادث سے رات اور دن کے مگر وہ حادثہ کے آئے خبر کے ساتھ رحمان۔ حضور ﷺ نے اسی طرح پڑھا تو اس مردود کی شمع بجھ گئی اور اوندھے منہ گر پڑا۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ ایک جن آپ سے دھوکہ کرنا چاہتا ہے۔ جب آپ بستر پر آرام فرمائیں تو آیت الکرسی پڑھ لیں۔ حدیث شریف میں ہے لقد اتانی الشیطٰن و نازعنی فاخذت بحلقہ فوالذی بعثنی بالحق ماارسلنہ حتی وجدت بردماء لسانہ علی یدولولا دعوۃ اخی سلیمان علیہ السلام لا صبح طریحافی المسجد میرے پاس شیطان آیا اور مجھ

سے جھگڑا کیا میں نے اس کا گلا پکڑ لیا تو قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں نے اس کو نچوڑا جب تک کہ اس کے لعاب کی سردی میرے ہاتھ کو نہ معلوم ہوئی اور میرے بھائی حضرت سلیمان علیہ اسلام کی دعا نہ ہوتی تو وہ مسجد میں پڑا رہتا

فضیلت حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ: یہ بھی وارد ہے ما سلک عمر فجا الا سلک الشیطٰن فجا الذی سلک عمر ترجمہ: نہیں چلا عمر کسی راہ کو مگر کہ چلا شیطان اسی راہ کے سوا جس پر کہ عمر چلا۔

فائدہ: یہ اس وجہ سے فرمایا کہ ان لوگوں کے قلوب شیطانوں کے مداخل اور غذا سے پاک تھے۔ یعنی شہوات کا دخل نہ تھا۔ اگر کوئی اور چاہے کہ ذکر الٰہی سے شیطان دور ہو جائے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دور ہوگیا تھا تو یہ امر محال ہے اور اس کی مثال اس شخص کی ہے دوا پیئے لیکن پرہیز نہ کرے حالانکہ معدہ تو گندگیوں سے پر ہو اور اس پر توقع دوا کے نفع کی بھی ہو اور سمجھے کہ پرہیز اور تنقیہ والوں کو فائدہ ہوتا ہے۔ مجھے بھی ایسے یقین ہوگا۔ ذکر الٰہی کو دوا سمجھنا چاہئے اور تقویٰ کو پرہیز اور قلب کے خالی ہونے کو شہوات سے تنقید تصور کرنا چاہئے تو جب ذکر الٰہی سے ایسے قلب میں ہو جائے گا ماسوائے اللہ سے خالی ہے تو شیطان دفع ہو جائے گا جیسے تنقید کے بعد دوا کھانے سے بیماری جاتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ (ق 37) ترجمہ کنزالایمان: بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لئے جو دل رکھتا ہو۔اس میں سوچنے کی جگہ ہے اس کو جس کے اندر دل ہے' اور دوسری جگہ فرمایا کُتِبَ عَلَیْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ یُضِلُّهٗ وَیَهْدِیْهِ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیْرِ (الحج 4) ترجمہ کنزالایمان: جس پر لکھ دیا گیا ہے کہ جو اس کی دوستی کرے گا تو یہ ضرور اسے گمراہ کردے گا اور اسے عذاب دوزخ کی راہ بتائے گا۔ جو کوئی عمل کی وجہ سے شیطان کی تابعداری کرے گا تو وہ اس کا دوست اور یار کہلائے گا اگرچہ زبان سے ذکر اللہ کرے۔

سوال: حدیث میں مطلق وارد ہے کہ ذکر اللہ سے شیطان دفع ہوتا ہے اور یہ خصوصیات جن کا علماء دین بیان کرتے ہیں۔ اس کے لفظ عام میں مفہوم نہیں ہوتے؟

جواب: یہ خصوصیات جو علماء نے بیان کیے ہیں یہ تجربہ و اپنے مشاہدات سے ہیں۔

جواب: اس کا امتحان اپنے ہی نفس میں کرلینا چاہئے تاکہ حقیقت ان کے بیان کی معلوم ہو غور کرنا چاہئے کہ انسان کا منتہا ذکر اور عبادت نماز ہے تو جب نماز میں کھڑا ہو اس وقت اپنے دل کا حال دیکھتا ہے کہ شیطان کہاں کہاں اس کو کھینچتا ہے کبھی فکر بازار اور لوگوں کے حساب کتاب میں اور کبھی دنیا کے لین دین میں اور معاندین کے جواب میں غرضیکہ یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ دنیا کی بات دل سے بھول گئی تھی وہ بھی نماز میں یاد آجاتی ہے اور شیطان کا حملہ بھی نماز میں زیادہ ہوتا ہے۔ پس نماز دلوں کے لیے کسوٹی ہے کہ اس سے ان کی خوبی اور برائی معلوم ہو جاتی

ہے اور جو دل کہ شہوات دنیا سے پر کیے ہوں ان کی نماز مقبول نہیں ہوتی تو ایسی نماز کے سبب سے دفعیہ شیطان کا بھی نہیں ہوگا بلکہ غالباً وسواس اور زیادہ ہوگا جیسے دوا بغیر پرہیز کے اکثر نقصان ہی کیا کرتی ہے اگر کسی کو شیطان سے چھٹکارہ مطلوب ہو تو پرہیز تقویٰ اختیار کرے اس کے بعد ذکر کی دوا پئے تب شیطان اس کے پاس سے بھاگے گا جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھاگتا تھا۔

فائدہ: حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو اور شیطان کو ظاہر میں برامت کہو کہ تم باطن میں اس کے دوست یعنی فرمانبردار ہو بعض نے فرمایا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ انسان جس شخص کا اپنے اوپر احسان دیکھ لے پھر محسن کی نافرمانی کرے اور شیطان لعین کی سرکشی اور زور معلوم کرے اور پھر اس کی اطاعت کرے اور بحکم اس آیت شریف کہ ادعونی استجب لکم ترجمہ: مجھ کو پکارو کہ پہنچوں تمہاری پکار کو دعا مانگتے ہو اور قبول نہی ہوتی اسی طرح ذکر الٰہی کرتے ہو اور شیطان دفع نہیں ہوتا کیونکہ ذکر اور دعا کی تمام شرائط مفقود ہیں۔

حکایت: حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا فرمایئے کہ ہم لوگوں کی دعا کیوں قبول نہیں ہوتی اللہ عزوجل فرماتا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ آپ نے فرمایا کہ وجہ یہ ہے کہ تمہارے دل مردہ ہیں۔ پوچھا کہ ان کے مردہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ آٹھ عادات ہیں۔ (1) اللہ کا حق معلوم کرلیا اس کو بجا نہ لایا۔ (2) قرآن کو پڑھا اور اس کے مطابق عمل نہ کیا۔ (3) دعوئ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا اور ان کی سنت کے موافق عمل نہ کیا۔ (4) موت کا خوف کیا اور اس کے لیے سامان نہ کیا۔ (5) حکم الٰہی یوں تھا کہ شیطان کو دشمن جانو جیسا کہ فرمایا اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا (فاطر 6) ترجمہ کنزالایمان: بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اسے دشمن سمجھو۔ (6) دعوئ خوف دوزخ کا کیا مگر اپنے جسموں کو اس میں جھونک دیا۔ (7) جنت کو دل سے چاہتے رہے مگر اس کے لیے کوئی کام نہ کیا۔ (8) صبح اٹھتے ہی اپنی عیوب کو تو پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور لوگوں کے عیب چینی اختیار کی۔ ان باتوں سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوگیا تو دعا کس طرح قبول فرمائے۔

ہر برے فعل کا شیطان جدا جدا: مختلفہ کا داعی ایک ہی شیطان ہے یا تمام گناہوں کے لیے جدا جدا شیطان ہیں تو اس امر کا جاننا علم معاملہ میں چنداں ضروری نہیں۔ یہاں یہی ضروری ہے کہ اپنے نفس کو دشمن سے بچائے اور مطلب سے غرض رکھے جو کچھ اخبار اور نور بصیرت سے واضح ہوا ہے۔ اس کو ہم بیان کیے دیتے ہیں کہ ہر نوع معصیت کے لیے ایک شیطان مخصوص ہے اس کا کام یہی ہے کہ اسے خاص گناہ کی طرف بلاتا ہے اس حساب سے شیطانوں کی شمار حدو عد سے باہر ہے جس طریق سے یہ امر دریافت ہوا ہے اس کا لکھنا طویل ہے وہی ایک بات کافی ہے کہ مسبب کے اختلاف سے سبب کا اختلاف معلوم ہوتا ہے کہ آگ کی روشنی اور دھوئیں کی سیاہی میں مذکور ہوا۔ ہاں دلائل یہ ہیں (1) حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان کے پانچ فرزند ہیں ان میں ہر ایک کو ایک کام سپرد کردیا

ایک کا نام ثبر ہے اور اس کو مصیبت کا کام سپرد ہے تو واویلا کرنا اور گریبان پھاڑنا اور طمانچہ مارنا اور نوحہ وغیرہ کرنا سب اسی کے اغوا سے ہوتا ہے۔ دوسرے کا نام اعور ہے۔ اس کا کام زنا کے لیے بھکانا اور اس کو نظروں میں اچھا معلوم کرانا ہے۔ تیسرا مبسوط ہے جس کو جھوٹ کا عہدہ سپرد ہے۔ چوتھا واسم ہے کہ آدمی کے ساتھ گھروں میں جاکر اقربا کی برائیاں اس کے سامنے پیش کرتا ہے اوراس کو ان سے خفا کر دیتا ہے۔ پانچواں زمنور وہ بازار میں رہتا ہے۔ وہاں کے فسادات سب اس کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ نماز کے شیطان کا نام خنزب اور وضو کے شیطان کا نام ولہان ہے۔

فائدہ: جیسے شیطان کثرت سے ہیں ویسے ہی فرشتوں میں کثرت ہے باب الشکر میں ہم لکھ چکے ہیں۔ ان کی کثرت اور ہر عمل کے لیے جدا جدا ہونے کی کیا وجہ ہے۔ (3) حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا وکل بالمومن ماتہ وستون ملک یذبون عنه مالم بقدر علیه من ذلک البصر سبعته املاک یذبون عنه کما یذبون الذباب عن قصعه العسل فی الیوم الصعآنب لوید الکم لو یتموہ علٰی کل سھل وجبل کل باسط یدہ فاعذ فاہ لووکل العبد الٰی نفسه طرفته عین لا ختطفته الشیاطین مومن پر ایک سو ساٹھ فرشتے مقرر ہیں کہ اس پر سے وہ چیز دفع کرتے ہیں جس کی اس کو تاب نہیں ان میں سے آنکھ کے ساتھ فرشتے ہیں کہ اس پر سے ایسا دفع کرتے ہیں جیسے گرمی کے دن میں شہد کے پیالے سے مکھی ہٹائی جاتی ہے اور وہ چیز اگر تم کو نظر آئے تو دیکھوں ہر ایک پستی اور پہاڑ پر کہ ہر ایک اپنا ہاتھ پھیلائے منہ پسارے ہے اس طرح کے اگر بندہ ایک لحہ کے واسطے اپنے نفس کو حوالہ کیا جائے تو شیطان اس کو اچک لیں۔ (4) حضرت ایوب بن یونس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مجھے یوں پہنچا ہے کہ اولاد آدم کے ساتھ اولاد جن میں بھی پیدا ہوتی ہے۔ (5) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اترے تو انہوں نے جناب الٰہی میں عرض کیا کہ اللہ یا تونے مجھ میں اور شیطان میں عداوت کردی۔ اگر تیری اعانت نہ ہوگی تو میں اس پر غالب نہ ہوں گا۔ ارشاد ہوا کہ تیرا جو فرزند پیدا ہوگا۔ اس پر ایک فرشتہ موکل معین ہو جائے گا۔ عرض کیا کہ زیادہ عنایت ہو حکم ہوا کہ اگر کوئی ایک برائی کرے گا تو ایک ہی برائی کی سزا پائے گا مگرنیکی کا بدلہ دس گنے سے جہاں تک مجھے منظور ہوگا پھر زیادہ اعانت کی درخواست کی تو ارشاد ہوا کہ جب تک روح بدن میں رہے گی۔ دروازہ توبہ کا مفتوح رہے گا۔ شیطان نے عرض کیا کہ الٰہی اس بندہ کو تو نے مجھ سے اشرف بنایا اگر مجھ کو اعانت نہ ہوگی تو میں کیسے قادر ہوں گا حکم ہوا کہ جو بچہ آدم کے ہاں ہوگا اس کے ساتھ تیرے بھی بچہ پیدا ہوگا۔ اس نے عرض کیا کہ اور زیادہ عنایت ہو حکم ہوا جیسے خون بدن میں چلتا ہے ویسا ہی تو بھی ان کے رگ و ریشہ میں جاری ہوگا اور ان کے سینوں میں اپنا گھر بنائے گا۔ اسنے عرض کیا کہ اور زیادہ مدد ملے حکم ہوا کہ واجلب علیھم بخیلک ورجلک وشارکھم فی الاموال والاولا دوعدھم وما یعدھم الشیطٰن الا غرورا اور پکارا ان پر اپنے سوار اور پیادے اور ساجھا کر ان سے مال اور اولاد میں اور وعدہ دے ان کو اور کچھ نہیں وعدہ دیتا ان کو شیطان مگر دغا

بازی۔ حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا خلق اللّٰہ الجن ثلثنہ اصناف صنف حیات و عقارب حشاش الارض و صنف فی ظل کالریح فی الھوا وصنف علیھم الثواب والعقاب و خلق اللّٰہ الجن ثلثنہ اصناف صنف کالبھآء کم کما قال اللّٰہ تعالٰی لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا وَلَھُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِھَا وَلَھُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِھَا اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ (الاعراف ۱۷۹) و صنف احسامھم اجسام بنی ادم وارو حھم اروح الشیاطین ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے جن کو تین قسم پیدا کیا۔ ایک قسم سانپ اور بچھو اور حشرات الارض ہیں اور ایک قسم آندھی کی طرح ہوا میں اور ایک قسم پر ثواب اور عذاب ہے اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے تین صنف میں پیدا کیا۔ ایک مثل بہام کے ہیں چنانچہ خود فرماتا ہے کہ انکے دماغ ہیں جن سے نہیں سمجھتے اور آنکھیں ہیں جن سے نہیں دیکھتے اور کان ہیں جن سے نہیں سنتے۔ یہ لوگ چوپایوں کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ تر اور ایک وہ ہیں جن کے بدن آدمیوں کے سے ہیں اور ان کی روحیں شیطانوں کی ہیں اور ایک قسم وہ ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سایہ میں ہوں گے جس دن کوئی سایہ بغیر اس کے سایہ کے نہ ہوگا (7) حضرت وہیب بن الورد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ شیطان نے ایک بار حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خدمت میں آکر کہا کہ میں آپ کو نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تیری نصیحت کی حاجت نہیں مگر مجھ سے بنی آدم کا حال کہہ اس نے کہا کہ ہمارے نزدیک ان کی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم جو ہم پر بڑے سخت ہیں وہ لوگ ہیں کہ ہم ان کے پاس جاتے ہیں اور ان کو بہکا کر اپنے قابو میں لاتے ہیں مگر وہ استغفار اور توبہ کرنے لگتے ہیں۔ ہمارا کیا کرایا سب مٹی ہو جاتا ہے۔ پھر ہم دوبارہ کچھ فکر کرتے ہیں۔ وہ اس کے بعد بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ اسی کش مکش میں ہم ان سے زار امید ہوتے ہیں کہ ان سے یہ مطلب نہیں نکلتا بلکہ مشقت ہی مشقت ہے۔ دوسری قسم وہ لوگ ہیں کہ وہ ہمارے پنجہ میں ایسے ہیں جیسے لوگوں کے ہاتھ میں گیند ہوتی ہے۔ ان کو ہم جدھر چاہیں پھیر لیتے ہیں۔ ان کی ہمیں کچھ فکر نہیں۔ تیسری قسم آپ جیسے معصوم لوگ ہیں ان پر ہمارا کچھ بس نہیں چلتا۔

سوال: اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کو تو شیطان اپنی ایک صورت میں نظر آتا ہے اور بعض کو نہیں ہوتا اور نیز جب وہ نظر آتا ہے تو وہ شکل اس کی اصلی صورت ہے یا اس کا عکس و مثال ہے اگر اصلی صورت ہے تو اس کی مختلف صورتیں کیوں معلوم ہوتی ہیں اور ایک ہی وقت میں دو جگہ جدا جدا صورت دو شخصیتوں کو کیسے معلوم ہوتی ہے؟

جواب: شیطان اور فرشتوں کی اصلی صورتیں بھی ہیں مگر اصلی صورتوں کو مشاہدہ سے نہیں دیکھ سکتے بلکہ ان کا دیکھنا انوار نبوت سے ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حضور ﷺ نے ان کی اصلی صورت پر صرف دو مرتبہ ملاحظہ فرمایا تھا۔ یعنی ایک دفعہ تو حضور نے ان سے درخواست کی کہ اپنی اصلی صورت مجھے دکھاؤ۔ انہوں نے وعدہ کیا اور کوہ حرا پر اصلی صورت میں نمودار ہوئے تو شرق سے غرب تک تمام آفاق کو روک لیا اور دوسری دفعہ

معراج کی رات میں سدرۃ المنتہی پر ان کی اصلی صورت میں دیکھا ورنہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں ملاحظہ فرماتے ہیں اور یہ شخص نہایت خوبصورت تھے۔

فائدہ: اکثر مکاشفہ اہل دل کا یوں ہوتا ہے کہ صورت اصلی کی مثال ان کے سامنے ہو جاتی ہے۔ مثلاً شیطان بیداری میں کوئی صورت بنا کر ان کی آنکھ کے سامنے آتا ہے تو وہ ان کو دیکھتے بھی ہیں اور کلام بھی سنتے ہیں اور یہی صورت قائم مقام صورت اصلی کے ہو جاتی ہے جیسا کہ صلحا کو اکثر خواب میں اتفاق ہوتا ہے اور صاحب کشف اس کو کہتے ہیں کہ ایسے درجے پر پہنچ جائے کہ باوجود مشغوئی حواس کے دنیا میں اس کے مکاشفہ میں خلل نہ آئے یعنی اس کو بیداری میں وہ بات معلوم ہو جائے جو اوروں کو خواب میں محسوس ہوتی ہے۔

حکایت حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رب العزت سے یہ دعا مانگی کہ مجھے وہ جگہ دکھا دے جہاں قلب بنی آدم پر شیطان رہتا ہے تو خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی کا جسم بلور کی صورت کا ہے۔ یعنی اس کے اندر کی چیز باہر سے معلوم ہوتی ہے اور شیطان مینڈک کی صورت میں اس کے بائیں شانہ پر مونڈھے اور کان کے درمیان بیٹھا ہے اور اس کی پتلی اور لمبی سونڈ ہے جس کو آدمی کے دل میں ڈال کر وہاں سے وسوسہ ڈال رہا ہے اور جب وہ ذکر الٰہی کرتا ہے تو ہٹ جاتا ہے اسی طرح کا امر کبھی بیداری میں معلوم ہوتا ہے چنانچہ بعض اہل کشف نے دیکھا کہ شیطان ایسی صورت میں نظر آیا کہ گویا کتا مردار پر گرتا ہے اور لوگوں کو اس طرف بلاتا ہے۔ یعنی دنیا بصورت مردار معلوم ہوئی اس طرح یہ معلوم ہونا قائم مقام صورت اصلی کے نظر آنے کے ہے کیونکہ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قلب کے لیے دو طرف ہیں۔ ایک وہ ہے جو عالم ملکوت کے مقابل ہوتی ہے اور وہی مدخل وحی و الہام ہے دوسری عام ظاہری کی طرف ہے اس میں بھی چمک آجاتی ہے اس لیے کہ دونوں جانبیں ایک دوسرے سے ملی جلی ہیں تو ظاہر ہے کہ اس جانب میں جو عالم ظاہری کی طرف کو ہے جو شے نظر آئے گی وہ ایک صورت متخیلہ ہوگی اس وجہ سے کہ تمام عالم ظاہری متخیلات میں داخل ہے۔ اتنا فرق ہے کہ آدمی کا خیال جو ظاہری شکل سے ہوتا ہے اس میں یہ بات مطابق سیرت نہ ہو کیونکہ عالم ظاہری میں تلبیس بہت واقع ہوتی ہے مثلاً ممکن ہے کہ آدمی ظاہر میں خوبصورت نظر آتا ہے وہ باطن کا خبیث ہو مگر جو صورت کہ عالم ملکوت کی چمک سے دل کو حاصل ہے وہ بعینہ مطابق صفت اور سیرت کے ہوتی ہے کیونکہ عالم ملکوت میں صورت مطابق سیرت کے ہی ہوا کرتی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس چیز کا باطن برا ہوگا وہ اسی طرح پر بری ہی نظر آئے گی۔ اسی لیے شیطان جب اس طرح نظر آتا ہے تو کتے اور مینڈک اور خنزیر وغیرہ کی صورت میں معلوم ہوتا ہے اور فرشتہ اس کے برعکس خوبصورت نظر آتا ہے۔ یہ صورت گویا باطن کا عنوان ہو جاتی ہے اور اسی کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر کوئی خواب میں بندر یا سور دیکھے تو اس کی تعبیر انسان خبیث کے دیکھتے ہی ہوگی اور اگر بکری دیکھے تو انسان سلیم الطبع سے مراد ہوگی اور تمام تعبیرات خواب کا یہی حال ہے۔ غرضیکہ یہ امر بھی اسرار قلبی میں سے ایک عجیب راز ہے۔ اسکا ذکر کرنا علم معاملہ

کے مناسب نہیں۔ یہاں یہی مقصود ہے کہ اس بات کا یقین کرلیا جائے کہ شیطان یا فرشتہ اہل دل کو منکشف ہوتا ہے۔ کبھی تو بطریق حکایت تمثل جیسا کہ خواب میں ہوتا ہے جو مشابہ باطن کے ہو مگر نظر آنا اس مثال کو آنکھ سے حقیقت ہوتا ہے اور اس کو ارباب مکاشفہ صرف دیکھ سکتے ہیں اس کے اردگرد کے لوگ نہیں دیکھ سکتے جیسے سونے والے جاگنے والوں کو نہیں دیکھ سکتے۔

دل کے وساس اور وہم و قصد اور خواطر میں سے کن امور پر مواخذہ ہے اور کن پر نہیں

اس بارے میں آیات اور اخبار مختلف واقع ہوئے ہیں کہ سوائے علماء کاملین شریعت کے ان میں سے کسی سے تطبیق نہیں ہو سکتی چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے فرمایا عفی عن امتی ما حدثت به نفسها مالم تتکلم اویعمد

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ان اللّٰہ تعالٰی یقول للحفظمته اذا هم عبدی بسیٔته فلا تکتبوھا علیه فان عملها فاکتبوھا سیئة واذا هم بحسنة فلم یعملها فاکتبو حسنة فان عملها فاکتبوھا عشراً ترجمہ: اللہ تعالیٰ کرام کاتبین سے ارشاد فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ کسی گناہ کا قصد کرے تو اس کو مت لکھو پس اگر اس کو کرے تو ایک گناہ لکھو اور جب نیکی کا ارادہ کرے تو ایک نیکی لکھو اور اگر وہ نیکی کرے تو دس نیکیاں لکھو (یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہے)

فائدہ: اس سے صاف معلوم ہوا کہ عمل قلبی اور اس کا میلان بجانب برائی معاف ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ من هم بحسنة فلم یعملها کتب له حسنة ومن هم بحسنته فعلمها کتب له عشراً الٰی سبعمائة صنعف ومن هم بسئة فلم یعملهالم تکتب علیه وان عمله کتبت جس نے قصد نیکی کا کیا اور عمل میں نہ لایا اس کی ایک نیکی لکھی جائے گی اور اگر ارادہ خیر کیا اور اس کو پورا بھی کیا تو اس کے لیے دس نیکیاں سات سو تک لکھیں جائیں گی اور اگر گناہ کا مرتکب ہوا تو ایک گناہ لکھا جائے گا

فائدہ: ایک روایت یوں ہے واذ تحدث بان یعمل سیئه فانا اغفر ھاله مالم یعملها جب دل میں گناہ کرنے کو کہتا ہے تو میں اس کو مغفرت کرتا ہوں جب تک کہ اس کا مرتکب نہ ہو۔

فائدہ: ان سب سے عفو ہی سمجھا جاتا اور مواخذہ کے متعلق یہ آیت ہے لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ (البقرہ 225) ترجمہ کنزالایمان: اللہ تمہیں نہیں پکڑتا ان قسموں میں جو بے ارادہ زبان سے نکل جائیں ہاں اس پر گرفت فرماتا ہے جو کام تمہارے دلوں نے کئے۔ اور یہ آیت وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل 36) ترجمہ کنزالایمان: اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے سوال ہونا۔ عمل قلب

مثل آنکھ عمل مثل کان کے ہے۔ معاف نہیں ہونے کا اور یہ آیت لا یواخذکم اللّٰہ باللغو فی ایمانکم ولٰکن یواخذ کم بما کسبت قلوبکم (البقرہ 225) ترجمہ کنزالایمان: اللہ تمہیں نہیں پکڑتا ان قسموں میں جو بے ارادہ زبان سے نکل جائے ہاں اس پر گرفت فرماتا ہے جو کام تمہارے دلوں نے کیے۔ ان سب سے مواخذہ پایا جاتا ہے اور اس مسئلہ میں حق یہ ہے کہ جب تک تفصیل اعمال قلوب کی شروع سے لے کر اعضا کے ارتکاب تک نہ بتلائی جائے تب تک کچھ حکم عفو یا مواخذہ کا مطلق نہیں کہنا چاہیے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ قلب پر پہلے جو چیز وارد ہوتی ہے اس کو خواطر اور حدیث نفس کہتے ہیں مثلاً ایک عورت کی صورت دل میں آئے جو اس کی پس پشت ہو کہ اگر چاہے تو پھر کر اسے دیکھ لے دوسری بات دیکھنے کی رغبت کا ہیجان ہے یعنی وہ شہوت جو طبیعت میں موجود ہے۔ متحرک ہو اور یہ امر پہلے خاطر سے پیدا ہوتا ہے اس کو میل طبع کہتے ہیں۔ (3) دل کی اجازت اس رغبت کی تعمیل کے لیے جیسے مثال مذکور میں دیکھنے کے لیے اجازت دینا کیونکہ بعض دفعہ طبیعت کی رغبت تو ہوتی ہے مگر موانع کی وجہ سے دل اجازت نہیں دیتا حیا کی وجہ سے نہیں دیکھ سکتا یا پھر کر دیکھنے میں کچھ خوف محسوس ہوتا ہے اور ان مانع کا ہر طرف ہونا تامل سے ہوتا ہے۔ جو یہی حال میں عقل کی اجازت ہے۔ اس کا نام اعتقاد ہے اور یہ ان دو پہلی باتوں کے بعد ہوتا ہے۔ (4) پکار کے ارادہ کی وجہ پر اسے نیت اور قصد ارادہ کا مبداء کبھی ضیعف ہوتا ہے مگر بہ اعتبار خاطر دل کے نفس کو اس قدر کشش ہوتی ہے کہ یہ ارادہ مصمم اور موکد ہو جاتا ہے اس ارادہ کہ مصمم ہونے کے بعد کبھی انسان ندامت کی وجہ سے فعل کا مرتکب نہیں ہوتا اور کبھی اس لحاظ سے ارتکاب نہیں کرتا کہ کسی وجہ سے ایسا غافل ہو جاتا ہے اور اس کام کی طرف توجہ نہیں رہتی اور کبھی کوئی ایسا مانع پیش آتا ہے کہ اس کام کا کرنا متعذر ہو جاتا ہے۔ بہرحال دل پہلے اعضا کے عمل سے چار حالتیں ہوتی ہیں (1) حدیث نفس (2) پھر میل طبع (3) پھر اعتقاد (4) پھر عزم۔ اب ان چاروں کے احکام سنئے۔ حدیث نفس اور میل طبع پر تو مواخذہ نہیں اس لیے کہ ان پر کچھ بس نہیں اس لیے باتیں آدمی کے اختیار سے باہر ہیں اور اس حدیث میں عفی عن امتی ماحدثت بہ نفوسھا ترجمہ: میری امت سے معاف کی گئی ہے ان کے جیون کی بات' میں یہی دونوں مراد ہیں اس لیے کہ حدیث نفس اسی کو کہتے ہیں کہ صرف دل میں گزرے اور اس کے کرنے کا عزم نہ ہو اور عزم و ارادہ کو حدیث نفس نہیں کہتے بلکہ حدیث نفس یہ ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آنحضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے جی میں یوں آتا ہے کہ اپنی زوجہ کو طلاق دے دوں۔ آپ نے فرمایا کہ مھلا ان من سنتی النکاح ایسا نہ کرو۔ میری سنت میں سے ہے نکاح کرنا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میرا جی یوں چاہتا ہے کہ خصی ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ مھلا خصاء امتی دوب الصیام ترجمہ: ایسا ہرگز نہ کرنا میری امت کا خصی ہونا پے درپے روزے رکھنا ہے۔ عرض کیا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ راہب بن جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ مھلا رھبانیتہ امتی الجھاد و الحج ترجمہ: ایسا نہ کرو میری امت میں راہب ہونا جہاد اور حج کرنا ہے۔ عرض کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ گوشت کھانا چھوڑ دوں۔ آپ نے فرمایا کہ مھلا فانی اجب لواصبنہ لاکلتہ ولوسالت اللّٰہ تعالٰی لا طعمہ ترجمہ: ایسا نہ کرو میں اس

کو پسند کرتا ہوں اور اگر ملتا ہے تو کھا لیتا ہوں اور میں اگر اللہ سے سوال کروں تو مجھ کو گوشت کھلائے۔ پس جن خواطر کے ساتھ عزم نہیں ہوتا وہ حدیث نفس میں داخل ہیں۔ جیسے اس صحابی کے خواطر تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے حضور ﷺ سے ان کے بارے میں مشورہ لیا کہ عزم ان کے ارتکاب کا عزم نہ تھا۔ تیسری بات یعنی اعتقاد اس کی دو قسمیں ہیں (1) اختیاری (2) اضطراری اور دونوں کا حکم بھی مختلف ہے کہ اختیاری پر مواخذہ ہوتا ہے اور اضطراری پر نہیں ہوتا اور چوتھی یعنی قصد فعل اس پر مواخذہ ہوتا ہے مگر جب اس قصد کے بعد عمل نہیں کیا تو یہ دیکھنا چاہئے کہ خوف الٰہی اور ندامت کی وجہ سے نہیں کیا یا کسی اور سبب سے اول صورت میں اس کے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی۔ اس لیے کہ ارادہ شر گناہ ہے اور اس سے باز رہنا اور نفس پر مجاہدہ کرنا نیکی ہے اور نیز اراد کرنا اقتضائے طبع اس پر دلالت نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ سے بالکل غافل ہوگیا لیکن نفس کو مجاہدہ سے طبیعت کے خلاف پر باز رکھنا اس کو بڑی قوت چاہئے تو اس نے جس قدر کوشش ارادہ فعل کی وجہ سے شیطان کی متابعت میں تھی اس سے زیادہ مخالفت طبع اور اللہ تعالیٰ کے لیے کام کرنے میں کی اس لیے ایک نیکی کا حقدار ہوا اور اگر کسی مانع یا عذر کی وجہ سے اس عمل سے باز رہا ہے تو اس پر ایک برائی لکھی جائے گی اس لیے کہ ارادہ کرنا بھی قلب کا فعل اختیاری ہے اور یہ احکام جو ہم نے مفصل لکھے ہیں ان کی دلیل حدیث میں مفصل مذکور ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا قالت الملائکنه علیهم السلام راب ذاک عبدک یرید ان یعمل سیئته وهوا بصربه فقال ارقبوه فان هو عملها فاکتبو هاله مثلها وان ترکها فاکتبو هاله حسنته ترجمہ: فرشتے کہتے ہیں کہ الٰہی تیرا وہ بندہ گناہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے حالانکہ اللہ کو اس کا حال زیادہ معلوم ہے۔ فرشتوں کو حکم دیتا ہے اس کے نگران رہ۔ اگر مرتکب ہو تو ویسے ہی لکھ لیں اور اگر چھوڑ دے تو ایک نیکی لکھنا کیونکہ اس نے میرے ہی سبب سے اس کو چھوڑا ہے۔

فائدہ: جس روایت میں لم یعملها آیا ہے اس سے بھی یہی مراد ہے کہ اللہ کے خوف سے چھوڑ دیا ہو اور اگر گناہ پر ارادہ کرکے کسی عذر یا غفلت کی وجہ سے چھوڑا ہو تو نیکی کا مستحق نہیں ہوگا کیونکہ حدیث شریف میں ہے انما یحشر الناس علی نیاتهم ترجمہ :تمام لوگ اپنی اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے۔

مسئلہ: یہ بھی معلوم کہ کوئی رات کو ارادہ کرے کہ صبح کو کسی مسلمان کو قتل کردوں گا یا کسی عورت سے زنا کروں گا اور اسی رات میں مرجائے تو اگر مصمم ارادہ پر مرے گا تو اسی نیت پر اس کا حشر ہوگا حالانکہ فعل کا مرتکب نہیں ہوا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ حدیث مذکور میں لم یعل مراد یہی ہے کہ اللہ کے خوف سے چھوڑ دیا ہو اور دلیل قاطع نیت پر مواخذہ کے متعلق یہ حدیث شریف ہے اذلنقی الجمعان بسیفهما فالقاتل والمقتولهفی النار فقیل یا رسول اللہ هذا القاتل فما بال المقتول قال لانه ارا قتل صاحیه جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لے کر

جُٹ جائیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ قاتل نے تو قتل کیا۔ مقتول کیوں جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اس جہت سے کہ اس نے اپنے ساتھی کو مارنے کا ارادہ کیا تھا۔

فائدہ: اس سے صاف واضح ہوا کہ صرف ارادہ کی وجہ سے ناری ہوا باوجودیکہ خود ظلماً" مقتول ہوا جب مواخذہ نص صریح سے معلوم ہوا تو اب گمان یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نیت پر مواخذہ نہ فرمائے گا بلکہ جو قصد کہ آدمی کے اختیار سے ہوگا اس پر اس کا مواخذہ ہوگا لیکن اس کا کفارہ اگر نیکی سے کردے گا مواخذہ سے بری ہو جائے گا اور اپنے عزم کو ندامت کی وجہ سے فسخ کرنا نیکی ہے اس لیے نیکی کا مستحق ہوتا ہے مگر مانع کی وجہ سے عمل ترک کرنا نیکی نہیں اس لیے اس پر مواخذہ رہتا ہے اور خواطر اور میل طبع انسان کے اختیار میں نہیں اگر ان پر مواخذہ ہو تو گویا جو بات طاقت سے باہر ہے اس کا حکم ہوا اسی وجہ سے جب یہ آیت اتری وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ (البقرہ 284) ترجمہ کنزالایمان: اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے جی میں ہے یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔

فائدہ: بعض صحابہ رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ ہم پر ایسا ہوا جو ہماری طاقت سے باہر ہے ہم میں سے بعض کے دل میں ایسی باتیں گزرتی ہیں کہ ہمارا ارادہ نہیں کہ وہ دل میں رہیں پھر بھی ان پر مواخذہ ہوگا آپ نے فرمایا کہ شاید تم بھی ایسا کہتے ہو۔ یہودیوں نے کہا تھا سمعنا وعصینا ہم نے سنا اور نافرمانی کی یوں کہو کہ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (البقرہ 285) ہم نے سنا اور مانا۔(کنزالایمان)

فائدہ: انہوں نے کہا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (الخ) ایک سال کے بعد اللہ عزوجل نے وہ تنگی دفع کی اور یہ آیت اتری لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ 286) ترجمہ کنزالایمان: اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔

فائدہ: ظاہر ہوا کہ جو اعمال قلبی سے انسان کے اختیار میں نہیں ان پر مواخذہ بھی نہیں۔ یہ بیان شافی اس وہم کا جو لوگ گمان کرتے ہیں کہ جو بات دل پر گزرے وہ حدیث نفس ہے اور ان اقسام میں کوئی فرق نہیں کرتے وہ بالکل غلطی پر ہیں نیز کیا وجہ ہے کہ اعمال قلبی پر مواخذہ ہو حالانکہ کبر اور عجب و ریا و نفاق حسد وغیرہ سب اعمال قلب ہی ہیں بلکہ اصل یہی ہے کہ جو اعمال انسان کے اختیار میں ہیں آنکھ کے ہوں یا کان کے یا دل کے سب پر مواخذہ ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر آنکھ بے اختیار کسی غیر محرم پر پڑ جائے تو اس پر بھی مواخذہ نہیں ہاں اگر دوبارہ پھر عمداً دیکھے گا تو اس پر مواخذہ ہوگا اسی طرح خواطر قلبی کا حال ہے بلکہ قلب ہی سے پہلے مواخذہ ہونا چاہئے کیونکہ اصل وہی ہے حدیث شریف میں ہے کہ التقوی ھٰهنا تقویٰ بیان ہے یعنی دل کی طرف اشارہ کرکے آپ نے یہ لفظ فرمایا اور فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ترجمہ: اللہ کو نہیں پہنچتے ان کے گوشت نہ لہو لیکن اس کو پہنچتا ہے تمہارا تقویٰ اور ایک حدیث میں ہے الاثم جواز القلوب گزارہ

خلجان میں ڈالنے والا ہے دلوں کا اور یہ بھی فرمایا اطمان الیه القلب و ان افتوک وامروک نیکی وہ ہے جس سے دل کو اطمینان ہو۔ اگر متقی کے دل نے کسی چیز کے وجوب کا حکم کیا اور وہ غلطی پر ہے تب بھی اس کو ثواب ہوگا یا کسی نے خیال کیا کہ میں وضو سے ہوں اور نماز پڑھی اور نماز کے بعد خیال ہوا کہ مجھے وضو نہ تھا تو اس کی پہلی نماز کا ثواب ملے گا لیکن باوجود جاننے طہارت کے نماز چھوڑ دے گا تو مستحق عتاب ہوگا۔ گو بعد کو یاد آئے کہ مجھے وضو نہ تھا یا کسی نے اپنے بستر پر کسی عورت کو پایا اور یہ نہ جانا کہ میری منکوحہ ہے اور اس سے جماع کیا تو گناہ گار نہ ہوگا اگرچہ وہ عورت اجنبی ہی ہو اور اگر بالفرض اس کی منکوحہ ہی ہوتی مگر یہ شخص اس کو غیر عورت سمجھ کر صحبت کرتا تو گناہ گار ہوتا ان سب مسائل کی بنا دل پر ہی ہے اعضا کو ان میں کوئی دخل نہیں۔

ذکر کے وقت وساوس کا انقطاع ہوتا ہے یا نہ: جو علماء صوفیہ قلوب کے حال کے نگران ہیں اور اس کے صفات و عجائب کو دیکھتے رہتے اس مسئلہ پر ہیں ان کے پانچ گروہ ہیں۔ (1) بعض کا یہ قول ہے کہ ذکر الٰہی سے وسوسہ منقطع ہو جاتا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا فاذا ذکر اللہ خنس اور خنس کے معنی خاموشی کے ہیں گویا شیطان چپ ہو جاتا ہے۔ (2) بعض کا قول ہے کہ اصل وسوسہ تو نہیں جاتا مگر اس کا اثر رہتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ جب دل میں ذکر الٰہی بھر جائے گا تو تاثیر نہ کرنے پائے گا جیسے کوئی آدمی کسی سوچ میں بیٹھا ہو تو بعض اوقات کلام نہیں سمجھتا اگرچہ آواز اس کے کان پر پہنچتی ہے اور (3) بعض کا قول ہے کہ نہ وسوسہ منقطع ہوتا ہے نہ تاثیر جاتی ہے مگر غلبہ اس کا ایک فرد ہو جاتا ہے یعنی وسواس تو ہوتا ہے مگر بہت ضعیف اور (4) بعض کا یہ قول ہے کہ ذرا سی دیر ذکر سے وسوسہ معدوم ہو جاتا ہے اور اتنا دیر کے وسوسہ سے ذکر معدوم ہو جاتا ہے اور ان کے پے درپے اور جلد آنے سے ایک تار سا بندھ جاتا ہے۔ ان کی مثال ایسی ہے کہ ایک کرہ پر چند نقطے متفرق اگر اس کو زور سے گھماؤ تو وہ نقطے دائرہ کی شکل معلوم ہوں گے کیونکہ تیزی کی وجہ ایک دوسرے سے معلوم ہوں گے اور یہ لوگ اپنے قول کی یہ دلیل لاتے ہیں کہ حدیث شریف میں خنس مذکور ہے مگر ہمیں ذکر کرکے ساتھ وسوسہ محسوس ہوتا تو اس کی تطبیق بجز بیان مذکور کے کسی طرح نہیں ہو سکتی (5) بعض کا قول ہے کہ وسوسہ اور دل پر ہمیشہ ایک دوسرے کے پیچھے رہتے ہیں اور منقطع نہیں ہوتے جیسے کوئی آدمی ایک ہی حالت میں اپنی آنکھ سے دو چیزیں دیکھے اس طرح دل بھی دو چیزوں کا مقام ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے مامن عبدالا وله اربعة اعين عينان فى راسه بصرها امر دنيا عينان فى قلبه ليبصر بها امر دينه ترجمہ: ہر ایک بندے کی چار آنکھیں ہیں دو اس کے سر میں ہوتی ہیں جن سے اپنا دنیا کا امر دیکھتا ہے اور دو دل میں ہوتی ہیں جن سے دین کا امر دیکھتا ہے اور یہی محاسی کا مذہب ہے اور ہمارے نزدیک یہ تمام مذاہب درست ہیں مگر اقسام وسواس کا حصر کسی میں نہیں۔ ہر ایک نے جس وسواس کو دیکھا ویسے ہی بتا دیا۔ اس لیے ہم اس کے اقسام لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وسواس تین قسم ہیں (1) امر حق کو مشتبہ کرنے سے شیطان وسوسہ کرے مثلاً یوں سمجھائے کہ دنیا کی لذت نہ چھوڑنی چاہئے زندگی بہت سی خواہشات کو اتنے دنوں

روکنا بڑا عذاب ہے پس اس وقت اگر انسان اللہ تعالیٰ کا حق اور اس کا ثواب عظیم اور عتاب یاد کرے گا اور اپنے نفس کو سمجھائے گا کہ خواہشات سے رکا رہنا تو سخت ہے مگر دوزخ کی آنچ کا سہنا سخت تر ہے۔ دونوں میں سے ایک ہی ہو سکتا ہے تو جب اس طرح وعدہ وعید کو یاد کرکے اپنے یقین کی تجدید کرے گا بہرکیف اس کا وسواس منقطع ہو جائے گا اسی طرح اگر عجب کے لیے وسوسہ ڈالے۔ مثلاً دل میں یہ خیال ڈالے کہ آج تیرے برابر معرفت اور عبادت الٰہی میں کوئی نہیں تیرا رتبہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا ہے اور اس وقت بندہ یہ یاد کرے کہ میری معرفت اور اختیار اور قلب اور اعضا جن سے میں نے جانا یا عمل کیا سب کے سب اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں پس عجب کس پر کرنا چاہیے تو اس وقت بھی شیطان بھاگ جائے گا کیونکہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ اللہ کی جانب سے نہیں اگر کہے بھی تو ایمان کی وجہ سے شنوائی کب ہو سکتی ہے بہرحال اس قسم کا وسوسہ تو بالکل منقطع ہو جاتا ہے جو لوگ عارف اور نور ایمانی اور نور معرفت سے روشن ضمیر ہیں ان کے پاس نہیں رہتا۔ (2) شہوت کو حرکت دے فرق یہ ہے کہ حرکت یا تو ایسی چیز کی طرف ہو کہ بندہ کو یقینی طور معلوم ہو جائے کہ وہ معصیت ہے یا صرف غلبہ ظن ہی ہو پس یقینی صورت میں شیطان شہوت ابھارنے سے باز نہیں رہے گا مگر ایسا ابھارنا نہیں کرے گا جس سے تحریک ہو۔ اگر صرف غلبہ ظن ہے تو اکثر موثر رہے گا۔ یہاں تک کہ اسی کے دفع کرنے کے لئے مجاہدہ کی ضرورت ہو پس وسوسہ تو موجود رہتا ہے مگر دبا ہوا۔ (3)وسوسہ از قسم خاطر اور غائب چیزوں کا حال یاد کرنا پس جب دل ذکر الٰہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو شیطان تھوڑا سا ہٹتا ہے اور محض تھوڑی دیر ہٹ جاتا ہے اور ذکر اور وسوسہ پے درپے اسی طرح آتے ہیں کہ یہ خیال ہوتا ہے کہ دونوں کا ایک سلسلہ سے وابستہ ہیں۔ یہاں تک کہ ذہن میں معنی قرات کے بھی ہیں اور خواطر بھی۔ گویا ان دونوں چیزوں کے مقدم دل میں دو جگہ ہیں اور اس قسم کا وسوسہ بالکل منقطع ہو جانا بہت مشکل ہے مگر محال نہیں اس لیے کہ حضور ﷺ نے فرمایا من صلی رکعتین لم یحدث نفسہ فیھما بشئی من الدنیا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ جو شخص دو رکعت نماز ایسی پڑھے کہ ان میں اس کا نفس کوئی بات دنیا کی نہ کرے تو اس کے تمام گناہ اگلے بخش دیئے جاتے ہیں۔

فائدہ: اگر یہ بات محال ہوتی تو آپ ذکر نہ فرماتے ہاں یہ امر اس دل میں ہو سکتا ہے جس پر محبت الٰہی حاوی ہو گئی کیونکہ قلب کو جس طرف اشتغال تام ہوتا ہے اس کے سوا اور کچھ دل پر نہیں گزرتا جیسے عاشق اگر فکر و محبت میں مستغرق ہوتا ہے تو سوائے ذکر محبوب کے اور کوئی بات اس کے دل میں نہیں گزرتی جس کو کسی دشمن کا خیال ہوتا ہے کہ بعض اوقات دو رکعت یا زیادہ کی مقدار ایسا فکر مستغرق رہتا ہے کہ سوائے اس دشمن کے تصور کے اور کچھ دل پر نہیں گزرتا یہاں تک کہ اگر اسی دوران کوئی قریب سے گزر جائے یا کچھ اسے کہا جائے تو اسے خبر نہیں ہوتی۔ گویا اس کی اس پر آنکھ ہی نہیں پڑتی جب یہ بات دنیا کے تفکرات میں ممکن ہے تو اگر کسی کو خوف دوزخ یا حرص جنت سے یہ استغراق نصیب ہو تو کیا بعید ہے ہاں بلحاظ ضعف ایمان شاذو نادر ہے۔

فائدہ: جب ان تمام اقسام وساوس کو سوچو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ مذہب مذکورہ بالا میں سے ہر ایک کے لیے ایک وجہ ہے لیکن اس کا محل مخصوص ہے خلاصہ یہ کہ شیطان سے چھٹکارا لمحہ بھر کچھ بعید نہیں مگر عمر بھر اس سے نجات بہت بعید بلکہ محال ہے کیونکہ یہ بات اگر ممکن الوجود ہوتی تو حضور ﷺ کو کبھی کسی قسم کا وسوسہ نہ ہوتا حالانکہ وسوسہ آپ کو بھی ہوا جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آپ نے نماز میں اپنے کپڑے کے نقوش پر نگاہ کی اور سلام پھیر کر وہ کپڑا پھینک دیا اور فرمایا شغلني عن الصلوٰة مجھے نماز سے روک دیا (ا) (سونے کی حرمت سے پہلے) آپ کے ہاتھ میں ایک سونے کی انگوٹھی تھی۔ خطبہ پڑھنے میں اس پر نگاہ پڑی تو آپ نے اسے نکال کر پھینک دیا اور فرمایا نظرة اليه ونظرة اليكم تولدت ایک بار اس کو دیکھتا ہوں اور ایک بار تم کو۔ نگاہ کو سونے کی انگوٹھی یا کپڑے کے نقش کی طرف حرکت وسوسہ کی وجہ سے تھی اس لیے آپ نے اسے پھینک دیا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ متاع دنیاوی ہو یا کوئی نقد شے اس سے وسوسہ بھی منقطع ہوگا جب اسے علیحدہ کر دیا جائے اور جب تک ایک روپیہ ملک میں رہے گا نماز میں شیطان اس کا وسوسہ ڈالے گا۔ مثلاً کہے گا ان کو کہاں چھپایا جائے کہ کس کی نظر نہ پڑے اور حفاظت کس طرح ہو اور کہاں خرچ کیا جائے وغیرہ وغیرہ اور کیونکر اس کو ظاہر کرکے نام پیدا کیا جائے۔ اسی طرح کے بیسیوں وسوسے ڈالتا ہے جو کوئی دنیا میں پھنس کر یہ طمع کرے مجھے شیطان سے نجات ملے اس کی مثال ایسی ہے کہ شہد بدن پہ لپیٹ کر یہ خیال کرے کہ اس پر مکھی نہ بیٹھے گی یہ محال ہے۔
بہرحال دنیا وسوسہ کا بڑا گیٹ ہے اور اس کا ایک راستہ نہیں بہت سے راستے ہیں۔ کسی حکیم کا قول ہے کہ شیطان بنی آدم کے پاس پہلے معاصی کی طرف آتا ہے۔ اگر اس نے کہنا نہ مانا تو نصیحت کے طور پر پیش آتا ہے کہ کسی بدعت سیہ میں پھنسا دے اگر اس کو بھی نہ مانا تو اس کو تنگی اور شدت کا حکم کرتا ہے اور جو چیز حرام نہ ہو اس کو بھی حرام کرتا ہے۔ اگر اس کو بھی قبول نہ کیا تو وضو اور نماز میں شبہ ڈالتا ہے کہ کسی کا یقین رہے گا۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکا تو نیک اعمال اس پر آسان کر دیتا ہے اور جب لوگ اسے صابر او رپاک دامن دیکھتے ہیں اور اس کی طرف راغب ہوتے ہیں تو عجب میں ڈال کر تباہ کر دیتا ہے۔ اس صورت میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا۔ اس لیے کہ یہ جانتا ہے کہ اب کی بار پھندے میں نہ آیا تو سیدھا جنت میں جائے گا (اور یہ شیطان چاہتا نہیں)

تقسیم باعتبار دل کے تبدل و تغیر کے: پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ قلب پر آثار و احوال مختلف طریق سے آتے رہتے ہیں۔ گویا وہ ایک نشان ہے جس پر ہر چار سو تیر برستے رہتے ہیں۔ جب ایک طرف سے کسی چیز کا اس پر اثر ہوا دوسری طرف سے اس کے خلاف کوئی چیز آجاتی ہے تو پہلی صفت بدل جاتی ہے۔ مثلاً اگر شیطان نے اسے ہوائے نفسانی کی طرف کھینچا فرشتہ اس سے باز رکھتا ہے۔ اگر شیطان نے برائی کو کہا تو فرشتے نے دوسری طرف کھینچ

ا۔ تعلیم امت کے لیے ایسا ہونا کسر شان نہیں (اویسی غفرلہ)

لیا۔ اگر فرشتے نے کسی چیز کی رغبت دلائی تو شیطان نے دوسری چیز بتلائی۔ پس کبھی دو فرشتوں کی کشاکش میں رہتا ہے اور کبھی دو شیطانوں کی اور کبھی ایک فرشتہ اور ایک شیطان کی مگر کسی وقت فارغ نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ونقلب افئدتھم و ابصارھم (الانعام 111) ترجمہ کنزالایمان: اور ہم پھیر دیتے ہیں ان کے دلوں اور آنکھوں کو چونکہ قلب کو اللہ عزوجل نے ایک عجیب چیز بنایا ہے اور اس میں بہت عجائب ہیں اور ان عجائب سے اور اس کے تبدل و تغیر سے حضور ﷺ کو بخوبی واقف کیا گیا تھا۔ آپ اکثر اس طرح قسم کھاتے تھے لا مقلب القلوب (مقلب القلوب کی قسم) اور اکثر یوں دعا مانگتے تھے یا مقلب القلوب ثبت قلبی علیٰ دینک اے مقلب القلوب میرا دل اپنے دین پر ثابت رکھ' صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کو اپنے قلب کا خوف ہے۔ آپ نے فرمایا ان شآء ان یقیمه اقامه وان شآء ان یزیغه اذغه ترجمہ: اگر چاہے اس کا سیدھا رکھنا تو اسے سیدھا رکھتا ہے۔ اگر چاہے اسے ٹیڑھا رکھنا تو اسے ٹیڑھا کرے۔

فائدہ: حضور سرور عالم ﷺ نے قلب کی تین مثالیں بیان فرمائیں (1) فرمایا مثل القلب کالصفور یتقلب فی کل ساعته دل کی مثال چڑیا کی سی ہے کہ ہر گھڑی بدلتا رہتا ہے۔ (2) فرمایا مثل القلب فی تقلبه کالقدرا ذا استجمعت غلیا نہا دل کی مثال ہنڈیا جیسی ہے کہ جب اسے خوب ابلتا ہے (3) فرمایا القلب کمثل ریشته بارض فلاة تقلبها الریا ظهر البطن دل کی مثال ایسی ہے جیسے جنگل میں پرند ہو کہ ہوائیں اسے لوٹ پوٹ کرتی رہتی ہیں۔

دل کا ثبات: قلوب کا تبدل و تغیر اور اس میں اللہ کی عجیب صفت ایسی ہے کہ بجز ان لوگوں کے جو اپنے احوال کے نگران رہتے اور مراقبہ میں مشغول رہتے ہیں اور کسی کو معلوم نہیں ہوتا اور قلب باعتبار ثبات کے خیر اور شر پر یا تذبذب میں تین قسم پر ہے۔ (1) قلب وہ ہے کہ تقویٰ پر ہو اور ریاضیت سے اس کا تزکیہ ہو اور خبث عادات سے پاک و صاف ہوگیا ہو۔ ایسے دل میں خواطر خزانہ غیب اور طریق ملکوت سے آتے ہیں اور عقل ان خواطر کے تفکر میں مصروف ہوتی ہے کہ ان کے دقائق اور اسرار فوائد سے مطلع ہو۔ جب نور بصیرت سے اس پر ان کی وجہ ظاہر ہو جاتی ہے تو کہہ دیتی ہے کہ یہ کام کرنا ضروری ہے اور قلب کو اس کے ارتکاب کی ترغیب دیتی ہے اور جب فرشتہ کی نظر اس قلب پر پڑتی ہے تو دیکھ کر کہتا ہے کہ اس کا جوہر صاف اور نور خرید سے اس میں تمام اجالا ہو رہا ہے۔ تقویٰ سے معمور ہے۔ شمع معرفت سے نوراً علیٰ نورٌ ہے۔ ہمارے قیام کے قابل ہے اور ہمارے اترنے کی اسے صلاحیت حاصل ہے تو اس وقت ایسے لشکروں سے اس کی مدد کرتا ہے کہ محسوس نہیں ہوتے اور بہت سے خیرات کی طرف ہادی بنتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک خیر سے دوسری اور پھر تیسری اور پھر چوتھی اسی طرح بے شمار خیرات کی ترغیب علیٰ الدوام کرتا رہتا ہے بلکہ ان باتوں کو اس پر آسان کرتا رہتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی (الیل 5 تا 7) ترجمہ کنزالایمان: تو وہ جس نے دیا اور

پرہیزگاری کی اور سب سے اچھی کو سچ مانا تو بہت جلد ہم اسے آسانی مہیا کردیں گے۔ اسی طرح دل میں مطلع ربوبیت سے خورشید معرفت طلوع ہوتا ہے کہ جس کے لمعان نور سے اس پر شرک خفی مخفی نہیں رہتا حالانکہ وہ اندھیری رات میں سیاہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اور مخفی باتیں اس پر چھپی نہیں رہتیں اور نہ مکر شیطانی اس پر کارگر ہوتا ہے بلکہ شیطان بہت سے دھوکے کی باتیں کہتا ہے مگر وہ متوجہ بھی نہیں ہوتا اور اسی طرح کا دل جب مہلکات سے صاف ہو جاتا ہے تو منجیات سے معمور ہوتا ہے یعنی شکر اور صبر اور خوف و رجا اور فقر و زہد اور محبت اور رضا و شوق اور توکل اور تفکر اور محاسبہ وغیرہ جن کو ہم آگے بیان کریں گے ان کا وہ مرکز بن جاتا ہے۔ یہی دل ہے کہ جس کی طرف خود مبدا فیاض یعنی اللہ عزوجل کی توجہ ہوتی ہے اور قلب مطمئن اسی کا نام ہے۔ وہ اس آیت میں مراد ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد 28) ترجمہ کنزالایمان: سن لو اللہ ہی کی یاد میں دلوں کا چین ہے۔ اور اس آیت میں بھی يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (الفجر 27) ترجمہ کنزالایمان: اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ قلب اول کا برعکس ہے یعنی ہوائے نفسانی سے معمور اور عادات مذمہ میں آلود ہو۔ شیطانوں کے ابواب اس کی طرف مفتوح ہوں اور فرشتوں کے ابواب مسدود ایسے دل میں شر کا آغاز ہوتا ہے کہ پہلے اس میں ہوائے نفسانی کا ایک خطرہ اس میں کھٹکتا ہے وہ تو حاکم عقل کی تجویز پوچھتا ہے کہ مصلحت کیا ہے تو چونکہ عقل پہلے سے ہوائے نفسانی کی خدمت گزاری کی عادت رکھتی ہے اور ہمیشہ اس کے لیے حیلے تلاش کرتی ہے بلکہ اس کی مرضی کے موافق کام کرتی ہے اس لیے اس وقت بھی نفس کی موافقت کرتی ہے اور اسی کے مطابق جواب دیتی ہے تو ہوائے نفسانی کے لیے سینہ کھل جاتا ہے اور اس کا اندھیرا پھیلتا ہے اور لشکر عقل مغلوب ہو جاتا ہے اب شیطان کا کام بن جاتا ہے اس وقت خوب پاؤں پھیلاتا ہے اور زینت ظاہری اور فریب اور طول امل اور اس طرح کی نکمی باتوں کی ترغیب کرتا ہے کہ سلطان ایمان کمزور پڑ جاتا ہے اور نور یقین بجھ جاتا ہے یعنی وعدہ اور وعید اور خوف آخرت کا یقین نہیں رہتا کیونکہ ہوائے نفسانی سے ایک ایسا سیاہ دھواں نکلتا ہے کہ قلب کو ہر چار سو پھیل کر اس کے نور کو بجھا دیتا ہے۔ عقل کا حال اس وقت ایسا ہوتا ہے جیسے کسی کی آنکھ میں کڑوا دھواں بھرا ہوا کہ وہ دیکھ نہ سکے یہی حال غلبہ شہوت سے قلب پر طاری ہوتا ہے کہ غصہ و فکر اور سوچ و بچار ذرہ نہیں رہتا اور اگر امر حق کے متعلق کوئی سمجھائے تو بھی نہیں سمجھتا اور نہ کان اس طرف لگاتا ہے۔ ایسی صورت میں شیطان ایک اور حملہ کرتا ہے۔ شہوت کو ابھارتا جاتا ہے۔ مزید اعضا موافق ہوائے نفسانی کے حرکت کرتے ہیں۔ معصیت تقدیر الٰہی کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس دل کی طرف اس میں اشارہ ہے اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ (الفرقان 44) ترجمہ کنزالایمان: کیا تم نے اسے دیکھا جس نے اپنی جی کی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا تو کیا تم اس کی نگہبانی کا ذمہ لو گے یا یہ سمجھتے ہو کہ ان میں بہت کچھ

سنتے یا سمجھتے ہیں وہ تو نہیں مگر جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی بدتر گمراہ۔ اور اس آیت میں بھی لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰی اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (یٰسٓ 7) ترجمہ کنزالایمان: بے شک ان میں اکثر پر بات ثابت ہو چکی ہے تو وہ ایمان نہ لائیں گے۔ اور اس آیت وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (یٰسٓ 10) ترجمہ کنزالایمان: اور انہیں ایک سا ہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے کے نہیں۔

فائدہ: بعض قلوب کا تو حال بہ نسبت تمام شہوات کے ایسا ہوتا ہے اور بعض کا ایسا حال باعتبار بعض شہوات کے ہوتا ہے مثلاً بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ بعض معصیتوں سے پرہیز کرتے ہیں لیکن جب کسی حسین چہرہ پر نظر پڑتی ہے تو اس سے صبر نہیں کر سکتے عقل رخصت ہو جاتی ہے اور دل کو ضبط نہیں کر سکتے اور بعض کا یہ حال ہے کہ اگر جاہ و ریاست اور کبر کا سامان نظر پڑتا ہے تو اس پر لٹو ہو جاتے ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ اگر کوئی کلمہ اپنی حقارت یا عیب کا سنیں تو غصہ کے مارے آگ بگولا ہو جاتے ہیں اور بعض روپیہ پیسہ لینے کے وقت ایسے تیز ہو جاتے ہیں کہ مروت اور تقویٰ کا کوئی خیال نہیں رکھتے یہ امور اس لیے ہوتے ہیں کہ سیاہ دھواں ہوائے نفسانی کا قلب پر چھا جاتا ہے اور اس میں نور بصیرت دھندلا پڑ جاتا ہے اس وجہ سے حیاؤ ایمان اور مروت کو بالائے طاق رکھ کر شیطان کی مراد حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قلب وہ ہے کہ اس میں ہوائے نفسانی کا خط ظاہر ہوتا ہے اور شر کی طرف کھینچتا ہے۔ اسی وقت خط ایمان آتا ہے اور خیر کی طرف بلاتا ہے اور نفس شہوت پرست خط شر کی طرف داری پر مستعد ہوتا ہے۔ اس وقت شہوت کو کچھ غلبہ ہوتا ہے اور تمتع اور لذت خوب معلوم ہونے لگتی پھر عقل خط کی مذمت اور شہوات کی برائی بیان کرتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ نادانی کا کام ہے۔ یہ افعال بہائم اور درندوں کے مشابہ ہیں جن کے انجام کی پروا نہیں ہوتی اور برائی پر انجام ہوتا ہے تو نفس عقل کی نصیحت پر راغب ہوتا ہے۔ اسی وقت شیطان عقل پر حملہ کر کے ہوائے نفسانی کی مدد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ زہد خشک کہتا ہے تو اپنی خواہش کیوں روکتا ہے دنیا میں کوئی بھی اپنا مطلب نہیں چھوڑتا۔ کیا دنیا کی لذتیں اوروں کے لیے ہیں تیرے نصیب میں بدبختی اور رنج و مصیبت اور خرماں کے سوا کچھ نہیں۔ لوگ تجھ پر ہنسیں گے۔ دیکھ فلاں فلاں شخص نے یہ بات چاہی تھی اور اس کے مرتکب ہونے سے کیسے چین کرتے ہیں تو ان سے بڑھ کر رتبہ کیوں نہیں حاصل کرتا۔ فلاں شخص عالم بھی تو ایسے کرتا ہے اور اس سے پرہیز نہیں کرتا۔ اگر یہ بات منع ہوتی تو وہ کیوں کرتا ان باتوں سے نفس شیطان کی طرف جھکتا ہے۔ اس وقت فرشتہ شیطان پر حملہ کرتا اور یوں سمجھتا ہے کہ جو شخص اتباع لذت حاصل کرتا ہے اور انجام اور مال پر توجہ نہیں کرتا۔ وہ تباہ ہو جاتا ہے کیا اس چند روزہ عیش پر قانع ہو کر دائمی لذت بہشت کو چھوڑ دیتا ہے۔ شہوت پر صبر کرنے کا رنج نہیں اٹھا سکتا دوزخ کا عذاب ہلکا سمجھا ہوگا۔ لوگوں کے اتباع شہوات میں پڑنے سے اور اطاعت شیطانی کرنے سے تو بھی اپنے نفس سے غافل ہو جاتا ہے۔ یہ بڑا دھوکا ہے۔ دوسروں کا گناہ تیرے عذاب کو ہلکا نہیں کرے گا۔ اگر بالفرض جیٹھ ہاڑ کی موسم میں اور لوگ دھوپ میں جلتے ہوں اور تجھے ایئر کنڈیشنر میسر ہو جائے تو بتا تو لوگوں کا

ساتھ دے گا یا ایئر کنڈیشنر کو غنیمت سمجھے گا۔ جب دھوپ میں تجھے اوروں کے ساتھ کھڑے ہونے سے ڈر لگتا ہے تو دوزخ میں اوروں کے ساتھ جاتے ہوئے کیوں نہیں ڈرتا اس نصیحت سے نفس فرشتہ کی طرف رغبت کرتا ہے اور اسی کشمکش میں دونوں میں فریق کے درمیان رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر دل پر صفات شیطانی غالب ہوں گے تو اسی کا ہو جائے گا اور اگر شیطان کا معاون ہو کر گروہ رحمانی سے اعتراض کرے گا تو اعضاء سابقہ تقدیر ازلی سے وہ کام جاری ہوں گے جو اللہ تعالیٰ سے دوری کے اسباب ہوں گے۔ اگر اسی پر صفات ملیکہ کا غلبہ ہوگا تو اغوا شیطانی اور اس کی ترغیب کو حقیر جانے گا اور دنیا فانی کی ترجیح اور آخرت کی سستی کی طرف ذرہ برابر بھی مائل نہ ہوگا بلکہ گروہ رحمانی کی طاعت قبول کرے گا اور اعضاء سے وہی کام صادر ہوں گے جو موجب رضائے الٰہی ہوں اور یہ بھی معاملہ تقدیر الٰہی کا ہے کیونکہ قلب المومن بین اصبعین من اصابع الرحمٰن مومن کا قلب رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان واقع ہے یعنی کشمکش ان دونوں فریق کے درمیان اکثر رہتی ہے اور تقلب ادھر کرتا رہتا مگر ایک گروہ کی طرف ہمیشہ قائم اور مضبوط رہنا کم ہے اور جمع طاقت خواہ معاصی خزانہ غیب سے جو عالم ظہور میں آتے ہیں بواسطہ خزانہ قلب کے آتے ہیں کیونکہ قالب خزائن ملکوت سے ہے اور ان کے ظہور سے ارباب قلب قضائے الٰہی پہنچاتے ہیں یعنی جو جنت کے لیے پیدا ہوا اس کے لیے اسباب طاعت آسان کر دیئے جاتے ہیں اگرچہ دوزخ کے لیے پیدا ہوا اس کے لیے لوازم معصیت کے مہیا ہو جاتے ہیں صحبت بھی ویسی ہی ہے پھر شیطان کا حکم دل پر چلتا ہے کیونکہ وہ بیسیوں حکمتوں سے احمقوں کو فریب دیتا ہے اور کہتا ہے کچھ پروانہ کرو تمام لوگ اللہ سے نہیں ڈرتے۔ ان کے خلاف نہ ہونا چاہئے ابھی زندگی بہت ہے کل توبہ کرلینا وغیرہ وغیرہ اللہ فرماتا ہے يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا (النساء 120) ترجمہ کنزالایمان: شیطان انہیں وعدے دیتا ہے اور آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان انہیں وعدے نہیں دیتا مگر فریب کے۔ یعنی توبہ کا وعدہ دیتا ہے اور مغفرت کی تمنا دلاتا ہے تاکہ ایسے حیلوں سے آدمی کو تباہ کرے پھر انسان دھوکے میں آکر اس کی بات مان لیتا ہے اور امر حق کے قبول سے اس کا دل تنگ ہو جاتا اور حکم الٰہی اس طرح ہوتا فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ (الانعام 126) ترجمہ کنزالایمان: اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے اس کا سینہ تنگ خوب رکا ہوا کردیتا ہے گویا کسی کی زبردستی سے آسمان پر چڑھ رہا ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت و ضلالت اسی کے ہاتھ میں ہے إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ (آل عمران 160) ترجمہ کنزالایمان: اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو ایسا کون ہے جو تمہاری مدد کرے۔ اسی نے جنت کو پیدا کیا اور اس کے لیے بعض لوگ پیدا کیے اور ایسے کاموں میں مشغول کیا او دوزخ کو بھی پیدا کیا اس کے لیے بھی لوگ پیدا کیے۔ ان کو

ویسے ہی کاموں میں منہمک کیا۔ لوگوں کے نشان دونوں طرح کے انسانوں کو بتلا دیئے اور فرمایا اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ○ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ (الانفطار 13-30) ترجمہ کنزالایمان: بے شک نیکو کار ضرور چین میں ہیں اور بے شک بدکار ضرور دوزخ میں ہیں۔ پھر اپنے رسول اکرم ﷺ کی زبان سے یوں ارشاد فرمایا ھٰولاء فی الجننہ ولا ابالی وھولا فی النار ولی ابالی ترجمہ: یہ لوگ جنت میں ہیں اور مجھ کو کچھ پروا نہیں اور یہ لوگ دوزخ میں ہیں اور مجھ کو کچھ پروا نہیں۔ بہرحال اس کامعاملہ بہت بڑا ہے لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ پوچھا نہ جائے گا جو وہ کرے اور ان سے پوچھا جائے گا۔

فائدہ: ہم ذکر عجائبات قلبی کو اس تھوڑی مقدار پر کفایت کرتے ہیں۔ اس کا پورا بیان علم معاملہ کے مناسب نہیں بلکہ اسی قدر بیان کر دیا ہے کہ علوم معاملہ کی باریک باتیں اور اسرار کے دریافت کرنے میں حاجت پڑتی ہے کیونکہ بعض لوگوں کو صرف بیان ظاہری سے سیری نہیں ہوتی وہ اس میں باریکیاں بھی معلوم کرنے کے مشتاق ہوتے ہیں پس اس قدر بیان سے ان شاء اللہ ان کو اطمینان اور فائدہ ہو جائے گا واللہ ولی التوفیق (عجائب قلبی پورے ہوگئے اس کے بعد ریاضت نفس اور تہذیب اخلاق کا ذکر ہے)۔

باب 2

ریاضیت اور اخلاق کا بیان

حسن خلق سید المرسلین ﷺ کی صفت اور اعمال صدیقین میں سے افضل یہی عمل ہے۔ درحقیقت نصف دین اور ثمرہ مجاہدہ متقین اور نتیجہ ریاضیت عابدین اسی کو کہنا چاہئے اور برے اخلاق زہر قاتل اور مہلک ہیں اور ذلت و خواری اور فضیحت و رسوائی انہیں سے ہوتی ہے۔ اللہ کے قریب سے دور کرتے ہیں اور شیطان کے گروہ میں منسلک ہیں۔ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَةِ (ھمزۃ 6) ترجمہ کنزالایمان: اللہ کی آگ کہ بھڑک رہی ہے وہ جو دلوں پر چڑھ جائے گی۔ جیسے اخلاق جمیلہ دار نعیم کے کھلے پھاٹک اور قرب الی اللہ کے وسائل ہیں۔

خلاصہ: یہ کہ برے اخلاق قلوب کی ایسی بیماریاں ہیں کہ جن سے حیا ابدی جاتی رہتی ہے اور امراض بدنی صرف حیات جسدی کو دور کرتے ہیں پس ان میں کوئی نسبت نہیں چونکہ اطباء ان امراض کا علاج کرتے ہیں جن سے کہ صرف حیات فانی ختم ہو جاتی ہے اور اس کے لیے قانون اور تشخیص و علامات کی طرف توجہ رکھتے ہیں اور امراض قلوب جن سے حیات ابدی فوت ہو جاتی ہے۔ ان کے علاج کے لیے بھی قوانین ضروری ہے اور اسی روحانی طب کا سیکھنا تمام اہل عقل پروا جب ہے کیونکہ ہردل میں کوئی نہ کوئی مرض ضرور ہوتا ہے اگر اس کا علاج نہ کیا جائے تو صدہا لاعلاج امراض پیدا ہو جاتے ہیں اسی لیے ہر انسان کو ان امراض کا پہچاننا اور ان کے اسباب کا جاننا اور پھر ان کے علاج و اصلاح کے لیے تیار ہونا ضروری ہے اور قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا (الشمس 9) ترجمہ کنزالایمان: بے شک مراد کو پہنچایا جس نے اسے ستھرا کیا۔ اسی طرح وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (الشمس 10) ترجمہ کنزالایمان: اور نامراد ہوا جس نے اسے معصیت میں چھپایا۔ میں بھی اس کے علاج کی طرف اشارہ ہے۔ ہم اسباب میں بعض امراض قلوب اور ان کا علاج بطور اجمال بیان کرتے پھر تفصیل وار ہر مرض کا بیان مع علاج جداگانہ آگے چل کر عرض کریں گے یہاں صرف یہ مدنظر ہے کہ تہذیب اخلاق اور اس کی طرز اور روش کو عام طور پر بیان کریں اور اثنائے ذکر میں علاج بدن سے مثال دیں گے تاکہ جلد تر سمجھ میں آجائے۔

فضائل حسن اخلاق و مذمت بد خلقی: جناب رب العزت نے اپنے حبیب کریم ﷺ کی مدح میں ان پر اپنی نعمت کا اظہار کر کے فرمایا وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم 4) ترجمہ کنزالایمان: اور بے شک تمہاری خوبو بڑی شان کی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کا خلق قرآن تھا اور جب یہ آیت اتری خُذِ الْعَفْوَ

وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ (الاعراف پ۹ 199) ترجمہ کنزالایمان: اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔ حضور ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے سوال کیا کہ اس سے کیا مراد ہے۔ عرض کیا کہ میں جناب احدیت سے جب تک سوال نہ کروں مجھے معلوم نہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان پر گئے۔ واپس آکر عرض کی اس سے مراد یہ ہے کہ آپ سے جو جدا ہو آپ اس سے ملیں اور جو آپ کو نہ دے آپ اسے عطا فرمائیں اور جو کوئی آپ پر ظلم کرے۔ آپ اسے معاف فرمائیں۔ حدیث شریف میں ہے فرمایا انما بعث لاتمم مکارم الاخلاق میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ عمدہ اخلاق کو پورا کروں اور یہ بھی فرمایا اثقل ما یوضع فی المیزان یوم القیمنه تقوی اللّٰہ وحسن الخلق ترجمہ: سب سے بھاری چیز جو قیامت کے روز میزان اعمال میں رکھی جائے گی اللہ سے ڈرنا اور خوش خلقی ہوگی۔

حدیث: ایک شخص نے سوال کیا کہ مالدین (دین کیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا حسن خلق پھر وہ آپ کی داہنی طرف حاضر ہو کر پوچھنے لگا مالدین آپ نے وہی جواب فرمایا پھر بائیں طرف سے آیا آپ نے وہی جواب دیا اس نے پیچھے سے آکر وہی سوال کیا اپنے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اما تفقه هو ان لا تغضب تو نہیں سمجھتا وہ یہ ہے کہ تو غصہ نہ کرے۔

حدیث: ایک شخص نے حضور سرور عالم ﷺ سے پوچھا کہ نحوست کیا ہے آپ نے فرمایا سوء لخلق سهوء لخلق یعنی بد خلقی۔ ایک دیگر شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے کچھ نصیحت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا جہاں کہیں رہے اللہ سے ڈر اس نے عرض کیا کچھ اور فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے فوراً بعد نیکی کر۔ اس سے وہ گناہ مٹ جائے گا۔ اس نے عرض کیا کچھ اور فرمایئے آپ نے فرمایا خلق الناس بخلق حسن لوگوں سے خوش خلقی کے ساتھ عادت ڈال۔ کسی اور نے پوچھا اعمال میں سے کون سا عمل افضل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حسن خلق۔

حدیث حدیث میں ہے ما حسن اللّٰہ خلق عبد وخلقه فتطعمنه النار ترجمہ: کسی بندہ کا اللہ تعالیٰ نے خلق اور خلق دونوں اچھے نہیں بنائے کہ اس کو آتش دوزخ کھلادے۔

حدیث حضرت فضیل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ سے کسی نے عرض کیا کہ فلاں عورت دن کو روزہ رکھتی ہے اور رات کو تہجد پڑھتی ہے مگر بد خلق ہے۔ ہمسایوں کو اپنی زبان سے ایذا دیتی ہے۔ آپ نے فرمایا لا خیر فیها هی من اهل النار اس میں کچھ خیر نہیں وہ دوزخیوں میں سے ہے۔

حدیث: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے فرمایا میزان میں جو چیز پہلے تلے گی حسن خلق اور سخاوت ہوگی اور جب اللہ تعالیٰ نے ایمان کو پیدا کیا اس نے عرض کیا کہ الٰہی مجھے قوت عنایت

کر اللہ عزوجل نے اس کو حسن خلق اور سخاوت سے نوازا اور جب کفر کو پیدا کیا اس نے بھی تقویت کے لیے عرض کیا اس کو بخل اور بد خلقی دی۔

حدیث: ان اللہ استخلص ھذا الدین لنفسه ولا یصلح الدینکم الا ما خلا احسن الخلق الا فرینو دینکم بھما ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اس دین کو اپنے لیے خاص کر دیا ہے اور کوئی چیز تمہارے دین کے شایان نہیں بغیر سخاوت اور خوش خلقی کے حدیث میں ہے حسن الخلق خلق اللہ الا عظیم خوش خلقی خدائے اعظم کا خلق ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مومنین میں سے بااعتبار ایمان کے کون افضل ہے؟ آپ نے فرمایا احسنھم خلقا (جو خلق میں سب سے اچھا ہے) حدیث میں ہے کہ لن تسعوالناس باموالکم فسعو ھم یبسط الوجه وحسن الخلق ترجمہ: تم آدمیوں سے اپنے مالوں کی رو سے زیادہ نہ ہوں گے پس ان سے کشادہ روئی اور حسن خلق کے باعث زیادہ ہو اور یہ فرمایا کہ سوء الخلق یفسد العمل کما یفسد الخل العسل بد خلقی عمل کو ایسا بگاڑتی ہے جیسے سرکہ شہد کو۔

حدیث حضرت جریر بن عا ب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مجھے آپ نے ارشاد فرمایا کہ تجھے اللہ تعالیٰ نے خوبصورت بنایا ہے تو اپنے خلق کو خوب صورت بنا اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سب سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ خلیق تھے۔ (1)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے کہ حضور ﷺ یوں دعا مانگا کرتے تھے اللھم حسن خلقی فحسن خلقی الٰہی تو نے میری صورت اچھی بنائی میری عادت اچھی کر۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ اکثر اس طرح دعا مانگتے تھے اللھم انی اسئلک الصحته والعافیة وحسن الخلق الٰہی میں تجھ سے تندرستی اور عافیت اور حسن خلق مانگتا ہوں۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کرم المومن دینه و حسبه حسن خلقه ومرنه عقله (مومن کا کرم اس کا دین ہے اور اس کا حسب اس کا حسن خلق ہے اور اس کی مروت اس کی عقل ہے) حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ایک بار خدمت اقدس میں حاضر ہوا اس وقت دیہاتی آپ سے پوچھ رہے تھے کہ انسان کو سب سے بہتر کیا چیز عنایت ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا خلق حسن۔

حدیث: ایک روایت میں ہے ان احبکم الی واقدبکم منی مجلسا یوم القیامه احسن اخلاقا قیامت کے

---

(1) امام اہلسنت احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا

تیرے خُلق کو حق نے عظیم کہا تیری خلق کو حق نے جمیل کیا　　کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا تیرے خالق حسن و ادا کی قسم

(حدائق بخشش)

دن تم میں سے مجھ کو زیادہ محبوب اور زیادہ بیٹھنے میں مجھ سے وہ قریب ہوں گے جن کے خلق اچھے ہوں گے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس شخص میں تین چیزیں نہ ہوں یا ان میں ایک بھی کم ہو تو اس کے عمل کا کوئی اعتبار نہ کرو۔ تقوی تحجزہ عن معاص اللّٰہ او علم یکف بہ السفیہ او خلق یعیش بہ بین الناس ایک تقویٰ جو اللہ کے معاصی سے رو کے یا علم جس سے بے وقوف کو باز رکھے حسن خلق جس سے لوگوں میں بسر اوقات کرے۔

حدیث: اور شروع نماز میں آپ ﷺ یہ دعا مانگتے تھے الھم اھدنی لاحسن الاخلاق ولا یھدی لا حسنھا الاانت ولا یصرف سیئھا الا انت الٰہی مجھ کو احسن الاخلاق کی ہدایت کر تیرے سوا ان کو کوئی ہدایت نہ کرے گا اور مجھ سے بداخلاق کو پھیر دے تیرے سوا مجھ سے کوئی نہ پھیرے گا۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک دن حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ آپ نے فرمایا ان احسن الخلق لیذیب الخطیئۃ کما یذیب الشمس الجلید ترجمہ: حسن خلق گناہ کو ایسا بنا دیتا ہے جیسے سورج جمے ہوئے پانی کو۔

حدیث: اور فرمایا سعادۃ المرحسن الحق مرد کی سعادت حسن خلق ہے اور فرمایا الیمن حسن الخلق خوش خلقی برکت ہے۔

حدیث: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو فرمایا ابا ذر لا عقل کالتدبیر ولا حسب کحسن الخلق اے ابوذر کوئی عقل تدبیر کے موافق نہیں اور نہ کوئی حسب مثل حسن خلق کے ہے۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ کسی عورت کے دنیا میں دو شوہر تھے اور وہ دونوں مر گئے اور جنتی ہوئے۔ وہ عورت کس کو ملے گی۔ آپ نے فرمایا لاحسنھا خلقا کان عندھا فی الدنیا یا امر حبیبنہ ذھب حسن خلق بخیری الدنیا والاخرۃ دنیا میں اس کے ساتھ جو زیادہ خوش خلق رہا ہو گا اے ام حبیبہ حسن خلق تمام برکت دنیا اور آخرت کی لے گیا ہے۔

حدیث: فرمایا المسلم المسد دلیلدرک درجتہ الصائم القائم بحسن خلقہ وکرم مرتبتہ وہ مسلمان جس کو اللہ توفیق دیتا ہے اپنے حسن خلق اور طبیعت کے کرم سے روزہ دار اور شب بیدار کا مرتبہ پاتا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے الظمآن فی الھوا جر جیسے پیاسے کو دوپہر کے وقت پانی کا ملنا۔

حدیث: حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کی خدمت میں تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے رات کو عجیب خواب دیکھا ہے وہ یہ کہ میری امت میں سے ایک شخص دو زانو بیٹھا ہے اور اس کے اور

اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب ہے۔ اتنے میں حسن خلق آیا اور اس کو اللہ کے سامنے کر دیا۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ سے روایت کرتے ہیں کہ بعض لوگ عبادت میں کمزور ہوتے ہیں مگر اپنے حسن خلق کی وجہ سے اشرف منازل اور بڑے بڑے درجات آخرت پائیں گے۔

حدیث: روایت میں ہے ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ کی خدمت میں کچھ قریش کی عورتیں جمع تھیں اور آپ سے زور زور سے باتیں کر رہی تھیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی جلدی سے پردے میں چلی گئیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو ہنستے ہوئے پایا۔ آپ کے ہنسنے کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے ان عورتوں کی بات پر ہنسی آئی جو میرے پاس تھیں کہ جب تمہاری آواز سنی تو فوراً پردہ کرلیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضرت آپ ہیبت کے زیادہ مستحق ہیں۔ پھر عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا بے وقوفو! مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ ﷺ سے نہیں ڈرتیں۔ انہوں نے جواب دیا ہاں تمہارا خوف ہے کیونکہ تم آنحضرت ﷺ کی بہ نسبت سخت مزاج ہو۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا یا ابن الخطاب والذی نفسی بیدہ مالقیک الشیطٰن قط سالکًا فجًا الا سلک فجًا غیر فجک اے ابن خطاب قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ جب شیطان کسی راہ پر تجھے چلتا دیکھتا ہے وہ تیرا راستہ چھوڑ کر دوسری راہ پر جاتا ہے۔

حدیث: ایک حدیث میں ہے سوء الخلق ذنب لا یغفر وسوء الظن تفوح بد خلقی ایسا گناہ ہے کہ بخشا نہ جائے گا اور بدگمانی ایک گناہ ہے کہ اس سے اور پیدا ہوتے ہیں۔

حدیث: فرمایا ان العبد لیبلغ من سوء خلقہ اسفل درک جہنم بندہ اپنی بد خلقی سے سب سے نیچے درجے دوزخ میں پہنچ جاتا ہے۔

اقوال مشائخ حضرت لقمان حکیم رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے بیٹے نے پوچھا انسان میں کون سی خصلت اچھی ہے فرمایا کہ دین۔ اس نے پوچھا کہ اگر دو ہوں تو کون سے ہوں۔ فرمایا کہ دین اور مال پوچھا کہ اگر تین ہوں۔ فرمایا کہ دین اور مال اور حیا۔ پوچھا کہ اگر چار ہوں فرمایا کہ دین اور مال اور حیا اور حسن خلق۔ پوچھا کہ اگر پانچ ہوں تو فرمایا کہ دین اور مال اور حیا اور حسن خلق اور سخاوت۔ پوچھا کہ اگر چھ ہوں۔ ارشاد فرمایا کہ بیٹا پانچ ہی خصلتوں کے جمع ہونے سے کامل متقی اور اللہ کا ولی اور شیطان سے بری ہو جاتا ہے۔ زیادہ کی کیا حاجت ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی بد خلقی کرتا ہے وہ اپنی جان کو ستاتا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان اپنے حسن خلق کی وجہ سے جنت کے اعلیٰ درجے کو پہنچتا ہے۔ اگرچہ عبادت نہ کرتا ہو اور بد خلقی کی وجہ سے اسفل طبقہ جہنم کو پہنچ جاتا ہے۔ اگرچہ عابد ہو۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حسن خلق روزی کا خزانہ ہے۔ حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدانسان پھوٹے

گھڑے کی مثال ہے کہ جڑ نہ سکے۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بدکار خوش خلق میرے ساتھ رہے اس سے بہتر ہے کہ عابد اور بد خلق ہو۔

حکایت: (ا) ایک دفعہ ایک بد خلق حضرت ابن المبارک رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر میں ہوگیا۔ آپ اس کی بہت سی مدارات اور نازبرداری کرتے۔ جب وہ علیحدہ ہوگیا تو رونے لگے۔ لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو اس پر رحم آیا میں تو اس سے علیحدہ ہوگیا مگر اس کا خلق بد اس کے ساتھ ہی رہا۔ وہ اس سے جدا نہ ہوا۔ حضرت جنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چار باتیں انسان میں ایسی ہیں کہ گو عمل و علم کم ہو تب بھی اعلیٰ درجات مل جاتے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ حلم، تواضع، سخاوت، حسن خلق اور کمال ایمان حسن خلق سے ہوتا ہے۔ حضرت کنانی علیہ الرحمۃ کا قول ہے تصوف خلق کا نام ہے جو کوئی کسی میں خلق زیادہ کردے۔ اس نے گویا اس کے تصوف کو زیادہ کردیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں سے اخلاق کے ساتھ ملو اور اعمال کی وجہ سے ان سے علیحدہ رہو۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بد خلقی ایسی بلا ہے کہ اس کے ہوتے حسنات کی کثرت سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا اور خوش خلقی ایسی خوبی ہے کہ اس کے ہوتے برائیوں کی کثرت سے کچھ ضرر نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا کہ کرم کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات 13)

ترجمہ کنزالایمان: بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ پوچھا کہ حسب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو خوش خلق زیادہ وہی خوش حسب زیادہ ہے۔ تمام بزرگوں کے اقوال متفق ہیں کہ عمارت بنا پر موقوف ہے اور بنائے اسلام حسن خلق ہے۔ ابن عطاء کا قول ہے کہ جسے کوئی اشرف رتبہ حاصل ہوا ہے تو صرف حسن خلق کی وجہ سے اور کوئی آدمی اس کے کمال کو بغیر حضور ﷺ کے نہیں پہنچا۔ اخلاق میں زیادہ مقرب اللہ وہی ہیں جو خوش خلقی میں حضور ﷺ کے نقش قدم پر ہیں۔

حقیقت خوش خلقی اور بد خلقی: علماء کرام نے خوش خلقی کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے مگر اس کی حقیقت کے بیان کا تعرض کسی نے نہیں کیا۔ فقط اس کے ثمرات اور نتائج لکھے ہیں۔ وہ بھی پورے نہیں لکھے بلکہ جس کی سمجھ میں جو آیا وہ ثمرہ لکھ دیا۔ اس کی حد اور ماہیت اور بیان ثمرات کا مفصل بیان کسی نے نہیں لکھا۔ بعض اقوال بعض بزرگوں کے نقل کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خوش خلقی ایسی عبادت ہے کہ کشادہ پیشانی رہے اور دولت خرچ کرے اور ایذا سے بار رہے۔ واسطی کا قول ہے کہ حسن خلق یہ ہے کہ افلاس اور دولت میں خلق اللہ کو راضی رکھے۔ حضرت شاہ کریانی رحمتہ اللہ کہتے ہیں کہ ایذا سے باز رہنا اور مشقتوں کا سہنا۔ بعض کا قول ہے کہ لوگوں سے قریب رہنا لیکن ان میں اجنبی بن کر۔ حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا نام خوش خلقی ہے۔ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے خوش خلقی کے متعلق پوچھا تو جواب دیا کہ ادنیٰ یہ ہے کہ بردباری کرے اور انتقام نہ لے بلکہ ظالم پر رحم اور شفقت کرے اور اس کے لیے مغفرت مانگے اور ان کا دوسرا قول ہے کہ رزق کے متعلق اللہ سے بدگمان نہ ہو

اس پر اعتماد کرے اور جس چیز کا وہ ضامن ہوا ہے اس کے ایفائے وعدہ پر ساکت رہے۔ اور حقوق اللہ اور حقوق العباد میں اس کی بے فرمانی نہ کرے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ خوش خلقی تین چیزوں میں ہے۔ محرمات سے بچنا اور حلال روزی تلاش کرنا اور عیال پر زیادہ خرچ نہ کرنا۔ حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خوش خلقی یہ ہے کہ حق معلوم ہونے کے بعد لوگوں کے ظلم سے متاثر نہ ہو۔ حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی طرف ہمت نہ کرنے کا نام خوش خلقی ہے۔ اسی طرح کے بہت سے اقوال ہیں مگر ان سب میں ثمرات خوش خلقی کا ذکر ہے۔ خود اس کا ذکر نہیں۔ علاوہ ازیں ثمرات بھی تمام مذکور نہیں ہیں۔ بنا بریں حقیقت امر بیان کرنا ان اقوال کے نقل سے بہتر معلوم ہوتا ہے۔

حقیقت خوش خلقی: خلق اور خلق دو لفظ ہیں کہ ایک ہی ساتھ مستعمل ہیں یعنی اس طرح بولتے ہیں کہ فلاں شخص خوش خلق اور خوش خلق ہے یعنی حسن ظاہری اور باطنی دونوں رکھتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خلق سے صورت ظاہری مراد ہوتی ہے۔ (1) اور خلق سے صورت باطنی کیونکہ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے۔ (1) بدن جو آنکھ سے محجوب ہوتا ہے۔ (2) روح یعنی نفس جو بصیرت اور عقل سے معلوم ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک صورت ہوتی ہے۔ اچھی یا بری اور نفس جو عقل کی آنکھ سے محسوس ہوتا ہے۔ قدر و منزلت میں جسم سے بڑھ کر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو اپنی طرف منسوب کیا تاکہ اس کی عظمت معلوم ہو فرمایا کہ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ (ص 71) ترجمہ کنزالایمان: جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں مٹی سے انسان بناؤں گا پھر جب میں اسے ٹھیک بنالوں اور اس میں اپنی طرف کی روح پھونکوں تو تم اس کے لئے سجدے میں گرنا۔

فائدہ: اس آیت میں واضح ارشاد ہے کہ جسم منسوب ہے مٹی کی طرف اور روح منسوب ہے اللہ کی طرف اور روح اور نفس اس جگہ ایک ہی ہیں۔

خلق کی تعریف: خلق وہ ہیئت راسخہ ہے نفس میں جس سے افعال با آسانی بلا فکر و تامل صادر ہوں۔ پس اگر یہ ہیئت ایسی ہے کہ اس سے ایسے افعال صادر ہوں جو عقلاً اور شرعاً عمدہ ہیں تو اس ہیئت کا نام حسن خلق ہے اور اگر اس سے برے افعال صادر ہوں تو اس ہیئت کا نام خلق بد ہے۔[1]

فوائد قیود راسخ اور ثابت فی النفس کی قید اس لیے ہے کہ اگر کوئی شخص اتفاقاً کسی ضرورت میں بہت مال و دولت

نانوتوی مذاق العارفین نے صحب (ماضی) کو المبارک کا بیٹا بنا دیا۔ اصل عبارت حضرت امام غزالی قدس سرہ کی یوں ہے۔ صحب ابن المبارک وجلا" الخ نانوتوی نے ترجمہ کیا۔ صحب بن المبارک سے منقول ہے الخ یہ دیو بندی ٹولہ کا امام ہے۔ جب ان کے اماموں کا یہ حال ہے تو مقتدیوں کا کیا حال ہوگا۔ گر ہمیں است مکتب وملا کا اطفلان تمام خواہوش (اویسی غفرلہ)

1۔ اس کی بہترین تحقیق فقیر کی شرح حدائق میں دیکھئے۔ (اویسی غفرلہ)

خرچ کر ڈالے تو اس کا خلق سخاوت نہ کہلائے گا جب تک کہ یہ بات اس کے دل میں نہ جم جائے اور بلا تامل کی قید صدور افعال میں اس لیے کہ اگر کوئی بڑی فکر و تامل سے بہ تکلف مال خرچ کرے یا اپنے غصہ کو فرو کرے تو اس کا خلق سخاوت اور حلم نہ ہو گا۔

فائدہ: یہاں چار باتیں ہیں۔ (1) فعل اچھا یا برا۔ (2) اس پر قادر ہونا۔ (3) اس کو پہچاننا۔ (4) نفس میں ایسی صورت ہو جس سے کہ اسے دونوں طرف میں سے ایک کی طرف رغبت ہو یعنی حسن و قبح میں سے ایک۔ اس پر آسان ہو جائے۔ خلق صرف فعل کا نام نہیں کیونکہ بہت سے آدمی خلق سخا رکھتے ہیں مگر مفلسی یا کسی اور مانع کی وجہ سے خرچ کرنے سے معذور ہیں۔ ایسے کہ خلق بخل رکھتے ہیں مگر ریا وغیرہ کی وجہ سے خرچ کرتے ہیں۔ نیز خلق ملکہ کا نام بھی نہیں اس لیے کہ ملکہ کی نسبت سخاوٴ بخل بلکہ دیگر ضدیں کی طرف بھی یکساں ہیں اور ہر ایک انسان اپنی فطرت سے سخاوٴ بخل پر قدرت رکھتا ہے اس پر لازم نہیں آتا کہ خلق بخل اور خلق سخاوت اس میں ہو اور صرف معرفت یعنی پہچاننا بھی خلق نہیں کیونکہ معرفت بھی مثل ملکہ اور قدرت کے اچھے برے سب کے ساتھ متعلق ہو سکتی ہے تو اب چوتھی بات رہی یعنی وہ ہیئت کہ جس سے نفس صدور بخل یا سخاوت پر مستعد ہوتا ہے تو خلق اسی نفس کی ہیئت اور صورت باطنی کا نام ہے اور جس طرح کہ حسن ظاہری صرف ایک عضو مثلاً آنکھوں کے اچھا ہونے سے کامل نہیں ہوتا بلکہ ناک چہرہ اور رخسار سب کے عمدہ ہونے سے حسن ظاہری کامل ہوتا اس طرح باطن کے حسن کے لیے بھی چار ارکان ہیں جب ان میں حسن ہوگا تو خوش خلقی پوری ہوگی۔ یعنی جب وہ چاروں ارکان درجہ اعتدال پر متناسب رہیں گے تو خوش خلق کہلائے گا۔ وہ چار ارکان یہ ہیں (1) قوت (2) علم قوت (3) غضب قوت (4) شہوت قوت عدل یعنی پہلی تینوں قوتوں کو اعتدال پر رکھنے کی طاقت (1) قوت علم کی خوبی تو یہ ہے کہ انسان اس کی وجہ سے اقوال کا صدق اور کذب اور اعتقادات میں حق و باطل اور اعمال میں اچھا اور برا جان لے۔ پس جب قوت علم اس طرح ہو جائے گی تو اس کا ثمرہ حکمت حاصل ہوگا۔ تمام اخلاق عمدہ میں اصل ہے اور جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (البقرہ 269) ترجمہ کنزالایمان: اللہ حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی۔ قوت غضب اور شہوت کی خوبی یہ ہے کہ دونوں حکمت کے موافق ہوں۔ اس کے اشارہ پر چلیں یعنی جس بات کو عقل اور شرع تجویز کرے ویسا ہی عمل کریں۔ قوت عدل سے یہ مراد ہے کہ غضب اور شہوت کو عقل اور شرع کے پابند کر دینے کی قدرت ہو۔ پس عقل کو مثل مشیر ناصح کے سمجھنا چاہئے اور قوت عدل یعنی قدرت کو ایسا جاننا چاہئے کہ یہ اشارہ عقل کی تعمیل کرنے والی ہے اور غضب وہ چیز ہے جس میں اشارہ تعمیل مد نظر ہے۔ اس کو بمنزلہ شکاری کتے کے تصور کرنا چاہئے جیسے تعمیل کی حاجت ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ چھوٹنا اور ٹھہرنا سب اشارہ پر ہو۔ اپنی خواہش نفس کے ابھار سے نہ ہو اور شہوت کو مثل گھوڑے کے جاننا چاہئے جس پر شکار کی تلاش میں سوار ہوتے ہیں اور وہ کبھی تو مودب اور عادی ہوتا ہے۔ کبھی سرکش اور شریر ہوتا

ہے۔ خلاصہ یہ کہ جس میں یہ چاروں رکن درجہ اعتدال پر ہوں گے تو وہ خوش خلق مطلق کہلائے گا اور جس میں صرف ایک یا دو اعتدال پر ہوں گی تو صرف اسی اعتبار سے خوش خلق ہوگا جیسے کسی کے چہرہ میں بعض چیزیں اچھی ہوں تو اتنی ہی چیزوں کو اچھا کہیں گے۔ پورا خوبصورت نہیں کہلائے گا۔ اب قوت غضبی کے اعتدال اور حسن کا نام شجاعت اور قوت اور شہوت کے حسن و اعتدال کا نام عفت ہے۔ قوت شہوت زیادہ ہوگی تو اس کا نام تہور ہے۔ اگر کم ہوگی تو نامردی اور ذلت کہلائے گی اور قوت شہوت زیادہ ہونے کی صورت میں شرہ اور حرص بولی جاتی ہے اور کمی کی صورت میں جمود یعنی بستگی طبیعت نام ہے اور نام میں فضیلت اور عمدگی اوسط درجہ ہے۔ دونوں طرفین کی کمی یا زیادتی مذموم اور ذلیل ہیں اور قوت عدل میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ اس کی ضد صرف ظلم ہے کہ جب عدل نہ ہو تو ظلم ہوگا اور قوت علمیہ کا حسن و اعتدال یعنی حکمت اگر اس کی زیادتی خراب مطالب میں واقع ہو تو اس کا نام مکرو فریب ہوتا ہے اور کمی کی صورت میں بے وقوفی کہلاتی ہے اور درجہ اوسط کا نام حکمت ہے۔

فائدہ: اس تمام بیان سے معلوم ہوا کہ اخلاق کی اصل چار چیزیں ہیں۔ شجاعت۔ حکمت اور عفت اور عدل حکم سے ہماری مراد نفس کی وہ حالت ہے کہ جس سے تمام احوال اختیاری میں صحت اور غلطی کو معلوم کرے اور عدل سے مراد نفس کی وہ حالت ہے کہ جس سے کہ غضب اور شہوت کو قابو میں رکھے اور ان کا چھوٹنا اور روکنا مقتضائے حکمت کے موافق ہو اور شجاعت سے مراد یہ ہے کہ غضب عقل کا زیر فرمان ہو جہاں وہ اقدام عمل کرنے کا کہے وہ عمل کرے اور عفت سے مراد یہ ہے کہ قوت شہوت عقل کی تادیب کے مطابق کار بند ہو۔ ان چاروں اصول کے اعتدال کی وجہ سے تمام اخلاق عمدہ پیدا ہوتے ہیں اور افراط و تفریط سے اخلاق بد ہوتے ہیں مثلاً قوت عقلی کے اعتدال سے یہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں حسن تدبیر اور تیزی ذہن اور رائے صائب اور دقائق اعمال اور آفات اور بعض کے مخفی آفات معلوم کرنا وغیرہ اور اس کی زیادتی سے مکرو فریب اور حقد اور خبث باطن پیدا ہوتے ہیں اور کم ہونے سے ناتجربہ کاری اور بے شعوری اور حماقت اور جنوں پیدا ہوتے ہیں۔ ناتجربہ کاری سے مراد یہ ہے کہ باوجود سلامتی تخیل کے تجربہ نہ ہو۔ جیسے بعض لوگ ایک بات میں ہوشیار ہوتے ہیں اور دوسری میں جاہل اور احمق اور جنون میں یہ فرق ہے کہ احمق کا مقصود تو صحیح ہوتا ہے مگر اس تک پہنچنے کا راستہ اسے معلوم نہیں ہوتا اور یہ نہیں جانتا کہ کس طریق سے غرض تک پہنچوں گا تو اس کا طریق فاسد ہوتا ہے اور جنون یہ ہے کہ جو بات قابل اختیار نہیں ہے اسے اختیار کرے۔ اس کے اختیار میں سرے سے فساد ہوتا ہے۔ مقصود ہی صحیح نہیں ہوتا اور قوت غضبی کے اعتدال یعنی خلق شجاعت سے یہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ کرم' دلیری' شہامت' کسر نفس' حلم استقلال غصہ پینا وقار وغیرہ اور یہ تمام باتیں اچھی ہیں اور اس کی زیادتی یعنی تہور سے کبر اور شیخی اور غصہ سے جل اٹھنا اور عجب وغیرہ صادر ہوتے ہیں اور اس کی کمی یعنی نامرادی سے خواری اور ذلت اور خوف اور خست اور پست حوصلگی اور واجبی بات سے انقباض صادر ہوتے ہیں اور اعتدال قوت یعنی عفت سے یہ افعال صادر ہوتے ہیں۔ سخاوت حیا' صبر' چشم پوشی' قناعت'

پرہیزگاری' لطافت' حوصلہ ، قلت طمع اور اس کی کمی بیشی کی صورت میں یہ باتیں صادر ہوتی ہیں۔ حرص ، بے حیائی' خبث اسراف گھر والوں پر کم خرچ کرنا یا بے حرمتی فحش لغو خوشامد' حسد' شماتت' دولت مندوں میں ذلیل بننا فقیروں کو حقیر جاننا وغیرہ کہ محاسن اخلاق کے اصول میں چاروں چیزیں یعنی حکمت و شجاعت اور عفت و عدل ہیں اور باقی چیزیں ان کے فروغ ہیں اور ان چاروں کا کمال اعتدال پر ہونا سوائے رسول اکرم ﷺ کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوا اور آپ ﷺ کے بعد لوگوں میں تفاوت ہے جو شخص ان تمام اخلاق میں آپ سے قریب ہے وہ اسی قدر اللہ تعالیٰ کے قریب ہے اور جو بعید ہے وہ بعید ہے اور جو شخص ان تمام اخلاق کا جامع ہو وہ اس کا مستحق ہے کہ مرجع کل ہو اور لوگ اس کی اطاعت اور اقتدا کریں بلکہ تمام افعال میں اس کی پیروی کریں اور جو کوئی ان میں سے کسی بات کے ساتھ متصف نہ ہو بلکہ اس کی تمام اضداد کا جامع ہو وہ اس کے لائق ہے کہ شہروں میں سے نکال دیا جائے کیونکہ وہ شیطان رجیم سے قریب ہوگیا ہے تو چاہیے کہ شیطان کی طرح اس سے بھی علیحدگی کی جائے۔ جیسا کہ پہلا شخص مقرب فرشتہ کے قریب ہوتا ہے تو وہ اسی بات کے لائق ہے کہ اس کی پیروی اور نزدیکی کی جائے کیونکہ رسول اکرم ﷺ اس لیے مبعوث ہوئے ہیں کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کریں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے اور قرآن مجید میں بھی مومنین کے اوصاف ہیں۔ ان اخلاق کی طرف اشارہ ہے فرمایا کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (الحجرات 15) ترجمہ کنزالایمان: ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک نہ کیا اور اپنے جان اور مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہی سچے ہیں۔ اللہ اور رسول (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) پر بے تردد ایمان لانا قوت یقین سے ہوتا ہے جو ثمرہ عقل اور منتہا متہا' حکمت ہے اور مجاہدہ مال سے کرنا سخاوت ہے جو قوت شہوت کو روکنے سے ہوتا ہے اور جہاد نفس کا نام شجاعت ہے جو شرائط عقل اور حد اعتدال کے مطابق استعمال قوت غضبی سے ہوتی ہے اور صحابہ کی تعریف میں اس طرح ارشاد ہوا کہ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ (الفتح 29) ترجمہ کنزالایمان: کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ شدت اور رحمت جدا جدا مقامات پر ہوتے اس سے معلوم ہوا کہ نہ ہر حال میں شدت کرنے سے کمال ہے نہ رحمت کرنے میں (یہ حقیقت خلق اور اس کے حسن و قبح اور ارکان اور ثمرات اور فروغ کا بیان)

ریاضت سے اخلاق تبدیل ہوتے ہیں یا نہیں: یاد رہے کہ جن پر اعتقاد باطل کا غلبہ ہے ان پر مجاہدہ اور ریاضت تزکیہ نفس کے لیے شاق ہے۔ ان کا نفس اسباب کو گوارا نہیں کرتا کہ تزکیہ نفس باوجود نقصان اور خبث باطن کے ہم سے ہو سکے تو اس قسم کے لوگوں کا یہ قول ہے کہ اخلاق میں تغیر ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ طبیعت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی اور اس دعویٰ کی دو وجوہات بیان کی ہیں۔ (۱) خلق صورت باطن کا نام ہے جیسے کہ خلق صورت ظاہری کو کہتے ہیں لیکن صورت ظاہری کی تبدیلی ممکن نہیں مثلاً بونا آدمی اپنے قد کو بڑھا نہیں سکتا نہ بڑے قد والا

چھوٹا ہو سکتا ہے اور نہ بدصورت خوب صورت بن سکتا ہے اور نہ اس کا برعکس ممکن پس باطن کی برائی کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔ (2) حسن خلق سے شہوت اور غضب کا استیصال مراد ہے مگر ہم نے جو طول مجاہدہ سے امتحان کیا تو معلوم ہوا کہ یہ چیزیں مزاج اور طبیعت کے اقتضا سے ہوتی ہیں اور کبھی منقطع نہیں ہوتیں پس اس کے درپے ہونا بے فائدہ عمر کا ضائع کرنا ہے کیونکہ غرض تزکیہ نفس سے یہ ہے کہ قلب کا التفات لذات فانی کی طرف رہے اور اس کا وجود محال ہے۔

وجوہ بالا کی تردید از حضرت امام غزالی قدس سرہ: وجہ اول کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اگر اخلاق میں تغیر ممکن نہ ہوتا تو وعظ و نصیحت اور تادیب سب فضول ہوں اور حضور ﷺ یہ کیوں فرماتے کہ حسنو اخلاقکم اپنے اخلاق کو اچھے کرو

فائدہ: انسان تو درکنار یہ جانوروں میں بھی ممکن ہے مثلاً باز کی وحشت کیسے انس کے ساتھ بدل جاتی ہے۔ شکاری کتا کیسے تعلیم سے مؤدب ہو جاتا ہے کہ شکار کو صرف پکڑتا ہے کھانے کی حرص ہرگز نہیں کرتا۔ گھوڑا سرکش ہونے کے باوجود مطیع اور فرمانبردار بن جاتا ہے۔ یہ اخلاق کا تغیر نہیں تو اور کیا ہے۔ اس کے متعلق قانون یہ ہے کہ موجودات میں سے بعض اشیاء تو ایسی ہیں کہ جن کا وجود کامل ہے اور جن باتوں کی اس میں ضرورت تھی وہ ہو چکی۔ اب انسان کے اختیار سے اس میں کچھ نہیں ہو سکتا جیسے آسمان اور ستارے اور اعضاء ظاہری و باطنی انسان یا حیوان کے اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا وجود ناقص ہے مگر کامل ہونے کی استعداد ان میں موجود ہے۔ اگر شرائط کمال پائے جائیں تو وہ درجہ کمال کو پہنچ جائیں۔ وہ شرائط کبھی انسان کے اختیار میں ہوتی ہیں۔ مثلاً آم کی گٹھلی نہ تو پھل ہے نہ پیڑ ہے مگر اس کی تخلیق اس طرح ہے کہ پیڑ ہو سکتی ہے بشرطیکہ معمولی محنت کی جائے۔ اگر اس کی گٹھلی کو پھل بنانا چاہیں تو ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ اس کی استعداد اسمیں نہیں جب گٹھلی انسان کے تصرف سے متاثر ہوتی ہے کہ ایک حال سے دوسرے میں بدل جاتی ہے تو غضب اور شہوت اگر متغیر ہو جائیں تو کیا بعید ہے۔ ہاں ان کا اسی طرح پر جڑ سے کٹ جانا کہ بالکل اثر نہ رہے اس پر ہمارا قابو نہیں مگر ان کا دبا دینا اور ریاضت اور مجاہدہ سے اپنے قابو میں رکھنا یہ ہو سکتا ہے اور اسی کا ہمیں حکم بھی ہے اور یہی ہماری نجات اور وصول الی اللہ کا سبب ہیں۔

فائدہ: طبائع مختلف ہیں کہ بعض جلد متاثر ہوتی ہیں۔ بعض دیر سے۔ دراصل ان کے اخلاق کے دو سبب ہیں۔ (1) جسے بدلنا مقصود ہے اس کا وجود دیرپا ہونا وجود اس شے کا جس کا بدلنا یعنی اصل پیدائش سے اس کے ساتھ ہے۔ مثلاً شہوت اور غضب اور تکبر ہر انسان میں موجود ہیں مگر سب سے زیادہ مشکل بدلنا شہوت کا ہے کیونکہ یہ شروع پیدائش سے ساتھ ہی ہوتی ہے چنانچہ بچپن سے بچے کو خواہش ہوتی ہے اور غصہ اکثر سات سال کی عمر میں پیدا ہوتا ہے اور اس کے بعد قوت تمیز عنایت ہوتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ خلق یعنی عادت کبھی کثرت عمل سے بھی مضبوط ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ اپنی عادت کے مقتضا پر موافق کام کرتے ہیں اور اس کی اطاعت میں سرگرم رہتے ہیں اور کسی کو

پسندیدہ اور عمدہ سمجھتے ہیں اوراس کے متعلق لوگوں کے چار درجات ہیں۔ (1) انسان پیدا ہو کر جوں کا توں رہے۔ حق و باطل اور اچھے برے کی تمیز نہ کر سکے۔ تمام اعتقاد سے غافل اور خالی ہو اور اتباع لذات سے شہوت بھی کامل ہو تو ایسے شخص کا علاج جلد ہو سکتا ہے اس کے لیے صرف ایک استاد اور مرشد کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے نفس میں تہذیب کا سبب مجاہدہ ہے۔ تھوڑے دنوں میں ایسے شخص کا خلق درست ہو جاتا ہے۔ (2) عمل بد کو تو جانتا ہے مگر عمل صالح کا عادی نہیں۔ عمل بدہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اس امر میں اپنی شہوت کا تابع ہے اور رائے صواب سے منحرف تاہم اپنے عمل کے قصور سے واقف ہے تو ایسے شخص کا راہ راست پر آنا پہلے کی بہ نسبت سخت ہے کیونکہ اس میں دو باتوں کی ضرورت پڑیگی (1) عمل کی عادت کا ترک (2) اعمال صالحہ کی عادت ڈالنا۔ بہر حال ایسا شخص بھی قابل تاثیر ہے۔ اگر ریاضت میں خوب اچھی طرح مستعد ہو۔ (3) اخلاق کے متعلق اسے یہ اعتقاد ہو کہ یہ بہت اچھے ہیں اور ان کا کرنا واجب ہے۔ انہیں پر اس کی پرورش بھی ہوتی ہو تو ایسے آدمی کا علاج گویا محال ہے اور اس کی اصلاح کی توقع نہیں کیونکہ گمراہی کے اسباب کی کثرت ہے۔ (4) باوجود رائے فاسد پر نشو ونما پانے اور اعمال بد پر پرورش پانے کے یہ بھی ہو کہ بہت سے شر کے ارتکاب اور لوگوں کے تباہ کرنے کو باعث فضیلت اور فخر جانتا ہو اور خیال کرتا ہو کہ ہماری عزت اسی میں ہے یہ درجہ سب میں سخت تر ہے۔ اس پر عربی مقولہ ہے۔ من العناء ریاضة الھرم ومن التعذیب تھذیب الذئیب بڑھاپے میں ریاضت مشکل کام ہے۔ بھیڑیئے کو تہذیب میں لانا دشوار امر ہے۔

فائدہ: ان چاروں میں اول تو جاہل محض ہے اور دوسرا جاہل گمراہ ہے۔ تیسرا جاہل و فاسق گمراہ ہے۔ چوتھا جاہل و گمراہ و فاسق شریر ہے۔

وجہ دوم کے جوابات: یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ حسن خلق سے شہوت و غضب کا استحصال ہوتا ہے اور یہ انسان میں پایا جانا محال ہے تو گویا ان کو یہ خیال ہوا کہ حسن خلق سے یہ صفات مٹ جاتے ہیں حالانکہ یہ مراد نہیں بلکہ شہوت تو ایک فائدہ کے لیے پیدا ہوئی ہے۔ خلقت انسانی میں اس کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر بالفرض شہوت کھانے کی نہ رہے تو آدمی ہلاک ہو جائے یا شہوت جماع نہ رہے تو نسل منقطع ہو۔ اسی طرح غضب اگر بالکل مٹ جائے تو مہلک اشیاء کو آدمی دفع نہ کر سکے اور خود تباہ ہو جائے۔ اگر اصل شہوت باقی ہے تو حب مال جو شہوت تک پہنچاتی ہے وہ بھی باقی رہ کر بخل کی ترغیب دے گی اور اس کا بالکل نیست و نابود کرنا غرض نہیں بلکہ مطلوب ہے کہ افراط و تفریط کو چھوڑ کر اعتدال پر آجائے علیٰ ہذا القیاس غضب میں یہ مقصود ہے کہ تہورا اور بزدلی سے مٹ کر حسن جمعیت کا پابند ہو اور اس کو عقل کا تابع فرمان کر دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح 29) ترجمہ کنزالایمان: کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔

فائدہ: صحابہ اکرام کا وصف شدت (غضب سے صادر ہوتی ہے) اگر بالکل جاتا رہے تو جہاد بھی منقطع ہو جائے اور غضب

اور شہوت کے بالکل منقطع ہو جانے کا کوئی کیسے دعویٰ کر سکتا ہے جبکہ انبیاء علیہم السلام سے بھی یہ صفات منقطع نہیں ہوتیں۔ حدیث شریف میں ہے انما انا بشرًا غضب کما یغضب البشر بشر ہوں غصہ کرتا ہوں۔ جیسے آدمی غصہ کرتا ہے۔ (ا) جب کوئی بات آپ کے سامنے خلاف مرضی بیان ہوتی تو ایسے غصہ ہوتے کے رخسار مبارک سرخ پڑ جاتے مگر حق بات فرماتے یعنی آپ کا غصہ بھی آپ کو احاطہ حق سے باہر نہیں جانے دیتا تھا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ط (آل عمران 134) ترجمہ کنزالایمان: اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے

فائدہ: اس میں ایسے لوگوں کی صفت ہے جو غصہ میں ہوتے ہیں مگر اسے دبا لیتے ہیں یہ نہیں فرمایا کہ ان میں غصہ بالکل نہیں۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ غضب اور شہوت کا حد اعتدال پر آنا اس طرح کہ کوئی ان میں سے عقل پر غالب نہ ہو بلکہ عقل ہی کے قابو میں رہیں۔ ممکن ہے اور تبدیل خلق سے بھی یہی مراد ہے اس لیے کہ بعض اوقات آدمی پر شہوت ایسا زور کرتی ہے کہ پھر عقل سے کچھ نہیں ہو سکتا مگر ریاضت سے اس کا حد اعتدال پر آنا ممکن ہے۔ امتحان اور تجربہ سے یہ بات ایسی ظاہر ہوتی ہے کہ اس میں کسی کو شک نہیں رہتا اور اس بات کی دلیل کہ اخلاق میں افراط و تفریط نہیں بلکہ درجہ اوسط مطلوب ہے یہ کہ اللہ تعالیٰ درجہ اوسط اخلاق ہی کی تعریف فرماتا ہے چنانچہ فرمایا وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا۔ (الفرقان 67) ترجمہ کنزالایمان: اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں نہ حد سے بڑھیں اور نہ تنگی کریں اور ان دونوں کے بیچ اعتدال پر رہیں۔

فائدہ: اس میں سخاوت کی طرف اشارہ ہے جو اسراف و کمی کے درمیان ہے اور فرمایا وَلَا تَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبْسُطْھَا کُلَّ الْبَسْطِ (بنی اسرائیل 29) ترجمہ کنزالایمان: اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ پورا کھول دے کہ تو بیٹھ رہے۔

فائدہ: اسی طرح شہوت طعام میں اعتدال مطلوب ہے۔ حرص اور بستگی طبع ناپسند ہے جیسا کہ فرمایا کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ۔ اور غضب کے متعلق فرمایا اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (الفتح 29) ترجمہ کنزالایمان: (الخ) اور حدیث شریف میں ہے خیر الامور اوسطھا تمام امور میں بہتر درمیان کی چیز ہیں۔

(ا) یہ حدیث پڑھ کر منکرین کہتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمارے جیسے بشر ہی تو ہیں۔ ہم کہتے ہیں بشریت کا انکار ہمیں نہیں لیکن اپنے جیسا سمجھنا گمراہی ہے۔ اسی حدیث شریف میں حضور ﷺ نے اپنی بشریت کا اظہار کر کے آگے تعلیم امت فرمائی ہے۔ کہ میرے غضب کی طرح تمہارا غضب ہو کہ نفسانیت پر نہ ہو۔ صرف رضاء الٰہی پر ہو۔ الحب فی اللّٰہ والبغض فی اللّٰہ کی تعلیم دی گئی ہے۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب البشریہ تعلیم الامہ میں پڑھے۔ (اویسی غفرلہ)

فائدہ: اوسط درجہ کے محمود ہونے میں ایک راز ہے وہ یہ کہ سعادت ہے اس میں کہ اس کا قلب عواض دیناوی سے سالم ہو جس کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (شعراء 89) ترجمہ کنزالایمان: مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامت دل لے کر۔ مگر جو شخص آیا اللہ کے پاس لے کر دل سالم اور بخل اور اسراف دونوں عوارض دنیاوی سے ہیں تو دل کو ان دونوں سے بچا رہنا چاہئے نہ جمع مال کی طرف متوجہ ہو اور نہ اس کے خرچ کرنے کی حرص ہو اس لیے کہ خرچ کرنے کی حرص ہوگی تو اس کا دل اس میں مشغول رہے گا۔ اگر بخل محبوب ہوگا وہ امساک میں اپنا دل مصروف رکھے گا تو کمال قلب اس میں ہوا کہ یہ دونوں وصف اس میں نہ ہوں اور چونکہ ارتفاع نقیض دنیا میں ہو نہیں سکتا تو ایسے امر کی طرف رجوع کرنا پڑا جو دونوں وصفوں کے نہ ہونے کے مشابہ اور ان سے علیحدہ ہو وہ درجہ اوسط میں دونوں وصف نہیں مثلاً گرم پانی کی اگر حرارت ختم ہو جائے اور ٹھنڈا بھی نہ ہونے پائے تو اس کو ٹھنڈا ہی کہتے ہیں نہ کہ گرم۔ یہی حال سخاوت کا ہے۔ درمیان اسراف اور کم خرچی کے اور شجاعت کے درمیان تہور اور بزدلی کے اور عفت کے درمیان حرص و بستگی کے درمیان تمام اخلاق کو اسی پر قیاس کرنا چاہئے کہ دونوں طرفین مذموم ہیں اور صرف اوسط درجہ مقصود ہے اور وہ ممکن ہے

فائدہ: استاد مرشد کو چاہئے کہ مرید شاگرد کو فرمائیں کہ غصہ بالکل نہ کرو اور مال ذرہ برابر بھی نہ رکھو اور ہمیشہ غضب اور امساک کی برائی ہی اس کے سامنے بیان کی جائے تاکہ دونوں چیزیں اوسط درجہ پر آجائیں ورنہ اس کو اگر ذرہ برابر بھی ان دونوں چیزوں کا اشارہ مل جائے گا تو اس کو بخل اور غضب کا ایک حیلہ ہو جائے گا جس قدر ان دونوں کا مرتکب ہوگا یہی سمجھے گا کہ اتنا مجھے اجازت ہوگئی ہے اس لیے اسے یہی فرمائے کہ ان دونوں کا استیصال کرو مگر یہ راز اس سے کہنے کا نہیں۔ احمقوں کو اس سے دھوکا ہو جاتا ہے اور وہ یہی تصور کرتے ہیں کہ ہمارا غضب اور بخل جائز ہیں۔

حسن اخلاق کے حصول کا طریقہ: پہلے بیان ہو چکا کہ حسن خلق سے قوت اعتدال عقل اور کمال حکمت اور اعتدال قوت غضب و شہوت اور ان کا تابع فرمان ہونا شرع اور عقل کو مطلوب ہے۔ پس یہ بات دو وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ (۱) عطائے الٰہی سے کہ انسان ابتدائے تخلیق سے کامل العقل خوش خلق پیدا ہو اور شہوت و غضب کو اس پر غلبہ نہ ہو بلکہ یہ دونوں عقل و شرع کے تابع فرمان ہیں تو ایسا شخص بلا تعلیم عالم ہو جاتا ہے اور بلا تادیب مودب جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضور سید الاولین والآخرین ﷺ اجمعین اور جملہ انبیاء علیہم السلام اور یہ ناممکن بھی نہیں کہ آدمی کی پیدائش اور فطرت میں وہ بات ہو جو اکتساب سے حاصل ہوتی ہے۔ بعض بچے شروع ہی سے سخی اور جری اور اچھی عادات پر پیدا ہوتے ہیں اور بعض ان کے برعکس ہوتے ہیں۔ پھر لوگوں میں ملے جلے رہنے سے نیک اخلاق حاصل ہوتے ہیں۔ کبھی سیکھنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ (2) ان اخلاق کو مجاہدہ اور ریاضت سے حاصل کرنا یعنی نفس سے ایسے کام لینا جن سے حسن خلق حاصل ہو جائے۔ مثلاً جو شخص خلق سخاوت چاہے اس کا

طریقہ یہ ہے کہ بتکلف اہل سخاوت کا فعل یعنی بذل مال اختیار کرے اور ہمیشہ اپنے نفس پر زور دے کر یہ کام لیتا رہے۔ یہاں تک کہ یہ کام اس کی عادت بن جائے اور طبیعت میں جم جائے تو اس طرح سے سخی ہو جائے گا اس طرح جو شخص خلق تواضع حاصل کرنا چاہے اور اس پر کبر غالب ہو اس کو چاہئے کہ پہلے عرصہ دراز تک اہل تواضع کے افعال پر بہ تکلف و مجاہدہ مواظبت کرے۔ یہاں تک وہ افعال اس پر آسان ہو کر اس کی عادت و طبیعت بن جائیں اور ایسے ہی جتنا اخلاق شرعاً عمدہ ہیں سب اسی طرح حاصل ہو سکتے ہیں اور اس کی انتہا یہ ہے کہ اس کام میں اسے لذت معلوم ہونے لگے مثلاً سخی اس کو کہیں گے کہ جو مال خرچ کرے اور اس میں اس کو لذت ہو۔ اگر خرچ کرتا ہے لیکن اسے برا معلوم ہوتا ہے تو سخی نہ ہوگا اسی طرح تواضع وہ ہوگا جسے تواضع میں مزہ ہو او راخلاق دینی نفس میں جب تک مکمل طور پر موثر نہیں ہوتے اس وقت تک نفس تمام بری عادتوں کو چھوڑ کر اچھی عادتوں کا عادی نہیں ہوتا اور افعال حسنہ پر اچھے لوگوں کی طرح مواظبت کرے اور اس سے لذت حاصل کرے اور افعال قبیحہ کو برا جان کر ان سے ایذا پائے حدیث شریف میں ہے کہ جعلت قرة عینی فی الصلوة رکھی گئی ہے۔ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے

فائدہ: جب تک عبادات کا بجالانا اور ممنوعات کا چھوڑنا برا معلوم ہوگا اور نفس پر شاق گزرے گا تب تک نقصان باقی رہے گا اور کمال سعادت کو نہ پہنچے گا ہاں امور میں مواظبت بہ نسبت نہ کرنے کے بہتر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۙ(البقرۃ 45) ترجمہ کنزالایمان: اور بے شک نماز ان پر ضرور بھاری ہے مگر ان پر نہیں جو دل سے میری طرف جھکتے ہیں۔ البتہ وہ بھاری ہے مگر ان پر جن کے دل خشوع کرنے والے اور حضور ﷺ نے فرمایا اعبداللہ الرضاء فان لم تستطع ففی الصبر علی تکرہ خیر کثیر اللہ تعالیٰ کی عبادت خوشی کی حالت میں کرو۔ اگر نہ کر سکے تو جو چیز تجھے ناگوار معلوم ہوتی ہے اس پر صبر کرنے میں بہت برکت ہے۔

فائدہ: سعادت کے حصول کے لیے یہ امر کافی نہیں کہ کبھی تو طاعت میں مزہ ہو اور نافرمانی بری معلوم ہو اور بعض اوقات ایسا نہ ہو بلکہ تمام عمر یہی بات ہونی چاہئے۔ اب جس قدر عمر زیادہ ہوگی یہ فضیلت زیادہ ہوگی۔ اسی لیے جب حضور ﷺ سے لوگوں نے سوال کیا کہ سعادت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا طول العمر فی طاعتہ اللہ عمر بھر اللہ کی طاعت میں ہونا اسی وجہ سے انبیاء و اولیاء موت کو برا سمجھتے تھے کیونکہ الدنیا مزرعتہ الاخرة دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

فائدہ: واقع ہے جس قدر طول عمر سے عبادات زیادہ ہوں گے اسی قدر ثواب زیادہ ہوگا اور نفس طاہر و اطہر بنے گا اور اخلاق قوی اور راسخ تر ہوں گے۔ علاوہ ازیں عبادات سے مقصود یہ ہے کہ ان کا اثر قلب پر ہو اور قلب پر تاثیر تب ہوتی ہے جب عبادات پر مواظبت اور مداومت کثرت سے ہو۔

فائدہ: اخلاق سے غرض یہ ہے کہ نفس سے دنیا کی محبت جاتی رہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اس میں مضبوط تر ہو جائے۔ یہاں تک کہ کوئی چیز اس کے نزدیک دیدار الٰہی سے محبوب تر نہ رہے۔ مال بھی ایسے کاموں میں خرچ کرے جن سے یہی مطلب حاصل ہو اور غضب و شہوت کو بھی یوں ہی لائے کہ جس سے وصال اللہ ہو اور ظاہر ہے کہ یہ اس صورت میں ہوگا کہ شرع اور عقل کے مطابق ہو۔ پھر اس طرح کے کاموں سے خوش ہو اور مزہ پائے۔ اگر کسی کو نماز میں راحت اور آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل ہو یا عبادات اچھی معلوم ہونی لگیں تو ناممکن نہیں عادت کی وجہ سے اس سے بھی زیادہ عجیب باتیں ہو جائیں مثلاً جواری مفلس جوئے میں کیسا خوش ہوتا اور مزہ پاتا ہے حالانکہ جس حال میں وہ ہے اگر دوسروں کو ہو تو جوئے کے بغیر ہی زندگی ناگوار ہو جائے۔ اس کے سوا جوئے کی وجہ سے تمام مال جاتا رہتا ہے۔ گھر خراب ہو جاتا ہے۔ پھر بھی جوئے کی محبت اور چسکا لگا رہتا ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ کھیلتے کھیلتے اس سے الفت ہوگئی - اسی طرح کبوتر باز دن بھر دھوپ میں کھڑا رہتا ہے۔ دھوپ کی گرمی محسوس نہیں کرتا اس لیے کہ کبوتروں کا اڑنا اور ان کی حرکات اور قلا بازیاں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ چوروں اور ڈاکوؤں پر کئی بار مار پڑتی ہے۔ ان کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں مگر وہ اسے اپنا فخر سمجھتے ہیں اور سختی کی برداشت سے خوش ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ بالفرض اگر ان کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائے تب بھی نہ مال بتائیں گے نہ اپنے ساتھیوں کا نام لیں گے تو ایسی سختیوں کا سہنا اور تکالیف کا خیال میں نہ لانا اسی وجہ سے ہے کہ اپنے کام کو کمال اور شجاعت اور بہادری اعتقاد کرلیا ہے اور باوجودیکہ اس میں اتنے شدائد ہیں تاہم ان کی راحت اسی میں ہے سب سے زیادہ بدتر حال ہیجڑے کا ہے کہ وہ خود کو عورتوں کی صورت بناتا ہے مگر وہ بھی اس حال میں خوش رہتا ہے بلکہ اسے کمال سمجھ کر فخر کرتا ہے اور ہیجڑوں میں بیٹھ کر شیخی بھگارتا ہے۔ اسی طرح کنجر اور حرام خور اپنے پیشہ میں فخر و مباہات کرتے ہیں جیسے علماء و سلاطین میں ہوتا ہے تو یہ تمام امور عادت سے متعلق ہیں کہ جب ایک بات پر مدت دراز تک مواظبت ہوتی ہے اور ہمجولیوں میں وہی مشاہدہ ہوتی ہے تو اپنے نفس کو اچھی لگتی ہے۔ پس جب عادت کے سبب امر باطل سے لت ہوتی ہو اور نفس اس کی طرف راغب ہو تو امر حق پر اگر مواظبت مدت دراز رہے گی۔ اس سے کیوں نہیں لذت حاصل ہوگی بلکہ رغبت نفس امور بد کی طرف مقتضائے طبع سے خارج ہے۔ اس طرح جیسے کسی کو مٹی کھانے کی رغبت ہو جائے جیسا کہ بعض لوگوں کو کھاتے کھاتے عادت ہو جاتی ہے لیکن حکمت کی طرف راغب ہو اور محبت اور معرفت و عبادت الٰہی کا میلان امر عارضی ہے اور اس کی ذات سے بعید بلکہ اس کی غذا حکمت اور محبت الٰہی ہے مگر کسی بیماری سے اپنے مقتضائے طبعی سے منحرف ہوگیا ہے۔ جس طرح معدہ میں کچھ خلل ہو تو کھانے پینے کو جی نہیں چاہتا۔ حالانکہ کھانے پینے ہی سے زندگی ہوتی ہے جس قدر کوئی دل غیر اللہ کی محبت کی طرف مائل ہوگا اسی قدر اس میں مرض ہوگا مگر اس صورت میں کہ اس شے کی محبت صرف اس غرض سے ہو کہ اس سے محبت اور دین الٰہی میں مدد ملے گی۔ اس صورت میں یہ محبت غیر اللہ مرض میں شمار نہ ہوگی۔ اس بیان سے معلوم ہوگیا کہ ان اخلاق حسنہ کا

اکتساب ریاضت سے ہو سکتا ہے یعنی اولاً بتکلف ان کے مرتکب ہونے سے آخر کو امور طبعی اور خلقی ہو جاتے ہیں اور یہ ایک عجیب طرح کا تعلق قلب اور اعضاء میں ہے کہ جو صفت قلب میں ظہور ہوتی ہے اس کا اثر اعضا پر پہنچتا ہے کہ اسی کے موافق حرکت کرنے لگتے ہیں اور جو فعل اعضا سے کیا جاتا ہے اس سے بھی کبھی اثر دل پر بطریق دور ہو جاتا ہے۔

ایک مثال: کوئی چاہے کہ خوشخطی میں ماہر ہو جائے تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ جیسے کاتب اپنے ہاتھ سے مشق کرتے ہیں ویسے یہ بھی مدت دراز تک مشق کیے جائے یہاں تک کہ صفت کتابت اس کے اندر پختہ ہو جائے اور حروف خوش خطی طبعی طور پر ہاتھ سے نکلنے لگیں جیسے پہلے محنت سے نکلتے تھے۔ اسی طرح اگر کوئی فقیہ بنا چاہے تو افعال فقہاء مواظبت کرے یعنی فقہ کے مسائل کا تکرار کرے۔ زبان پر بار بار لائے یہاں تک کہ دل پر فقہ کا اثر پہنچے۔ اس طرح فقیہ ہو جائے گا۔ اسی طرح جو سخی پارسا حلیم متواضع ہونا چاہئے اسے چاہئے کہ ابتدا ان لوگوں کے افعال بتکلف ادا کرے تاکہ رفتہ رفتہ یہ امور طبعیت میں جگہ بنا لیں۔ اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہیں جس طرح کہ طالب فقہ ایک روز تعطیل کرنے سے اپنے مطلب سے محروم نہیں رہتا اور صرف ایک روز کی بحث سے فقیہ نہیں بن جاتا اسی طرح جو شخص تزکیہ اور تکمیل اور تحسین قلب کے اعمال حسنہ سے چاہتا ہے وہ ایک دن کی عبادت میں یہ مرتبہ پا نہیں سکتا اور نہ ایک دن کی نافرمانی سے اس مرتبہ سے محروم ہو سکتا ہے۔

ازالہ وہم: بزرگوں کا ہے کہ ایک کبیرہ موجب ہمیشہ کی بدبختی کا مواجب نہیں ہوتا۔ اس کا یہ معنی ہے ایک دن بیکار چھوڑنا دوسرے دن کی بیکاری کا باعث بنتا ہے۔ پھر اسی طرح ہوتے ہوتے بالاخر نفس سستی کا عادی ہو کر سرے سے کام ہی چھوڑ کر فضیلت فقہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک گناہ صغیرہ کا ارتکاب دوسرے گناہ کا سبب ہوتا ہے اور بتدریج مثل نشو و نما بدن اور قد کے ظاہر ہوتے ہیں اسی طرح ایک طاعت کے کرنے سے اثر تزکیہ نفس کا ایک وقت محسوس نہیں ہوتا بلکہ آہستہ آہستہ مدت کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ پھر بھی تھوڑی طاعت کو حقیر نہ جاننا چاہئے۔ اس لیے کہ تھوڑی شے بڑھ کر بہت ہو جاتی ہے اور مجموع کا اثر کچھ حصہ رسد ایک ایک کے بھی مقابل ہوتا ہے گو محسوس نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں اگر تاثیر مخفی ہے تو ہوا کرے، ثواب تو کہیں نہیں گیا۔ اسی طرح معصیت کو قیاس کرنا چاہئے۔

فائدہ: بہت سے فقیہ ایسے ہوتے ہیں کہ ایک دن کی تعطیل کو معمولی سمجھتے ہیں اور رفتہ رفتہ پے در پے تعطیل کرکے نفس کو ایک ایک دن کی توقع دیتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کے طبیعت قبول فقہ سے خارج ہو جاتی ہے اسی طرح لوگ صغیرہ گناہوں کو حقیر جانتے ہیں اور نفس کو توبہ کا وعدہ آج کل دیتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ دفعتاً" پنجہ موت میں گرفتار ہو جاتے ہیں یا پھر گناہوں کی سیاہی دل پر دھواں دھار ہو جاتی ہے۔ پھر کام مشکل ہو جاتا ہے اس

لیے کہ صغیرہ گناہ ہوتے ہوتے کبیرہ ہو جاتے ہیں اور قلب ان گناہوں میں ایسا پھنس جاتا ہے کہ رہائی ناممکن ہو جاتی ہے اور توبہ کے ابواب بند ہونے سے یہی مراد ہے اور اس آیت میں بھی یہی غرض ہے کہ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا۔ (یٰسین 9) ترجمہ کنزالایمان: اور ہم نے ان کے آگے دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور انہیں اور انہیں اوپر سے ڈھانک دیا۔ اسی لیے حضرت علی کرم اللہ وجہ نے فرمایا کہ قلب میں پہلے ایمان ایک سفید نقطہ کے برابر ہوتا ہے جتنا ایمان زیادہ ہوتا جاتا ہے اسی قدر یہ سفیدی بڑھتی جاتی ہے۔ جب بندہ کا ایمان کامل ہو جاتا ہے تو تمام دل نورانی ہو جاتا ہے اور نفاق پہلے ایک نقطہ سیاہ کے برابر دل میں ظاہر ہوتا ہے پھر جتنا بڑھتا جاتا ہے اتنا سیاہی بڑھتی ہے۔ جب نفاق کامل ہوتا ہے تو دل بھی تمام سیاہ ہو جاتا ہے۔

فائدہ: اس سے واضح ہوا کہ اخلاق حسنہ کبھی عمدہ افعال کے عادی ہونے سے اور کبھی صلحاء اور ارباب خیر کے افعال دیکھنے اور ان کے پاس بیٹھنے سے نصیب ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ ایک طبیعت دوسرے سے شر اور خیر دونوں چراتی ہے۔ پس اگر کوئی ایسا ہو جس میں تینوں جہات جمع ہو گئے ہوں یعنی طبعاً" اور عادتاً" اور تعلیم سے فضیلت کو پہنچا ہو تو ایسا شخص نہایت درجہ کی فضیلت پر ہے اور جو شخص کہ طبیعت کا اچھا نہ ہو اور اسباب شر کے مہیا ہونے سے اسی کا عادی ہو گیا ہو اور صحبت والے بھی بد ہوں تو وہ نہایت درجہ پر اللہ تعالیٰ سے بعید ہے اور جس میں ان جہات کا کچھ اختلاف ہے وہ دونوں مراتب کے درمیان ہے اور اس کا قرب و بعد بموجب اس کی صفت اور حال کے ہے فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ (الزلزال 7) ترجمہ کنزالایمان: تو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرہ بھر برائی کرے اسے دیکھے گا۔ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ (روم 9) ترجمہ کنزالایمان: تو اللہ کی شان نہ تھی کہ ان پر ظلم کرتا ہاں وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

تہذیب اخلاق کے طریقے: پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مزاج بدن میں اخلاق کا معتدل رہنا صحت نفس کہلاتا ہے اور ان کا اعتدال پر نہ رہنا ستم اور مرض نفس ہے جیسے اعتدال اخلاط صحت بدن ہے اور ان کا میل کرنا اعتدال سے مرض بدن تو اب جان لو کہ نفس کا علاج یوں ہے کہ اس میں رزیل اور ردی اخلاق دور رکھے جائیں اور فضائل اور افعال حسنہ کا مورد بنایا جائے۔ یہ بدن کے علاج کے مشابہ ہے اس میں سے امراض کو دور کرکے اس کی صحت و تندرستی میں کوشش کی جائے پس جس طرح کہ اکثر اصل مزاج اعتدال پر ہوتا ہے اور غذا اور خواہش و دیگر عوراض کی وجہ سے معدہ میں خلل ہو جاتا ہے اسی طرح فطرت بھی صحیح و معتدل ہوتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کل مولود یولد علی الفطرۃ وانما ابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ ترجمہ: ہر ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے اصل ایمان پر اور اس کے ماں باپ اس کو یہود یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔

فائدہ: انسان عبادت عادت تعلیم سے اکتساب کمال کرتا ہے جیسے بدن ابتدا میں کامل نہیں پیدا ہوتا بلکہ نشو اور تربیت اور غذا سے کامل ہوتا ہے۔ اسی طرح نفس بھی ناقص پیدا ہوتا ہے مگر لیاقت کمال کی اس میں رہتی ہے۔

تزکیہ اور تہذیب اخلاق اور غذا سے کامل ہو جاتا ہے اور جس طرح کہ بدن اگر صحیح ہو تو طبیب حفظ صحت کی تدبیر کرتا ہے اور اگر بیمار ہو تو حصول صحت کی فکر میں رہتا ہے۔ اسی طرح اگر آدمی کا نفس پاک و صاف و مہذب ہو تو چاہئے کہ اس بارے میں کوشش کرے کہ ویسا ہی بنا رہے بلکہ امور کو اس میں قوت اور طاقت ہو جائے اور اگر اس میں کچھ کمال نہ ہو تو کمال کے حاصل کرنے میں سعی کرے اور جیسا کہ اس علت کا علاج جس سے کہ اعتدال بدن میں خلل ہوا ہے اس کی ضد سے ہوتا ہے۔ مثلاً اگر حرارت سے ہو تو برودت سے تدبیر کی جاتی ہے اور اس کا عکس اسی طرح رزائل یعنی امراض قلبی کا علاج بھی ان کی ضدوں سے ہوتا ہے مثلاً جاہل کا علاج علم سے اور بخل کا علاج سخاوت سے اور کبر کا تواضع سے اور حرص کاعلاج بزور خواہش نفسانی کے روکنے سے ہوتا ہے اور جیسے مرض بدن میں تلخی دوا کی برداشت کرنی پڑتی ہے اور دل چاہتی چیزوں سے صبر کرنا ہوتا ہے۔ اسی طرح علاج قلب میں تلخی مجاہدہ کا برداشت کرنا اور علاج پر صبر کرنا ہوتا ہے بلکہ اس میں بطریق اولیٰ چاہئے اس لیے مرض بدنی سے تو مرنے پر نجات ہو جاتی ہے اور مرض قلبی معاذ اللہ ایسا مرض ہے کہ بعد موت بھی ابد الاباد تک رہتا ہے اور جس طرح کہ ہر ایک حرارت کے لیے ہر دوا سرد کافی نہیں بلکہ برعایت شدت اور ضعف اور دوام اور اتفاق اور کثرت اور قلب کے مختلف طور پر دی جاتی ہے اور خوراک کے لیے بھی وزن معین ہوتا ہے کیونکہ مراعات وزن کے نہ ہونے سے فساد زیادہ ہوتا ہے اور وزن کی مقدار دوا کے درجہ موافق اور احوال بند کے مناسب اور مریض کے سن و سال و موسم کے مطابق اور مرض کی شدت و ضعف کے موافق ہوا کرتی ہو کہ جب طبیب حرارت یا برورت کی قوت و ضعف معلوم کرلیتا ہے تو انہی باتوں کے لحاظ سے نسخہ تجویز کرتا ہے۔ اسی طرح مرشد استاد جو مریدوں کے نفوس کے معالج ہیں ان کو چاہئے کہ مریدوں پر یکبارگی ریاضت اور تکلیف صرف ایک فن مخصوص یا طریق معین کی نہ ڈالیں جب تک ان کے اخلاق اور امراض سے بخوبی واقف نہ ہوں جیسے طبیب اگر تمام مریضوں کا علاج اگر ایک ہی دوا سے کرے تو اکثر بیمار مر جائیں گے۔ اسی طرح مرشد اگر تمام مریدوں کو ایک ہی طریقہ پر چلائے گا وہ بھی ہلاک ہوں گے بلکہ یوں چاہئے کہ مرید کا مرض اور اس کا حال اور سن و سال اور مزاج غور سے دیکھے اور معلوم کرے کہ کس قسم کی ریاضت اس سے ہو سکتی ہے تاکہ اس قسم کا کام اس سے مثلاً اگر مرید مبتدی جاہل ہو اور احکام شرع نہ جانتا ہو تو پہلے اسے طہارت اور نماز اور عبادات ظاہری سکھائے اگر مال حرام اور معصیت میں مشغول ہو تو اس کو ان چیزوں کے ترک کا حکم کرے۔ جب اس کا ظاہر زیور عبادات ظاہری سے آراستہ ہو جائے اور اعضاء بھی علانیہ معاصی سے پاک ہو جائیں تو قرائن احوال سے اس کے باطن کی طرف متوجہ ہو کر اس کے اخلاق و امراض قلبی کو دیکھے۔ اگر اس کے پاس قدر ضرورت سے مال زائد ہو تو اس سے مال لے کر خیرات کر دے تاکہ مال کی طرف سے وہ فارغ البال ہو جائے اور اس طرف متوجہ نہ ہو۔ اگر رعونت اور کبر کا اس پر غلبہ ہو تو اس کو بازار میں گداگری کے لیے بھیجے کیونکہ عزت ریاست اور عزت نفس ذلت کے بغیر نہیں جاتی اور گداگری سے بڑھ کر کوئی ذلت نہیں۔ اس کو اسی پر

مواظبت کا حکم دے۔ جب تک اس کا کبر تکبر نہ جائے اسی لیے کہ تکبر اور رعونت امراض قلبی میں مہلک امراض ہیں۔ اگر اس میں بدن کی صفائی اور محبت مال کو غالب دیکھے اور اس کا دل ان امور کی طرف متوجہ محسوس کرے تو اس سے پاخانہ کی صفائی کا کام لے اور عام جگہوں میں جھاڑو دلوائے اور باورچی خانہ اور دھوئیں کے مقامات میں ہمیشہ بیٹھنے کا حکم فرمائے یہاں تک کہ اپنی صفائی کی رعونت اس کے مزاج سے دفع ہو جائے کیونکہ جو لوگ کپڑوں میں بناؤ سنگار کرتے ہیں اور رنگا رنگ کی جانماز تلاش کرتے ہیں ان میں اور دلہن میں کیا فرق ہے اور وہ بھی دن بھر اپنے آپ کو سنوارتی ہے اور انسان اپنے جسم تن کی پرستش کرے یا کسی بت کی عبادت کرے اس میں بھی کوئی فرق نہیں کیونکہ جب غیراللہ کی عبادت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ سے حجاب ہو جاتا ہے۔ اس میں اپنا نفس اور بت برابر ہیں۔ اس طرح جو کوئی اچھے کپڑوں کا شوقین ہو اور بجز حلال اور طاہر ہونے کے اور طریقہ پر اس کی طرف دل لگا دے تو وہ گویا اپنے نفس پر شمار ہے۔

فائدہ: ایک قسم کی ریاضت یہ ہے کہ جب مرید رعونت یا کسی دوسری صفت کے ترک پر بالکل راضی نہ اور اس کی ضد کو دفعتاً" گوارا نہ کرے تو مرشد کو چاہئے کہ اس کو ایک عادت بد سے دوسری عادت بد میں جو اس سے ہلکی ہو لگا دے مثلاً اگر کپڑے پر خون لگ جاتا ہے اور پانی سے اس کا دھبہ نہیں جاتا تو پہلے اس کپڑے کو دھویا جائے جس پر پیشاب ہے۔ اس کے بعد اسے جس پر خون کے دھبے ہیں یا بچے کو سکول جانے کے لیے پہلے گیند بلا وغیرہ کی ترغیب دی جائے پھر کھیل سے عمدہ کپڑوں کی ترغیب دی جائے۔ اس کے بعد ملازمت اور اس کے عمدہ کی ترغیب دی جائے۔ پھر ان سب کے بعد یعنی عمدہ ملازمت کے بعد آخرت کے لیے بر انگیختہ کیا جائے۔ اسی طرح جس کا نفس دفعتاً" جاہ کے چھوڑنے پر راضی نہ ہو تو چاہئے کہ کسی کم مرتبہ میں مصروف کیا جائے۔ اسی طرح بتدریج اس صفت کو اس سے دور کرنا چاہئے اور جب اس پر حرص کی عادت غالب ہو تو اس سے ہمیشہ روزہ رکھوائے اور کھانا کم کھائے اور حکم کرے کہ مزیدار کھانا پکا کر دوسروں کو کھلائے خود ان سے نہ کھائے یہاں تک کہ اس کے نفس کو صبر کی عادت ہو اور کھانے کا حرص دور ہو اگر مرید جوان ہو اور نکاح کا خواہشمند مگر نان و نفقہ سے عاجز ہے تو اسے روزہ رکھنے کا حکم دے۔ اگر روزہ سے شہوت کم نہ ہو تو ایسے کہے کہ رات کو پانی سے افطار کیا کرو کھانا نہ کھاؤ اور دوسرے دن شام کو کھانا کھاؤ پانی پیو اور گوشت اور سالن کی ممانعت کردے تاکہ اس کا نفس ذلیل ہو اور خواہش کم ہو جائے کیونکہ شروع میں بھوک سے بڑھ کر کوئی اچھا علاج نہیں۔ اگر غصہ کا اس پر غلبہ دیکھے تو حلم اور مسکینی کا حکم کرے اور بدمزاج کے ساتھ اس کا اٹھنا بیٹھنا کردے کہ اس کی اطاعت کیا کرے۔ یہاں تک کہ اس کا نفس برداشت کرنے پر عادی ہو جائے چنانچہ بعض بزرگوں کے حال میں لکھا ہے کہ وہ اپنے نفس کو حلم کی عادت ڈالنے اور شدت غصہ کو دور کرنے کے لیے ایسے آدمیوں کی مزدوری کیا کرتے تھے جو کھلی گالیاں دیں تو وہ اپنے نفس سے بزور صبر کراتے اور غصہ پیتے تھے یہاں تک کہ حلم ان کی عادت ہوگئی بلکہ اس بارہ میں ضرب المثل بن گئے اور بعض بزرگ اپنے آپ

میں بزدلی اور ضعف قلب پاتے تھے تو شجاعت کے لیے موسم میں جب سمندر میں خوب موجیں اٹھتی تھیں اس میں سوار ہوتے اور ہند کے عبادت گزار عبادت کی سستی کا علاج یوں کرتے ہیں کہ تمام رات ایک ہی ہیئت پر کھڑے رہتے ہیں اور بعض بزرگ ابتدا مریدی میں قیام سے سستی کرتے تھے تو اپنے نفس پر لازم کرلیا کہ تمام رات سر کے بل کھڑا رہوں گا تاکہ پاؤں پر کھڑا ہونے کو بخوشی مان لے اور بعض نے حق المال کا یوں علاج کیا کہ سارا مال بیچ کر اس کی قیمت دریا میں ڈال دی یہ اس وجہ سے مال لٹانے میں سخاوت یا ریا کا شبہ بھی تھا ان تمام مثالوں سے علاج قلوب کا صحیح طور پر معلوم ہوتا ہے مگر ہمارا مقصد یہ نہیں کہ ہر ہر مرض کے لیے جدا جدا علاج لکھیں اس کا بیان آگے آئے گا یہاں یہی مطلوب ہے کہ اس کے متعلق طریق عام نفس کی خواہش کے خلاف چلنا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ایک ہی کلمہ میں ارشاد فرمایا ہے وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (النزاعات 40) ترجمہ کنزالایمان: تو ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں ڈال دیا اس حال میں کہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہا تھا۔

فائدہ: آیت میں عزم کے پورا کرنے کا ذکر ہے جب سالک ترک شہوت کا عزم کرے اور اس کے لوازم پیش آجائیں تو یہ جانے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہے اس وقت چاہئے کہ صبر کرے اور اپنے وعدہ پر ڈٹا رہے اس لیے کہ اگر عہد شکنی کرے گا تو نفس کی ویسی ہی عادت ہو جائے گی۔ اس طرح تباہ ہو جائے گا بلکہ اگر عہد شکنی کرے تو اپنے اوپر ایک سزا مقرر کرے جیسا کہ ہم نے باب محاسبہ اور مراقبہ میں نفس کی تعزیر میں بیان کیا ہے۔ اگر نفس کو سزا سے نہیں ڈرائے گا تو نفس اس پر غالب آجائے گا اس صورت میں شہوات کے مطابق مرتکب ہوگا تو ریاضیت برباد ہو جائے گی۔

قلب کے امراض و صحت کا بیان: انسان کا ہر ایک عضو فعل خاص کے لیے پیدا ہوا ہے اور اس سے وہ فعل اگر صادر نہ ہوگا یا اضطراب کے طور پر صادر ہوگا تو عضو صحیح نہ کہلائے گا مثلاً ہاتھ کا مرض یہ ہے کہ اس سے گرفت نہ ہو سکے اور آنکھ کا مرض یہ ہے کہ دیکھ نہ سکے یا دیکھنا مشکل ہو اسی طرح مرض قلب وہ ہوگا جس سے قلب اپنا عمل نہ کرسکے اور اس کا عمل خاص علم اور حکمت اور معرفت اور محبت اور عبادت الٰہی ہے اور اس کے ذکر سے لذت پانا اور سوائے اس کے ہر چیز کی خواہش پر اس لذت کو ترجیح دینا اور تمام اعضا اور آرزو سے اس کے لیے مدد چاہنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی صرف اپنی عبادت کے لیے

فائدہ: اس سے معلوم ہے کہ قلب انسانی کا فعل خاص عبادت و معرفت الٰہی اور خاصیت نفس انسانی بھی وہی ہونی چاہئے کہ جس سے جانوروں سے امتیاز ہو جائے کیونکہ کھانے اور پینے اور جماع اور دیکھنے کی قوت میں انسان جانوروں

ہے ممتاز نہیں بلکہ اس میں ممتاز ہے کہ اشیاء کی اصل حقیقت کو جانتا ہے چونکہ تمام اشیاء کا موجد اللہ جل شانہ ہے اگر کوئی تمام اشیاء کو پہچانے اور ان کے صانع کو نہ پہچانے تو گویا اس نے کچھ نہ جانا اور علامت معرفت کی اس کی محبت ہے اور جو اسے پہچانتا ہے اس کی محبت میں محو ہو جاتا ہے۔

علامت حب خدا: اللہ تعالیٰ کی محبت کی یہ نشانی ہے کہ اس پر دنیا و مافیہا اور تمام اپنی محبوب اشیاء کو ترجیح نہ دے جیسا کہ اللہ فرماتا ہے۔ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ (التوبہ 24) ترجمہ کنز الایمان: تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کا مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔

فائدہ: جس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز محبوب تر ہو تو اس کا دل مریض ہے جیسا کہ کسی کے معدہ میں روٹی اور پانی کی بہ نسبت مٹی کی محبت زیادہ ہو جائے اور غذا کی خواہش جاتی رہے تو وہ مریض ہوتا ہے۔ مرض قلوب کی بھی یہی علامت ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام قلوب بیمار ہیں اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ چونکہ بعض امراض ایسے ہوتے ہیں کہ بیمار کو معلوم نہیں ہوتے اور مرض قلب بھی انہیں میں سے ہے اس لیے انسان غافل رہتا ہے کوئی بھی جانتا ہے تو اس کے علاج کی تلخی پر صبر مشکل ہے اس لیے کہ دوا اس کی شہوات کی مخالفت کرتی ہے جو اسے موت کی تلخی سے کم نہیں اگر نفس میں صبر بھی پاتا ہے تو کوئی معالج (مرشد) نہیں ملتا کہ اس کا علاج کرے کیونکہ اس مرض کے طبیب علماء ہیں اور وہ خود اس مرض میں مبتلا ہیں جو اپنا ہی علاج نہیں کرتے تو دوسروں کا کس طرح کریں گے۔ اسی وجہ سے قلوب کا مرض لا علاج ہو گیا ہے اس کا علم عام نہ رہا نہ اس مرض کو کوئی جانتا ہے عوام جب دنیا پر جھک پڑے اور ایسے اعمال پر متوجہ ہوئے کہ ظاہر میں عبادت ہیں اور باطن میں ریا و عادت (یہاں تک اصول امراض کی علامات مذکور ہوئیں اب ان کا علاج سمجھئے)

طریقہ علاج الامراض: جس بیماری کا علاج کرنا ہے اس کے مطابق اسباب لانے چاہیں مثلاً کسی کو بخل کا مرض ہے جو موجب تباہی اور اللہ سے دوری کا سامان ہے۔ تو اس کا علاج مال خرچ کرنے سے ہوتا ہے مگر مال لٹانا اس درجہ پر ہو کہ فضول خرچ نہ ہو جائے ورنہ ایک اور مرض میں مبتلا ہو جائے گا جیسے کوئی شخص سردی کا علاج گرمی سے اتنا کرے کہ حرارت بڑھ جائے تو یہ بھی ایک مرض ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ فضول خرچی میں اعتدال ہو اور درجہ اوسط جو دونوں طرفوں سے نہایت فاصلہ پر ہے حاصل ہو جائے اگر یہ مطلوب ہو کہ درجہ وسط معلوم ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو فعل کسی خلط کے باعث ہوتا ہے اسے دیکھنا چاہئے کہ اگر وہ سہل اور شیریں معلوم ہو تو جان لینا چاہئے کہ

یہی خلط نفس پر غالب ہے مثلاً اگر روکنا اور جمع کرنا آسان اور لذیذ معلوم ہو بہ نسبت مستحقین کے دینے کے تو جان لو کہ بخل کا غلبہ ہے۔ اس صورت میں عطاء و بخشش کی مواظبت زیادہ کرنی چاہئے اگر غیر مستحقوں کو دنیا آسان اور لذیذ معلوم ہوتا ہو بہ نسبت امساک واجبی کے تو اپنے اوپر فضول خرچی کا غلبہ سمجھے اور اس صورت میں احساس کی مواظبت کی طرف رجوع کرے اس طرح نفس کے افعال کو دیکھ کر ان کی سہولت اور اشکال سے عادت پر استدلال کرتے رہیے یہاں تک کہ تعلق دل مال کی طرف التفات سے منقطع ہو جائے اور مال خرچ کرنا اور روکنا دونوں کی طرف رجوع نہ کرے بلکہ مال کا حال پانی جیسا ہو جائے کہ اگر امساک بھی ہو تو کسی محتاج کی حالت کے لیے ہو اور خرچ بھی ہو تو ایسا ہی ہو مگر ان دونوں کو ایک دوسرے پر غالب نہ کرے۔ جو قلت یونہی ہو جائے گا۔ وہ اس مقام خاص سے سالم رہے گا اور تمام اخلاق سے سالم ہونا ضروری ہے۔ یہاں تک کہ متعلقات دنیا میں کسی چیز کا تعلق نہ رہے اور یہاں سے بے لگاؤ اٹھ جائے نہ خود دنیا کا التفات ہو نہ اس کے لوازم کا اس وقت پروردگار کے لیے شوق اطمینان سے ہو جائے گا۔ وہ اس سے راضی اور یہ اسی سے خوش اور بندگان مقرب یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی جماعت میں داخل ہوگا جو عمدہ رفقاء ہیں چونکہ درجہ اوسط دونوں طرفوں میں نہایت باریک بلکہ بال سے بھی زیادہ پتلا اور تلوار سے بھی زیادہ تیز ہے تو لازماً جو اس صراط مستقیم پر دنیا میں قائم رہے گا وہ اسی طرح آخرت کی پل صراط پر گزرے گا اور چونکہ انسان کچھ نہ کچھ صراط مستقیم درجہ اوسط سے ایک نہ ایک طرف کو جھک جاتا ہے اسی لئے اس کا قلب متعلق اسی جانب کو ہوتا ہے جس طرف کہ جھکا ہے اور اس میں کچھ نہ کچھ عذاب اور دوزخ کا لحاظ ضرور ہوگا اگرچہ بجلی کی طرح نکل جائے گا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ یعنی وہ لوگ کہ صراط مستقیم سے اکثر قریب رہے اور اسی استقامت کی دشواری کی وجہ سے ہر روز بندہ پر اثنائے قرآن میں سترہ بار یہ دعا واجب ہوتی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ بتا ہم کو سیدھی راہ

حکایت: کسی نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھ کر عرض کی کہ آپ نے فرمایا ہے کہ مجھے سورۃ ہود نے بوڑھا کر دیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں حکم پروردگار فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ سو سیدھا چلا جا جیسا تجھ کو حکم ہوا

فائدہ: جو اپنی نجات چاہے تو عمل صالح کے بغیر نہ ہوگی اور اعمال صالح عمدہ اخلاق سے ہوتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ سالک اپنے صفات اور اخلاق کی طرف متوجہ ہو اور ایک ایک کا علاج بہ ترتیب کرے۔

اپنے عیوب کی پہچان: اللہ تعالیٰ کو کسی کے ساتھ جب بھلائی منظور ہوتی ہے تو اس کی نظر اس کے عیوب کی طرف پھیر دیتا ہے جس کی عقل تیز ہوتی ہے اس پر اس کے عیب پوشیدہ نہیں رہتے کے معلوم ہونے کے بعد علاج بھی ممکن ہے مگر افسوس کہ لوگ اپنے عیوب سے جاہل ہیں۔ انہیں دوسروں کے عیوب ذرہ ذرہ معلوم ہوتے ہیں لیکن اپنے بڑے عیوب بھی نہیں جانتے۔

فائدہ: اپنے عیوب پہچاننے کے چار طریقے ہیں (ا) وہ مرشد جو عیوب نفس جان سکتا ہو اور آفات پوشیدہ کو معلوم کر سکتا ہو اس کے سامنے بیٹھ کر خود کو اس کے حوالے کردے۔ پھر اس کے بتلائے ہوئے مجاہدہ کے مطابق عمل کرے۔ یہ مرید کا مرشد کے تعلق پر ہے کہ مرشد عیوب نفس اور علاج دونوں بتلا دیتا ہے مگر اس وقت ایسے مرشد کا وجود کمیاب ہے (1) - (2) کسی اپنے سچے دوست دیندار صادق اور عقلمند سے کہے کہ میرے احوال و افعال دیکھتے رہو جو کچھ میرے اخلاق و افعال ظاہر و باطنی میں برا ہو اس سے مجھے اطلاع کر دینا۔ (ہمارے ایک دوست کا یہی طریقہ ہے اور خوب ہے۔ اللہ کرے یہ طریقہ تمام اہل اسلام کو نصیب ہو۔) اضافہ اویسی

طریقہ اسلاف: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اللہ کی رحمت ہو اس پر جو مجھے میرے عیب بتا دے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے اپنے عیوب کا پوچھا کرتے جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ آپ کے پاس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ میری کوئی ایسی بات بھی تم تک پہنچی ہے جو تمہیں بری محسوس ہوتی ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس سے مجھے معاف رکھیے۔ آپ نے باصرار پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے دستر خوان پر دو سالن جمع کیے اور آپ کے پاس دو لباس ہیں ایک رات کا ایک دن کا آپ نے فرمایا کہ اس کے سوا کچھ اور کہا نہیں آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کی ایک وجہ ہے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھتے کہ آپ منافقین کے متعلق حضور ﷺ کے رازداں ہیں بتاؤ مجھ میں تو کوئی نشان نفاق کا نہیں۔

فائدہ: باوجود جلالت شان اور علوم مرتبہ کے آپ اپنے نفس کو اس قدر متہم کرتے تھے جو سب سے زیادہ اپنے نفس پر تہمتیں باندھے اس زمانہ میں ایسا مخلص دوست کا ملنا دشوار ہے کہ منہ پر عیب بتلا دے۔ ہاں حسد کی وجہ سے جتنا چاہے۔ زیادہ کہے آج کل کے دوست حاسد اور خود غرض ہیں کہ جو عیب نہ ہو اس کے بھی عیب جانیں بنتے ہیں یا خوشامد کر کے عیب چھپاتے ہیں۔ (2) حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ نے عوام سے کنارہ کرلیا تھا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ عوام سے آپ کیوں نہیں ملتے فرمایا میں ایسے لوگوں سے مل کر کیا کروں۔ جو میرے عیب پوشیدہ رکھیں

فائدہ: اسلاف کی آرزو یہی ہوتی تھی کہ دوسرے کے بتلانے سے اپنے عیوب پر متنبہ ہوں لیکن اب ایسا دور ہے کہ کوئی نصیحت کرے یا عیب بتلائے تو وہ سب سے بڑھ کر دشمن سمجھا جاتا ہے اور یہ ضعف ایمان کی علامت ہے کیونکہ اخلاق بد سانپ اور بچھو کی طرح ہیں اگر کوئی کہے کہ تمہارے کپڑوں میں بچھو ہے اس کا ممنون ہونا چاہئے اور خوش ہو کر اسے علیحدہ کرنے اور قتل کرنے میں کوشش کرنی چاہئے حالانکہ بچھو کا زہر اور دکھ صرف ایک دن یا اس سے بھی کم رہتا ہے اور اخلاق بد کا وبال سے خوف ہے کہ بعد موت بھی ہمیشہ ہزاروں برس رہے تو جو کوئی ان کا حال بتلاتا ہے تو اس سے خوش نہیں ہوتے اور ان کے دور کرنے میں مشغول نہیں ہوتے بلکہ اس کے بالمقابل میں ناصح کا عیب کہنے لگے جاتے ہیں کہ تم میں بھی فلاں عیب ہے اس عیب جوئی کی وجہ سے اس کی نصیحت کا فائدہ بیکا ہو جاتا

ہے اور یہ کثرت ذنوب سے سختی دل کا نشان ہے اور اصل سبب وہی ضعف ایمان ہے اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں راہ راست دکھلا دے اور ہمیں اپنے عیوب پر مطلع کرکے اس کے علاج میں مصروف کردے اور توفیق بخشے کہ جو کوئی عیب بتلائے تو ہم اس کے ممنون اور شکر گزار ہوں۔

(3) اپنے عیب دشمنوں کی زبانی معلوم کرے کہ وہ عیوب کے درپے رہتے ہیں اور اکثر یہ ہے کہ سالک اس بارے میں بہ نسبت دوستوں کے عیب جو دشمنوں سے زیادہ نفع حاصل ہو سکتا ہے اس لیے کہ دوست خوشامد کرکے عیب ظاہر نہیں کرتے مگر انسان کی فطرت میں ہے کہ دشمن کے قول کو جھوٹا اور مبنی برحسد پر معمول کرتے ہیں لیکن اہل بصیرت دشمنوں کے قول سے بھی فائدہ مند ہوتے ہیں اس لیے کہ برائیاں ان کی زبانوں پر مذکور ہوتی ہیں۔ (4) عوام سے مل کر جو بات ان میں بری دیکھے اپنے نفس کو اس پر متنبہ کرے اس لیے کہ مومن ایک دوسرے کا آئینہ ہوتا ہے دوسرے کا عیب دیکھ کر اپنے عیب معلوم کرے کہ طبائع سب کی قریب ہوتی ہیں جو بات ایک ہی ہوگی اس کی اصل دوسرے میں بھی ہوگی بلکہ بعض اوقات اس سے بڑھ کر ہوگی اسی طرح جو بات دوسرے سے بری محسوس ہو اس بات کو اپنے سے دور کرے اور یہ طریقہ بڑا عمدہ ہے اگر سالک اس پر عمل کرے تو مرشد و مودب کی حاجت نہ ہو۔

حکایت: عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ کو ادب کس نے سکھایا؟ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو ادب کسی نے نہیں سکھایا جاہل کی جہالت مجھے بری محسوس ہوئی اس سے میں نے احتراز کیا۔

فائدہ: یہ طریقہ ان لوگوں کے لیے ہے جن کو ایسا استاد کامل میسر نہ ہو جو عارف اور ذکی اور عیوب نفس سے واقف ہو اور شفقت سے دین کی نصیحت کرے اور اپنے نفس سے تہذیب سے فارغ ہو کر اللہ کے بندوں کی تہذیب و تعلیم میں مشغول ہو جسے ایسا مرشد میسر آجائے تو گویا طبیب مل گیا اس کا پیچھا نہ چھوڑے وہ اس کا مرض مٹا کر اسے ہلاکت سے بچائے گا۔ (1)

امراض قلوب کا علاج ترک شہوات: مذکورہ بالا بیان اگر بنظر تامل و عبرت کے دیکھا جائے تو سالک کی بصیرت کھل جائے اور امراض قلوب مع ان کے علاج کے نور علم و یقین سے معلوم ہو جائیں اگر اس سے عاجز ہو تو ضروری ہے کہ اس کی تصدیق اور ایمان براہ تقلید حاصل کرے کیونکہ ایمان کا درجہ اور ہے اور علم کا مرتبہ دیگر علم ایمان کے بعد حاصل ہوتا ہے اور علم کا درجہ بھی ایمان سے اونچا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

(1) حضرت امام غزالی قدس سرہ کے دور کی بات ہے بلکہ وہ دور پھر بھی خیر القرون کے قریب ہے ہمارے دور میں نایاب ہونا چاہیے لیکن الحمد اللہ اس گئے گزرے دور میں بھی بہت سے بندگان قدوس معیار کے مطابق موجود ہیں ورنہ اکثریت کا حال زبون سے زبون تر ہے بلکہ ان میں خود بھی عیوب نفس کی کمی نہیں اور مریدین کو تو بتاتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ کہیں میری مریدی ختم نہ ہو جائے اور میری میریدی ختم ہو گئی تو کاروبار ہی رک جائے گا (انا للہ وانا الیہ راجعون) اویسی غفرلہ

مِنكُم وَالَّذِينَ اُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (مجادلہ ۲۳ / ۱۱) ترجمہ کنزالایمان: تو اٹھ کھڑے ہو اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا۔ جس شخص نے اس کی تصدیق کی کہ شہوت کی مخالفت موصل الی اللہ ہے اسکا سبب اور راز نہیں جانا تو وہ ایمان والوں میں سے ہے اور جب سبب اور راز پر واقف ہوگیا تو علم والوں میں سے ہوا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى اور سب کو عمدہ دیا اللہ نے خوبی کا اور اس پر ایمان لانا قرآن و حدیث اور اقوال علماء سے ثابت ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ترجمہ: وہی ہیں جس کے دل جانچے ہیں اللہ نے ادب کے واسطے

فائدہ: اس کی تفسیریوں ہے کہ ان کے دلوں سے دنیا کی محبت نکال لی اور حضور ﷺ نے فرمایا المومن بین خمس شدائد مومن يحسده و منافق يبغضه وكا يقاتله و شيطان يضله تنازعه ترجمہ: مومن پانچ سختیوں میں ہے مومن پر حاسد حسد کرتا ہے اور منافق اس سے بغض رکھتا ہے۔ کافر اس سے لڑتا ہے شیطان اس کو بہکاتا ہے نفس اس سے جھگڑا کرتا ہے۔

فائدہ: اس میں بیان فرمایا کہ انسان کا نفس دشمن جھگڑالو ہے اس لیے مجاہدہ واجب ہے۔

وحی حضرت داؤد علیہ السلام: اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اے داؤد اپنے اصحاب کو شہوات سے ڈراؤ بلکہ بچاؤ کیونکہ جن قلوب کی عقول شہوات دنیوی سے متعلق ہیں وہ مجھ سے محجوب ہیں۔

فائدہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ شاد باد وہ جس نے جال کی شہوت کو دیکھے بغیر وعدہ کے لیے چھوڑ دیا۔

حدیث: حضور ﷺ نے جہاد سے واپس آنے والوں کو فرمایا مرحبا بكم قد منتم من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر ترجمہ: تم کو مرحبا ہے تم جہاد اصغر سے بڑے جہاد کی طرف آئے۔ انہوں نے پوچھا کہ جہاد اکبر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا جہاد نفس

حدیث: فرمایا المجاهد من جاهد نفسه فى طاعة الله ترجمہ: مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے اللہ عزوجل کی اطاعت میں جہاد کرے۔

حدیث: فرمایا كفااذاك عن نفسك ولا تتابع هواها فى معصيته الله تعالى اذن تغاصمك يوم القيامة فيلعن بعضك بضا الا ان يغفر الله تعالى و يستر ترجمہ: اپنی ایذا اپنے نفس سے روکو اور اللہ تعالیٰ کی معصیت کرکے نفس کی خواہش کی تابعداری نہ کرو اس صورت میں کہ وہ قیامت میں تجھ سے خصومت کرے گا اور تیرا ایک حصہ دوسرے کو لعنت کرے گا۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور پردہ پوشی کرے۔

۱۔ علامہ اقبال مرحوم نے خوب فرمایا اگر آجائے کوئی شعیب میسر' گلہ بانی سے کلیمی دو قدم ہے۔

اقوال اسلاف (رحمھم اللہ): حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ نفس سے سخت تر علاج میں نے کسی چیز کا نہیں دیکھا۔ کبھی تو مفید ہوتا ہے اور کبھی مضر۔ حضرت ابو العباس موصلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے نفس سے کہتے ہیں کہ نہ تو شہزادوں کے ساتھ دنیا کا مزہ پاتا ہے اور آخرت کی طلب میں عابدوں کے ساتھ محنت اٹھاتا ہے۔ کیا تو مجھے دوزخ اور جنت کے درمیان قید کرے گا۔ کیا تو شرم نہیں کرتا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفس سے زیادہ سرکش گھوڑے کو بھی لگام سخت کی حاجت نہیں ہوتی۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفس کے ساتھ ریاضت کی تلواروں سے لڑنا چاہیے۔

اقسام ریاضت: ریاضت چار طرح ہے۔ (1) تھوڑا کھانا' (2) تھوڑا سونا' (3) بقدر حاجت بولنا' (4) تمام لوگوں کے ایذا سہنا۔ تھوڑا کھانے سے شہوت مر جاتی ہے۔ تھوڑا سونے سے نیت صاف ہوتی ہے۔ کم بولنے سے آفات سے سلامتی رہتی ہے۔ ایذا کی برداشت سے انتہائی مراتب کو پہنچنا ہوتا ہے۔

فائدہ: سالک کو برداشت جفا کے برابر کوئی چیز سخت نہیں جب نفس میں سے ارادہ شہوت اٹھے یا شیرینی کلام لیکن بے ہودگی اس سے جوش مارے تو اسی وقت چاہیے کہ شمشیر طلب طعام خلاف کم خوری سے نفس کو برہنہ کرے اور خاموشی کا تازیانہ مارے۔ یہاں تک کہ ظلم اور انتقام سے باز آئے اور ہمیشہ اس کے وبال سے نجات پائے اور شہوات کی میل سے اسے پاک صاف کر دے تب کہیں آفات سے چھٹکارا ملے گا۔ پھر اس وقت فوراً ہی ہلکا پھلکا ہو جائے گا اور میدان خیرت میں دوڑتا پھرے گا اور طاعت کے راستوں میں سرپٹ گھوڑے کی طرح جولانیاں کرے گا اور ایسا ہو جائے گا جیسے بادشاہ چمن میں سیر کرتا ہے۔

اعدائے انسان: حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انسان کے دشمن تین ہیں۔ (1) دنیا' (2) شیطان' (3) نفس - دنیا سے تو زہد کر کے بچنا چاہیے۔ شیطان سے مخالفت کر کے۔ نفس سے ترک شہوات سے۔

فائدہ: بعض حکما کا قول ہے کہ جس پر نفس غالب ہو جاتا ہے وہ اس کی خواہشات کا قیدی ہو جاتا ہے اور اسے بیڑیاں اور طوق پڑ جاتا ہے باگ اس کے قبضہ میں ہوتی ہے وہ جدھر چاہتا ہے لیے پھرتا ہے اور قلب کے فوائد سے مانع ہوتا ہے۔

اسلاف نے فرمایا: امام جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علماء اور حکماء کا اتفاق ہے کہ عیش دائمی بے عیش چھوڑے بغیر نہیں ملتا۔ حضرت ابو یحییٰ وراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے اعضاء کی خوشی شہوات کے ارتکاب سے کی اس نے دل کی کھیتی میں ندامت کا بیج بویا۔ (3) حضرت وہب بن الورد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ضرورت سے زیادہ خواہش ہو تو یہ بھی نفس کی خواہش میں داخل ہے۔ یہ بھی ان کا قول ہے کہ جو کوئی شہوات دنیا سے محبت کرتا ہے اسے چاہیے کہ ذلت کے لیے تیار رہے۔

حکایت: جب یوسف علیہ السلام مالک مصر ہو گئے تو زلیخا نے عرض کیا اے یوسف حرص اور شہوت نے بادشاہوں کو غلام کر دیا اور صبر و تقویٰ نے غلاموں کو بادشاہ بنا دیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو اللہ نے فرمایا اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ

اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ (یوسف 90) ترجمہ کنزالایمان: بے شک جو پرہیزگاری اور صبر کرے تو اللہ نیکوں کا نیگ ضائع نہیں کرتا۔

حکایت: حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو میں جاگا اور نماز کے لیے کھڑا ہوا۔ مجھے وہ لذت نصیب نہ ہوئی جو ہمیشہ ہوتی تھی۔ ارادہ کیا کہ سو جاؤں۔ یہ بھی نہ ہو سکا پھر بیٹھنا چاہا تو یہ بھی ممکن نہ ہوا۔ بالاخر گھر سے نکلا دیکھا کہ ایک آدمی کمبل میں لپٹا ہوا راستہ میں لیٹا ہے۔ جب اس نے میری آہٹ سنی تو کہا اے ابو القاسم ذرا میرے پاس آنا میں نے کہا پہلے سے تو آپ نے اطلاع نہیں فرمائی۔ اس نے کہا ٹھیک ہے میں نے اللہ سے دعا مانگی تھی کہ تمہارے دل کو میرے لیے متحرک کردے۔ میں نے کہا یہ تو اللہ تعالیٰ نے کیا اب آپ کا کیا مطلب ہے۔ اس نے کہا کہ نفس کے مرض کا علاج کیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ جب انسان خواہش نفس کے خلاف کرتا ہے تو اس کو تکلیف ہوتی ہے مگر یہی اس کا علاج و دوا ہے۔ وہ شخص اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ سن میں نے تجھے سات بار یہی جواب دیا تھا تو نے نہ مانا اور کہا کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے سنوں گا لے۔ اب سن لیا۔ پھر وہ شخص چل دیا اور میں نہ پہچانا کہ وہ کون تھا۔

فائدہ حضرت یزید رقاشی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ یارو ٹھنڈا پانی مجھے دنیا میں نہ دینا ایسا نہ ہو کہ میں آخرت میں اس سے محروم رہ جاؤں۔ کسی نے عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میں کس وقت کلام کروں۔ آپ نے فرمایا کہ جب نفس خاموشی چاہے اس نے پوچھا کہ چپ کس وقت کروں۔ فرمایا کہ جب وہ بولنا چاہیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جسے جنت کا شوق ہو وہ دنیا میں شہوات سے الگ رہے۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ بازاروں میں پھرتے جب کوئی دل پسند چیز دیکھتے تو نفس سے کہتے کہ صبر کرنا چاہیے بخدا کہ میں تجھے منع کرتا ہوں صرف تجھے اپنے نزدیک بڑا سمجھ کر روکتا ہوں۔

فائدہ: ان تمام اقوال سے معلوم ہوا کہ علماء و حکماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سعادت اخروی کا طریق نفس کو ہوائے نفسانی سے روکنے اور مخالفت شہوات کے سوا اور کوئی نہیں تو اس پر ایمان واجب ہے۔

فائدہ: اس علم کی تفصیل کو شہوت سے کون سی شے ترک کرنی چاہیے اور کون سی نہیں۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ نیز معلوم ہوا کہ ریاضت اس کا نام ہے کہ جو چیز قبر میں نہ جائے۔ اس سے نفس کے بقدر ضرورت بہرہ مند کرے یعنی کھانا اور لباس اور نکاح اور مکان اور جو چیزیں کہ ضروری ہوں اس سے بقدر حاجت و ضرورت مستفیذ ہو اگر اس قدر سے کچھ بھی زیادہ کرے گا تو اسی قدر کے ساتھ انس و الفت ہوگی۔ جب مرے گا تو اسی وجہ سے دنیا میں پھر آنے کی تمنا ہوگی۔ جس کو آخرت سے بہرہ نہ ہو اور اس سے نجات کی صورت بھی یہی ہے کہ قلب اللہ کی معرفت اور محبت اور فکر میں مشغول رہے اور اسی کا ہو کر رہے اور دنیا میں اسی قدر پر قناعت کرے جو فکر اور ذکر کی مانع نہ ہو اور یہ باتیں سب اسی کی عنایت سے میسر ہوتی ہیں۔

ریاضت حقیقی تک پہنچنے والے لوگ: ریاضت حقیقی تک پہنچنے کا قصد کرنے والے چار طرح ہیں (1* جس کا قلب ذکر الٰہی میں مستغرق ہو وہ دنیا کی طرف سوائے ضرورت معاش کے التفات ہی نہیں کرتا۔ ایسا شخص صدیقین میں سے ہے مگر یہ رتبہ بہت دنوں کی ریاضت اور مدت تک ترک شہوات کے بعد ملتا ہے۔ (2) وہ شخص ہے کہ دنیا میں اس کا دل ڈوبا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بطور حدیث نفس کے آجاتا ہے۔ یعنی صرف زبان سے ذکر کرتا ہے نہ کہ دل سے تو ایسا شخص ہا لکین سے ہے۔ (3) وہ شخص دنیا اور دین دونوں میں مشغول ہے لیکن قلب پر دین غالب ہے تو ایسا شخص آگ میں ضرور جائے گا مگر جس قدر دل پر غلبہ ذکر الٰہی ہوگا اسی قدر جلد نجات پائے گا۔ (4) وہ شخص کہ دونوں میں مشغول ہے مگر دنیا کا غلبہ دل پر ہے تو یہ شخص دوزخ میں زیادہ رہے گا لیکن اس میں سے نکلے گا کیونکہ دنیا اس کے دل پر غالب تھی مگر اللہ کا ذکر بھی نہ دل سے کرتا تھا اسی قوت سے نجات حاصل ہوگی۔

فائدہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ اشیائے مباحہ سے لذت پانا مباح ہے تو اس سے اللہ کی دوری کیسے ہوگی مگر یہ ان کا خام خیال ہے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ حب الدنیا راس کل خطیئہ (دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے) وہ ہر نیکی کو ضائع کرتی ہے اور مباح شے جو ضرورت سے زیادہ ہوگی تو وہ دنیا ہی ہے اور دوری کا سبب ہوتی ہے چنانچہ اس کا ذکر ذم دنیا کے باب میں آئے گا۔ (یعنی چھٹے باب میں)

حکایت: حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں ایک دفعہ جبل لکام پر تھا مجھے انار نظر آیا میں نے دل میں چاہا ایک توڑ کر چیرا تو کھٹا پایا۔ اسے پھینک کر چل دیا۔ راہ میں ایک شخص پڑا تھا اور اس پر بھڑیں جمع تھیں۔ میں نے کہا السلام علیکم اس نے کہا وعلیک السلام یا ابراہیم میں نے کہا کہ تم نے مجھے کیسے پہچانا؟ اس نے کہا کہ جو اللہ کو پہچانتا ہے۔ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں رہتی۔ میں نے کہا آپ تو خدا رسیدہ ہیں۔ اللہ عزوجل سے دعا کیوں نہیں مانگتے کہ ان بھڑوں سے تمہیں بچائے۔ اس نے جواب دیا آپ بھی تو خدا رسیدہ ہیں دعا کیوں نہیں کرتے کہ انار کی خواہش سے تمہارے خدا رسیدہ دل کو بچائے۔ بھڑوں کا رنج تو دنیا تک ہے شہوات کا دکھ تو آخرت تک رہے گا میں چپ ہو کر چلا آیا۔

حکایت: حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چالیس سال سے میرا نفس یوں چاہتا ہے کہ روٹی چھوہارے کے شیرہ میں تر کر کے کھاؤں مگر میں نے نہ کھائی۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اصلاح قلب طریق آخرت کے سلوک کے لیے نہیں ہوتی جب تک کہ نفس کو شہوات اور مباح چیزوں کی لذت سے نہ روکا جائے اس لیے کہ سالک کو مباحات کی لذت سے محظورات میں پڑ جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی چاہے کہ زبان سے غیبت اور فضول بات نہ نکلے تو اس کو چاہیے کہ بجز ذکر الٰہی یا ضروریات دین کے اور کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالے اور سکوت اختیار کرے۔ یہاں تک کہ شہوات کلام فنا ہو جائے پھر جو زبان سے نکلے گا وہ حق ہوگا بلکہ سکوت اور کلام دونوں پر عبادات ہوں گے اور جب آنکھ میں یہ عادت ظاہر ہو کہ ہر ایک اچھی

چیز کی طرف پڑتی ہے تو حرام چیزوں پر بھی پڑے گی علیٰ ہذا القیاس تمام شہوات کو خیال کرو کیونکہ حلال اور حرام دونوں کی شہوات تو ایک ہی ہیں اور انسان کو حکم ہے کہ حرام سے شہوت کو روکے۔ اگر مقدار حاجت پر کفایت کا عادی نہ ہوگا تو شہوت کا غلبہ ہو جائے گا۔ یہ مباحات کی ادنیٰ آفت ہے۔ اس کے سوا اور بڑی آفات ہیں مثلاً لذت دنیا پاکر نفس خوش ہوتا ہے اور اس کی طرف میلان اور اطمینان کرتا ہے اور اترا کر پھولا نہیں سماتا اور ایسا ہو جاتا ہے جیسا کوئی نشے والا کبھی ہوش میں نہیں آتا۔ یہ خوشی اس کے حق میں زہر قاتل ہے۔ یہ رگ و ریشہ میں پھیل جاتی ہے اور دل سے خوف اور ذکر موت اور احوال قیامت کا یک لخت اڑا دیتی ہے۔ اس کا نام موت قلب ہے اور قرآن مجید میں اکثر مقامات پر دنیا اور اس پر خوش ہونے کی مذمت موجود ہے وَرَضُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا اور راضی ہوئے دنیا کی زندگی پر اور اس پر چین پکڑا اور فرمایا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ترجمہ: اور دنیا کی زندگی کچھ نہیں آخرت کے حساب میں مگر تھوڑا برتنا -12 اور فرمایا اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (الحدید 27 20) ترجمہ کنزالایمان: جان لو کہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود اور آرائش اور تمہارا آپس میں بڑائی مارنا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے زیادتی چاہنا۔

فائدہ: وہ ارباب قلوب جو محتاط ہیں انہوں نے فرمایا کہ دنیوی خوشی کی حالت میں سخت اور سرکش اور ذکر سے کم متاثر ہوتا ہے اور غم کی حالت میں نرم اور صاف اور متاثر ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نجات اسی میں ہے کہ وہ ہمیشہ غمگین رہے اور اسباب خوشی سے کوسوں دور رہے۔ اس لیے اولیاء کرام نے عادت ڈالی کہ شہوات حلال ہو یا حرام سب پر صبر کریں جتنا نفس کی قرار گاہیں اور ٹھکانے ہیں ان سب سے اسے علیحدہ کردیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حلال شہوت میں بھی حساب ہوگا جو ایک قسم کا عذاب ہے اس لیے کہ جس سے مناقشہ حساب ہوگا وہ میدان قیامت میں کیسی تکلیف اٹھائے گا اس لیے انہوں نے اپنے نفسوں کو اس تکلیف سے بچالیا اور شہوت کی غلامی اور قید سے چھوٹ کر دونوں جہانوں کی آزادی اور بادشاہی کرلی اور اللہ تعالیٰ کے ذکر و طاعت سے شغل و انس حاصل کیا اور اپنے نفسوں سے وہ معاملہ کیا جو باز سے۔ اس کی تعلیم کے وقت کیا جاتا ہے یعنی اولاً باز کو اندھیرے مکان میں رکھتے ہیں اور اس کی آنکھیں سی دیتے ہیں تاکہ ہوا میں اڑنا چھوڑ دے جس کا پہلے سے عادی تھا۔ اس سے باز آجائے اس کے بعد اسے گوشت پر لگاتے ہیں تاکہ اپنے مالک کو پہچان لے اور جب اس کی آواز سے اس کے پاس فوراً آجائے اسی طرح نفس بھی اپنے رب سے مانوس نہیں ہوتا اور نہ اس کے ذکر سے الفت کرتا ہے اسی لیے پہلے اس کی عادت خلوت و عزلت سے چھڑائی جاتی ہے اور کان اور آنکھوں کی ان چیزوں سے حفاظت کی جاتی ہے جو اس کی پسندیدہ ہیں۔ پھر ذکر و فکر کی عادت ڈالی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کو اسی سے انس ہو جائے اور انس دنیوی مع تمام شہوات اسے بالکل بھلا دیا جاتا ہے اور یہ سالک کو پہلے گراں گزرتا ہے لیکن بالآخر اس کی عادت پڑ جاتی ہے جیسے شیر خوار بچے کا دودھ چھوڑتے وقت ہوتا ہے کہ وہ روتا ہے اور دودھ کے بدلے جو کھانا اس کے سامنے لاتے ہیں اس سے

بھی نفرت کرتا ہے مگر جب دودھ نہیں ملتا تو پھر اسے برا جانتا ہے۔ اس طرح بچھڑا پہلے لگام اور زین اور سواری سے بھاگتا ہے لیکن جب زبردستی اس سے یہ کام لیا جاتا ہے اور آزاد رہنے کی عادت چھڑانے کے لیے اس کے اگلے پچھلے پاؤں باندھ دیئے جاتے ہیں جب آہستہ آہستہ قابو میں آجاتا ہے تو مودب جس جگہ سوار چھوڑ دے وہاں سے نہیں ہلتا۔ اگرچہ بندھا ہوا نہ ہو۔ ایسے ہی نفس کی تادیب ہوتی ہے اور اس طرح تعلیم دی جاتی ہے کہ لذائذ دنیوی کے دیکھنے اور ان سے انس اور خوشی حاصل کرنے سے روک دیا جاتا ہے بلکہ جتنی چیزیں موت کے بعد اس سے چھوٹ جاتی ہیں سب کا انس چھڑا لیتے ہیں اور یوں سمجھاتے رہتے ہیں کہ جس چیز کے ساتھ چاہے محبت کرلے بالاخر چھوڑنی پڑے گی جب اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ وہ کسی چیز کی طرف بھی دل لگائے گا بالاخر درد فراق میں مبتلا ہوگا بلکہ ان سے جدا ہونا ضروری ہے تو اس نصیحت سے ایسی چیز کی محبت کرتا ہے جس سے کبھی جدائی نہ ہو یعنی ذکر الٰہی کہ قبر میں بھی ساتھ رہے گا وہاں بھی جدا نہ ہوگا اس کے لیے چند روز صبر کرنا پڑا۔ یعنی موت و حیات تک جو بہ نسبت حیات آخرت کے بہت ہی ذرہ بے مقدر ہے۔ عقلاء اس پر راضی ہوتے ہیں کہ سفر کرکے کوئی کام یا ایسا پیشہ سکھ لیں جس سے عمر بھر چین مل جائے۔ یہ مسلم ہے کہ دنیوی زندگی بہ نسبت آخرت کے اتنا بھی نہیں جتنا مدت ایک مہینہ کی بہ نسبت تمام زندگی کے ہے تو اتنے دنوں کا صبر اور مجاہدہ اسی خوشی دائمی کے لیے بہت ضروری ہے۔

فائدہ: طریقہ مجاہدہ اور ریاضت باعتبار احوال انسان کے مختلف ہے مگر یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ اسباب دنیا میں جس کو اس سے خوشی ہو اس کو ترک کردے مثلاً جو لوگ مال اور جاہ سے خوش ہوتے ہیں یا واعظ اپنے وعظ کی تاثیر سے خوش ہوتے ہوں یا ریاست و حکومت کی عزت سے یا کثرت تلامذہ سے خوش ہوتے ہوں تو ان کو چاہیے کہ ان چیزوں کو دل سے بھلا دیں اس کے بعد اگر کوئی چیز ان سے روک دی جائے اور کہا جائے کہ تمہیں اس کے نہ ملنے سے آخرت کا ثواب کم نہیں ہوگا اور وہ اس سے ناخوش ہوں یا اظہار رنجیدہ کریں تو یقین کرنا چاہیے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں کہ رَضُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا راضی ہوئے دنیا کی زندگی پر اور اسی پر چین پڑی اور یہ ان کے حق میں زہر ہے جب اسباب راحت چھوڑ دے تو لوگوں سے الگ ہو کر اپنے دل کا نگران رہے۔ یہاں تک کہ بجز ذکر الٰہی اور کسی چیز میں مشغول نہ ہو اور اگر نفس میں وسوسہ شہوت ظاہر ہو تو اسے دیکھے کہ جب ہی کچھ ظاہر ہو فوراً اس کی جڑ اکھاڑ دے۔ یعنی ظہور وسوسہ کے لیے کوئی سبب ضروری ہے اس کا استیصال اس سبب کے قطع کرنے سے ہوگا اور اسی طرح عمر بھر کرتا رہے گا اس سے معلوم ہوا کہ مجاہدہ نفس کی انتہائی موت ہی ہے۔

تمیز حسن خلق اور علامات: انسان کو اپنے عیوب کی خبر نہیں ہوتی جب ذرہ سا مجاہدہ کرکے بڑے بڑے گناہ چھوڑ دیتا ہے تو یقین کرتا ہے کہ اب میں مہذب ہوگیا اور مجھ میں حسن خلق آگیا اور اب مجاہدہ کی ضرورت نہیں۔ اس لیے ضروری ہوا کہ علامات حسن خلق بتلا دی جائیں کیونکہ خلق عین ایمان ہے اور سوء خلق عین نفاق اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے صفات مومنین اور علامات منافقین بیان کردیئے ہیں اور وہ سب حسن خلق اور سوئے خلق کا نتیجہ

ہیں۔ بعض کو یہاں بیان کرتے ہیں تاکہ حسن خلق کی علامات معلوم ہوجائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خَاشِعُوْنَ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ (المومنون 1 تا 3) ترجمہ کنزالایمان: بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں اور وہ جو کسی بے ہودہ بات کی طرف التفات نہیں کرتے۔ اخر اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْوٰرِثُوْنَ (المومنون 10) ترجمہ کنزالایمان: یہی لوگ وارث ہیں۔ اور فرمایا اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ سے وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ تک۔ ترجمہ توبہ کرنے والے بندگی کرنے والے شکر کرنے والے' بے تعلق رہنے والے' رکوع کرنے والے' سجدہ کرنے والے' نیک بات کو منع کرنے والے' بری بات سے اور حفاظت کرنے والے اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں اور خوشخبری سنا ایمان والوں کو اور فرمایا وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ۝ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَھَنَّمَ اِنَّ عَذَابَھَا کَانَ غَرَامًا ۝ اِنَّھَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا۔ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَامًا ۝ یُّضٰعَفْ لَہُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَیَخْلُدْ فِیْہٖ مُھَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ ۝ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّہٗ یَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ مَتَابًا۔ وَالَّذِیْنَ لَا یَشْھَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا ۝ وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْھَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا۔ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا ھَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا ۝ اُولٰٓئِکَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَۃَ بِمَا صَبَرُوْا وَیُلَقَّوْنَ فِیْھَا تَحِیَّۃً وَّسَلٰمًا ۝ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُکُمْ فَقَدْ کَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ یَکُوْنُ لِزَامًا ۝ (سورہ الفرقان 62 تا 77) ترجمہ کنزالایمان: اور رحمٰن کے وہ بندے کہ زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام۔ اور وہ رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے لیے سجدے اور قیام میں اور وہ جو عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہم سے پھیر دے جہنم کا عذاب۔ بے شک اس کا عذاب گلے کا غل (پھندا) ہے۔ بے شک وہ بہت ہی بری ٹھہرنے کی جگہ ہے اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں نہ حد سے بڑھیں اور نہ تنگی کریں اور ان دونوں کے بیچ اعتدال پر رہیں اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہیں پوجتے اور اس جان کو جس کی اللہ نے حرمت رکھی ناحق نہیں مارتے اور بدکاری نہیں کرتے او جو یہ کام کرے سزا پائے گا۔ بڑھایا جائے گا۔ اس پر عذاب قیامت کے دن اور ہمیشہ اس میں ذلت سے رہے گا مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھا کام کرے تو ایسوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور جو توبہ کرے اور اچھا کام کرے تو وہ اللہ کی طرف رجوع لایا جیسی چاہیے تھی اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب بیہودہ پر گزرتے ہیں اپنی عزت سنبھالے گزر جاتے ہیں اور وہ کہ جبکہ انہیں ان کے رب کی آیتیں یاد دلائی جائیں تو ان پر بہرے اندھے ہو

کر نہیں گرتے اور وہ جو عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دے ہماری بی بیوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہمیں پرہیز گاروں کا پیشوا بنا۔ ان کو جنت کا سب سے اونچا بالاخانہ انعام ملے گا بدلہ ان کے صبر کا اور وہاں مجرے اور سلام کیساتھ ان کی پیشوائی ہوگی۔ ہمیشہ اس میں رہیں گے کیا ہی اچھی ٹھہرنے اور بسنے کی جگہ تم فرماؤ تمہاری کچھ قدر نہیں میرے رب کے یہاں اگر تم اسے نہ پوجو تو تم نے تو جھٹلایا تو اب ہوگا وہ عذاب کہ لپٹ رہے گا۔ (کنزالایمان) پ ۱۹

نوٹ:۔ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے احیاء العلوم 67 جلد اول مطبوعہ مصر میں آیت اول لکھ کر الی آخر السورۃ فرمایا فقیر اویسی غفرلہ نے تمام آیات متن میں مع ترجمہ (امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ لکھے ہیں تاکہ ناظرین کو مطالعہ میں آسانی ہو۔)

فائدہ: جسے اپنے حال میں شک پڑے تو ان آیت کے مطابق خود کو دیکھے اگر تمام باتیں ان میں ہوں تو حسن خلق حاصل ہو اگر کوئی مطابق نہیں تو سو خلق کی علامت ہے اگر کچھ مطابق ہیں اور کچھ نہیں تو اسی قدر نقصان ہے۔ ایسی صورت میں جو بات حاصل ہو گئی اسے محفوظ رکھے اور دوسری کی تلاش کرے۔

فائدہ: حضور ﷺ نے مومن کو بہت صفات سے موصوف فرمایا اور ان سب میں محاسن اخلاق کی طرف اشارہ فرمایا ہے مثلاً ارشاد فرمایا المومن یحب لاخیہ مایحب لنفسہ مومن اپنے بھائی کے واسطے وہ چیز چاہتا ہے جو اپنے لیے چاہتا ہے اور فرمایا من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلیکرم جارہ جو ایمان رکھتا ہے اللہ اور آخرت پر اسے چاہیے کہ اکرام کرے (ایک روایت فلیکرم جارہ چاہیے کہ اپنے ہمسایہ کا اکرم کرے اور ایک میں فلقیل خیراً اویصمت ہے۔ چاہیے کہ اچھی بات کہے یا چپ رہے۔ یہ بھی پہلی حدیث کا ٹکڑا ہے اور یہ بھی بیان فرمایا کہ صفات مومنین کے حسن خلق ہی ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا اکمل المومنین ایمانا احسنھم اخلاقا ترجمہ: ایمانداروں میں سے کامل تر ایمان وہ ہے جو اخلاق میں اچھا ہے اور فرمایا اذا رایتم المومنین صموتا وقوراً فادنو منہ فانہ یلقن الحکمۃ ترجمہ: جب تم مومن کو خاموش اور وقار والا دیکھو تو اس کے قریب ہو کہ وہ حکمت سکھایا جاتا ہے اور فرمایا من سرتہ حسنہ وساءتہ سیئتہ فھو مومن ترجمہ: جسے اپنی نیکی اچھی معلوم ہو اور برائی بری وہ شخص مومن ہے اور فرمایا لا یحل مومن المسلم ان یروع مسلما ترجمہ: کسی مومن کو جائز نہیں ہے کہ اپنے بھائی کو ایسی نگاہ سے دیکھے جس سے اس کو ایذا ہو اور فرمایا انما یتجالس المتجا لسان بامالت اللہ عزوجل فلا یحل لاحد ھما ان یخشی علی اخیہ ما یکرھہ ترجمہ: کوئی مسلمان دو ہم نشین اللہ تعالیٰ کی امانت پر پاس بیٹھے ہیں کہ ان میں سے کسی کو نہ چاہیے کہ ایسی بات دوسرے سے کہے جو اس کو بری معلوم ہو

فائدہ: بعض علماء نے تمام علامات حسن خلق کو ایک جگہ جمع فرمایا ہے چنانچہ فرمایا کہ خوش خلق وہ ہے جو کثیر الحیا

کثیر الصلاح کم آزار کم سخن غیر فضول، کثیر العمل، کم لغزش، راست گفتار، نیک کار، صاحب وقار، صابر شاکر، راضی حلیم رفیق پارسا، شفیق بشاش ہو اور بد گفتار گالی دینے والا چغل خور غیبت کنندہ جلد باز کینہ ور بخیل حاسد نہ ہو بغض و غضب اللہ کے لیے کرے اور حب و رضا بھی اللہ ہی کے لیے انہی مذکورہ امور سے ہے۔ حضور ﷺ سے علامات مومن و منافق کا سوال ہوا تو آپ نے فرمایا ان المومن همنه فی الصلوٰۃ والصیام والمنافق همنه فی الطعام ولشرب کاالبهائم ترجمہ: مومن کی ہمت نماز، روزہ اور عبادت میں ہوتی ہے اور منافق کی ہمت چوپایوں کی طرح کھانے اور پینے میں -12

فائدہ: حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن فکر عبرت میں مشغول رہتا ہے اور منافق حرص و امل میں۔ مومن سوائے اللہ کے کسی سے توقع نہیں رکھتا اور منافق بجز اللہ تعالیٰ کے سب سے متوقع رہتا ہے۔ مومن سوائے اللہ کے سب سے مامون و بے خوف اور منافق گناہ کر کے ہنستا ہے۔ مومن کو خلوت اور تنہائی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ منافق کو جلوت و مجمع اچھا محسوس ہوتا ہے۔ مومن کھیتی کر کے اس کے نقصانوں سے ڈرتا ہے۔ منافق بیخ کنی کر کے خرمن کی توقع رکھتا ہے۔ مومن امرونہی کی سیاست کر کے اصلاح کرتا ہے۔ منافق امرونہی ریاست کی کر کے فساد کرتا ہے۔

فائدہ: حسن خلق کا اول امتحان ایذا پر صبر کرنا سے ہوتا ہے۔ پس جو کوئی دوسرے کی بد خلقی کا شکایت کرنا ہے اس کی اپنی بد خلقی کی دلیل ہے کیونکہ حسن خلق ایذا و جفا کی برداشت کا نام ہے۔

حکایت: حدیث شریف میں ہے کہ ایک دن حضور ﷺ چادر نجرانی موٹے کنارے کی اوڑھے تشریف لیے جاتے تھے اور آپ کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ تھے۔ ایک اعرابی راستہ میں ملا۔ اس نے چادر پکڑ کر اس زور سے کھینچا کہ چادر کا کنارہ آپ کی گردن مبارک میں گھس گیا اور کہا کہ اے محمد ﷺ تمہارے پاس جو اللہ کا مال ہے اس میں سے مجھے بھی دو آپ نے اس کی طرف دیکھا اور ہنس کر اسے کچھ دلوا دیا اور قریش نے ایذا اور دکھ درد جب آپ پر روا رکھی تو آپ نے فرمایا اللهم اغفر لقومی فانهم لا یغلمون ترجمہ: الٰہی میری قوم بخش دے کہ وہ نہیں جانتے۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ یہ کلام آپ نے احد کی جنگ میں فرمایا تھا بہر صورت انہیں باتوں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں فرمایا وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم 4) ترجمہ کنزالایمان: اور بے شک تمہاری خو بو بڑی شان کی ہے۔

حکایت: ایک دن حضرت ابراہم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کسی جنگ میں جا رہے تھے ایک سپاہی ملا اس نے کہا کہ تو غلام ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس نے پوچھا کہ بستی کدھر ہے۔ آپ نے قبرستان کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے کہا کہ میں آبادی پوچھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ قبرستان ہی آبادی ہے۔ اس سے سپاہی کو غصہ آیا سر میں ایسا زور دار ڈنڈا مارا کہ آپ کا سر پھٹ گیا اور آپ کو گرفتار کر کے شہر میں لایا۔ جب آپ کے دوست آشنا آئے اور حال پوچھا تو سپاہی نے ماجرا بیان

کیا۔ انہوں نے کہا یہ تو ابراہیم بن ادھم ہیں۔ سپاہی گھوڑے سے اتر پڑا اور آپ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا اور معذرت کی۔ سب لوگوں نے حضرت ابراہیم بن ادھم سے کہا کہ آپ نے کیوں فرمایا تھا کہ میں غلام ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے مجھ سے یوں نہیں پوچھا کہ تو کس کا غلام ہے بلکہ یہ پوچھا کیا تو بندہ ہے۔ میں بندہ اللہ کا ہوں اس لیے کہہ دیا کہ ہاں میں غلام ہوں۔ جب اس نے مجھے مارا تو میں نے اس کے لیے جنت کی دعا مانگی۔ لوگوں نے پوچھا اس نے تو آپ پر ظلم کیا تھا۔ آپ نے فرمایا مجھے یقین تھا کہ اس مصیبت پر ثواب ملے گا اور میں نے یہ اچھا نہ سمجھا کہ اس کے سبب تو مجھے ثواب ہے اور مری طرف سے اسے عذاب ہو۔

حکایت: حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے بنظر امتحان دعوت کے بہانے بلایا۔ جب آپ اس کے گھر گئے تو کہا کہ اس وقت تو مجھ سے کچھ نہ بن سکا آپ وہاں سے واپس آئے۔ جب بہت دور نکل آئے پھر وہ شخص آیا اور کہا کہ جو اس وقت موجود ہے اس پر قناعت کیجئے۔ جب دروازے پر پہنچے تو جیسے پہلے کہا تھا ویسے کہا پھر آپ لوٹ گئے۔ اس طرح کئی بار بلایا اور لوٹایا مگر آپ ذرہ بھر ناراض نہ ہوئے۔ پھر وہ شخص پاؤں پر گر پڑا اور کہا کہ میں نے آپ کو آزمانا چاہا تھا سبحان اللہ کیا خلق ہے آپ نے فرمایا جو تو نے میری عادت دیکھی وہ تو کتے کی صفت ہے کہ جب بلاؤ چلا آئے اور بھگاؤ تو ہٹ جائے۔

حکایت: انہیں کا واقعہ ہے کہ آپ سوار ہو کر کسی کوچہ میں گزرے اوپر سے ان پر کسی نے راکھ پھینک دی آپ اتر پڑے اور سجدہ شکر ادا کیا اور کپڑوں سے راکھ جھاڑ دی اور کچھ نہ کہا۔ لوگوں نے کہا آپ نے راکھ ڈالنے والے کو جھڑکا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جو آگ کا مستحق تھا اس پر راکھ پڑے تو اسے غصہ مناسب نہیں۔

حکایت: حضرت علی بن موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کا رنگ سانولا تھا اس وجہ سے کہ آپ کی والدہ حبشن تھیں۔ نیشاپور میں آپ کے دروازہ پر ایک حمام تھا۔ جب آپ حمام میں جانا چاہتے تھے تو حمامی آپ کے لیے حمام خالی کر دیتا تھا۔ ایک دن آپ حمام میں تشریف لے گئے وہ دروازہ بند کر کے کسی کام کو چلا گیا۔ اسی دوران ایک دیہاتی آیا اور حمام کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور کپڑے اتار کر حمام میں گیا۔ آپ کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ حمام کا کوئی خادم ہے۔ آپ سے کہا کہ میرے لیے پانی لا۔ آپ نے اس کے کہنے پر عمل کیا بلکہ جو جو کہتا گیا۔ آپ کرتے گئے۔ جب حمامی واپس آیا اور دیہاتی کے کپڑے دیکھے اور اس کی گفتگو آپ کے ساتھ سنی ڈر کر بھاگ گیا۔ جب حمام سے نکلے حمامی کا پوچھا۔ لوگوں نے کہا وہ خوف کے مارے بھاگ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا اسے بھاگنا ضروری تھا قصور اس کا ہے جس نے اپنا نطفہ حبشن کے حوالے کیا۔ (۱)

حکایت حضرت ابو عبداللہ خیاط رحمتہ اللہ علیہ دکان پر بیٹھتے اور کپڑا سینے۔ ایک مجوسی آپ سے دشمنی رکھتا تھا۔ اپنا کپڑا سلواتا اور کھوٹے درہم مزدوری میں دیتا۔ آپ ان کو لے کر واپس نہ کرتے اور نہ اس کو آگاہ کرتے۔ ایک دن

مزدوری دینے آیا تو آپ کو نہ پایا آپ کا شاگرد بیٹھا تھا اس کو اجرت دے کر اپنا کپڑا مانگا شاگرد نے کھوٹا درہم دیکھ کر پھیر دیا۔ جب ابو عبداللہ آئے تو ان سے مجوسی کا کہا آپ نے فرمایا تو نے غلط کیا۔ یہ مجوسی ایک سال سے یہی معاملہ کرتا ہے اور میں چپکے سے اجرت لے کر کنویں میں ڈال دیتا ہوں تاکہ کسی مسلمان کو دھوکا نہ ہو۔

علامات حسن خلق: حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حسن خلق کی دس علامات ہیں۔ (1) قلت خلاف' (2) حسن انصاف' (3) انتقام نہ لینا' (4) گناہوں کو برا جاننا' (5) عذر کرنا' (6) ایذا سہنا' (7) نفس کو ملامت کرتے رہنا' (8) دوسروں کے عیوب سے قطع نظر کر کے اپنے عیوب کو پہچاننا' (9) چھوٹے بڑے سے بکشادہ پیشانی پیش آنا' (10) ادنیٰ اور اعلیٰ کے ساتھ نرمی سے بولنا۔

فائدہ: کسی نے حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حسن خلق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ انتقام نہ لے اور ایذا کو سہے اور ظالم پر رحم کر کے اس کے لیے دعائے مغفرت مانگے۔

حکایت: احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے حلم کس سے سیکھا؟ کہا کہ حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ سے۔ پھر کہا گیا کہ ان کے حلم کا کیا حال ہے؟ آپ نے کہا کہ ایک روز وہ اپنے گھر میں بیٹھے تھے۔ ان کی لونڈی ایک سیخ جس پر کباب پک رہے تھے لے کر آئی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ان کے لڑکے صغیر سن پر گرا اس صدمہ سے وہ لڑکا مر گیا وہ لونڈی خوف زدہ ہوئی آپ نے فرمایا خوف نہ کر میں نے تجھے آزاد کیا۔

حکایت: حضرت سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو جب لڑکے دیکھتے تو پتھر مارتے۔ آپ ان سے کہتے کہ بھائیو اگر مارنا ہے تو چھوٹے چھوٹے پتھر مارو کہ میرے پاؤں میں سے خون نہ نکلے اور نماز کا حرج نہ ہو۔

حکایت: حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کو کسی نے گالیاں دینا شروع کیں اور آپ خاموشی سے چلتے گئے جب محلہ کے قریب پہنچے تو ٹھہر کر اس سے کہا کہ اگر کچھ اور کہنا ہو تو وہ بھی کہہ لے ایسا نہ ہو کہ محلہ کا کوئی بے وقوف تیری آواز سنے اور تجھے ایذا دے۔

حکایت: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ اپنے غلام کو پکارا وہ نہ بولا۔ پھر آپ نے دوبارہ سہ بارہ پکارا نہ بولا۔ آپ خود اس کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ لیٹا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے سنا نہیں۔ اس نے عرض کیا سنا تو تھا آپ نے کہا پھر جواب کیوں نہیں دیا۔ اس نے عرض کیا کہ مجھے خوف تو تھا نہیں کہ آپ ماریں گے اس لیے سستی کر گیا۔ آپ نے فرمایا میں نے تجھے آزاد کیا۔

اے یہ حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کے انکسار و تواضع کے کمال کی دلیل ہے ورنہ آپ کی ہیبت سے بڑے بڑے بادشاہ کانپ جاتے تھے۔ (اویسی غفرلہ)

حکایت: مالک بن دینار کو ایک عورت نے پکارا کہ او ریاکار آپ نے فرمایا یہ نام تو نے خوب نکالا جو اہل بصرہ بھول گئے تھے۔

حکایت: حضرت یحییٰ بن زیاد حارثی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک غلام بد خلق تھا لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ اس کو کیوں رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس سے حلم سیکھوں۔

فائدہ: ان واقعات سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے نفوس ریاضت سے ڈھیلے ہو کر ان کے اخلاق اعتدال پر آگئے تھے اور دغا و خیانت اور حقد سے دل صاف تھے۔ اس کا ثمرہ یہ ہوا کہ تقدیر الٰہی پر راضی ہوئے جو کہ غایت انتہائی حسن خلق کا درجہ ہے کیونکہ جو شخص اللہ کے کام کو اچھا نہ جانے اور اس پر راضی نہ ہو تو اس کی نہایت بد خلقی ہے۔ ان لوگوں کی ظاہر میں علامات حسن خلق کی موجود تھیں جیسا کہ مذکور ہوا اگر کوئی اپنے نفس میں یہ علامات نہ پائے تو اس کو متصف بحسن خلق خیال نہ کرے اور دھوکہ نہ کھائے بلکہ ریاضت اور مجاہدہ میں مشغول ہو یہاں تک کہ درجہ حسن خلق نصیب ہو۔ یہ عظیم الشان مقربین و صدیقین ہی اس کو پہچانتے ہیں۔

بچوں کی ریاضت و تربیت اور حسن اخلاق: بچوں کی تربیت نہایت ضروری ہے اور بچہ ماں باپ کے پاس ایک امانت ہے اور اس کا قلب جو ایک جوہر نفیس سادہ ہر نقش و صورت سے خالی ہر ایک نقش کے قابل ہے اور جس طرح کو مائل کرو اسی طرف میلان کے قابل ہوتا ہے۔ مثلاً اگر اس کی تعلیم خیر کی جائے اور اس کا عادی بنایا جائے تو بڑا ہو کر بھی ایسا ہی کرے گا اور دونوں جہانوں کی سعادت حاصل کرے گا اور اس ثواب میں ماں باپ اور استاد (ادب سکھانے والا) شریک ہیں اور برائی کا عادی ہوگا اور جانوروں کی طرح آزاد چھوڑا جائے گا تو تباہ ہوجائے گا اور اس کا وبال اس کے مربی پر ہوگا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا (التحریم 6) ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ۔

فائدہ: جب ماں باپ دنیا کی آگ سے اپنی اولاد کو بچاتے ہیں تو آخرت کی آگ سے بچانا بطریق اولیٰ ضروری ہے۔ بچے کی حفاظت نار آخرت سے اس طرح ہے کہ ادب اور تہذیب اور محاسن اخلاق سکھائے اور صحبت بد سے بچائے۔ زینت اور بناؤ سنگار اور لذت اور آرام طلبی اس کی نظروں میں حقیر بنائے تاکہ بڑا ہو کر ان کا مطالبہ نہ کرے۔ اس طرح سے ہلاکت ابدی سے بچے بلکہ شروع ہی سے اس کی حفاظت ضروری ہے۔ اسے کسی عورت نیک بخت دیندار حلال خور کا دودھ پلائے کیونکہ حرام کے دودھ میں برکت نہیں ہوتی اور جب بچپن میں حرام کا دودھ پیتا ہے تو اس کے دل میں رچ جاتا ہے۔ بڑا ہو کر خبث کی رغبت کرتا ہے اور جب بچہ سن تمیز کو پہنچے تو اور زیادہ حفاظت ضروری ہے کیونکہ عادت تمیز و حیا کے ظاہر ہونے سے شروع ہوتی ہے اس لیے بچہ بعض افعال حیا کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ عقل کے نور کی جھلک اس میں ہوتی ہے اور بعض چیزوں کی بہ نسبت

بعض کو برا جانتا ہے تو افعال بد سے حیا کرنے لگتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ہے اور اعتدال اخلاق اور صفا قلب کی دلیل ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بڑا ہونے پر باکمال اور عاقل ہوگا تو ایسے شرمیلے لڑکے کو بیکار نہیں چھوڑنا چاہیے بلکہ حیاؤ تادیب میں اس کی مدد کرنی چاہیے۔ شروع میں جو وصف بچے پر غالب ہوتی ہے وہ خواہش طعام ہے تو اسی لیے آداب طعام اسے سکھانے چاہیں کہ داہنے ہاتھ سے کھائے اور طعام پر بسم اللہ کہے اور اپنے سامنے سے کھائے اور دوسروں سے پہلے کھانا شروع نہ کرے اور کھانے کی طرف نہ گھورے اور نہ کسی کھانے کی طرف تاکے اور جلدی جلدی نہ کھائے اور اچھی طرح چبا کر کھائے اور پے درپے لقمہ منہ میں نہ ڈالے اور طعام سے ہاتھ اور کپڑے کو ملوث نہ کرے اور کبھی کبھی روکھی روٹی کی بھی عادت ڈالنی چاہیے تاکہ یہ نہ سمجھے کہ سالن کے ساتھ ہی کھانا ضروری ہے اس کے ساتھ بسیار خوری کی مذمت کرنی چاہیے مثلاً سمجھایا جائے کہ جو زیادہ کھائے وہ جانوروں کی طرح ہے یا کسی بسیار خور لڑکے کی مذمت اس کے سامنے بیان کی جائے اور کم خور بچے کی تعریف کی جائے اور اس کی نظر میں یہ بات بھی اچھی طرح بتانی چاہیے کہ کھانا دوسروں کو دیا کرے۔ خود اس کی پروا کم کرے اور نان شیرات جو کچھ میسر آئے اس پر قناعت کرے اور کپڑوں میں سے سفید کپڑا اس کو پسند کرانا چاہیے۔ رنگین اور ریشمی کے لئے کہہ دینا چاہیے کہ یہ عورتوں اور ہیجڑوں کا لباس ہے مرد اسے برا جانتے ہیں اسی طرح کئی بار اس سے کہا جائے اور جب کوئی لڑکا رنگین و ریشمی کپڑا پہنے نظر آئے۔ اس کے سامنے اس کی حقارت بیان کریں اور اسے ایسے لڑکوں کی صحبت سے بچانا چاہیے جن کی عادات آرام طلبی ہو اور عمدہ پوشاک کا شائق ہو۔ ایسے سے نہ ملنے دے جن کے کہنے سے کرسکے دل میں ان باتوں کی رغبت ہو جائے اس لیے ابتدا میں اگر لڑکے کی خبرگیری نہیں ہوتی تو اکثر بری عادات اس میں پیدا ہوتی ہیں مثلاً جھوٹا حاسد چور جھگڑالو چغل خور بے ہودہ گو بے فائدہ ہنسنے والا اور مکار اور بے پروا ہو جاتا ہے ان امور سے بچوں کو بچانا حسن تادیب ہے بچے کو دینی مدرسہ میں بھیجنا چاہیے اور قرآن اور حدیث اور صلحاء کی حکایت سنانی چاہئیں تاکہ صالحین کی محبت اس کے دل میں جمے اور ایسے اشعار کو جن میں عشق و عاشق کا ذکر ہو اسے نہ پڑھنے دیں بلکہ جو لوگ ایسے اشعار کو دانائی ہوشیاری سمجھتے ہیں ان سے بھی نہ ملنے دیں کہ ان اشعار سے دل میں فساد کا بیج پڑتا ہے (۱) اور جب لڑکا کوئی عمدہ کام کرے تو چاہیے کہ اسے انعام دیں تاکہ خوش ہو اور لوگوں میں اس کی تعریف کریں اور اگر کبھی کوئی کام غلط کرے تو اس سے چشم پوشی کرنی چاہیے اور اس کا پردہ فاش نہیں کرنا چاہیے بالخصوص ایسی صورتوں میں کہ خود لڑکا اسے چھپائے اور اس کے پوشیدہ رکھنے میں جدوجہد کرے کیونکہ اگر اس کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کے ظاہر ہونے سے کچھ نہ ہوا تو آئندہ کو جرات ہوگی اور اسے راز کھلنے کی پروا نہ رہے گی اگر دوبارہ حرکت کرے تو اسے تنہائی میں عتاب کرنا چاہیے اور تاکید کرنی چاہیے کہ خبردار آئندہ ایسا ہرگز نہ کرنا اگر کرو گے تو لوگوں میں رسوائی ہوگی اور ہر وقت بھی نہیں جھڑکنا چاہیے۔ اس سے ملامت کا عادی ہو جاتا ہے اور بری باتوں کے ارتکاب کی جرات بڑھ جاتی ہے اور بات کی تاثیر دل سے جاتی رہتی

ہے۔

فائدہ: باپ کو چاہیے کہ اس کے ساتھ نرمی سے بات کرے کسی وقت معمولی طور پر اسے مرعوب کرلیا کرے اور ماں بھی اس کو بری باتوں سے روکے اور باپ کا خوف دلائے اور دن کو سونے کی عادت نہ ڈالے کہ سستی کا مواجب ہوتی ہے مگر رات کو سونے سے نہ روکنا چاہیے نرم بستر نہ دینا چاہیے تاکہ بدن سخت رہے۔ آرام طلب نہ ہو فرش و لباس و غذا میں آرام طلبی چھوڑنے کا لحاظ رکھے اور کوئی کام اسے پوشیدہ نہ کرنے دیں کیونکہ جس کام کو وہ اپنے نزدیک برا سمجھے گا۔ اس کو چھپا کر کرے گا پھر اس کو اعلانیہ کام کرنے کی عادت ہوگی تو برے افعال سے باز رہے گا اور دن میں کوئی وقت ایسا مقرر کرنا چاہیے کہ جس میں چلنے پھرنے کی عادت ہو تاکہ سستی کا غلبہ نہ ہو اور اس کی بھی عادت رہے گی کہ اپنے ہاتھ پاؤں نہ کھولے اور دوڑ کر نہ چلے اور اپنے باپ کی باتوں سے ہمجولیوں پر فخر نہ کرے۔ طعام و لباس کی اشیاء پر نہ اترائے اور نہ تختی اور دوات وغیرہ پر ناز کرے جو اس سے ملے اس کے ساتھ تواضع اور اکرام سے پیش آئے اور ہر بات نرمی سے کرے اور لڑکوں سے کوئی چیز نہ لے اگر امیر زادہ ہے تو اس کو یوں سمجھایا جائے کہ تمہارا حق دینے کا ہے لینے کا نہیں کسی سے لینا کمینہ پن ہے۔ اگر مسکین گھرانے کا ہے تو اس کو کہا جائے کہ طمع اور لالچ دوسروں سے لینا ذلت اور کتے کی عادت ہے کیونکہ لقمہ کے لیے وہی دم ہلاتا ہے نیز لڑکوں کو سونے چاندی کی محبت اور طمع سے روکنا چاہیے اور انہیں سانپ اور بچھو سے زیادہ خوف دلانا چاہیے کیونکہ ان چیزوں کی آفت کا ضرر بہ نسبت زہر کے لڑکے کے حق میں زیادہ مضر ہے بلکہ بڑوں کے حق میں بھی یہی حال ہے اس کی بھی عادت ڈالنی چاہیے کہ بیٹھنے کی جگہ نہ تھوکے نہ کھنگار ڈالے اور دوسرے کے سامنے جمائی نہ لے اور نہ کسی کی طرف پیٹھ کرکے بیٹھے اور ایک پاؤں پر دوسرا پاؤں نہ رکھے اور تھوڑی کے نیچے ہاتھ نہ ڈالے اور نہ بازو کو سر کا تکیہ کرے کیونکہ یہ تمام امور سستی کے نشان ہیں۔ اسے بیٹھنے کا طریقہ بتانا چاہیے اور زیادہ گفتگو کرنے سے منع کرنا چاہیے اور سمجھانا چاہیے کہ زیادہ بولنا بے حیائی کی علامت ہے کمینہ آدمی زیادہ بولتا ہے اور قسم جھوٹی ہو یا سچی مطلقاً دونوں سے روکنا چاہیے تاکہ بچپن سے قسم کی عادت نہ پڑے اور اس کی بھی عادت ڈالنی چاہیے کہ سب سے پہلے نہ بولے بلکہ جو کوئی پوچھے تو صرف اس کا جواب دے زیادہ کچھ نہ کہے اور جب کوئی دوسرا کوئی بات کہے تو خوب سنے اور اپنے سے بڑے کی اٹھ کر تعظیم کرے اور اس کے لیے جگہ خالی کردے خود اس کے سامنے بیٹھے اور لغو اور فحش اور لعنت اور گالی سے روکنا چاہیے بلکہ جس میں عادت ہوں اس سے ملنے بھی نہ دیا جائے کیونکہ یہ باتیں صحبت بد سے حاصل ہوتی ہیں اور بچوں کی تربیت میں اصل بھی یہی ہے کہ انہیں برے لوگوں کی صحبت سے روکنا چاہیے اور جب استاد سزا دے تو زیادہ شور نہ کرے نہ کسی کو سفارشی بنائے بلکہ صبر کرے سمجھنا چاہیے کہ صبر کرنا جوان مردوں

ا۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل بچوں کے اخلاق تباہ و برباد ہو رہے ہیں کہ گھر میں ٹی وی اور وی سی آر نامعلوم کیا کیا فواحش دیکھے جاتے ہیں۔ ان کا برا اثر بچوں پر پڑتا ہے لیکن جب سارا کنبہ ہی تباہ ہو تو بچوں کا کیا قصور۔ (اویسی غفرلہ)

اور بہادروں کا کام ہے اور زیادہ رونا اور پیٹنا عورتوں اور غلاموں کا کام ہے مدرسہ سے آنے کے بعد اسے کسی اچھے کھیل کی اجازت دینا چاہیے جس سے مدرسہ کی مشقت سے راحت ملے مگر اتنا کھیلے کہ تھک جائے اگر اس قدر کھیل کی اجازت نہ ہو اور تعلیم میں ہمیشہ سخت گیری کی جائے تو لڑکے کا دل اکتا جاتا ہے اور تیزی طبیعت کی ست پڑ جاتی ہے بلکہ زندگی تلخ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ کوئی حیلہ ایسا ڈھونڈنے لگتا ہے کہ جس سے بالکل کچھ نہ سیکھے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے والدین اور استاد (مربی) اور اپنے سے بڑی عمروالوں کی فرمانبرادری کرے۔ اپنا ہو یا بیگانہ ہر ایک کو نظر تعظیم سے دیکھے اور ان کے سامنے نہ کھیلے اور جب سن تمیز کو پہنچے تو طہارت اور وضو نماز کے سکھانے میں بھی غفلت نہ کرنی چاہیے اور رمضان میں کچھ روزے رکھانے چاہئیں اور ریشمی اور قیمتی اور سنہری اور فینسی لباس پہننے سے قطعی طور پر روکا جائے اور بقدر ضرورت شرع شریف کی تعلیم دینی چاہیے اور چوری اور مال حرام اور خیانت اور جھوٹ اور فحش اور جو عادات کہ لڑکوں پر غالب ہو جاتی ہیں ان سے ڈرانا چاہیے اور جب اس طرح پر تربیت ہوئی تو قریب بلوغ ان کے اسرار بتلانے چاہئیں اور یہ کہنا چاہیے کہ طعام بمنزلہ دوا کے ہے۔ ان سے یہ غرض ہے کہ انسان میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طاقت ہو اور چونکہ دنیا ایک ناپائیدار شے ہے اس لیے اس کی کچھ وقعت نہیں۔ موت پر اس کی لذتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ یہ صرف گزر گاہ ہے۔ صرف آخرت رہنے کی جگہ ہے اور موت ہر گھڑی سر پر کھڑی ہے۔ دانا و ہوشیار وہی ہے جو دنیا سے زاد آخرت حاصل کر کے چل دے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا مرتبہ پائے اگر پہلے سے تربیت اچھی ہوگی تو یہ باتیں جو دل میں بلوغ کے وقت دل پر پتھر کی لکیر ہو جائیں گی اگر تربیت اچھی نہ ہوگی اور لڑکے کو کھیل کود اور فحش اور بے حیائی اور طعام اور لباس وغیرہ اور فخر کی عادت ہوگی اور ان باتوں کا اثر دل پر کچھ نہ ہوگا جیسے خشک مٹی دیوار پر نہیں ٹھہرتی۔ خلاصہ یہ کہ بچوں کی تربیت شروع میں بہت ضروری ہے کہ اس وقت اس کا جوہر قلبی ہر طرح کی لیاقت رکھتا ہے۔ خیر و شر دونوں سیکھ سکتا ہے لیکن اس کا اختیار والدین کو ہے جس طرف چاہیں اس طرف پھر سکتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کل مولود یولد علے الفطرة و انما ابواه یهودنه اوینصرانه او یمجسانه ترجمہ: ہر ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے فطرت پر اس کے ماں باپ ہی اس کو یہودی و نصرانی و مجوسی بنا دیتے ہیں۔

حکایت: حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں تین برس کا تھا رات کو جاگتا اور اپنے ماموں محمد بن سوار کو نماز پڑھتے دیکھتا ایک دن انہوں نے فرمایا کہ تو اللہ کا ذکر نہیں کرتا جس نے تجھے پیدا کیا۔ میں نے کہا کہ کس طرح ذکر کروں فرمایا جب تو لیٹا کرے۔ تین بار یہ الفاظ دل سے کہہ لیا کرو لیکن زبان نہ ہلانا اللّٰہ معی اللّٰہ ناظری اللّٰہ شاهدی ترجمہ: اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ میری طرف دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ میرا گواہ ہے)۔ میں نے چند راتیں ورد کیا۔ ان کو اطلاع دی۔ انہوں نے فرمایا کہ اب سات بار کہا کرو۔ میں نے اس پر عمل کیا۔ پھر ان سے کہا انہوں نے فرمایا کہ گیارہ مرتبہ کہا کرو۔ میں نے گیارہ بار کہنا شروع کیا تو میرے دل میں اس کا مزہ محسوس ہوا۔

جب میں نے ایک سال اس کا ورد کیا تو انہوں نے فرمایا کہ جو کچھ میں نے تجھے سکھایا اسے یاد رکھنا اور ہمیشہ اسے جاری رکھنا یہاں تک کہ قبر میں جاؤ۔ یہ وظیفہ تجھے دونوں جہانوں میں کام آئے گا۔ میں نے چند سال اس پر مداومت کی اور باطن میں زیادہ حلاوت محسوس ہوئی، تو ایک روز ماموں نے فرمایا کہ اے سہل اللہ جس کے ساتھ ہو وہ اس کا ناظر اور شاہد رہے تو کیا وہ اس کی نافرمانی کر سکتا ہے۔ خبردار اللہ کی نافرمانی نہ کرنا میں تنہائی میں یہی ذکر رکھتا جب کے مدرسہ میں بٹھایا گیا تو خوف ہوا کہ کہیں اس ورد میں کمی نہ ہو اس لیے میں نے کہا کہ استاد سے یہ شرط کرلوں کہ ایک گھنٹہ پڑھ کر چلا جاؤں گا۔ پھر مدرسہ میں جا کر چھ یا سات برس کی عمر میں کلام اللہ حفظ کرلیا اور ہمیشہ روزہ رکھتا اور بارہ سال کی عمر تک جو کی روٹی کھائی۔ جب تیرہ سال کا ہوا تو ایک سوال میرے دل میں پیدا ہوا۔ وہ یہ کہ میں گھر والوں سے کہہ دوں کہ مجھے بصرہ میں بھیج دو۔ وہاں جا کر کچھ سوالات کروں۔ انہوں نے مجھے بصرہ میں بھیج دیا۔ میں نے بصرہ کے علماء سے دریافت کیا کسی نے جواب شافی نہ دیا تو آبادان کو چلا گیا وہاں ایک بزرگ حضرت ابو حبیب رحمتہ اللہ علیہ رہتے تھے۔ ان سے پوچھا تو انہوں نے جواب شافی دیا۔ میں ایک مدت تک ان کی صحبت سے نفع لیتا رہا اور ان سے طریقہ حق سیکھا۔ پھر میں تستر کو واپس ہوا اور اپنی غذا یوں مقرر کی کہ ایک درہم کے جو خریدتا اور ان کو پسوا کر روکھی روٹی بے نمک سحر کے وقت بمقدار ایک چھٹانک کھاتا تو ایک درہم سال بھر کو کافی ہو جاتا۔ پھر میں تین دن روزہ وصال رکھتا اور ایک روزہ افطار کرتا پھر پانچ پھر سات یہاں تک کے 25 دن کے صوم وصال تک نوبت پہنچی اور بیس برس اسی طرح گزر گئے پھر میں نے چند سال ملکوں کا سفر کیا اور تستر میں لوٹ کر تمام شب کا جاگنا اختیار کیا۔

حسن خلق کی تمیز اور اس کی علامات: جو کوئی اپنے دل سے آخرت کا مشاہدہ یقینی کرلیتا ہے وہ آخرت کے راز کا مشتاق ہوتا ہے اسی راستہ پر چلتا ہے۔ دنیا کی نعمتوں اور لذتوں کو خوار و ناپائیدار سمجھتا ہے۔ جیسا کہ کسی کے پاس کوڑی ہو۔ اس کو کوئی جوہر قیمتی نظر پڑے تو کوڑی کی رغبت اس کے دل میں نہ رہے گی اور یہ چاہے گا کہ اس جوہر سے اس کو بدل لوں جسے رغبت آخرت نہیں اور نہ دیدار الٰہی کا طالب ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ اور قیامت پر اس کو ایمان نہیں اور ہماری مراد اس ایمان سے نہیں کہ زبان سے کلمہ شہادت کہہ لیا اور بے صدق و اخلاص دل میں خیال گزر گیا ایسے ایمان کی مثال یوں ہے کہ کوئی اس بات کی تصدیق کرے کہ جوہر کوڑی سے اچھا ہے مگر جوہر کا نام ہی سنا ہے۔ اس کی حقیقت نہیں جانتا۔ اس طرح کا شخص اگر کوڑی کی الفت میں پڑ جائے گا تو اس کو نہیں چھوڑے گا اور جواہر کا اشتیاق نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وصول الی اللہ سلوک کے بغیر نہیں ہوتا اور سلوک بے ارادہ ممکن نہیں اور ارادہ مانع ایمان کا نہ ہوتا اور ایمان کے نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ کوئی ہادی اور ناصر نہیں اور علماء جو راہ حق بتائیں اور دنیا کی حقارت اور اس کی فضا اور آخرت کا امر اچھا اور اس کی بقا سمجھانا مفقود ہے اس سے خلق اللہ غافل ہے۔ ہر ایک اپنی شہوات میں مستغرق اور معرفت الٰہی سے خواب غفلت میں ہیں کوئی عالم دین ایسا نہیں کہ ان کو متنبہ کرے۔ اگر کوئی متنبہ ہوتا ہے تو خود ناواقفیت کی وجہ سے چل نہیں سکتا اگر علماء سے

پوچھتا ہے تو وہ خود ہوائے نفسانی میں مبتلا ہو کر راہ راست سے علیحدہ ہیں تو ضعف ارادہ اور راہ کی ناواقفیت اور علماء کا ہوائے نفسانی سے بولنا اس کا سبب ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنے والے نہ رہے پس جب مقصود محجوب ہو اور راہبر مفقود اور ہوائے نفسانی غالب اور طالب غافل نور لازماً راہ خالی رہے گی اور منزل مقصود تک پہنچنا دشوار ہوگا اگر کوئی ہوشیار آدمی خود بخود یا کسی دوسرے کی ترغیب سے تجارت آخرت کا ارادہ کرے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ارادات یعنی مرید ہونے کے لیے ابتدا میں چند شرائط ہیں پہلے ان کو بجا لانا چاہیے۔ وہ یہ ہیں۔ (1) گرفت کی چیز ہے جس کو گرفت میں لانا چاہیے۔ (2) قلعہ ہے جس میں پناہ لینی چاہیے تاکہ دشمنوں رہزنوں سے بچے نیز چند وظائف ہیں کہ سلوک کے دوران ان پر مداومت کرنی چاہیے وہ شرائط کہ ان کا مقدم کرنا ضروری ہے وہ یہ ہیں۔ (1) اپنے اور حق کے درمیان میں جو حجاب اور رکاوٹ ہے اسے دور کرنا چاہیے کیونکہ مخلوق کا حق سے محروم ہونا اسی وجہ سے ہے کہ بہت سے پردے درمیان میں حائل ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (یٰسین 22 9) ترجمہ کنزالایمان: اور ہم نے ان کے آگے دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور انہیں اوپر سے ڈھانک دیا سو ان کو کچھ نہیں سوجھتا۔ اور مرید اور حق کے درمیان حجاب چار ہیں۔ مال، جاہ تقلید، نافرمانی، مال کا حجاب اس طرح دور ہوتا ہے کہ اسے تقسیم کردے اور بقدر ضرورت کے سوا تمام مال اپنے ملک سے نکال دے کیونکہ جب تک ایک ٹیڈی پیسہ بھی پاس رہے گا۔ دل کی توجہ اس طرف رہے گی اور وہی حجاب رہے گا اور جاہ کے حجاب دور کرنے کی تدبیر ہے کہ ایسی جگہ میں نہ رہے جہاں جاہ حاصل ہو اور سکونت اور تواضع اختیار کرے اور ایسے اعمال کرے کو مخلوق کو اس سے نفرت ہو جائے۔ تقلید کا حجاب مرتفع ہونے کا یہ طریقہ ہے کہ مذاہب کا تعصب ترک کردے اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے معنی کا اقرار کرکے اس کی تصدیق حقیقی کے حاصل کرنے کا حرص کرے یعنی سوائے اللہ تعالیٰ کے جو چیز اس کی معبود ہو اس کو نابود کرے اور سب سے بڑھ کر سالک کا معبود ہوائے نفسانی ہے۔ اسے دور کرے اگر ایسا کیئے جائے گا تو جس چیز کا اعتقاد تقلید کے باعث حاصل ہوا ہے اس کی حقیقت کھل جائے گی اور یہ بات مجاہدہ سے حاصل ہوتی ہے مجادلہ سے نہیں اگر اس پر تعصب کا غلبہ ہوگا کہ نفس میں سوائے اس اعتقاد تقلیدی کے اور کسی بات کی گنجائش نہ ہوگی تو اسی میں گرفتار رہے گا اور یہی امر باعث حجاب ہوگا کیونکہ مرید میں یہ شرط نہیں کہ کسی خاص مذہب کا ہو۔ نافرمانی کے حجاب رفع کرنے کی تدبیر بجز اس کے نہیں کہ توبہ کرے اور گناہوں سے پاک و صاف ہو اور عہد مضبوط کرے کہ دوبارہ ایسا نہ کروں گا اور پہلے گناہوں سے شرم کرکے جو کسی کی چیز چھین لی ہو۔ واپس کرے اور حق والوں کو ان کے حق ادا کرے پھر جو کوئی توبہ نہ کرے اور گناہ ظاہری بھی نہ چھوڑے اور یہ چاہے کہ اسرار دین کے مکاشفات اسے معلوم ہو جائیں اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی عربی سیکھے بغیر چاہیے کہ قرآن شریف کے اسرار اور تفسیر معلوم ہو جائے حالانکہ دستور ہے کہ پہلے عربی الفاظ کا ترجمہ سیکھے ہیں پھر اس کے بعد معانی کے اسرار معلوم کرتے ہیں اس طرح یہاں پہلے ظاہر

شریعت ابتدا سے آخر تک درست کرلیتے ہیں پھر اس کے اسرار و دقائق کی طرف ترقی کرتے ہیں۔

فائدہ: جب ان چاروں شرائط کو مقدم کر کے مال و جاہ سے کنارہ کرے گا تو ایسا ہو جائے گا کہ جیسے کوئی وضو اور طہارت کر کے نماز کے قابل بن جائے اور صرف ایک امام کی اقتداء کی ضرورت رہے۔ اسی طرح مرید کو ایک مرشد اور استاد کی ضرورت ہوگی جو راہ مستقیم بتا دے اسی لیے کہ دین کا راستہ بہت باریک ہے اور شیطان کی راہیں ظاہر اور بکثرت ہیں تو اگر مرشد ہادی نہ ہوگا تو لازماً شیطان اپنے راستوں کی طرف کھینچ لے گا کہ بلا رہبر راہ پر خطر پر چلنا اپنی جان کو تباہی میں ڈالنا ہے اور جو لوگ اپنی عقل پر اعتماد کرتے ہیں وہ ایسے ہیں جیسے خودرو درخت ہوتا ہے کہ تھوڑے عرصہ میں سوکھ جاتا ہے صرف چند روز ٹھہرا اور پتے بھی نکل آئے اسے پھل نہیں لگتا خلاصہ یہ کہ بعد تقدیم چاروں مشروط مذکورہ کے مرید کے لیے جو شے ضروری ہے وہ استاد اس پر ایسے تمسک چاہیے جیسے نہر کے کنارے نابینا اپنی لاٹھی پکڑنے والے پر کرتا ہے کہ اپنا تمام امر اس کے سپرد کر دیتا ہے۔ ہر نشیب و فراز اس کی تابعداری میں کرتا ہے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا اسی طرح مرید کو مرشد کے ساتھ کرنا چاہیے اور جان لے اگر مرشد غلطی بھی کرے گا تو اس کی غلطی میں بھی مجھے زیادہ نفع ہے۔ یہ نسبت اس کے کہ میں اکیلا چلوں اور اتفاقاً راہ صواب پر چل جاؤں تو جب ایسا مرشد مل جائے تو مرشد کو چاہیے کہ اپنے مرید کو ایسی پناہ کی جگہ اور قلعہ میں بٹھائے کہ راہزنوں سے محفوظ رہے اور یہ قلعہ چار اشیاء ہیں' خلوت' سکوت' بیداری' بھوک کیونکہ مرید کا مقصود ہے کہ قلب کی اصلاح ہو جائے تاکہ اس سے پروردگار کا مشاہدہ کرے۔ اس کے قرب کی لیاقت نصیب ہو اور یہ ان چاروں چیزوں سے حاصل ہے۔ بھوک سے دل کا خون کم ہو کر سفید ہو جاتا ہے اور سفیدی اس کا نور ہے اور نیز چربی دل کی بھوک سے دور ہو جاتی ہے اور یہ بات اس کی نرمی کا موجب ہے یہی کلید مکاشفہ ہے جس طرح سختی دل باعث حجاب کا موجب اور جب خون دل کم ہو جاتا ہے تو دشمن کی راہ کم ہو جاتی ہے اس لیے کہ اس کی گزر گاہ رنگین ہے جن میں شہوات بھرے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حوارین کو فرمایا کہ اپنے پیٹوں کو بھوکا رکھو تاکہ اپنے پروردگار کو دیکھو۔

فائدہ: حضرت سہل تستری علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ ابدال چار چیزوں سے رتبہ پاتے ہیں۔ پیٹ بھوکا رکھنا' جاگنا' سکوت' عزلت'

فائدہ: بھوک سے قلب کا روشن ہونا ظاہر ہے' تجربہ بھی ہے اور باب کسر شہوت میں اس کا بیان مفصل آئے گا۔ بیداری سے یہ فائدہ ہے کہ قلب کا جلاؤ اور صفائی حاصل ہوتی ہے اور جس قدر بھوک سے نور حاصل ہوا تھا اس پر یہ نور زیادہ ہو جاتا ہے اور دل ستارہ یا آئینہ کی طرح چمکنے لگتا ہے اور اس میں جمال حق ظاہر ہو جاتا ہے اور آخرت کے بلند درجات اور دنیا کی حقارت اور اس کی آفات نظر آنے لگتی ہیں تو اس صورت میں سالک کا دل اس

کی طرف سے ہٹ جاتا ہے اور ہمہ تن آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔اور بیداری بھوک کا نتیجہ ہے۔ پیٹ بھرنے پر جاگنا نہیں سو سکتا ہے۔ نیند دل کو سخت اور مردہ کر دیتی ہے لیکن اگر بقدر ضرورت ہو تو مکاشفہ اسرار غیبی کا سبب ہوتی ہے۔ ابدال کی صفات میں لکھا ہے کہ غذا ان کی فاقہ اور نیند غلبہ اور کلام بقدر ضرورت ہے۔

فائدہ: حضرت ابراہیم خواص علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ ستر صدیقین کی رائے اس پر متفق ہوئی ہے کہ زیادہ پانی پینے سے نیند بڑھتی ہے اور سکوت کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے گوشہ نشین آسان ہو جاتی ہے مگر گوشہ نشینی کو اس کا دیکھنا ضروری ہوتا ہے جو کھانا پانی وغیرہ پہنچائے تو چاہیے کہ اس سے ضرورت کے سوا کلام نہ کرے۔ کلام سے دل دوسری طرف مصروف ہو جاتا ہے اور دل کو کلام کی طرف بڑی رغبت ہے کیونکہ ذکر فکر سے تھک کر اس میں آرام ملتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ سکوت سے عقل کو قوت ملتی ہے اور ورع و تقویٰ کا باعث ہوتا ہے اور خلوت کا فائدہ یہ ہے کہ آنکھ اور کان جو قلب کے دروازے میں رکے رہیں اور شغل دور ہو جائیں کیونکہ دل بمنزلہ ایک حوض کے ہے جس میں حواس کی نہروں سے گندہ پانی اور خس و خاشاک گرتا ہے اور ریاضت سے مطلوب ہے کہ یہ حوض کے ہے جس میں حواس کی نہروں سے گندا پانی اور خس و خاشاک گزرتا ہے اور ریاضت سے یہ مطلوب ہے کہ یہ حوض اس گندے پانی سے خالی ہو جائے اور کیچڑ تہ سے نکل جائے تاکہ اس کو کھودتے کھودتے اصل پانی تک پہنچائیں اور پھر صاف ستھرا پانی نکل آئے یہ ناممکن ہے کہ نہروں سے پانی کو نہ روکیں اور حوص خالی ہو جائے بلکہ جتنا حوض خالی کرو گے اس سے زیادہ اور چلا آئے گا اس لیے ضروری ہوا کہ حواس کو ضرورت کے سوا ضبط کیا جائے اور یہ بلا خلوت نشینی اندھیرے مکان کے نہیں ہو سکتی۔ اگر اندھیرا مکان نہ ملے تو اپنا منہ چادر وغیرہ سے ڈھانپ لے اس وقت آواز غیب سے سنائی دے گا اور جلال ربوبیت محسوس ہونے لگے تو حضور ﷺ کو ایسے ہی حال میں آواز پہنچتی تھی کہ یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ (المزمل ۱) ترجمہ کنزالایمان: جھرمٹ مارنے والے اور یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ (المدثر ۱) ترجمہ کنزالایمان: اے بالاپوش اوڑھنے والے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ یہ چاروں چیزیں بمنزلہ قلعہ یا ڈھال ہیں جن سے راہزن دور ہوتے ہیں اور موانع برطرف جب یہ منزل طے کر چکے تو اب راہ معرفت کے چلنے میں مشغول ہو اور اس کا چلنا گھاٹیوں کو طے کیے بغیر نہ ہوگا اور اس راہ میں گھاٹیاں صفت قلبی ہیں جو التفات دنیا کے سبب سے ہوتی ہیں اور ان میں سے بعض آسان ہیں اور بعض مشکل انہیں بالترتیب شروع کرے۔ یعنی سب سے پہلے آسان طے کرے پھر اس سے مشکل کو پھر اس سے مشکل تر کو اور یہ صفات انہیں علائق کے اسرار اور آثار ہیں جو شروع ارادت میں قطع کیے ہیں یعنی مال و جاہ و حب دنیا و التفات الی الحق اور معاصی کا میلان پس ضروری ہے کہ ظاہر میں ان کے اسباب دفع کردیئے باطن سے بھی ان کے نشان دفع کرے اور اس میں بہت مجاہدہ چاہیے اور باعتبار اختلاف احوال کے یہ بھی مختلف ہوتا ہے بعض سالک اکثر صفات سے محفوظ ہوتے ہیں۔ انہیں معمولی مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اور جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مجاہدہ مخالفت

خواہشات شہوات کے خلاف کرنا یہ ایسی صفت ہے کہ نفس مرید کی ہر صفت پر غالب ہوتی ہے۔ جب شہوات سے محفوظ ہو جائے۔ یا انہیں ضعیف کردیا ہے اور دل میں کوئی یقین قابل شغل نہ رہے تو مرشد کو چاہیے کہ ہمیشہ اس کے دل کی نگرانی کرے اور وظائف ظاہری زیادہ نہ پڑھنے دے بلکہ فرائض اور سنن پر اکتفاکر کے صرف ایک وظیفہ (تمام اوراد کا مغزو ثمرہ ہے) کا ورد کرے وہ یہ ہے کہ جب دل غیر اللہ سے فارغ ہو جائے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرائے اور جب اس کا دل دیگر تعلقات کی طرف ملتفت ہو اس ذکر مبارک کا شغل نہ بنائے۔

حکایت: حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مرید حضری سے فرمایا تھا کہ جس جمعہ کو تم میرے پاس آتے ہو اگر اس سے لے کر دوسرے جمعہ تک تمہارے دل میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور چیز گزرے تو تم کو میرے پاس آنا حرام ہے۔

فائدہ: اس طرح کا تجرد بے صدق ارادت اور غلبہ محبت الٰہی کے حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ عاشق صادق نہ بن جائے کہ سوائے ایک فکر کے دوسرا باقی نہ رہے جب مرید کا حال اس طرح ہو تو مرشد اس کو اجازت دے کہ کسی گوشہ میں اکیلا بیٹھے اور ایک آدمی ایسا مقرر کردے کہ اس کو تھوڑی سی حلال غذا پہنچا دیا کرے کیونکہ رزق حلال بہت ضروری ہے کیونکہ دین کے طریق کی اصل یہی ہے کہ غذا حلال کھائے اور پھر اسے ذکر کی تعلیم کرے کہ وہ اپنا دل اور زبان اس میں مشغول کرے مثلاً اللہ اللہ یا سبحان اللہ یا دیگر الفاظ جو مرشد کی تجویز کرے ہمیشہ بیٹھ کر کہتا رہے اس کی ایسی مواظبت کرے کہ زبان کی حرکت موقوف ہو جائے اور کلمہ مذکورہ گویا زبان پر بلا حرکت جاری ہو جائے۔ پر حال پر مداومت کرے کہ زبان سے بھی اثر جاتا رہتا ہے۔ دل میں صورت لفظ کی منقوش ہو جائے۔ پھر اس پر مداومت کرنے سے لفظوں کی صورت یعنی حروف دل سے مٹ جائیں۔ صرف لفظوں کے معانی دل کے ساتھ اور اس پر غالب رہیں۔ اس طرح کہ کبھی سامنے سے غائب نہ ہوں اور کل ماسوا سے دل خالی ہو جائے کیونکہ دل جب ایک میں مشغول ہو جاتا ہے تو دوسری شے کوئی بھی ہو اس سے نکل جاتی ہے اس لیے اگر ذکر الٰہی مقصود بالذات میں مشغول ہو جاتا ہے تو بے شک ماسوا سے خالی ہوجائے گا۔ اب اس وقت یہ چاہیے کہ وساوس و خواطر دینوی سے دل کو بچائے اور اپنا اور پرایا حال کچھ یاد نہ کرے اس لیے کہ دل اگر ذرہ بھی اس طرف متوجہ ہو گا یاد الٰہی سے خالی رہے گا اور نقصان ہو جائے گا تو ایسے امور کو لازماً دفع کرنا چاہیے۔

فائدہ: جب تمام وساوس کو دفع کر کے ایک خاص کلمہ کی طرف نفس کو پھیرے گا تو اسی کلمہ کے متعلق وساوس پیدا ہوں گے کہ یہ کلمہ کیا ہے اور اللہ کے معنی کیا ہیں اور وہ کسی سبب سے اللہ اور ان وساوس سے فکر کا دروازہ کھل جائے گا اور شیطان کی طرف سے ایسے وساوس آنے لگیں کے کفر و بدعت ہوں مگر جب ان کے وساوس کو برا جانتا ہو گا اور قلب سے ان کے دور کرنے کے لے مستعد رہے گا تو ان سے کچھ نقصان نہ ہو گا۔

فائدہ: وساوس کی دو قسمیں ہیں (ا) جن میں یقیناً معلوم ہو جائے کہ اللہ عزوجل ان شبہات سے پاک ہے۔ مگر شیطان دل میں ڈال کر ان میں پھنسانا چاہتا ہے تو ان کا علاج یہ ہے کہ اس کی پروا نہ کرے اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے پناہ مانگتے ہی اس کو دور کرے جیسا کہ خود فرمایا وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (الاعراف 200) ترجمہ کنزالایمان: اور اے سننے والے اگر شیطان تجھے کوئی کونچا دے تو اللہ کی پناہ مانگ بے شک وہی سنتا جانتا ہے۔ اور فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (الاعراف 201) ترجمہ کنزالایمان: بے شک وہ جو ڈر والے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے ہوشیار ہو جاتے ہیں اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ (2) وہ ہیں جن میں تردد اور شک ہو تو ان کی تدبیر یہ ہے کہ مرشد سے کہے بلکہ جو کچھ دل پر گزرے سستی ہو یا نشاط یا التفات کسی علاقہ کی طرف یا صدق ارادت سب کو اس سے کہہ دینا چاہیے سوا اس کے اور دن سے اس کا ذکر نہ کرے۔ پھر مرشد کو چاہیے کہ اس کے حال کو اس کی ذکا اور فہم کو بہ نظر تامل دیکھے۔ اگر اسے ایسا جانے کہ بحال خود چھوڑنے اور فکر کی اجازت دینے سے خود بخود امرِ حق پر متنبہ ہو جائے گا تو اس کو فکر میں مشغول رکھے اور اس پر مداومت کی اجازت دے یہاں تک کہ اس کے دل میں نور الٰہی جلوہ گر ہو اور حقیقت امر جوں کی توں معلوم ہو جائے اگر ایسا جانے کے جیسے خود بخود معلوم نہ کر سکے گا تو اس کے سامنے اعتقاد یقینی شبہ مذکور کا جس قدر اس کے دل کو تحمل ہو بیان کرے اور پند و نصیحت کے بعد ایک اعتقاد الٰہی کی دلیل سنائے جو اس کے فہم میں آجائے

فائدہ: چاہیے کہ حسب مقتضائے حال بہت نرمی سے سمجھائے کیونکہ یہ طریق مہلک اور پرخطر ہے بعض مریدوں کو اثنائے شغل ریاضت میں ایسے خیال فاسد جم گئے کہ ان کے کشف پر ان کو قدرت نہ ہوئی تو اپنی رفتار چھوڑ کر راہ بطالت طے کرنے لگے اور یہ انتہائی تباہی ہے اور جو شخص صرف ذکر میں مشغول رہے اور ان تعلقات کو جو دل کو مشغول کرتے ہیں وہ بھی ایسے افکار سے خالی نہیں ہوتا کیونکہ یہ خطرہ کی کشتی میں سوار ہے لیکن اگر بچ گیا تو دین کا بادشاہ ہے اگر چوک گیا تو تباہ ہوا۔

حدیث: حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا علیکم بدین العجائز یعنی اصل ایمان اور ظاہر اعتقاد بطور تقلید مان کر اعمال خیر میں مصروف ہونا چاہیے اس کے خلاف بہت سے خطرے ہیں۔ اس لحاظ سے بعض کے نزدیک مرشد پر واجب ہے کہ مرید کا حال فراست سے معلوم کرے اگر ذکی و ہوشیار نہ ہو تو اور اعتقاد ظاہری بھی قرار واقعی نہ رکھتا ہو تو اس کو ذکر و فکر میں مشغول نہ کرے بلکہ اعمال ظاہری کا پابند کر کے وظائف متواترہ اور مشہور اوراد بتلا دے یا فکر والوں کی خدمت میں مشغول کر دے تاکہ ان کی برکت میں یہ بھی شامل ہو جائے۔ جب کوئی جہاد سے عاجز ہو تو اسے چاہیے کہ مجاہدین کو پانی پلائے اور ان کے جانوروں کی خبر گیری کرے تاکہ ان کی برکت میں شریک ہو۔ اگرچہ

ان کا درجہ نہ پائے پھر مرید ذاکر کو اور بہت سے رہزن مثل عجب اور ریا اور احوال کے منکشف ہونے کی خوشی اور اوائل کرامات کے ظاہر ہونے کی فرحت پیش آتے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی کی طرف التفات کرے اور نفس کو اسی قدر پر قانع کردے تو سلوک میں خلل واقع ہو اور اسی جگہ رہ جائے تو ایسی صورت میں چاہیے کہ اپنے حال پر زندگی بسر کرے اور کسی امر پر قناعت نہ کرے بلکہ اپنا حال مثل اس پیاسے جیسا سمجھے کہ اگر بالفرض دریا و سمندر اس کے سامنے آجائیں تب بھی پیاس نہ بجھے اور راس المال مخلوق سے علیحدگی اور خلوت کو جانے۔

حکایت: ایک سیاح نے کہا کہ میں نے ایک ابدال گوشہ نشین کی خدمت میں عرض کیا کہ تحقیق کی راہ کس طرح ہے اور ایک دفعہ پوچھا کہ کوئی ایسا عمل بتلایئے جس سے میرا دل ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے انہوں نے فرمایا کہ مخلوق کو نہ دیکھ کیونکہ ان کی طرف دیکھنا تاریکی ہے۔ میں نے کہا کہ یہ تو ضروری ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ان کا کلام نہ سن کہ سختی دل کا باعث ہے میں نے کہا۔ یہ بھی ضروری ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ان سے لین دین نہ کر۔ اس سے وحشت ہوتی ہے۔ میں نے کہا ان میں تو رہتا ہوں۔ لین دین کیسے چھوڑ دوں۔ انہوں نے فرمایا کہ ان میں نہ رہ۔ ان میں رہنا تو عین تباہی ہے۔ میں نے کہا کہ ان کے درمیان رہنے کا تو مرض ہوگیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ عجیب بات ہے غافلون کی طرف دیکھنا بھی چاہتے ہو جاہلوں کے کلام بھی سنو جھوٹوں سے معاملہ بھی کرو اور پھر چاہتے ہو کہ ہمیشہ دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے۔ یہ کبھی نہیں ہوگا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ منتہائے ریاضت یہ ہے کہ آدمی علی الادوام اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ پائے اور اس کے غیر سے خالی ہونا ناممکن ہے اور غیر سے خالی ہونا بلا مجاہدہ نہیں ہو سکتا۔ جب اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ پائے گا تو جلال حضرت ربوبیت منکشف ہوگا اور حق جلوہ گر ایسے وظائف اللہ کی طرف سے معلوم ہوں گے جن کی صفت بیان نہیں ہو سکتی جب مرید کا حال اس درجہ تک پہنچے اور ان میں کچھ منکشف ہونے لگے تو اس وقت بڑا رہزن یہ ہوتا ہے کہ امور کو بطور پند و نصیحت بیان کرنے لگتا ہے اور وعظ و تقریر کرنے لگتا ہے۔ اس سے نفس کو کمال درجہ کی لذت سے اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ ان معانی کو حسن الفاظ سے مرتب مزین بیان کیجئے اور حکایت و دلائل قرآن و حدیث سے مدلل اور ایسی خوبصورتی سے ادا ہوں کہ عوام کو ان کے سننے کی طرف رغبت ہو اور شیطان دل میں یہ خیال ڈال دیتا ہے کہ یہ امر اس لیے ہے کہ جو لوگ اللہ سے غافل ہیں ان کے دل زندہ ہو جائیں ہمیں تو اس سے نہ کچھ فائدہ نہ لذت ہم صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے وسیلہ و ذریعہ ہیں کہ ان کو اس کی راہ بتاتے ہیں. اور یہ شیطانی وسوسہ اس وقت کھلتا ہے کہ کوئی اپنے ہمسروں میں ایسا ہو کہ اس کا وعظ اپنی نسبت عمدہ ہو اور لوگوں کا اگر میلان بھی اس کی طرف زیادہ ہو پس اگر وعظ کوئی لذت کے سبب ہوگا تو ایسے شخص کو دیکھ کر رگ حسد دل میں جوش کرے گی اور اگر واقع میں بھی منظور ہوگا کہ لوگ راہ راست پر آجائیں تو ایسے شخص سے کمال طبیعت خوش ہوگی اور اللہ کا شکر کرے گا کہ خوب ہوا جیسے کوئی لاوارث مردہ کو دفنانا چاہئے اور کوئی جگہ نہ ہو

اور شرعاً اس کے ذمہ ہو جائے تو ایسے وقت میں اگر کوئی مددگار بننا چاہے تو بہت خوشی ہوتی ہے اسے کسی طرح کا حسد نہیں ہوتا۔ اسی طرح غافل لوگ مردہ ہیں اور واعظ ان کے دلوں کو زندہ کرنا چاہتے ہیں تو واعظین کی کثرت سے ایک دوسرے کو اعانت اور راحت ہوتی ہے۔ یہ مقام خوشی کا ہے نہ کہ حسد کا ایسا بہت کم پایا جاتا ہے اس لیے کہ مرید کو چاہئے کہ اس سے بچے کیونکہ یہ شیطان کے بڑے جالوں میں سے ہے جس سے ان لوگوں کو گمراہ کرتا ہے جن سے کچھ راہ معرفت کھلتی ہے اور لوگ اس وجہ سے اس جال میں پھنس جاتے ہیں کہ دینوی زندگی انسان پر طبعاً" غالب ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ﴿ اعلیٰ 16﴾ ترجمہ کنزالایمان: بلکہ تم جیتی دنیا کو ترجیح دیتے ہو۔ پھر فرمایا کہ طبیعتوں میں شر ہمیشہ سے چلا آتا ہے اور کتب سابقہ میں بھی اس کا ذکر ہے اور فرمایا اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰی ۙ صُحُفِ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ مُوۡسٰی ﴿اعلیٰ 18﴾ ترجمہ کنزالایمان: بے شک یہ اگلے صحیفوں میں ہے ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔ یہی حال مرید کو ریاضت سکھانے اور بتدریج اس کی تربیت کا اللہ تعالیٰ کے دیدار کے لیے ہے اور تفصیل ریاضت ہر ہر صفت میں آئندہ مذکور ہوگی اور چونکہ صفات انسانی اکثر پیٹ اور شرمگاہ اور زبان کی شہوات ہیں۔ اس کے بعد غضب ہے جو شہوات کی حمایت کرتا ہے اور جب پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت سے مانوس ہوتا ہے تو دنیا کی محبت ہوتی ہے اور مال و جاہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ مال و جاہ میں پڑ کر کبر و عجب و ریاست میں ایسا پھنستا ہے کہ سرے سے دنیا چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا اور دین میں بھی ایسی بات کو لیتا ہے جس میں حکومت اور غرور پایا جائے اس لیے ضروری ہوا کہ ان دونوں ابواب کے بعد آٹھ ابواب اس تفصیل سے لکھے جائیں۔ جس کا نقشہ مندرجہ ذیل ہے۔

نمبر شمار	مضمون
1-	شہوت شکم و فرج کی کمی
2-	گفتگو میں حرص کا دور کرنا
3-	غضب و حسد و حقد دور کرنا
4-	مذمت دنیا اور اس کے مکرو فریب کی تفصیل
5-	حب مال کا توڑنا اور مذمت بخل
6-	حب سرمایہ اور جاہ و مرتبہ کی مذمت
7-	مذمت تکبرو و عجب
8-	دھوکہ کھانے کے موقع میں مہلکات اور ان کے معالجات (علاج وغیرہ)

ان ابواب کے تمام ہونے کے بعد اس جلد میں ان شاء اللہ ہماری غرض پوری ہو جائے گی کیونکہ باب اول میں تو ہم نے صفات قلبی کی شرح کی ہے جو معدن مہلکات اور منجیات کا معدن ہے اور دوسرے باب میں تہذیب اخلاص

اور امراض قلبی کے معالج کا طور بطور کلی اجمالاً ذکر کیا ہے۔ اب ان ابواب میں ان کی تفصیل بیان ہوگی ریاضت نفس و تہذیب اخلاق اللہ تعالیٰ کی مدد اور حسن توفیق سے تمام ہوا اس کے بعد دو شہوتوں کو دور کرنے کا بیان ہوتا ہے۔

باب 3

شکم و فرج کی شہوت کا علاج

اولاد آدم کا سب سے بڑا مہلک مرض شہوت شکم ہے جس کی وجہ سے حضرت آدم و حوا علیہما السلام دارالقرا سے اس ناپائیدار ملک میں آئے کیونکہ انہیں درخت خاص سے منع کیا گیا تھا مگر انہیں شہوت شکم کا غلبہ ہوا اسے کھا بیٹھے ان پر شرم کی چیزیں کھل گئیں۔ درحقیقت شکم چشمہ شہوات اور معدن آفات ہے اس لیے کہ شکم کو شہوت جماع لازم ہے۔ پیٹ بھرنے پر محسوس ہوتا ہے کہ بہت سی عورتیں ہوں خوب ان سے صحبت کروں۔ اس کے بعد مال و جاہ کو جی چاہتا ہے کہ ان کے ذریعہ سے یہ مطلب بخوبی نکلتا اور مال کی کثرت سے طرح طرح کی رعونت اور حسد پیدا ہوتا ہے اور اسی مال و جاہ سے ریا اور فخر اور غرور پیدا ہوتا ہے جن سے حقد و حسد اور دشمنی اٹھتی اور پھر یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ انسان سرکشی اور بے فرمانی اور مکروہات و ممنوعات کا ارتکاب کرتا ہے اور یہ تمام اس کا ثمر ہے کہ معدہ کو خالی نہ رکھا اور پیٹ بھر کھایا اگر آدمی اپنے نفس کی بھوک کو ذلیل رکھے اور اس سبب سے شیطان کے راستے تنگ کردے تو قدم جادہ اطاعت الٰہی سے نہ اٹھائے گا اور سرکشی اور اترانا اس کے قریب نہ آئیگا اور آخرت کو چھوڑ کر دنیا کا نہ ہوگا نہ خصومات خریدے گا چونکہ آفت شہوت شکم ایک بری بلا ہے اس لیے ضروری ہوا کہ اس کی آفت مہلکات بیان کردی جائیں کہ اس سے لوگ بچ جائیں اور مجاہدہ کا طریقہ اور اس کی فضیلت بھی واضح کردی جائے تاکہ لوگ اس کی طرف رغبت کریں اور چونکہ شہوت فرج بھی کچھ ایسی ہے اور وہ اس کے بعد ہوتی ہے اس لیے اس کا بیان بھی ضروری ہے لہٰذا ہم تمام امور کو آٹھ ابواب میں ذکر کریں گے۔

(1) بھوک کی فضیلت اور سیر شکمی کی مذمت

احادیث مبارکہ: (1) حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا جاھدوا انفسکم بالجوع و العطش فان الاجر فی ذلک کاجر المجاہد فی سبیل اللہ و انہ لیس من عمل احب الی اللہ من جوع و عطش

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آسمان کے فرشتے اس کے پاس نہیں آتے جو پیٹ بھر کر کھائے۔

(3) کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھا کہ انسانوں میں سے افضل کون ہے آپ نے فرمایا من قل طعمہ وضحکہ ورضی بما یستر بہ ترجمہ: تھوڑا کھائے اور کم ہنسے اور لباس وہ پہنے جو ستر عورت کرسکے اور بس اور فرمایا حضور ﷺ نے کہ سیدا لاعمال الجوع و ذل النفس لباس الصوف ترجمہ: اعمال کی سرتاج بھوک

ہے اور نفس کی ذلت اونی لباس ہے۔

(4) ابو سعید خدری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اون کا کپڑا پہنو اور کم کھاؤ پیو یہ نبوت کا ایک جزو ہے۔

(5) حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ فکر نصف عبادت ہے اور قلت غذا پوری عبادت ہے۔

(6) یہ بھی انہیں سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا افضلکم عند اللہ منزلتہ یوم القیامۃ اطولکم جوعا و تفکرا فی اللہ سبحانہ و ابغضکم عند اللہ عزوجل یوم القیمتہ کل نوا ام کول شروب ترجمہ: مرتبہ کے لحاظ سے اللہ کے نزدیک قیامت میں وہ افضل ہے جو دنیا میں زیادہ بھوکا ہے اور اللہ کے بارے میں تفکر کرے او قیامت میں اللہ کے نزدیک مبغوض ترین انسان وہ ہوگا جو زیادہ کرتا ہوگا۔ زیادہ کھاتا پیتا ہوگا۔

(7) حضور ﷺ ضرورت کے باوجود بھی بھوکے رہتے تھے۔ یعنی یہ امر آپ کو پسند تھا۔

(8) حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے کہ جس کا خورد و نوش دنیا میں کم ہو تو فرشتوں پر فخر فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے بندے کو دیکھو کہ میں نے اس کو دنیا میں اکل شرب کم دیا ہے۔ اس نے صبر کیا اور ان کو ترک کر دیا تم گواہ رہو کہ جو لقمہ وہ چھوڑے گا میں اس کے بدلے جنت میں درجات عنایت کروں گا۔

(9) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا لا تمیتو القلوب بکثرۃ الطعام والشراب فان القلب کالزرع یموت اذا کثر علیہ الماء ترجمہ: قلب کو نہ مٹاؤ زیادہ کھا پی کر اس لیے کہ قلب کھیتی کی طرح ہے وہ مٹ جاتی ہے مگر جبکہ پانی زیادہ ہو جائے۔

(10) نبی پاک ﷺ نے فرمایا کی بنی آدم نے پیٹ سے بڑھ کر کوئی برا برتن پر نہیں کیا۔ اسے چند لقمے کافی تھے جس سے وہ پیٹھ سیدھی رکھ سکے مگر کھاتا ہے تو تہائی کھانا تہائی پینا اور سانس کے لیے بس۔

(11) ایک حدیث طویل میں حضرت اسامہ بن زید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھوک کی فضیلت میں ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ عزو جل سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں زیادہ بھوکے پیاسے اور غمگین رہے۔ وہ لوگ پوشیدہ متقی ہیں کہ اگر ظاہر ہوں تو کوئی نہ جانے اور اگر غائب ہو جائیں کوئی تلاش نہ کرے۔ زمین ان سب کو جانتی ہے اور فرشتے ان کو گھیرے رہتے ہیں۔ وہی اچھے لوگ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طاعت بھی اچھی طرح وہ ہی کرتے ہیں۔ لوگ نرم نرم فرش بچھاتے ہیں اور اپنا ماتھا اور گھٹنے بچھاتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے اخلاق اور افعال لوگوں کو نصیب نہیں ہوتے مگر وہ انہیں زبانی یاد ہیں جب زمین سے چلے جاتے ہیں تو زمین ان کے لیے روتی ہے اور جس شہر میں کوئی ان میں سے نہ ہو اس پر اللہ کا غضب ہوتا ہے۔ دنیا کے مردار پر کتوں کی طرح نہیں لڑتے بقدر رسد رمق کھاتے ہیں اور پھٹا پرانا پہنتے ہیں۔ میلے کچیلے حال میں رہتے ہیں۔ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کو کوئی مرض ہے حالانکہ ان کو کوئی مرض نہیں ہوتا۔ بعض سمجھتے ہیں کہ ان کی عقلیں جاتی رہیں حالانکہ یہ بات بھی نہیں ہوتی بلکہ جن چیزوں پر لوگوں کی عقلیں دنیا میں دوڑتی ہیں وہ ان میں نہیں پائی جاتی اس لیے لوگ جانتے ہیں کہ یہ بے عقل ہیں۔

مگر وہ لوگ وہ باتیں سمجھتے ہیں کہ جہاں لوگوں کی عقل گم ہوتی ہے۔ شرف آخرت انہیں لوگوں کے لیے ہے اے اسامہ جس شہر میں ایسے لوگ نظر آئیں تو جان لے کہ اس کی امن کا باعث یہی حضرات ہیں جس قوم میں وہ ہوتے ہیں اللہ ان کو عذاب نہیں دیتا۔ زمین بھی ان سے خوش ہے اور اللہ بھی ان سے خوش اور راضی ہے۔ انہیں انسانوں میں اس لیے رکھتا ہے کہ شاید ان کے باعث ان کی نجات ہو اگر تجھ سے بھوک پیاس کی برداشت مرتے دم تک ہو سکے تو کیا اس کے باعث تجھے مشرف منزلت ملے گا اور انبیاء علیہم السلام کی صف میں داخل ہو گا اور جب تیری روح فرشتوں کے پاس جائے گی تو وہ خوش ہوں گے اور اللہ تجھ پر رحمت کرے گا۔

(12) حضرت حسن رضی اللہ عنہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا البسو الصوف و شمروا و کلو افی انصاف البطون تد خلوا فی ملکوت السماء ترجمہ: اون پہنو تیار رہو' آدھے پیٹ تک کھاؤ۔ آسمان کے ملا کہ میں داخل ہو جاؤ۔

(13) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے زمرہ حوار ئین اپنے معدوں کو بھوکا رکھو اور بدنوں کو ننگا تاکہ تمہارے دل اللہ عزوجل کو دیکھ سکیں۔

(14) یہی روایت طاؤس نے حضور ﷺ سے بھی کی ہے تو روایت میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو موٹا عالم پسند نہیں اس لیے کہ موٹا پن غفلت اور کثرت غذا پر دلالت کرتا ہے اور یہ امر عالم کے حق میں اچھا نہیں۔

(15) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس عالم سے جو پیٹ بھر بھر کر موٹا ہوا ہو بغض رکھتا ہے۔

(16) ایک حدیث میں ہے کہ شیطان انسان میں خون کی طرح پھرتا ہے تو اس کے راستوں کو بھوک اور پیاس سے تنگ کرو اور ایک روایت میں ہے کہ پیٹ بھر کے کھانے سے برص پیدا ہو جاتا ہے۔ (17) فرمایا کہ المومن یا کل فی معاء واحد والکافر یا کل فی سبعة امعاء یعنی مومن کی نسبت کافر سات گنا کھاتا ہے یا اس کی خواہش مومن سے سات گناہ ہوتی ہے۔

فائدہ: آنت کو بجائے شہوت مجازاً ارشاد فرمایا اس لیے کہ طعام کا قبول کرنا اور لینا شہوت کے متعلق ہے۔ جیسا کہ آنت اس کو اخذ اور قبول کرتی ہے اور اس سے یہ مراد نہیں کہ منافق کی آنتیں درحقیقت زیادہ ہوتی ہیں۔

(18) حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو فرماتے سنا کہ اویمو اقرع باب الجنته یفتح لکم جنت کا دروازہ ہمیشہ کھٹکھٹاتے رہو تمہارے لیے ہمیشہ کھلا رہے گا۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ باب جنت کو ہمیشہ کیسے کھٹکھٹایا جائے۔ آپ نے فرمایا بالجوع و الظماء بھوک اور پیاس سے (19) حدیث میں ہے کہ حضرت بجیفہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی مجلس اقدس میں ڈکار لی تو آپ نے فرمایا کہ اپنی ڈکار کم کرو کیونکہ قیامت کے دن وہی زیادہ بھوکا ہو گا جس نے دنیا میں زیادہ پیٹ بھرا ہو گا۔

(20) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا تناول نہیں فرمایا اور بعض اوقات ان کی بھوک دیکھ کر میں رحم کر کے رو پڑتی اور آپ کے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر کہتی کہ میں آپ ﷺ کے قربان ہو جاؤں آپ دنیا سے اتنا تو لے لیا کریں جس سے قوت رہے اور بھوک سے آپ محفوظ رہیں۔ آپ ﷺ فرماتے کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا میرے بھائیوں نے یعنی اولولعزم رسولوں علیہم السلام نے مجھ سے بھی زیادہ شدائد و تکالیف اٹھائیں اور ان پر صبر کر کے جب پروردگار کے سامنے گئے تو ان کی بڑی عزت و تکریم ہوئی اور انہیں بڑا ثواب عنایت ہوا۔ مجھے حیا آتی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ زندگی میں کچھ آرام کرنے سے کل کو مجھے ان سے کم رتبہ ملے۔ بس! چند روز صبر کرنا آسان ہے اس سے کہ آخرت میں حصہ کم ہو اور مجھے اپنے بھائیوں اور دوستوں سے ملنے کے سوا کوئی چیز اچھی نہیں لگتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بخدا اس گفتگو کے بعد آپ کو ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ آپ نے وصال ظاہری فرمایا۔ (21) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک روٹی کا ٹکڑا آپ ﷺ کی خدمت میں لائیں آپ ﷺ نے پوچھا یہ کیا ہے عرض کیا کہ میں نے ایک روٹی پکائی تھی۔ میرا دل چاہا تو یہ ٹکڑا آپ ﷺ کے پاس لے آئی۔ آپ ﷺ نے تناول فرما کر ارشاد فرمایا کہ پہلی غذا ہے جو تیرے باپ کے منہ میں تین دن کے بعد پہنچی ہے۔ (22) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے کبھی زندگی بھر اپنے گھر والوں کو تین دن مسلسل گیہوں کی روٹی پیٹ بھر نہیں دی۔ آپ نے فرمایا ان اهل الجوع فی الدنیا هم اهل اشبع فی الاخرة وان ابغض الناس الی اللہ المتخمون الملانی و ماترک عبد لقمنه یشتهیها الا کانت له درجة فی الجنة ترجمہ: دنیا میں بھوک رہنے والے آخرت میں سیر شکم ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ لوگ مبغوض ترین ہیں جو بدہضمی والے اور پیٹ بھر کر کھانے والے ہیں اور کوئی بندہ خواہش کے باوجود لقمہ چھوڑ دیتا ہے اس کا جنت میں بڑا درجہ ہے۔

اقوال و احوال سلف صالحین رضی اللہ عنہم: اس موضوع میں اسلاف صالحین کے اقوال و احوال بکثرت ہیں۔

(1) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیٹ بھرنے سے اپنے آپ کو بچاؤ کہ زندگی میں موجب گرانی اور موت کے بعد بدبو کا موجب ہوتا ہے۔ (2) حضرت شفیق بلخی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عبادت ایک پیشہ ہے جس کی دکان خلوت اور اوزار بھوک ہیں۔ (3) حضرت لقمان رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ بیٹا جب معدہ پر ہوتا ہے تو فکر سو جاتا ہے اور اعضاء عبادت سے تھک کر بیٹھے رہتے ہیں اور حکمت بیکار ہو جاتی ہے۔ (یہی وجہ ہے کہ فتویٰ' فیصلہ' مناظرہ' پیٹ بھر کھانے کے بعد ممنوع ہے۔ یعنی فقہاء قضا اور مناظرین کے اصول میں سے ہے کہ پیٹ پر ہو تو فتویٰ صحیح نہ لکھا جائے گا اور نہ ہی فیصلہ صحیح ہو سکے گا اور مناظرہ جیتنا بھی مشکل ہو جائے گا)۔ (اویسی غفرلہ)

(5) حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمتہ اپنے نفس سے کہتے ہیں کہ تو کس بات سے ڈرتا ہے کیا بھوک سے تجھے ڈر ہے۔ اس سے خوف نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس کی وجہ سے اللہ کے سامنے ہلکا پھلکا رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ

ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم سب بھوکے رہتے ہیں۔ (6) حضرت کہمس علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ الٰہی تو نے مجھے بھوکا رکھا ننگا رکھا، اندھیری راتوں کو بے چراغ رکھا کیسے کیسے وسیلوں سے مجھے اس درجہ پر پہنچایا۔ (7) حضرت فتح موصلی علیہ الرحمۃ کو جب مرض اور بھوک زیادہ ہوتی تو کہتے کہ الٰہی تو نے مجھے مرض اور بھوک میں مبتلا کیا اور تو اپنے دوستوں کے ساتھ ایسا کیا کرتا ہے تو کون سی بات پر تیری نعمت کا شکر کروں۔ (8) حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ خوش حال وہ شخص ہے جسے سد رمق اللہ تھوڑا سا طعام چکھنے کے لیے دے اور لوگوں کا محتاج نہ ہو۔ انہوں نے فرمایا اے مالک خوش حال وہ شخص ہے جو صبح اور شام کو بھوکا رہ کر اللہ سے راضی رہے۔ (9) حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ الٰہی تو نے مجھے اور میرے عیال کو بھوکا رکھا اور اندھیری راتوں میں بے چراغ رکھا۔ یہ باتیں تو اپنے دوستوں سے کیا کرتا ہے۔ مجھے یہ بڑا رتبہ کیسے ملے گا۔

(10) حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ راغبین کی بھوک تنبیہہ کے لیے ہوتی ہے اور تابعین کی امتحان کے لیے اور مجتہدین کی بزرگی کے لیے اور صابرین کی سیاست کے لیے اور زاہدین کی حکمت کے لیے۔

(11) تورات میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جب پیٹ بھر جائے تو بھوک کو یاد کرو۔ (12) حضرت ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رات کے کھانے سے ایک لقمہ کم کھانا مجھے بہ نسبت تمام شب کی بیداری سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ (13) یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ بھوک اللہ کا خزانہ ہے۔ یہ اسی کو عنایت ہوتی ہے جسے وہ دوست رکھتا ہے۔

(14) حضرت سہیل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ پچیس روز نہ کھاتے اور ایک درہم کے غلہ میں ایک سال گزار دیتے اور بھوک کو بڑا رتبہ سمجھتے اور اس کے متعلق مبالغہ کرتے اور کہتے کہ قیامت کے دن کسی نیک عمل کا اتنا ثواب نہ ملے جتنا حضور ﷺ کی اتباع کی وجہ سے زیادہ طعام چھوڑنے سے ملے گا۔ (15) یہ بھی فرمایا کہ ان لوگوں کو دونوں جہان کی نافع بھوک سے بڑھ کر کوئی شے نہیں ملی۔

(16) فرمایا کہ طالبین آخرت کے حق میں کوئی چیز کھانے سے زیادہ مضر نہیں۔ (17) فرمایا کہ حکمت و علم بھوک میں ہے اور معصیت اور جہل سیر ہو کر کھانے میں۔ (18) فرمایا کہ کوئی عبادت اس سے بڑھ کر نہیں کہ خواہشات نفسانی کے خلاف حلال چیز کو ترک کرے اور جس حدیث میں مذکور ہے کہ پیٹ کی تہائی غذا کے لیے ہے اس کے متعلق آپ نے فرمایا جو اس مقدار سے زیادہ کھائے گا وہ اپنی نیکیاں کھائے گا اور اس درجہ سے بڑھ کر مرتبہ کا آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ اس کی فضیلت نہ ہوگی جب تک کہ غذا کا نہ کھانا اس کے نزدیک کھانے کی نسبت محبوب نہ ہو اور اگر ایک رات بھوکا رہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے کہ وہ رات کو بھوکا رکھے اور جب اس کا یہ حال ہو جائے گا کہ غذا نہ کھانے کو محبوب جانے گا اور ایک رات فاقہ سے دو رات فاقہ کی دعا مانگے اسے فضیلت حاصل ہوگی۔ (19) فرمایا کہ وہ لوگ جو ابدال ہوئے ہیں تو شکم کو بھوکا رکھنے اور بیداری اور خلوت کی وجہ سے۔ (20) فرمایا کہ آسمان اور زمین میں ہر نیکی کی جڑ بھوک اور بدی کی اصل پیٹ بھر کھانا ہے۔ (21) فرمایا کہ جس نے اپنے نفس کو بھوکا رکھا اس

سے وساوس دور ہوتے ہیں۔ (22) فرمایا کہ اللہ عزو جل کا متوجہ ہونا بندہ پر بھوک اور مرض اور مصیبت سے ہوتا ہے مگر جسے اللہ چاہے۔ (23) جان لو یہ وہ زمانہ ہے کہ اس میں نجات اسی کو ملے گی جو بھوک اور صبر اور مجاہدہ سے اپنی نفس کشی کرے۔ (24) فرمایا کہ جو آدمی پانی خوب پیٹ بھر کر پئے تو معلوم نہیں ہوتا کہ معصیت سے بچ رہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرے پس طعام سے سیر ہونے میں کیا حال ہوگا۔

حکایت: کسی حکیم سے کسی نے پوچھا کہ میں خود کو کس چیز سے روکوں۔ اس نے جواب دیا کہ پیٹ کو بھوک اور پیاس کی بیڑی ڈال اور گمنامی اور ترک عزت سے اسے ذلیل کر اور آخرت والوں کا خاکپا بنا کر اسے جھوٹا کر اور بڑے لوگوں کے لباس کو ترک کرنے سے اسے توڑ اور اس کی طرف دائمی طور بدظن ہو کر اس کی آفات سے بچ اور اس کی خواہش سے کہ خلاف کرتا رہ۔ (25) حضرت عبدالواحد ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بخدا محبت الٰہی نہیں ملتی مگر بھوک سے اور اولیاء پانی پر نہیں چلتے اور زمین ان کے لیے طے نہیں ہوتی مگر بھوک سے اور اللہ تعالیٰ ان کی کفالت نہیں فرماتا مگر بھوک سے۔ (26) حضرت ابو طالب مکی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیٹ ستار باجہ کی طرح ہے کہ خالی لکڑی میں تار لگے رہتے ہیں مگر اس کی حسن صورت ہلکا پن اور رقت سے ہوتی ہے کہ اندر سے خالی ہوتا ہے۔ اس میں کچھ بھرا نہیں ہوتا۔ اسی طرح پیٹ کا حال ہے۔ جب خالی رہتا ہے تو تلاوت بھی شیریں معلوم ہوتی ہے اور شب بیداری اور قلب خواب پر مداومت کرتا ہے۔ (27) حضرت بکر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین آدمیوں کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے۔ کم خواب اور کم خور کم راحت۔

حکایت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو مہینے تک اللہ تعالیٰ سے مناجات اور باتیں کرتے رہے اور کچھ نہ کھایا یکایک جو کی روٹی کا خیال دل میں آیا تو مناجات جاتی رہی اور دیکھا کہ روٹی سامنے ہے۔ آپ مناجات کے انقطاع سے رونے لگے تو اچانک ایک بوڑھا بزرگ آپ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ولی اللہ اللہ عزوجل تجھے برکت دے۔ میں ایک حالت میں تھا کہ روٹی کا خیال آیا۔ وہ حالت جاتی رہی تو اللہ عزوجل سے میرے لیے دعا کر۔ اس نے کہا کہ الٰہی جب سے میں نے تجھے پہچانا ہے۔ اگر روٹی کا خیال مجھے آیا ہو تو میری مغفرت مت کیجیو بلکہ جو کچھ بھی ملا بے فکر ہو کر اسے کھالیا۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ عزوجل سے ہم کلامی کا نصیب ہوا تھا تو چلو بھر بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔

بھوک کے فوائد اور سیر شکمی کے نقصانات

سوال: بھوک میں اتنی فضیلت کہاں سے آئی۔ اس کی وجہ کیا ہے کیونکہ بھوک سے تو صرف رنج معدہ اور تکلیف اٹھانا ہے۔ اگر تکلیف میں فضیلت ہے تو چاہئے کہ جو لوگ خودکشی کریں۔ اپنی بوٹیاں کاٹیں یا بری چیزیں کھائیں یا

ایسی حرکت کریں تو ان کو ثواب زیادہ ملا کرے؟

جواب: یہ قول ایسا ہے کہ کوئی دوا پینے سے اچھا ہو جائے۔ پھر سمجھے کہ اس میں جو برائی اور تلخی تھی اس سے مجھے آرام ہوا ہے اور اسی خیال سے اور بڑی کڑوی چیزیں کھانے لگے حالانکہ یہ غلط ہے۔ دوا کا نفع تلخی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس میں ایک خاصیت ہے جسے اطباء جانتے ہیں اس طرح بھوک میں جو فوائد ہیں ان کو اولیاء کرام جانتے ہیں۔ جو کوئی ان کے نافع ہونے کا یقین کرکے اپنے اوپر بھوک اختیار کرے اور جانے کہ شرعاً یہ اچھی چیز ہے تو اس کو یقیناً نفع ہوگا۔ اگرچہ نفع سبب نامعلوم ہو جیسے دوا پینے والے کو نفع ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کی وجہ نہیں جانتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (مجادلۃ 11) ترجمہ کنزالایمان: تو اٹھ کھڑے ہو اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا۔

بھوک کے مزید فوائد: صوفیہ کرام نے بھوک کے مزید اور فوائد بتائے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ قلب کی صفائی طبیعت کی تیزی، بصیرت کا نافذ و کامل ہونا کیونکہ سیری سے کم عقلی پیدا ہوتی ہے اور ذہن اندھا ہو جاتا ہے اور دماغ میں بخار نشہ کی طرح چڑھتا ہے اور فکر مقام کو گھیر لیتا ہے تو دل بوجھل ہو کر فکر کی طرف نہیں دوڑتا اور ادارک جلد نہیں کر سکتا بلکہ لڑکا جب زیادہ کھاتا ہے تو اس کے حفظ میں فرق آجاتا ہے اور ذہن بگڑ جاتا ہے اور غبی ہو جاتا ہے۔

فائدہ: حضرت ابو سلیمان رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھوک کو اختیار کرنا چاہئے کہ اس سے نفس ذلیل اور قلب رقیق ہوتا ہے اور علم میں آسانی کا موجب ہوتا ہے۔

حدیث شریف: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ احیوا قلوبوکم بقلتہ الضحک وقلتہ الشبع وطھر بالجوع نصفو و ترق ترجمہ: اپنے قلوب کو کم ہنسنے اور تھوڑا کھانے سے زندہ کرو اور انہیں بھوک سے پاک کرو۔ قلوب کو صاف کرکے ترقی کرو۔

فائدہ: بعض اکابر کا قول ہے کہ بھوک رعد کی طرح ہے اور قناعت مثل ابر جیسی ہے اور حکمت بارش کی مانند یعنی ان دونوں سے ترقی حاصل ہوتی ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا کہ من اجاع بطنہ عظمت فکرتہ و فطمن قلبہ ترجمہ: جو پیٹ کو بھوکا رکھتا ہے اس کی فکر بلند ہوجاتی اور قلب کو دانائی نصیب ہوتی ہے۔

حدیث شریف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا من شبع و نام قساقلبہ جو سیر شکم ہو کر سویا اس کا دل سخت ہو جائے گا۔ پھر آپ نے فرمایا زکوۃ و زکوۃ البدعن الجوع ترجمہ: ہر شے کی زکوۃ ہے اور بدن کی زکوۃ بھوک ہے۔

فائدہ: حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کبھی میں اللہ کے لیے بھوکا رہتا ہوں تو ایک دروازہ حکمت اور عبرت کا اپنے دل میں ایسا کھلا پاتا ہوں جو پہلے نہ تھا۔

نکتہ: یہ تو بدیہی امر ہے کہ مقصود تو حاصل ہو سکتا ہے لیکن سیر شکمی اس کی مانع ہو جاتی ہے چونکہ معرفت الٰہی عزوجل جنت کا ایک دروازہ ہے کہ ضروری ہے کہ بھوک کی ہر مداومیت سے جنت کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے۔

فائدہ: حضرت لقمان رحمتہ اللہ علیہ نے اسی لیے اپنے صاحبزادے کو کہا تھا کہ جب معدہ پر ہوتا ہے تو فکر سو رہتا ہے اور حکمت ساکت ہوتی ہے اور اعضا عبادت سے بیٹھ رہتے ہیں۔ (یہ قول اوپر گزرا ہے)

فائدہ: حضرت ابو یزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بھوک ایک بادل ہے جس سے انسان کے دل سے بھوک کے وقت حکمت کی بارش ہوتی ہے۔ حدیث: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے نور الحکمته الجوع و النباعه من اللّٰه عزوجل الشبع والقربته الی اللّٰه عزو جل حب المساکین الدنور منهم لا تشبعو افتطفو نور الحکمته عن قلوبکم و من یات یصلی فی خفته بات الحور حوله حتی یصبح ترجمہ: نور حکمت بھوک ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب سیر شکمی ہے اور اللہ کا قرب مساکین کی حب و قرب سے پیٹ بھر کر نہ کھاؤ۔ نور حکمت بجھ جائے گا جو بھوکے پیٹ نماز پڑھتے گزارتا ہے حوریں اس کے گرد گھومتی ہے۔ قلب کی نرمی سے ہے کہ جس سے استعداد ادارک ذکر حاصل ہوتی ہے بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ذکر زبان پر حضور قلب کے ساتھ جاری رہتا ہے مگر قلب کو اس سے لذت اور اثر نہیں گویا قلب اور اثر میں سختی دل کا حجاب حائل ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ ذکر سے خوب اثر ہوتا ہے اور مناجات میں ایک لذت محسوس ہوتی ہے۔ بظاہر اس کی علت معدہ کا خالی ہونا ہے چنانچہ ابو سلیمان درانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے عبادت میں زیادہ لذت تب حاصل ہوتی ہے جب میری پیٹھ پیٹ سے لگی رہے اور یہ بھی ان کا ہی قول ہے کہ جب دل بھوکا پیاسا رہتا ہے تو صاف و رقیق رہتا ہے اور جب پیٹ پر ہوتا ہے تو اندھا اور کثیف ہو جاتا ہے۔ حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض سالک اپنے سینے میں نوکرہ رکھ لیتے ہیں اور پھر مناجات کی حلاوت چاہتے ہیں۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ فکر کی آسانی او رحصول معرفت اور شے ہے اور اس سے لذت و تاثیر اور چیز ہے۔ دگر بھوک اسے انکسار و عاجزی نصیب ہوتی ہے۔ اترانے سے بعد اور خوشی کا زوال طغیان اور غفلت کا مبدا خوشی ہے کیونکہ نفس کسی شے سے اتنا منکسر اور ذلیل نہیں ہوتا جتنا بھوک سے ہوتا ہے اور بھوک کی حالت میں جب اس کی قوت کمزور پڑ جاتی ہے اور حیلہ جاتا رہتا ہے۔ روٹی کا ٹکڑا اور گھونٹ پانی نہیں ملتا تو مالک کی اطاعت کرتا اور ذلیل اور عاجز بنا رہتا ہے اور جب تک انسان اپنے نفس کو عاجز اور ذلیل ہونے کا مشاہدہ نہیں کرتا اس وقت تک عزت و غلبہ مولیٰ محسوس نہیں ہوتا اور چونکہ سعادت انسانی ہمیشہ اس میں ہے جو خود کو عاجز اور ذلیل جانے اور اللہ تعالیٰ کو

عزیزو غالب تو ضروری ہوا کہ ہمیشہ بھوکا اور اللہ کی طرف مضطر رہے تاکہ اس اضطرار میں ذوق و حلاوت پائے اور اس کا سبب یہی تھا کہ جب دنیا اور اس کے خزانے حضور اکرم ﷺ کے سامنے پیش کیے گئے تو آپ نے ان سے اعراض کرکے فرمایا کہ لا بل اجوع یومًا و اشبع یومًا فاذاجعت صبرت و تضرعت واذا شبعت شکرت ترجمہ: بلکہ ایک دن بھوکا رہوں گا اور ایک دن کھانا کھاؤں گا جب بھوکا رہوں گا تو صبر کروں گا' عاجزی کروں گا جب دوسرے دن کھاؤں گا تو شکر کروں گا۔

فائدہ: شکم اور شرمگاہ دوزخ کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ اس کی اصل پیٹ طعام سے پر کرنا ہے اور عاجزی و انکساری جنت کا دروازہ ہے اور اس کی اصل بھوکا رہنا ہے جو کوئی باب دوزخ بند کرے گا۔ باب جنت کھل جائے گا اس لیے کہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جیسے مشرق و مغرب ایک طرف چلو گئے تو دوسرے سے دور ہو جاؤ گے۔ عذاب الٰہی اور اہل مصیبت نہیں بھولا جا سکتا (جب بھوک ہوگی) اس لیے پیٹ پر کرنے والے کو بھوک اور بھوک زدہ زیادہ یاد نہیں رہتے اور ہوشمند آدمی جب کوئی مصیبت دیکھتا ہے اس سے اسے آخرت کی مصیبت یاد کرتا ہے اور پیاس سے میدان قیامت کی پیاس یاد کرتا ہے اور بھوک سے دوزخیوں کی بھوک یاد کرتا ہے کہ جب انہیں بھوک ستائے گی تو زقوم اور کانٹے دار درخت غذا کے لیے ملیں گے اور پیاس کے وقت گرم اور گندا پانی پلایا جائے گا۔

فائدہ: سالک کو یوں ہونا چاہئے کہ عذاب آخرت مدنظر رکھے۔ اس لیے کہ اس سے خوف الٰہی محسوس ہوتا ہے اور جو انسان کبھی ذلت و علت مصیبت میں گرفتار نہ ہوا ہو وہ عذاب آخرت کو بھول جاتا ہے بلکہ سرے سے عذاب کو نہیں جانتا اور نہ اس کے دل پر اس کا خوف غالب ہوتا ہے تو لازمًا سالک کے لیے مصیبت میں رہنا یا مصیبت کو دیکھنا چاہئے اور سب سے اچھی مصیبت جو انسان اٹھا سکتا ہے وہ بھوک ہے کہ اس میں سوائے یاد عذاب آخرت کے بہت عمدہ فائدہ ہے۔ یہی وجہ ہے انبیاء و اولیاء علیہم السلام و علیہم الرحمتہ حسب مدارج کسی مصیبت خاص میں مبتلا رہے ہیں۔

حکایت: حضرت یوسف علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ آپ بھوکے کیوں رہتے ہیں آپ کے قبضہ میں روئے زمین کے خزانے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ پیٹ بھر کر بھوکوں کو نہ بھول جاؤں۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ بھوکوں اور محتاجوں کی یاد بھی بھوک کا ایک فائدہ ہے اس لیے کہ بھوک سے رحم اور کھانا کھلانا اور خلق اللہ پر شفقت پیدا ہوتی ہے اور پیٹ بھرنے والے کو بھوک کی تکلیف کا کیا علم (کہ وہ کتنا تکلیف ہوتی ہے) یہ تمام فائدوں میں زیادہ مفید ہے۔ شہوت معاصی کا توڑنا اور نفس امارہ پر غلبہ کیونکہ منشا تمام گناہوں کا شہوت اور یہ قوی ہیں جن کا مادہ غذائیں اور کھانے میں ہیں پس ان کے کم کرنے سے ہر ایک شہوت اور قوت کمزور

پڑ جاتی ہے اور چونکہ جملہ سعادت اس میں ہے کہ انسان اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور شقاوت یہ ہے کہ جو نفس کے قابو میں آجائے تو جیسے سرکش گھوڑا بے آب و دانہ رکھنے سے قابو میں آجاتا ہے اسی طرح نفس بھی بھوکا رکھنے سے دب جاتا ہے۔

حکایت: بعض اکابر سے پوچھا گیا کہ آپ اب ضعیف ہوگئے ہیں۔ اپنی خدمت کیوں نہیں کرتے کہ آپ کمزور ہوگئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس لیے کہ یہ نفس جلد ہی اکڑنے لگتا ہے اور بڑی شرارت کرتا ہے۔ ایسا نہ ہوا کہ سرکشی کرکے مجھے کسی گڑھے میں نہ ڈال دے۔ اس کے ساتھ سختی برتنا اس سے بہتر ہے کہ مجھ سے ارتکاب گناہ کے درپے ہو۔

فائدہ: حضرت ذوالنون رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب کبھی پیٹ بھر کر کھانا کھایا تو گناہ کا ارتکاب یا گناہ کے قصد میں مبتلا ہوا۔

بدعت مباحہ کا ثبوت: حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ پہلی بدعت مباحہ رسول اکرم ﷺ کے بعد جو پیدا ہوئی یہ کہ لوگ سیر ہو کر کھانا کھانے لگے۔ پیٹ بھر کر کھانے سے لازماً ان کے نفس دنیا کی طرف زور پکڑیں گے اور اس کو ایک فائدہ نہ تصور کرنا چاہئے بلکہ فوائد کی کان سمجھنی چاہئے۔

فائدہ: بزرگ فرماتے ہیں کہ بھوک اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے اس کا ادنیٰ فائدہ یہ ہے کہ بھوک کی وجہ سے شہوت شرمگاہ اور شہوت کلام ختم ہو جاتی ہے کیونکہ بھوکے کا دل زیادہ بولنے کو نہیں چاہتا اور اسی وجہ سے زبان کی آفت غیبت اور فحش اور جھوٹ اور چغلی وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے اور پیٹ بھرنے والے پر دل لگی اور ہنسی مذاق کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس طرح سے اس کا لوگوں کی غیبت کرنا لازماً ہوگا۔

فائدہ: زبان کی وجہ سے لوگ دوزخ میں جائیں گے اور شہوت زنا کی برائی کی مخفی نہیں مگر بھوک سے اس کے شر سے بھی محفوظ رہتا ہے اور سیر شکم ہونے پر شہوت غلبہ کرتی ہے۔ پھر وہ نہیں رہتا اور اگر تقویٰ کی وجہ سے اس کو روکا تو آنکھ قابو میں نہ رہے گی اور وہ بھی زنا میں داخل ہے۔ اگر بالفرض آنکھ بھی بند کرلے گا تو فکر تو اختیاری نہیں دل میں خطرات خبیثہ و وسلوس جو اسباب شہوات ہیں ایسے پیدا ہوں گے جن سے مناجات الٰہی نہ ہو سکیں گی بلکہ اکثر اس طرح کے افکار نماز کی حالت میں پیش آئیں گے۔ اسی طرح اور اعضاء کے معاصی کو خیال کرنا چاہئے زبان اور شرمگاہ کو ہم نے بطور مثال لکھ دیا ہے ورنہ تمام اعضاء کے افعال کا سبب قوت ہوتی ہے جو پیٹ بھرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

فائدہ: ایک دانشور کا قول ہے کہ جو مرید سیاست پر صبر کرے اور ایک سال تک نصف روٹی کھائے اور اس میں

کوئی چیز اپنی دل پسند نہ ملائے تو اللہ تعالیٰ اس سے عورتوں کی فکر دور فرماتا ہے۔ نیند کا دفع ہونا اور ہمیشہ بیدار رہنا کیونکہ جو پیٹ بھر کر کھائے گا وہ پانی بہت پئے گا اور زیادہ پانی پینے سے نیند زیادہ آتی ہے اسی لیے بعض اکابر اپنے مریدوں سے کھانا کھانے کے وقت فرماتے ہیں کہ تھوڑا کھاؤ ورنہ پانی زیادہ پیو گے اور زیادہ نیند کرو گے۔ پھر زیادہ حسرت کرو گے اور ستر صد یقین اس پر متفق ہیں کہ نیند کی کثرت زیادہ پانی سے ہوتی ہے اور کثرت نیند میں بہت زیادہ خرابیاں ہیں۔ مثلاً نماز تہجد قضا ہوتی ہے۔ طبیعت ست ہو جاتی ہے۔ دل سخت ہو جاتا ہے۔ چونکہ عمر کا جوہر نفیس اور تجارت کا راس المال سالک کا یہی ہے اور نیند بمنزلہ موت کے ہے تو کثرت نیند سے عمر کم ہوتی ہے اور غلبہ خواب سے تہجد میں حلاوت بھی نہیں ہوتی پھر بے نکاح انسان اگر شکم سیری پر سوئے گا تو احتلام ہو جائے گا یہ بھی تہجد سے مانع ہے اس لیے کہ حاجت غسل میں ٹھنڈے پانی سے تکلیف ہوتی ہے گرم پانی رات کے وقت بعض دفعہ نہیں ملتا تو وتر بھی اول شب نہ پڑھے ہوں گے تو وہ بھی قضا ہو جائیں گے۔

فائدہ: حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ احتلام ایک سزا ہے کہ بہت سی عبادات سے مانع ہو جاتا ہے۔ ہر وقت آدمی سے غسل نہیں ہو سکتا ہے غرضیکہ نیند چشمہ آفات ہے اور سیری اس کا سبب ہے اور بھوک اس کی دافع۔ آسان ہونا عبادات پر مواظبت کا کیونکہ کھانا کثرت عبادت سے مانع ہے کہ اس کے لیے ایک وقت چاہیے اور کبھی آٹا وغیرہ خریدنے اور پکانے میں بھی وقت گزر جاتا ہے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے اور خلال کرنے میں اور کئی دفعہ پانی پینے میں بھی بہت سا وقت صرف ہوتا ہے۔ اگر ان اوقات کا ذکر مناجات میں صرف کرتا تو زیادہ نفع ہوتا۔

حکایت: حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جرجانی کے پاس ستو دیکھے کہ وہ روکھے پھانک رہے تھے۔ میں نے کہا کہ یہ کیوں؟ فرمایا کہ میں نے چبانے اور پھانکنے کا حساب لگایا تو ستر مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار چبانے میں زیادہ دیر لگتی ہے اس لیے چالیس برس سے میں نے روٹی کھانا چھوڑ دی ہے۔

انتباہ غور کیجئے کہ انہوں نے کیسے وقت کا ضائع ہونا چبانے میں سوچا اور اس کو ضائع نہ ہونے دیا۔ اس طرح ہر ایک سانس عمر کا جوہر نفیس ہے۔ اس سے آخرت کا خزانہ حاصل کرنا چاہیے اور یہ اسے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور طاعت میں صرف کرنے سے ہوتی ہے علاوہ ازیں کثرت غذا سے ہمیشہ پاک نہیں رہ سکتا نہ مسجد میں ٹھہر سکتا ہے کیونکہ بار بار پانی اور پیشاب کرنے کے لیے نکلنا پڑتا ہے اور روزہ رکھنا بھی ایسے شخص کے لیے دشوار ہے اس لیے کہ جس کو بھوک کی عادت ہوتی ہے وہی روزہ رکھ سکتا ہے۔ روزہ رکھنا اور ہمیشہ اعتکاف اور طہارت اور اوقات حصول غذا اور اس کے لوازم کو عبادت میں صرف کرنا بڑی نعمتیں اور نفع کی چیزیں ہیں۔ ان کی قدر ان غافلوں کو معلوم نہیں جن کی شان میں وارد ہے۔ رَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا (یونس 7) ترجمہ کنزالایمان: اور دنیا کی زندگی پسند کر بیٹھے اور اس پر مطمئن ہو گئے۔ یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ (روم 7) ترجمہ

کنز الایمان: جانتے ہیں آنکھوں کے سامنے کی دنیاوی زندگی اور وہ آخرت سے پورے بے خبر ہیں۔

فائدہ: حضرت سلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیر شکمی میں چھ آفات ہیں۔ (1) مناجات کی حلاوت نہ پانا۔ (2) حکمت کے حفظ سے معزور رہنا۔ (3) خلق پر شفقت سے بے بہرگی کیونکہ اپنے سیر شکمی سے اوروں کو بھی ایسا سمجھتا ہے۔ (4) عبادت کا گراں معلوم ہونا۔ (5) شہوات کی زیادتی۔ (6) تمام ایماندار مسجدوں کو جائیں گے اور پیٹ بھرنے والا بیت الخلاء میں۔

فائدہ: بدن کا تندرست رہنا اور بیماریوں کا دفع ہونا بھوک سے ہوگا اس لیے کہ امراض کا سبب یہی ہوتا ہے کہ غذا کی زیادتی سے بیکار اخلاط معدہ اور رگوں میں جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر مریض سے عبادت نہیں ہو سکتی۔ دل کو تشویش ہوتی ہے۔ ذکر فکر نہیں کر سکتا۔ زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ فصد و حجامت و دوا اور ڈاکٹر کی ضرورت ہوتی اور ان سب کے لیے پیسہ چاہئے جس سے انسان رنج اٹھائے اور مصیبت سے خالی نہ رہے اور بھوک میں تمام باتیں مفقود ہیں۔

حکایت: ہارون رشید نے چار طبیب، ہندی، رومی، عراقی، حبشی بلا کر ان سے کہا کہ ہر ایک ایسی دوائی بتائے جس سے مرض نہ ہو۔ ہندی نے کہا کہ میرے نزدیک ایسی دوا سیاہ ہڑڑ ہے۔ عراقی نے کہا میرے نزدیک تیرہ تیزک ہے اور رومی نے گرم پانی بتلایا اور حبشی جو سب سے بڑا حکیم اور بحرالحکمت تھا بولا کہ ہڑڑ سے معدہ تنگ ہوتا ہے اور یہ بھی ایک مرض ہے اور ترہ تیزک سے معدہ نرم ہوتا ہے وہ بھی ایک مرض ہے اور گرم پانی سے معدہ ست ہوتا ہے وہ بھی بیماری ہے۔ سب نے حبشی سے سوال کیا کہ پھر آپ کے نزدیک کون سی دوا ہے اس نے کہا کہ میرے نزدیک جس دوا سے مرض نہ ہو یہ ہے کہ کھانا ایسے وقت کھائے کہ خواہش ہو اور موقوف ایسے وقت کرے کہ خواہش باقی ہو اس کو تمام مان گئے۔

حق مذہب اسلام ہے: ایک حکیم (ڈاکٹر) اہل کتاب کے سامنے اس حدیث کا ذکر ہوا کہ وثلث لطعام و ثلث لشراب و ثلث لنفس (پیٹ تہائی کھانے کے لیے تہائی پینے کے لیے تہائی سانس لینے کے لیے) تو اس نے متعجب ہو کر کہا کہ کمی غذا کے بارے اس سے زیادہ مضبوط قول میں نے نہیں سنا۔ یہ کلام بے شک کسی حکیم و دانشور کا معلوم ہوتا ہے۔ (وہ دانشوروں کے امام حضور سرور عالم ﷺ ہیں) اویسی غفرلہ۔

حدیث شریف: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا البطنہ اصل الداء والحمیتہ اصل الدوا وعود واکل جسم ما اعتاد ترجمہ: سیر شکمی اصل مرض ہے اور پرہیز دوا ہے اور جسم کو اس کا عادی بناؤ جس کی وہ عادت کرے)

فائدہ: ہمارے نزدیک اگر اس حدیث سے طبیب زیادہ تعجب کریں تو لائق ہے۔

حکایت: حضرت ابن سالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر گندم کی روٹی ادب کے ساتھ کھائے تو مرض الموت کے سوا کبھی بیمار نہ ہوگا۔

لوگوں نے کہا کہ ادب کیا ہے۔ کہا کہ بھوک پر کھانا اور سیری سے پہلے ہاتھ کھینچنا۔

فائدہ: بعض اطباء کا قول بسیار خوری کی مذمت ہے کہ معدہ کو سب سے زیادہ فائدہ انار کرتا ہے اور سب سے زیادہ ضرر نمک لیکن تھوڑا نمک کھانا بہ نسبت انار کھانے کے مفید ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا صوموا تصحوا روزہ رکھو تندرست رہو گے۔ بھوک بھی صوم میں داخل ہے۔ **فائدہ:** غذا کی کمی میں اجسام امراض سے محفوظ رہتے ہیں اور قلوب میں سرکشی اور تکبروغیرہ کا مرض نہیں ہوتا۔ خرچ کم ہوتا کیونکہ جو کم کھائے گا اسے تھوڑا سامان کافی ہوگا۔ اگر پیٹ بھرنے کی عادت ہوگی تو ہمیشہ پیٹ کا تقاضا ہوگا وہ گردن گیر ہو کر کہے گا کہ کھانے کی فکر بھی ہے یا نہ اس سے دربدر پھرتا رہے گا۔ اگر وجہ حرام سے کچھ حاصل کرے گا تو گناہ گار ہوگا اور وجہ حلال سے لائے گا تو بھی مشقت و ذلت سے خالی نہیں اس لیے کہ اکثر لوگوں کی طرف طمع سے دیکھنا پڑے گا جو کمال درجہ کی ذلت ہے۔

مومن کی نشانی: مومن وہ ہے جو اپنا خرچ کم رکھے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ میں اپنی اکثر حاجات اس طرح پوری کرتا ہوں کہ انہیں ترک کر دیتا ہوں اس سے دل میں بڑی آسائش پاتا ہوں۔

فائدہ: ایک دانشور نے کہا کہ جب میں کسی دوسرے سے اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے قرض لینا چاہتا ہوں تو اپنے نفس ہی سے اس خواہش کو قرض لے کر ترک کر دیتا ہوں تو میرا نفس میرے لیے اچھا ساہوکار ہے۔

حکایت: حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ اپنے دوستوں سے کھانے پینے کی اشیاء کا نرخ پوچھتے۔ اگر وہ گراں بتاتے تو فرماتے کہ ترک کر کے ارزان کرلو۔ (نفس کو تسلی ایسے ہی ہوتی ہے)

فائدہ: حضرت سہل تستری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بسیار خور تین حال میں برا ہے۔ اگر اہل عبادت ہے تو سستی کرے گا۔ اگر پیشہ ور ہے تو آفات سے خالی نہیں رہے گا۔ اگر کچھ آمدنی والا ہے تو اپنے دل سے انصاف نہ کرے گا۔

خلاصہ: حرص دنیا موجب تباہی ہے اور دنیا کا حرص پیٹ اور شرمگاہ کے سبب سے ہے اور شہوت جماع شہوت غذا سے ہوتی ہے جس کے کم کرنے سے یہ تمام باتیں جاتی رہتی ہیں اور یہ تمام ابواب دوزخ ہیں۔ ان کے بند ہوتے ہی جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

حدیث شریف: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ادیموا قرع باب الجنہ ترجمہ: جنت کے دروازے ہمیشہ کھٹکھٹاتے رہو۔ جو شخص ایک روٹی پر قناعت کرے گا وہ تمام شہوات سے قناعت کرے گا۔ پھر آزاد اور مستغنی ہو کر رنج سے راحت پائے گا اور عبادت الٰہی اور تجارت اخروی ہی کا ہو کر رہے گا اور ان لوگوں میں سے ہوگا جن کی شان میں ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور 37) ترجمہ کنزالایمان: وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی

سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد۔

فائدہ: دنیا کے معاملات ایسے لوگوں کو لہو و لعب میں نہیں ڈالتے کیونکہ یہ لوگ اس سے بے پروا ہیں اور جنہیں اس کی حالت ہے ان کو لہو و لعب میں ضرور ڈالتے ہیں۔ جو غذا کھانے سے بچے گی اس سے صدقہ او رخیرات ہو سکتی ہے اور یتیموں اور مسکینوں کی خبر گیری سے قیامت کی دھوپ میں بحکم حدیث اپنے صدقہ کے سایہ میں رہے گا۔

فائدہ: جس قدر آدمی کھالیتا ہے وہ مٹی اور پاخانہ ہو جاتا ہے اور جو صدقہ دیتا ہے وہ فضل الٰہی کے لیے ذخیرہ ہوتا ہے تو انسان کو مال میں بھی حق پہنچتا ہے کہ صدقہ سے اس کو جمع رکھے یا کھا کر فنا کردے یا پہن کر پرانا کردے مگر اپنی غذا کو کم کر کے اگر بقایا سے صدقہ کرلے تو اس سے بہتر ہے شکم سیر ہو کر ہیضہ میں مبتلا ہو کر بار امانت اٹھاتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے جب آیت پڑھی اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (الاحزاب 72) ترجمہ کنزالایمان: بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اٹھالی بے شک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کو جو مزین بہ نجوم ہیں اور حاملین عرش سے ارشاد فرمایا کہ تم بار امانت کو مع مافیا اٹھاؤ گے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس کے اندر کیا ہے۔ ارشاد ہوا اگر نیک کام کرے ثواب پائے اگر برا کرو گے تو عذاب ہوگا۔ عرض کیا ہم سے نہیں اٹھے گا۔ پھر اسی طرح زمین سے پوچھا اس نے بھی انکار کیا۔ بڑے بڑے سخت مضبوط پہاڑوں پر یہ مضمون پیش ہوا۔ انہوں نے بھی انکار کیا۔ پھر انسان سے فرمایا تو اس نے مان لیا کیونکہ وہ نفس پر ظلم کرنے کی کیفیت اور امر ربانی کی حکمت سے ناواقف تھا۔

فائدہ: بخدا اب اس ظلم و جہل کا مشاہدہ ہو رہا ہے کہ بعض نادان ایمان کو مال کے عوض دے ڈالتے ہیں اور ہزاروں روپوں کے مالک ہو کر گھروں کو وسیع اور قبروں کو تنگ اور جانوروں کو موٹا اور دین کو دبلا کرتے ہیں اور صبح و شام حاکم کے دروازے پر حاضری دے کر اپنی جانوں کو مصیبت میں ڈال کر حاکم حقیقی سے بے خوف ہوتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ یہ آرزو پوری ہو اور میرے لیے فلاں فلاں چیز لے آؤ اور بائیں ہاتھ پر تکیہ لگا کر یہاں مال چکھتا ہے اور جب بد ہضمی اور ہیضہ کی نوبت پہنچتی ہے تو نوکروں سے کہتا ہے کہ کوئی ایسی چیز لاؤ جس سے کھانا ہضم ہو۔

انتباہ: بے وقوف کھانا ہضم کرنا چاہتا ہے یا دین کو ہضم کرنا چاہتا ہے کہ فقیر اور یتیم اور بیوہ و مساکین کہاں گئے جن کی خبر گیری کا تجھے حکم تھا۔

فائدہ: اس سے اسی فائدہ کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے یعنی جو کچھ کھانے سے بچے وہ محتاج کو دینا چاہیے تاکہ اجر

اخروی کا ذریعہ ہو اور کھانے کی بہ نسبت یہ امر بہتر ہے اس لیے کہ اس سے دوبارہ گناہ ہوتا ہے۔
حدیث شریف: حضور اکرم ﷺ نے کسی کی توند دیکھ کر انگشت مبارک سے اس کی توند کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اگر اس قدر غیر کے پیٹ میں جاتا تو تیرے لیے اچھا ہوتا یعنی اگر تو اپنی خوراک کم کر کے اوروں کو کھلاتا تو آخرت کے لیے ذخیرہ ہوتا۔

فائدہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں کہ جن کے پاس اتنی غذا تھی کہ اگر وہ چاہتے تو سب کھا لیتے مگر یہ کہا کہ بخدا اب اپنے پیٹ میں نہ ڈالوں گا۔ کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے دوں گا۔ **فائدہ:** اس فائدہ سے بھوک کے دس فائدے ثابت ہوتے ہیں جن میں سے ہر ایک فائدہ بے شمار فوائد کو حاوی ہے۔ اس لیے بھوک کو فوائد اخروی کا خزانہ سمجھنا چاہیے۔

فائدہ: بعض اکابر سے منقول ہے کہ بھوک کلید آخرت اور زہد کا صدر دروازہ ہے اور شکم سیری کلید دنیا اور باب رغبت ہے۔ یہی مضمون اخبار میں بھی ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور ان فوائد کی تفصیل جاننے سے ان اخبار کے معانی بخوبی معلوم و مفہوم ہو جاتے ہیں اگر تفصیل فوائد معلوم نہ ہوں صرف بھوک کو مفید مان لو تب بھی رتبہ ایمان تقلیدی کا مرتبہ حاصل ہوگا۔

پیٹ کی شہوت توڑنے والی ریاضات: مرید کو شکم اور غذا کے بارے میں چار چیزیں مقرر کرنی چاہئیں (1) مقدار غذا' (2) وقت غذا (3) جنس غذا' درجات تقویٰ ان کا بیان باب حلال و حرام میں ہم نے لکھا ہے۔ یہاں تین اول کا ذکر لکھا جاتا ہے۔ مقدار غذا حلال ہے اس لیے کہ غذا حرام کے ساتھ عبادت ایسی ہے جیسے پانی پر عمارت بنانا سب سے پہلے جو بات مقرر کرنی ہے۔ وہ ہے مقدار غذا کم کرنا اور اس میں ریاضت بتدریج کرنی چاہیے تاکہ ایک انداز پر پہنچ جائے کیونکہ اگر کوئی شخص بہت کھانے کا عادی ہوگا۔ وہ دفعتاً" کم کرے گا تو مشقت بھی زیادہ ہوگی اور ضعف سے اس کا مزاج متحمل ریاضت بھی نہ ہوگا اس لیے کھانا تھوڑا تھوڑا کم کرنا چاہیے مثلاً اگر دو روٹیاں کھاتا ہے چاہیے کہ ایک روٹی کھائے اسے یوں کم کرے مہینہ بھر میں ایک روٹی کے وزن پر آجائے اور یہ بات کئی طرح سے ہو سکتی ہے۔ مقدار دو روٹی کا وزن کرے اور پھر ہر روز ایک روٹی کے وزن کا تیسواں حصہ کم کر دے یا لقموں کے شمار سے ایک ایک لقمہ گھٹائے اس سے نہ تو ضرر ہوگا اور نہ کچھ اثر۔

فائدہ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کو پسند فرماتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین چیزوں سے عبادت قبول کرتا ہے۔ زندگی' عقل' قوت اگر سالک کو اول کی دو چیزیں چلے جانے کا خوف ہو تو کھائے روزہ ہو تو افطار کرے روٹی پاس نہ ہو تو تلاش کرے اگر ان دونوں کے جانے کا خوف نہ ہو بلکہ صرف طاقت کے جانے کا خطرہ ہو تو پروا نہ کرے اگرچہ ضعیف ہو جائے یہاں تک کہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور یہ جانے کہ بھوک کے ضعف سے بیٹھ کر نماز پڑھنا قوت غذا سے

کھڑے ہو کر پڑھنے کی بہ نسبت افضل ہے۔

حکایت: حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے شروع کا حال اور غذا کی کیفیت پوچھی تو بتایا کہ میری غذا سال بھر میں تین درہم ہوتی ہے ایک درہم سے شیرہ انگور لیتا ہوں۔ دوسرے سے چاول کا آٹا تیسرے سے گھی ان سب کو ملا کر تین سو ساٹھ گولیاں بنا لیتا ہوں۔ پھر ایک گولی سے افطار کرتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ اب کیا حال ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اب کوئی مقدار اور وقت مقرر نہیں۔

حکایت: بعض راہبین کی حکایت ہے کہ وہ اپنی غذا ساڑھے تین ماشہ غذا تک پہنچاتے۔ رات دن میں مقدار نصف مد یعنی سوا پاؤ کھائے۔ غالباً اکثر لوگوں کی نسبت یہ مقدار سوم حصہ شکم کے برابر ہوگی جس کا ذکر حدیث شریف میں ہے اور چند لقمات سے کچھ زائد ہے کیونکہ یہ وزن جمع سالم کی قلت کے لیے مستعمل ہے۔ جو دس سے کم پر بولتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت یہی تھی آپ سات یا نو لقمے کھایا کرتے تھے۔ مقدار ایک یعنی اڑھائی پاؤ کھائے یہ ثلث شکم سے بڑھ کر ہے اور غالباً دو ثلث شکم کے برابر ہو اس صورت میں ثلث شکم پانی کا حق رہے گا مگر ذکر کے لیے کچھ نہ رہا جیسے کہ بعض روایتوں میں بجائے نفس کے ثلث للذکر واقع ہوا ہے۔ مد سے بڑھ کر ایک سیر تک کھائے اور سیر سے زیادہ کھانا اسراف میں داخل ہے اور باری تعالیٰ کے حکم ولا تسرفوا اور حد سے نہ بڑھو۔ کے مخالف مگر یہ حکم اکثر یہ ہے ورنہ مقدار غذا باعتبار آدمی اور عمر اور کار متعلقہ ہر شخص کے جداگانہ ہے۔

فائدہ: پانچواں طریقہ اور بھی ہے مگر اس میں دھوکہ کھانے کا وہم ہے وہ یہ ہے کہ جب بھوک صادق ہو تب کھانا کھائے اور بھوک صادق باقی ہو تو ہاتھ کھینچے لیکن جو شخص ایک یا دو روٹی کی مقدار مقرر نہ کرے گا اسے اشتہاء صادق کی انتہا ظاہر نہ ہوگی بلکہ اشتہاء کاذب کی تمیز نہ کر سکے گا۔ اگرچہ اشتہائے صادق کی علامتیں بھی ہم نے لکھی ہیں اول تو یہ کوئی سی روٹی روکھی ملے اس کو کھا لے جب کسی معین روٹی کو چاہے سالن کی تمنا ہو تو اشتہاء صادق نہ ہوگی اور ایک یہ ہے کہ اگر تھوکے تو مکھی تھوک پر نہ بیٹھے یعنی چکنائی تھوک میں نہ ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ معدہ خالی ہے اور اس کی پہچان مشکل ہے تو مرید کے حق میں اولیٰ یہی ہے کہ کھانے کی مقدار ایسی مقرر کرے کہ جس عبادت کے درپے ہے اسے بخوبی کر سکے اس کے کرنے میں کمزور نہ ہو جائے جب اس حد پر پہنچ جائے ٹھہر جائے گرچہ اشتہاء باقی رہے۔

خلاصہ: خاص غذا کا اندازہ نہیں ہو سکتا کیونکہ احوال اور اشخاص کے اعتبار سے ہر ایک کے لیے حد جداگانہ ہے ہاں صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک جماعت کا معمول تھا کہ ہفتہ میں ایک صاع گیہوں تناول فرماتے اگر خرما کھاتے تو ڈیڑھ صاع ہفتہ میں کھاتے اور صاع چار مد کا ہوتا ہے تو اب اس سے ایک دن کی غذا کا حساب کرو تو ایک دن میں کچھ

اوپر نصف گیہوں ہوتے ہیں اور خرما کے زیادہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے گٹھلی نکل جاتی ہے پس یہ مقدار اس کے قریب ہے جس کو ہم نے سوم حصہ شکم کے لیے لکھا ہے۔

فائدہ: حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے زمانہ مقدس میں ہر ہفتہ تین سیر جو کھاتے اور آپ کے بعد بھی اس قدر تناول فرماتے اور کہتے کہ بخدا میں اس مقدار پر زندگی بھر نہ بڑھاؤں گا کیونکہ میں نے سنا ہے کہ حضور ﷺ فرماتے تھے کہ قیامت کو مجھ سے زیادہ قریب اور محبوب تو وہ ہوگا جو مرتے دم تک اسی حال پر رہے گا جس پر اب موجود ہے۔

فائدہ: بعض صحابہ کا حال دیکھ کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم نے تمام نبوی طریقہ بدل ڈالا جو چھاننے لگے پتلی چپاتیاں پکوانے لگے دودھ اور سالن اور رنگ برنگ کے طعام کھانے لگے کپڑے صبح اور شام کو بدل کر پہننے لگے۔ یہ باتیں حضور ﷺ کے وقت میں کہاں تھیں۔

اصحاب صفّہ کا حال: ان کی غذا یہ تھی کہ دو آدمیوں کے لیے تین پاؤ خرما ہر روز اور اس میں گھٹلی بھی شامل ہے جس کے نکالنے کے بعد بہت ہی کم مقدار رہتی ہے۔

فائدہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن بھیڑ کی طرح ہے اس کے لیے گلے سڑے خرما یا ستو اور ایک گھونٹ پانی کافی ہے اور منافق درندہ موذی کی طرح ہے کہ ہپ ہپ کرکے جو کھاتا ہے نہ ہمسایہ کے لیے پیٹ میں کمی کرے اور نہ کسی دوست بھائی کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہے۔

فائدہ: حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض دنیا خون خالص بھی ہوتی تب بھی مومن کی غذا حلال ہی ہوتی ہے اس لیے کہ مومن وہی ہے جو ضرورت کے وقت بقدر سد رمق کھائے۔

غذا کا وقت مقرر کرنا: اس میں تین درجات ہیں۔ (۱) اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ تین دن کے یا اس سے زیادہ کچھ نہ کھائے۔ بعض عارفین نے اس بارے میں اتنی ریاضت کی ہے کہ تیس اور چالیس روز کے عرصہ تک نوبت پہنچا دی اور علماء میں بھی بہت سے لوگ ایسے ہیں مثلاً محمد بن عمر عرفی اور عبدالرحمان بن ابراہیم تیمی اور سلیمان خواص اور سہل تستری اور ابراہیم بن احمد خواص رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چھ روز کا صوم طے عمل میں لاتے حضرت عبداللہ بن الزبیر اور ابوالجوز عبداللہ بن عباس رحمۃ اللہ علیہم کے شاگرد سات دن کا حضرت سفیان ثوری اور ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہم تین دن روز کا غرضیکہ یہ تمام بزرگ بھوک سے طریق آخرت پر مدد چاہتے تھے۔ **فائدہ:** بعض علماء کا قول ہے جو کوئی اللہ کے لیے چالیس روز کچھ نہ کھائے اس پر بعض اسرار الٰہی کھل جاتے ہیں۔

حکایت: ایک صوفی راہب کے پاس گئے اور اس کو نصیحت شروع کی کہ اسلام اختیار کرنا چاہئے تمہارے طریق میں

صرف دھوکا ہی دھوکا ہے۔ اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔ یہاں تک کہ اس سے گفتگو کی کہ راہب کہنے لگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس روز تک طے کا روزہ رکھتے اور یہ ایسا معجزہ ہے کہ سوائے نبی صادق کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ صوفی صاحب نے کہا اگر میں پچاس دن طے کا روزہ رکھوں تو تو اپنے دین کو چھوڑ کر دین اسلام قبول کرے گا اس لیے کہ تمہارا دین باطل ہے اور دین اسلام حق ہے اور اس نے کہا ہاں پھر صوفی نے اس کے سامنے ہی بیٹھ کر پچاس روزے پورے کیے اور کہا کہ ساٹھ پورے کیے دیتا ہوں۔ ساٹھ روزے کے بعد راہب کو نہایت تعجب ہوا اور کہا کہ مجھ کو یہی خیال تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر کوئی نہ کر سکے اس کے بعد وہ مسلمان ہو گیا۔

فائدہ: یہ ایک بڑا درجہ ہے یہاں وہ شخص پہنچتا ہے جو قطع علائق و علاوات کر کے مکاشفہ اور مشاہدہ میں مستغرق ہو کر بھوک سے مستغنی ہو۔ دو روز سے تین روز تک کا روزہ رکھے یہ امر علادت سے خارج نہیں بلکہ ممکن ہے اور تھوڑے سے مجاہدہ اور کوشش سے پہنچ سکتا ہے۔ ادنیٰ وہ یہ کہ رات دن میں ایک بار کھائے۔ اگر اس سے زیادہ ہو گا تو اسراف میں داخل ہے اور ہمیشہ شکم سیر رہنا کہ بھوک کی حالت محسوس نہ ہو عیاشوں کا کام ہے اور خلاف سنت بھی ہے۔ حدیث شریف: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ اگر صبح کو نہ کھاتے شام کو تناول فرماتے۔ پھر صبح کو نہ کھاتے۔

فائدہ: اکابر کا بھی یہی دستور تھا کہ ایک بار غذا کھاتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ نے فرمایا ایاک والسرف فان الکلتین فی کل یوم من سرف و اکلتہ واحدۃ فی کل یومین اقتار واکلمۃ فی کل یوم قوام بین ذالک ھو المحمود فی کتاب اللہ عزوجل ترجمہ: خود کو اسراف سے بچاؤ اور دو دنوں میں ایک لقمہ کھانا بخل ہے اور ہر یوم ایک لقمہ قوام ہے اور درمیانہ راہ وہی بہتر ہے اور بہتر ہے اور اللہ عزوجل کی کتاب میں بھی اس کا حکم ہے۔

فائدہ: جو کوئی ایک دفعہ رات دن میں کھانا چاہے تو مستحب ہے کہ سحر کے وقت صبح صادق سے پہلے تہجد کے بعد کھائے کہ دن کو بھوکا رہنے سے روزہ ہو جائے گا اور رات کو بھوکا رہنے سے تہجد کے لیے اٹھنا سہل ہو گا اور معدہ کے خالی رہنے سے فارغ البال اور رقیق القلب اور مجتمع رہے گا۔ نفس کو بھی سکون ملے گا کہ وقت سے پہلے تقاضا نہ کرے گا۔ حدیث: حضرت عاصم بن کلیب رضی اللہ عنہ اپنے والدین اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ ایسے تہجد نہیں پڑھتے تھے جیسے تم پڑھتے ہو آپ کا دستور تھا کہ کھڑے کھڑے پاؤں ورم کر جاتے اور روزہ وصال بھی تمہاری طرح نہ رکھتے تھے بلکہ روزہ سحری کے وقت افطار کرتے تھے۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ روزہ کو سحری میں ملاتے تھے۔

فائدہ: اگر روزہ دار کا دل بعد مغرب کھانے کو چاہے اس طرح کہ تہجد میں حضور قلب نہ ہو سکے تو اسے چاہیے کہ

جس قدر کھانے کی اس کی عادت ہے اس کے دو حصہ کرلے۔ ایک کو بعد مغرب کھالے اور ایک کو سحری کے وقت۔ افطار کے وقت کھانے سے یہ فائدہ ہوگا کہ نفس کھانے کی طرف نہ بھٹکے گا اور نماز تہجد اچھی طرح ادا ہوگی اور سحری کھانے سے دن کو بھوک کی زیادتی نہ ہوگی۔

فائدہ: جو ایک دن افطار کرلے اور ایک دن روزہ رکھے تو اسے کوئی حرج نہیں کہ روزہ کے دن سحر کے وقت کھالے اور افطار والے دن ظہر کے وقت یہ بہتر طریق ہے۔

غذا کا وقت مقرر کرنے کا تیسرا امر جنس غذا مقرر کرنا اور سالن کا ترک ہے۔ سب سے عمدہ غذا گیہوں کا آٹا ہے اگر چھان لے تو آسائش میں داخل ہے اور اوسط غذا جو چھانا ہوا آٹا ہے اور ادنیٰ بن چھان آٹا اور عمدہ سالن گوشت اور مٹھائی اور اوسط شوربا اور چکنائی۔ گوشت کے بغیر اور ادنیٰ نمک و سرکہ ہے۔

مساکین: کی عادت ہے کہ سالن کبھی نہیں کھاتے بلکہ لذیذ چیز انسان کی طبیعت ہے وہ اس سے بھی باز رہتے ہیں کیونکہ اس سے نفس میں تکبر اور سختی ہوتی ہے اور لذات دنیا دل میں گھر کر جاتی ہیں ان سے مانوس ہو کر موت اور دیدار الٰہی سے کراہت کرنے لگتا ہے اور دنیا کو جنت پر ترجیح دیتا ہے جو یہاں کی لذتوں سے محروم ہوگا وہاں کی لذت سے جلد بہرہ یاب ہو اور زندگی کی قید سے جلد چھوٹ جائے گا۔

فائدہ: حضرت یحییٰ ابن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لہ صوفیو جنت کا ولیمہ کھانا ہے تو اپنے نفسوں کو خوب بھوکا رکھو جتنی بھوک زیادہ لگے گی اتنا ہی جنت کے طعام کی خواہش بڑھے گی۔

فائدہ: جتنی آفات شکم سیری کی ہم نے لکھی ہیں وہ دل پسند چیزوں کے کھانے سے اور لذت میں پڑنے سے ہوتی ہیں اس لیے شہوات کے ترک میں اگر مباحات کو بھی چھوڑ دیا جائے تو زیادہ بہتر ہے اور ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے اور ان کے کھانے میں خطرہ رہتا ہے۔

حدیث: حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا شرار امتی الذین یا کلون مخ الحنطنه ترجمہ: میری امت کے شریر وہ لوگ ہیں جو گیہوں کا مغز کھاتے ہیں۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ معدہ کھانا حرام ہے بلکہ وہ تو مباح ہے اس طرح کہ اگر مرغن غذا کھالی تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اگر اس پر مداومت کرلے تب بھی گناہ گار نہ ہوگا مگر نفس کو لذت کا چسکا لگ جائے گا اور سالک دنیا کے انس میں مبتلا ہو کر اس کی طلب میں کوشاں ہوگا اس میں گناہ کا ارتکاب بھی ہو جائے گا اسی لیے آپ نے اسے شرار امت فرمایا کہ معدہ ایسے امور میں مبتلا کرتا ہے جو موجب معاصی ہیں

حدیث: نیز فرمایا شرور امتی الذین غذوا بالنعیم ونبت علیه اجسامهم وانما همتهم الوان اطعام وانواع اللباس و یتشد قون فی الکلام ترجمہ: میری امت کے وہ برے لوگ ہیں جو نعمتوں سے پرورش پاتے ہیں۔ اس

پر ان کے اجسام بڑھتے ہیں اور ان کا مقصد صرف قسم و قسم کے کھانے و لباس ہیں اور گفتگو کے وقت باچھیں پھاڑتے ہیں۔

وحی حضرت موسیٰ علیہ السلام: اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد فرمایا کہ یاد کرلیا کرو کہ قبر میں رہنا ہے۔ اس سے بہت سی شہوتوں سے باز رہو گے۔

فائدہ: اکابر سلف صالحین لذیذ کھانوں سے بہت ڈرتے اور انہیں بدبختی کی علامت سمجھتے اور اللہ کے منع فرمانے کو سعادت جانتے۔

حکایت: حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دو فرشتے چوتھے آسمان پر آپس میں ملے۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو اس نے کہا مجھے حکم ہوا کہ ایک مچھلی سمندر سے فلاں جگہ لے جاؤں جس کو فلاں یہودی نے تمنا کی تھی۔ دوسرے نے کہا میں بھی اس بات پر مامور تھا کہ فلاں عابد کے لیے تیل ڈال آؤں جو اس کا آرزو مند تھا۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ لوازم خیر کا آسان ہونا اچھی علامت نہیں اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ٹھنڈے پانی کا شربت نہ پیا اور فرمایا کہ اس کا مجھ سے حساب ہوگا۔ بہرحال کوئی عبادت شہوات اور ترک لذات سے بڑھ کر نہیں جیسا کہ ریاضت نفس میں ہم نے بیان کیا ہے۔

فائدہ: حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک دفعہ بیمار ہوئے تازہ مچھلی کو جی چاہا۔ مدینہ منورہ میں باوجود تلاش کرانے کے نہ ملی۔ مدت دراز کے بعد ملی تو خرید کرا سے پکایا گیا۔ اسے ایک روٹی پر رکھ کر آپ کے سامنے لے گئے۔ اچانک ایک سائل دروازے پر آیا آپ نے خادم سے کہا کہ اسے روٹی میں لپیٹ کر سائل کو دے۔ خادم نے عرض کیا کہ آپ کا دل اتنے دنوں سے چاہتا تھا تو نہ ملی تھی۔ عرصہ دراز کے بعد ملی ہے تو ہم نے آپ کے لیے پکائی۔ اگر آپ فرمائیں تو سائل کو اس کا دام نقد دے دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو ہی روٹی میں لپیٹ کر دے دو۔ پھر خادم نے سائل کو کہا کہ تم اس کو ایک درہم کے عوض دے دیتے ہو۔ اس نے کہا ہاں۔ خادم نے ایک درہم دے دیا اور مچھلی کو آپ کے سامنے لاکر رکھا اور کہا کہ اس سے درہم دے کر خرید لی۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے درہم بھی واپس نہ لینا اور مچھلی بھی روٹی سمیت دے دو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے ایما امر اشتھی شھوۃ فرد شھوۃ و اثر بھا علی نفسہ غفر اللہ لہ ترجمہ: جسے کوئی خواہش ہوئی اس نے اسے روکا اپنے نفس کی ضد میں عمل کیا تو اللہ عزوجل اسے بخش دے گا۔

حدیث: حضور ﷺ نے فرمایا اذا سددت کلب الجوع برغیف و کوز من المآء القراح فعلی الدنیا و الھلا

الدمار ترجمہ: جب بھوک کے کتے کو روک دے ایک روٹی اور پیالے پانی سے تو دنیا اور اہل دنیا پر خرابی ہے۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ بھوک پیاس کا مقصد مشقت و ضرر کا دفع کرنا ہے لذات دنیویہ سے عیش کرنا مطلوب نہیں۔ **حکایت:** حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی کہ حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما قسم و قسم کے کھانے کھاتے ہیں۔ آپ نے ان کے خادم سے فرمایا کہ جب ان کا طعام رات کے وقت تیار ہو مجھے اطلاع کرنا اس نے ویسے ہی کیا۔ آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے جب کھانا آیا تو ثرید گوشت لایا گیا۔ آپ نے ان کے ساتھ کھایا اس کے بعد بھنا ہوا گوشت پیش ہوا۔ حضرت یزید بن سفیان رضی اللہ عنہ کھانے کے لیے تیار ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ روک کر فرمایا کہ اے یزید بن ابی سفیان کیا ایک غذا کے بعد آٹ دوسری بھی ہوتی ہے۔ بخدا اگر سلف صالحین کی سنت چھوڑ دو گے تو بے شک ان کا طریقہ بھی تم سے جاتا رہے گا۔

اسلاف کے طریقے: (1) یسار بن عمیر فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے آٹا نہیں چھانا اور اگر چھانا بھی ہے تو ان کی مرضی کے خلاف کیا۔ (2) عتبہ اپنا آٹا گوند کر دھوپ میں رکھ دیتے جب خشک ہو جاتا تب کھا لیتے۔ اور کہتے کہ ایک ٹکڑا اور نمک پر قناعت چاہیے۔ یہاں تک کہ آخرت میں بھنا ہوا گوشت اور عمدہ کھانا تیار ہو جائے اور کوزہ ایک گھڑے کے پانی سے بھر لیتے جو سارا دن دھوپ میں پڑا رہتا تھا۔ آپ کی لونڈی کہتی کہ اگر آقا آپ مجھے دیدیں تاکہ پکا دیا کروں اور پانی ٹھنڈا کر دیا کروں آپ فرماتے کہ بھوک کے کتے کو روکنا ہی مقصود ہے مطلب تو یوں بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

حکایت: حضرت شفیق بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو مکہ مکرمہ کے سوق اللیل (جو حضور اکرم ﷺ کی ولادت گاہ کے قریب ہے) (ا)میں دیکھا کہ راستہ کے ایک کنارہ پر بیٹھ کر رو رہے تھے۔ میں بھی ان کے پاس بیٹھ گیا اور گریہ کا سبب پوچھا انہوں نے فرمایا خیر ہے۔ پھر میں نے دوبارہ سہ بارہ پوچھا۔ فرمایا کسی سے کہنا نہیں۔ میں نے کہا کہ آپ فرمائیں۔ انہوں نے کہا کہ تیس سال سے میرا حلوہ کو جی چاہ رہا تھا مگر میں نے بڑی کوشش سے خواہش کو روکا کل رات میں اونگھنے لگا۔ اچانک ایک شخص آیا جس کے ہاتھ میں سبز پیالہ تھا۔ اس میں سے حلوہ کی خوشبو آئی۔ میں نے نفس کو روکا پھر اس نے پیالہ میرے قریب کر کے کہا اے ابراہیم کھائیے۔ میں نے کہا میں نہ کھاؤں گا۔ اس نے کہا کہ اگر اللہ ہی کھلادے تو کھانا چاہئے مجھے کچھ اور جواب بن نہ آیا میں رونے لگا۔ پھر اس نے کہا کہ لو کھاؤ میں نے کہا ہمیں حکم ہے کہ جب تک معلوم نہ ہو کہ کھانا کہاں سے آیا ہے اس وقت تک ہاتھ نہیں ڈالیں گے۔ اس نے جواب دیا کہ کھاؤ یہ تمہارے لیے عنایت ہوا ہے۔ مجھے حکم ہوا ہے کہ اس پیالہ کو لے جا اور حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو کھلا دے کیونکہ اس نے بہت دنوں سے نفس پر کنٹرول کر کے اسے روک رکھا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم کیا اے ابراہیم یاد رکھو کہ میں نے فرشتوں سے سناوہ کہتے ہیں جو شخص عطائے نہیں لیتا تو پھر اگر طلب کرتا ہے تو اسے

نہیں ملتی۔ میں نے کہا میں تمہارے سامنے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی کھلائے گا۔ پھر میں نے دیکھا ایک اور شخص نظر آیا کہ اس نے پہلے کچھ دیا اور کہا کہ تو ہی اپنے ہاتھ سے کھلا۔ اس نے میرے منہ میں لقمہ دینا شروع کیا یہاں تک کہ میں سو گیا جب جاگا تو مزہ منہ میں پایا۔ شفیق کہتے ہیں کہ جب ابراہیم نے یہ بات مکمل کی میں نے کہا اپنا ہاتھ لاؤ میں نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور کہا اے الہ العالمین جو لوگ اپنی شہوات کو روکتے ہیں تو ان کی آرزو پوری کرتا ہے دل میں یقین بھی تو ہی ڈالتا ہے۔ دلوں کو بھی تو ہی مطمئن رکھتا ہے۔ اپنے بندہ شفیق پر بھی نظر کرم ہو پھر حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہنے لگا کہ الٰہی اس ہاتھ کی اور ہاتھ والے کی برکت اور اس انعام کی برکت سے جو تو نے ان پر فرمایا اپنے بندہ مسکین پر عطا کردے وہ تیرے ہی فضل اور احسان و رحمت کا محتاج ہے۔ اگرچہ اس کے لائق نہیں اس کے بعد وہ اٹھ کر حرم شریف میں داخل ہوئے۔

حکایت: حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ چالیس سال دودھ کی خواہش کرتے مگر نہ پیا ایک دن ان کے پاس تر چھوہارے ہدیہ آئے۔ لوگوں نے ان سے کھانے کا اصرار کیا۔ آپ نے فرمایا تمہیں کھالو میں نے چالیس سال ان کو نہیں چکھا۔

حکایت: حضرت احمد بن الحواری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک دفعہ گرم نمکین روٹی کی خواہش ہوئی۔ میں سامنے لے گیا آپ نے ایک دفعہ دانت سے کتر کر چھوڑ دیا اور رو کر کہنے لگے کہ بہت سی محنت و مشقت کے بعد تو نے میری آرزو پوری کردی۔ اب میں پکی توبہ کرتا ہوں مجھے معاف فرمایئے۔ احمد کہتے ہیں کہ پھر زندگی بھر نمک نہ کھایا۔

حکایت: حضرت مالک بن ضیغم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بصرہ کے بازار میں جا رہا تھا ایک ترکاری دیکھ کے میرے نفس نے کہا کہ رات کو مجھے بھی کھلایئے میں نے قسم کھائی کہ چالیس دن نہ کھاؤں گا۔

حکایت: حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ بصرہ میں پچاس سال رہے مگر وہاں تر و خشک خرما کبھی نہ کھایا۔ اس کے بعد اہل بصرہ والوں میں پچاس برس رہا اور تمام تر و خشک سے سروکار نہ رکھا مگر پھر بھی جو چیز مجھ سے کم ہوئی تم میں نہ بڑھی اور نہ جو چیز تم میں زیادہ تھی مجھ سے کم ہوئی۔

فائدہ: یہ بھی انہی کا قول ہے میں نے دنیا کو پچاس سال سے چھوڑ دیا ہے۔ میرا دل دودھ کو چالیس سال سے چاہتا ہے مگر بخدا عمر بھر نہ پیوں گا۔

حکایت: حضرت حماد بن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا وہ دروازہ بند کر رہے تھے کہ تو نے روٹی چاہی میں نے کھلا دی۔ پھر خرما کھانا چاہتا ہے۔ میں نے قسم کھائی کہ کبھی نہ کھاؤں گا۔ پھر جب میں نے سامنے ہو کر سلام کیا تو معلوم ہوا کہ وہ یہ بات اپنے نفس سے کہہ رہے تھے۔

ا۔ اب یہ بازار نہیں ہے۔ (اویسی غفرلہ)

حکایت: حضرت ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ بازار سے جا رہے تھے ایک میوہ نظر آیا۔ بیٹے سے کہا کہ یہ میوہ ٹوٹا پڑا ہے۔ اس میں سے میرے لیے خرید لے شاید جنت میں صحیح سالم بلا رکاوٹ میوہ مل جائے جب وہ خرید کر لائے اپنے نفس سے کہنے لگے کہ تو نے دھوکہ دیا کہ دیکھتے ہی آرزو ظاہر کردی اور پھر اسے خرید لیا۔ بخدا میں کھاؤں گا نہیں پھر اسے یتیموں اور محتاجوں کو بانٹ دیا۔

حکایت: حضرت موسیٰ اشج (زخمی) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیس سال سے میرا دل پسا ہوا نمک چاہتا ہے اور احمد بن خلیفہ کہتے ہیں کہ بیس برس تک میرا نفس یہی کہتا رہا کہ پانی پیٹ بھر کر پیوں مگر میں نے اسے کبھی نہیں پلایا۔

حکایت: حضرت عتبہ غلام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سات برس تک میرا دل گوشت کو چاہتا اس کے بعد مجھے شرم آئی کہ کب تک ٹالتا رہوں۔ سات برس سے تو ٹال رہا ہوں۔ آخر ایک گوشت کا ٹکڑا لے کر بھونا اور اس کو ایک روٹی میں لپیٹا اور ایک لڑکے کو دیکھ کر اس سے پوچھا کہ توں فلاں کا بیٹا ہے جو مرگیا ہے۔ اس نے کہاں ہاں میں نے وہ روٹی اس کے حوالہ کردی۔ روٹی دے کر آپ رونے لگے اور یہ آیت پڑھی وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا (الدھر 8) ترجمہ کنزالایمان: اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور اسیر کو۔ پھر کبھی گوشت نہ کھایا اور چند دنوں سے ان کا دل خرما کو چاہا ایک دن کسی قدر خرید کر رات کے لیے رکھ دیا کہ اسی سے افطار کریں گے۔ اسی دوران طوفان آیا اس سے اندھیرا ہوگیا۔ لوگوں کو خوف معلوم ہوا۔ عتبہ اپنے نفس سے کہنے لگے کہ یہ بلا اسی سبب سے ہے کہ میں نے تیری خاطر اتنے خرما خرید لیے اب خبردار ان کو ہرگز نہ چکھنا۔

حکایت: حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے تھوڑی سی سبزی اور اسی مقدار کا سرکہ خرید لیا پھر تمام رات نفس سے کہتے رہے کہ اے داؤد قیامت کو کیسا بڑا حساب دینا پڑے گا۔ پھر ہمیشہ روکھی سوکھی کھائی۔

حکایت: حضرت عتبہ غلام رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ فلاں شخص اپنے نفس کے لیے ایسا مرتبہ بتلاتا ہے جو اپنے نفس میں نہیں پاتا۔ انہوں نے کہا کہ یہ اس لیے ہے کہ تم روٹی کے ساتھ خرما کھاتے ہو اور وہ صرف روٹی کھاتا ہے۔ عتبہ نے کہا کہ اگر میں بھی خرما چھوڑوں تو وہ رتبہ حاصل ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ بے شک اس پر عتبہ رونے لگے لوگوں نے کہا خرما پر روتے ہو عبدالواحد نے فرمایا اسے کچھ نہ کہو اس کے نفس نے جان لیا کہ یہ ارادہ پکا کرتے ہیں اور جس چیز کو چھوڑ دیں گے پھر اس کی طرف ہرگز رجوع نہ کریں۔

حکایت: حضرت جعفر بن نصر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انجیر میرے لیے خرید لانا جب میں لے آیا تو افطار کے وقت منہ میں ڈال کر تھوک دیا اور کہا اٹھا کر لے جائیں میں نے وجہ پوچھی تو بتایا کہ گوش دل میں غیب سے ندا آئی کہ تو نے میری خاطر چھوڑ! تھا کیا پھر کھائے گا۔

حکایت: حضرت صالح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سلمی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں آپ کے لیے ایک چیز بھیجنا چاہتا ہوں بشرطیکہ آپ واپس نہ کریں۔ انہوں نے فرمایا بہتر میں نے اپنے لڑکے کے ہاتھ ستو گھی شہد میں ملا کر لڑکے کو کہہ دیا کہ جب تک وہ کھا نہ لیں اس وقت تک نہ آنا۔ آپ نے کھا لیے دوسرے دن میں نے پھر بھیجا۔ آپ نے نہ کھایا بلکہ واپس کر دیا۔ میں نے خفا ہو کر کہا سبحان اللہ آپ نے میرا ہدیہ واپس کر دیا۔ انہوں نے مجھے غصہ سے دیکھ کر فرمایا کہ برا ماننے کی بات نہیں۔ ایک بار تو میں نے تعمیل کی جب دوسری بار آپ نے بھیجا تو میں نے کھانا چاہا مگر نہ ہو سکا۔ جب میں ارادہ کھانے کا کرتا تھا تو یہ آیت یاد آتی تھی یتجرعہ ولا یکاد لیسیغہ ترجمہ آیت: گھونٹ گھونٹ لیتا ہے اس کو اور گلے سے نہیں اتار سکتا۔ حضرت صالح کہتے ہیں کہ میں رو پڑا اور دل میں کہنے لگا کہ میں کہیں ہوں اور تم کہیں۔

حکایت: حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا نفس تیس سال سے چاہتا ہے کہ روٹی انگور کے شیرہ میں تر کر کے اسے کھلاؤں مگر میں نے نہیں کھلائی۔

حکایت: ابوبکر جلاء نے فرمایا ہے کہ میں نے ایسا شخص دیکھا ہے کہ اس کا نفس اس سے کہتا تھا کہ میں دس دن تک کچھ نہ کھاؤں گا بشرطیکہ دس دن کے بعد جو کہوں وہ کھلا دے۔ اس نے کہا کہ میں دس دن کا فاقہ نہیں چاہتا تو بھی تمنا چھوڑ دے۔

حکایت: ایک عابد نے کسی اپنے دوست کی دعوت کی اور روٹیاں سامنے رکھ دیں وہ شخص روٹیاں لوٹنے لگا کہ اچھی طرح دیکھ کر کھائے۔ عابد نے فرمایا کہ یہ کیا کرتے ہو تمہیں معلوم نہیں کہ جس روٹی کو تم نے چھوڑ دیا اس میں کتنی حکمتیں ہیں اور کتنے کاریگروں کے ہاتھ سے نکل کر تمہارے پاس آئی ہے۔ بادل سے اس میں پانی آیا اور پانی سے زمین اور ہوا اور جانوروں نے اسے بویا۔ پھر بہت سے لوگوں نے کام کیا۔ اس کے بعد تمہارے تک آئی۔ اب تم لوٹتے ہو رغبت سے نہیں کھاتے۔ (افسوس ہے تجھے مفت ملی ہے اسی لیے قدر نہیں کرتا)

حدیث شریف میں ہے لا یستدیر الرغیف و یوضع بین یدیک حتی یعمل فیہ ثلاثمائۃ و ستون صانعا ولھم میکائیل علیہ السلام الذی یکیل الماء من خزائن الرحمۃ ثم الملئکۃ التی تزجی السحاب والشمس و القمر والا فلاک و الملائکۃ ترجمہ: تیار ہو کر روٹی تیرے سامنے نہیں آئی جب تک تین سو ساٹھ کاریگر کام نہیں کرتے۔ تجھ تک نہیں پہنچتی پہلے ان میں سے حضرت میکائیل علیہ السلام ہیں جو پانی کو خزانہ رحمت سے ناپتے ہیں۔ پھر فرشتے جو ابر کو چلاتے ہیں اور آفتاب و مہتاب و آسمانوں کے فرشتے ہیں اور ہوا کے فرشتے اور زمین کے چوپائے اور ان میں آخری خادم باورچن ہے۔ اگر تم شمار کرو اللہ کی نعمتوں کو تو نہیں کر سکو گے۔

حکایت: بعض اکابر سے منقول ہے کہ میں حضرت قاسم جوعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور ان سے پوچھا کہ زہد کیا چیز ہے انہوں نے

فرمایا کہ تم نے اس کے متعلق کیا سنا ہے۔ میں نے چند اقوال نقل کیے وہ چپ رہے۔ میں نے کہا آپ کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا انسان کا پیٹ دنیا ہے جس قدر اس کو ضبط کرے گا اتنا ہی زہد حاصل کرے گا اور جتنا اس کو نہ روکے گا اتنا ہی دنیا اس پر قابض ہوگی۔

حکایت: حضرت بشیر بن الحارث رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہوگئے۔ حضرت عبد الرحمان بن مطیب رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے مزاج کے موافق کھانا پوچھنے لگے۔ انہوں نے کہا پوچھتے تو ہو لیکن اگر میں بتاؤں گا تو مانو گے یا نہ فرمایا بتاؤ۔ کہا کہ سکنجبین پیو اور سیب چوسو اور اس کے بعد شوربا کھاؤ انہوں نے فرمایا کہ سکنجبین سے کمتر کوئی چیز ہے کہ اس کے قائم مقام ہو کہا مجھے معلوم نہیں۔ انہوں نے کہا مجھے معلوم ہے وہ کاسنی ہے مع سرکہ پھر پوچھا کہ سیب سے کمتر کوئی شے اس کے قائم مقام ہو۔ انہوں نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہا کہ میں جانتا ہوں۔ وہ شامی لوبۓ کی پھلی ہے۔ پھر پوچھا شوربے سے کمتر کوئی چیز اس کا بدلہ معلوم ہے میں نے کہا مجھے معلوم نہیں فرمایا گائے کے گھی میں چنوں کا پانی اس کا بدل ہے۔ حضرت عبد الرحمان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ مجھ سے طب زیادہ جانتے ہو پھر پوچھتے کیوں ہیں۔

فائدہ: ان حکایات سے معلوم ہوا کہ جو لوگ شہوات سے باز رہتے ہیں اور غذا شکم سیری سے رکتے ہیں۔ اس کا سبب وہی فوائد ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا اور بعض اوقات یہ وجہ بھی ہوتی ہے کہ رزق حلال نہیں جانتے۔ اس وجہ سے بے ضرورت اپنے نفس کو غذا کی اجازت نہیں دیتے تھے اور دل پسند چیزیں داخل ضروریات نہیں چنانچہ حضرت ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نمک بھی شہوت و آرزو کی چیز ہے اس لیے کہ روٹی سے زائد اور جو چیز روٹی کے سوا ہے سب زائد اور شہوت میں داخل ہے۔ یہ انتہا درجہ کی ریاضت ہے۔ اگر کوئی اس پر قادر نہ ہو تو اتنا ضروری ہے کہ اپنے نفس سے غافل نہ ہو اور شہوت میں مستغرق نہ ہو۔

فائدہ: یہ بھی اسراف ہے کہ جو دل چاہے کھائے اور جو جی میں آئے کرلے۔ اس لیے ضروری ہوا کہ گوشت کی مداومت چھوڑ دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص چالیس دن تک گوشت ترک کردے بد خلق ہو جاتا ہے اور جو برابر چالیس روز کھائے سخت دل ہو جاتا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ گوشت کی مداومت میں شراب کا نشہ ہوتا ہے اور جب بھوکا ہو جماع کو بھی دل چاہئے نہ کرے بلکہ طعام کھا کر صحبت کرے اور نفس کی دو آرزوئیں پوری کرے کیونکہ وہ اس وقت قوی ہو جائے گا اور بعض دفعہ غذا اس لیے کھاتا ہے کہ جماع کی لذت زیادہ ہو اور مستحب ہے کہ شکم سیر ہو کر نہ سوئے ورنہ دو غفلتوں کا جامع ہوگا اور سستی کا عادی اور سختی دل بھی اس سے پیدا ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں نماز پڑھے یا بیٹھ کر ذکر کرے کہ یہ شکر کے قریب ہے۔ حدیث شریف اذیبو اطعامکم بالذکرو والصلوۃ ولا تنا مو علیہ فتقسو قلوبکم ترجمہ: اپنے طعام کو ذکر اور نماز سے ہضم کرو اور طعام کھا کر نہ سوؤ اس سے تمہارے قلوب سخت ہو جائیں گے۔ اس کی ادنیٰ مقدار یہ ہے کہ چار رکعت پڑھے یا سو

دفعہ سبحان اللہ کہے یا ہر غذا کے بعد کچھ کلام مجید کی تلاوت کرے۔

فائدہ: حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمتہ جس رات شکم سیر ہوتے تو تمام رات عبادت کرتے اور اگر دن کو سیر ہوتے تو مسلسل نماز و ذکر میں مصروف رہتے اور فرماتے کہ کالی بلا کا پیٹ بھرو اور اس سے محنت لو یا یوں فرماتے کہ گدھے کو شکم سیر کرکے اس سے محنت لو اور جب کبھی کسی غذا کے بعد میوہ جات کو جی چاہے تو روٹی نہیں کھانی چاہئے اس کے بدلے اس میوہ کو کھالے تاکہ غذا میں داخل ہو اور نفس عادت و شہوت کا جامع نہ ہو۔

حکایت: حضرت سہل تستری علیہ الرحمتہ نے حضرت ابن سالم رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھ میں روٹی اور چھوہارے دیکھ کر فرمایا کہ پہلے روٹی کھاؤ اگر کافی ہو تو ورنہ چوہارے بقدرے ضرورت کھالینا۔

فائدہ: ایک لطیف اور ایک غلیظ میسر آئے تو پہلے لطیف کھاؤ کیونکہ اس کے بعد غلیظ کو دل نہ چاہے گا اگر پہلے اچھا نہ کھاؤ گے تو دوسرے کھانے کے بعد اس پر طبیعت منغص رہے گی۔

فائدہ: بعض اکابر اپنے ساتھیوں سے کہتے تھے کہ من بھاتی چیزیں نہ کھاؤ نہ ان کی تلاش کرو۔ اگر تلاش کرو تو ان سے محبت نہ کرو مخصوص روٹی تلاش کرنا داخل شہوت ہے۔

حکایت: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عراق سے ہمارے پاس کوئی فاقہ روٹی سے بڑھ کر نہیں آتا۔

فائدہ: روٹی کو آپ نے فاقہ فرمایا خلاصہ کلام یہ ہے کہ مباحات کی شہوت و اتباع میں بھی نفس کو نہ ڈالنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ اگر یہاں شہوات پورا کریں اور قیامت کو کہا جائے کہ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ
ترجمہ کنز الایمان: ان سے فرمایا جائے گا تم اپنے حصہ کی پاک چیزیں اپنی دنیا ہی کی زندگی میں فنا کر چکے اور انہیں برت چکے۔

فائدہ: جس قدر یہاں نفس مجاہدہ کرکے شہوت کا ترک کرے گا اسی قدر آخرت میں من بھاتی چیزیں پائے گا۔

حکایت: بصرہ کے ایک بزرگ چاول کی روٹی اور مچھلی کو بیس سال تک چاہتے رہے مگر نفس پر مجاہدہ کرکے اسے روکا ان کا نفس مانگتا رہا مگر کبھی نہ دیا جب وفات پائی تو کسی نے ان کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ آپ کے ساتھ اللہ تعالٰی نے کیا معاملہ فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ جو نعمتیں اور کرامتیں عنایت فرمائیں۔ میں بیان نہیں کر سکتا سب سے پہلے جو چیز مجھے عنایت ہوئی وہ چاول کی روٹی اور مچھلی تھی اور فرمایا کہ آج جتنا چاہے بے حساب جی بھر کے کھالے چنانچہ خود بھی ارشاد فرماتا ہے كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ (الحاقہ 24) ترجمہ کنزالایمان:

کھاؤ اور پیو رچتا ہو صلہ اس کا جو تم نے گزرے دنوں میں آگے بھیجا۔

فائدہ حضرت ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شہوت چھوڑ دینا سال کے روزے اور شب بیداری سے زیادہ نافع ہوتا ہے۔ اللہ ہمیں بھی اپنی رضا کی توفیق عنایت کرے۔ بہ طفیل محمد رسول اللہ ﷺ (یہ اضافہ نانوتوی کا ہے۔ میں دیکھ کر حیران ہوگیا کہ اس نے یہ جملہ کیسے لکھ مارا کیونکہ یہ اس کے مذہب کے پیشوا اسماعیل دہلوی کے نزدیک شرک ہے۔ (اویسی غفرلہ)

بھوک اور اس کے فضائل میں اختلاف: تمام احوال و اخلاق میں مقصود میں بحکم خیرالامورا اوسطھا میانہ روی ہے اور دو طرفیں یعنی (افراط و تفریط) مذموم ہیں اور بھوک کی فضیلت میں ہم جو کچھ لکھ آئے اس سے یہ نہ سمجھیں کہ اس سے افراط مطلوب ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن چیزوں کی انتہائی طرف کو طبیعت چاہتی ہے اور اس میں کچھ فساد ہوتا ہے تو اسرار حکمت شرع میں سے کہ ایسی صورت میں مبالغہ کے ساتھ منع کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جاہل کو یہ گمان ہو کہ مقصود یہی ہے کہ ہر حال میں طبیعت کا ضد خیال جائے اور جہاں تک ممکن ہو اس کے خلاف عمل کیا جائے اور عقلاء سمجھتے ہیں کہ مقصود درجہ اعتدال ہے مثلاً نہایت شکم سیری طبع کا انتہا ہے تو شریعت کمال درجہ کی بھوک کی صفت و تعریف کرتی ہے تاکہ طبیعت کسی طرح اپنے مقتضائے سے باز رہ کر درجہ اعتدال حاصل کرے کیونکہ اقتضائے طبع کی بالکل جڑ کاٹنا امر محال ہے تو ضرور کوئی انتہا اس کی ہوگی اس پر عمل کرنے سے شرعاً ممدوح ہو اس طرح اگر کوئی فضول خرچ خلاف طبع اسراف کرے تو شریعت میں اس کی مذمت پائی جائے گی مثلاً شب بیداری اور روزہ کے متعلق شریعت میں نہایت مبالغہ کے ساتھ ہے مگر جب حضور ﷺ کو معلوم ہوا کہ بعض لوگ ہمیشہ روزہ رکھتے ہیں اور تمام رات جاگتے ہیں تو ان کو اس سے منع فرمایا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ مقصود صرف درجہ اعتدال سے کھانے کے متعلق میں افضل اور اعتدال یہ ہے کہ اتنا کھائے کہ نہ معدہ ثقیل ہو نہ بھوک کی تکلیف محسوس ہو بلکہ اتنا کھائے کہ اس کا اثر محسوس نہ ہو اس لیے کہ غذا سے غرض بقاء حیات اور قوت عبادت ہے معدہ کی گرانی سے بھی عبادت نہیں ہو سکتی اور بھوک کی تکلیف بھی دل کے شغل کی مانع ہے تو نتیجہ نکلا کہ اتنا کھائے کہ غذا کا اثر محسوس نہ ہو تاکہ فرشتوں کے مشابہ ہو جائے کہ ان کو بھی غذا کی گرانی اور بھوک کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی اور انسان کا درجہ کمال بھی یہی ہے کہ ان کا اقتداء کرے اور چونکہ سیری شکم اور بھوک سے چھٹکارا نہیں تو دونوں حالتوں کا اصلی درجہ اوسط ہے جسے اعتدال کہتے ہیں۔

اعتدال کے متعلق مثال: افراط و تفریط سے درجہ اوسط اعتدال کی طرف رجوع ایسے ہے کہ جیسے لوہے کے گرم کنڈل کو زمین میں ڈال کر ایک چونٹی کو اس کے بیچ میں چھوڑ دیا جائے۔ اب چیونٹی اس حلقہ کی گرمی سے بچنے کے لیے چاروں طرف سے نکلنا چاہے گی مگر ہر طرف سے گرمی ہے کسی طرف سے نکل نہیں سکتی پھر بھاگتی ہے۔ یہاں

تک کہ اس حلقہ کے مرکز میں پہنچ کر ٹھہر جاتی ہے۔ اس طرح ہر طرف کی حرارت سے دور تر رہے گی۔ اس طرح شہوات بھی انسان کو محیط ہیں اور یہ چیونٹی کی طرح اس کے کنڈل میں پڑا ہوا ہے۔ فرشتے اس سے خارج ہیں اور انسان کو اس سے نکل جانا تو غیر ممکن ہے۔ اگر فرشتوں سے شبیہ چاہتا ہے تو یوں ہو سکتا ہے کہ شہوات سے جتنا ممکن ہو دور ہو جائے اور چونکہ اعتدال تمام اطراف سے برابر دوری پر ہے اس لیے تمام اخلاق متقابلہ میں وہی مطلوب ہونا چاہئے اور اسی اعتدال سے اس حدیث میں مقصود ہے اور اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ کلوا واشربو ولا تسرفو ترجمہ: کھاؤ اور پیو اور بے جانہ اڑاؤ

فائدہ: جب انسان کو بھوک اور سیری دونوں محسوس ہوں گی تب نفس ہلکا رہے گا اور عبادت و ذکر و فکر آسان محسوس ہوں گی اور عمل کرنے پر قادر ہو گا مگر چونکہ ابتدا میں نفس سرکش ہوتا ہے اور شہوات کا خوگر اور فراط کا مائل تو اعتدال کا حاصل ہونا سہل نہیں ہوتا اور نہ اس کا کوئی فائدہ بلکہ اس وقت بھوک سے اس کی ایذا رسانی میں خوب مبالغہ کرنا چاہئے جیسا کہ پہلے ابتدا گھوڑے وغیرہ کی تربیت کے لیے اسے بھوکا پیاسا رکھتے ہیں اور اس پر خوب کوڑے پڑتے ہیں۔ تب کہیں سیدھا ہو کر کام دیتا ہے۔ پھر حسب منشا تمام مشقت اس سے دور کر دی جاتی ہے اور اسے اعتدال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

فائدہ: اسی لیے مرشد کرام اپنے مریدوں کو ایسے کام بتاتے ہیں جو خود نہیں کرتے۔ مثلاً مرید کو بھوکا رہنے کے لیے کہتے ہیں یا شہوت چھوڑنے کے لیے فرماتے ہی حالانکہ خود بھوکے نہیں رہتے نہ شہوت سے بالکل منقطع ہوتے ہیں بلکہ بعض اوقات میوہ جات اور شہوات کا ارتکاب ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے نفس کی تادیب سے فارغ ہو گئے۔ اب تکلیف دینے کی اسے ضرورت نہیں اور چونکہ نفس اکثر احوال میں شہوت پرست اور شرد سرکش اور عبادات چور ہوتا ہے تو مناسب یہی ہے کہ اسے بھوکا رکھا جائے اور اکثر احوال میں تکلیف اٹھائے اور انکساری پا کر درجہ اعتدال حاصل کرلے اس کے بعد غذا بھی معتدل کر دی جائے اور ہمیشہ بھوکا رہنے سے دو شخص باز رہتے ہیں۔ (ا) صدیق (2) احمق فریب خوردہ، صدیق کو تو اس وجہ سے بھوک کی ضرورت نہیں کہ اس کا نفس راہ راست پر مستقیم ہے اور اسے نفس کی تکلیف دہی کی ضرورت نہیں۔ احمق اس لیے بھوکا نہیں رہتا کہ خود کو صدیق سمجھتا ہے اور نفس کو تادیب کے قابل نہیں سمجھتا اور ایک بڑا دھوکہ ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے اس لیے کہ نفس کی تادیب بوجہ کمال بہت کم ہوتی ہے اور بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی صدیق کو دیکھا کہ وہ اس کے متعلق پروا نہیں کرتا تو وہ بھی ویسا ہی کرنے لگتا ہے۔

عجیب مثال: بیمار کسی تندرست کو (جو مرض سے شفا پا چکا ہو) کوئی چیز کھاتے دیکھے تو خود کو تندرست سمجھ کر وہی چیز کھانے لگے تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔

فائدہ: اس کی وجہ مقدار اور جنس اور وقت غذا میں تخصیص نہیں بلکہ مقصود اصلی مجاہدہ بہ نفس نافرمان ہے جو حق سے متجاوز ہو کر رتبہ کمال کو نہیں پہنچا۔

فائدہ: حضور ﷺ کے لیے بھی مقدار اور وقت غذا مقرر نہ تھا چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سرکار ﷺ اس قدر روزہ رکھتے کہ گمان ہوتا کہ آپ ﷺ افطار نہ کریں گے اور کبھی افطار کے دن ایسے ہوتے کہ محسوس ہوتا کہ اب روزہ نہ رکھیں گے اور جب گھر میں تشریف لا کر پوچھتے کہ کچھ ہے اور گھر کے لوگ عرض کرتے کہ ہے تو تناول فرماتے ورنہ فرماتے کہ آج تو میرا روزہ ہے اسی طرح جب آپ کے سامنے کوئی چیز پیش ہوتی تو فرماتے کہ میرا ارادہ تو روزہ رکھنے کا تھا۔ ایک دن آپ باہر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں روزہ سے ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے ہاں حیس یعنی گھی اور پنیر آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے تو روزہ رکھنا چاہا تھا مگر لے آؤ تاکہ تناول فرماؤں۔

حکایت: حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ شروع میں آپ کا کیا حال تھا تو انہوں نے عجیب مشقیں بیان فرمائیں۔ یہاں تک فرمایا کہ مدت تک میں نے بیری کے پتوں پر گزر اوقات کی اور تین برس تک انجیر کوٹ کوٹ کر کھائے۔ پھر کہا کہ تین برس میں تین درہم کی غذا کھاتا تھا۔ پھر جب پوچھا گیا کہ اب آپ کی غذا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اب کوئی حد اور وقت مقرر نہیں۔

فائدہ: اس کا یہ مقصد نہیں کہ اب بہت کھاتا ہوں بلکہ یہ مطلب ہے کہ کوئی مقدار مقرر نہیں اور نہ کوئی وقت مقرر ہے جس قدر سمجھتا ہوں اور جس وقت مناسب جانتا ہوں کھا لیتا ہوں۔

حکایت: حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بعض لوگ اچھے اچھے کھانے بھیجتے آپ کھا لیتے۔ لوگوں نے کہا آپ کے بھائی بشر (حافی) ایسے کھانے نہیں کھاتے۔ آپ نے فرمایا میرے بھائی بشر کو فتویٰ نے روک رکھا ہے اور مجھے معرفت نے کشادہ کر رکھا ہے۔ پھر فرمایا کہ میں اللہ کا مہمان ہوں جب مجھے کھلاتا ہے کھا لیتا ہوں جب بھوکا رکھتا ہے صبر کرتا ہوں۔ مجھے اعتراض و تمیز سے کیا کام۔ **فائدہ**: حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دوستوں میں سے کسی کو چند درہم دیئے اور کہا کہ ان کا مکھن اور شہد اور روٹی لے آؤ۔ انہوں نے عرض کیا یہ سب اشیاء آپ نے فرمایا اگر ملتا ہے تو جوانمردوں کی طرح کھاتے ہیں۔ اگر نہیں ملتا تو بھی جوانمردی کی طرح صبر کرتے ہیں۔ ایک دن بہت سا کھانا پکوایا اور چند بزرگوں کی دعوت کی کہ ان میں اوزاعی اور ثوری تھے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اے ابا اسحٰق خوف کیجئے کہیں اسراف نہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کھانے میں اسراف نہیں ہوتا۔ اسراف کپڑوں اور اثاث البیت میں ہوتا ہے۔

فائدہ: جسے سمعی باتوں اور نقل و تقلید سے علم ہوتا ہے وہ منشا نہیں سمجھتے اور حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا حال سنا کہ

انہوں نے کیا کہا مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا حال بھی سنئے انہوں نے فرمایا کہ میرے گھر میں بیس سال سے نمک نہیں آیا اور حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ چالیس برس تک ان کا دل شیرہ انگور سے روٹی کے ٹکڑے کو چاہتا رہا مگر نہ کھایا تو ان باتوں کو ایک دوسرے کے خلاف پا کر حیران ہوتا کہ ان میں سے بے شک ایک شخص خطا پر ہوگا لیکن سمجھدار پر اسرار علم کھل جاتے ہیں وہ جانتا ہے کہ تمام لوگ حق پر تھے مگر باعتبار احوال و اوقات ان کے اعمال مختلف تھے۔ پھر ان احوال مختلف کو سننے سے محتاط آدمی تو یہ سمجھتا ہے کہ میں درجہ معرفت کو نہیں پہنچا مجھے کسی طرح کی مسامحت اور بے پرواہی مثل اکابر کی طرح نہیں چاہیے۔ میرا نفس حضرت مالک بن دینار یا حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے نفس سے زیادہ مطیع نہیں ہے جنہوں نے لذات کو ترک کر دیا تھا۔ پس انہیں کا اقتداء کرتا ہے۔ (یہ اہلسنّت کا طریقہ ہے) اور مغرور آدمی یوں سوچتا ہے کہ میرا نفس حضرت ابراہیم بن ادھم اور حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے نفس سے زیادہ نافرمان نہیں میں بھی انہیں کا اقتدا کروں اور غذا کے انداز کو بالائے طاق رکھوں۔ میں بھی اپنے اللہ کے گھر مہمان ہوں۔ مجھے اعتراض سے کیا کام۔ پھر اگر کوئی شخص ایسے آدمی کے حق میں یا تعظیم میں یا مال و جاہ میں معمول کے طور کفایت کرے تو اس پر قیامت برپا ہو اور اعتراض کرنے لگے۔ فائدہ احمقوں کے ساتھ شیطان کو اس بارے میں بڑا دخل ہے بلکہ غذا اور روزہ رکھنے اور خواہش کی چیزوں کو کھانے کی قید اٹھانی صرف اسی کو زیبا ہے جو نور ولایت اور نور نبوت سے دیکھتا ہے اور اس کے اور اللہ تعالٰی کے درمیان کوئی علامت انقباض یا استرسال کی گئی اور یہ جب بھی نصیب ہوتی ہے اس وقت نفس ہوائے نفسانی سے نکل جاتا ہے اور علات سے بالکلیہ منقطع ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کچھ کھائے تو اس میں کچھ نیت ہو اور نہ کھائے تو بھی خالی از نیت نہ ہو تو اس صورت میں غذا ہو یا نہ ہو دونوں اللہ تعالٰی کے ہوں گے۔

حکایت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی احتیاط مد نظر رکھی چاہیے چنانچہ مروی ہے کہ آپ کو معلوم تھا کہ حضور ﷺ کو شہد پسند تھا اور اس کو تناول فرمایا کرتے تھے مگر آپ نے نفس کو حضور ﷺ کے نفس مبارک پر قیاس نہ فرمایا بلکہ جب شہد کا ٹھنڈا شربت آپ کے سامنے لایا گیا تو اپنے ہاتھ میں برتن گھماتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کو پیوں تو مزہ تھوڑی دیر میں جاتا رہے گا۔ مگر اس کا مواخذہ باقی رہے گا یہ کہہ کر کہا کہ مجھ سے اس کا حساب دور کرو میں نہ پیوں گا۔

فائدہ: مرشد کو چاہئے کہ ان اسرار کو مرید سے بیان نہ کرے بلکہ صرف بھوک کی صفت پر کفایت کرے اور یہ نہ کہئے کہ اس میں اعتدال کرنا چاہئے کیونکہ وہ اعتدال سے کچھ نہ کچھ لازماً کوتاہی کرے گا بلکہ غایت درجہ کی بھوک حکمی کرے تاکہ اعتدال تک نوبت آجائے اور یہ بھی اس سے نہ کہے کہ عارف کامل ریاضت سے مستغنی ہو جاتا ہے اس لیے کہ شیطان اس پر ہمیشہ وسوسہ ڈالے گا کہ اب تو عارف کامل ہو گیا فلہذا کوئی دقیقہ باقی نہیں رہا۔ ہر مرتبہ تم کو حاصل ہے (دورہ حاضرہ میں بعض جہلاء صوفیانہ رنگ بدل کر ایسے مرض میں مبتلا ہیں۔ اویسی غفرلہ)

حکایت: حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ جو ریاضت بھی مرید کو بتلاتے وہی خود بھی اس کے ساتھ کرتے تاکہ اس کے دل میں

خیال نہ ہو پیر صاحب خود تو کرتے نہیں مجھ سے کہتے ہیں۔ اس تصور سے ریاضت سے نفرت کرنے لگے۔

قاعدہ: طاقتور انسان جب دوسرے کو ریاضت سکھاتا ہے اور اس کی اصلاح کے درپے ہوتا ہے تو ضروری ہے کہ کمزوروں کی طرح ہو جائے جیسا کہ کشتی وغیرہ سکھانے والے کرتے ہیں۔ اس امر سے زیادہ تر نرمی اور لطف پایا جاتا ہے اور سالک جلد سعادت کو پہنچتا ہے اس میں اولیاء اور انبیاء کا بڑا امتحان ہوتا ہے چونکہ حد اعتدال پر ایک کے حق میں ایک پوشیدہ ہے پس حزم و احتیاط کو کسی حال میں ہاتھ نہ دینا چاہیے۔

حکایت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ گوشت اور گھی روٹی کے ساتھ کھا رہے ہیں۔ آپ نے اسے کوڑا مار کر فرمایا کسی دن روٹی دودھ سے اور کسی دن گھی سے اور کسی دن تیل سے اور کسی دن نمک سے اور کسی دن روکھی اور پھیکی کھایا کرو۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اعتدال اسی کا نام ہے کہ گوشت اور شہوت کی چیزوں پر مواظبت فراط اور اسراف میں داخل ہے اور بالکل گوشت ترک کر دینا تفریط اور تنگی میں شمار ہے اور کبھی کھا لینا درجہ اوسط و اعتدال ہے۔

ریا کی خرابیاں: تارک شہوات پر دو آفتیں ہیں جو دل پسند اشیاء کے کھانے سے بھی زیادہ مضر ہیں۔ (1) بعض شہوات کو نہیں چھوڑ سکتا ان کی خواہش رہتی ہے لیکن یہ نہیں چاہتا کہ کوئی جان لے اس لیے لوگوں سے علیحدہ ہو کر اس چیز کو کھا لیتا ہے۔ مجمع میں نہیں کھاتا۔ اس کا نام شرک خفی ہے۔ (یعنی ریا ہے)

حکایت: کسی عالم دین سے کسی زاہد کا حال پوچھا گیا تو وہ چپ رہے۔ لوگوں نے کہا کہ کوئی اس کی برائی معلوم ہو تو بتا۔ انہوں نے کہا کہ وہ تنہائی میں ایسی چیزیں کھاتا ہے جو مجمع میں نہیں کھاتا۔ خلاصہ یہ کہ یہ بہت بڑی آفت ہے سالک کو مناسب ہے کہ شہوات کی محبت میں مبتلا ہو جائے تو اس کو ظاہر کر دے۔ صدق حال اس کو کہتے ہیں اس سے صرف اتنا معلوم ہو گا کہ اعمال کی شامت سے مجاہدہ جاتا رہا۔ اگر کسی نقصان کو چھپا کر اس کے مقابل کا کمال ظاہر کرے گا تو اس میں دو نقصان ہوں گے جیسے جھوٹ بول کر چھپا دے تو دو جھوٹ ہوں گے اور دگنا غصہ ہوتا ہے اور جب تک دو سچی توبہ نہیں کرتا اس وقت تک اس سے کوئی خوش نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ منافقوں کا عذاب زائد ارشاد فرمایا ہے کہ کلوا وشرابو ھنیاء بما اسلفتم فی الایام الخالیۃ (الحاقہ 24' پ 29) ترجمہ: کھاؤ اور پیو اچھا ہوا صلہ اس کا جو تم نے گزرے دنوں میں آگے بھیجا۔ کیونکہ کافر نے کفر علانیہ کیا اور منافق نے کفر چھپایا تو چھپانا دوسرا کفر ہوا۔ اس لیے کہ اس نے اس امر کو ہلکا سمجھا۔ اللہ تعالیٰ تو دل کو دیکھتا ہے اور منافق بندوں کی نظر کو زیادہ سمجھ کر اپنے ظاہر میں سے کفر دور کر دیا اس لیے مستحق دو عذاب کا ہوا۔

فائدہ: بعض عارفین شہوات بلکہ معاصی میں مبتلا ہو جاتے ہیں مگر ریا میں گرفتار نہیں ہوتے اور اپنے عیوب کو پوشیدہ نہیں کرتے بلکہ کمال عرفان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شہوات اپنے نفس سے دور کرے اور ظاہر میں لوگوں کے

اعتقاد دور کرنے کو اظہار شہوات کرے۔ بعض اکابر کوئی دل و من پسند شے تھوڑی سی لے کر اپنے گھروں میں لٹکا دیتے۔ حالانکہ اس کو کھاتے نہیں تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ غافل لوگ ان کے پاس آکر خلل انداز نہ ہوں اور جانیں کہ یہ شخص مبتلائے شہوت ہے۔ زہد کا کمال اسی میں ہے کہ زہد میں زہد کرے۔ یعنی اس کے خلاف ظاہر کرے اور یہ کام صدیقین کا ہے کیونکہ اس نے دو صدق کو اکٹھا کیا یعنی دوبارہ نفس پر بوجھ ڈالا اور جام صبر نوش کیا۔ ایک بار تو اس چیز سے روکنے کی وجہ سے دوسری بار لوگوں کے طعن کے سبب سے تو ایسا منافقین کا حال یہ ہے۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء 145) ترجمہ کنزالایمان: بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہیں۔ اور اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی شخص ظاہر میں کسی کو کچھ دے اور وہ اس وقت تو لے لے اور پھر مالک کو پھیر دے تو اس شخص کا دل دو بار منکسر ہوگا۔ اول تو ظاہر میں لینے کی ذلت سے دوم چھپا کر واپس کرکے اپنی ضرورت باقی رکھنے سے۔ پس جب تک یہ مرتبہ حاصل نہ ہو تب تک آدمی خود کو ناقص جانے اور اظہار شہوت سے اجتناب نہ کرے اور شیطان کے اس دھوکا میں نہ آئے کہ اگر یہ بات ظاہر کرو گے تو دوسرے لوگ بھی تمہاری پیروی کریں گے۔ دوسروں کی اصلاح اسی میں ہے کہ اسے دبائے رکھے۔ اسی لیے اگر فی الحقیقت دوسروں کی اصلاح مد نظر ہوتی تو خود اپنے نفس کی اصلاح مقدم اور اہم ہوتی۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ صرف مقصود ریا ہے کہ دوسروں کی اصلاح کے بہانے سے شیطان نے اس کو اس میں مبتلا کر رکھا ہے اس لیے اس کا کھل جانا گراں معلوم ہوتا ہے گویہ بھی جانتا ہو کہ لوگوں سے مطلع ہونے سے کوئی پیروی نہ کرے گا اور نہ میرے تارک الشہوات ہونے سے بداعتقاد ہوگا۔ (2) ترک شہوات پر قادر تو ہے مگر پاک دامن مشہور ہونے کا شوقین ہے اور اس سے خوش بھی ہوتا ہے تو اس صورت میں شہوت غذا جو ضعیف تھی اس کا تو تارک ہوا مگر جو برائی میں ہے جو اس سے زیادہ تھی یعنی خواہش جاہ اس کی اطاعت کی اور اس کو شہوت خفیہ کہتے ہیں جب سالک اس طرح کی خواہش اپنے جی میں پائے تو اس کا توڑنا شہوت غذا سے موکد تر سمجھ کر اگر کھالے تو اس کے حق میں اچھا ہے۔ حضرت ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تیرے سامنے من بھاتی چیز آئے تو تارک ہے تو اس میں ذرہ سی کھائے لیکن نفس کی مرضی کے موافق نہ کھانا اس میں دو فائدے ہوں گے۔ (1) شہوت نہیں رہے گی۔ (2) نفس تر ستارہ جائے گا۔

فائدہ: حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب میرے سامنے کوئی من بھاتی شے آتی ہے تو میں اپنے نفس کی طرف دیکھتا ہوں۔ اگر اس کی تمنا اس میں پاتا ہوں تو اسے کھلا دیتا ہوں۔ روکنے سے یہ امر افضل ہے اور اگر خواہش خفی کرتا ہے تو ظاہر میں تارک ہونے کو چاہتا ہے تو اس کی شرط یہ ہے کہ اس کو میں ترک کر دیتا اور کبھی نہیں دیتا۔

معلوم ہوا کہ طریق سزا نفس کا شہوت خفیہ پر اس طرح ہوا کرتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ شہوات غذا کو

جو شخص ریا میں مبتلا ہو وہ ایسا ہے کہ بچھوں سے ڈر کر سانپ کے پاس جائے اس لیے کہ ریا کا ضرر خواہش غذا کے ضرر سے بہت زیادہ ہے۔

شہوت فرج: انسان پر شہوت جماع دو فائدوں کے لیے مسلط ہوئی۔ (1) اس سے لذت حاصل کر کے قیامت کی لذتوں کو یاد کرے کیونکہ یہ لذت اگر دیرپا ہوتی تو اجسام کی لذتوں میں سب سے زیادہ قوی ہوتی جس طرح پر کہ آگ تمام تکلیفوں سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ انسانوں کو سعادت اور جنت کی رغبت دلائی اور دوزخ سے ڈرانا بغیر لذت محسوس اور تکلیف محسوس کے نہیں ہو سکتا تو جب دنیا میں مثلاً کوئی لذت جماع کو عمدہ پائے گا یقین کر لے گا کہ جنت کے لذائذ بھی اس طرح ہوں گے۔ اگرچہ اس سے وہ اعلیٰ ہوں گے۔ (2) نسل کا باقی رہنا بظاہر یہ دو فائدے ہیں مگر اس میں آفات اتنا بڑے ہیں کہ اگر آدمی اس شہوت کو ضبط کر کے اعتدال پر نہ رکھے تو دین و دنیا دونوں کو ضائع کردے۔ اس آیت شریف میں رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ (البقرۃ 286) ترجمہ کنز الایمان: اے رب ہمارے اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں سہار نہ ہو۔ (ترجمہ از کنز الایمان)

فائدہ: بعض نے طاقت سے زیادہ کے یہی معنی لکھے ہیں کہ اس سے شدت شہوت جماع مراد ہے۔

فائدہ: وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ترجمہ: اور بدی سے اندھیری کی جب سمٹ آوے کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے آلہ تناسل کا کھڑا ہونا ہے۔ بعض نے اس کی سند حضور ﷺ تک پہنچائی ہے مگر تفسیر میں فرمایا کہ اس سے آلہ تناسل وقت دخول کے مراد ہے اور اس میں شک نہیں کہ جب انسان کو شہوت کا جوش ہوتا ہے تو دو تہائی عقل جاتی رہتی ہے۔

دعا نبوی: حضور ﷺ فرماتے اعوذبک من شر سمعی و بصری و ھینی و مینی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں بدی سے اپنے کان اور آنکھ اور دل اور نطفہ سے۔ اور یہ بھی فرمایا النسآء جبائل الشیطان ولو لا ھذہ الشھوۃ لا مکان النسآء سلطنتہ علی الرجال ترجمہ: عورتیں شیطان کا جال ہیں اگر یہ شہوت نہ ہوتی تو عورتوں کا مردوں پر قبضہ نہ ہوتا۔

حکایت: حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی مجلس میں رونق افروز تھے کہ ابلیس حاضر ہوا اس کے سر پر ٹوپی تھی۔ جس میں بیسوں رنگ چمکتے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قریب ہوا تو ٹوپی اتار کر رکھ دی اور آپ کی خدمت میں سلام کیا۔ آپ نے پوچھا کہ تو کون ہے۔ عرض کیا ابلیس ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تجھے ذلیل کرے۔ یہاں کیوں آیا ہے۔ عرض کیا چونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کو رتبہ اور قدرومنزلت ہے اسی لیے آپ کے سلام کو آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے سر پر کیا تھا۔ عرض کیا ٹوپی جس سے انسانوں کے دل اچکتا ہوں۔ آپ نے پوچھا کہ وہ کیا چیز ہے جب انسان اسے کرتا ہے تو تو غالب ہو جاتا ہے۔ عرض کیا کہ جب اپنی بڑائی کا خیال اس کے دل میں سماتا ہے اور

گناہوں کو بھول کر اپنے اعمال کو زیادہ جانتا ہے تو اس وقت میرے قابو میں آجاتا ہے اور تین باتوں میں آپ کو ڈراتا ہوں۔ (1) اجنبی عورت کے ساتھ علیحدہ نہ ہونا کیونکہ جو مرد اجنبی عورت کے ساتھ تنہا ہوتا ہے تو میں وہاں خود جاتا ہوں اپنے کارندوں کو وہاں نہیں بھیجتا اور اس مرد کو فتنہ میں ڈال دیتا ہوں (2) اللہ تعالیٰ سے جو عہد کرو اسے پورا کرنا۔ (3) جو زکوٰۃ اور صدقہ کے لیے مال نکالو اس کو بانٹ دینا اس لیے کہ جب آدمی کچھ خیرات کرنے کو روپیہ علیحدہ کرتا ہے تو وہاں میں بھی خود جا کر بیچ ڈالتا ہوں کہ اپنی نیت پوری نہ کرے۔ پھر اس کے بعد شیطان چلا گیا اور یہ کہتا تھا کہ افسوس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انسانوں کی غلطی میں مبتلا ہونے کے داؤ معلوم ہو گئے۔

فائدہ: حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو نبی زمانہ سابق میں مبعوث ہوئے شیطان کو یہی توقع رہی کہ میں انہیں عورتوں کی وجہ سے ہلاک کرلوں گا اور میرے نزدیک بھی کوئی چیز ان سے بڑھ کر خوفناک نہیں اس لیے میں مدینہ منورہ میں سوائے اپنے گھر کے کسی اور کے گھر نہیں جاتا یا اپنی بیٹی کے ہاں جمعہ کو صرف نہانے جاتا ہوں۔

فائدہ: بعض اکابر کا قول ہے کہ شیطان عورت سے کہتا ہے کہ تو میرا آدھا لشکر ہے اور تو میرا تیر ہے کہ جب چلاتا ہوں چوکتا نہیں اور تو میرے رازی کی جگہ ہے اور تو میری ضرورت ہے اور تو میری قاصد ہے یعنی نصف لشکر اس کا شہوت ہے اور نصف غضب مگر تمام شہوات سے بڑھ کر عورتوں کی شہوت

درجات شہوت: شہوت کے تین درجے ہیں۔ افراط' تفریط' اعتدال۔ افراط یہ ہے کہ عقل کو دبالے اور مرد کو ہمہ تن عورتوں کی صحبت میں مبتلا کردے اور بعض اوقات اسکی افراط سے کئی برے امر پیدا ہوتے ہیں اول ادویہ مقوی باہ کی ضرورت پڑتی ہے جیسے بعض لوگ طعام کے ہضم کے لیے چورن کی تلاش میں رہتے ہیں اور ان کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص درندوں اور سانپوں میں جا پڑے اور وہ اگر کبھی اس سے غفلت کریں اور سو جائیں تو یہ کسی حیلہ سے ان کو جگہ دے پھر جب ضرر پہنچائیں تو ان کی اصلاح و علاج میں مشغول ہو۔ اسی طرح شہوات غذا اور جماع دونوں موذی ہیں۔ ان سے پہلے سے ہی محفوظ رہنا چاہئے اور جب چورن یا مقویات سے اس کو چوکنا کر دیا تو پھر آفت سے بچنا معلوم کرلے۔ (سوال) حدیث شریف میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے باہ کی شکایت کی تو انہوں نے ہریسہ کھانے کو بتایا تو قوت باہ کی تلاش حدیث سے ثابت ہے۔ (جواب) حضور ﷺ کی نو ازواج مطہرات تھیں اور آپ پر سب کو مطمئن کرنا واجب تھا۔ اس لیے کے غیر پر ان کا نکاح حرام تھا۔ اگرچہ آپ ﷺ طلاق بھی دے دیں تو اس لیے آپ نے قوت باہ چاہی تھی نہ لذت حاصل کرنے کے لیے۔ (ا) دوسرے یہ کہ افراط کی وجہ سے امراض خبیثہ پیدا ہوتے ہیں بلکہ کچھ اسی پر منحصر نہیں اس کی اولاد تک میں ان کا اثر رہتا ہے۔ تیسرے یہ کہ افراط شہوت سے بعض گمراہوں کو عشق محسوس ہوتا ہے اور اس سے کمال درجہ کی جہالت غرض اصلی جماع سے پائی جاتی ہے اور قوت بہمی میں جانوروں سے بھی بڑھ جاتا ہے اس لیے کہ چوپایہ اپنی شہوات کو دور کر دیتا

ہے اور عاشق ایک خاص شخص کے سوا اور طرح اپنی شہوت رفع نہیں کر سکتا اگرچہ تمام خواہشوں میں بڑی ہے اور شرم و حیا کا مقام ہے مگر اس کا اعتقاد یہی ہے کہ اس معین شخص سے ہو یہاں تک کہ اس کے لیے ذلت اور غلامی اٹھاتا ہے اور شہوت کی خدمت میں اپنی عقل کو فرمان پذیر کرتا ہے۔ یہ نہیں جانتا کہ پیدائش عقل اس لیے ہے کہ اوروں سے کام لے نہ یہ کہ خود شہوت کا مطیع ہو کہ اس کے اجزا کے حیلے تلاش کرے۔ اگر عشق کو غور سے دیکھو تو یہ ایسے آدمی کا کام ہے جس کے دل پر کوئی فکر نہ ہو اور اس کا منشا وہی افراط' شہوت ہے اور اوائل میں اس سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ اسے دوبارہ نہ دیکھے اور اپنی فکر میں مشغول رہے ورنہ مضبوط ہونے پر اس کا دفع کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح عشق مال اور جاہ اور اولاد اور ستار نوازی اور شطرنج وچوسر بازی وغیرہ کا حال ہے کہ بعض اوقات لوگوں پر ایسے حاوی ہوتے ہیں کہ ان کے دین و دنیا کے کام نہیں ہونے دیتے اور کسی وقت ان کو چین نہیں لینے دیتے۔ اگر ابتدا میں عشق کا مرض ختم کرنا چاہے تو چاہئے کہ جیسے سوار دروازہ سے باہر ہو اور منظور یہ ہو کہ گھوڑا دروازے میں نہ جائے تو ادنیٰ اشارہ باگ کا کافی ہوتا ہے اور بعد استحکام کے علاج کرنا ایسا ہے کہ پہلے سے گھوڑے کو چھوڑ دیا جب وہ دروازہ میں گھس گیا تو اس کی دم پکڑ کر پیچھے کو گھسیٹا تو دونوں باتوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہے اس لیے ابتدا احتیاط ضروری ہے۔ انجام میں علاج بہت دشواری اور نہایت کوشش سے ہوتا ہے۔ یعنی جب زنا تک نوبت پہنچتی ہے خلاصہ یہ کہ درجہ کی افراط شہوات مذموم ہے اور کمی کا درجہ نامرد بن جانے کا ہے۔ وہ بھی مذموم اور برا ہے اور اعتدال کا درجہ جو محمود ہے وہ یہ ہے کہ شہوت عقل و شرح کی مطیع ہے اور انہیں کے بموجب کام کرے اور جب اسے میں زیادتی ہو تو اس کا توڑنا بھوک اور نکاح سے ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا معشر الشباب علیکم بالباءۃ فمن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجآ ترجمہ: اے گروہ جوانان لازم پکڑو اپنے اوپر نکاح کو جس کو قدرت نہ ہو اس کو چاہئے کہ روزہ رکھے کہ روزہ رکھنا اس کے حق میں خصی ہونا ہے۔

مرید کا نکاح کرنے اور نہ کرنے کے احکام: ابتدائے سلوک میں مرید کو شغل نکاح میں نہیں پڑنا چاہئے کہ اس سے سلوک آخرت سے باز رہے گا اور بیوی کی محبت میں گرفتار ہو جائے گا اور جو غیر اللہ کے ساتھ انس اختیار کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے مانوس نہیں ہوتا۔

ازالہ وہم: اس سے دھوکہ نہ ہو کہ حضور ﷺ نے بہت سے نکاح کیے تھے اس لیے کہ حضور ﷺ کے قلب اطہر کو تمام دنیا کی چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں پھیر سکتی تھیں تو آپ پر قیاس کرنا بے جا ہے۔ آپ کا استغراق محبت الٰہی میں اس درجہ پر تھا کہ بعض مرتبہ گرمی محبت کا دل میں یہ جوش پاتے کہ یوں خوف ہوتا کہ دل پھٹ جائے گا اور اسی جوش میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ران پر ہاتھ مارتے اور فرماتے کہ کچھ باتیں کرو کہ ان کی باتوں کے باعث قلب میں جو زیادتی حرارت ہے اس کا اثر کم ہو جائے کہ بدن مبارک کو اس کے تحمل کی طاقت نہ تھی

۱۔ امت کے لیے جواز کی صورت بھی واضح کرنی تھی۔ (اویسی غفرلہ)

واقع میں یہ بوجہ ایسا ہی ہے۔ غرضیکہ حضور ﷺ کی طبیعت دل کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس طبعی تھا اور تمام مخلوق کے ساتھ عارضی تاکہ بدن کو کچھ راحت مل جائے پھر جب لوگوں میں بیٹھتے تو صبر آتا اور تنگ ہو کر فرماتے یا بلال، اے بلال راحت دو یعنی نماز سے ہم کو آرام پہنچاو تاکہ جس چیز میں آپ کی آنکھ کو ٹھنڈک ملتی تھی اس میں مصروف ہو جائیں۔ دوسرا کوئی بھی خود کو حضور ﷺ پر قیاس نہیں کر سکتا۔ اگر کرے گا تو دھوکا کھائے گا اس لیے کہ آپ کے اسرار کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

فائدہ: بہرحال ابتدا سلوک میں مرید کو نکاح نہ کرنا بہتر ہے۔ حضرت ابو سلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نکاح کرتا ہے وہ دنیا کی طرف مائل ہوتا ہے۔ میں نے کسی مرید کو نہیں دیکھا کہ بعد نکاح کے پہلا حال رہا ہو اور وہی فرماتے ہیں کہ جو چیز اللہ سے باز رکھے بیوی ہو یا مال یا اولاد اس کو منحوس جاننا چاہیے۔

حکایت: ایک دفعہ حضرت درانی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا آپ کو کیا ضرورت ہوئی کہ ایک عورت سے مانوس ہوئے۔ فرمایا اللہ نہ کرے کہ میں اس سے انس کروں۔ یعنی اس سے انس کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس کرنے سے روکتا ہے۔
بہرحال مرید کو نکاح نہ کرنا اس وقت تک موزوں ہے جب تک شہوت کا غلبہ نہ ہو اور اگر اسکا غلبہ تو پہلے بھوک پر عمل کرے۔ پھر ہمیشہ روزے رکھے اگر اس سے بھی دفع نہ ہو یعنی اگرچہ اپنی شرمگاہ کو روک سکتا ہے مگر آنکھ کو روکنے پر قادر نہیں تو ایسی صورت میں تسکین شہوت کے لیے نکاح کرنا مناسب ہے ورنہ اگر آنکھ کو نہ روک سکے گا تو اصل مقصد میں پریشانی واقع ہوگی بلکہ بعض اوقات ایسی مصیبت میں مبتلا ہوگا کہ اس کی طاقت سے زیادہ ہوگی۔
علاوہ ازیں آنکھ کا گناہ صغیرہ گناہوں میں بہت بڑا ہے اور اسی سے کبیرہ بھی ہوا کرتا ہے جو شخص اپنی آنکھ پر قادر نہیں وہ اپنے دین کی بھی حفاظت نہیں کر سکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ غیر محرم کو دیکھنے سے بچتے رہو کیونکہ اس سے دل میں شہوت کا بیج پڑتا ہے اور اسی قدر فتنہ کافی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا امتحان ہوا وہ بھی نظر کی وجہ سے اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ارشاد ہوا کہ شیر اور سانپ کے پیچھے جاؤ مگر عورت کے پیچھے نہ جاؤ۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ زنا کی ابتدا کیسے ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دیکھنا اور للچانا۔ حضرت فضیل رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ابلیس کہتا ہے کہ میری نظر پرانا تیرو کمان ہے کہ کبھی خطا نہیں کرتی اور حدیث شریف میں ہے النظرة سهم مسموم من سهام ابليس فمن تركها خوفا من الله تعالى اعطاه الله تعالى ايمانا يجد حلاوته نظر زہریلا تیر ہے کہ ابلیس کا جو اسے ترک کرتا ہے اللہ کے خوف سے اللہ تعالیٰ ایسا ایمان عطا فرمائے گا جس میں حلاوت پائے گا۔ اور فرمایا ما تركت بعدى فتنة اضرى على الرجال من النساء مردوں پر عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ چھوڑ کر نہیں جا رہا۔ اور فرمایا اتقوا فتنة الدنيا و فتنة النساء فان فتنة بنى اسرائيل كان من قبل النساء دنیا و عورت کے فتنے سے بچو اس لیے کہ بنی اسرائیل کا فتنہ عورتوں کی طرف سے تھا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (النور 30) ترجمہ کنزالایمان:

مسلمان مردوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا لکل بنی ادم حظ من الزنا فالعیان تزنیان وزنا هما النظر والید ان تزنیان ترجمہ: ہر بنی آدم کا زنا سے حصہ ہے دو آنکھیں زنا کرتی ہیں ان کا زنا دیکھنا ہے اور دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں۔ **حکایت**: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابن مکتوم نابینا صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے پاس آنا چاہا اس وقت میں اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیٹھی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ پردہ کرلو ہم نے عرض کیا وہ تو نابینا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم تو اسے دیکھتی ہو۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو نابینوں کے پاس بیٹھنا اور بلاضرورت ان کو دیکھنا جائز نہیں جیسا آج کل مروج ہو رہا ہے۔ ہاں ضرورت کے وقت عورت کو مرد سے بات کرنا یا دیکھنا جائز ہے۔

مسئلہ: اگر مرید کا یہ حال ہو کہ عورتوں سے تو آنکھ بچا سکتا ہے مگر لڑکوں کو یکھنے سے نہیں رہ سکتا تب بھی نکاح اولیٰ ہے اس لیے کہ لڑکوں کی حسن پرستی میں زیادہ خرابی ہے کیونکہ مثلاً کسی عورت کی طرف دل راغب ہوگیا تو اس سے نکاح کرکے مقصد تک پہنچنا ممکن ہے اور لڑکے میں یہ بات مفقود ہے اس لیے کہ لڑکے کو نگاہ بد سے دیکھنا حرام ہے بلکہ مرد کی صورت بھی اگر چھی ہو داڑھی والے کی بہ نسبت زیادہ موثر ہو تو اس کی طرف بھی دیکھنا ناجائز ہے۔ (اس سے لوطی لوگ عبرت حاصل کریں اس کی تفصیل کے لیے فقیر کا رسالہ القباحۃ فی اللواطہ میں پڑھیے) اویسی غفرلہ

سوال: خوبصورت اور بدصورت میں تو ہر کوئی فرق کیا کرتا ہے اور لڑکوں کے چہرہ ہمیشہ کھلے رہتے ہیں تو ان سے بچاؤ کسی طرح ہو سکتا ہے؟

جواب: ہماری غرض صرف تمیز سے نہیں تمیز اچھے اور برے کی تمام اشیاء میں ہوتی ہے۔ مثلاً ایک درخت ہرا ہو اور دوسرا سوکھا یا ایک پانی صاف ہو اور دوسرا میلا یا۔ ایک درخت میں پھول اور کلیاں ہوں اور دوسرے میں پتے بھی نہ ہوں تو لازماً ان میں سے ایک کی طرف طبیعت کو میلان ہوگا۔ مگر اس رغبت میں شہوت نہ ہوگی کہ اس سے بوس وکنار کی جائے۔ پس اگر اسی طرح کا حال خوبصورت شکل کا ہے کہ جیسے اور چیزیں خوبصورت اچھی معلوم ہوتی ہے اور ان میں لگاؤ شہوت کا نہیں ہوتا تو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر نفس میں یہ بات بھی ہو کہ کسی طرح سے اس کا قرب اور میل جول میسر ہو تو ایسی نظر نظر بد کہلاتی ہے اور یہ حرام ہے اور اس کے متعلق لوگ بہت سستی کرتے ہیں اور آیندہ کو ہلاکتوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ بعض تابعین کا قول ہے کہ جوان سالک پر بے ریش لڑکے کی نشست و برخاست کا اتنا خوف ہے کہ درندہ کا خوف اس سے کم ہے اور حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شہوت سے کسی لڑکے کی پاؤں کی انگلیوں میں بھی گدگدی کرے گا تو لوطی ہوگا۔

لوطی کی قسمیں: اکابرین سلف صالحین کا قول ہے کہ اس امت میں تین طرح کے لوطی ہوں گے۔ (ا) صرف

دیکھیں گے اور (2) مصافحہ کریں گے۔ (3) بعض فعل شنیع کے مرتکب ہوں گے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ نظر کی وجہ سے بڑی بڑی آفتیں پیدا ہوتی ہیں تو مرید جب اپنی نظر کے روکنے اور فکر کے ضبط کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کے حق میں بہتر یہی ہے کہ نکاح کرے اس لیے کہ اکثر آدمی ایسے ہوتے ہیں جن کا جوش شہوت بھوک سے کم نہیں ہوتا۔

حکایت: ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ابتدا سلوک میں مجھ پر شہوت غالب ہوئی تو میں اللہ تعالٰی کی درگاہ میں خوب رویا خواب میں ایک شخص کو دیکھا وہ پوچھتے ہیں کہ تیرا کیا حال ہے میں نے اپنا حال سنایا۔ انہوں نے فرمایا آگے آؤ میں آگے ہوا انہوں نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا اس کی ٹھنڈک میں نے اپنے دل اور بدن میں پائی صبح کو بیدار ہوا تو وہ جوش اپنے میں نہ پایا۔ ایک سال ویسا ہی رہا پھر غلبہ ہوا پھر میں نے فریاد کی ایک شخص خواب میں نظر آیا اس نے کہا کہ اگر تجھے اپنی گردن کٹوانی منظور ہے تو تیرا علاج کروں۔ میں نے کہا کہ بہتر اس نے کہا تو گردن جھکا میں نے گردن جھکا دی اس نے ایک نور کی تلوار میری گردن پر ماری میں جاگ پڑا اور سال اچھا رہا۔ پھر وہی غلبہ ہوا بلکہ اس سے بھی سخت تو اس حال میں نے ایک شخص کو خواب میں دیکھا کہ میرے سینہ اور پہلو کے درمیان ہے اور مجھ سے کہتا ہے کہ جس چیز کا اللہ کو دور کرنا منظور نہیں اس کے دفع ہونے کے لیے کب تک التجا کرے گا پھر میں نے جاگ کر نکاح کر لیا اور اولاد ہوئی غلبہ شہوت جاتا رہا۔

مسئلہ: اگر مرید کو حاجت نکاح ہو تو شرط ارادت کسی حال میں نہ چھوڑے یعنی ابتدا میں تو نیت اچھی ہو اور انجام میں حسن خلق و سیرت سے پیش آئے اور حقوق واجبہ کو ادا کرے جیسا کہ احکام نکاح میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں

فائدہ: صدق نیت کی علامت یہ ہے کہ کسی مفلس دیندار عورت سے نکاح کر لے مالدار کی تلاش نہ کرے۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ مالدار عورت سے نکاح کرنے میں پانچ خرابیاں ہیں۔ مہر کا زیادہ ہونا' رخصت میں لیت و لعل ہونا' خدمت کا نہ کرنا' زیادہ خرچ کا تحمل' دل چھوڑنے کو ہو تو مال کے حرص سے چھوڑا نہ جائے گا اور مفلس عورت میں ان میں سے کوئی نہیں

فائدہ: بعض اکابر فرماتے ہیں کہ عورت چار چیزوں میں مرد سے کم ہونی چاہئے ورنہ وہ مرد کو حقیر سمجھے گی۔ عمر میں' قد میں مال میں' حسب میں اور چار چیزوں میں بڑھ کر ہونی چاہئے خوبصورتی میں' ادب میں پرہیز میں' خلق میں اور علامات صدق ارادات کی دوام نکاح میں خلق ہی ہے۔

حکایت: بعض مریدین نے نکاح کیا اور ہمیشہ عورت کی خدمت کرتے رہے یہاں تک وہ شرمائی اور اپنے ماں باپ سے کہنے لگی کہ میں اس شخص سے حیران ہوں کہ اتنے سال سے اس کے گھر میں پاخانہ کیے جاتی ہوں وہ میرے

جانے سے پہلے ہی لوٹا رکھ دیتا ہے۔

حکایت: ایک بزرگ نے ایک خوبصورت عورت سے نکاح کیا جب رخصت کے دن قریب آئے۔ تو اس کے چہرے پر چیچک نکل آئی اس کے گھر والوں کو نہایت رنج ہوا کہ اب شوہر اس کو پسند نہ کرے گا اس مرد بزرگ نے خبر پا کر بہانہ کیا کہ میری آنکھیں دکھتی ہیں اور اس کے بعد اندھا بن گیا جب وہ عورت گھر میں آئی بیس برس تک رہ کر مر گئی۔ پھر آپ نے آنکھیں کھول دیں۔ لوگوں نے سبب پوچھا کہا میں جان بوجھ کر اندھا ہوا تھا کہ سسرال والے رنج نہ منائیں لوگوں کو حیرت ہوئی اور کہا کہ ایسے لوگ چل بسے۔

حکایت: ایک صوفی نے ایک بدخلق عورت سے نکاح کیا۔ ہمیشہ اس کی باتیں سہتے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ طلاق کیوں نہیں دیتے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ شاید کوئی شخص اس کی وجہ سے ایذا نہ پائے۔ **فائدہ:** اگر مرید نکاح کرے تو ایسا ہی ہونا چاہئے اور اگر بے نکاح رہ سکے اور یقین ہو کہ نکاح کرنے سے سلوک آخرت میں خلل واقع ہو گا تو نکاح نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

حکایت: حضرت محمد بن سلیمان ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اسی ہزار درم کی آمدنی روزانہ ہوتی تھی بصرہ کے عوام اور علماء کو لکھا کہ میں کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ سب نے بالاتفاق لکھا کہ رابعہ عدویہ سے آپ نکاح کریں تو مناسب ہے تو آپ نے ان کو خط لکھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بعد حمد وصلوٰۃ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آج اتنی آمدنی دی ہے کہ اسی ہزار درم روزانہ آتا ہے اور کچھ دن ہی رہتے ہیں کہ پورے لاکھ درم روزانہ عنایت فرمائے گا۔ اگر تم مجھے منظور کرو تو یہ سب تمہارا ہی ہو گا۔ رابعہ نے جواب دیا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بعد حمد و نعت واضح ہو کہ دنیا میں زہد سے دل کو چین اور بدن کو راحت ہے اور اس کی طرف رغبت کرنا موجب رنج و اندوہ ہے آپ کو چاہئے کہ خط پہنچتے ہی فوراً زاد آخرت کی تیاری کرو اور معاد کی فکر میں رہو اور خود اپنے وصی ہوں تاکہ اور لوگوں کو میراث بانٹنے میں وصی کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ تمام عمر روزہ رکھو اور موت کے وقت افطار کرو اور میرا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اتنا عنایت کرے جتنا تم کو دیا ہے یا اس سے بھی دگنا یا کئی گنا تب بھی ایک لحہ بے یاد الٰہی مجھے اچھا معلوم نہ ہو گا۔ فقط

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز مانع شغل الٰہی ہو اس میں نقصان ہے تو مرید بھی اپنے حال اور قلب پر غور کرے۔ اگر مجرد رہنا اچھا معلوم نہ ہو تو نکاح بہتر ہے اور اس مرض کی تین دوا ہیں۔ بھوک' نظر بند رکھنا' دل کو ایسے شغل میں مصروف کر دینا جو اس پر حاوی ہو جائے۔ اگر ان تینوں تدبیروں سے کوئی فائدہ نہ ہو تو پھر نکاح ضروری ہے۔ اس سے اس بیماری کی جڑ کٹ جاتی ہے اس وجہ سے سلف صالحین بعجلت لڑکوں کے نکاح کر دیتے تھے۔

فائدہ: سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ شیطان کسی سے بے توقع نہیں ہوا اور عورتوں کے سبب جال بچھاتا ہے۔

جب ان کی عمر چوراسی برس کی ہوئی اور ایک آنکھ بھی جاتی رہی اور دوسری آنکھ سے بھی شب کوری آتی تھی اس وقت فرماتے تھے کہ مجھے عورتوں سے زیادہ کسی چیز کا خوف نہیں۔

حکایت: حضرت عبداللہ بن ابی ودامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر بیٹھا کرتا تھا۔ چند روز نہ گیا ایک دن گیا تو پوچھا کہاں تھے۔ میں نے کہا کہ میری بیوی مر گئی تھی۔ اس لیے حاضری سے قاصر رہا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے اطلاع نہ دی ہم بھی آتے اس کے بعد میں نے اٹھنا چاہا آپ نے فرمایا کہ اب کوئی اور بیوی ہے کہ اٹھے جاتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ میری دو چار پیسہ کی اوقات ہے۔ مجھے کون بیٹی دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا میں دیتا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ دیں گے۔ فرمایا ہاں پھر خطبہ پڑھ کر تھوڑے سے مہر پر اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا۔ میں وہاں سے اٹھا اور خوشی کے مارے پھول رہا تھا اور یہ سوچتا تھا کہ کسی سے ادھار لوں۔ یہاں تک کہ مغرب کا وقت ہوگیا۔ میں نماز پڑھ کر گھر آیا اور چراغ جلایا روزہ افطار کر کے روٹی کھانے بیٹھا کہ دروازہ سے دستک کی آواز آئی میں نے پوچھا کون ہے۔ فرمایا سعید میں نے فکر کیا کہ کون سے سعید ہیں۔ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کا تصور بھی نہ تھا کیونکہ انہوں نے چالیس سال سے مسجد کے سوا باہر جانا بالکل ترک کر دیا تھا۔ جب میں دروازہ پر آیا دیکھا کہ سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ ہیں مجھے خیال آیا کہ شاید کوئی ضرورت پیش آئی ہوگی۔ میں نے عرض کیا کہ آپ نے مجھے کیوں نہ بلوایا فرمایا کہ تمہارے پاس آنا ہی مناسب تھا میں نے پوچھا کیا حکم ہے۔ فرمایا کہ تم نے نکاح کیا تھا۔ تمہارا اکیلا سونا برا محسوس ہوا اس لیے تمہاری بیوی کو پہنچانے آیا ہوں۔ میں نے دیکھا تو واقع میں وہ نیک بخت ان کے پیچھے کھڑی ہے۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازہ میں داخل کر کے خود دروازہ بند کر دیا۔ میری بیوی مارے شرم کے گر پڑی۔ میں نے دروازہ خوب بند کر دیا۔ پھر جب پیالہ میں روٹی اور تیل رکھا تھا اس کو چراغ کے سامنے سے ہٹایا کہ میری بیوی عورت کی نظر اس پر نہ پڑے پھر چھت پر چڑھ کر اپنے ہمسایوں کو پکارا سب جمع ہوگئے۔ پوچھا کیا ہے کہ میں نے کہا حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے آج اپنی صاحبزادی مجھے بیاہی تھی۔ اب رات کو مجھے خبر بھی نہ تھی۔ وہ اسے یہاں پہنچا گئے۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ کیا سعید نے تمہارا نکاح کیا ہے۔ میں نے کہا ہاں انہوں نے پوچھا کہ لڑکی گھر میں ہے میں نے کہاں ہاں تو سب لوگ اس کے پاس گئے اور میری والدہ کو خبر پہنچی۔ انہوں نے آکر کہا کہ اگر تین دن تک تو نے اس کو چھیڑا تو کبھی منہ نہ دیکھوں گی۔ تین دن میں ہم اسے سنوار لیں گے تب حرج نہیں تین دن میں علیحدہ رہا پھر میں نے اسے دیکھا تو نہایت خوبصورت کلام اللہ کی حافظہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی عالمہ اور حقوق شوہر سے واقف پایا ایک مہینہ تک نہ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور نہ میں ان کے پاس گیا مہینے کے بعد میں گیا تو آپ حلقہ مریدین میں تھے میں نے سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دے کر کچھ نہ کہا جب لوگ اٹھ گئے اس وقت پوچھا کہ میری بیٹی کا کیا حال چال ہے میں نے کہا اچھا حال ہے۔ ہم دونوں بہت خوش ہیں۔ فرمایا اگر کوئی بات خلاف مرضی پاؤ تو لاٹھی سے اسے سمجھانا۔ میں گھر کو واپس چلا آیا۔ انہوں نے بیس ہزار درہم میرے پاس بھیج دیے۔

فائدہ: یہ وہی لڑکی تھی جس کو عبدالملک بن مروان اپنے بیٹے ولید کے ساتھ اپنے عہد خلافت میں نکاح چاہتے تھے مگر حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا تھا اور عبدالملک نے ایک حیلہ قائم کرکے ان کو سو کوڑے مارے تھے اور جاڑے کے موسم میں ایک پانی ٹھنڈا گھڑا ان پر ڈالا تھا اور کمبل کا کرتہ پہنایا تھا۔

فائدہ: حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کا اسی رات رخصت کر دینا کمال دینداری اور احتیاط کی دلیل ہے۔

زنا اور بری نگاہ سے بچنا: شہوت شرمگاہ تمام شہوات انسانی سے غالب ہے اور ہیجان کے وقت سب سے زیادہ عقل کے خلاف کے علاوہ اس کا نتیجہ ایسا برا ہے کہ جس سے شرم آتی ہے اور اس میں عجلت سے خوف محسوس ہوتا ہے اور جو لوگ اس میں جلدی نہیں کرتے تو عاجزی یا لوگوں کے خوف یا حیا اور عزت بچانے کی وجہ سے اور ان میں سے کسی طریقہ میں ثواب نہیں اس لیے کہ اس میں ایک خط نفس کو دوسرے پر ترجیح دینا ہے۔ ہاں ان موانع میں بھی ایک فائدہ ہے کہ آدمی گناہ سے محفوظ رہتا ہے کسی سبب سے بچے مگر درجہ اور ثواب اس میں ہے کہ باوجود قدرت اور عدم موانع کے صرف اللہ کے خوف سے زنا نہ کرے بالخصوص جب شہوت غالب ہو اور یہ درجہ صدیقین کا ہے۔

حدیث: حضور ﷺ نے فرمایا ہے من عشق فعف فکتم فھو شھید (ترجمہ) جو عاشق ہوا اور پارسائی کرے اور عشق کو چھپائے اسی حال میں مرگیا تو وہ شہید ہے۔

حدیث فرمایا کہ سات آدمیوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عرش کے سایہ میں جگہ دے گا اور اس دن سوائے عرش کے کہیں سایہ نہ ہوگا۔ ان میں سے ایک شخص وہ بھی ہوگا جس کو کوئی عورت خوبصورت حسب و نسب والی اپنی طرف بلائے اور وہ جواب میں کہے اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ (المائدہ 28) ترجمہ کنزالایمان: میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو مالک ہے سارے جہان کا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ زلیخا کے ساتھ باوجود قدرت اور اس کی رغبت کے مشہور و معروف ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں اس کی تعریف فرمائی ہے اور آپ اس عمل میں سب کے مقتدا ہیں۔

حکایت حضرت سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ بہت خوبصورت جوان تھے کا ذکر ہے کہ ایک عورت ان کے گھر میں آئی اور ان سے مباشرت کی طالب ہوئی آپ نے انکار کیا اور اسے گھر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ رات کو خواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر عرض کیا کہ آپ یوسف ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں وہ یوسف ہوں کہ اس کی طرف ارادہ منسوب ہے اور تو وہ سلیمان ہے کہ ارادہ بھی نہ کیا آپ نے ولقد ہمت بہ وھم بھا لولا ان رابرھان ربہ کی طرف اشارہ فرما کہ ان کی مدح کی۔

حکایت: ایک اور عجیب قصہ ان کا مذکور ہے کہ ایک دوست کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے لیے تشریف لے گئے جب ابوا میں پہنچے تو رفیق دستر خوان لے کر کچھ خریدنے کے لیے بازار چلا یا اور آپ خیمے میں بیٹھے رہے۔ ایک بدوی عورت کی نگاہ جب ان کے حسن و جمال پر پڑی سو جان سے عاشق ہوگئی اور پہاڑ سے اتر کر سامنے آگئی۔ وہ چونکہ خود بھی مہ پارہ تھی برقعہ اٹھا کر چاند سورج کی روشنی دکھائی اور ان سے کہا کہ مجھے کچھ دیجئے۔ انہوں نے سمجھا کہ کھانا مانگتی ہے۔ روٹی دینے لگے اس نے کہا میں یہ نہیں مانگتی میری تمنا وہ ہے جو میاں بیوی میں ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا تجھے شیطان میرے پاس لایا ہے۔ پھر اپنا سر گھٹنوں کے اندر کرکے خوب رونے لگے۔ جب اس نے یہ حال دیکھا تو اپنا سا منہ لے کر واپس چلی گئی جب ان کا رفیق آیا تو دیکھا کہ ان کی روتے روتے آنکھیں سوجھ گئیں اور گلا پھول گیا ہے۔ پوچھا کہ آپ کیوں روتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ نہیں مجھے اپنی بچی یاد آگئی ہے۔ اس نے کہا کوئی اور بات ہے۔ تین منزل میں آپ کو بچی یاد نہ آئی۔ آج کیا ہوا۔ بہت اصرار سے پوچھا تو آپ نے بدوی عورت کا قصہ کہہ دیا۔ وہ رفیق بھی خوب رونے لگا۔ انہوں نے پوچھا کیوں روتا ہے۔ اس نے جواب دیا میں اس لیے روتا ہوں کہ اگر آپ کی جگہ میں ہوتا تو مجھ سے نہ رہا جاتا۔ معصیت میں مبتلا ہو جاتا۔ تھوڑی دیر تک دونوں روتے رہے جب مکہ میں پہنچے اور طواف و سعی کے بعد حجر اسود کے پاس آئے تو حضرت سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ وہاں بیٹھ گئے اور ان کو نیند آگئی تو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص دراز قد خوبصورت لباس فاخرہ پہنے اور عمدہ خوشبو لگائے ہوئے ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ فرمایا کہ میں یوسف ہوں۔ پوچھا کہ یوسف صدیق فرمایا۔ ہاں عرض کیا کہ آپ کا حال زلیخا کے ہاں بڑا عجیب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارا حال ابوا والی عورت کے ساتھ اس سے بھی عجیب تر ہے۔

حدیث غار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ زمانہ گزشتہ میں تین آدمی کہیں جا رہے تھے۔ رات کو ایک غار میں ٹھہرے۔ ایک پتھر پہاڑ سے گر کر اس غار کا منہ بند ہوگیا۔ آپس میں کہنے لگے اپنے اپنے عمل صالح کو یاد کرکے اللہ سے دعا مانگو شاید ان کی برکت سے یہ پتھر سرک جائے۔ ایک نے کہا کہ الٰہی تو جانتا ہے کہ میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور میں شام کو کھانا پہلے ان کو کھلا دیتا تھا پھر گھر والوں اور جانوروں کو دیتا تھا۔ ایک روز مجھے چارہ لانے میں دیر ہوگئی تو وہ سو گئے اور ان کے لیے دودھ دھو کر ان کے پس لے گیا تو انہیں سوتا پایا۔ مجھے جگانا نامناسب نظر آیا۔ پیالہ ہاتھ میں لیے ان کے پاس صبح تک کھڑا رہا۔ میرے بچے میرے پاؤں پکڑ کر روتے رہے مگر میں نے ماں باپ سے پہلے ان کو دینا اچھا نہ جانا۔ جب صبح کو وہ جاگے اور وہ پی چکے پھر اوروں کو دیا۔ الٰہی اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میں نے تیری رضا کے لیے کیا ہے تو اس بلا سے نجات دلا۔ اس کی دعا سے وہ پتھر اتنا سرکا کہ آسمان نظر آنے لگا۔

(دوسرے) نے کہا الٰہی تو جانتا ہے کہ میں اپنے چچا کی بیٹی پر عاشق تھا اور اس سے برائی کی استدعا کی مگر اس نے انکار کیا۔ جب اس کو قحط سالی میں تکلیف ہوئی تو میرے پاس آئی۔ میں نے ایک سو بیس اشرفیاں دیں بشرطیکہ میرے

مقصد میں مجھ سے انکار نہ کرے۔ اس نے میرا کہنا مان لیا لیکن میں نے اس سے صحبت کرنا چاہا تو اس نے کہا کہ اللہ کا خوف کیجئے۔ ناحق میری ہتک نہ کر۔ میں ڈر گیا اور اس کو چھوڑ دیا اور جو کچھ دے چکا تھا وہ بھی نہ لیا اور محبت بھی بدستور رکھی۔ الٰہی اگر یہ امر میں نے تیرے خوف سے چھوڑا تھا تو تو ہماری مصیبت ٹال دے۔ اس کی دعا سے وہ پتھر تھوڑا اور سرک گیا مگر ایسا راستہ نہ ہوا کہ اس میں سے نکل سکیں۔

(تیسرے) نے کہا الٰہی میں نے ایک بار چند مزدوروں کو کام پر لگایا تھا اور تمام کی مزدوری ادا کردی تھی مگر ایک مزدور اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اس مال کو اس کے پیچھے بڑھایا یہاں تک کہ بہت سا مال ہو گیا۔ جب ایک مدت کے بعد مزدوری مانگنے آیا تو میں نے جس قدر اس کا مال تھا اونٹ اور گائے اور بکری سب دکھا دیا اور کہا کہ یہ سب تیرا ہے۔ اس نے کہا کہ بندۂ خدا کیا ہنسی کرتے ہو۔ میں نے کہا کہ ہنسی نہیں ہے۔ یہ تیری ہی مزدوری کی تجارت سے ہوئے ہیں۔ ان کو لے جا۔ وہ ان سب کو ہانک کر لے گیا اور کچھ نہ چھوڑا۔ الٰہی اگر میں نے یہ تیری رضا کی خاطر کیا تھا تو ہم کو اس بلا سے نجات عنایت فرما۔ پس اس کی دعا کے بعد وہ پتھر بالکل علیحدہ ہو گیا اور سب نے اپنی اپنی راہ لی۔

فائدہ: فضیلت تو اس کی ہے کہ جس نے خود کو شہوت سے بچایا اور پارسا رہا۔ اسی کے قریب وہ ہے جو آنکھ کی شہوت سے محفوظ رہے کیونکہ زنا کی ابتدا ہی نظر سے ہوتی ہے اس لیے کہ نظر کا روکنا بھی ایک مشکل امر ہے اس لیے کہ اس کو سہل تصور کر لیا ہے اور اس کا خوف بہت نہیں ہے حالانکہ تمام آفات کا سرچشمہ یہی۔ منشا نگاہ ہے۔ ایک بار دیکھنے سے تو مواخذا نہیں ہوتا۔ اگر قصداً نہ ہو مگر دوبارہ دیکھنے پر مواخذہ ہے۔

حدیث شریف: حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ لک الاولیٰ و علیک الثانیہ۔ ترجمہ بار اول تیرے لیے جائز ہے دوبارہ دیکھنے سے تجھ پر گناہ ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی بروایت بریدہ) اور یہ ارشاد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو کیا تھا (ترمذی نے کہا کہ غریب ہے) اس سے مراد نظر ہی ہے۔

فائدہ: علاء بن زیاد فرماتے ہیں کہ نگاہ کو عورت کی چادر پر مت ڈال اس لیے کہ نظر بیج شہوت دل میں بوتی ہے اور انسان جب کبھی عورت اور بے ریش لڑکے پر نظر ڈالتا ہے تو اسے چاہئے دوبارہ نہ دیکھے ورنہ حماقت ہے کہ دوبارہ دیکھے پس حسن و جمال کا خیال مدنظر ہو گا تو دوبارہ دیکھنے پر طبیعت راغب ہو گی۔ اس وقت اپنے دل میں یہ ٹھہرا لے کہ دوبارہ دیکھنا عین حماقت ہے کیونکہ یہ دو حال سے خالی نہیں۔ اگر دوسری دفعہ میں صورت اچھی معلوم ہوئی تو نفس کو شہوت ہو گی اور وہ اسے ملنے کی نہیں تو بجز حسرت کے اور کیا ہاتھ آئے گا۔ اگر بری محسوس ہوئی تو جس کے لیے دیکھتا تھا یعنی حصول لذت کے لیے وہ حاصل نہ ہو گی تو گناہ بے لذت میں مبتلا ہو گا۔ بہر صورت وہ حسرت پائے گا یا لذت حاصل نہ ہونے سے ہمکنار ہو گا۔ یہ دونوں امر فضول ہیں۔ اگر آنکھیں بند کر لی جائیں تو بہت سی آفات دل

سے جاتی رہتی ہیں۔ اگر آنکھ سے خطا بھی ہو جائے اور باوجود قدرت کے خود کو زنا سے بچائے تو یہ نہایت توفیق کا کام ہے۔

حکایت: حضرت ابوبکر بن عبداللہ مزنی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک قصاب اپنے ہمسایہ کی لونڈی پر عاشق ہوگیا۔ جب اس کے مالک نے اس کو کسی کام کے لیے دوسرے گاؤں میں بھیجا تو قصاب اس کے پیچھے ہوگیا اور مطلب چاہا۔ اس لونڈی نے کہا جتنا تم مجھے چاہتے ہو اس سے زیادہ میں تمہیں چاہتی ہوں لیکن اس سے باز آجاؤ۔ مجھے اللہ کا خوف سامنے ہے۔ اس نے کہا جب تجھے خوف خدا ہے تو مجھے بھی۔ اس غلطی کی توبہ کی پھر اسے شدت کی پیاس لگی۔ قریب مرنے کے ہوگیا۔ اسے بنی اسرائیل میں سے کسی پیغمبر علیہ السلام کا قاصد ملا۔ اس نے حال پوچھا اس نے کہا کہ میں پیاسا ہوں۔ قاصد نے کہا کہ آؤ کہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس گاؤں میں جانے تک بادل سایہ کرے۔ اس نے کہا کہ میں نے کوئی نیک کام نہیں کیا کہ دعا مانگوں قاصد نے کہا کہ اچھا میں دعا مانگتا ہوں۔ آمین کہو۔ پھر قاصد نے دعا شروع کی اور قصاب آمین کہتا گیا یہاں تک کہ ایک بادل کا ٹکڑا ان دونوں کے سر پر ہوگیا اور وہ گاؤں میں پہنچ گئے۔ جب قصاب اپنے مکان کی طرف کو جانے لگا تو ابر بھی اس کے ساتھ ہوگیا۔ قاصد نے کہا کہ تم تو کہتے تھے کہ میرے پاس کوئی نیک عمل نہیں۔ دعا میں نے مانگی تھی اور بادل دونوں پر آیا تھا۔ اب کس طرح تمہارے ساتھ ہولیا۔ اپنا حال بتائیے۔ اس نے قصہ توبہ بیان کیا۔ قاصد نے کہا کہ اللہ کے نزدیک تائب کا وہ درجہ ہے کہ اور کسی کا نہیں۔

حکایت: حضرت احمد بن سعید رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ کوفہ میں ہمارے پاس ایک نوجوان نہایت شکیل و خوبصورت و خوش سیرت و عابد رہتا تھا کبھی مسجد جامع سے جدا نہ ہوتا۔ ایک عورت حسینہ جمیلہ اس کو دیکھ کر فریفتہ ہوگئی اور مدت تک اس کے پیچھے رہی ایک دن وہ مسجد کو جا رہا تھا وہ اس کی راہ میں کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی کہ جو کچھ کہوں اسے سن لیجئے پھر جو دل میں آئے کیجیے۔ شخص مذکور نے کچھ نہ سنا اور چلا گیا۔ پھر جب وہ گھر کو جانے لگا پھر راستہ روک کر کہا کہ میری بات سنتے جاؤ۔ انہوں نے گردن جھکائی اور بڑی دیر کے بعد فرمایا کہ یہ تہمت کی جگہ ہے۔ یہ اچھا نہیں۔ کوئی مجھ پر تہمت نہ لگائے دے۔ اس نے کہا کہ میں خود یہاں آکر کھڑی ہوں۔ میں تمہارا حال نہیں جانتی بلکہ اللہ نہ کرے کہ لوگوں کو میرا حال معلوم ہو۔ مجھے خود تمہارے پاس آنا پڑا۔ مجھے خود معلوم ہے کہ لوگ تھوڑی سی بات کو زیادہ سمجھا کرتے اور تم لوگ آئینہ کی طرح ہو۔ ذرہ سی بات سے تمہیں عیب لگ جاتا ہے۔ میرا تیرا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ راوی کہتا ہے کہ وہ جوان سن کر گھر چلا گیا اور نماز پڑھنی چاہی مگر سمجھ میں نہ آیا کہ کیا پڑھتا ہے۔ ایک کاغذ پر لکھا اور گھر سے نکلتے ہی دیکھا کہ وہی عورت راہ میں اسی جگہ کھڑی ہے۔ وہ رقعہ اس کی طرف پھینک کر اپنے گھر چلے آئے۔ رقعہ کا مضمون یہ تھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اے عورت آگاہ ہو جب بندہ خدا کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ بردباری فرماتا ہے اور جب دوبارہ کرتا ہے تو پردہ پوشی فرماتا ہے۔ جب گناہ کو اپنا شعار بنا لیتا ہے تو پھر اس پر ایسا غضب نازل کرتا ہے کہ نہ اس کو زمین و آسمان بچا سکتے ہیں نہ پہاڑ و اشجار نہ جانور نہ پرندے۔

ایسے غضب کی کس کو طاقت ہے جو تو نے بات کہی تھی وہ اگر باطل ہے تو یاد کرو اس دن کو کہ آسمان گلے ہوئے تانبے کی شکل میں ہوگا اور پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح اور غضب جباری اور دبدبہ قہاری اس زور پر ہوگا کہ تمام لوگ گھٹنے بل گرے ہوئے ہوں گے اور میرا یہ حال ہے کہ میں اپنے ہی نفس کی اصلاح نہیں کر سکتا تو دوسروں کو کیا سمجھاؤں اور اگر تیرا مقصد حق ہے تو ایسا طبیب بتلائے دیتا ہوں کہ تمام دردوں کی دوا کرلے اور مہلک بیماریوں کا علاج فرمائے وہ ذات پاک اللہ جل شانہ ہے اسی کی طرف صدق دل سے رجوع کرنا چاہئے اور مجھے تیری طرف یہی آیت کافی ہے۔ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ؕ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ (المومن 19) ترجمہ کنزالایمان: اور انہیں ڈراؤ اس نزدیک آنے والی آفت کے دن سے جب دل گلوں کے پاس آ جائیں گے غم میں بھرے اور ظالموں کا نہ کوئی دوست نہ کوئی سفارشی جس کا کہا مانا جائے۔ اللہ جانتا ہے چوری چھپے کی نگاہ اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے۔

فائدہ: اس آیت سے بھاگنے کا کسی کو چارہ نہیں ہو سکتا۔

بقایا واقعہ مذکور' چند دنوں کے بعد آئی اور راہ میں کھڑی ہوگئی۔ جب اس شخص نے اسے دور سے دیکھ کر گھر کو لوٹنے کا اردہ کیا کہ اس کی صورت بھی نظر نہ آئے عورت نے کہا کہ کیوں جاتے ہو۔ آج کے سوا کبھی ملاقات نہ ہوگی۔ اللہ کے لئے یہاں ہی ملیں گے۔ یہ کہہ کر خوب روئی اور کہا کہ میں خدا سے دعا کرتی ہوں جسکے ہاتھ میں تیرا دل ہے کہ مجھ پر تیری مشکل آسان کرے۔ اب مجھے کوئی نصیحت اور وصیت کر تاکہ اس پر میں عمل کروں۔ اس نے کہا کہ میں تجھے یہ وصیت کرتا ہوں کہ خود کو اپنے نفس سے بچائے رکھنا اور یہ آیت یاد رکھنا۔ وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ (الانعام 60) ترجمہ کنزالایمان: اور وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ دن میں کماؤ۔ اس عورت نے گریبان میں منہ ڈال کر پہلی بار سے بھی زیادہ رونا شروع کیا اور پھر تھوڑے افاقہ کے بعد اپنے گھر چلی گئی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ایک عرصہ مصروف رہ کر اسی رنج میں مرگئی۔ وہ جوان اس کو یاد کرکے رویا کرتا۔ لوگ پوچھتے اور کہتے تو نے تو اسے مایوس کیا تھا۔ اب کیوں روتے ہو۔ فرمایا کہ میں نے اسے قتل (ذبح) کر ڈالا اور اس سے کنارہ کشی کو اللہ کے یہاں اپنے لیے ذخیرہ کیا۔ اب یہ شرم آتی ہے کہ یہ ذخیرہ کہیں واپس نہ ہو جائے۔

فائدہ: باب کسر و شہوت تمام ہوا اس کے بعد آفات زبان مذکور ہوتی ہیں۔

باب 4

زبان کی آفات

زبان اگرچہ ایک گوشت کا لوتھڑا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت اور عجب لطیفہ ہے۔ اس کا گناہ بھی سب سے زیادہ ہے اور اطاعت بھی بڑھ کر کیونکہ کفرو ایمان جو اعلیٰ درجے کی طغیانی و طاقت کہلاتے ہیں وہ زبان کی شہادت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ پھر کوئی چیز معدوم ہو یا موجود' خالق ہو یا مخلوق معلوم ہو یا موہوم' خیالی ہو یا باطنی' سب کی سب زبان پر آتی ہیں اور ان کی نفی و اثبات میں تعرض کرتی ہے۔ مثلاً جس چیز پر علم حاوی ہوتا ہے اس کو زبان ہی سے بیان کرتے ہیں حق و باطل اور علم سے کوئی چیز ظاہر نہیں ہے اس لیے کہ زبان پر ہر طرح کے مذکورات آسکتے ہیں اور یہ ایک خاصیت ہے کہ اور اعضاء میں نہیں پائی جاتی۔ مثلاً آنکھ رنگ کی چیزوں کی صورتوں کے سوا اور کوئی چیز دیکھ نہیں سکتی۔ کان آواز کے سوا نہیں سن سکتا۔ ہاتھ اجسام کے سوا نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح تمام اعضاء کو جاننا چاہیے مگر زبان کا میدان وسیع ہے۔ اس کی کوئی حد اور انتہا نہیں جیسے خیر کی بات بولنے پر قادر ہے۔ ویسے ہی شرک بولنے پر قدرت رکھتی ہے تو جو کوئی اپنی زبان کو قابو میں نہ رکھے نہ معلوم شیطان اس سے کیا کیا کہلوائے اور کس گڑھے میں دھکیلے حدیث شریف میں ہے ولا یکب الناس فی النار علی مناخر هم الا حصائد السنتهم ترجمہ اور نہیں اوندھا ڈالتے ہیں لوگوں کو ناک کے بل دوزخ میں مگر خرمن ان کی زبان کے یعنی اقوال۔

فائدہ: ہاں زبان کی شرافت سے وہی بچے گا۔ جو اس کو لگام شرع دیئے رکھے گا اور منہ سے وہی بات نکالے گا جس میں دنیا و آخرت کا نفع ہو اور جس بات کی ابتدا و انتہا میں کچھ شک پائے گا اس کو زبان تک نہ لائے گا۔

فائدہ: اس بات کا معلوم کرنا کہ کس بات کا کہنا اچھا ہے اور کس کا برا یہ بہت گہرا امر ہے اور یہ زبان کو عمل کرنے سے مشقت بھی نہیں ہوتی اور چونکہ وہ اس کی آفات سے بچنے اور مضرات سے خوف کرنے میں معمولی کام سمجھتی ہے حالانکہ یہ انسان کے بہکانے کے لیے شیطان کے بڑے اوزاروں میں سے ہے۔ اس لیے ہم اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے زبان کی تمام آفات مع تعریف اور اسباب اور ان سے احتراز کی تدبیر مفصل لکھتے ہیں۔ وہ اخبار و آثار جو ان کی مذمت میں وارد ہیں انہیں نقل کرنے سے قبل فضائل خاموشی لکھتے ہیں۔ اس کے بعد بیس آفات زبان سے متعلق ذکر کریں گے۔ اس طرح جو سب سے ادنیٰ ہوگا۔ وہ لکھیں گے اس کے بعد زیادہ سے پھر اس سے زیادہ وغیرہ وغیرہ۔

زبان کے خطرات اور سکوت کے فضائل :زبان کی وجہ سے بہت بڑا خطرہ ہے اس سے بچنے کی صورت بجز سکوت کے اور کوئی نہیں اس لیے شرع میں سکوت کی مدح اور ترغیب پائی جاتی ہے۔

احادیث مبارکہ : حضور ﷺ نے فرمایا من صمت نجا فرمایا جو خاموش ہوا1 - نجات پا گیا 2 - الصمت حکمتہ وقلیل فاعلہ خاموشی حکمت اور احتیاط کی شے ہے لیکن اس کے عامل بہت تھوڑے ہیں۔ 3 - حضرت عبداللہ بن سفیان رضی اللہ عنہ کے باپ نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اسلام میں کوئی ایسی بات ارشاد فرمایئے کہ آپ کے بعد کسی سے پوچھنے کی نوبت نہ آئے۔ آپ نے فرمایا قل امنت باللّٰہ ثمہ استقم کہہ میں اللہ پر ایمان لایا اور اس پر مضبوط ہو جاؤ' عرض کیا کہ میں کس چیز سے بچوں۔ آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے زبان کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس سے بچو۔ 4 - حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ نجات کی کیا صورت ہے۔ 5 - آپ نے فرمایا امسک علیک لسانک ولیسعک بیتک و اباب علی خطیئتک۔ ترجمہ: اپنی زبان روک اور اپنے گھر میں ہی جگہ بنا اپنے گناہ پر گرایا کر۔ 6 - حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ من تکفل لی مابین لحیۃ ورجلیہ اتکفل لہ بالجنۃ فرمایا من وقی شر قبصبہ ذوبدیہ وتقلنہ فقد وتی الشرکلہ مجھے اپنے دو جبڑوں کے درمیان کی ضمانت دے میں جنت کا ضامن ہوں۔ اپنے پیٹ اور شرم گاہ اور زبان کے شر سے بچا وہ تمام شروں سے محفوظ رہا کیونکہ اکثر لوگ انہیں تین شہوتوں سے تباہ ہوتے ہیں اس لیے ہم نے بھی بعد میں بیان شہوات سے آفات زبان کی تشریح کو مقدم سمجھا۔ 7 - حدیث' جب حضور ﷺ سے پوچھ گیا کہ وہ کون سی چیز ہے جس کے باعث جنت میں لوگ بکثرت جائیں گے۔ 8 - آپ نے فرمایا تقویٰ اللّٰہ وحسن الخلق تقویٰ و خوش خلقی جب پوچھا گیا کہ دوزخ میں کس سبب زیادہ جائیں گے فرمایا الاجوفان الفم و الفرج

فائدہ :اس حدیث میں فہم سے مراد آفات زبان بھی ہو سکتی ہیں کیونکہ منہ زبان کا محل ہے اور شکم بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اس کے بھرنے کا راستہ منہ ہی ہے۔

حدیث 9: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما نے آپ کے خدمت میں عرض کیا کہ ہم جو بولتے ہیں اس پر بھی مواخذہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا ثکلتک امک یا بن جبل وھل یکب الناس فی النار علی منا خرھم الا حصائد السنتھم اے تجھے تیری زباں اے ابن جبل اور نہیں رونڈھا ڈالتے ہیں' لوگوں کو ناک کے بل دوزخ میں مگر خرمن زبان سے

حدیث 10: حضرت عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ کوئی قابل تمسک بات ارشاد فرمایئے آپ نے فرمایا قل ربی اللّٰہ ثمہ استقم کہہ تو میرا رب اللہ ہے پھر مضبوط رہ۔ انہوں نے عرض کیا کہ جس چیز کا مجھ پر زیادہ خوف ہو وہ کیا ہے۔ آپ نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا یہ ہے۔

حدیث 11: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جب آپ سے پوچھا اعمال میں سے افضل کون ہے' آپ نے اپنی زبان

مومن چپکا اور وقار پس والا ہے' اس کے قریب ہو' حکمت کی تلقین کرے گا یعنی وہ جو کچھ کہتا ہے' حکمت ہوتی ہے۔)

حدیث 29: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا' آدمی تین قسم کے ہیں۔ (1) غنیمت حاصل کرنے والا جو اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ (2) آفتوں سے محفوظ جو خاموش ہے۔ (3) ہلاک ہونے والا جو باطل میں غور و خوض کرتا رہتا ہے۔

حدیث 30: مومن کی زبان دل کے پیچھے رہتی ہے۔ جب بولنا چاہتا ہے' پہلے دل میں سوچ لیتا ہے۔ جب زبان سے نکالتا ہے اور منافق کی زبان دل کے آگے ہوتی ہے۔ بے سوچے سمجھے جو چاہتا ہے' بک دیتا ہے۔

حدیث 31: حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ عبادت کے دس حصے ہیں۔ ایک حصہ لوگوں سے جدا رہنے میں ہے۔

حدیث 32: حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من کثر کلامہ کثر سقطه ومن کثر سقطه کثرت ذنوبه کانت النار اولی به ترجمہ: (جس کی گفتگو زیادہ ہو گی' برائی زیادہ ہو گی اور جس کی بری بات زیادہ ہو گی اس کے گناہ زیادہ ہوں گے' اس کے لیے دوزخ زیادہ اولیٰ ہے۔)

اقوال سلف صالحین رحمہم اللہ: (1) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منہ میں کنکر رکھتے تاکہ بولنے سے رکے رہیں اور اپنی زبان کی طرف اشارہ کرکے فرماتے کہ اس نے مجھے بہت سے گھاٹ اتارا ہے۔ (2) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں' زبان سے زیادہ کوئی شے زیادہ قید رکھنے کی محتاج نہیں۔ (3) حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری زبان درندہ ہے۔ اگر چھوڑ دوں تو مجھے کھا جائے۔ (4) حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہما حکمت آل داؤد میں فرماتے ہیں کہ عاقل پر واجب ہے کہ عارف زمان اور حافظ زبان اور وضع کا کامل ہو۔ (5) حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنی زبان نہ روکی' اس نے دین کو بھی نہ سمجھا۔ (6) اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا تھا کہ جو کوئی موت کو یاد کرتا ہے' دنیا میں تھوڑی چیز پر قناعت کرتا ہے اور جو اپنے کلام کو بھی تصور کر لے' وہ بے فائدہ کم بولے گا۔ (7) بعض اکابر کا فرمان ہے کہ سکوت سے آدمی میں دو خصلتیں جمع ہوتی ہیں (1) دین سلامت رہتا ہے۔ (2) دوسرے کی بات خوب سمجھتا ہے۔ (8) حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ نے مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کو فرمایا کہ آدمی کو زبان' کان روکنا روپے پیسے کی حفاظت سے زیادہ مشکل ہے۔ (9) حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کی زبان ایک ٹھکانہ رہتی ہے' اس کے سب کام ٹھیک رہتے ہیں۔ (10) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں لوگ بول رہے تھے اور حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ چپ بیٹھے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ آپ کچھ نہیں فرماتے۔ آپ نے جواب دیا کہ اگر جھوٹ کہوں تو اللہ کا خوف سامنے ہے اور سچ کہوں تو

تجھ سے ڈر لگتا ہے۔

حکایت: حضرت ابو بکر بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بار چار بادشاہ جمع ہوئے۔ بادشاہ ہند' بادشاہ چین' بادشاہ فارس اور بادشاہ قیصر روم۔ ایک نے کہا کہ میں جو کہتا ہوں' اس سے پچھتاتا ہوں اور جو نہیں کہتا اس پر ندامت نہیں ہوتی۔ دوسرے نے کہا جب میں بولتا ہوں' وہ میرے قابو میں نہیں رہتا اور جب تک نہیں بولتا تو میرے اختیار میں رہتا ہے' میں اس کے قابو سے باہر رہتا ہوں۔ تیسرے نے کہا کہ مجھے ایسے بولنے والے ہی سے تعجب ہے۔ اگر وہی بات اس پر واپس آئے تو ضرر دے۔ اگر واپس نہ آئے تو کوئی فائدہ نہ دے۔ چوتھے نے کہا کہ میں ان کہی بات کو ہٹا لینے پر زیادہ قادر ہوں' کہی ہوئی ہو تو نہیں ہٹا سکتا۔

حکایت: حضرت منصور بن المز رحمۃ اللہ علیہ کے حال میں لکھا ہے کہ عشا کے بعد چالیس برس تک کوئی کلمہ نہیں بولتے تھے' اس طرح حضرت ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ نے 20 برس تک کوئی دنیا کا کلام نہیں کیا۔ اور جب صبح ہوتی دوات' قلم اور کاغذ اپنے پاس رکھ لیتے۔ جو کچھ بولتے وہ کاغذ پر لکھ لیتے اور شام کو اپنے نفس سے اس کا حساب کرتے۔

خاموشی کے فوائد و فضائل: سکوت کے فضائل سے ہے اور سکوت کے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بولنے میں صدہا آفات ہیں۔ خطا اور جھوٹ اور غیبت اور چغلی اور ریا اور نفاق اور فحش اور تکرار اور خود کو پاکباز بتلانا امر باطل میں غور و خوض کرنا' جھگڑا' زیادہ سے کوئی بات بد بڑھانا' گھٹانا' خلق کو ایذا دینا' پردہ داری کرنا' یہ تمام زبان ہی کے سبب سے ہوتے ہیں۔ زبان ہلاتے کچھ دقت نہیں ہوتی' دل میں مزہ محسوس ہوتا ہے۔ طبیعت اور شیطان اکساتا رہتا ہے اور یہ بات بہت کم ہے کہ جو بولنے کا عادی ہو تو زبان کو اسی طرح قابو میں رکھے اور جہاں بولنا چاہیے' وہاں ہی بولے اور جس بات کو کہنا نہ چاہیے' اس سے باز رہے کیونکہ اس کا معلوم ہونا بہت مشکل ہے کہ کونسی بات نہ کہنے کے قابل ہے اور کونسی نہیں۔ اس وجہ سے بولنے میں خطرہ رہتا ہے اور خاموشی میں سلامتی ہے۔ اسی بنا پر اس کی فضیلت بھی زیادہ ہوئی۔ علاوہ ازیں سکوت سے یہ بھی فائدہ ہے کہ ہمت جمع رہتی ہے اور ہیبت محفوظ رہتی ہے۔ فکر و ذکر' عبادت کی فراغت میسر ہوتی ہے۔ بولنے کی آفات سے دنیا میں نجات حاصل اور آخرت میں حساب سے جرات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (ق 18) ترجمہ کنزالایمان: کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔

عقلی دلائل: فضیلت سکوت کی ایک عمدہ عقلی دلیل ہے۔ وہ یہ ہے کہ کلام چار قسم ہے (1) اس میں ضرر ہی ضرر ہے۔ (2) اس میں محض نفع ہی نفع ہے۔ (3) وہ یہ کہ ضرر و نفع دونوں برابر ہوں۔ (4) نفع ہو نہ ضرر۔ قسم اول سے تو سکوت ضروری ہے اور ایسی ہی قسم سوم سے بھی۔ اگر ضرر نفع سے زیادہ ہو اور قسم 4 کے کلام میں وقت کا ضائع کرنا ہے اور یہ بھی بڑا نقصان ہے۔ پس قابل بولنے کی دوسری قسم ہی رہی یعنی ایک چوتھائی کلام کی قابل بولنے

نے کے ہے۔ تین چوتھائی میں سکوت ہی اولیٰ ہے۔ اب یہ چوتھائی بھی خطرے سے خالی نہیں کیونکہ اس میں بعض آفات خفی ہیں جیسے ریاء اور تکلف اور خود پرستی اور بدگوئی اور غیبت اور چغلی وغیرہ کہ متکلم کو معلوم نہیں ہوتا' اس لیے بولنے سے ہر وقت خطرہ ہی ہے اور جو شخص زبان کی آفات سے ہماری تفصیل کے موافق آگاہ ہو جائے گا' وہ یقیناً جان لے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان من صمت نجا (جو سکوت کرتا ہے' نجات پاتا ہے) درست اور خطاب فیصل ہے۔ اللہ عزوجل نے اس ذات ستودہ صفات کو حکمت کے در بے بہا اور کلمات جامع عنایت فرماتے ہیں۔ ہر ہر لفظ میں موتی اور جواہر بکھرے ہیں۔ سمندر کو کوزہ میں بند فرما دیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل صلوٰۃ خواص علماء کے سوا آپ کے کلام کے حقائق اور نکات اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ آئندہ بیان سے اس کی حقیقت واضح ہو گی۔ ان شاء اللہ اب ہم بیس آفات زبان کو ترتیب وار شروع کرتے ہیں۔

بے فائدہ گفتگو: ایسا کلام منہ سے نکالنا' اگر اسے نہ کہے تو گناہ نہ ہو اور نہ جان و مال میں ضرر ہو۔

یاد رہے کہ سب سے عمدہ حال یہ ہے کہ انسان اپنی تمام گفتگو میں یہ خیال رکھے کہ آفات زبان یعنی غیبت' چغلی' جھوٹ اور خصومت وغیرہ سے گفتگو کے الفاظ محفوظ رہیں اور صرف وہی بات منہ سے نکلے جس کا بولنا مباح ہے اور اس سے نہ خود کو ضرر ہو' نہ کسی دوسرے کو لیکن بعض اوقات ایسی باتیں بھی منہ سے نکل جاتی ہیں کہ جن کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں وقت ضائع کرنا اور اپنی گردن پر حساب زبان کا رکھنا اور کمتر چیز کے بدلے میں بہتر شے کو دے ڈالنا ہے۔ اس لیے کہ اگر بولنے کے وقت فکر میں مصروف ہوتا تو شاید فتوحات غیبیہ میں سے ایسی قیمتی شے مرحمت ہوتی کہ اس کا نفع زیادہ ہوتا۔ تہلیل اور تسبیح اور تکبیر یا کسی اور ذکر میں مشغول رہتا تو یقیناً بہت الفاظ ایسے ہیں جن کی وجہ سے جنت میں مکان بنتا ہے۔ پس جس شخص کو اس بات کی قدرت ہو کہ خزانہ لے سکے' وہ اس کے بدلے ڈھیلے جمع کرلے تو نقصان کے سوا اور کیا ہوگا تو ذکر اللہ تعالیٰ جو عمدہ خزائن میں سے ہے۔ اس کو چھوڑ کر کلمات بے ضرورت کو زبان سے نکالنا ایسا ہے جو مذکور ہوا۔

فائدہ: اگر ان کا بولنا مباح اور کچھ گناہ نہ ہو مگر چونکہ بڑا مطلب ان کے سبب سے فوت ہو گیا' اس وجہ سے خسارہ ہی ہوا۔ ایماندار کا سکوت فکر ہوتا ہے اور بولنا ذکر اور دیکھنا عبرت۔

حدیث 1: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ آدمی کا راس المال اوقات ہیں۔ جب ان کو کلام بے ضرورت میں صرف کرے گا اور ان سے ثواب آخرت کا ذخیرہ حاصل نہ کرے گا تو راس المال میں نقصان پڑے گا۔

حدیث 2: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ ترجمہ: (انسان کے اسلام کی خوبی میں سے ہے چھوڑنا ایسی چیز کا جو اسے مفید نہ ہو۔)

حدیث 3:-

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ احد کی لڑائی میں ایک نوجوان ہم میں سے شہید ہوا' ہم نے دیکھا تو بھوک کی وجہ سے اس کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ اس کی ماں اس کے منہ سے مٹی جھاڑ کر کہنے لگی کہ بیٹا جنت مبارک ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا' شاید وہ کلام بے فائدہ کیا کرتا ہو اور جس چیز سے اس کا ضرر نہ ہو' وہ اوروں کو نہ دیتا ہو۔

حدیث 4: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو چند دن نہ دیکھ کر پوچھا کہ کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا' بیمار ہیں۔ آپ عیادت کو تشریف لائے۔ جب ان کے پاس آئے تو فرمایا کہ خوشخبری ہو تجھے اے کعب' ان کی ماں نے کہا کہ اے کعب تجھے جنت بے روک ٹوک مبارک ہو۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کون ہیں جو اللہ پر حکم کرتی ہیں؟ حضرت کعب نے عرض کیا کہ میری ماں ہے۔ آپ نے اسے فرمایا' تجھے کیسے معلوم ہوا' شاید تمہارے بیٹے نے کوئی گفتگو بے ضرورت کی ہو یا کسی چیز کو بے فائدہ منع کیا ہو۔

فائدہ: اس سے غرض یہ ہے کہ جنت میں وہی بے حساب جاتا ہے جس کے ذمہ کچھ حساب نہ ہو اور جب کلام بے حاجت کرتا ہے تو اس کا حساب باقی رہتا ہے۔ اگرچہ مباح ہی کیوں نہ ہو تو باوجود مناقشہ حساب کے یہ کہنا کہ بے روک ٹوک جنت مبارک ہو' نہیں کہنا چاہئے۔

حدیث 5: حضرت محمد بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دروازہ سے آج جو پہلے آئے گا' وہ جنتی ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو دیکھ کر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے پاس گئے اور جو کچھ آپ نے ان کے حق میں فرمایا تھا' ان سے کہا اور پوچھا کہ تم جو عمل اچھا کرتے ہو اور اس سے امید پڑتی ہو' وہی ہمیں بتلاؤ۔ انہوں نے فرمایا کہ میں ضعیف آدمی ہوں۔ میرا عمل کیا ہے مگر جس سے مجھے توقع ہے' وہ یہ ہے کہ سینہ کو محفوظ رکھتا ہوں۔ اور بے فائدہ کلام نہیں کرتا۔

حدیث 6: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تجھے ایسا عمل بتا دوں کہ بدن پر ہلکا اور میزان میں بھاری ہو۔ انہوں نے عرض کیا فرمایئے۔ آپ نے فرمایا الصمت و حسن الخلق و ترک مالا یعنیک ترجمہ: (وہ سکوت اور خوش خلقی اور غیر مفید چیز کا چھوڑنا ہے۔)

حدیث 7: حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا ہے' کہا کرتے تھے کہ پانچ چیزیں مجھے روپوں کے خرچ سے بھی اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ (1) کلام بے فائدہ کا ترک کیونکہ کلام زیادہ ہوتا ہے تو اس سے گناہ کا خوف لگا رہتا ہے۔ (2) کلام مفید بے موقع نہ کہنا کہ اکثر کلام مفید بھی اگر بے موقع بولا جاتا ہے تو خرابی لاتا

ہے۔ (3) حوصلہ والے اور بے وقوف آدمی سے بحث نہ کرنا کیونکہ حوصلہ مند سے بحث کرنے سے اس کو غصہ دلانا ہے اور بے وقوف سے ایذا اٹھانا ہے۔ (4) کسی غائب بھائی کا ذکر اس طرح کرنا' خود اپنا ذکر اس سے کہلانا منظور ہو اور اس کے ساتھ ان قصوروں سے درگزر کرنا' اس سے معاف کرنا اچھا معلوم ہو اور اس سے وہ معاملہ کرنا کہ وہ بھی ایسا ہی کرے تو اچھا لگے۔

فائدہ: خلاصہ یہ کہ جو اپنے لیے پسند نہیں کرتے ہو' دوسروں کے لیے پسند نہ کرو۔ (5) عمل کرنا اس یقین سے کہ احسان کرنے سے جزا پاؤں گا اور جرم کرنے سے سزا۔

فائدہ: حضرت لقمان حکیم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ کیا حکمت کرتے ہیں؟ فرمایا کہ جو چیز خود معلوم ہو جائے' اس کے پوچھنے کے درپے نہیں ہوتا اور بے تکلف کلام بے فائدہ نہیں کہتا۔

فائدہ: حضرت مورق عجلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں بیس برس سے ایک امر کی تلاش میں ہوں۔ وہ نہ اب تک ملا اور نہ اس کی طلب میں نے چھوڑی۔ پوچھا گیا کہ وہ کیا ہے؟ فرمایا کہ کلام بے فائدہ سے سکوت چاہتا ہوں۔

فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کلام بے فائدہ کا معترض نہ ہونا چاہئے اور دشمن سے کنارہ کش اور دوست سے حذر رہنا چاہئے مگر جو صادق امین ہو اور امین وہی ہے جو اللہ سے ڈرے اور بدکار کی صحبت سے بچنا چاہئے ورنہ اس کا اثر اپنے آپ پر ہو جائے گا اور اپنے بھید کی اسے خبر نہ کرنی چاہئے اور کاموں میں ایسے لوگوں سے مشورہ کرے جن کو خوف الٰہی عزوجل ہو۔

بے فائدہ گفتگو کی مثال: کوئی شخص لوگوں میں بیٹھ کر اپنے سفروں کا ذکر کرے اور کوہ و دشت اور سبزہ و آب رواں و حالات ماضیہ اور عمدہ کھانے اور کپڑے اور عجیب و غریب طرز مشائخ وغیرہ کی کوئی چیز جو سفر میں دیکھی ہو یا سنی ہو' اس کو بیان کرے تو ایسی باتیں ہیں کہ اگر ان کو بیان نہ کرے تو گناہ بھی نہ ہو اور نہ کچھ نقصان بشرطیکہ ان حکایات میں اپنی طرف سے کم و بیش نہ کرے' نہ اپنا فخر ظاہر ہو کہ ہم نے ایسے بڑے بڑے امور دیکھے نہ کسی کی غیبت شامل ہو اور نہ کسی کی مذمت پائی جاتی ہو۔ جب اس طرح بیان کرے گا تو یہ بے فائدہ کلام ہو گا اور ایسا کلام کرنا وقت ضائع کرنا ہے اور پھر ظاہر ہے کہ آدمی بات کہنے میں آفات سے کسی طرح نہیں بچ سکتا' کسی نہ کسی خرابی میں مبتلا ہو جاتا ہے ورنہ تضیع اوقات ہوتا ہے۔ اس میں کسی طرح کا شک نہیں۔

فائدہ: ایک کلام بے فائدہ یہ ہے کہ دوسرے سے کلام بے فائدہ کرے تو اس سے ایک تو اپنا وقت سوال کرنے میں ضائع کرتا ہے اور چونکہ دوسرے کو جواب دینا پڑے گا تو گویا اس کا بھی وقت ضائع کیا اور یہ اسی صورت میں ہے کہ سوال میں کوئی خرابی نہ ہو ورنہ اکثر سوالات میں بڑی بڑی آفات ہوتی ہیں۔ اگر کسی سے اس کی عبادت کا حال

پوچھو مثلاً اس طرح کہ تم روزہ دار ہو تو اس سوال کے جواب میں چار صورتوں میں سے ایک صورت پیش آئے گی۔ (1) وہ ہاں کہے گا تو اپنی عبادت کو ظاہر کرنا پڑے گا اور ریا میں داخل ہو جائے گا۔ بالفرض ریا میں شامل نہ ہو تب بھی پوشیدہ عبادت کا ثواب اور مدارج زیادہ ہوا کرتے ہیں۔ وہ ظاہر کرنے سے جاتا رہے گا۔ (2) نہیں کہے گا تو اس صورت میں جھوٹ بولے گا یا خاموش رہے گا' کچھ جواب نہ دے گا تو برا محسوس ہوگا کہ ہم نے پوچھا' اس نے نہ بتایا شاید ہمیں حقیر سمجھا۔ (3) جواب نہ دینے کا کوئی حیلہ سوچے گا تو ایک مشقت مفت میں اس کے ذمہ ہوگی۔ اس طرح کے سوال سے ریا یا جھوٹ یا حقیر سمجھنا یا حیلہ کی فکر میں مبتلا ہونا کوئی نہ کوئی خرابی مجیب پر آئے گی' علیٰ ہذا لقیاس اور عبادتوں کا حال پوچھنا بھی ایسے ہی ہے۔ اسی طرح اگر گناہوں کا حال یا پوشیدہ امور کا حال پوچھو اور وہ کہنے سے شرمائے یا یوں پوچھو کہ فلاں شخص نے تم سے کیا کہا اور تمہاری کیا رائے ہے یا کسی مسافر سے پوچھو کہ کہاں سے آئے ہو؟ اکثر بتلانا منظور نہیں ہوتا' کوئی وجہ مانع ہوتی ہے۔ اگر سچ کہتا ہے تو راز کھلتا ہے یا حیا آتی ہے ورنہ جھوٹ بولنا پڑتا ہے اور ان دونوں کا سبب صرف سوال ہی ہے۔ (4) کسی مسئلہ کی حاجت نہ ہو' ویسے ہی کسی عالم سے پوچھو اور اس کو یاد نہ ہو مگر یہ کہنے کو جی نہ چاہتا کہ مجھے نہیں آتا بلکہ من گھڑت جواب کہہ دے گا۔ پس کلام بے فائدہ سے ہمارا مقصود اس طرح کے سوالات کا نہیں کیونکہ ان میں یا گناہ ہے یا ضرر ہے بلکہ کلام غیر مفید ہے۔

حکایت: حضرت لقمان حکیم رضی اللہ عنہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوئے کہ آپ زرہ بنا رہے تھے' حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے کبھی زرہ نہ دیکھی تھی۔ تعجب سے دیکھتے رہے اور چاہا کہ پوچھیں مگر حکمت مانع ہوئی اور نہ پوچھا۔ جب آپ تیار کر چکے تو کھڑے ہو کر اس کو پہنا اور فرمایا کہ لڑائی کے لیے زرہ کیا عمدہ چیز ہے؟ حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے دل میں کہا کہ سکوت بڑی حکمت ہے لیکن کم لوگ اختیار کرتے ہیں یعنی بے سوال ہی معلوم ہو گیا' پوچھنے کی ضرورت نہ رہی۔

فائدہ: ایک روایت میں ہے کہ سال بھر تک پھرتے رہے کہ بغیر پوچھے حال معلوم ہو جائے۔

فائدہ: اس طرح کے سوالات میں اگر نقصان اور ہتک اور ریا و کذب میں مبتلا کرنا نہ پایا جائے تو داخل کلام بے فائدہ ہیں۔ اگر ایسے کلام کے لیے حدیث شریف وارد ہے کہ اس کے چھوڑنے سے اسلام کی خوبی ہے۔

کلام بے فائدہ کا علاج: اس کا سبب یا تو غیر ضروری چیز کے معلوم کرنے کی حرص ہوتی ہے یا تو بطور محبت کلام کا پھیلانا منظور ہوتا ہے یا دل بہلانے کے طور پر ایسی حکایت کہتے ہیں کہ جن سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور ان سب کا علاج یہ ہے کہ اس بات کا یقین کرے کہ موت سامنے ہے۔ مرنے کے بعد ایک ایک لفظ کا سوال ہوگا اور یہ کہ راس المال آدمی کا اس کی سانسیں ہیں اور زبان ایک جال ہے کہ اس سے طائر نغمہ بہشتی پھنسا کرتا ہے۔ پس اس کو بیکار چھوڑنا بڑے نقصان کی بات ہے۔ یہ علاج علمی ہے مگر علمی تدبیر گوشہ تنہائی کے سوا کوئی شے بہتر نہیں یا کنکر

منہ میں رکھے اور پہلے ابتدائے سلوک میں مفید کلام کا بولنا بھی چھوڑ دے تاکہ کلام بے فائدہ کے ترک کی عادت پڑ جائے اور اس زمانہ میں بغیر گوشہ نشینی کے زبان کا روکنا بہت مشکل ہے۔

کثرت کلام کے نقصانات: اس میں کلام بے فائدہ بھی شامل ہے اور کلام ضروری بھی۔ اگر مقدار ضرورت سے بڑھ جائے' وہ بھی اس میں داخل ہے' اسی لیے آفت کی دوسری قسم قرار دی گئی۔ مثلاً کلام ضرورت کا بولنا مختصر طور پر بھی ہو سکتا ہے تو ایک کلمہ کی جگہ اگر دو کہے گا' دوسرا کلمہ زائد ہوگا یعنی حاجت سے زائد ہوگا۔ اگرچہ اس سے تقریر یا تاکید منظور ہو۔ یہ بھی برا ہے' اگرچہ اس میں گناہ اور ضرر نہ ہو۔

فائدہ: حضرت عطا ابن الجارباح رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکابرین سلف صالحین کلام زائد کو برا جانتے تھے اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امر معروف اور نہی منکر اور حاجت ضروری دینوی کے سوا ہر کلام کو زائد تصور فرماتے تھے۔ اس کا انکار کون کر سکتا ہے جبکہ کراماً کاتبین دائیں بائیں سے لکھتے ہیں۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (ق 18) ترجمہ کنزالایمان: کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔ کیا اسے شرم نہیں آتی کہ نامہ اعمال جب کھلے گا تو اکثر ایسی باتیں کہتے ہیں کہ اس کا جواب جیسے پیاسے کو ٹھنڈا پانی اچھا معلوم ہوتا ہے' اس سے زیادہ مجھے معلوم ہوتا ہے مگر میں زائد ہونے کے خوف سے جواب نہیں دیتا۔

فائدہ: حضرت مطرف رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے جلال کا لحاظ رکھا کرو' بے جگہ اس کا ذکر نہ کیا کرو مثلاً کتے یا گدھے کو دیکھ کر کہو کہ الٰہی اسے ہٹا دے وغیرہ وغیرہ۔

انتباہ: کلام زائد کا کوئی حصر نہیں بلکہ جو کلام ضروری ہے' اس کا حصر کلام مجید میں موجود ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ (النساء 114) ترجمہ کنزالایمان: ان کے اکثر مشوروں میں کچھ بھلائی نہیں مگر جو حکم دے خیرات یا اچھی بات یا لوگوں میں صلح کرنے کا۔

حدیث: اسے جو زبان کو زائد بات سے روکے۔ ہاں زائد مال خرچ کرے لیکن افسوس کہ لوگوں نے کیسا معاملہ الٹا کر رکھا ہے کہ مال زائد کو تو جوڑ رکھا ہے اور زبان کو مطلق العنان چھوڑ رکھا ہے۔

حدیث: حضرت مطرف بن عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ ان کے باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عامر کے گروہ کے ساتھ حاضر ہوئے۔ ان لوگوں نے عرض کرنا شروع کیا کہ آپ ہمارے والد اور سید اور افضل اور محسن اور منعم ہیں اور آپ ایسے ہیں اور آپ ویسے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قولو ابقولکم لا

يستهو نيكم الشيطٰن ترجمہ: (اپنا قول اور نہ سرگشتہ کرے تم کو شیطان۔)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب انسان کسی کی تعریف میں زبان کھولتا ہے' اگرچہ سچی بھی ہو مگر خوف ہے کہ شیطان زائد بات نہ کہلا دے۔

حدیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں کلام زائد سے ڈرتا ہوں۔ انسان کو اسی قدر کلام کافی ہے کہ اس کی حاجت روائی ہو جائے۔

فائدہ: حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ انسان کی تمام باتیں لکھی جاتی ہیں۔ یہاں تک اگر لڑکے کو چپ کرنے کو کہے گا۔ کہ میں تجھے فلاں چیز دے دوں گا تو جھوٹا لکھا جائے گا۔

فائدہ: حضرت حسن فرماتے ہیں کہ ابن آدم کا دفتر اعمال پھیلا ہوا ہے اور دو فرشتے اس پر عمل لکھنے کو معین ہیں' تھوڑا بولو یا زیادہ۔

حکایت: حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک جن کو کہیں بھیج کر بعض دوسروں کو اس کے پیچھے روانہ کیا کہ اس کا حال دیکھو اور جو کچھ وہ کہے' مجھے واپس آکر کہنا۔ انہوں نے واپس رپورٹ پیش کی کہ وہ بازار میں گیا اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر لوگوں کی طرف دیکھ کر سر ہلانے لگا۔ آپ نے اس جن سے پوچھا کہ یہ کیا بات تھی۔ اس نے عرض کیا کہ مجھے آسمان کے فرشتوں سے تعجب ہوا کہ انسانوں کے سروں پر بیٹھ کر کتنا جلدی ان کے اعمال لکھتے ہیں اور حضرت انسان پر تعجب ہوا کہ بہت جلد بہکتا ہے۔

فائدہ: حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایماندار کا بولنا غور و فکر کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر کچھ فائدہ معلوم ہو تو بولتا ہے ورنہ سکوت اختیار کرتا ہے اور برے آدمی کی زبان خوب چلتی ہے کہ بے فکر ہو کر بکتا چلا جاتا ہے۔

جھوٹے کی نشانی: حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو زیادہ بولتا ہے' وہ زیادہ جھوٹا ہوتا ہے اور جس کے پاس مال زیادہ ہوتا ہے' وہ گناہ زیادہ کرتا ہے اور جو بد خلق ہوتا ہے' وہ اپنی جان پر عذاب ڈال لیتا ہے۔

حدیث: حضرت عمر بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں کسی نے طویل کلام کیا۔ آپ نے فرمایا تیری زبان کے کتنے دروازے ہیں؟ اس نے عرض کیا کہ میرے لب اور دانت ہیں۔ آپ نے فرمایا ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو تیرے کلام کو روکتا۔ ایک روایت میں ہے کہ کسی نے آپ کی تعریف میں طویل کلام کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ انسان کے لیے زبان کی زیادہ گوئی سے بڑھ کر کوئی چیز بری نہیں۔

فائدہ: حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مباہات و فخر کے ڈر سے اکثر کلام نہیں کرتا اور بعض حکما کا قول

ہے کہ جب آدمی کسی مجلس میں ہو اور اپنا بولنا اچھا معلوم ہو تو اسے چپ رہنا چاہئے اور اگر اسے اپنا سکوت اچھا معلوم ہوتا ہو تو بولنا چاہئے۔

فائدہ: حضرت یزید بن ابی حبیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم دین کے لیے یہ بھی ایک امتحان ہے کہ اپنے بولنے کی بہ نسبت سننے کو زیادہ پسند کرے۔ اس لیے چاہئے کہ جب تک دوسرا بولے' خود کو چپکا رہے کیونکہ سننے میں سلامتی ہے اور کہنے میں بات کو چمکدار بنانا اور کم و بیش کرنا وغیرہ آفت ہیں۔

فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پاک کرنے کے لئے سب سے زیادہ مستحق آدمی کی زبان ہے۔

حکایت: حضرت ابوداؤد رضی اللہ عنہ نے ایک عورت زبان دراز دیکھی۔ فرمایا کہ اگر یہ گونگی ہوتی تو اس کے لیے اچھا ہوتا۔

فائدہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دو باتوں سے آدمی کی تباہی ہے' مال زائد سے اور کلام زائد سے مذمت کلام فضول اور زائد کی اور اس کا سبب و علاج وہی ہے جو پہلی آفت میں گزرا۔

امور باطلہ کی گفتگو: یہ بھی کلام فضول میں داخل ہے مگر اس میں اور پہلی دو آفتوں میں فرق ہے کہ وہ دونوں مباح تھیں۔ انہیں حرمت نہ تھی اور امر باطل وہ ہے جس میں علاوہ زائد مطلب ہونے کے حرمت بھی پائی جائے۔ مثلاً گناہوں کی باتیں کرنا یا عورتوں کا ذکر کرنا یا مجلس اور برے لوگوں کے جلسوں کا بیان کرنا یا بادشاہوں اور دولت مندوں کی عیاشی اور ان کے دوسرے افعال مکروہ کا ذکر کرنا۔ یہ تمام اس تیسری قسم میں داخل ہیں اور قطعاً" ناجائز و حرام ہیں اور یہ آفت اسی طرح پیدا ہوتی ہے کہ پہلے کلام بے فائدہ اور زائد مطلب کے کہنے کی عادت ہوتی ہے' پھر رفتہ رفتہ ایسی باتوں کا عادی ہو جاتا ہے کہ اکثر لوگ بطور تفریح باتیں کرنے بیٹھتے ہیں مگر باتیں جب ہوں گی تو ایسی ہوں گے کہ کسی کی آبرو کا ذکر ہو یا امور مذکورہ بالا میں سے کوئی ہو۔

انتباہ: چونکہ امور باطلہ کی کوئی حدود حصر نہیں' ان کے انواع و اقسام بے شمار ہیں اسی وجہ سے ان سے بچنا بھی سوا اس کے نہیں ہو سکتا کہ جو امر دین و دنیا کے اہم ہیں' ان کے سوا اور کچھ نہ کہے کیونکہ اس آفت میں مبتلا ہونے سے بعض اوقات آدمی تباہ و ہلاک ہو جاتا ہے اور وہ خود اپنے ذہن میں اس بات کو معمولی سمجھتا ہے۔

حدیث: حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کوئی کلمہ اللہ تعالیٰ کو خوشی کا کہتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ اس سے کوئی بڑی رضامندی حاصل ہوگی مگر اللہ عزوجل اسی کی وجہ سے قیامت تک کی رضامندی لکھ لیتا ہے اور کبھی اس سے کوئی کلمہ ناراضگی کا سرزد ہو جاتا ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس سے ناراضگی زیادہ ہوگی مگر اللہ تعالیٰ اس سے اپنی ناراضگی قیامت تک لکھتا ہے۔

فائدہ: حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اکثر باتوں سے مجھے حدیث بلال بن حارث نے روک دیا۔

حدیث: ان لرجل لیتکلمه بالکلمنه یضحک بها حلسانه و یهوی بها ابعد من الثریا ترجمہ: (آدمی ایک بات بولتا ہے جس سے کہ اپنے ہم نشینوں کو خوش کرتا ہے لیکن اس کی وجہ سے ثریا سے وہ دور گر پڑتا ہے۔)

فائدہ: حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ انسان کبھی بے پرواہی سے ایسی بات کہہ بیٹھتا ہے کہ اس کے سبب سے دوزخ میں جا پڑتا ہے اور کبھی ایسی بات کہتا ہے کہ اس کے سبب سے اسے جنت کے مدارج عنایت ہوتے ہیں۔

حدیث: حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اعظم الناس خطا یا یوم القیامنه اکثرهم خوضا فی الباطل ترجمہ: (سب سے بڑی خطا میں قیامت کے دن وہ ہوگا جو اکثر امر باطل میں غور و خوض کرتا ہوگا۔)

فائدہ: اسی طرف اشارہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ترجمہ: (اور تھے بات میں غور و خوض کرنے دھنسنے والوں کے ساتھ۔) اور اسی آیت میں فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ (النساء 140) ترجمہ کنزالایمان: تو ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک وہ اور بات میں مشغول نہ ہوں ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو۔

فائدہ: حضرت سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن زیادہ تر خطاوار وہی ہوگا جس نے اللہ کی بے فرمانی کی باتیں زیادہ کی ہوں گی۔

حکایت: حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری کی مجلس سے جب کوئی گزرتا تو کہا کرتا کہ وضو کر لو، اس لیے کہ تم جو باتیں کر رہے ہو ان میں سے بعض حدیث سے بھی زیادہ بری ہیں۔ ذکر باطل اس کا نام ہے اور یہ غیبت و چغلی اور گالی وغیرہ کے علاوہ ہے بلکہ یہ ایسا حال مکرہ بیان کرنا کہ جس کا وجود پہلے ہو چکا ہو۔ حالانکہ کوئی ضرورت دینی اس کے ذکر کے باعث نہ ہوئی ہو اور اس میں داخل ہے بدعات کا نقل کرنا اور جھوٹے مذہبوں کی حکایات اور صحابہ کے جھگڑوں کو بیان کرنا جس سے یہ وہم ہو کہ کوئی ان میں سے خطا پر تھا تو یہ باتیں بیکار ہیں، اللہ تعالیٰ بچائے۔ (آمین بجاہ حبیب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم)

دوسروں کی بات کاٹنا اور جھگڑا: احادیث مبارکہ 1: حدیث شریف میں بات کاٹنے کو منع فرمایا ہے لا تمار اخاک والا تمارخه ولا تحذه موعدا فتخلفه ترجمہ: (اپنے بھائی کی بات نہ کاٹ اور نہ اس سے مذاق کر اور نہ ایسا وعدہ کر جس کا تو خلاف کرے۔)

حدیث 2: فرمایا اترک ذکر المواء فانه لا تفهم حکمته ولا تومن فتننه ترجمہ: (بات کاٹنا چھوڑ دو کیونکہ نہ اس کی حکمت سمجھی جاتی ہے اور نہ اس کے فتنہ سے مامون رہا جاتا ہے۔)

حدیث 3: فرمایا من ترک المراء وھو الحق بن لہ بیت فی اعلیٰ الجننہ ومن ترک المراء وھو باطل بنی لہ بیت فی عریض الجننہ ترجمہ: (جو شخص بات کاٹنا چھوڑ دے اور حق پر ہو' اس کے لیے جنت میں اعلیٰ مکان بنایا جاتا ہے اور اگر جھگڑا کو ترک کر کے فارغ ہو تو وسط جنت میں اس کے لیے مکان بنایا جاتا ہے۔)

حدیث 4: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ ان اول ما عھد لی ربی ونھانی عنہ بعد عبادۃ الاوثان و بعد شراب الخمر کلا حاتہ الرجال ترجمہ: (اول جو عہد مجھ سے میرے رب نے لیا اور مجھ کو اس سے منع کیا' بتوں کی عبادت اور شراب پینے کے بعد لوگوں سے جھگڑا کرنے سے۔)

حدیث 5: فرمایا ماضل قوم بعد ان ھدا ھم اللہ تعالیٰ الا اوتوا الجدل ترجمہ: (نہیں گمراہ ہوئی کوئی قوم بعد اس کے اللہ نے ان کو ہدایت کی مگر انہیں خصومت دی گئی۔)

حدیث 6: فرمایا لا ینکمل عبد حقیقنہ الایمان حتی یدع المراء وان کان حقًا ترجمہ: (نہیں پورا کرتا ہے کوئی بندہ ایمان کی حقیقت کو یہاں تک کہ بات کاٹنی چھوڑ دے' اگرچہ حق پر ہی ہو۔)

حدیث 7: فرمایا کہ جس میں چھ خصلت ہوں' وہ ایمان حقیقی کے درجہ کو پہنچتا ہے۔ (1) روزہ رکھنا گرمیوں میں (2) دشمنان اللہ کو تلوار سے کاٹنا (3) بارش اور بادل کے دن میں نماز جلد ادا کرنا (4) مصیبت پر صبر کرنا (5) باوجود تکلیف کے وضو پورا کرنا (6) باوجود حق کی طرف ہونے کے اعتراض اور جھگڑا نہ کرنا۔

اقوال اسلاف صالحین: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ قرآن کی کسی بات میں کسی سے جدال نہ کرنا' تجھے لوگوں کے سامنے تاب نہ ہوگی اور سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دستور العمل بنانا۔

2 - حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی دین میں زیادہ اعتراضات کے درپے ہوتا ہے' وہ اکثر بدلتا رہتا ہے۔ (یہی وجہ ہے جو اہلسنّت سے نکل کر دوسرے مذہب میں جاتا ہے تو آگے بڑھتا رہتا ہے۔ دیوبندی سے وہابی' پھر منکر حدیث' پھر نیچری آخر میں دہری والانا شاء)

3 - حضرت مسلم بن یسار فرماتے ہیں کہ اعتراض سے بچو کیونکہ تکرار کے وقت عالم جاہل ہو جاتا ہے اور اس وقت شیطان اس کی لغزش کے درپے ہوتا ہے۔

4 - حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جدال کو دین سے کوئی تعلق نہیں اور یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ جھگڑا کرنے سے دل سخت ہو جاتا ہے اور دلوں میں کینہ کا بیج بویا جاتا ہے۔

5 - حضرت لقمان حکیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ علماء سے نہ جھگڑنا ورنہ تجھ سے عداوت کریں گے۔

6 - بلال بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کسی کو جھگڑالو' شرارتی اور خود رائے دیکھو تو جان لو کہ خسارہ اس پر ختم

ہے۔

7- حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جھگڑا ایسی بلا ہے کہ بالفرض میں اپنے بھائی سے انار میں جھگڑوں' وہ کہے شیریں' میں کہوں کھٹا تو وہ حاکم کے یہاں میرا مقدمہ لے جائے۔ نیز فرمایا کہ جس سے چاہو صفائی حاصل ہو سکتی ہے اور ذرا سے جھگڑے میں انسان کو ایسا غصہ آسکتا ہے کہ کبھی ایسی مصیبت میں پھنسا دے جس سے زندگی تلخ ہو۔

8- حضرت ابن ابی لیلےٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے دوستوں سے تکرار نہیں کرتا کیونکہ یہ دو حال سے خالی نہیں۔ (1) اسے جھٹلاؤں گا۔ (2) اسے غصہ دلاؤں گا۔

9- حضرت ابو دردا فرماتے ہیں کہ سالک کو یہی گناہ کافی ہے کہ ہمیشہ بحث کرتا پھرے۔

حدیث: حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا تکفیہ لکل لحاء رکعتان ترجمہ: (ہر بحث کرنے والے کا کفارہ دو رکعت نماز (نفل) ہے۔

10- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ علم تین باتوں کے لیے نہ سیکھنا چاہئے اور تین باتوں کی وجہ سے اس کی تحصیل سے محروم نہ ہونا چاہئے۔ بحث و فخر و ریا کے لیے نہ سیکھنا چاہئے اور حیا اور زہد کے باعث اور جہالت پر راضی ہونے کے سبب سے بھی اس کی تحصیل لائق نہیں۔

11- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جو زیادہ جھوٹ بولتا ہے۔ اس کی خوبی جاتی رہتی ہے اور جو لوگوں سے جھگڑتا ہے' بے مروت ہو جاتا ہے اور جس کو رنج بہت ہوتا ہے' اس کا جسم مریض ہو جاتا ہے اور جس کی عادت اچھی نہیں ہوتی' اس کی جان عذاب میں رہتی ہے۔

12- حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ آپ کسی کو عداوت کی وجہ سے ترک نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا کہ نہ میں کسی سے دل لگی کروں' نہ بحث و تکرار' پھر عداوت کی کیا وجہ ہے؟ بہرحال مراء اور جدال کی برائیاں حد و بیشمار سے زائد ہیں۔

مراء کیا ہے؟: مراء یہ ہے کہ دوسرے کی بات میں ازراہ اعتراض لفظوں' الفاظ یا معانی یا ارادہ میں خلل ظاہر کرنا۔ لفظوں میں اظہار عیب یوں ہے کہ اسے کہا جائے کہ علم نحو یا لغت یا محاورہ کے خلاف کہتے ہو یا تیرے اس کلام کی تعلیم اچھی نہیں۔ اس کے الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے اور ایسا اکثر ہوتا ہے۔ جو شخص نحو کم جانتا ہے' وہ اچھی عبارت نہیں بول سکتا۔ زبان سے کچھ نہ کچھ غلط نکل جاتا ہے تو جس میں اعتراض کی عادت ہوتی ہے' وہ فوراً عیب جوئی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اظہار عیب کی کوئی وجہ نہیں ہوتی اور معانی میں طعن کرنا یہ ہے کہ کسی کو کہا جائے کہ جیسے تم لکھتے ہو' ویسے نہیں۔ اس میں فلاں فلاں غلطیاں ہیں اور ارادہ میں عیب ظاہر کرنا یہ ہے کہ مثلاً کہا جائے کہ تمہارا کلام تو درست ہے مگر تم نے اثبات حق کے لیے نہیں کہا بلکہ اس میں تمہارا کچھ اور مطلب ہے وغیرہ

وغیرہ۔

فائدہ: مسائل علمی میں اس قسم کے اعتراض واقع ہوتے ہیں تو اس کو جدال کہتے ہیں، بہرصورت دونوں بُرے ہیں، ان کو ترک کرنا چاہئے۔ جب سالک کوئی بات سنے، اگر سچ ہو تو اس کو مان لے، اگر جھوٹ ہو اور امور دینی سے متعلق نہ ہو تو خاموش رہے۔ عیب جوئی کی کوئی وجہ نہیں۔ ہاں اگر بغرض استفادہ کچھ سوال کرے تو عناد و بغض کو دخل نہ ہو اور مجیب بھی نرمی سے بتا دے تو حرج نہیں اور جدال سے یہ غرض ہوتی ہے کہ دوسرے کے کلام پر اعتراض کرکے اس کو ساکت کرنا اور اس کا نقصان و عجز ظاہر کرنا اور اس کی پہچان یہ ہے کہ متکلم کو اور طرح پر سمجھا دینا بہتر معلوم نہ ہو بلکہ جدال کرنے والا اسی بات کو ضروری جانے کہ میں ہی متکلم کا قصور علانیہ بتلاؤں تاکہ میری فضیلت اور اس کی کمی واضح ہو جائے۔

علاج مرض مراء: اس کا علاج یہ ہے کہ جس بات کے نہ کہنے میں گناہ ہو، اس سے بھی سکوت اختیار کرے اور مراء اور جدال کا سبب یہی ہے کہ آدمی اپنی فضیلت اور برتری دوسروں پر ان کی کمی کے اظہار سے چاہتا ہے اور یہ دونوں خواہش نفس کے امراض میں سخت ہیں۔ اظہار فضیلت خود ستائی ہے جو بڑائی اور بزرگی یعنی صفات ربوبیت ہے اور دوسرے کو ناقص جاننا صفات سبعی (درندگی) کے مقتضا سے ہے کیونکہ درندہ بھی یہی چاہتا ہے کہ دوسرے کو چیرے پھاڑے یا صدمہ و ایذا پہنچائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ دونوں صفتیں سالک کے حق میں مہلک ہیں اور ان کو مراء اور جدال سے طاقت مل جاتی ہے۔ پس جو کوئی جدال کرتا رہے گا اور ان صفات مہلکہ کو تقویت پہنچاتا رہے گا تو یہ معاملہ حد کراہت سے بڑھ کر معصیت میں داخل ہے بشرطیکہ دوسرے کو ایذاء پہنچے اور بحث اور تکرار میں یہ بات تو ہمیشہ ہی رہتی ہے کہ دوسرے کو ایذا پہنچے اور غصہ آئے اور اعتراض کے جواب میں اپنے کلام کی تائید کے لیے جو رطب دیا، بس حق بن پڑے، پیش کرے اور معترض کے کلام میں جو کچھ خلل سمجھ آئے، بیان کرے۔ اسی طرح بڑھتے بڑھتے آپس میں کتوں کی طرح لڑیں کہ ہر ایک کا ارادہ یہی ہوتا ہے کہ اب کی بار ایسی ہار دوں گا کہ اسے خوب دکھ اور تکلیف پہنچے اور بجز خاموشی اور عاجزی کے کچھ نہ بن پڑے۔

علاج مرض: جس پر اظہار فضیلت چاہتا ہے اور سبعیت درندگی سے جس دوسرے کو نیچا دکھانا چاہتا ہے، ان دونوں کو چھوڑ کر اس کا علم و فضل بیان کیا جائے۔ اس سے مزید علاج عجب اور غضب کی برائی میں مذکور ہوگا۔ یہاں صرف اتنا معلوم کرنا چاہیے کہ ہر ایک بیماری کا علاج اسی طریق سے ہوتا ہے کہ پہلے اس کا سبب دور کیا جائے۔

سبب مراء و جدال: ان کا سبب یہی دو چیزیں ہیں جیسا کہ بیان ہوا، ان دونوں کو دور کرنے سے علاج ان کا ہو جائے گا، پھر مراء اور جدال کے ترک کی یہاں تک مواظبت چاہئے کہ عادت اور طبیعت میں داخل ہو جائے اور نفس پر نقش پتھر کی طرح ہو۔

حکایت: حضرت سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ تم نے گوشہ نشینی کیوں اختیار کی؟ عرض کی کہ نفس پر جدال کو چھوڑنے کا مجاہدہ یونہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تو پھر اس طرح کرنا چاہئے کہ لوگوں میں بیٹھو' ان کی سنو' اپنی نہ کہو۔ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا مگر مجاہدہ نہایت سخت پایا اور واقع میں یہ صورت مجاہدہ کی بڑی مشکل ہے۔ اس لیے کہ جو شخص غیر سے غلطی سنتا ہے' اس کی اصل حقیقت کے بتانے پر قادر ہے۔ اس کو صبر کرنا بہت ہی دشوار ہوتا ہے۔

حدیث: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو حق پر ہو کر مراء کو چھوڑ دے' اس کو جنت اعلیٰ میں مکان ملے گا کیونکہ یہ امر نفس پر نہایت شاق ہے' خصوصاً مذاہب اور عقائد میں اس کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے کیونکہ باعث امر طبعی تو پہلے ہی سے یہ ہے۔

فائدہ: جب یہ معلوم ہو کہ فلاں عقیدہ کے ظاہر کرنے میں ثواب ہے تو ثواب کی حرص بڑھتی ہے اور طبیعت و شریعت ایک دوسرے کی معاون ہوتی ہیں اور یہ بھی ایک خطا ہے' ثواب نہیں کہ اپنی زبان سے اہل قبلہ کو کچھ نہ کہے اور جب کسی بد مذہب کو دیکھے تو علیحدہ تنہائی میں اسے نصیحت کرے۔ اس طرح جدال کی بو نہ پائی جائے ورنہ اس کو یہ خیال ہو گا کہ مقرر لوگ اگر چاہتے ہیں تو تقریر سے دوسرے کو خاموش کر دیتے ہیں' ایسا ہی کچھ یہ بھی کرتے ہیں۔ اس خیال میں بد مذہبی اس کے دل میں پختہ ہو جائے گی۔ پس نرمی سے بطور خیر خواہی اسے سمجھانا چاہئے۔ اگر مان لے فبہا ورنہ وہ جانے اس کا کام' پھر اس سے کنارہ کرے۔

حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رحم اللّٰہ من کف لسانہ' عن اھل القبلتہ الا با حسن ما یقدر علیہ ترجمہ: (اللہ بندے پر رحم کرے جو اہل قبلہ سے زبان روکتا ہے' سوائے اچھی بات کے جس پر اسے قدرت ہے۔)

فائدہ: حضرت ہشام بن عمرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ نے اس کلام کو سات بار فرمایا اور جو شخص جدال کا عادی ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے نفس کو عزت اور قبول زیادہ پاتا ہے تو اس میں مہلکات زور پکڑ جاتے ہیں اور جب سلطان غضب کبر' ریا' محبت' عزت و جاہ اکٹھے ہو جاتے ہیں تو مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتا کیونکہ ان میں علیحدہ علیحدہ صفت ایسی ہے کہ اس سے مقابلہ مشکل ہو جاتا ہے۔ جب سب جمع ہو گئیں تو اللہ ہی بچائے تو بچ سکتا ہے۔

مراء و جدال و خصومت کا فرق: خصومت اور مراء و جدال میں فرق یہ ہے کہ مراء اس کو کہتے ہیں کہ دوسرے کے کلام میں عیب ظاہر کرے اور سوائے اس کی تحقیر اور اپنی تفضیل (فضیلت دینا) کے اور کوئی مطلب نہ ہو اور جدال مذہبی امور میں ہوتا ہے۔ خصومت یہ ہے کہ جھگڑے سے غرض مال یا کسی کا حق لینا مقصود ہو اور یہ

کبھی بلا اعتراض ہوتی ہے اور کبھی اعتراض سے اور پہلی دونوں چیزیں بلا اعتراض نہیں ہوتیں۔

فائدہ: یاد رہے کہ خصومت بھی بری چیز ہے۔

احادیث مبارکہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا ان ابغض الرجال الی اللہ الدالخصم ترجمہ: (آدمیوں میں زیادہ برا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ جھگڑالو ہو۔)

حدیث 2: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے من جادل فی خصومنہ بغیر علم لم یزل فی سخط اللہ حتی ینزع ترجمہ: (جو شخص کسی خصومت میں بے جا لڑے، ہمیشہ اللہ کے غضب میں رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے علیحدہ ہو۔)

فائدہ: بعض اکابرین فرماتے ہیں کہ خصومت سے بچنا چاہئے۔ اس لئے کہ وہ دین کو برباد کرتی ہیں اور یہ ضرب المثل ہے کہ پرہیزگار دین میں خصومت نہیں کیا کرتے۔

حکایت: ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ ایک دن بشیر بن عبداللہ میرے پاس سے گزرے۔ مجھ سے پوچھا کہ یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ میں نے کہا کہ مجھ میں اور میرے چچازاد بھائی میں ایک شے پر جھگڑا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تمہارے باپ کا میرے اوپر حق ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ بدلہ لوں۔ یہ جان لو کہ زندگی ختم ہوتی ہے، وہ اسی میں الجھا رہتا ہے۔ میں یہ سن کر اٹھا اور گھر جانا چاہا۔ میرے مخالف نے کہا کہ کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا کہ اب میں جھگڑا نہیں کرتا۔ اس نے کہا کہ شاید اب معلوم ہو گیا کہ حق میرا ہی ہے۔ میں نے کہا یہ بات تو نہیں لیکن میں خصومت کو دور کر کے اپنے نفس کی عزت چاہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ اگر یہی بات ہے تو میرا کوئی دعویٰ نہیں، وہ شے آپ ہی کی ہے۔

سوال: جب انسان کا حق کوئی ظالم دبا لے تو اس کی طلب اور حفظ میں جھگڑا ضروری ہے، اس کی مذمت کس طرح ہو سکتی ہے؟

جواب: خصومت ہمیشہ ایک طرح نہیں ہوتی۔ کبھی جھوٹی ہے، کبھی لاعلمی میں۔ جیسے وکیل جھگڑا کرتے ہیں کہ ان کو اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ حق بجانب کون ہے مگر وکالت جس طرف سے ہو، وہ کر گزرتے ہیں اور لاعلمی میں خصومت و جوابدہی کرتے ہیں اور کبھی طلب حق میں مقدار واجب سے زیادہ طلبی کا مطالبہ ہوتا ہے اور جھگڑنے میں قدر ضرورت پر اکتفا کرے۔ زیادہ تر شرارت اور خصومت محض ایذا کے لئے یا دبانے کے لئے کرتے ہیں اور کبھی عین خصومت میں ایسے کلمات ایذا دہندہ پیش کرتے ہیں جن کی حاجت وجہ ثبوت اور اظہار حق میں کوئی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ علانیہ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ اس نزاع سے ہماری غرض صرف عناد اور مخالف ہتک ہے ورنہ ایسا مال تو میں جوتے کی نوک کے برابر نہیں سمجھتا۔ اس طرح کی خصومت بہت بری ہے۔

مسئلہ: اگر مظلوم اپنی دادرسی کے لیے شرعی حجت کرے اور شرارت اور اسراف اور قدر حاجت سے زیادہ خصومت نہ کرے اور قصد عناد و ایذا بھی درمیان میں نہ ہو تو اس کا فعل حرام نہیں مگر بہتر یہ ہے کہ جب تک بلا خصومت کام نکلے' اس وقت تک مدعی ہو' اس لئے کہ خصومت اور جھگڑے میں زبان کو حد اعتدال پر ضبط کرنا دشوار ہے۔

فائدہ: خصومت کی وجہ سے سینہ میں غصہ کا جوش اٹھتا ہے۔ اس کی وجہ سے حق تو بالائے طاق ہو جاتا ہے۔ صرف طرفین میں کینہ باقی رہ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک کی رنجش سے دوسرے کی خوشی ہوتی ہے اور اس کی راحت سے اسے بے چینی اور ایک دوسرے کی ہتک میں زبان درازیاں ہوتی ہیں۔ پس جو شخص خصومت کرتا ہے' ان بری چیزوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ دل پر تشویش غالب ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ نماز میں بھی یہی خیال رہتا ہے کہ کس طرح مخالف پر غلبہ ہونا چاہئے۔

خلاصہ: خصومت سے بات بڑھ جاتی ہے۔ طبیعت اعتدال پر نہیں رہتی اس لیے کہ گویا منشا ہر ایک کا خصومت ٹھہرتی ہے اور یہی مراء اور جدال کا حال ہے۔ تو بہتر یہی ہے کہ اس کا باب بالکل بند کیا جائے۔ اگر ضرورت ہو تو اس وقت بھی زبان اور قلب کو لوازم خصومت مذکورہ بالا سے بچائے اور یہ امر نہایت دشوار ہے۔

مسئلہ: جو شخص خصومت واجبی پر کفایت کرے' وہ گنہگار نہ ہوگا اور اس کی خصومت بری کہلائے گی' تاہم اگر شے متنازعہ فیہ سے ہاتھ اٹھالے' بہتر ہے۔

مسئلہ: اس کے پاس مال اس قدر ہو کہ اس کی کوئی پروا' ضرورت نہ رکھتا ہو۔ خصومت کرنے سے گنہگار نہیں' ترک اولیٰ ضروری ہوگا۔

فائدہ: خصومت اور مراء و جدال کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ بولنا آپس میں بول چال چھوٹ جاتی ہے اور احسن کلام کے ثواب سے محروم رہتا ہے۔

فائدہ: احسن کلام کا کم مرتبہ یہ ہے کہ موافقت ظاہر ہو اور اعتراض و طعن سے یہ امر کوسوں دور ہے' اس لیے کہ جو شخص دوسرے سے خصومت اور مراء جدال کرتا ہے' وہ دوسرے کو یا جاہل ٹھہراتا ہے یا جھوٹا۔ پھر احسن کلام کہاں رہی۔ ایسا آدمی اس حدیث کا مصداق نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لیمکننکم من الجننه طیب الکلام و الطعام ترجمہ: (تم کو جنت میں جگہ دے گا۔ طیب کلام اور کھانا کھلانے کی وجہ سے اور قرآن مجید میں ہے وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرہ 183) ترجمہ کنزالایمان: اور لوگوں سے اچھی بات کہو۔

فائدہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کی مخلوق میں سے کوئی سلام کرے تو اس کے

جواب میں تم بھی سلام کرو۔ اگرچہ وہ مجوسی ہی ہو اس لئے کہ اللہ فرماتا ہے وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ (النساء 86) ترجمہ کنزالایمان : اور جب تمہیں کوئی کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے بہتر لفظ جواب میں کہو۔ اس سے بہتر یا وہی لور مجھے تو اگر فرعون اچھا کلمہ کہے تو اس کا جواب ویسا ہی دوں۔

فائدہ : حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جنت کے بعض مکان ایسے لطیف و شفاف ہیں کہ باہر سے اندر کی چیزیں اور اندر سے باہر کی چیز محسوس ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ان لوگوں کے لیے بنایا ہے جو کھانا کھلاتے اور نرمی سے گفتگو کرتے ہیں۔

حکایت : حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک دفعہ سور خنزیر پیش ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھی طرح چلا جا' لوگوں نے عرض کیا کہ آپ اس جانور سے ایسا فرماتے ہیں۔ فرمایا مجھے برا معلوم ہوتا ہے کہ میری زبان بری بات کی عادی ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ الکلمنه الطیبنه صدقنه ترجمہ: (کلمہ پاک صدقہ ہے یعنی عمدہ لفظ بولنا بھی داخل خیرات ہے۔)

حدیث : فرمایا انقوالنار ولو بشق نمرته فانم تجد فبکلمنه طیبنه ترجمہ: (آگ سے بچو' اگرچہ خرما کے ٹکڑے سے ہو' اگر وہ نہ پاؤ تو نیک کلمہ ہی بول کر آگ سے بچو۔)

حدیث : حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ نیکی ایک آسان شے ہے۔ وہ کشادہ پیشانی اور زبان کی نرمی ہے۔

فائدہ : بعض حکماء کا قول ہے کہ نرم گفتگو پوشیدہ کینوں کو دھو ڈالتی ہے۔ ایک اور دانشور کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کلام سے ناراض نہیں ہوتا۔ شرط یہ ہے کہ ہم نشین راضی رہے۔

سبق : سالک اپنے پاس بیٹھنے والے سے اچھے کلام کرنے میں دریغ نہ کرے۔ شاید اللہ تعالیٰ اس کے بدلے محسنین کا ثواب عنایت فرمائے۔

خلاصہ : احسن گفتگو کے بہت فضائل ہیں اور خصومت و مراء اس کی ضد ہیں جس سے انسان کو وحشت ہوتی ہے۔ عیش تلخ ہو جاتا ہے' غصہ آتا ہے' دل کو رنج ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔ (آمین)

۸۔ تکلف فصاحت : کسی سے گفتگو کے لئے تمہید و مقدمات گھڑنا جیسا کہ اکثر مقررین کی عادت ہے۔ اس طرح کا تکلف اور تصنع مذموم ہے۔

احادیث مبارکہ : انا وانقیاء امتی براء من النکلف ترجمہ: (میں اور میری امت کے پرہیزگار تکلف سے بیزار ہیں۔)

حدیث 2: فرمایا ان ابغضکم الی وا بعدکم منی مجلسا الثرثارون المتنطعون او المتشدقون فی الکلام
ترجمہ: (تم میں سے میرے نزدیک برے اور نشست میں مجھ سے دور وہ لوگ ہیں جو بکواس اور زیادہ باتیں اور گفتگو میں بناوٹ کرنے والے ہیں۔)

حدیث 3: حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ نے **فرمایا** شرار امتی الذین غذو ابالنعیم یا کلون الوان الطعام ویلبسون الوان الشباب یتشدقون فی الکلام ترجمہ: (میری امت میں سے برے لوگ وہ ہیں جو دولت سے پرورش پاتے ہیں کہ قسم و قسم کے طعام کھاتے ہیں اور انواع لباس پہنتے ہیں اور کلام میں تکلف کرتے ہیں۔

حدیث 4: فرمایا الا ھلک المتنطعون ترجمہ: (خبردار ہو ہلاک ہوئے مبالغہ کرنے والے۔) اس جملہ کو تین بار ارشاد فرمایا۔ تنع کے معنی تعمق اور مبالغہ کے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کلام میں بلبلانا شیطان کی طرف سے ہے۔

حکایت حضرت عمر بن سعد رضی اللہ عنہما ایک دن اپنے باپ کی خدمت میں کچھ حاجت لے کر آیا اور اس کے لیے ایک تمہید بیان کی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جتنی لمبی تمہید حاجت کے لئے آج تو نے بیان کی' کبھی نہیں کی تھی۔ میں نے سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ کلام کو ایسا چبائیں گے جیسے گائے گھاس چباتی ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بیٹے کی حاجت سے پہلے کی تمہید بری معلوم ہوئی اور اس کو سراسر تصنع اور تکلف جانا اور یہ مذموم ہے اور آفات لسان سے ہے۔

مسئلہ: وہ قافیہ بندی کہ عادت سے خارج ہو' وہ اس میں داخل ہے۔ گفتگو اور بول چال میں بھی ایسا تکلف ممنوع ہے۔

حدیث: جب حضور ﷺ نے ایک بچہ مردہ کے عوض غلام آزاد کر دینے کا حکم فرمایا تو ایک شخص بول اٹھا جس کے سبب سے وہ بچہ ضائع ہوا تھا کہ ہم ایسے کا کس طرح خون بہا دیں جس نے نہ پیا' نہ کھایا' نہ رویا' نہ چلایا۔ ایسا خون بہا معافی میں کیوں نہ آیا؟ آپ نے فرمایا کہ کیا جاہلوں کی طرح فقرہ بندی کرتے ہو۔

فائدہ: آپ کو یہ قافیہ اثنائے گفتگو میں برا محسوس ہوا اور واقع میں ایسے کلام میں تکلف کا اثر صاف معلوم ہوتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ کلام اس طرح کرے کہ مقصود حاصل ہو جائے اور مطلب صرف دوسرے کو سمجھانے سے ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے' وہ تکلف میں داخل نہیں جیسے خطبہ اور وعظ میں ملا۔ افراط و مبالغہ کرتے ہیں کیونکہ مقصود وعظ و تذکیر سے دلوں کو شوق دلانا اور تحریک اور قبض و بسط ہے اور الفاظ کی خوبی کو اس میں بڑی تاثیر ہے تو

اس میں عمدہ الفاظ اور موقع کا ہونا بجا ہے مگر جو محاورے کہ روزمرہ کی حاجت میں بولے جاتے ہیں' ان میں وزن و قافیہ کی ضرورت نہیں تو ان میں اور تکلف اور زبان کے ہیر پھیر کا کیا فائدہ؟ یہ سراسر مذموم ہے اور اس تمام تصنع کا سبب ریا اور اپنی فصاحت و بلاغت کا اظہار ہوتا ہے جو شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے۔

فحش گوئی اور گالی گلوچ: یہ بھی مذموم اور ممنوع ہے اور اس کا منشا خبث باطنی اور کمینہ پن ہے۔

احادیث مبارکہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایاکم والفحش فان اللّٰہ لا یحب الفحش والفحش ترجمہ: (خود کو فحش سے بچاؤ کہ اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا فحش اور تفحش کو یعنی حد سے گزرنے اور بے ہودہ بکنے کو۔)

حدیث 2: فرمایا لیس المومن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذی ترجمہ: (نہیں ہوتا ہے مومن طعنہ کرنے والا' لعنت کرنے والا اور زبان دراز نہیں ہوتا۔)

حدیث 3: فرمایا الجنۃ حرام علی کل فاحش ان یدخلھا (ہر بیہودہ گو پر جنت میں داخل ہونا حرام ہے۔)

حدیث 4: فرمایا کہ چار آدمی ایسے ہوں گے کہ دوزخ کے لوگوں کو باوجود ان کی ایذا کے اور ایذا دیں گے یعنی وہ تو اپنی مصیبت میں ہوں گے کہ کھولتا ہوا پانی اور آگ میں دوڑ رہے ہوں گے اور اپنی خرابی و تباہی پکار رہے ہوں' اس پر وہ چاروں اور زیادہ جلوں کو جلائیں گے۔ ان میں سے ایک شخص ایسا ہوگا کہ اس کے منہ سے پیپ اور خون بہتا ہوگا تو اس سے پوچھیں گے کہ اے پھٹکارے ہوئے بتا تیرا کیا حال ہے؟ تو نے ہم کو دکھ پر دکھ دیا' وہ کہے گا کہ جو کلمہ برا اور فحش خبث مجھ کو آتا تھا' اسے کہہ کر جماع کا سا مزہ لیا کرتا تھا۔

حدیث 5: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا "اے عائشہ اگر کوئی فحش گو ہوتا تو بڑا بد ہوتا۔"

حدیث 6: فرمایا البذاء والبیان شعبتان من النفاق ترجمہ: (فحش اور بیان نفاق کے دو شعبے ہیں۔)

فائدہ: اس حدیث میں بیان کے کئی معانی ہو سکتے ہیں۔ (1) جو شے ظاہر کرنے کی نہ ہو' اسے بیان کرنا یعنی ظاہر کرنا۔ (2) بیان سے مبالغہ مراد ہو یعنی چیز کو ایسے مبالغہ سے کہنا کہ تکلف میں داخل ہو جائے۔ (3) امور دینی اور صفات الٰہی کا بیان مراد ہو کیونکہ ان چیزوں کا مجملاً" عوام کے کان میں ڈال دینا اچھا ہے' بہ نسبت اس کے کہ ان میں مبالغہ کیا جائے' اس لیے کہ غالب درجہ کے بیان سے شک و شبہ پیدا ہوتا ہے اور وسوسے اٹھتے ہیں اور مجمل کہہ دینے سے دل فوراً اس کے ماننے کی طرف مائل ہو کر مطمئن ہو جاتا ہے مگر چونکہ حدیث شریف میں اس لفظ کو بذاء یعنی بکنے کے ساتھ ذکر فرمایا ہے و غالب یہی معانی معلوم ہوتا ہے کہ بیان سے غرض یہی ہے کہ جس بات سے

شرم آتی ہو' اسے زور زور سے کہے اور شبہ نفاق اس وجہ سے ہے کہ ایسے امور میں اغماض اور تغافل ہی برتنا چاہئے' کھول کر بیان نہ کرے۔

حدیث 7: فرمایا ان اللہ لا یحب الفاحش المتفحش الصباح فی الا سواق ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا فاحش' بیہودہ گو باز' اوروں میں چیخنے والے کو۔)

حدیث 8: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا تھا اور میرے والد گرامی میرے آگے بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا ان الفحش والتفاحش لیسا من الاسلام فی شئی وان احسن الناس اسلاما احسنھم اخلاقا (فحش اور بیہودہ گوئی اسلام میں کسی شے میں شمار ہیں اور اچھا اسلام میں وہ ہے جو ان سب میں حسن اخلاق ہو۔)

فائدہ: حضرت ابراہیم بن میسرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسا سنا ہے کہ فحش اور جھگڑوالا قیامت کو کتے کی صورت یا اس کے پیٹ میں ہو کر آئے گا۔

فائدہ: حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تم کو سب سے برا عمل سمجھائے دیتا ہوں' وہ ہے زبان جھگڑ باز اور کمینی عادت' پس اس سے فحش کی مذمت ہوئی۔

فحش کیا ہے؟: فحش اس کا نام ہے کہ امور قبیحہ کو صریح الفاظ سے ذکر کیا جائے۔ مثلاً شرمگاہ کا نام لینا وغیرہ۔ جیسا کہ اکثر مسخرے دن رات بکا کرتے ہیں اور نیک بخت لوگ۔ ایسی چیزوں کا کنایتہ" نام لینے سے بھی شرماتے ہیں اور ضرورت کے وقت اشارہ کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ حیا والا ہے۔ گناہ کو معاف کرتا ہے اور ایسے الفاظ اشارتاً بیان فرماتا ہے۔ مثلاً صحبت کو لمس کے لفظ سے اشارہ کیا ہے۔ پس جماع کے لیے صحبت اور وقاع اور لمس اور دخول وغیرہ الفاظ کنایتہ" ہیں جن میں فحش نہیں مگر اس کے لئے بعض الفاظ ایسے مستعمل ہیں کہ ناگفتہ بہ ہیں۔ ان سے اکثر گالی وغیرہ دیتے ہیں اور ان میں سے بھی بعض میں فحش زیادہ ہے اور بعض میں کم اور مختلف ممالک و دیار میں عادات کے اختلاف سے ان میں بھی اختلاف ہے۔ بہرصورت ان میں سے کمتر درجہ کے مکروہ ہیں اور زیادہ درجہ کے ممنوع اور ان دونوں کے درمیان کے الفاظ بھی خالی از خرابی نہیں اور کچھ فحش جماع پر ہی موقوف نہیں' ہر ایک امر مکروہ کو ایسا ہی خیال کرنا چاہئے۔ مثلاً قضا حاجت کے لئے اگر پاخانہ اور پیشاب کہیں تو اور الفاظ کی نسبت بہتر ہے۔

خلاصہ: جو الفاظ مکروہ ہیں' ان کو صراحتا" ذکر کرنا چاہئے ورنہ فحش میں داخل ہوگا۔ اسی طرح عورتوں کا ذکر بھی کنایتا" مناسب ہے۔ مثلاً یوں نہ کہنا چاہئے کہ تمہاری بیوی نے یہ کہا بلکہ کہنا چاہئے کہ گھر میں یہ کہا یا پردہ سے یہ

آواز آئی یا بچوں کی ماں نے یہ کہا۔ خلاصہ یہ کہ ایسے الفاظ میں کنایہ ہی بہتر ہے۔ تصریح سے فحش ہو جائے گا۔ علی ہذا القیاس جس کسی کو کمن کی بیماری ہو' مثلاً برص جذام و بواسیر وغیرہ کے تو ان کا ذکر کرنا بھی اچھا نہیں بلکہ اس طرح ذکر کرے کہ فلاں کو سخت بیماری ہے یا اور کوئی ایسا ہی لفظ کہے' تصریح سے بیان کرنا فحش اور آفت لسان میں داخل ہے۔

حکایت: حضرت علاء بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو بغل میں پھوڑا نکلا اور ان کی عادت تھی کہ زبان کی حفاظت بہت کرتے تھے۔ ہم ان کی عیادت کو گئے کہ دیکھیں اس میں کیا کہیں گے۔ ہم نے پوچھا کہ کہاں نکلا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاتھ کے اندر کی طرف۔

فائدہ: فحش کا سبب ایذا ہے۔ یہ بروں کی صحبت سے عادت پڑ جاتی ہے کہ اکثر ان کی عادت گالی ہوتی ہے۔

حکایت: ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرتا رہ۔ تجھ میں کوئی بات دیکھ کر اگر کوئی تجھ کو عارہ دلائے تو اس کی بات دیکھ کر اس کو عارہ نہ دینا یعنی اگر کوئی برا کہے تو اس کے جواب میں ویسے نہ کہہ۔ اس میں اس کے اوپر وبال رہے گا اور تجھ کو ثواب ملے گا اور کسی چیز کو گالی مت دینا۔ اعرابی کہتا ہے کہ میں نے کبھی گالی نہ دی۔

حکایت: حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ ایک آدمی جو رتبہ میں مجھ سے کم ہے' مجھے گالیاں دیا کرتا ہے۔ اجازت ہو تو میں بھی اس سے بدلہ لے لوں۔ آپ نے فرمایا کہ گالی گلوچ کرنے والے دونوں شیطان ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کو جھٹلاتے اور تہمت لگاتے ہیں۔

حدیث: فرمایا سباب المومن فسوق وقتاله کفر ترجمہ: (مومن کو گالی دینا فسق اور اس کا قتل کفر ہے۔)

حدیث: فرمایا کہ لڑنے والے جب گالی دیں تو گالی اس پر پڑتی ہے جس سے ابتدا ہو بشرطیکہ مظلوم حد سے نہ بڑھ جائے۔

حدیث: فرمایا کہ جو آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے' اس کو اللہ کی پھٹکار ہے۔

حدیث: ایک روایت میں ہے کہ یہ تمام کبائر سے بڑا گناہ ہے کہ آدمی اپنے والدین کو گالی دے۔ عرض کیا گیا کہ آدمی ماں باپ کو کیسے گالی دے گا؟ آپ نے فرمایا کہ دوسرے کے ماں باپ کو گالی دے اور وہ جواب میں اس کے ماں باپ کو گالی دے تو گویا اس گالی کا سبب یہی ہوا۔

لعنت کی خرابیاں: لعنت کرنا امر حیوان اور انسان اور جمادات کے لئے سب کے لیے برابر ہے۔

احادیث مبارکہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المومن لیس یلعان ترجمہ: (مومن لعنت کرنے والا نہیں۔)

حدیث 2: فرمایا تلا عنوا بلعنتہ اللہ ولا بغضبہ ولا بجھنم ترجمہ: (آپس میں ایک دوسرے کو لعنت نہ کرو' اللہ کی لعنت اس کے غضب سے جہنم ہے۔)

حدیث 3: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس قوم نے ایک دوسرے کو لعنت کی' ان پر اللہ کی مار ہوئی۔

حدیث 4: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے۔ ایک انصار کی عورت ایک اونٹنی پر سوار تھی۔ اس اونٹنی نے کچھ برائی کی تو عورت نے کہا کہ تجھ پر اللہ کی لعنت۔ آپ نے فرمایا کہ اس اونٹنی کا بوجھ وغیرہ اتار کر ننگا کردوں کہ اب تو وہ ملعون ہو چکی۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ اونٹنی گویا میری نظروں میں پھرتی ہے کہ لوگوں میں پھرتی تھی۔ کوئی اس کی مزاحمت نہ کرتا تھا۔

حدیث 5: حضرت ابو دردا فرماتے ہیں کہ جب کوئی زمین کو لعنت کرتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ جو ہم سے زیادہ اللہ جل شانہ کا بے فرمان ہو' اس پر لعنت ہو۔

حدیث 6: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ کسی اپنے غلام کو لعنت کرتے تھے۔ آپ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے ابوبکر کیا صدیق بھی لعنت کرتے ہیں؟ کلا ورب الکعبۃ ترجمہ: (ہرگز نہیں خدائے کعبہ کی قسم) اس جملہ کو کئی بار ارشاد فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسی دن غلام کو آزاد کردیا اور آپ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ اب میں کبھی ایسی خطا نہ کروں گا۔

حدیث 7: فرمایا کہ ان الاعنین لا یکونون شفعاء ولا شھداء یوم القیامۃ ترجمہ: (بے شک لعنت کرنے والے قیامت میں نہ شفیع ہوں گے' نہ گواہ۔)

حدیث 8: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب اونٹ پر سوار جا رہا تھا' اس نے اپنے اونٹ کو لعنت کی۔ آپ نے فرمایا کہ اے عبداللہ ملعون اونٹ پر ہمارے ساتھ چلو اور یہ اس لیے فرمایا کہ اس کو معلوم ہو کہ آپ کو اس کا لعنت کہنا برا محسوس ہوا۔

لعنت کیا ہے؟: لعنت کا معنی ہے کسی کو اللہ کے یہاں سے دور نکال پھینکنا۔ پس یہ لفظ بولنا اسی پر درست ہوگا جس میں ایسی صفت پائی جائے کہ جس سے اللہ تعالیٰ سے بعد ہوتا ہے اور وہ صف کفرو ظلم ہے تو یہ جائز ہے کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت اور کافروں پر اللہ کی لعنت۔

خلاصہ: یہ جس طریقہ پر شرع میں وارد ہے' انہیں الفاظ سے کہنا چاہئے کیونکہ لعنت میں خطرہ بھی ہے' اس لیے کہ یہ غیب دانی کا دعویٰ ہے کہ اس کے ملعون کو اللہ نے دور کر دیا۔ یہ بات تو سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جان سکتا یا اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ فرما دے تو ان کو اس کا علم ہو سکتا ہے۔

جو صفات مقتضی لعنت کے ہیں' وہ تین ہیں۔ کفر' بدعت' فسق اور ان میں لعنت کرنے کے تین طور ہیں۔ (1) وصف عام کے ساتھ لعنت کرے مثلاً یوں کہے کہ کافروں اور بدعتوں اور فاسقوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ (2) وصف کو اس سے کچھ خاص کرکے کہے جیسے اللہ کی لعنت یہود و نصاریٰ و مجوسی و قدریہ و خوارج درافض و زانی و ظالم و سودخور پر اور یہ دونوں قسمیں جائز ہیں مگر اہل بدعت پر لعنت کہنے میں تردد ہے کیونکہ بدعت کا پہچاننا امر مشکل ہے۔ حدیث شریف میں کوئی لفظ اس کے لیے وارد نہیں تو عوام کو اس سے روکنا چاہئے ورنہ لوگوں میں نزاع اور فساد پیدا ہو گا۔ (3) طور لعنت کا یہ ہے کہ کسی شخص معین پر ہو اور یہ محل خطر ہے۔ مثلاً زید اگر کافر یا فاسق یا بدعتی ہے تو اس کو نہ کہنا چاہئے کہ زید پر لعنت ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس شخص پر شرع میں لعنت ثابت ہوئی ہو' اس کے کہنے میں مضائقہ نہیں مثلاً یوں کہنا کہ فرعون یا ابوجہل پر اللہ کی لعنت کیونکہ شرعاً" ثابت ہے کہ یہ دونوں کفر پر مرے لیکن اس زمانہ کے کسی شخص معین کو گو وہ کافر ہی کیوں نہ ہو' لعنت کرنا اچھا نہیں۔ شاید وہ مرنے سے پہلے توبہ کر لے اور ایماندار ہو جائے تو پھر کس طرح اس کو اللہ کی لعنت سے دور کہہ سکتے ہیں؟

سوال:۔ جیسے مسلمان کو حالت اسلام میں رحمتہ اللہ کہہ سکتے ہیں' ایسے ہی کافر کو بھی جب وہ کفر کی حالت میں لعنت کرنا درست ہو۔ جیسے کافر میں احتمال ہے کہ مسلم ہو کر مرے' ویسے ہی مسلمان میں شبہ ہے کہ کافر ہو کر مرے؟

جواب: رحمتہ اللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ اس کو مرتے دم تک مسلمان رکھے جس سے قابل رحمت ہو اور یہ بات لعنت میں ممکن نہیں یعنی نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ فلانے کو کافر رکھے جو لعنت کا سبب ہو' اس لیے کہ یہ کفر کا سوال ہے اور ایسا سوال خود کفر ہے۔ ہاں اگر یوں کہے تو ہو سکتا ہے کہ اگر کفر پر مرے تو اللہ کی لعنت ہو ورنہ اگر اسلام پر مرے تو لعنت نہ ہو اور یہ طریقہ خالی از خطرہ نہیں' اس لیے کہ تردد ہی رہا۔ یہ حال معلوم کیسے ہو سکتا ہے کہ اگر خاتمہ ہو گا اور لعنت نہ کرنے میں کچھ بھی خطرہ نہیں۔ پس جب کافر کا حال یہ ہوا تو ظاہر ہے کہ فاسق اور بدعتی کو بطریق اولیٰ لعنت نہ کرنا چاہئے۔ اس لیے کہ آدمی کا حال ہمیشہ یکساں نہیں رہتا۔ کیا معلوم کہ انجام کو کیسا ہو جائے البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معلوم کر سکتے تھے کہ اس کا انجام کیسا ہو گا۔ اسی لیے کہ جن لوگوں کا حال معلوم ہو گیا تھا' ان پر دعا کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے اللھم علیک بابی جھل بن ھشام و عتبہ بن ربیعہ ترجمہ: (الٰہی پکڑے قہر میں ابوجہل بن ہشام اور عتبہ بن ربیعہ کو اور جو لوگ کہ جنگ بدر میں مارے گئے تھے' ان کو بھی لعنت اور بددعا میں شامل فرماتے تھے مگر جس کا انجام معلوم نہ ہو' جب اس کو لعنت کرتے تو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ چنانچہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہینہ بھر دعائے قنوت میں ان لوگوں کو لعنت کرتے رہتے جنھوں نے بیر معونہ میں صحابہ لوگوں کو شہید کیا تھا۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ (آل عمران ع 128) ترجمہ: (یہ بات تمہارے ہاتھ نہیں یا انہیں توبہ کی توفیق دے یا ان پر عذاب کرے کہ وہ ظالم ہیں۔ (کنزالایمان) یعنی شاید وہ مسلمان ہی ہو جائیں۔ تم نے کیسے جانا کہ وہ ملعون ہیں' اسی طرح اگر ہم کو بھی کسی کا حال معلوم ہو جائے کہ خاتمہ کفر پر ہوا ہے تو اس کو لعنت اور برا کہنا بھی درست ہے بشرطیکہ اس میں کسی مسلمان کو ایذا نہ ہوتی ہو ورنہ اس پر بھی لعنت درست نہیں۔

حکایت: ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لیے جا رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ایک قبر کا حال پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے۔ عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ قبر سعید بن عاص کی ہے۔ یہ شخص اللہ اور رسول سے سرکشی کرتا تھا۔ اس کا لڑکا عمر بن سعید جو آپ کے ساتھ تھا' اس پر ناراض ہو کر عرض کی یا رسول اللہ یہ قبر اس شخص کی ہے' جو ابوبکر کے باپ ابو قحافہ سے زیادہ کھانا کھلاتا تھا اور اس سے زیادہ بہادر تھا۔ حضرت ابوبکر نے عرض کی کہ حضور یہ کیسی بات کہتا ہے (یعنی گستاخی کر رہا ہے۔) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منع فرمایا اور ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کفار کا ذکر کیا کرو تو عام ورنہ تخصیص میں ان کی اولاد برا مانے گی تو لوگوں نے خاص کر برا کہنا چھوڑ دیا۔

حکایت: حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ شراب پیا کرتا تھا۔ کئی بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اس کو سزا ہوئی۔ بعض صحابہ نے کہا کہ اس پر اللہ کی لعنت کہ ہمیشہ گرفتار ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا لا تکن عون الشیطان علی اخیک ترجمہ: (شیطان کا مددگار نہ ہو اپنے بھائی پر۔) بعض روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا لا تقل ہذا فانہ یحب اللّٰہ ورسولہ ترجمہ: (اسے ایسا نہ کہو' اس لیے کہ وہ اللہ و رسول سے محبت کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حب رسول صرف اتباع کا نام نہیں۔

فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی کسی کو کافر یا فاسق کہے' اگر وہ ایسا نہ ہوگا تو یہ لفظ کہنے والے پر ہی لوٹ آئے گا اور فرمایا ماشہد رجل علی رجل بالکفر الا باء بہ احدہما ان کان کافر افہو کما قال وان لم یکن کافراً فقد کفر بت کفیرہ ایاہ ترجمہ: (نہیں شہادت دیتا ہے کوئی دوسرے شخص کی مگر کہ رجوع کرتا ہے کفر ایک پر ان دونوں سے اگر وہ واقع میں کافر ہے تو جیسا کہ ویسا ہی ہے اور اگر کافر نہیں تو کہنے والا کافر ہے کہ اس کو کافر کہا۔ شخص معین کی لعنت سے روک دیا' اس سے معلوم ہوا کہ معین آدمی فاسق کی لعنت جائز نہیں۔

خلاصہ: معین لوگوں کی لعنت میں خرابی ہے۔ اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اگر بالفرض کوئی شیطان کو لعنت نہ

کرے اور سکوت اختیار کرلے تو کوئی حرج نہیں۔ شیطان سے بڑھ کر اور تو کوئی کیا ہوگا؟

لعنت بریزید: اگر یزید نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا یا قتل کی اجازت دی تو اس کو لعنت کہنا درست ہے یا نہیں؟

قتل و اجازت دونوں پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی ہیں۔ لعنت کا تو کیا ذکر ہے جب تک اس کا قتل و اجازت ثبوت نہ ہو، تب تک اس کو قاتل اور اجازت دینے والا بھی نہ کہنا چاہیے۔ اس لیے کہ قتل گناہ کبیرہ ہے۔ اس کی نسبت مسلمان کی طرف سے بلا ثبوت کامل جائز نہیں، ہاں یہ جائز ہے کہ کہا جائے کہ ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور ابولولو مجوسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، اس لیے کہ یہ دونوں واقعے تواتر سے ثابت ہیں۔

اور یہ اس وقت ہے کہ مسلمان مسلمان کو کافر کہے لیکن اگر بد مذہبی وغیرہ کے سبب سے اس کو کافر کہا تو خطاوار ہوگا، کافر نہ ہوگا لیکن وہ بد مذہبی جو کفر تک نہ ہو، بچی اور، اگر کفر ثابت ہو جائے تو اسے کافر کہنا واجب ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے حسام الحرمین شریف۔ (اویسی غفرلہ)

حدیث: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تجھ کو منع کرتا ہوں۔ مسلمانوں کو گالی نہ دینا اور امام عادل کی بے فرمانی نہ کرنا اور مردوں کے حال سے تعرض کرنا بہت سخت ہے۔

حدیث: حضرت مسروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں گیا تو انہوں نے کہا کہ فلاں کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا اس پر لعنت ہو، وہ مرگیا۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا تسبو الاموات فانھم قد افضوالی ما قدموا ترجمہ: (مردوں کو گالی نہ دو کہ وہ پہنچ گئے اپنے کئے کو)۔

حدیث: فرمایا لا تسبو الاموات فتو زوابہ الاحیاء ترجمہ: (مت گالی دو مردوں کو پس ایذا دو اس سے زندوں کو۔)

حدیث: فرمایا ایھا الناس احفظوانی و اصحابی و اخوانی و اصھادی ولا تسبوھم ایھا الناس اذا مات المیت فاذکرو امنہ خیرا ترجمہ: (اے لوگو، میرے اصحاب اور بھائیوں اور دامادوں کے بارے میں میری حفاظت کرو اور ان کو گالی نہ دو۔ اے لوگو، جب آدمی مرجائے تو ذکر کیا کرو اس کا بہتر۔)

سوال: - یہ کہنا جائز ہے یا نہیں کہ قاتل امام حسین رضی اللہ عنہ یا قتل کی اجازت دہندہ پر اللہ کی لعنت؟

جواب: بہتر ہے کہ یوں کہے اگر قاتل یا اجازت دہندہ قبل توبہ مرا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت کیونکہ یہ احتمال ہے کہ شاید بعد توبہ مرا ہو۔ مثلاً حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو حالت کفر میں شہید کیا تھا مگر بعد کو مسلمان ہوا۔ کفر اور قتل و جائز نہیں کہ کوئی ان پر لعنت کرے، علاوہ اس کے قتل گناہ کبیر

ہے۔ اس سے کافر مطلق تو نہیں ہو جاتا اسی لیے اگر توبہ کی قید نہ لگائے گا تو لعنت میں خطرہ ہے اور سکوت میں کوئی خطرہ نہیں تو سکوت ہی بہتر ہے اور ہم نے جو یزید کی لعنت کا یہاں ذکر کیا ہے تو اسی لیے کیا کہ لوگ لعنت کے متعلق فوراً زبان کھول دیتے ہیں حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ مومن لعنت کنندہ نہیں ہوتا تو چاہیے کہ جو شخص کفر پر مرگیا ہو' اس کے سوا زبان نہ کھولیں۔ اگر لعنت ہی کو دل چاہیے تو معین شخص کا ذکر نہ کریں۔ وصف عام کے طور پر لعنت کریں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا' اس سے تو یہی بہتر ہے کہ آدمی کچھ ذکر اللہ کرے اور اگر نہ ہو سکے تو چپ رہنے میں سلامتی ہے۔

حکایت: حضرت مکی بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عون رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھے' اس میں بلال بن ابی بردہ کا ذکر ہوا تو لوگ اس کی لعنت و مذمت کرنے لگے۔ ابن عون خاموش ہو کر سنتے رہے۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ تمہیں یاد ہے' اس نے تمہارے ساتھ کیا کیا تھا؟ آپ اس کو برا کیوں نہیں کہتے؟ آپ نے فرمایا کہ قیامت کو نامہ اعمال میں بھی دو باتیں ہوں گی۔ ایک لا الٰہ الا اللہ' دوسرے فلاں نے فلاں کو لعنت کی۔ مجھے اچھا یہی معلوم ہوتا ہے کہ میرے نامہ اعمال میں کلمہ لا الٰہ الا اللہ نکلے۔

حدیث: کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہی وصیت ہے کہ بہت زیادہ لعنت نہ کیا کرو اور ابن عمران فرماتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ برا وہ ہے جو کثرت سے لعن و طعن کیا کرے۔

فائدہ: بعض اکابر کا قول ہے کہ مومن کو لعنت کرنا' اس کے قتل کے برابر ہے اور حماد بن زید جو اس قول کے راوی ہیں' کہتے ہیں کہ اگر اس قول کو حدیث کہوں تب بھی کوئی مضائقہ نہیں اور واقع میں حضرت ابی قتادہ رضی اللہ عنہ سے اسی مضمون کی حدیث نقل بھی کی ہے کہ من لعن مومنا فھومثل ان یقتلہ ترجمہ: (جو شخص لعنت کرے کسی مومن پر تو وہ ایسا ہے جیسا اس کو جان سے مار ڈالے۔)

مسئلہ: کسی کو کوسنا بھی لعنت کے قریب ہی ہے۔ یہاں تک کہ ظالم کے حق میں یوں کہنا کہ اللہ اس کو اچھا اور تندرست نہ کرے اور اس کو موت آئے وغیرہ بھی برا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ان المظلوم لیدعوا علی الظالم حتی یکافیہ لم یبقی اللظالم عندہ فضلتہ یوم القیامۃ ترجمہ: (مظلوم دعا بد کرتا ہے ظالم پر جہاں تک کہ اپنا بدلہ لیتا ہے' پھر کچھ زیادتی بچی رہتی ہے' ظالم کے لیے قیامت کے روز۔)

گانے اور شعر گوئی: باب سماع میں ہم لکھ چکے ہیں کہ گانا کونسا حرام اور کونسا حلال ہے۔ اس کو دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں اور شعر کا حال یہ ہے کہ اس میں اچھا اچھا ہے اور برا برا مگر ایسا انہماک کہ مستغرق ہو جائے تو مذموم ہے۔

احادیث مبارکہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لان یمتلی جوف احدہ قیحا حتی یریہ خیر لہ من ان یمتلی ترجمہ: (اگر پیٹ بھر جائے تم میں سے کسی کا' یہاں تک کہ بگاڑ دے اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ برے شعر سے۔

حکایت: مسروق سے کسی نے کوئی شعر پوچھا تو انہیں برا محسوس ہوا۔ سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میرے نامہ اعمال میں شعر نکلے۔

حکایت: اکابر سے کسی نے کوئی شعر پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کے عوض اللہ کا ذکر کرو تو بہتر ہے۔

خلاصہ: شعر پڑھنا اور بنانا حرام نہیں ہے بشرطیکہ اس میں کوئی کلام غیر مشروع نہ ہو کیونکہ حدیث صحیح میں ہے کہ ان من الشعر الحکمۃ ترجمہ: (بے شک شعر میں حکمت بھی ہوتی ہے۔) ہاں اتنا ضروری ہے کہ شعر میں اکثر مداح امراء اور ہجو اور عورتوں کا ذکر ہوتا ہے اور اس میں دروغ' جھوٹ بھی ورنہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت انصاری کو ارشاد فرمایا تھا کہ کفار کی ہجو بیان کرو۔

مسئلہ: مدح میں مبالغہ کرنے سے کسی قدر جھوٹ بھی ہو جائے' حرمت نہیں ہوتی مثلاً سخاوت کی تعریف میں اس طرح کہا جائے۔ ولولم یکن فی کفر غیر روحہ' لجاد بہا فلتبق اللہ سائلہ ترجمہ: (کوئی اس سے جان مانگے تو وہ عذر نہ کرے گا لیکن سائل پر لازم ہے کہ وہ اس سے بچے۔) یہ سخاوت کی انتہائی تعریف ہے۔
اگر ممدوح سخی نہ ہوگا تو شاعر جھوٹا ہے ورنہ اگر سخی ہے تو شعر میں مبالغہ کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اعتقاد تو صرف اس کی مدح ہے۔ علاوہ ازیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی اشعار ایسے پڑھے گئے ہیں کہ اگر ان میں تلاش کی جائے تو بعض مضامین مبالغہ ثابت ہوگا لیکن آپ نے منع نہیں فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں ایک دن سوت کات رہی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جوتے کو ٹانکا لگا رہے تھے۔ میں نے آپ کی طرف دیکھا تو فعل جبینہ بعرق وجعل عرق ستوار نورا (احیائے العلوم 23 ج 3 مطبوعہ مصر) ترجمہ: آپ کی پیشانی مبارک عرق آلود ہے اور قطرات پسینہ نور کی بہار دکھا رہے ہیں۔ میں دیکھتے ہی اس حسن خداداد پر حیران رہ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے میری حیرانی ملاحظہ فرما کر پوچھا کہ حیران کیوں ہو رہی ہو؟ میں نے عرض کی یارسول اللہ نظرت الیک فجعل جبینک یعرق و جعل عرقک یتولا نورا ولود آک ابوکبیر الھذلی لعلم انک احق بشعرہ (احیاء العلوم 123 ج 3) ترجمہ: یارسول اللہ میں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ کی پیشانی مبارک پسینہ سے شرابور تھی اور پسینہ کے قطرات اور ظاہر کر رہے تھے۔ اگر آپ کو آج ابو کبیر ہذالی دیکھتا تو اسے یقین ہوتا کہ اس کے اشعار کے زیادہ لائق آپ ہی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اے عائشہ ابوبکر ہذلی کیا کہتا ہے؟ میں نے عرض کیا اس کے یہ دو بیت ہیں۔

ومبرا من کل غبر حقیقت وفساد مرضعنه وداء مغیل

واذنظرت الی اسنرة وجهه برقفت کبرق العارض المتهلل

(احیاء العلوم صفحہ 122 رواہ البیہقی ج 3 فی دلائل اللہ۔

مولوی نانوتوی مذاق العارفین صفحہ 179 ج 3 میں مندرجہ ذیل اشعار مذکورہ بالا اشعار کے ترجمہ میں لکھے۔

خمیر مایہ صبح ست از صفا بدنت ترا بقالب خورشید و ماہ ریختہ اند

بجیرہ عرق آلود اونگر کز سحر! ! در آفتاب قیامت نمود پردیں را

ترجمہ:۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے پاک بدن سے صبح کو سرمایہ ملا۔ آپ کو سورج و چاند کے قالب میں ڈھالا گیا ہے۔ آپ کے چہرہ عرق آلود کو دیکھو تو سحر سے آفتاب میں کہکشاں نے قیامت قائم کی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ نے اپنا کام چھوڑ کر میری پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا جزاک اللہ خیرا یا عائشہ ترجمہ: (اللہ تجھ کو جزاء خیر دے اے عائشہ رضی اللہ عنہا تو مجھ سے اتنی خوش نہیں ہوئی ہوگی جتنا میں تجھ سے راضی ہوا۔

حدیث: جب جنگ حنین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے مال غنیمت تقسیم فرمایا تو عباس ابن مرداس کو چار اونٹ مرحمت فرمائے۔ وہ چلے گئے اور ایک قصیدہ شعر اپنی زیادتی استحقاق اور شکایت آپ صلی اللہ علیہ و سلم کو لکھی۔ وہ ایک قصیدہ ہے۔ اس کے صرف دو شعر ملاحظہ ہوں۔

وما کان بدر ولا حابس یسود لن مردلس فی مجمع

وماکنت دون لمری منہا ومن تصنع القوم لایرفع عمل

اس کے اشعار سن کر آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا' اس کی زبان بند کرو یعنی اسے اور مال دے دو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسے اپنے ساتھ لے گئے اور اسے ایک سو اونٹ عطا فرمائے۔ اب وہ بہت خوش تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا اب بھی میرے متعلق اشعار کہو گے۔ اس نے معذرت کی اور عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ و سلم پر قربان ہوں۔ میں اپنی زبان پر شعر کو ایسا پاتا ہوں جیسے چیونٹی چلتی ہو۔ جب وہ چیونٹی کی طرح میری زبان کو کاٹنے لگتی ہے تو کچھ کہہ دیتا ہوں کہ کہے بغیر چارہ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ متبسم ہوئے اور فرمایا کہ عرب کے لوگ شعرگوئی نہ چھوڑیں گے جب تک کہ اونٹ بلبلاتے رہیں گے۔

ہنسی مذاق: اصل میں یہ بھی بری اور ممنوع ہے مگر تھوڑی سی مذاق میں مضائقہ نہیں۔

احادیث مبارکہ: حدیث شریف میں ہے لا تمار اخاک ولا تمازحہ ترجمہ: (اپنے بھائی کی نہ بات کاٹ نہ اس سے مذاق کر۔)

سوال:- بات کاٹنے اور اعتراض کرنے میں تو ایذا ہوتی ہے کہ دوسرے کو جھوٹا' جاہل قرار دیا جاتا ہے۔ مزاح میں تو یہ بات نہیں' اس سے صرف دل لگی ہوتی ہے؟

جواب: مزاح اگرچہ مباح ہے مگر اس کا حد سے زائد ہونا ممنوع ہے کیونکہ افراط سے قہقہہ ہو جاتا ہے جس سے دل مرجاتا ہے اور دل میں بغض پیدا ہوتا ہے اور ہیبت و وقار اٹھ جاتا ہے اور اگر ہنسی ان عیوب سے پاک ہو تو مذموم نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے فرمایا انی لا مازح ولا اقول الا حقا ترجمہ: (میں ہنسی کرتا ہوں مگر سچ کہتا ہوں لیکن یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر قادر تھے کہ ہنسی اور دل لگی میں امر حق کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ دوسرا اگر یہ عمل کرتا ہے کہ جس سے اس کے پاس والے ہنسیں اور اس کی وجہ سے دوزخ میں جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو بہت ہنستا ہے' اس کی ہیبت کم ہوتی ہے اور جو دل لگی کرتا ہے' نظروں میں حقیر ہو جاتا ہے اور جو ایک چیز کو زیادہ کرتا ہے' وہ اسی کے نام سے مشہور ہو جاتا ہے اور جو زیادہ بولتا ہے' وہ زیادہ غلطی کرتا ہے اور جو زیادہ غلطی کرتا ہے' اس میں حیا کم ہوتی ہے جس میں حیاء کم ہوتی ہے' اس کا ورع بھی کم ہوتا ہے اور جو پرہیزگاری کم کرتا ہے' اس کا دل مرجاتا ہے۔ ایک اور وجہ بھی ہے کہ ہنسی کی وجہ سے آخرت سے غفلت پائی جاتی ہے۔

حدیث: حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لو تعلمون ما اعلم لبکیتم کثیرا ولضحکتم قلیلا ترجمہ: (اگر تم جانو جو میں جانتا ہوں تو بہت روؤ اور کم ہنسو۔)

حکایت: کسی نے اپنے دوست سے کہا کہ تمہیں معلوم' خبر ہے کہ دوزخ میں جانا پڑے گا۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ اس نے کہا یہ بھی معلوم ہے کہ اس میں سے نکلنا بھی نصیب ہوگا' جواب دیا یہ تو معلوم نہیں۔ کہا کہ پھر خوشی کیوں کر رہے ہو' کہتے ہیں کہ پھر کسی نے اس کو مرتے دم تک ہنستے نہ دیکھا اور یوسف بن اسباط کہتے ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ تین برس تک نہ ہنسے۔

حکایت: حضرت عطا سلمی رحمۃ اللہ علیہ چالیس برس تک نہ ہنسے اور وہیب بن الورد نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ عید الفطر میں ہنس رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ان کی مغفرت ہو گئی ہے تو یہ فعل شکر کرنے والوں کا نہیں' اگر مغفرت نہیں تو یہ کام خوف کرنے والوں کا نہیں۔

(اسلاف صالحین کے ملفوظات)

1- حضرت عبداللہ بن ابی یعلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہنستے کیوں ہو؟ شاید کفن دھوبی سے دھل کر آگیا ہو یعنی موت بہت جلد آجائے۔

2- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو گناہ کرکے ہنستا ہے' وہ دوزخ میں روتا رہے گا۔

3- محمد بن رافع فرماتے ہیں کہ جب کوئی جنت میں جاکر روئے' خوامخواہ تعجب کی بات ہے لیکن جو دنیا میں ہنستا ہے اور اپنے خاتمہ اور انجام کا حال نہیں جانتا' یہ جنت کے رونے سے بھی زیادہ تر عجیب بات ہے۔ یہ آفتیں ہنسی کی ہیں مگر ہنسی میں سے وہ قسم بری ہے جو آواز کے ساتھ ہو یعنی مسکرانے سے زیادہ اور مسکرانا جس کو تبسم کہتے ہیں اور وہ بے آواز ہوتا ہے' وہ اچھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف تبسم فرماتے تھے۔

حکایت: حضرت قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی ایک سرخ اونٹ پر سوار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا۔ پھر جب اونٹ کو آگے بڑھانے کا ارادہ کیا کہ کچھ پوچھے' اونٹ نے بھڑکنا شروع کیا۔ کئی بار ایسے ہوا۔ صحابہ دیکھ کر ہنسنے لگے بالآخر وہ ایسا بھڑکا کہ اس کا سوار گر کر مرگیا۔ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اونٹ نے اس اعرابی کو پھینک دیا اور وہ مرگیا۔ آپ نے فرمایا وہ مرگیا مگر اس کا خون تمہارے سر ہے۔

مسئلہ: جس ہنسی سے ہیبت و وقار جاتا ہے' وہ بھی مذموم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو ہنسی کرتا ہے' بے قدر ہو جاتا ہے۔ محمد بل مکند فرماتے ہیں کہ میری ماں نے مجھے نصیحت کی کہ لڑکوں سے ہنسی مذاق نہ کرنا ورنہ تو ان کی نظروں میں بے قدر ہو جائے گا۔

فائدہ: حضرت سعید بن العاص رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ شریف آدمی سے ہنسی نہ کرنا کہ تجھ سے وہ دشمنی کرے گا اور کمینے سے ہنسی بھی نہ کرنا' وہ تجھ پر جرات کرنے لگے گا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو اور ہنسی سے کوسوں دور بھاگو۔ اس سے کینہ بڑھتا ہے اور انجام برا ہوتا ہے۔ قرآن کی تلاوت کیا کرو۔ اگر گراں معلوم ہو تو اولیاء کے حالات بیان کیا کرو۔

نکتہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم کو یہ معلوم ہے کہ ہنسی کا نام مزاح کیوں ہوا؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس لیے کہ مزاح مشتق زیح سے ہے جس کے معنی دوری کے ہیں تو اس یہ غرض ہوئی کہ مزاح حق سے دور کرتا ہے اور ہر شے کا ایک بیج ہے اور عداوت کا بیج مزاح ہے اور بعض اکابر کا قول ہے کہ مزاح سے عقل سلب ہو جاتی ہے' دوست الگ ہو جاتے ہیں۔

مسئلہ: اگر شاذ و نادر کوئی ایسا ہو کہ مزاح میں حق کے سوا کچھ نہ کہے' کسی کو ایذا نہ دے اور نہ افراط کرے بلکہ

کبھی کبھی کرے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا دستور تھا تو اس طرح کے مزاح میں مضائقہ نہیں، مگر بڑی غلطی یہ ہے کہ انسان مزاح اپنا دائمی پیشہ بنالے اور خوب افراط کرے اور پھر دعویٰ کرے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتباع کرتا ہوں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ دن بھر حبشیوں کے ساتھ پھرے اور ناچ دیکھے اور کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو عید کے دن ناچ دیکھنے کی اجازت دی تھی۔ (معاذ اللہ) حالانکہ یہ غلط ہے اس لیے کہ گناہ صغیرہ پر اصرار کرنے سے کبیرہ ہو جاتا ہے بلکہ مباح چیزوں پر اصرار بھی بعض اوقات گناہ صغیرہ ہو جاتا ہے۔

مزاح نبوی کی مثالیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح مزاح فرماتے تھے' وہ ہم یہاں عرض کر دیتے ہیں تاکہ دھوکہ نہ ہو۔ (1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ علیک وسلم آپ ہم سے مزاح کرتے ہیں؟ فرمایا' اگر کبھی مزاح کرتا ہوں تو سچ بات کے سوا کچھ نہیں کہتا۔ (2) کسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مزاح بھی کیا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں' اس نے پوچھا کہ کس طرح؟ آپ نے فرمایا کہ ایک دن آپ نے اپنی ازدواج مطہرات میں سے کسی کو ایک پوشاک دے کر ارشاد فرمایا کہ اسے پہنو اور اللہ کا شکر ادا کرو اور اس میں سے دولہن کا دامن بناؤ۔ (3) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازدواج مطہرات سے بہ نسبت اور لوگوں زیادہ مزاح فرماتے تھے اور یہ بھی روایت ہے کہ آپ اکثر تبسم فرمایا کرتے۔ (4) مروی ہے کہ ایک بڑھیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ جنت میں کوئی بڑھیا نہ جائے گی۔ وہ رونے لگی' آپ نے فرمایا کہ تو اس وقت بڑھیا نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا (الواقعہ 35) (بے شک ہم نے ان عورتوں کو اچھی اٹھان اٹھایا تو انہیں بنایا کنواریاں (کنز الایمان) (5) حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت ام ایمن نامی نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ کو میرا شوہر بلاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تیرا شوہر وہی جس کی آنکھ میں سفیدی ہے۔ اس نے عرض کیا کہ اس کی آنکھیں تو اچھی ہیں' ان میں سفیدی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بے شک ہے۔ اس نے بہ قسم کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی ایسا شخص نہیں جس کی آنکھ میں سفیدی نہ ہو یعنی حدقہ چشم کیونکہ ہر انسان سیاہی اور سفیدی دونوں رکھتا ہے۔ (6) ایک اور عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ مجھ کو ایک اونٹ سواری کے لیے چاہیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تیری سوار کے لیے اونٹ کا بچہ دوں گا۔ اس نے عرض کیا کہ میں بچہ لے کر کیا کروں گی؟ آپ نے فرمایا کہ جو اونٹ ہوتا ہے' اونٹ ہی کا بچہ تو ہوتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک لڑکا تھا۔ اس کا نام تھا ابو عمیر' ایک لال اس نے پلا تھا اور اس سے کھیلا کرتا۔ جب آپ ان کے گھر جاتے تو اس لڑکے سے فرماتے یاابا عمیر مافعل النغیر ترجمہ: (اے ابو عمیر تیرے لال کا کیا ہوا؟) (7)

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جنگ بدر میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی۔ آپ نے فرمایا کہ آؤ ہم تو دوڑیں، دیکھیں کون آگے نکل جاتا ہے۔ میں نے اپنا دوپٹہ مضبوط باندھ لیا اور ایک نشان کھینچ کر اس پر کھڑی ہوئی اور دوڑی تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے آگے نکل گئے اور فرمایا کہ یہ ذی المجاز کا بدلہ ہے۔ ایک جگہ کا نام ہے۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صغیر سن تھیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں کچھ لینے کے لیے حضور کی خدمت میں بھیجا تھا۔ آپ نے فرمایا یہ چیز مجھے دے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکار کیا اور لے کر بھاگیں۔ آپ ان کے پیچھے دوڑے مگر وہ دور نکل گئیں۔ اسی قصہ کو حضور نے اس وقت یاد دلایا۔ ایک دوسری روایت میں سے وہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ پہلی دفعہ جب میں آپ کے ساتھ دوڑی تو آگے نکل گئی مگر دوبارہ جب میں فربہ ہو گئی اور دوڑی تو آپ آگے نکل گئے اور فرمایا کہ یہ پہلی دفعہ کا بدلہ ہے۔ (8) حضرت سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے اور حضرت بی بی سودہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں۔ میں نے حریرہ قلیہ تیار کیا اور سودہ سے کہا کہ کھاؤ۔ انہوں نے کہا کہ مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔ میں نے کہا کھاؤ ورنہ تمہارے منہ پر مل دوں گی۔ انہوں نے کہا میں تو نہیں کھاؤں گی۔ میں نے پیالہ میں سے لے کر ان کے منہ پر لیس دیا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہم دونوں کے درمیان میں بیٹھے تھے، اپنا پاؤں بیچ میں سے ہٹا لیا تاکہ وہ بھی اپنا بدلہ مجھ سے لیں۔ انہوں نے پیالے میں ہاتھ ڈال کر میرے منہ پر مل دیا۔ آپ دیکھ کر ہنستے رہے۔ (9) حضرت ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ شکل و صورت میں بہت گھٹیا آدمی تھے۔ جب وہ بیعت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی وہاں موجود تھیں، اس وقت تک پردہ نہ ہوا تھا۔ بیعت کے بعد عرض کیا کہ میرے پاس دو بیبیاں اس سرخ عورت یعنی عائشہ رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ خوبصورت، اگر آپ نکاح کریں تو ایک کو میں آپ کے لیے بھیج دوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے پوچھا کہ وہ خوبصورت ہیں یا تم۔ انہوں نے کہا کہ میں ان سے قدرے اچھا ہوں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس سوال و جواب سے ہنس پڑے، اس لیے کہ ایسی صورت ہونے پر وہ اپنے آپ کو خوبصورت جانتا ہے۔ (10) حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو گود میں لیے ان کے سامنے اپنی زبان نکال رہے تھے اور وہ زبان مبارک کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ عینیہ بن بدر فزاری نے کہا کہ میرے بھی لڑکے ہیں لیکن میں داڑھی نکلنے تک کبھی پیار نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا من لا یرحم لا یرحم ترجمہ: (جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔)

فائدہ: اس طرح عورتوں اور بچوں سے آپ ہنسی کیا کرتے تھے، گویا کہ ان دونوں کے ضعف دل کے علاج کے طور پر تھا نہ کہ ٹھٹھے وغیرہ کے طور۔ (11) ایک دفعہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی داڑھ میں درد تھا اور خرما کھاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری داڑھ دکھتی ہے اور تم خرما کھاتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا میں دوسری داڑھ سے کھاتا

ہوں۔ آپ ان کے جواب سے ایسے ہنسے کہ کچلیاں مبارک ظاہر ہونے لگیں۔ (12) مروی ہے کہ حضرت خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ انصاری بنو کعب کی عورتوں میں مکہ مکرمہ کے راستہ پر بیٹھے تھے' حضور اکرم صلی اللہ علیہ السلام کا اس طرف سے گزر ہوا' کہا تم ان عورتوں میں کیوں بیٹھے ہو؟ عرض کیا کہ میرے پاس ایک اونٹ شریر ہے۔' ان سے رسی بنوا رہا ہوں۔ آپ اپنے کام کو تشریف لے گئے۔ جب وہاں سے واپس ہوئے' اس سے فرمایا کہ اس اونٹ نے ابھی شرارت نہیں چھوڑی؟ خوات کہتے ہیں کہ مجھے شرم آگئی اور چپ ہو رہا اور اس کے بعد جہاں کہیں حضور ﷺ کو دیکھتا' شرم کے مارے بھاگ جاتا۔ یہاں تک کہ میں مدینہ منورہ میں آکر مشرف بہ اسلام ہوا۔ ایک روز میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا' آپ تشریف لائے اور میری طرف بیٹھ گئے۔ میں نے طویل رکعتیں پڑھنی شروع کر دیں۔ آپ نے فرمایا' طویل نماز نہ پڑھو' میں تمہارا منتظر ہوں۔ جب میں نے سلام پھیرا تو آپ نے فرمایا کہ اس اونٹ نے اب تک شرارت نہیں چھوڑی؟ میں مارے شرم کے کچھ نہ کہہ سکا۔ آپ تشریف لے گئے مگر میرا حال یہ تھا کہ آپ سے بھاگتا پھرتا تھا۔ ایک دن آپ دراز گوش پر سوار تھے۔ مجھے ملے کہ دونوں پائے مبارک ایک ہی طرف کو رکھے تھے۔ فرمایا کہ اے ابو عبداللہ اب تک اونٹ نے شرارت چھوڑی یا نہ؟ میں نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے۔ جس روز سے میں مسلمان ہوا ہوں' اس روز سے کبھی کوئی برائی نہیں کی۔ آپ نے فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر' الٰہی اس بندہ خدا کو ہدایت دے۔ اللہ تعالٰی نے ان کو ہدایت بخشی اور بہت بڑے اچھے مسلمان ہوئے۔ (13) حضرت نعیمان انصاری رضی اللہ عنہ ایک خوش طبع مگر شراب بھی بہت پیتے تھے۔ جب حضور کی خدمت میں اسے لائے تو آپ اپنے جوتے سے اسے مارتے اور صحابہ کو فرماتے کہ وہ بھی اسے جوتے ماریں۔ جب بہت دفعہ پیٹا گیا تو ایک شخص نے صحابہ کرام میں سے کہا کہ اللہ تجھ پر لعنت کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے یوں مت کہو' یہ اللہ و رسول سے محبت کرتا ہے حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ مدینہ منورہ میں جب کبھی دودھ یا کوئی نئی چیز آتی تو وہ خرید کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاتا اور کہتا کہ یہ چیز میں نے آپ ہی کے لیے خریدی ہے اور ہدیہ لایا ہوں۔ جب اس چیز کا مالک دام مانگتا تو اس کو بھی آپ کی خدمت میں لاتا اور عرض کرتا کہ فلاح چیز کے دام اس کو عنایت فرمائیے۔ آپ فرماتے تو نے ہدیہ دیا تھا' عرض کرتا میرے پاس دام نہ تھے مگر میرا دل چاہتا تھا کہ آپ اسے تناول فرمائیں۔ آپ ہنس کر دام عطا فرما دیتے۔ اس طرح کا مزاح کبھی کبھی جائز ہے ہاں اس پر ملامت برا ہے اور زیادہ ہنسی سے دل مرجاتا ہے۔

مسخرا پن اور ٹھٹھا مخول یعنی استہزاء: اگر اس سے دوسروں کو ایذا ہو تو حرام ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ (الحجرات 11) ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو نہ مرد مردوں سے ہنسیں عجب نہیں کہ وہ ان ہنسنے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے دور نہیں کہ وہ ان ہنسنے والیوں سے بہتر ہوں۔

فائدہ: تمسخر کا معنی ہے کہ دوسرے کی اہانت اور حقارت کرنا اور اس کے عیب و نقصان اس طرح بیان کرنا کہ جس سے ہنسی آئے اور یہ کئی طرح ہو سکتا ہے۔ کسی کے فعل کی نقل کرنے سے یا اس کے قول کی نقل سے یا اشارہ و ایماء سے۔

مسئلہ: اگر پیٹھ پیچھے ہو تو غیبت ہے ورنہ تمسخر۔

فائدہ: استہزاء عام ہے۔ اگرچہ یہ غیبت نہیں مگر دونوں کا حاصل ایک ہی ہے۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک آدمی کی نقل اتاری تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واللہ ما احب انی حاکیت انسانا ولی کذا وکذا ترجمہ: (اللہ کی قسم نہیں دوست رکھتا' اس بات کو کہ میں آدمی کی نقل اتاروں اور مجھے بہت کچھ ملے۔)

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّلَا كَبِیْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا (الکہف 49) ترجمہ کنزالایمان: ہائے خرابی ہماری اس نوشتہ کو کیا ہوا نہ اس نے کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا جسے گھیر نہ لیا ہو۔ کی تفسیر میں فرمایا کہ صغیرہ سے مراد تبسم ہے مومن کے تمسخر پر اور کبیرہ سے مراد کھلکھلانا ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں پر ہنسنا گناہ میں داخل ہے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خطبہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ لوگوں پر ہنسنے کے متعلق نصیحت فرما رہے تھے کہ جس میں انسان خود مبتلا ہے۔ اس سے دوسرے پر کیوں ہنستا ہے؟

حدیث: جو لوگ دنیا میں لوگوں پر ہنستے ہیں' قیامت میں ان سے بھی ہنسی ہوگی۔ یوں کہ ایک دروازہ جنت کا کھول دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہاں آؤ' یہاں آؤ۔ مصیبت کے مارے جب دروازے کے قریب پہنچیں گے تو بند کر دیا جائے گا اور دوسرے دروازے سے بلایا جائے گا۔ جب وہاں جائیں گے تو یہی حال پائیں گے۔ اسی طرح ہوتا رہے گا یہاں تک کہ تھک کر پھر نہیں جائیں گے۔

حدیث: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من عیرا خاہ بذنب قد تاب منہ لم یمت حتی یعملہ ترجمہ: (جو شخص اپنے بھائی کو اس گناہ کا عیب لگائے جس سے اس نے توبہ کر لی تو نہیں مرے گا یہاں تک کہ وہ اس عمل میں مبتلا ہو۔)

فائدہ: ان سب کا مال ایک ہی ہے یعنی دوسرے کی حقارت و اہانت و ذلت اور اس پر ہنسی اور استہزاء کرنا آیت

گزشتہ میں تنبیہہ موجود ہے کہ عَسٰٓی اَنۡ یَّکُوۡنُوۡا خَیۡرًا مِّنۡهُمۡ (الحجرات 11) ترجمہ کنزالایمان کہ وہ ان ہنسنے والوں سے بہتر ہوں (یعنی برائے حقارت دوسرے پر ہنسنا نہ چاہئے' کیا معلوم کہ شاید وہی اچھا ہو۔)

مسئلہ: دوسرے پر ہنسنا اسی صورت میں حرام ہے کہ اس کو ایذا ہوتی ہے۔ اگر کوئی اس سے خوش ہوتا ہو تو اس پر ہنسنا اس کے حق میں مزاح کا حکم رکھتا ہے جس کا مفصل حال اوپر بیان ہوا۔

مسئلہ: حرام وہی استہزاء ہے جس میں کسی کو ایذا ہو مثلاً کلام میں کسی سے کچھ خبط کی باتیں صادر ہوں' نکل جائے تو اس پر ہنسنے لگنا یا افعال پر استہزاء کرنا کہ تم خط کیا خوب لکھتے ہو یا فلاں کام کیا خوب کرتے ہو یا کسی کے قدو قامت و صورت پر ہنسنا جیسے بونے یا لمبے آدمی پر ہنسا کرتے ہیں یا کسی کا عیب و نقصان دیکھ کر ہنسنا وغیرہ' سب تمسخر میں داخل ہیں اور شرعاً ان سے اجتناب چاہئے۔

راز کا اظہار: کسی کا راز افشاء کرنا یہ بھی ممنوع ہے اس لیے کہ اس میں بھی ایذا ہوتی ہے اور یاری دوستی کا حق ضائع ہو جاتا ہے۔

احادیث مبارکہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اذا حدث الرجل الحدیث ثم التفت فھی امانتہ ترجمہ: (جب آدمی بات کہے اور آنکھ چرا کر سرور عالم کو دیکھے تو وہ امانت ہے۔)

حدیث 2: الحدیث بینکم امانتہ ترجمہ: (تمہارے درمیان میں بات امانت ہے۔)

حدیث 3: حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی بھائی کا راز کھول دینا بھی خیانت میں داخل ہے۔

حکایت: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ سے کوئی راز کہا۔ انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ مجھ سے آج حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک راز کہا ہے اور یقین ہے کہ جب مجھ سے کہہ دیا ہے تو تم سے کیوں چھپا رہے گا۔ انہوں نے کہا اس کا مجھ سے ذکر نہ کرو' اس لیے کہ جب تک انسان راز کو چھپائے رکھتا ہے' اس وقت تک اس کے قابو میں ہے اور جب کہہ دیا تو دوسرے کے اختیار میں چلا گیا۔ میں نے کہا کہ کیا یہ معاملہ باپ بیٹے میں بھی ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ باپ بیٹے میں نہیں ہوتا مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ تیری زبان راز کے بیان کرنے میں نہ کھلے اور تجھ کو افشاء راز کی عادت نہ ہو۔ پھر میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ماجرا بیان کیا تو فرمایا کہ تیرے باپ نے تجھے خطا کی غلامی سے آزاد کر دیا۔

مسئلہ: راز فاش کرنا خیانت ہے۔ اگر اس میں کسی کا ضرر ہوتا تو حرام ہے۔ اگر ضرر نہ ہو تو بھی کمینہ پن ہے۔ راز کے پوشیدہ رکھنے کا حال ہم باب آداب صحبت میں لکھ چکے ہیں' دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

جھوٹا وعدہ: زبان وعدہ کے لیے پیش قدمی کیا کرتی ہے مگر نفس پر پورا کرنا ناگوار ہوتا ہے تو یہ وعدہ جھوٹا ہو جاتا

ہے اور یہ نفاق کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدہ ۱) ترجمہ کنزالایمان اے ایمان والو اپنے قول پورے کرو۔

حدیث: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وعدہ کرنا عطا میں شمار ہے۔ الوعد مثل الدین ترجمہ: (وعدہ قرض کی طرح ہے یعنی وعدہ بھی ایک طرح کا قرض ہے۔) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اسماعیل علیہ السلام کی تعریف میں اپنی سچی کتاب میں یوں بیان فرمائی ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ ترجمہ: (وہ تھا وعدہ کا سچا۔)

حکایت: ایک دفعہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کسی سے ایک جگہ پہنچنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ شخص بھولے سے وہاں بائیس دن نہ آیا۔ آپ اس کے انتظار میں وہاں رہے۔

حکایت: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جب موت کا وقت قریب آیا تو فرمایا کہ ایک قریشی نے مجھ سے میری لڑکی کی درخواست کی تھی اور میں نے کچھ مذبذب سا وعدہ کر لیا تھا۔ بخدا میں اللہ کے سامنے تہائی نفاق لے کر نہ جاؤں گا' تم گواہ رہو کہ میں نے اس شخص کو اپنی لڑکی بیاہ دی۔

حکایت: حضرت عبداللہ بن ابی الحسنا رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے قبل بعثت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معاملہ کیا تھا اور آپ کا کچھ دام میری طرف رہ گیا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ میں ابھی لاتا ہوں' آپ یہاں ٹھہریئے مگر میں دو روز تک بھول گیا۔ تیسرے روز واپس آیا تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ پایا۔ آپ نے فرمایا تو نے تو بڑی مصیبت میں جان ڈال دی۔ میں یہاں تین روز سے تمہارے انتظار میں ہوں۔

مسئلہ: حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ سے کسی نے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص کسی سے وعدہ کرے اور وعدہ پر نہ آئے تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا کہ یہاں تک انتظار کرے کہ نماز آئندہ کا وقت آجائے۔

حدیث: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سے وعدہ فرماتے تو شاید کا لفظ فرماتے تھے۔

مسئلہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہر وعدہ کے ساتھ ان شاء اللہ کہا کرتے تھے اور یہی بہتر ہے' پھر اگر اس کے ساتھ پختہ ارادہ ہو تو پورا کرنا چاہئے۔ اگر معذور نہ ہو۔

مسئلہ: اگر وعدہ کے وقت اس کا قصد پختہ کر لیا کہ پورا نہیں کروں گا تو اس کا نام نفاق ہے۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس میں تین باتیں ہوں' وہ پکا منافق ہے اگرچہ نماز' روزہ کا پابند ہو اور زبان سے کہے کہ میں مسلمان ہوں۔ وہ تین باتیں یہ ہیں۔ (1) بات کہے تو جھوٹی (2) وعدہ کرے تو پورا نہ کرے۔ (3) کوئی امانت اس کے پاس رکھ جائے تو اس میں خیانت کرے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس میں چار چیزیں ہوں' وہ منافق کامل ہے اور جس میں ایک ان میں سے ہو' اس میں اسی قدر نفاق ہوگا' جب تک ان کو ترک نہ کرے۔ (1) بات کہے تو جھوٹی۔ (2) وعدے کے خلاف کرے۔ (3) عہد کرکے فریب و دغا کرے۔ (4) خصومت کے وقت گالیاں دے۔

فائدہ: یہ اس کا حال ہے کہ وعدہ کرتے وقت نیت وفا کی نہ ہو یا بے عذر وفا نہ کرے مگر جو شخص وعدہ کرکے وعدہ پورا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور کسی عذر کی وجہ سے پورا نہ کرے گا' وہ منافق نہ ہوگا۔ اگرچہ یہ صورت نفاق ہی ہے' اسی لیے نفاق اصلی سے بچنا ضرور ہے تو صورت نفاق سے بھی احتراز واجب ہے اور بلا ضرورت شدید اپنے نفس کو معذور نہ کرنا چاہئے۔

حدیث: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہ کو ایک غلام دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ جب غنیمت میں تین غلام آئے تو دو آپ نے دے ڈالے' ایک رہ گیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور عرض کیا کہ میرے ہاتھ میں چکی پیستے پیستے گھٹے پڑ گئے ہیں' یہ غلام مجھے عنایت ہو۔ آپ کو ابوالہیثم کا وعدہ یاد آگیا' اسی لیے صاجزادی سے فرمایا کہ اگر تم کو غلام دے دوں تو وعدہ خلاف ہوگا بالآخر وہ غلام ابوالہیثم کو ہی مرحمت فرمایا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو وعدہ پر ترجیح نہ دی باوجودیکہ ان کے نازک ہاتھوں میں گھٹے بھی تھے۔

دریا بہاؤ سے: ایک دفعہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حنین میں ہوازن کی غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک آدمی کھڑا ہوگیا اور عرض کی کہ آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا جو تجھے چاہئے لے لے' اس نے 80 بھیڑیں ان کے چرانے والے سمیت پسند کیں۔ آپ نے دلوا دیں اور فرمایا تو نے کچھ بھی نہ مانگا۔ تجھ سے تو وہ عورت زیادہ ہوشیار تھی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے مزار کا پتہ دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ مانگ کیا مانگتی ہے؟ اس نے کہا میرا سوال یہ ہے کہ میں جوان ہو جاؤں اور آپ کے ساتھ جنت میں جاؤں۔

لطیفہ: لوگوں کو اس شخص کا سوال ایسا کم معلوم ہوا کہ اس کی عربی میں ضرب المثل بن گئی۔ اشح من صاحب الثمانین و الراعی ترجمہ: (زیادہ بخیل اسی بھیڑیں چرانے والے سمیت سے زیادہ بخیل ہے۔)

حدیث: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خلاف وعدہ اس کا نام نہیں کہ انسان وعدہ کرلے اور نیت میں ہو کہ اس کو پورا کروں گا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب دوسرے سے وعدہ کرے اور نیت پورا کرنے کی ہو مگر کسی مانع سے پورا نہ کرسکے تو اس پر گناہ نہیں۔

جھوٹ بولنا اور جھوٹی قسمیں: جھوٹ بولنا اور جھوٹی قسم عیب فاحش اور گناہ عظیم ہے۔

حدیث: حضرت اسماعیل بن واسطہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خطبہ میں سنا کہ ہجرت کے سال اول میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ کھڑے ہوئے جہاں میں کھڑا ہوں۔ یہ فرما رہے تھے' اتنا کہہ کر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے۔

پھر یہ حدیث بیان فرمائی ایاکم والکذب فانه مع الفجور وهما فی النار وعلیکم بالصدق فانه مع البرد هما فی الجنته ترجمہ: (جھوٹ سے بچو کہ وہ بدکاری کے ساتھ ہے اور وہ دونوں دوزخ میں ہیں اور لازم پکڑو سچ کو کہ وہ نیکی کے ساتھ ہے اور وہ دونوں جنت میں ہیں۔)

حدیث 2: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کذب نفاق کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔

فائدہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اختلاف ظاہر و باطن اور فعل اور مدخل و مخرج کا نفاق کہلاتا ہے اور جس اصل پر اس کی بنیاد ہے' وہ جھوٹ ہے۔

حدیث 3: فرمایا کبرت خیانته ان تحدث اخاک حدیثا وهو لک به مصدق وانت له به کاذب ترجمہ: (بڑی خیانت یہ ہے تو اپنے بھائی سے ایسی بات کہے کہ وہ تو اس میں تجھ کو سچا جانے اور تو اس میں اس کو جھوٹا جانے۔

حدیث 4: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یزال العبد یکذب وینخیر شی الکذب حتی یکتب عند اللّٰہ کذابا ترجمہ: (بندہ ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے اور اسی کا اندازہ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک دروغ گو لکھا جاتا ہے۔

حدیث 5: ایک دفعہ حضور سرور عالم کا دو ایسے شخصوں پر گزر ہوا کہ ایک بکری کا معاملہ کر رہے تھے۔ ایک بقسم کہہ رہا تھا کہ میں اتنے سے کم نہ لوں گا اور دوسرا بقسم کہتا تھا کہ میں اتنے سے زیادہ نہ دوں گا۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ بکری اسی ایک نے خرید لی۔ آپ نے فرمایا کہ ان میں سے ایک پر گناہ اور کفارہ دونوں لازم ہو گئے ہیں۔

حدیث 6: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الکذب ینقص الرزق ترجمہ: (جھوٹ کم کرتا ہے روزی کو۔)

حدیث 7: فرمایا النجار هم الفجار ترجمہ: (یعنی تاجر فاجر ہوتے ہیں۔) عرض کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو

حلال کیا اور سود کو حرام' پھران کے فاجر ہونے کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا اس لیے کہ قسم کھا کر گنہگار ہوتے ہیں اور کچھ کہتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں۔

حدیث 8: فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت میں بات نہ کرے گا اور نہ ان پر نظر شفقت ہوگی۔ (1) وہ جو کسی کو کچھ دے کر احسان جتلائے۔ (2) وہ جو جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال بیچے۔ (3) وہ جو پاجامہ ٹخنوں سے نیچے رکھے۔

حدیث 9: فرمایا کہ اگر کوئی اللہ کی قسم کھا کر کچھ کہے اور مچھر کے پر کے برابر اس میں اپنی طرف سے کوئی چیز ملا دے تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ قیامت تک رہے گا۔

حدیث 10: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمیوں کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے۔ (1) صف قتال میں اپنا سینہ بڑھا کر کھڑا ہو جائے۔ یہاں تک کہ شہید ہو یا اس کی جیت ہو۔ (2) کسی موذی آدمی کے پڑوس میں رہ کر اس کی ایذا پر صبر کرے حتیٰ کہ موت یا سفر کے سبب دونوں میں جدائی ہو جائے۔ (3) وہ شخص کہ سفر میں ایک قافلہ کے ساتھ ہو اور وہ اتنا چلے کہ زمین پر لیٹنے سے ترس جائیں' پھر اتر پڑے۔ ایک شخص علیحدہ ہو کر نماز پڑھنی شروع کردے تاکہ کوچ کے لیے ان کو جگائے گا اور تین آدمیوں سے اللہ دشمنی رکھتا ہے۔ (1) سوداگر یا بیچنے والا کہ بہت زیادہ قسمیں کھائے۔ (2) فقیر متکبر۔ (3) بخیل جو دے کر احسان جتائے۔

حدیث 11: فرمایا ویل للذی یحدث فیکذب لیضحک بالقوم ویل له ویل له ترجمہ: (ہلاکت ہے اسے جو بات کہے اور جھوٹ بولے تاکہ اس سے لوگ ہنسیں' ہلاکت ہو اس کو تباہی ہو اس کو)

حدیث 12: فرمایا کہ میں نے یہ خواب دیکھا کہ گویا ایک آدمی میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا کہ چل میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ پھر دو آدمیوں کو دیکھا کہ ایک بیٹھا ہوا ہے' دوسرا کھڑا ہوا اور اس دوسرے کے ہاتھ ایک لوہے کا گرز ہے کہ بیٹھے ہوئے کی باچھ میں ڈال کر اتنا چیرتا ہے کہ وہ اس کے کندھے تک آجاتی ہے' پھر دوسری باچھ میں ڈال کر ایسا ہی کرتا ہے۔ اتنے میں پہلی باچھ جوں کی توں ہو جاتی ہے' پس جو شخص مجھے لے گیا تھا' اس سے میں نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ دروغ گو آدمی ہے۔ اس کو قیامت تک یہی عذاب قبر میں ہوتا رہے گا۔

حدیث 13: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جراد سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مومن زنا کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا مومن جھوٹ بولتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں' بعد اس کے یہ آیت پڑھی اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ (جھوٹ بناتے وہ ہیں جن کو یقین نہیں

اللہ کی باتوں پر۔)

حدیث 14: حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا' آپ یہ دعا مانگتے تھے اللھم طھر قلبی من النفاق و فرجی من الزنا ولسانی من الکذب (الٰہی پاک کر میرا دل نفاق سے اور میری شرم گاہ زنا سے اور میری زبان جھوٹ سے۔)

حدیث 15: حدیث میں ہے۔ ثلاثہ لا یکلمھم اللّٰہ ولا ینظر الیھم ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم' شیخ ذان وملک کذاب وعائل مستکبر (تین شخص ہیں کلام نہ کرے گا اللہ تعالیٰ ان سے اور نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کو عذاب دردناک ہوگا۔ (1) بوڑھا زانی (2) بادشاہ جھوٹا (3) فقیر ایماندار متکبر۔)

حدیث 16: حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے۔ اس وقت میں لڑکا تھا' کھیلنے چلا گیا۔ میری ماں نے پکارا کہ ادھر آؤ اور لے جاؤ۔ آپ نے فرمایا کیا دینے کو بلایا ہے؟ عرض کیا خرما آپ نے فرمایا اگر کچھ نہ دیتیں تو تم پر جھوٹ لکھا جاتا۔

حدیث 17: فرمایا کہ اگر اللہ میرے اوپر فضل کرے اور ان کنکروں کے برابر اونٹ غنیمت میں دے تو میں سب تم کو دے ڈالوں اور تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میں بخیل اور بزدل اور جھوٹا نہیں ہوں۔

حدیث 18: ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ فرمایا کہ تم کو سب میں بڑا کبیرہ گناہ بتاتا ہوں۔ شرک اور نافرمانی والدین۔ پھر آپ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ جان لو کہ جھوٹا قول بھی کبیرہ گناہ ہے۔

حدیث 19: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر چھ باتیں میری مان لو تو میں تمہارے لیے جنت کا کفیل ہوتا ہوں۔ عرض کیا گیا' وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا (1) جب بات کہو جھوٹ نہ بولو۔ (2) وعدہ کرو تو خلاف نہ کرو۔ (3) امانت میں خیانت نہ کرو۔ (4) بدنگاہ نہ کرو۔ (5) ہاتھ سے کسی کو ایذا نہ دو۔ (6) شرم گاہ کی حفاظت کرو۔

حدیث 20: فرمایا کہ شیطان کے لیے سرمہ اور چٹنی اور خوشبو ہے۔ اس کی چٹنی جھوٹ ہے اور کثرت خواب سرمہ ہے اور غضب خوشبو۔

حدیث 21: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں ایک دن فرمایا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جہاں میں کھڑا ہوں یہاں کھڑے ہو کر فرماتے تھے۔ احسنوا الی اصحابی ثم الذین یلونھم ثم یفشوا الکذب حتی یحلف الرجل علی الیمین ولم یستحلف ویشھد ولم یستشھد ترجمہ: (میرے اصحاب کے ساتھ اچھے رہو جو ان کے قریب

ہیں یعنی تابعین پھر جھوٹ پھیلے گا یہاں تک کہ انسان قسم کھائے گا حالانکہ اس سے قسم نہیں لی جائے گی اور گواہی بھی دے گا حالانکہ کوئی بھی گواہی اس کی گواہی نہ چاہے گا۔

حدیث 22: من حدث عنی بحدیث وھو یری انه کذب فھو احد الکاذبین ترجمہ: (جو شخص کوئی حدیث بیان کرے اور جانتا ہو کہ یہ جھوٹ ہے' تو وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک ہے۔)

حدیث 23: فرمایا من حلف علی یمین باثم یتخذ بھا مال امر مسلم بغیر حق لقی اللہ عزو جل وھو علیه غضبان ترجمہ: (جو شخص قسم کھائے گا گناہ پر تاکہ کسی مسلمان کا ناحق مال لے تو اللہ تعالیٰ سے ملے گا ایسے حال میں کہ وہ اس سے ناراض ہوگا۔

حدیث 24: روایت مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی شہادت صرف ایک دفعہ کے جھوٹ کی وجہ سے رد فرمادی۔

حدیث 25: فرمایا کہ کل خصلته یطبع اویطوی علیھا المسلم الا الخیانته والکذاب ترجمہ: (ہر وہ عادت جس پر مومن مسلمان کو معاف کیا جا سکتا ہے لیکن خیانت و جھوٹ۔)

حدیث 26: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹ سے زیادہ کوئی عادت بری محسوس نہ ہوتی تھی اور آپ کا یہ دستور تھا کہ جب کسی اصحاب کا جھوٹ معلوم ہوتا تھا تو دل میں سے میل نہیں جاتی تھی جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھوٹ سے توبہ کی۔

حدیث 27: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کی کہ تیرے بندوں میں باعتبار عمل کے کون اچھا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ جس کی زبان جھوٹ نہ بولے اور قلب فسق و فجور نہ کرے اور شرم گاہ زنا نہ کرے۔

حدیث 28: حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ جھوٹ مت بولنا کہ وہ چڑیا کے گوشت کی طرح مزیدار تو ہوتا ہے مگر تھوڑی سی بات میں متکلم کو اس کی برائی معلوم ہو جاتی ہے۔

فضائل صدق: حدیث (1) اربع اذکن فیک فلا یضرک مافاتک من الدنیا صدق حدیث و حفظ امانته و حسن خلق وعفته طعامته ترجمہ: (چار چیزیں ہیں کہ جب تجھ میں ہوں تو دنیا کی کوئی چیز تیرے پاس نہ ہو تو تجھ کو کوئی ضرر نہیں۔ سچ بولنا' حفظ امانت' خوش خلقی اور اکل حلال۔

(2) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے مجھے ارشاد فرمایا اوصیک بتقوی اللہ وصدق الحدیث واداء الامانته والرفا بالعھد و بذل الطعام و خفض الجناح ترجمہ: (میں وصیت کرتا ہوں تجھے' اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کی اور راست گوئی اور ادائے امانت اور عہد پورا کرنے کی اور کھانا کھلانے کی اور تواضع کی۔

اقوال و افعال اسلاف رحمتہ اللہ علیہم : (1) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک بڑی خطا جھوٹی زبان ہے اور سب سے بڑی ندامت کے دن کی پشیمانی ہے۔

(2) حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب سے مجھے پاجامہ باندھنے کی تمیز ہوئی' میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

(3) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تک ہم سے ملاقات نہیں ہوتی تب تک تو تم میں سے زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے جس کا نام اچھا ہو اور جب ملاقات ہو جاتی ہے تو وہ اچھا معلوم ہوتا ہے جو عادت اچھی رکھتا ہو اور معاملہ کرنے کے بعد وہ اچھا معلوم ہوتا ہے جو بات کا سچا' امانت کا پکا ہو۔

(4) حضرت میمون بن ابی شیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں خط لکھتا تھا۔ ایک ایسا لفظ معلوم ہوا کہ اگر اس کو لکھ دوں تو خط کی زینت بڑھ جائے مگر اس کے ساتھ ہی جھوٹ بھی ہو۔ میں نے ارادتاً اس کو چھوڑ دیا۔ اسی وقت گھر کے ایک طرف سے آواز آئی یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (ابراہیم 27) ترجمہ کنزالایمان : اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو حق بات پر دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔

(5) حضرت شعبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ دوزخ میں بخل اور جھوٹ سے پہلے کون جائے گا۔

(6) ابن السماک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ گمان ہے کہ جھوٹ چھوڑنے سے مجھے کچھ ثواب نہ ہوگا کیونکہ میں اس کو دنیا میں حمیت کے لیے چھوڑتا ہوں۔

(7) حضرت خالد بن صبیح سے کسی نے پوچھا کہ ایک دفعہ کے جھوٹ سے بھی آدمی جھوٹا کہلاتا ہے' انہوں نے فرمایا ہاں۔

(8) حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی کتاب میں میری نظر سے گزرا ہے کہ واعظ کا وعظ اس کے عمل کے مطابق کیا جائے گا۔ اگر عمل ویسا ہی ہوا تو بہتر' اگر جھوٹ ہوا تو اس کے ہونٹ آگ کی مقراضوں سے کاٹے جائیں گے۔ ہونٹ کٹتے جائیں گے' پھر بڑھتے جائیں گے۔ ایسی ہی مسلسل سزا رہے گی۔ یہ بھی انہی کا قول ہے کہ سچے اور جھوٹے آدمی کے دل آپس میں لڑتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ایک غالب ہو کر دوسرے کو نکال دیتا ہے۔

(9) ایک بار حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ولید بن عبدالملک سے کچھ کہا۔ اس نے کہا کہ آپ جھوٹ کہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ بخدا جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ جھوٹ سے جھوٹے آدمی کو عیب لگتا ہے' تب سے میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

وہ مقامات جہاں جھوٹ بولنا جائز ہے: جھوٹ ذاتی طور پر حرام نہیں بلکہ اس وجہ سے حرام ہے کہ اس سے دوسرے کو ضرر پہنچتا ہے۔ اس کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ مخاطب ایک اصل بات کا اعتقاد کرے اور حقیقت شے سے جاہل رہے اور اس سے کبھی دوسرے کا نقصان بھی ہو جاتا ہے۔ اگر حقیقت امر کے جاہل رہنے میں نفع اور مصلحت

معلوم ہو تو جھوٹ کی اجازت ہونی چاہیے بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہونا چاہیے۔

حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جھوٹ بعض مقامات میں سچ سے اچھا ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص بھاگ کر کسی کے گھر میں تمہارے سامنے چھپ جائے، کوئی دوسرا شخص اسے ناحق مار ڈالنے کے لیے تلوار لیے پیچھے سے آئے اور تم سے پوچھے کہ فلاں شخص کہاں ہے تو ایسی صورت میں جھوٹ بولنا واجب ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو عمدہ مقصود جھوٹ اور سچ دونوں سے حاصل ہو سکتا ہے تو وہاں جھوٹ بولنا حرام ہے اور اگر صرف جھوٹ ہی سے وہ مطلب ہو سکتا ہے تو جھوٹ مباح ہے بشرطیکہ وہ بھی مطلب مباح ہے اور اگر مطلب واجب ہے تو جھوٹ بھی واجب ہے۔ جیسا کہ اوپر کی مثال سے خون ناحق سے بچانا واجب تھا تو جھوٹ بولنا بھی واجب ہے۔ چونکہ مقصود لڑائی اور آپس میں صلح کرنے کا جھوٹ کے بغیر راست نہیں آتا تو ایسے مقامات میں جھوٹ بولنا مباح ہے مگر حتی الوسع اس سے بھی بچنا چاہیے کیونکہ جھوٹ کی عادت ہونے سے اس بات کا خوف ہے کہ جس جھوٹ کی حاجت نہ ہو، وہ بھی زبان سے نکل جائے یا مقدار ضرورت سے زیادہ کہہ دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل میں جھوٹ حرام ہے مگر ضرورت کے لیے جائز ہو سکتا ہے۔

احادیث مبارکہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی نہیں سنا کہ جھوٹ کی اجازت دی ہو مگر تین مقامات میں ایک یہ کہ دو شخصوں کے درمیان صلح کرانے میں، دوسرے لڑائی میں، تیسرے میاں بیوی کی آپس میں صلح و صفائی میں اور یہ بھی انہیں سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا لیس بکذاب من اصلح بین اثنین فقال خیرا اونھر خیرا ترجمہ: (وہ جھوٹا نہیں جو دو میں صلح کرائے اور کہے اچھی بات اور خیر و بھلائی بیان کرے۔)

حضرت اسما بنت یزید رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل الکذب یکتب علی بن ادم الا جل کذب بین مسلمین لیصلح بینھما ترجمہ: (ہر جھوٹ انسان پر لکھا جاتا ہے مگر وہ جو دو مسلمانوں میں جھوٹ بولے تاکہ ان دونوں میں صلح کرائے۔)

حکایت (3) حضرت ابو کاہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دو یاروں میں گفتگو بڑھی یہاں تک کہ کشت و خون پر تیار ہو گئے۔ مجھ سے ایک صاحب ملے۔ میں نے ان سے کہا کہ تم فلاں شخص کے ساتھ کیوں لڑتے ہو، وہ تو تمہاری تعریف کرتا تھا۔ ایسے ہی میں نے دوسرے سے مل کر ایسے ہی کہا، یہاں تک کہ دونوں میں صلح ہو گئی۔ پھر میں نے اپنے دل میں سوچا کہ ان دونوں کو تو راضی کر دیا مگر میرا کیا ہوگا کہ جھوٹ بولا، اس لیے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام حال سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابو کاہل آپس میں صلح کرانا چاہیے، اگرچہ جھوٹ سے ہی ہو۔

(4) حضرت عطا ابن یسار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں اپنی زوجہ سے جھوٹ بولا کروں، آپ نے فرمایا کہ جھوٹ میں خیر نہیں۔ اس نے عرض کیا کہ میں اس سے وعدہ کر لیا کروں، فرمایا کہ کوئی

حرج نہیں۔

حکایت: حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ابو عمرہ دیلی کے بیٹے کی عادت تھی کہ عورتوں سے نکاح کرکے طلاق دے دیا کرتا تھا۔ اس کا چرچا ہوا تو حضرت عمرؓ کو برا لگا۔ اسے اطلاع ہوئی تو وہ حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہما کو گھر لے آیا اور اپنی زوجہ سے کہا کہ میں تجھے قسم دیتا ہوں، کیا تو مجھ سے بغض رکھتی ہے یا نہیں؟ اس نے جواب دیا کہ قسم سے نہ پوچھو، اس نے کہا کہ قسم سے پوچھتا ہوں، سچ بتا۔ اس نے کہا کہ بغض رکھتی ہوں۔ اس نے ابن ارقم سے کہا کہ آپ نے سنا، پھر دونوں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس نے عرض کی کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں اپنی زوجہ پر ظلم کرکے اسے طلاق دے دیتا ہوں۔ آپ حضرت ابن ارقم رضی اللہ عنہما سے پوچھئے۔ آپ نے ان سے پوچھا، انہوں نے حال سنایا۔ آپ نے اس کی عورت کو بلوایا، وہ اپنی پھوپھی کو لے کر حاضر ہوئی۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تو نے اپنے خاوند سے کہا کہ میں تجھ کو برا جانتی ہوں۔ اس نے کہا کہ میں نے ابھی توبہ کرکے رجوع الی اللہ کیا ہے۔ اس نے مجھ سے قسم دے کر پوچھا، اس لیے میں جھوٹ نہ بول سکی، کیا میں جھوٹ بول دیا کروں؟ آپ نے فرمایا، ہاں۔ اگر مردوں کو عورتیں پسند نہ کریں تو اس کا ہرگز ذکر نہ کریں کیونکہ گھر کی آبادی دوستی پر منحصر ہے۔ لوگوں کو چاہئے کہ اسلام اور احسان کے ساتھ زندگی بسر کریں۔

(5) حضرت نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان ارک تتھا فتون فی الکذب تھافت الفراش فی النار کل الکذب یکتب علی بن ندم لا معالتہ الا ان یکذاب الرجل فی الحرب فان الحرب خدعتہ اویکون بین الرجین شحناء فیصلح بینھما او یحدث امرانہ یرضیھا

ترجمہ: (یہ کیا بات ہے کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ جھوٹ میں تم ایسا گرتے ہو جیسے پروانہ آگ میں گرتے ہیں۔ تمام جھوٹ انسان پر لکھے جاتے ہیں مگر یہ کہ آدمی جنگ میں جھوٹ بولے کہ لڑائی فریب ہے یا دو آدمیوں میں کینہ ہو اور ان میں جھوٹ سے صلح کرا دے یا عورت کو جھوٹی بات سے راضی کرے۔)

(5) حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ تمام جھوٹوں میں گناہ ہوتا ہے مگر اس میں کہ کسی مسلمان کا فائدہ یا دفع ضرر ہو۔

(6) حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ جب میں کوئی روایت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتا ہوں تو آسمان سے گرنا اچھا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولوں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹی حدیث بیان کرنے کا سخت گناہ ہے۔ آپس کی نزاع کی کچھ بات کہتا ہوں تو لڑائی [illegible] کچھ فریب ہوتا ہے۔ پس یہ تین مقام حدیث سے مستثنیٰ ہوئے۔

(1) اگر کوئی جگہ ایسی ہی ہو کہ جس میں دوسرے کا مقصود صحیح نکلتا ہے، [illegible] داخل ہے۔ مثلاً کوئی ظالم کسی کو پکڑ کر پوچھے کہ تیرا مال کہاں ہے تو اس کو کہنا جائز ہے کہ میں نہیں جانتا۔

(2) کوئی زبردست حاکم پکڑ کر پوچھے کہ کوئی اپنا فعل برا جو خفیہ کیا ہو تو اس کو ظاہر کر تو جائز ہے کہ انکار کر دے اور کہہ دے کہ میں نے نہ کبھی زنا کیا اور نہ شراب پی وغیرہ۔ اسی لیے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو کوئی ان پلید چیزوں کا مرتکب ہو جائے' اس کو چاہیے کہ پوشیدہ رکھے' اللہ اس کے عیب چھپائے گا۔

(3) ایک اور وجہ یہ ہے کہ گناہ کا ظاہر کرنا بھی ایک گناہ ہے تو ضروری ہوا کہ آدمی اپنے نفس و مال کو ظلم سے بچائے اور اپنی عزت کو زبان سے محفوظ رکھے۔ گو دروغ گوئی ہی سے ہو اور دوسرے شخص کے مطلب کے لیے جھوٹ کی یہ مثال ہے کہ کوئی شخص کسی کا راز پوچھنا چاہے تو کہہ دے کہ میں نہیں جانتا یا دو شخصوں میں صلح کرا دے جیسا کہ پہلے گزرا یا دوستوں میں صلح کرا دے۔ ہر ایک سے یہ کہہ دے کہ میں تجھی کو زیادہ چاہتا ہوں یا عورت کی رضا کے لیے کسی ایسی چیز کا وعدہ کرے کہ جو اپنی طاقت سے زیادہ ہو یا کسی شخص سے عذر کرے اور جانے کہ جب تک یہ نہ کہوں گا کہ آئندہ ایسی خطا نہ ہو گی اور زیادہ دوستی نہ جتاؤں گا تو وہ نہیں مانے گا تو جھوٹ بولنے میں کوئی حرج نہیں مگر چونکہ جھوٹ بولنا برا ہے۔ اگر سچ بولنے سے ان جگہوں میں خرابی ہو تو چاہئے کہ دونوں برائیوں کا مقابلہ کرکے اچھی طرح دیکھ لے۔ اگر سچ بولنے سے برائی میں زیادتی ہو بہ نسبت جھوٹ بولنے کے تو جھوٹ بولے۔ اگر جھوٹ بولنے سے مقصود حاصل نہیں ہوتا بہ نسبت سچ بولنے کے تو سچ بولنا واجب ہے اور بعض اوقات دونوں امر مساوی ہیں کہ ان میں تردد پڑ جاتا ہے۔ اس صورت میں سچ بولنا چاہئے' اس لیے کہ جھوٹ حاجت فہم کا محتاج ہے۔ پس اگر حاجت کی اہمیت میں تردد ہو تو اصل میں جھوٹ حرام ہے۔ ایسی جگہ میں اصل کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ چونکہ مراتب مقاصد بہت باریک ہیں کہ یہ ایک کو معلوم نہیں ہو سکتے' لہٰذا حتی الوسع انسان کو جھوٹ سے احتراز چاہئے بلکہ اپنی حاجت بھی ہو تو اس کو ترک کرے اور جھوٹ سے باز آئے لیکن اگر دوسرے کا مطلب ہو تو اس سے چشم پوشی اور ضرر ناحق پہنچانا نہیں چاہئے۔

فائدہ: آج کل لوگ جھوٹ بولتے ہیں تو صرف اپنے حظ نفسانی اور زیادتی مال و جاہ کے لیے' ایسے ہی وہ جھوٹی باتیں جو خاوند کو عورتیں کہہ دیتی ہیں کہ اسے یقین ہو جائے مثلاً کہہ دیا جائے کہ مجھے اتنا زیور بنا دیا یا کپڑے بنا دیئے وغیرہ ایسا جھوٹ حرام ہے۔

حکایت حضرت اسما بنت صدیق رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ کسی عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میری ایک سوکن ہے' میں اس کا دل جلانے کو کہہ دیتی ہوں کہ خاوند نے مجھے بہت کچھ دیا ہے تو مجھ پر گناہ ہو گا۔ آپ نے فرمایا کہ جسے کچھ نہیں ملتا اور کہتا ہے کہ مجھے ملا ہے' وہ ایسا ہے کہ کپڑے میں فریب دینے کے لیے آستین یا دوسرا پردہ لگائے جس میں لوگوں کو معلوم ہو کہ کپڑے پہنے ہوئے ہے اور یہ بھی حدیث میں وارد ہے من یطعم بما لا یطعم وقال لی ولیس لہ واعطیت ولم نعط کان کلابس ثوبی زور یوم القیمۃ (جو شخص اپنی غذا وہ بیان کرے جو وہ نہیں کھاتا یا کہے کہ یہ میری ہے حالانکہ اس کی نہ ہو اور کہے کہ مجھے ملی ہے حالانکہ نہ ملی ہو' وہ قیامت میں ایسے

ہو گا جیسے دھوکے کا کپڑا پہننے والا اور اس میں بھی داخل ہے کہ کوئی عالم بلا تحقیق کوئی فتویٰ دے۔

فائدہ: اسے روایت کرے کیونکہ اس کا سارا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی فضیلت ظاہر کرے اور اسی واسطے یہ منہ سے نہیں نکلتا کہ میں نہیں جانتا اور یہ حرام ہے۔

مسئلہ: عورتوں ہی کا سا حکم لڑکوں کا ہے' وہ بھی ترغیب وعدہ یا جھوٹے ڈراوے کے بغیر مدرسہ نہیں جاتا۔ اس کے لیے ایسا امر کرنا مباح ہے۔ ہاں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے امر سے بھی جھوٹ نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے لیکن کذب مباح کا بھی حساب و کتاب ہو گا اور اس کی بازپرس ہوگی کہ مقصود صحیح تھا یا نہ پھر معاف ہو جاتا ہے' اس لیے کہ اصلاح کے ارادہ پر اسے مباح ٹھہرایا گیا ہے مگر اس میں دھوکہ ہے کیونکہ اس کا سبب کبھی اپنی غرض نفسانی ہی ہوتی ہے اور اصلاح کے بہانہ سے جھوٹ کا مرتکب ہوتا ہے حالانکہ اس کی حاجت نہیں ہوتی' اسی لیے اس طرح کے جھوٹ نامہ اعمال میں درج ہوتے ہیں۔

خلاصہ: جو آدمی جھوٹ کا مرتکب ہوتا ہے' اسے یہ مشکل ہے کہ جس سبب سے جھوٹ بولا ہے' وہ شرعاً بہ نسبت سچ بولنے کے اہم تھا یا نہیں اور اس بات کا معلوم ہونا بہت مشکل ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ جھوٹ نہ بولے مگر اس صورت میں کہ واجب ہو جائے اور کسی طرح اس کا چھوڑنا جائز ہو مثلاً جھوٹ نہ بولنے سے کسی کی ناحق گردن ماری جاتی ہو یا گناہ عظیم میں مبتلا ہوتا ہو تو یہاں جھوٹ بولنا ہی واجب ہے۔

فائدہ: بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ فضائل' اعمال اور سختی معصیت کے متعلق احادیث وضع کرنا درست ہے اور ان کا گمان ہے کہ یہ مقصود صحیح ہے حالانکہ یہ بڑی خطا ہے' اس لیے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من کذب علی متعمدا فلیتبوء مقعدہ من النار ترجمہ: (جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے' اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے۔)

فائدہ: اس حدیث پر بے ضرورت عمل چھوڑا نہیں جاتا اور وعدہ و وعید کے لیے وضع احادیث کی ضرورت نہیں' اس لیے کہ جو مضامین احادیث اور آیات صحیحہ میں وارد ہیں تو کیا وہ کم ہیں جو جھوٹی احادیث کی ضرورت پڑی ہے۔

سوال: احادیث آیات صحیہ کو سنتے سنتے عوام کا رعب جاتا رہتا ہے اور خوف اتنا نہیں ہوتا جتنا نئے مضمون سے حاصل ہوتا ہے؟

جواب: یہ خیال غلط ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ پر افترا کرنے سے کوئی گناہ بڑھ کر نہیں اور اس سے ایسے امور بھی واقع ہوتے ہیں کہ بالکل شریعت کو درہم برہم کر دیں تو نیکی برباد گناہ لازم کا مضمون صادق آتا ہے کیونکہ جھوٹ اور افتراء ایسا گناہ کبیرہ ہے کہ اس کے سامنے اور گناہ ہیچ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس

ہے۔

اشارہ و کنایہ سے جھوٹ بولنا: سلف صالحین کا قول ہے کہ اشارہ و کنایہ سے جھوٹ بولنا کذب نہیں کہلاتا۔

(1) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر انسان کنایۃً "کچھ جھوٹ کہے تو کذب سے بچ جاتا ہے۔

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے منقول ہے مگر ان حضرات کی غرض یہ ہے کہ انسان جھوٹ بولنے کے لیے مجبور ہو تو کنایۃً" کہے ورنہ بلا ضرورت جھوٹ بولنا صراحتاً" جائز نہیں ہے' نہ کنایۃً" اسی میں آسانی ہے۔

حکایت: مطرف ایک بار زیاد کے پاس گئے۔ اس نے کہا کہ دیر کرکے کیوں آئے؟ کسی مرض کا بہانہ کرکے کہا کہ جب سے میں تمہارے پاس سے گیا تھا' کروٹ نہیں لی۔

کنایہ کیا ہے؟ تمہاری طرف سے کسی نے کسی کے کان بھر دیئے اور تمہارا خیال ہو کہ جھوٹ نہ بولیں تو اس وقت ایسا جواب دو کہ وہ کچھ اور سمجھے اور تمہارا مطلب کچھ اور ہو تو یہ کنایہ کہلائے گا۔ یعنی اسی کا نام کنایہ ہے کہ سامع اس سے کچھ سمجھے اور متکلم کا مطلب کچھ اور ہو۔

حکایت: حضرت معاذ بن جبل' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک جگہ کے عامل تھے۔ جب وہاں سے آئے تو ان کی بیوی نے کہا کہ جیسے اور عامل گھر کچھ لاتے ہیں' تم بھی کچھ لائے یا نہ۔ انہوں نے کہا کہ میرے ساتھ ایک ناظر مقرر تھا' ان کی مراد یہ تھی کہ خدا تعالیٰ ناظر تھا مگر ان کی بیوی نے سمجھا کہ شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ کسی کو نگہبانی کے لیے بھیجا ہوگا۔ اس خیال سے کہنے لگی کہ عجیب بات ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک امین تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نزدیک امین تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمہارے ساتھ ناظر مقرر کیا۔ یہ چرچہ تمام عورتوں میں پھیلا۔ یہاں تک کہ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی شکایت کی۔ آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ میں نے کب تمہارے ساتھ ناظر بھیجا تھا؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے آپ کو بھیجنے کا تو ذکر نہیں کیا' یہ کہا تھا کہ میرے ساتھ ناظر تھا اور اس کے سوا کوئی اور مجھ کو عذر نہ تھا۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہنس پڑے اور ان کو انعام عنایت فرما کر کہا کہ لو اپنی بیوی کو راضی کر لو۔

حکایت: حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی بیٹی سے یہ بھی نہ کہتے کہ میں تجھے شکر لے دوں گا بلکہ یوں کہتے کہ اگر میں تجھے شکر لے دوں گا کیونکہ اکثر ان کو خریدنے کا اتفاق نہ ہوتا۔ بعض اوقات جو کوئی بلانے آتا اور اس کے لیے گھر سے نکلنا منظور نہ ہوتا تو لونڈی سے کہہ دیتے کہ مسجد میں تلاش کرو اور یہ نہ کہتا کہ یہاں نہیں ہیں تاکہ جھوٹ نہ ہو جائے۔

حکایت: حضرت شعبی علیہ الرحمتہ کا دستور تھا کہ جس کے لیے نکلنا منظور نہ ہوتا' اپنے پاس ایک دائرہ کھینچتے اور لونڈی سے فرماتے کہ اس دائرہ میں انگلی رکھ کر کہہ دے کہ یہاں نہیں ہیں۔

فائدہ: یاد رہے کہ یہ تمام باتیں کنایہ کی ضرورت و حاجت کے وقت ہیں ورنہ بے ضرورت ان کا ارتکاب بھی نہیں چاہئے کیونکہ ایک حیلہ ہے۔ اس سے دوسرا شخص خلاف واقع سمجھتا ہے۔ اگرچہ لفظوں میں جھوٹ نہ ہو' تب بھی مکروہ امر ہے۔

حکایت حضرت عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گیا اور میں اچھا لباس پہنے ہوئے تھا۔ جب میں وہاں سے نکلا تو کپڑوں کو دیکھ کر لوگ کہتے کہ امیر المومنین نے عنایت کیا ہے' میں کہتا اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ میرے والد نے کہا کہ خبردار جھوٹ نہ بولو۔ حالانکہ یہ کوئی جھوٹ نہ تھا مگر اس خیال سے کہ بادشاہ کے حق میں دعا اکثر انعام کے مقابلہ میں ہوتی ہے' لوگ اس جملہ سے یہی سمجھتے ہوں گے کہ بادشاہ نے دیا ہے تو گویا ایک جھوٹی اور بے اصل بات پر ان کو یقین دلانا تھا' اسی لیے ان کو منع کیا کہ ایسا نہ کریں۔ ویسے اس میں فائدہ ہی کیا ہے' سوائے اس کے کہ فخر ہو کہ ہمیں بادشاہ کے ہاں سے یہ ملا۔

مسئلہ: کنایات تھوڑے سے مطالب کے لیے مزاح کے طور پر مباح ہیں۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ بڑھیا بہشت میں نہ جائے گی اور فرمانا تیرے خاوند کی آنکھ میں سفیدی ہے اور فرمانا کہ تجھے اونٹ کے بچے پر سوار کریں گے وغیرہ۔

مسئلہ: صریح جھوٹ کہ جس میں ایسا ضرر ہو کہ کسی کو ایذا پہنچے' وہ حرام ہے۔ مثلاً حضرت نعیمان انصاری رضی اللہ عنہ نے اندھے کو بہکا دیا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملا کر کہا' یہ حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ ہیں یا جیسے بعض احمقوں کو فریب دیا کرتے ہیں کہ فلاں عورت تم پر عاشق ہے۔

مسئلہ: اگر ایذا منظور نہ ہو بلکہ دل لگی مطلوب ہو تو اگرچہ اس سے فاسق تو نہیں ہوتا لیکن پھر بھی درجہ ایمان سے کچھ جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے لا یکمل لمرا ایمان حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه وحتی یجتنب الکذب فی مزاحه (کوئی آدمی جب تک اپنے بھائی کے لیے وہ نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے اور جب تک کہ اس سے ہنسی کرنے میں جھوٹ سے نہ بچے' اس کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔) حدیث میں ہے کہ بعض اوقات انسان ایسی بات کہتا ہے کہ لوگ اس پر ہنسیں' اس سبب سے وہ دوزخ میں ثریا کی مسافت تک جا پڑتا ہے۔

فائدہ: اس سے مراد وہ کلام ہے جس میں غیبت اور ایذا رسانی ہو' مطلق مزاح مراد نہیں۔

مسئلہ: وہ جھوٹ جس سے انسان فاسق نہیں ہوتا' وہ یہ ہے کہ عادتاً بطور مبالغہ کہے کہ ہم نے سو دفعہ کہہ دیا کہ ایسا مت کرو کیونکہ اس سے شمار و عدد مطلوب نہیں بلکہ بطور مبالغہ کثرت مطلوب ہے۔ اگر ایک ہی بار کہا ہو یا بلایا ہو تو جھوٹ ہوگا۔ اگر عادت سے زیادہ دفعہ کہا ہو گیا یا بلایا گیا ہو گا تو گنہگار نہ ہو گا۔ اگر اتنا دفعہ نہ کہا ہو جتنی تعداد

کمی ہے اور ان دونوں کے درمیان اور درجے ہیں کہ جو کوئی اپنی زبان سے مبالغہ کو نہ روکے' وہ خطرہ کذب سے خالی نہ ہوگا۔

مسئلہ: ایک اور جھوٹ ہے جس کی انگاری لوگوں میں عام عادت ہے' وہ یہ ہے کہ جب آدمی سے کہا جائے کہ کھانا کھاؤ تو جواب دے کہ مجھے بھوک نہیں اور یہ بھی ممنوع اور حرام ہے بشرطیکہ کوئی غرض صحیح اس سے متعلق نہ ہو۔

حکایت حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ شب زفاف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں میں موجود تھی اور ان کو میں نے ہی بنایا سنوارا تھا اور میرے ساتھ کچھ اور عورتیں بھی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہم لے گئے اور آپ کے ہاں بغیر ایک پیالہ دودھ کے اور کچھ موجود نہ تھا' اس میں سے کچھ آپ نے پیا اور پھر حضرت عائشہ کو دیا۔ وہ حیاؤ شرم کر رہی تھیں تو میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تبرک ہے لے لو۔ انہوں نے شرم کی حالت میں لے کر پیا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اپنی ساتھیوں کو دے دے۔ عورتوں نے عرض کی' ہمیں بھوک نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے پیٹ میں جھوٹ اور بھوک دونوں کو نہ جمع کرو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی چیز کو ہمارا دل چاہتا ہو اور ہم کہہ دیں کہ بھوک نہیں' کیا یہ بھی جھوٹ ہے؟ آپ نے فرمایا جھوٹ جھوٹ ہی لکھا جاتا ہے حتیٰ کہ اگر تھوڑا سا جھوٹ ہوگا تو وہ تھوڑا لکھا جائے گا۔

فائدہ: اہل تقویٰ اس جیسے جھوٹ میں بھی تسامح سے بچتے تھے۔

حکایت حضرت لیث بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں اتنا کیچڑ رہتا تھا کہ باہر بھی آجاتا تھا۔ لوگ ان سے عرض کرتے کہ آپ اپنی آنکھیں پونچھ ڈالیے۔ آپ کہتے طبیب کو کیا جواب دوں گا جبکہ اس نے کہا ہے کہ آنکھوں کو ہاتھ مت لگانا یعنی معالج سے ہاتھ نہ لگانے کا وعدہ کر چکا ہوں' وہ خلاف ہو جائے گا۔

فائدہ: ہم کہتے ہیں کہ واقع میں اہل تقویٰ اپنی زبان کی حفاظت اسی طرح فرماتے ہیں۔ جو شخص حفاظت ترک کرے گا' اس کی زبان بے اختیار جھوٹ میں مبتلا ہوگی اور اس میں خیر بھلائی بھی نہ ہوگی۔

حکایت حضرت خوات تیمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ربیع بن خثیم رضی اللہ عنہ کی بہن میرے بیٹے کی عیادت کے لیے آئیں اور اس پر جھک پڑیں اور پوچھنے لگیں کہ بیٹا کیا حال ہے؟ ان کے بھائی ربیع نے ان سے پوچھا کہ تم نے اس لڑکے کو دودھ پلایا ہے۔ انہوں نے کہا نہیں' انہوں نے کہا پھر تمہارا بیٹا کیسے ہوا؟ یوں کیوں نہ کہا کہ بھتیجے کیا حال ہے تو جھوٹ نہ ہوتا۔

مسئلہ: ایک عادت یہ بھی ہے کہ جو بات کسی کو معلوم نہ ہو' اس میں کہتے ہیں کہ اللہ جانتا ہے حالانکہ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک بڑے گناہوں میں سے ہے کہ جس کی بات نہ جانتا ہو' اس کو کہے کہ اللہ جانے۔

مسئلہ: بعض لوگ جھوٹا خواب بیان کرتے ہیں یا اس میں کچھ اپنی طرف سے ملا کر کہتے ہیں' یہ بھی بڑا گناہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ان من اعظم الفرینه ان یدعی الرجل الی غیر ابیه اویری عینه فی المنام مالم یر اویقول علی مالم اقل (بڑا بہتان یہ ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کے سوا دوسرے کی طرف منسوب ہو یا جو خواب میں نہیں دیکھا' اسے دیکھا ہوا ظاہر کرے یا کہے مجھ سے وہ حدیث جو میں نے نہیں کہی۔) دوسری حدیث میں ہے من کذب فی المنام کلف یوم القیمنه ان یعقد شعیرة ولیس بعاقده (جو خواب میں جھوٹ بولے تو قیامت کے دن میں اس سے درجون میں گرہ لگوائی جائے گی اور وہ نہ دے سکے گا۔

غیبت کی مذمت: دلائل شرعی سے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کی برائی کا ذکر فرمایا ہے اور غیبت کرنے والے کو مردار کھانے والے سے مشابہت دی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرمایا ہے: وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ (الحجرات 12) ترجمہ کنزالایمان: اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کیا تم میں کوئی پسند رکھے گا کہ اپنے مرے بھائی کا گوشت کھائے تو یہ تمہیں گوارا نہ ہو گا۔

احادیث مبارکہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل المسلم علی المسلم حرام دمه وماله و عرضه(مسلمان کی مسلمان پر تین باتیں حرام ہیں (1) خون (2) مال (3) عزت)

فائدہ: عرض میں غیبت شامل' مال اور خون کے ساتھ اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے جمع فرمایا ہے۔

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ لا تحاسد واولا تباغضو ولا یغتب بعضکم بعضا کونوا عباد اللّٰہ اخوانا (آپس میں حسد نہ کرو نہ بغض کرو نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو اور ہو جاؤ آپس میں بھائی بھائی۔)

(3) حضرت جابر و ابو سعید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایاکم والغیبته فان الغیبته اشد من الزنا (غیبت سے بچو کہ غیبت زنا سے سخت تر ہے۔)

فائدہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ زنا کرکے تو آدمی توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ قبول کر لیتا ہے اور غیبت کرنے والے کی مغفرت نہیں ہوتی جب تک کہ وہ معاف نہ کرے جس کی غیبت کی ہو۔

(4) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج کو میرا ایسے لوگوں پر گزر ہوا کہ اپنے چہرہ کو ناخنوں سے نوچ رہے تھے۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا' یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کی یہ وہ ہیں جو لوگوں کی غیبت کرتے اور ان کی آبرو میں گفتگو کرتے تھے۔

(5) حضرت سلیمان بن جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر عرض کی کہ کوئی عمدہ شے بتلایئے جس سے مجھے فائدہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی اچھی بات کو حقیر نہ سمجھنا' گو اتنی ہی کیوں نہ کہ اپنے ڈول میں سے پیاسے کے برتن میں پانی ڈال دے اور یہ کہ اپنے بھائی مسلمان سے بکشادہ رو ملنا چاہئے اور اس کے پیچھے اس کی غیبت نہ کرنی چاہئے۔

(6) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا زور سے خطبہ پڑھا کہ گھروں کی عورتوں نے بھی سنا۔ اس میں فرمایا یامحشر من آمن بلسانه ولم یومن بقلبه ولا تغتا بوا المسلمین ولا تتبعوا عورتهم فانه من تتبع عورة اخیه تتبع الله عورته یفضحه فی جوف بیته (وہ لوگ زبان سے ایمان لائے ہوں اور دلوں سے ایمان نہیں لائے' مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور نہ ان کی عزت کے درپے۔ جو کسی کی عزت کے درپے ہوتا ہے اللہ اس کی بے عزتی کرتا ہے بلکہ اسے اپنے گھر میں رسوا کرتا ہے۔)

(7) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ جو غیبت سے توبہ کر کے مرے گا' سب سے بعد کو جنت میں جائے گا اور جو بے توبہ مرے گا تو سب سے پہلے دوزخ میں جائے گا۔

(8) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز روزہ رکھنے کا ارشاد فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ جب تک میں اجازت نہ دوں' تب تک کوئی افطار نہ کرے۔ صحابہ نے روزہ رکھا اور جب شام ہوئی تو آپ کی خدمت میں ایک ایک صحابی نے آنا شروع کیا اور عرض کرتے گئے' میں نے روزہ رکھا تھا' مجھے افطار کی اجازت ہو۔ آپ اجازت دیتے گئے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتیں ہیں' انہوں نے بھی روزہ رکھا تھا۔ ان کو آپ اجازت دیں تاکہ وہ افطار کریں۔ آپ نے منہ پھیر لیا۔ اس نے دوبارہ عرض کیا' دوبارہ منہ پھیر لیا۔ اس نے پھر عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے روزہ نہیں رکھا۔ جو آدمی دن بھر لوگوں کا گوشت کھائے' اس کا روزہ کیسے ہوگا' جا کر ان سے کہہ دو کہ تمہارا روزہ ہے تو قے کرو۔ اس نے ان عورتوں کو آپ ﷺ کا حکم سنایا۔ انہوں نے قے کی تو اس پر ایک کے منہ سے جما ہوا خون نکلا۔ اس نے آپ کی خدمت میں واقعہ سنایا۔ آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر یہ خون کے لوتھڑے ان کے پیٹوں میں رہ جاتے تو ان کو دوزخ کھا جاتی۔

فائدہ: ایک روایت میں ہے کہ جب آپ نے منہ پھیر لیا تو وہ شخص دوبارہ حاضر ہوا اور عرض کی بخدا وہ عورتیں مرنے کے قریب ہیں۔ آپ نے فرمایا' ان کو یہاں لاؤ۔ جب وہ آئیں تو آپ نے ایک بڑا تھال منگا کر ان میں سے ایک سے کہا کہ اس میں قے کرے۔ اس نے پیپ اور خون کی قے کی' یہاں تک کہ وہ بھر گیا۔ پھر دوسری سے کہا' اس نے بھی ویسی ہی قے کی۔ آپ نے فرمایا ان دونوں نے جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا' اس سے تو روزہ رکھا اور جس کو حرام کیا تھا' اس سے افطار کیا۔ ایک دوسرے کے پاس بیٹھ کر لوگوں کا گوشت کھانا شروع کیا یعنی غیبت

کی۔

(9)حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں سود کا ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر سود کا ایک درہم کوئی لے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھتیس (36) زنا سے بڑھ کر گناہ ہے اور ہر سود سے بڑھ کر مسلمان آدمی کی آبرو ہے۔

(10)حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپ دو قبروں سے گزرے کہ جن کو عذاب ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے کوئی بڑا گناہ نہیں کیا تھا لیکن ان پر عذاب ہو رہا ہے۔ ایک لوگوں کی غیبت کرتا تھا' دوسرا پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تر لکڑی منگا کر ان کو چیر کر دونوں قبروں پر گاڑ دیں اور فرمایا کہ جب تک یہ تر رہیں گی' ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

(11) جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز کو زنا کی وجہ سے سنگسار کیا تھا' ایک صحابی نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا کہ اس کو کتے کی طرح اسی جگہ مار ڈالا۔ پھر راستہ میں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مردار پر گزر ہوا تو ان دونوں سے فرمایا کہ اس میں دانت مارو۔ انہوں نے عرض کیا کہ مردار پر دانت ماریں۔ آپ نے فرمایا کہ ماعز کا تم نے ذکر کیا تھا وہ تو اس سے بھی زیادہ برا تھا۔

فائدہ: صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین آپس میں بکشادہ پیشانی ملتے لیکن غیبت کسی کی نہ کرتے بلکہ غیبت نہ کرنے کو افضل اعمال سمجھتے اور اس کے خلاف کو منافقین کی عادت تصور کرتے۔

(12)حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں جو آدمی دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھاتا ہے تو آخرت میں بھی اس کے سامنے وہی گوشت پیش کیا جائے گا اور حکم ہوگا کہ جیسے زندگی میں تو نے کھایا تھا' اب بھی کھا تو لازماً کھا کر منہ بناتا ہوا چلا جائے گا۔

فائدہ: یہ مضمون حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے۔

اقوال اسلاف رحمتہ اللہ علیہم: ایک دفعہ دو آدمی مسجد کے کسی دروازے کے پاس بیٹھے تھے کہ وہاں پر ایک مخنث کا گزر ہوا جس نے اپنا کام چھوڑ دیا تھا۔ ان دونوں نے اسے دیکھ کر آپس میں کہا کہ ابھی اس میں اثر مخنث ہونے کا باقی ہے۔ پھر نماز کے لیے تکبیر ہوئی' یہ دونوں بھی جماعت میں شریک ہوئے مگر دل پہ خیال رہا کہ ہم نے اس شخص کی نسبت ایسا کہا ہے' نہ معلوم نماز ہوئی یا نہیں؟ اس لیے عطا رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ دوبارہ وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھو۔ اگر روزہ بھی تمہارا تھا تو روزہ کو بھی قضا کرو اور ویل لکل همزة لمزه (همزه 1) ترجمہ کنزالایمان: خرابی ہے اس کے لئے جو لوگوں کے منہ پر عیب کرے۔ یہ زجراً حکم تھا ورنہ غیبت سے نہ وضو ٹوٹتا ہے نہ روزہ)

(2)حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ھمزۃ سے وہ شخص مراد ہے جو لوگوں پر طعن و اعتراض کرے اور لمزۃ سے غیبت کرنے والا مراد ہے۔

(3)حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حدیث پہنچی کہ عذاب قبر کے تین حصے ہیں۔ ایک تہائی تو غیبت سے ہوتا ہے اور دوسری تہائی چغلی اور تیسری پیشاب سے نہ بچنے سے۔

(4)حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بخدا غیبت کا اثر مسلمان کے دین میں آکلہ (بیماری) کے اثر سے بھی زیادہ ہوتا ہے یعنی جیسے مرض آکلہ آدمی کے تن بدن کو کھالیتا ہے ویسے ہی غیبت دین کو چٹ کر جاتی ہے۔

(5)یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ ہم نے سلف کو اسی حال پر پایا کہ نماز' روزہ کسی کو عبادت نہیں سمجھتے تھے بلکہ ترک غیبت کو عبادت جانتے تھے۔

(6)حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تمہارا دل چاہے کہ لوگوں کے عیب بیان کرو تو اپنے عیب یاد کرو۔

(7)بعض کا قول ہے کہ تم لوگوں کی آنکھ کا تو تنکا بھی دیکھ لیتے ہو مگر اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نظر نہیں آتا۔

(8)حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم حقیقت ایمان پر جب ہی پہنچے گا کہ جو برائی تجھ میں ہے' اس پر دوسروں کو برا نہ کہے اور اپنی برائی کی اصلاح پہلے کرے گا اور جب پہلے اپنے نفس کی اصلاح مقدم جانے گا تو یہی شغل کافی ہے۔ دوسروں کی طرف التفات کی نوبت بھی آنی مشکل ہے اور اللہ کے نزدیک محبوب تر وہی بندہ ہے جس کا حال ایسا ہی ہو۔

(9)حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع حواریوں کا ایک مردار کتے پر گزر ہوا تو حواریوں نے کہا کہ اس کتے میں کیسی بری بو آتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے دانتوں کی سفیدی کتنی تیز ہے۔ اس سے گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کتے کی غیبت سے بھی منع فرمایا اور تنبیہہ کی کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے اچھی شے کے سوا اور کچھ ذکر نہ کرنا چاہئے۔

(10)حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے کسی سے سنا کہ دوسرے کی غیبت کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خبردار غیبت مت کرنا' یہ ان لوگوں کا سالن ہے جو انسانوں میں سے کتے ہیں۔

(11)حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو تاکہ اس سے شفا ملے۔ لوگوں کا ذکر مت کیا کرو کہ اس میں بیماری ہے۔ (اللہ ہم کو حسن توفیق عنایت فرمائے۔)

غیبت کیا ہے؟ غیبت کی تعریف یہ ہے کہ دوسرے کا ایسا ذکر کرنا کہ اگر وہ اسے سنے تو برا جانے۔ نقصان بدن کا ذکر ہو یا نسب کا یا خلق کا یا قول و فعل کا یا دین کا یا دنیا کا یا کپڑے اور گھر اور سواری وغیرہ کا بدن کا عیب تو یہ ہے کہ کسی کو یوں کہے کہ اس کی آنکھیں چندھی یا آنسو بہانے یا بھینگی ہیں یا کہا جائے کہ وہ گنجا یا بونا ہے یا کالا ہے یا پیلا ہے

وغیرہ۔ ایسے عیوب معلومہ کہ اگر وہ سنے گا تو برا مانے گا۔ نسب کا عیب اس طرح ہے کہ اس کا باپ غلام ہے' خبیث ہے یا بدکار ہے یا موچی ہے یا گوبر اٹھانے والا یا بھنگی ہے یا مکروہ پیشے والا ہے۔ خلق کا عیب اس طرح ہے کہ فلاں شخص بدمزاج ہے یا بخیل ہے یا متکبر ہے یا ریاکار ہے یا غضب والا ہے یا نامرد ہے یا بزدل ہے یا اس طرح کا کوئی ایسا لفظ کہا جائے۔ وہ عیب جو دین سے متعلق ہے۔ مثلاً کہا جائے کہ وہ چور ہے' جھوٹا ہے' شراب خور ہے' خائن ہے' ظالم ہے یا نماز و زکوٰۃ میں سستی کرتا ہے یا رکوع و سجدہ اچھی طرح ادا نہیں کرتا یا نجاست سے نہیں بچتا یا والدین سے اچھا سلوک نہیں کرتا یا زکوٰۃ کو بے موقع صرف کرتا ہے یا اچھی طرح نہیں تقسیم کرتا یا روزہ میں جماع و غیبت اور لوگوں کی برائی کیا کرتا ہے۔ وہ افعال جو دنیا سے متعلق ہیں' ان کا عیب اس طرح ہے کہ فلاں شخص ادب سے لوگوں کی تعظیم نہیں کرتا۔ اپنا حق سب پر جانتا ہے۔ اپنے اوپر کسی کا حق نہیں سمجھتا یا بڑا بکواسی ہے یا بسیار خور ہے یا بہت سوتا ہے یا بے وقت سو رہتا ہے اور بے موقع بیٹھ جاتا ہے۔ کپڑے کا عیب اس طرح کہ اس کی آستین چوڑی ہے یا دامن لمبا ہے یا کپڑے میلے رکھتا ہے۔

مسئلہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ دین کے بارے میں جو کسی کو کچھ کہتے ہیں تو یہ داخل غیبت نہیں اس لیے کہ جس چیز کو اللہ نے برا کہا ہے' اس کی مذمت کرنا ہے۔ ایسے شخص کو گناہ کے باعث برا کہنے میں کوئی خرابی نہیں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب اس عورت کا ذکر ہوا جو بہت روزہ' نماز کرتی تھی اور ساتھ ہی ہمسایوں کو زبان سے ستاتی تھی تو آپ نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں جائے گی۔ ایک اور عورت کا ذکر آپ کے سامنے ہوا کہ وہ بخیلہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں اچھی بات نہیں۔

فائدہ: اگر اس قسم کی برائی ممنوع ہوتی تو آپ منع فرما دیتے کہ ایسے الفاظ سے مذمت کیا کرو۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ قول و دلیل ان لوگوں کے لیے درست نہیں' اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لوگوں کا ذکر جو ان الفاظ سے آپ کے سامنے کرتے تھے تو ان کی غرض یہ نہ تھی کہ ان کی ہتک یا برائی ہو بلکہ تحقیق مسائل منظور ہوتی تھی اور سوائے مجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی جگہ اس کی ضرورت نہ تھی' اس لیے صرف اسی مجلس میں ایسا ذکر تحقیق کے لیے ہوتا تھا۔

فائدہ: ان امور کے غیبت میں داخل ہونے کی یہ سند ہے کہ تمام علمائے امت کا اجماع ہے کہ دوسرے آدمی کو ایسا کہنا کہ وہ سنے تو برا مانے' اس کا نام غیبت ہے کیونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کی تعریف میں ایسے ہی ارشاد فرمایا ہے اور یہ بھی جب ہے کہ جو بات کسی کی بیان کی ہے' وہ اس میں موجود ہو تو ایسی بات کہنے سے غیبت کا بھی مرتکب ہوا اور اللہ کا بھی نافرمان اور اپنے بھائی کا گوشت کھانے والا بھی۔

حدیث 1: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ غیبت کیا ہے؟ عرض کی گئی اللہ و

رسول اعلم (اللہ و رسول خوب جانتے ہیں) آپ نے فرمایا ذکر اخاک بما یکرھم (کرنا اپنے بھائی کو ایسی بات جو اسے بری محسوس ہو۔) لوگوں نے عرض کیا کہ جو بات کسی کی کہی جائے' اگر اس میں ہو؟ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ بات اس میں ہو تو وہ غیبت ہے ورنہ بہتان ہے۔

حدیث 2: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر ہوا' لوگوں نے کہا کہ وہ بڑا کمزور ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے اس کی غیبت کی۔ عرض کیا کہ یہ بات اس میں تھی' ہم نے تو وہی بیان کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ایسی بات کہتے ہو جو اس میں نہ ہوتی تو وہ بہتان تھا۔

حدیث 3: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک عورت کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا اور کہا کہ وہ چھوٹے قد والی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے اس کی غیبت کی۔

اقوال صالحین رحمتہ اللہ علیہم: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دوسرے کا ذکر تین طرح ہوتا ہے۔ (1) غیبت (2) بہتان اور (3) افک۔ اور یہ ہر ایک کتاب اللہ عزوجل میں موجود ہے۔ غیبت تو اسے کہتے ہیں کہ جو بات دوسرے میں ہو' اس کو بیان کیا جائے اور بہتان یہ ہے کہ جو بات اس میں نہ ہو' اسے بیان کریں اور افک یہ ہے کہ جیسا سنیں' ویسا کہہ دیں۔

(2) حضرت ابن سرین رحمتہ اللہ علیہ نے ایک آدمی کا ذکر کیا تو منہ سے نکلا کہ وہ کالا ہے' پھر کہا استغفر اللہ میں نے تو اس کی غیبت کر دی۔

(3) ایک دفعہ حضرت ابراہیم علیہ الرحمتہ نے یک چشم کا ذکر کیا تو نخعی کہتے ہیں کہ میں نے اپنا ہاتھ آنکھ پر رکھ لیا اور اسے یک چشم نہ کہا۔

(4) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کسی کی غیبت نہ کرو۔ میں نے ایک عورت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہہ دیا تھا کہ اس کا دامن لمبا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تھوک۔ میں نے تھوکا تو منہ سے ایک گوشت کا لوتھڑا نکلا۔

فائدہ: یاد رہے کہ غیبت زبان سے کہنے پر ہی موقوف نہیں بلکہ جس طرح دوسرا شخص کسی کا عیب سمجھ جائے' وہ غیبت ہی میں داخل ہے۔ کنایہ سے ہو یا اشارہ سے' حرکت و فعل سے ہو یا تصریح و قول سے۔ یہ سب حرام و ناجائز ہیں۔

حکایت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک بار ایک عورت آئی اور جب وہ چلی گئی تو میں نے اپنے ہاتھ سے اس کے قد کا اشارہ کیا کہ کوتاہ (چھوٹے) قد کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ تو نے اس کی [illegible]ت کی۔

مسئلہ: یہ بھی غیبت ہے کہ کوئی لنگڑے کی نقل اتارتے ہوئے اس کی چال چلنے لگے بلکہ نقل کرنا غیبت سے بڑھ کر ہے، اس لیے کہ اس سے دوسرے شخص کی صورت ذہن میں زیادہ سامنے آجاتی ہے گویا اس کی تصویر پیش نظر ہو جاتی ہے۔

حدیث: جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ ایک عورت کی نقل کی ہے تو آپ نے فرمایا مایسرنی انی حاکیت انسانا ولی کذا وکذا ترجمہ: (مجھے خوش نہیں لگتا کہ کسی کی نقل اتاروں اور اس پر مجھے اچھا انعام ملے۔)

مسئلہ: کسی کی کوئی بری بات لکھنا بھی غیبت ہے کیونکہ قلم بھی نصف زبان ہے۔ اگر کوئی مصنف کسی معین شخص کی نسبت کچھ برا لکھے یا اس کا کلام کتاب میں نقل کرے تو یہ غیبت میں داخل ہے مگر اس صورت میں کہ کوئی وجہ یا عذر لکھ دے۔ جیسا کہ آگے اس کا بیان آتا ہے۔

مسئلہ: یوں لکھنا کچھ لوگ ایسا کہتے ہیں، داخل غیبت نہیں۔ غیبت اسی کا نام ہے کہ شخص معین کی طرف اشارہ پایا جائے خواہ زندہ ہو یا مردہ۔

مسئلہ: یہ بھی غیبت ہی ہے کہ اس طرح کہے جس سے آج ملاقات ہوئی تھی یا جو شخص ہمارے پاس آیا تھا (وہ ایسا ایسا تھا) وغیرہ بشرطیکہ مخاطب اس سے شخص معین سمجھے کیونکہ مقصد یہی ہے کہ مخاطب سمجھ جائے۔ یہ مقصود نہیں کہ کسی طور خاص بات سمجھانے سے غیبت ہوتی ہے لیکن اگر شخص معین مخاطب کے ذہن میں نہ آئے گا تو ناجائز ہے۔

حدیث: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی آدمی کا فعل برا محسوس ہوتا تو فرماتے کہ لوگوں کا کیا حال ہے؟ کہ ایسا کرتے ہیں، معین کر کے کچھ نہیں فرماتے تھے۔

مسئلہ: کلام میں کوئی ایسا لفظ کہہ دینا کہ جس سے شخص معین ہی سمجھا جائے، غیبت ہوگی اور یہ سب سے زیادہ بڑی غیبت ہے اور یہ وہ لوگ کرتے ہیں جو پڑھے لکھے یا ریاکار ہیں کہ مقصود بھی ظاہر کر دیں اور اچھے کے اچھے بنے رہیں اور لوگوں کو بھی معلوم ہو کہ یہ غیبت نہیں کرتے حالانکہ وہ جہالت سے یہ نہیں جانتے کہ وہ دو خطاؤں کے مرتکب ہوئے (1) غیبت (2) ریا۔ مثلاً کسی کا ذکر ان کے سامنے ہو تو کہتے ہیں اللہ کا شکر ہے کہ ہم کو حکام سے غرض نہیں، نہ ان کے سامنے دنیا کے لیے ذلیل کیا یا یوں کہتے ہیں کہ بے شرمی سے اللہ بچائے۔ ان الفاظ سے یہی غرض ہوتی ہے کہ دوسرا شخص معیوب ہے۔ اسے شکر اور دعا کے پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔

مسئلہ: بعض اوقات اس شخص کی مدح بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں شخص کتنا اچھا ہے۔ اس کے سب

افعال درست ہیں اور عبادت میں چست ہے مگر ایک فلاں بلا میں مبتلا ہے کہ ہم سب کے سب اس میں گرفتار ہیں' وہ ہے بے صبری۔ مثلاً اس طرح سے پہلے اپنا ذکر کر لیتے ہیں۔ اس کے ضمن میں غرض صرف دوسرے کی مذمت ہوتی ہے اور خود کو صلحاء سے مشابہ کرنا ہوتا ہے۔ اس صورت میں تین خطائیں جمع ہو جاتی ہیں۔ (1)غیبت (2) ریا (3) اپنے نفس کو پاک و صاف جاننا۔ پھر یہی سمجھتے ہیں کہ ہم نیک ہیں' کسی کی غیبت سے سروکار نہیں رکھتے۔

فائدہ: یہی وجہ ہے کہ جو لوگ علم کے بغیر عبادت کرتے ہیں' شیطان ان کو مسخرا بنا لیتا ہے اور ان کو لاعلمی کے سبب کچھ خبر نہیں ہوتی' پھر وہ جس طرح چاہتا ہے ان پر ہنستا ہے اور ان کے اعمال کو اپنے فریب سے گھیر لیتا ہے۔

مسئلہ: کسی جلسہ میں کسی کا عیب ذکر کرتے ہیں اور بعض لوگ اس پر کان نہیں دھرتے تو کہہ اٹھتے ہیں کہ سبحان اللہ عجیب و غریب بات ہے تاکہ لوگ خوب متوجہ ہو کر سنیں۔ اپنے خبث باطن کے اظہار میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ اس کو بھی دھوکا دینا چاہتے ہیں' وہ تو دلوں کی بات جانتا ہے' یہ بھی غیبت ہے۔

مسئلہ: بعض اوقات کہتے ہیں کہ ہمارے دوست پر جو حال گزرا' نہایت رنج ہوا کہ اس کی تحقیر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے عوض راحت دے تو غم کا دعویٰ اور دعا کا اظہار دونوں جھوٹے ہوتے ہیں کیونکہ اگر دعا کا ارادہ ہوتا ہے تو خلوت میں بعد نماز اس کے لیے دعا کرتے اور واقع میں اس کے رنج سے رنج ہوتا تو جس چیز کے اظہار سے اس کو برا لگے' وہ کیوں ظاہر کرتے۔' اسی لیے یہ بھی غیبت ہے۔

مسئلہ: کبھی کہتے ہیں کہ وہ بیچارہ بڑی آفت میں پھنس گیا ہے' اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق توبہ نصیب فرمائے۔ ظاہر میں توبہ کی دعا ہے مگر اللہ تعالیٰ خبث باطن پر خوب مطلع ہے کہ اس کے دل میں کیا بھرا ہے؟ لیکن ان کو جہالت کی وجہ سے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ امر جاہلوں سے بھی بڑھ کر ہے۔

مسئلہ: غیبت سن کر تعجب کرنا بھی غیبت ہے' اس لیے کہ تعجب کرنے سے غیبت کنندہ خوش ہوتا ہے اور زیادہ کہنے کو تیار ہوتا ہے مثلاً جب کسی نے دوسرے کا عیب بیان کیا اور سننے والے نے کہا کہ بھائی ہم تو اسے ایسا نہیں جانتے تھے' آج تک تو ہم کو اس کی نسبت اور ہی کچھ خیال تھا۔ یہ تم نے عجیب حال سنایا' اللہ بچائے۔ پس اس سے وہ شخص غیبت کنندہ اور ویسی ہی باتیں اس کی کرنے لگتا ہے کہ زیادہ موجب تعجب ہوگا اور یہ بھی ہاں جی ہاں کہنے لگتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ غیبت سننا اور تصدیق کرنا بھی داخل غیبت ہے بلکہ جو چپ کر کے سنا کرے' وہ بھی شریک غیبت ہے۔ حدیث شریف میں ہے المستمع احد المغتابین (سننے والا بھی غیبت کرنے والوں کا ایک حصہ ہے)

حکایت: ایک دفعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے سے ذکر کیا کہ فلاں شخص بڑا سوتا ہے'

پھر دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سالن مانگا۔ آپ نے فرمایا' سالن تو تم لے چکے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم کو تو معلوم نہیں' کب لیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے بھائی مسلمان کا گوشت کھا چکے۔

فائدہ: باوجود یہ کہ وہ کلمہ ایک نے فرمایا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو شریک کیا۔ اسی طرح ماغر کے رجم میں جب دو شخصوں نے کہا تھا کہ کتے کی طرح اسی جگہ مارا گیا تو آپ نے مردار دیکھ کر دونوں کو ارشاد فرمایا تھا کہ اس میں دانت مارو' حالانکہ کہنے والا ایک ہی تھا' دوسرا صرف سنتا تھا۔

مسئلہ: معلوم ہوا کہ سننے والا بھی غیبت کے گناہ میں شریک ہے مگر اس صورت میں کہنے والے کو منع کر دے زبان سے اگر منع کرنے سے خوف ہو تو دل میں برا سمجھے۔ اگر خود اس مجلس میں سے اٹھ سکتا ہے یا کہنے والے کو دوسری بات میں لگا سکتا ہے تو غیبت میں شریک نہیں۔ اگر یہ دونوں باتیں نہ کیں تو گنہگار ہو گا۔

مسئلہ: اگر زبان سے منع کیا لیکن دل میں خواہش سننے کی رہی تو اس کا نام نفاق ہے۔ گناہ سے تب بچے گا جب دل سے بھی برا سمجھے گا۔

مسئلہ: منع کرنے میں اسی قدر کافی نہیں کہ ہاتھ سے یا ابرو یا آنکھ کے اشارہ سے روک دے' اس میں چشم پوشی معلوم ہوتی ہے بلکہ یوں چاہئے کہ بخوبی منع کرے کہ خبردار ایسا مت کرنا۔

حدیث شریف میں ہے من اذل عنده مومن فلم ينصره وهو يقدر على نصره اذله الله يوم القيمنه على روس الخلائق ترجمہ: (جس کے سامنے کوئی ایماندار ذلیل کیا جائے اور وہ اس کی مدد نہ کرے حالانکہ مدد کرنے پر قادر ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ذلیل کرے گا۔

(2) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من ذب عن عرض اخيه بالغيب كان حقا على الله ان يذب من عرضه يوم القيمنه (جو شخص حامی ہو اپنے بھائی کی عزت کا' اس کی پیٹھ پیچھے واجب ہے اللہ پر کہ اس کی آبرو کی حمایت فرمائے قیامت میں۔)

(3) فرمایا کہ من ذب عن عرض اخيه بالغيب كان حقا على الله ان يعتقه من النار (جو شخص حامی ہو اپنے بھائی کی عزت کا اس کی پیٹھ پیچھے' واجب ہے اللہ تعالیٰ عزوجل پر کہ اس کو آزاد کرے آتش دوزخ سے۔)

فائدہ: غیبت کے وقت مسلمان کی نصرت کے بارے میں اور اس کی فضیلت میں بہت سی احادیث ہیں جنہیں ہم باب آداب صحبت اور حقوق اسلام میں بیان کر چکے ہیں۔ (اعادہ ایک امر زائد ہے)

غیبت کے اسباب: غیبت کے اسباب بکثرت ہیں مگر گیارہ اسباب میں وہ سب آجاتے ہیں' آٹھ تو عوام کے حق میں عام ہیں اور تین خواص کے لیے مخصوص ہیں۔ وہ آٹھ اسباب یہ ہیں۔ (۱) غصہ کے وقت دل کی بھڑاس نکالنا

یعنی جب ایسا سبب ہو جائے کہ کسی کو دوسرے پر غصہ آئے تو جوش غضب میں اس کی برائی کرنے لگتا ہے اور دل کی بھڑاس نکالتا ہے۔ یہ امر اقتضائے طبع ہے بشرطیکہ اس میں دین کا تعلق نہ ہو۔ کبھی بظاہر تو برا نہیں لگتا مگر دل میں کینہ رہتا ہے۔ اس سے گویا آئندہ کو ہمیشہ کے لیے برا کہنے کی بنا پڑ جاتی ہے۔ پس کینہ اور غضب دونوں غیبت کے بڑے اسباب میں سے ہیں۔ (2) دل کی دیکھا دیکھی اور ہاں میں ہاں ملانا۔ مثلاً اگر اپنے دوست اور اہل مجلس کسی کی برائی کریں تو اس وقت یہ سمجھتا ہے کہ اگر ان کی طرح نہ کہوں گا تو یہ ناراض ہو جائیں گے یا مجھے برا سمجھیں گے تو ان کی طرح یہ بھی غیبت کرنے لگتا ہے اور اسے حسن معاشرت اور ملنساری سمجھتا ہے تو جب وہ غصہ کی حالت میں کسی کو برا کہتے ہیں' یہ بھی غصہ میں ان کی دیکھا دیکھی برا کہنے لگتا ہے۔ (3) پیش بندی یعنی جب کسی کے لیے معلوم کیا کہ یہ شخص کسی بڑے آدمی کے سامنے میری برائی کرے گا یا میرے خلاف گواہی دے گا تو پہلے ہی سے اس کی برائی کرنے لگے کہ پھر وہ اگر اس کی نسبت کچھ کہے تو شنوائی نہ ہو۔ پہلے سے یہ بات مخاطب کے دل میں جم جائے کہ یہ آدمی لغو اور فضول گو ہے یا پہلے اس کے بعض سچ حالات بیان کیے' اس کے بعد جھوٹے معاملہ بھی اس کی طرف لگا کر کہہ دے تاکہ پہلے حالات کی طرح ان کو بھی مخاطب صحیح تصور کرے اور اس کا جھوٹا اور فریبی ہونا اس طرح سے مشہور ہو جائے اور اس کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ میری عادت جھوٹ بولنے کی نہیں مگر میں نے تم سے فلاں فلاں حال بیان کیا۔ سب ویسے ہی نکلے جیسے میں نے کہے تھے۔ (4) کسی عیب سے خود کو بری بنانا مطلوب ہوتا ہے تو اس وقت دوسرے کا نام لے کر کہتا ہے کہ اس نے بھی ایسا ہی کیا یا وہ بھی میرے ساتھ شریک تھا' میں اس میں معذور ہوں۔ چاہئے تھا کہ کوئی عذر بیان کرتا' دوسرے کا نام نہ لیتا۔ (5) فخر و مباہات کا ارادہ یعنی دوسرے کو ناقص بتلانے سے اپنا افضل ہونا ثابت کرے مثلاً کسی کو یہ کہنا کہ وہ تو جاہل ہے' اس کی سمجھ اچھی نہیں' فضول باتیں کرتا ہے۔ اس سے یہی غرض ہوتی ہے کہ اس کی نسبت زیادہ جانتے ہیں یا یہ خوف ہو کہ شاید اس کی میری سی تعظیم کریں' اس لیے اس میں عیب نکالنے شروع کرے۔ (6) حسد یعنی جب دیکھا کہ کسی کی تعریف و تعظیم کرتے ہیں اور اس سے محبت سے پیش آتے ہیں تو رگ حسد جوش کرتی ہے اور یہ چاہتا ہے کہ یہ نعمت اس کے لیے نہ رہے تو اسی لیے اس کے عیب ظاہر کرنا شروع کرتا ہے تاکہ لوگوں کے نزدیک اس کی عزت نہ رہے اور تعظیم و اکرام اور مدح سے باز آئیں۔

فائدہ: کسی کی تعریف اور تعظیم ناگوار گزرے' اس کا نام حسد ہے۔ یہ غصہ اور کینہ کے علاوہ ہے کیونکہ غصہ اور کینہ میں تو یہ ہوتا ہے کہ دوسرا شخص کچھ اپنا بگاڑ کرتا ہے' جب غصہ اور کینہ آتا ہے اور حسد بگاڑ پر موقوف نہیں' دوست محسن اور رشتہ دار موافق پر بھی ہوا کرتا ہے۔ (7) سہو و لعب اور دل لگی کہ دوسرے کی برائی بیان کر کے ہنستا' ہنساتا اور وقت ٹالنا بد نظر ہوتا ہے۔ (8) دوسرے کی حقارت کے لیے تمسخر و استہزا۔ یہ سامنے اور پیٹھ کے پیچھے دونوں طرح ہوتا ہے۔ اس میں اپنی بڑائی اور دوسرے کی ذلت مقصود ہوتی ہے۔

خواص کے اسباب غیبت: جو خاص لوگوں میں باعث غیبت ہوتے ہیں' وہ بڑے گہرے اور باریک ہیں۔ خیر کے پہلو میں شیطان انہیں ڈالتا ہے۔ ان میں خیر واقع ہوتی ہے مگر شیطان شر بھی ملا دیتا ہے۔ دین کی وجہ سے کسی کے قصور پر مطلع ہو کر تعجب ہوتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ دیکھو فلاں شخص سے ہم کو عجیب بات معلوم ہوئی۔ واقعی نیک آدمی سے خطا در حقیقت موجب تعجب ہوتی ہے مگر دوسرے کو یوں چاہئے تھا کہ تعجب تو کرتا مگر نام نہ لیتا۔ پس نام زبان پر لانا شیطان کا کام ہے' اسی لیے یہ داخل غیبت ہو گیا اور نادانستہ کہا تو گنہگار ہو گا۔

مسئلہ : اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی کو کہیں بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس جیسا شخص ایسی بدصورت عورت سے محبت کرے یا جاہلوں میں جا کر بیٹھے۔

(3) کسی کی خطا دیکھ کر رحم آنا اور رنج کرنا مثلاً جب کسی کو کسی غلط امر میں مبتلا دیکھ کر براہ رحم کہنا کہ اس کے حال پر بڑا افسوس ہے کہ وہ اس بلا میں گرفتار ہو گیا تو اگرچہ افسوس اس کی جانب سے صحیح ہے مگر چونکہ غم میں اس کا نام لے لیا' اتنی سی غلطی سے داخل غیبت ہو گیا کیونکہ کسی مسلمان کے خطاوار ہونے سے غم میں اس کا غم کرنا اور رحم کھانا اگرچہ اچھی بات ہے لیکن شیطان نے اس میں یہ شر ملا دیا کہ اس کا نام لے دیا۔ نام کے بغیر کہے بھی تو رنج و رحم و تعجب ممکن ہے مگر شیطان نے اس کے ثواب سے محروم رکھنے کے لیے نام زبان پر جاری کر دیا۔

(3) اللہ کے لئے غصہ کرنا یعنی جب کسی کو بری بات کرتے دیکھا یا سنا گیا تو براہ حمیت دینی غصہ آتا ہے۔ اس میں اگر اس کا نام لے کر غصہ کرے گا تو غیبت میں داخل ہو گا بلکہ واجب یہ ہے امر معروف اور نہی منکر کے لیے اظہار غضب خاص اس شخص پر کرے' اس کی اطلاع دوسرے کو نہ ہو یا اظہار غضب کے وقت اس کا نام لے اور برا نہ کہے۔

فائدہ : یہ تین سبب ایسے ہیں کہ ان کا معلوم ہونا نہ صرف عوام بلکہ علماء کو بھی بہت مشکل ہے کیونکہ ظاہر اسباب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعجب اور رحمت اور غضب جب اللہ کے لیے ہوں گے تعیین نام میں ایک عذر قوی ہوگا حالانکہ یہ خطا ہے بلکہ غیبت کے باب میں حاجات مخصوص ہیں کہ ان میں نام کے ذکر کی گنجائش نہیں جیسا کہ مذکورہ ہوگا۔

حدیث: حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک ایک شخص ایک مجمع میں گزرا تو سلام کیا' سب نے جواب دیا۔ جب وہ آگے بڑھا' ایک آدمی نے مجمع میں سے کہا کہ مجھے اس شخص کے ساتھ بغض ہے۔ لوگوں نے کہا' یہ تم نے بہت برا کہا ہے۔ ہم اس کو مطلع کرتے ہیں اور اسی وقت ایک آدمی سے کہا کہ اس شخص سے جا کر کہہ دے کہ فلاں شخص تمہاری نسبت یوں کہتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا' وہ شخص سنتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس شخص کا قول اپنی نسبت عرض کیا۔ آپ نے اسے بلا کر

پوچھا کہ تو نے اس کی نسبت ایسے کیوں کہا ہے اور وجہ بغض کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ میں اس کا ہمسایہ ہوں۔ اس کے حال کو خوب جانتا ہوں۔ یہ شخص سوائے فرض نماز کے اور کوئی نماز نہیں پڑھتا۔ اس نے عرض کیا کہ آپ اس سے پوچھیں کہ فرض نماز میں' میں نے کبھی دیر کی ہے یا وضو اچھی طرح نہیں کیا یا رکوع' سجدہ غلط کیا ہے۔ جب آپ نے اس سے پوچھا تو عرض کیا کہ یہ بات تو نہیں ہوئی' پھر عرض کیا کہ سوائے ماہ رمضان مبارک کے اور کبھی اسے روزہ رکھتے میں نے نہیں دیکھا اور اس مہینے کے روزے تو اچھے برے سب ہی رکھتے ہیں۔ اس نے جواب میں عرض کیا کہ آپ اس سے پوچھیں کہ میں نے کبھی کسی رمضان کے روزے نہ رکھے ہوں یا کہ روزوں کا حق ادا نہ کیا ہو۔ آپ نے پوچھا تو کہا کہ یہ بات تو نہیں ہوئی۔ پھر عرض کیا کہ میں نے اس کو کبھی سائل اور مسکین کو دیتے نہیں دیکھا اور نہ اللہ کے لئے کبھی خرچ کرتے دیکھا البتہ زکوٰۃ مال کی ادا کرتا ہے سو یہ تو سبھی دیتے ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ آپ اس سے پوچھیں کہ کبھی یہ بھی دیکھا ہے کہ میں نے زکوٰۃ کم دی ہو یا وقت سے ٹال گیا ہوں۔ آپ نے پوچھا تو اس نے عرض کیا کہ یہ بات تو کوئی نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ چلا جا شاید یہی شخص تیری نسبت بہتر ہو' اس سے بغض کیوں رکھتا ہے؟

غیبت سے بچنے کا علاج: برے اخلاق کا علاج معجون علم و عمل کے معجون سے ہوتا ہے اور ہر مرض کی دوا اس کے سبب کے خلاف ہوتی ہے یعنی سبب مرض اگر برودت ہو تو علاج حرارت سے ہوگا۔ اگر حرارت ہے تو برودت سے۔ چونکہ غیبت کے اسباب اوپر مذکور ہوئے' اب اس کا علاج کرنا چاہئے۔ وہ ہے روکنا زبان کا غیبت سے دو طرح ہے۔ (1) اجمالی (2) تفصیلی' اجمالی یہ ہے کہ سالک یہ یقین کرے کہ غیبت کی وجہ سے غضب الٰہی میں گرفتار ہو گا۔ جیسا کہ اخبار و آثار سے معلوم ہوا اور یہ کہ اس کی وجہ سے قیامت کے دن نیکیاں غیبت کرنے والے کے پاس نہ ہوں گی تو دوسرے شخص کی برائیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھ دی جائیں گی اور غضب الٰہی اس کے علاوہ اور اللہ کے سامنے گویا یہ شخص مردار خور ہے بلکہ اگر برائیوں کا پلڑا جھک گیا تو دوزخی ہی ہوا۔ فرض کرو کہ اس کی نیکیاں اور برائیاں برابر تھیں لیکن غیبت کی وجہ سے اگر ایک نیکی دوسرے کو مل گئی یا ایک برائی ایک طرف سے آکر مل گئی تو ظاہر ہے کہ دونوں صورتوں میں برائیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا اور اس وقت نتیجہ بجز دوزخی ہونے کے اور کیا ہوگا اور کمتر درجہ یہ ہے کہ اعمال کا ثواب کم ملے یعنی جب مواخذہ اور بازپرس سوال و جواب و حساب و کتاب ہو چکے اور کچھ نیکیاں مثلاً باقی رہیں تو جتنا ثواب اسے بے غیبت ان کے عوض ملتا' غیبت ہونے سے اتنا نہیں ملے گا۔

حدیث شریف میں آیا ہے مالنار فی الیبس باسرع من الغیبتہ فی حسنات العبد (آگ خشک لکڑی میں اتنی جلدی نہیں لگتی جتنی غیبت انسان کی نیکیوں کو تباہ کرتی ہے۔)

(2) کسی نے حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ میری غیبت کیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میری نظروں میں تمہاری ایسی قدر نہیں کہ اپنی نیکیاں تمہارے حوالے کروں۔

فائدہ: جب سالک ان احادیث کو جو غیبت کے بارے میں وارد ہیں' یقین کرے گا تو ڈر کے مارے غیبت پر زبان نہ کھولے گا۔

علاج: ایک علاج یہ بھی ہے کہ جب غیبت کا خیال آئے تو اپنے دل میں فکر کرے کہ کوئی عیب مجھ میں بھی ہے یا نہیں۔ اگر کوئی اپنے اندر عیب پائے تو اس کے دور کرنے میں مشغول ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کو یاد کرے طوبی لمن شغلہ عیبہ عن عیوب الناس ترجمہ: (خوشخبری ہے اسے جس کا اپنا عیب لوگوں کے عیب سے مانع ہو۔) **فائدہ:** جب آدمی میں خود عیب ہو تو چاہئے کہ شرم کرے کہ اپنے نفس کو تو برا نہ کہے تو دوسروں کو برا کہے بلکہ یہ جان لے کہ جیسے مجھ سے اپنے نفس کا عیب دور نہ ہو سکا' ویسے ہی یہ شخص مجبور ہو گا۔

فائدہ: یہ اس صورت میں ہے کہ دوسرے شخص میں اس قسم کا عیب ہو جو اس کے فعل اور اختیار سے ہوا ہو ورنہ اگر کوئی امر جبلی اعضائے ظاہری میں ہو گا تو اس پر برا کہنا تو خالق کو برا کہنا ہے۔ معاذ اللہ

حکایت: منقول ہے کہ ایک شخص نے کسی دانشور سے کہا کہ اے بدصورت اس نے جواب دیا کہ صورت کا بنانا میرے اختیار میں نہیں ہے کہ میں اسے اچھا کرلیتا۔ اگر اپنے نفس میں کوئی عیب نہ پائے تو خدا کا شکر کرے اور غیبت میں جو سب سے بڑا عیب ہے۔ مبتلا نہ ہو مردار کے گوشت کھانے سے زیادہ برائی کونسی ہوگی تو اگر اپنے آپ کو عیوب سے پاک صاف جانتا ہے تو زبان کو اس غلیظ اور کثیف چیز میں بھی آلودہ نہ کرے۔ اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو کوئی بھی عیب سے خالی نہیں اگر کوئی خود کو عیب سے پاک تصور کرے تو یہ محض حماقت اور نادانی ہے۔ یہی بہتر ہے کہ دوسروں کی غیبت کے وقت اپنے نفس کی اصلاح کرے۔

غیبت کا علاج: سالک یہ خیال کرے کہ اگر کوئی میری غیبت کرے تو مجھے کتنا برا لگتا ہے۔ اسی طرح اگر میں دوسرے کی غیبت کروں گا تو اس کو بھی ویسا ہی رنج ہو گا تو جیسا یہ اچھا نہیں کہ اپنی غیبت کوئی کرے ایسے ہی اسے بھی ناپسند کرنا چاہئے کہ خود دوسرے کی غیبت کا مرتکب ہو۔

فائدہ: یہ تدبیریں علاج اجمالی تھے۔

مرض کا تفصیلی علاج: غیبت کا سبب دور کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ بیماری تب دور ہوتی ہے جب اس کا سبب منقطع ہو جاتا ہے اگر سبب غیبت کا غضب ہو تو اس سے اس طرح بچنا چاہئے کہ دل میں یوں تصور کرے کہ اگر میں اس پر غصہ نکالوں گا تو اللہ تعالیٰ غیبت کے سبب سے مجھ پر غصہ کرے گا اس لئے کہ اس نے فرمایا ہے مگر میں نے

اس کی حکم عدولی کی اور اس کے روکنے کی کوئی حقیقت نہ سمجھی۔

حدیث شریف میں ہے ان لجهنم با بالا یدخل منه الا من شفی غیظه بمصیته اللّٰه تعالٰی (دوزخ کا ایک دروازہ ہے' اس میں داخل نہ ہوگا مگر وہ جو اللہ تعالٰی کی بے فرمانی میں غصہ نکالے۔)

(2) فرمایا من اتقی ربه کل لسانه ولم یشف غیظه (جو اپنے رب سے ڈرتا ہے تو اس کی زبان بند ہو جاتی ہے' وہ غصہ نہیں نکالتا۔)

فائدہ : اللہ تعالٰی قیامت کے دن تمام لوگوں کے سامنے اسے بلا کر فرمائے گا کہ حوروں میں سے جو چاہے' پسند کر لے۔

فرمان خدا: بعض انبیاء علیہم السلام کے صحیفوں میں ہے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ اے ابن آدم جب تو غصہ کرے تو مجھ کو یاد کر لیا کر' میں اپنے غصہ کے وقت تجھے یاد کروں گا یعنی تباہ کاروں کے ساتھ تجھے تباہ نہیں کروں گا۔

علاج غیبت 2: دوستوں کی موافقت اور دیکھا دیکھی غیبت کر رہا ہے تو اسے جاننا چاہئے کہ جس بات سے اللہ ناخوش ہے' اس میں اگر مخلوق راضی ہوئی تو کیا فائدہ ہوگا؟ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ انسان کسی کی خاطر اپنے آقا سے بگاڑے۔ جو ایسا کرے تو اس جیسا نادان اور نمک حرام کوئی نہیں۔

مسئلہ : چاہئے کہ غصہ اللہ کے لیے ہو اور اس میں بھی اس بات کا خیال رہے کہ جس پر غصہ ہو' اس کی نسبت کوئی کلمہ بے جا نہ نکلے بلکہ رفقاء سے اگر کوئی کلام اس کی نسبت بے جا صادر ہو تو ان پر بھی غصہ کرے' اس لیے کہ وہ لوگ بڑے گناہ کے مرتکب ہوئے جس کا نام غیبت ہے۔

مرض 3: اگر غیبت کا سبب اپنے نفس کا پاک و صفائی کا اظہار ہے یعنی دوسرے کا نام کسی گناہ میں اسی لیے لیتا ہے کہ لوگ اس کو بری تصور کریں۔ اس خیال سے کہ ایسا کام دوسرے اچھے لوگ بھی کرتے ہیں۔

علاج 3: خیال کرے کہ مخلوق کی ناراضگی کے بالمقابل اللہ تعالٰی کی ناراضگی بہت زیادہ سخت ہے اور غیبت کے سبب اللہ تعالٰی کی ناراضگی تو ہوتی ہے مگر جس مقصد کے لیے غیبت کرتا ہوں' وہ امر وہمی ہے۔ اس لیے کہ کیا خبر کہ لوگ غیبت کے بعد اسے برا خیال کریں گے یا نہ بہرصورت اس میں اللہ تعالٰی کا غصہ اور آخرت کی تباہی اور نیکیوں کا نقصان تو نقد حقیقت میں موجود ہے اور دنیا کے نزدیک سرخروئی ہے اور لوگوں کی زبان بندی کا ایک وہمی بات بمنزلہ ادھار کے ہے تو ایسے معاملہ میں سراسر جہالت و ذلت ہے۔ اس کے کہنے کا کیا فائدہ کہ میں نے حرام کھایا تو کیا ہوا؟ فلاں شخص بھی کھاتا ہے یا میں نے یہ قصور کیا تو تنہا نہیں کیا' فلاں شخص بھی ایسے ہی کرتا ہے۔ اس لیے کہ ایسے شخص کی اقتدا پسند ہوتی ہے جو اللہ تعالٰی کی مرضی کے موافق کام کرتا ہو۔ اگر اس کے خلاف حکم کرے تو ایسے کی اقتدا ہرگز نہیں چاہئے' خواہ کوئی ہو۔ فرض کرو کہ کوئی آدمی جلتی آگ میں کود پڑے اور تمہیں اس آگ سے بچنے کی قدرت حاصل ہو تو کبھی اس کا ساتھ نہ دو گے۔ اگر دو گے تو بے وقوف کہلاؤ گے۔

فائدہ : غور فرمائیے کہ عذر بیان کرنے میں جو دوسرے کا نام لیتا ہے تو اس کے ذمہ دو ہوتے ہیں۔ (1) غیبت اور (2) اس گناہ کی زیادتی کیونکہ عذر گناہ بدتر از گناہ مشہور ہے تو ایسے شخص پر جہالت اور بغاوت دونوں ختم ہیں۔ اس کی مثال تو یہ ہوئی کہ کوئی بکری کو پہاڑ کی چوٹی سے گرتے دیکھ کر خود بھی اس کے ساتھ گر پڑے۔ اگر مثلاً اس کی زبان گویا ہو جائے اور گرنے کی وجہ یوں بیان کرے' کہے کہ چونکہ بکری مجھ سے زیادہ دانا ہے اور وہ پہلے گری تھی' اسی لیے میں بھی گر پڑا تو سننے والے کو ہنسی آئے گی کہ کیسا جہالت کا جواب ہے مگر حضرت انسان کا عجیب حال ہے کہ اپنے نفس پر ہنسی نہیں آتی کہ خطا کا عذر کیسا نامعقول کرتا ہے اور اگر مرض غیبت کا سبب دوسرے کی نسبت اپنی فضیلت زیادہ ہو اور لوگ اس کی برائی سے آگاہ ہو کر اس کی تعظیم کم کریں۔

علاج 4 : یہ کہ غیبت کرنے سے جو مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تھا' وہ جاتا رہا۔ اب لوگوں کے نزدیک افضل ہونا احتمالی ہے بلکہ ممکن ہے کہ وہ بداعتقاد ہو جائیں جبکہ معلوم ہوگا کہ یہ شخص لوگوں کی برائی کرتا رہتا ہے' بہرصورت اپنی قدر اللہ تعالیٰ کے ہاں کی یقیناً ختم کر دے گا اور دنیا کی عزت وہی کا خریدار ہوا۔ اگر بالفرض لوگوں میں کچھ عزت و تعظیم ہوئی بھی تو قیامت میں کیا کام آئے گی' وہاں کوئی اپنا بیگانہ 'کوئی نفع نہ دے گا۔

مرض: اگر غیبت کا سبب حسد ہو تو دو عذاب اور دو مصیبتیں اپنے اوپر لیتی ہیں۔ دنیا میں تو حسد سے جلتا رہے گا نہ صرف عذاب دنیا بلکہ اور غیبت کر کے عذاب آخرت بھی گردن پر لیا اور خَسِرَ الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃ (ارادہ تو یہ کیا کہ دوسرے کا برا ہو مگر اپنا برا ہو گیا اور دوسرے کے انجام بد کے لیے اپنا نقصان ہو گیا۔ اپنی نیکیاں اسے نہ ملیں گی اور اس کی خطائیں اپنے اوپر آئیں گی۔ دونوں صورتوں میں گویا اس کے ساتھ تو دوستی ہوئی اور اپنے نفس کے ساتھ دشمنی۔ اس کے علاوہ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ حسد اور غیبت سے دوسرے کی فضیلت ہوتی ہے اور وہ زیادہ مشہور ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے اور مزید حماقت اور جہالت پر ندامت ہوتی ہے۔ جیسے کسی شاعر نے کہا:

واذا اراد اللہ نشر فضیلۃ　　طویت اتاح لھا لسان حسدا

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی کی فضیلت کو پھیلانا چاہتا ہے تو یوں پھیلتی ہیں کہ حسد والوں کی زبان دراز کر دیتا ہے۔

سردست ایک شخص جس کی غیبت کی گئی' لوگوں میں رسوا ہوتا ہے مگر غیبت کرنے والا اللہ کے نزدیک رسوا ہوتا ہے اور فرشتوں اور انبیاء کے سامنے ذلت اٹھاتا ہے۔ پس اگر سالک اس کے انجام کو سوچے کہ کس طرح حسرت اور ذلت اور خجالت قیامت کے دن اٹھانی پڑے گی جبکہ دوسرے کے گناہ اس کے سر پڑیں گے اور یہ بھاری بوجھ لے کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا تو اس طرح کا خوف دل میں سمائے گا کہ پھر کسی کے خوش کرنے کو دل نہ چاہے گا' اس لیے کہ دنیا میں دوسرے کو خوش کرنا چند آدمیوں کے سامنے تھا اور قیامت کی رسوائی تمام مخلوق کے سامنے ہوگی۔ اس وقت جس کی غیبت کی گئی' وہ غیبت کنندہ کو دیکھے گا کہ گدھے کی طرح بوجھ سے لدا ہوا دوزخ میں جا رہا ہے تو وہ اس رسوائی کو دیکھ کر خوش ہوگا اور کہے گا کہ ہنسی کا مزا لیا۔ دیکھ اللہ نے میری کیسی مدد کی اور تجھ سے کیسا بدلہ لیا۔

مرض: کسی پر شفقت کے ارادہ پر غیبت کرنا (علاج) کسی کے گناہ پر اس کو رحم آیا' اس لیے غیبت کی کہ اس سے مراد اس پر شفقت تھی تو یہ کسی کی مصیبت پر تو اچھا ہے مگر شیطان چونکہ انسان کا حاسد ہے' وہ ایسا کلمہ منہ سے نکلوا دیتا ہے جس سے اس مرحوم کے گناہ کم ہو جائیں اور غیبت کنندہ کے سر ہو جائیں تو وہ مرحوم قابل رحم نہیں' اس لیے کہ اس کی خطا کا نقصان غیبت کنندہ کی نیکیوں سے جاتا رہا بلکہ اب قابل رحم غیبت کنندہ ہے۔ بے چارے کو سخت نقصان ہوا کہ ثواب بھی گیا اور نیکیوں کے بجائے برائیاں جمع ہو گئیں۔

مرض و علاج: اگر غصہ اللہ کے لیے کیا جاتا ہے تو موجب غیبت نہیں ہوتا مگر شیطان فریب دے کر اس غصہ کا ثواب ضائع کرنے کے لیے منہ سے ایسی بات نکلوا دیتا ہے جو موجب خالق کی ناراضی کا ہو۔

مرض و علاج: تعجب سے جو غیبت کرتا ہے تو چاہئے کہ اپنے نفس پر تعجب کرے کہ دوسرے کے دین میں دنیا کے لیے کیسے اپنا دین برباد کر دیا اور اس طرح پر مزید تعجب یہ ہے کہ دنیا کے عذاب سے بھی بالکل امن نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جیسے اس نے دوسرے کی ہتک کی' اللہ تعالیٰ یوں کر دے کہ یہ بھی ویسا ہی ہو جائے۔

خلاصہ: تمام اسباب کا علاج صرف انجام کا معلوم کر لینا ہے کہ مذکورہ بالا امور اس کے دل میں راسخ ہو جائیں۔ پس جس کسی کا ایمان ان تمام امور پر پکا ہو گا' اس کی زبان غیبت سے باز رہے گی۔

دل میں غیبت کی حرمت: یاد رہے کہ بدگمانی ایسے حرام ہے جیسے دوسرے کو برا کہنا یعنی جیسے دوسرے کی غیبت زبان پر ذکر نہیں کرنی چاہئے' ویسے ہی یہ بھی نہیں چاہئے کہ دل میں اس کی طرف سے بدگمانی ہو اور بدگمانی سے ہماری غرض یہ ہے کہ دل سے قصداً دوسرے کو برا نہیں سمجھنا چاہئے۔ اگر کسی کی برائی خواطر اور حدیث نفس کے طور پر گزر جائے تو وہ معاف ہے بلکہ شک میں بھی عفو میں داخل ہے۔ ممنوع صرف ظن ہے یعنی دل کا میلان برائی۔

قرآن مجید: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ (الحجرات 12)
ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو بہت گمانوں سے بچو بے شک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے۔

فائدہ: سوئے ظن کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ اسرار قلوب کو سوائے علام الغیوب کے اور کوئی نہیں جانتا تو انسان کو لائق نہیں کہ دوسرے کی طرف سے برائی کو دل میں لائے۔ ہاں اس صورت میں برائی کا خیال یوں ہو جائے کہ جس میں تاویل کی گنجائش نہ رہے البتہ اس کے خلاف دل میں رہنا دشوار ہے مگر جب تک کسی کا حال نہ دیکھا ہو' نہ دل میں اس طرف سے بدگمان ہونا شیطان کا کام ہے۔ ایسی صورت میں اس اعتقاد کو چھوڑنا چاہئے بلکہ وسوسہ شیطانی کی تکذیب کے درپے ہونا چاہئے کیونکہ یہ بڑا فاسق ہے اور فاسق کی خبر ماننے کا حکم نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ (الحجرات 6) ترجمہ کنزالایمان

:(اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا دے بیٹھو

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کی خبر کو سچ نہ ماننا چاہیے۔ اگر اس کے ساتھ کچھ بات ایسی بھی ہو جس سے کہ یہ اعتقاد فاسد ہو جائے یا خلاف کا احتمال نکلتا ہو' پھر تو بطریق اولیٰ سچا نہ ماننا چاہیے کیونکہ ممکن ہے کہ فاسق خبر سچ ہی کہتا ہو لیکن بلا تحقیق اس کی تصدیق کیسے ہو سکتی ہے؟

ایک مثال: کسی کے منہ سے شراب کی بو آتی ہے تو اس پر شراب کی حد جاری نہ ہوگی' اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ شراب سے کلی یا غرارہ کیا ہو یا زبردستی کسی نے منہ میں ڈال دی ہو۔ پس اتنا احتمالات کے ہوتے ہوئے تصدیق قلبی کرنا اور مسلمان پر سو ظن نہ کرنا چاہیے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ان اللہ حرم من المسلم دمہ و مالہ وان یظن بہ ظن السوء (اللہ تعالیٰ نے مسلمان کا خون اور مال حرام کیا ہے اور یہ کہ اس پر بدگمانی نہ کی جائے۔)

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ جن دلائل سے مال اور خون مباح ہوتا ہے' انہی دلائل سے سوء ظن بھی مباح ہوتا ہے یعنی جب آنکھ سے دیکھ لے یا گواہ عادل سے ثابت ہو اور جب اسے نہ ہو اور بدگمانی کا خطرہ دل میں آئے تو اس کو دل سے دور کرنا چاہیے اور خود کو سمجھانا چاہیے کہ اس شخص کا حال تجھ سے آج تک مخفی رہا ہے اور جس وجہ سے تو اب سوء ظن کرتا ہے' اس میں بھی خیر و شر کا احتمال ہے تو بے فائدہ شر کی طرف جانا اور اسی کا وسوسہ دل میں لانا کوئی ضروری نہیں۔

سوال : شک، تو آدمی کے دل میں خلجان پریشان کرتے ہی رہتے ہیں اور حدیث نفس بھی ہوتی رہتی ہے تو ظن کو ہم کس طرح سمجھیں کہ اس کا نام ظن ہے اور اس کی علامت بتانی چاہیے؟

جواب : ظن کے استقلال و استحکام کی یہ علامت ہے کہ پہلے سے جس طرح کا اعتماد کسی کے ساتھ تھا' ظن کے ہوتے وہ بات نہ رہے بلکہ اس سے کسی قدر نفرت دل میں سما جائے۔ اگر پاس بیٹھے تو گراں معلوم ہو۔ رعایت اور مہربانی و اکرام و تعظیم میں سستی کرنے لگے اور اگر وہ کچھ گناہ کرے تو اس کا رنج نہ ہو۔ یہ علامات استحکام ظن کے ہیں اور ان سے سمجھ لے کہ مجھے دوسرے کی نسبت سوء ظن ہے۔ حدیث شریف میں ہے ثلاث فی المومن ولہ منھن مخرج فمخرجہ من سوء ظن ان لا یحققہ (تین باتیں ہیں مومن میں اور اس کو ان سے نکالنے کی صورت ہے تو سوء ظن سے اس کی نکالنے کی صورت یہ ہے کہ اسے دل پر رہنے نہ دے)۔ جنی سوء ظن سے نکالنے کی صورت یہ ہے کہ ظن کو ٹھہرنے اور جمنے نہ دے نہ دل میں نہ اعضاء ظاہری میں' دل میں تو رہنے کی صورت تو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے نفرت اور کراہت کرنے لگے اور اعضاء ظاہری میں یہ صورت ہے کہ ان سے بھی اعمال دل میں ظن کے موافق صادر ہوں۔

خلاصہ : شیطان لوئی سی بات سے لوگوں کی برائی دل میں ڈال دیتا ہے اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی تصور ڈال دیتا ہے کہ ہم نے کیا خوب جلد دوسرے کو جان لیا۔ ہم کیسے عقیل اور ذکی ہیں' کیوں نہ ہو مومن تو اللہ کے نور سے دیکھا کرتا ہے حالانکہ درحقیقت یہ شیطان کے دھوکے سے دیکھتا ہے۔ اس کا اندھیرا آنکھوں میں چھپایا ہوا ہے۔ یہاں نور اللہ کہاں البتہ کوئی گواہ عادل کوئی خبر دے اور دل اس کی تصدیق کی طرف مائل ہو تو معذور ہے۔ اسی لیے اس عادل کو جھوٹا سمجھے گا تو اس طرف سوء ظن ٹھہرتا ہے اور چونکہ ترجیح بلامرجح نہیں ہو سکتی کہ ایک کے طرف سے سوء ظن ہو تو دوسرے کی طرف حسن ظن تو ایسی صورت میں سالک کو چاہئے کہ اس بات کی تلاش کرے۔ ان دونوں میں عداوت یا حسد وغیرہ تو نہیں کہ تہمت کو دخل ہو اور تہمت کی وجہ سے اگرچہ باپ عادل ہو تو بھی اس کی گواہی بیٹے کے نفع کے لیے شرعاً جائز نہیں اور اسی وجہ سے دشمن کی شہادت بھی غیر مقبول ہے تو جب تک اچھی طرح معلوم نہ ہو' اس وقت تک عادل کی خبر پر بھی توقف چاہئے' نہ اس کو سچا جانے' نہ جھوٹا بلکہ دل میں سوچے کہ جس شخص کا حال اس نے کہا ہے' اب تک اس کا بدستور سابق مجھے اس کا کوئی علم نہیں ہوا۔ جیسے پہلے تھا' ویسے ہی اب ہے اور بعض اوقات انسان ظاہر میں تو عادل ہوتا ہے' اس میں اور دوسرے میں عداوت وغیرہ بھی نہیں ہوتی مگر اس میں اس کی عادت اس طرح کی ہے کہ لوگوں کی برائی کیا کرتا ہے۔ لوگ بظاہر اس کے اعمال کو دیکھ کر جانتے ہیں کہ یہ شخص عادل ہے مگر واقع میں عادل نہیں ہے' اس لیے کہ غیبت کرتا ہے اور غیبت کنندہ فاسق ہوتا ہے جس کی عادت غیبت کی ہوتی ہے' اس کی گواہی نہیں چاہئے کہ لوگوں کی غیبت کے بارے میں ایسی چشم پوشی ہے کہ اس کی کوئی پروا نہیں کرتے' ایک دوسرے کی برائی کرتے رہتے ہیں۔

خلاصہ : جب کسی مسلمان کی طرف سوء ظن دل میں ہو تو چاہئے کہ پہلے کی نسبت اس کی مراعات زیادہ کرے اور اس کے لیے دعائے خیر کرے۔ اس سے سوئے ظن جاتا رہتا ہے۔ ہاں شیطان کو برا معلوم ہوگا۔ پھر کبھی کسی طرف سے سوئے ظن دل میں نہ ڈالے گا۔ اس ڈر سے کہ مبادا یہ اس کے لیے دعائے خیر اور زیادتی رعایت میں مصروف ہو جائے اور جب کسی مسلمان کی لغزش دلیل سے پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو بھی اس وقت چاہئے کہ شیطان کے فریب میں آکر اس کی غیبت نہ کرنے لگے بلکہ اس کو خفیہ نصیحت کرے اور نصیحت میں بھی یہ خیال رہے کہ اس بات کی خوشی ظاہر نہ ہو کہ ہم کو دوسرے کا دینی عیب معلوم ہو گیا اور ہم کو رتبہ وعظ و نصیحت حاصل ہوا۔ ہمارا مرتبہ اس سے بڑا ہے۔ اس کو ہماری تعظیم چاہئے بلکہ جس طرح اپنے آپ میں کوئی نقصان دینی ہونے سے رنج ہوتا ہے۔ ویسے ہی رنج کرکے یہ قصد کرے کہ یہ گناہ اس سے چھوٹ جائے اور یہی بدل اچھا معلوم ہو کہ میری نصیحت کے بغیر وہ راہ راست پر آجائے۔ جب اس طرح انسان عمل کرے گا تو تین ثواب کا مستحق ہوگا۔ (1) دوسرے کو نصیحت (2) اس کی خطا پر غم (3) دین پر اس کی مدد۔

مسئلہ : جاسوسی کرنا بھی سوء ظن کا نتیجہ ہے یعنی جب کسی کی طرف سے کچھ ظن ہوتا ہے تو دل کو اس پر قناعت

نہیں ہوتی' درپے تحقیق ہو کر اس کے حال کی جاسوسی کرتا ہے۔ یہ بھی ممنوع ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَجَسَّسُوْا ترجمہ: (اور کسی کا بھید نہ ڈھونڈو۔)

فائدہ: ایک ہی آیت میں غیبت اور سوء ظن اور تجسس کو منع فرما دیا۔ جاسوسی کے معنی ہیں کہ جو شخص مستور الحال ہے۔ معلوم نہیں کہ کیا کرتا ہے۔ اس کے حال کے دریافت کے درپے ہونا اور اس کے خفیہ واقعات کی تلاش میں پڑنا۔ یہاں تک کہ اس کے ایسے حال معلوم ہو جائیں کہ وہ اگر نہ معلوم ہوتے تو دل و دین کے لیے بہتر ہوتے اور حکم جاسوسی کا حکم اور اس کی حقیقت مفصل باب امر بالمعروف میں گزر چکی ہے۔

غیبت کے جواز کے اسباب: کسی کی برائی بیان کرنے میں شرعی مقصود ہو تو اس غیبت کا گناہ نہیں۔ اس کے چھ اسباب ہیں۔

(1) ظلم کی دادرسی کے لیے غیبت کرنا۔ مثلاً مظلوم اگر حاکم اعلیٰ سے کہے کہ فلاں ادنیٰ حاکم نے میرے اوپر ظلم کیا ہے یا خیانت کی ہے یا رشوت لی ہے تو یہ داخل غیبت نہیں کیونکہ اس کے بغیر دادرسی نہیں ہوگی۔ اگر مظلوم کے سوا دوسرا ایسا کہے تو غیبت ہوگی اور مظلوم کو ظالم کی برائی بیان کرنا درست ہے۔ اس کا ثبوت حدیث شریف میں ہے کہ ان لصاحب الحق مقالا (حق والے کو گفتگو کا حق ہے۔ نیز فرمایا مطل الغنی ظلم (تونگر کی تاخیر ادائے حق میں ظلم ہے) اور لی الواجد یحل عقوبتہ و عرضہ (دولت مند کا قرض نہ ادا کرنا' اس کی عقوبت اور آبرو حلال اور جائز کر دیتا ہے۔)

(2) بری بات کے دور کرنے کے لیے یا گنہگار کے راہ راست پر لانے کے لیے استعانت مدنظر ہو۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو السلام علیکم کہا' انہوں نے جواب نہ دیا۔ آپ نے ان کی شکایت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود تشریف لے جا کر صلح کرا دی۔

فائدہ: یہ شکایت صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک داخل غیبت نہ تھیں کیونکہ اس سے مقصود صلح تھی۔ اسی طرح جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی کہ شام کے ملک میں حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ نے شراب خوری شروع کر دی ہے تو لکھا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ (المومن 3) ترجمہ کنزالایمان: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔ یہ کتاب اتارنا ہے اللہ کی طرف سے جو عزت والا علم والا گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا سخت عذاب کرنے والا۔ انہوں نے یہ خط پڑھتے ہی توبہ کی تو جس شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حال سنایا تھا' بطور غیبت نہیں تھا اور نہ آپ نے اس کو غیبت تصور کیا بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سنیں گے تو ان کو نصیحت فرمائیں گے اور اس بارے میں جیسے آپ کی نصیحت

کار گر ہوگی' دوسرے کی نہ ہوگی' بات اثر نہ کرے گی۔

خلاصہ: صحیح مقصود شرط ہے ورنہ غیبت کی حرمت میں کیا کلام ہے!

(3) کسی مسئلہ میں حکم شرعی پوچھنا مطلوب ہو مثلاً مفتی سے سوال کرے کہ میرے باپ' بھائی یا زوجہ وغیرہ نے مجھ پر ظلم کیا' شرعاً مجھے کیا کرنا چاہئے تاکہ ظلم سے رہائی پاؤں۔ اس میں بھی احتیاط یہی ہے کہ کنایتہ "استفسار کرے۔ مثلاً یوں پوچھے کہ آپ اس بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک شخص پر اس کے کسی رشتہ دار نے ظلم کیا تو اس کو کیا کرنا چاہئے اور اگر اس عذر کے باعث تصریح اور تعین بھی کرے گا تو جائز ہے۔

حکایت: روایت ہے کہ حضرت ہندہ بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے شوہر کی شکایت کی کہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ بخیل ہے۔ مجھے اس قدر نہیں دیتا کہ مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو۔ اگر اجازت ہو تو میں اس سے چھپا کر لے لیا کروں۔ آپ نے فرمایا کہ جس قدر اور تیری اولاد کو کافی ہو' اس قدر لے لیا کرو۔

فائدہ: اس نے اپنے شوہر کا بخل اور ظلم کا ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منع نہیں فرمایا کیونکہ اس کی غرض مسئلہ دریافت کرنا تھا۔

(4) کسی مسلمان کو شر سے بچانا مدنظر ہو مثلاً جب کسی فقیہ عالم نیک آدمی کو دیکھے کہ کسی بدمذہب یا فاسق کے پاس آتا جاتا ہے اور یہ خوف ہو کہ وہ اس کی بدمذہبی یا فسق میں مبتلا نہ ہو جائے کہ اس بدمذہب بدعتی یا فاسق کی بدمذہبی یا فسق کا اظہار اس فقیہ (عالم) سے کر دے' اسی خیال سے کہ اس کا اثر اس میں نہ ہو جائے اور کسی طرح جائز نہیں۔ اس لیے کہ اس میں دھوکا بھی ہو جاتا ہے کیونکہ کبھی حسد کی وجہ سے دوسرے کی بدمذہبی و فسق کہنے کی نوبت آتی ہے اور شیطان یہی سمجھاتا رہتا ہے کہ انسانوں کا بچاؤ اس بدمذہب یا فاسق سے مطلوب ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی کسی کو نوکر رکھنا چاہتا ہے اور اس نوکر کا عیب کسی دوست کو معلوم ہے تو اس کو چاہئے کہ آقا کو کہہ دے۔ اگرچہ اس میں نوکر کا نقصان ہے مگر آقا کے فائدے اور نقصان نہ ہونے پر پہلے لحاظ چاہئے۔

مسئلہ: اگر کوئی حاکم گواہی کے بارے میں کسی کا حال پوچھے کہ یہ گواہ کیسا ہے؟ عادل ہے یا نہیں تو اس وقت بھی اگر اس کی برائی معلوم ہو تو بیان کر دینی چاہئے۔ اس لیے کہ گواہوں کی گواہی پر مقدمہ کا دارومدار ہوتا ہے۔ اگر یہ سچ نہ ہوگا تو کیا غلط ہے کہ دوسرے کا نقصان ہو جائے؟ اگر کوئی شخص نکاح یا ودیعت رکھنے کے متعلق دوسرے کا حال پوچھے تو جو جانتا ہو بتا دے۔ اس صورت میں اظہار عیب داخل غیبت نہیں' اس لیے کہ مشورہ چاہنے والے کی خیر خواہی مقصود ہے نہ کہ کسی کو برا کہنا۔

مسئلہ: اگر یہ سمجھے کہ میرے صرف منع سے یہ باز رہے گا تو فقط یہی کہہ دے کہ ایسا مناسب نہیں۔ اگر یہ سمجھے کہ دوسرے کی برائی زباں پر لائے بغیر یہ ہرگز باز نہ آئے گا تو اس وقت اس کا حال صاف صاف کہہ دینا چاہئے۔

مسئلہ : حدیث شریف میں ہے ترغبون عن ذکر الفاجر بمافیه اهتکوه حتی یعرفه الناس وذکروه بما فیه حتی یحذره الناس ترجمہ: (کیا تم برا جانتے ہو ذکر کرنا برے کی خصلت کا' اس کی ہتک کرو تاکہ لوگ اسے پہچان جائیں اور جو خصلت اس میں ہے' اسے ذکر کرو تاکہ لوگ اس سے بچیں۔

اسلاف صالحین کے اقوال: اسلاف صالحین فرماتے ہیں کہ پانچ آدمیوں کی برائی کرنا غیبت نہیں ہے۔ (1) امام ظالم (2) بدمذہب (3) فاسق (4) کھلم کھلا گناہ کرنے والا' معلن (5) کوئی شخص ایسے لقب سے مشہور ہو گیا ہو جس میں کوئی عیب ہو جیسے لنگڑا' اندھا' گنجا وغیرہ تو اس صورت میں غیبت بھی نہیں۔ احادیث کی روایت میں ہے۔ مثلاً ردی ابوالزناوعن الاعراج و سلیمان عن الاعمش ترجمہ: (بوجہ ضرورت کے علماء نے ایسے کیا کہ مقصود راوی کی تصریح تھی۔

فائدہ : ایک وجہ اور بھی ہے' وہ یہ کہ القاب ان کے ایسے ہو جاتے ہیں کہ ان کے علاوہ لوگ پہچانے نہیں جاتے' تاہم ایسے القاب کنایتہ" بولنا بہتر ہے۔ اسی لیے اندھے کو بصیر کہا کرتے ہیں کہ نقصان کا ذکر نہ آئے۔ جس کی برائی کریں' وہ فاسق معلن ہو یعنی فسق علانیہ کرتا ہو کہ کسی پر اس کی برائی مخفی نہ ہو جیسے مخنث یا شراب خور یا بھنگڑا یا راشی کہ علانیہ یہ کام کرتے ہوں اور اگر کوئی ان کی خطا بیان کرے تو ایسے امور سے نفرت و کراہت محسوس نہ ہوتی ہو تو ان کے ان امور سے ان کی غیبت جائز ہے۔ ایسے داڑھی مونڈنے والے و دیگر مجاہر فاسق لوگ (اویسی)

حدیث شریف میں ہے کہ من القی جلباب الحیاء عن وجهه فلا غیبته له (برقع حیا کا اپنے چہرہ سے ہٹا دے یعنی خطا (گناہ) سے شرماتے نہ ہوں تو ان کی غیبت نہیں یعنی ان کی غیبت جائز ہے۔

فائدہ : حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فاجر کی کچھ عزت و حرمت نہیں یعنی جو شخص کہ کھلم کھلا بدکاری کرتا ہے' اس کو برا کہنے سے ہتک عزت اور داخل غیبت نہیں مگر جو چھپا کر بدکاری کرتا ہے' اس کی حرمت کی رعایت چاہیے۔

حکایت حضرت صلت بن طریف رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اگر میں فاسق معلن کی برائی کروں اور جو بات اس میں ہے' اس کو بیان کروں تو غیبت ہوگی یا نہیں؟ انہوں نے فرمایا غیبت تو نہیں مگر یہ بزرگی بھی نہیں اور یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ تین شخصوں کی برائی غیبت نہیں۔ (1) صاحب ہوائے نفسانی (2) فاسق معلن (3) حاکم ظالم کیونکہ یہ لوگ اپنے افعال علانیہ کرتے ہیں بلکہ اکثر اوقات ان سے فخر کرتے ہیں۔ جب ایسی بات ہے تو پھر انہیں اس سے نفرت کیسی؟ ہاں جو بات چھپا کر کرتے ہوں' اس کے ذکر سے گناہ ہوگا۔

حکایت: حضرت عوفت رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ حضرت ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر حجاج بن یوسف کو برا بھلا کہا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حاکم و عادل ہے۔ جیسے حجاج سے اس کے ظلم کا انتقام لے گا ایسے ہی جو کوئی اس کی غیبت کرتا ہے' اس کا اس سے بدلہ لے گا۔ یاد رکھو کہ کل کو جب اللہ کے

سامنے جاؤ گے تو تمہارا یہ چھوٹا گناہ حجاج کے بڑے گناہوں سے تم پر سخت ہو گا۔

کفارۂ غیبت: غیبت کرنے والے پر لازم ہے کہ غیبت سے توبہ کرے اور نادم ہو کر اپنے فعل پر سخت افسوس کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کے حق سے بری الذمہ ہو۔ پھر جس کی غیبت کی ہے' اس سے معاف کرائے تاکہ اس کے حق سے بھی برات ہو اور اس سے غمگین اور نادم اور متاسف ہو کر قصور معاف کرائے' اس لیے کہ ریاکار لوگ اس لیے بھی عفو کے خواہاں ہوتے ہیں کہ عوام انہیں بڑا پرہیزگار سمجھیں حالانکہ ان کے دل میں ذرا ندامت کا نام نہیں ہوتا تو اس سے انکار دوسرا گناہ ان کے ذمہ ہوتا ہے۔

اقوال سلف صالحین: حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کی غیبت کی ہے' اس کے حق میں دعائے مغفرت کافی ہے۔ معاف کرانے کی ضرورت نہیں اور اس کی وجہ اس حدیث کو کہتے ہیں جو انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کفارۃ من اغتبته ان تستغفر له (جس کی تو نے غیبت کی ہے' اس کا تدارک یہ ہے کہ اس کے لیے اللہ سے مغفرت چاہو۔

(2) حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ کفارہ کسی کے گوشت کھانے یعنی غیبت کا یہی ہے کہ اس کی تعریف کرے اور اس کے لیے دعائے خیر کرے۔

(3) حضرت عطا بن ابی رباح رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ غیبت سے توبہ کس طرح ہوتی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جس کی غیبت کی ہے' اس کے پاس جائے اور کہے کہ جو کچھ میں نے کہا تھا غلط کہا تھا۔ تیرے حق میں ظلم و زیادتی ہوئی' اب میں حاضر ہوں چاہو مجھ سے بدلہ لو' چاہو تو مجھے معاف کر دو۔ یہ قول عطا کا زیادہ صحیح ہے۔

ازالہ وہم: یہ جو بعض کہتے ہیں کہ ایسی آبروریزی کا کوئی بدلہ نہیں' اس سے معافی چاہنا واجب نہیں۔ جیسے کہ مال کی صورت میں معاف کرانے کی ضرورت ہوتی ہے تو یہ قول ضعیف ہے' اس لیے کہ آبروریزی ایسی چیز ہے جس کے لیے گالی کے طریقہ پر سزا دی جاتی ہے اور بازپرس ہوتی ہے بلکہ حدیث شریف میں اس کی تصریح بھی موجود ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من کانت لاخیه عنده مظلمته فی عرض اومال فلیتحللها منه من قبل ان یاتی یوم لیس هناک دینار ولا درهم انما یوخذ من حسنات فان لم تکن له حسنات اخذ من سیات صاحبه فزیدت علی سیاته (جس کے ذمہ اس کے بھائی کا کوئی حق ہو' آبرو میں مال میں تو چاہیے کہ اس سے معاف کرا لے۔ اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جہاں نہ دینار ہو گا' نہ درہم بلکہ نیکیاں دلائی جائیں گی۔ اور اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی برائیاں لے کر اس کی برائیوں میں اضافہ کر دی جائیں گی۔

حکایت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس عورت کو فرمایا جس نے دوسری عورت کو کہا کہ وہ طویل دامن والی ہے کہ تو نے اس کی غیبت کی' اس سے اپنا قصور معاف کراؤ۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ معاف کرانا ضروری ہے بشرطیکہ ممکن ہو اگر وہ شخص مفقود الخبر ہو گیا یا مر گیا ہو تو پھر اس کے لیے زیادہ تر دعائے خیر کرے اور اس کو نیکیوں کا ثواب بخشا کرے۔

مسئلہ: معاف کرنا دوسرے کے ذمہ واجب ہے یا نہیں تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ واجب تو نہیں' اس لیے کہ یہ ایک طرح کا احسان ہے۔ ہاں مستحب ہے اگر معاف کر دے گا تو ثواب پائے گا ورنہ مستحق عتاب نہیں۔

غیبت معاف کرانے کا طریقہ: اس شخص کی خوب تعریف کرے اور اس سے دوستی پیدا کرے۔ اسی طرح روزمرہ کرتا رہے۔ یہاں تک کہ اس کا دل اس کی طرف سے صاف ہو جائے اور خود قصور معاف کر دے۔ اگر بالفرض طبیعت صاف ہو گئی تب بھی اس کا عذر کرنا اور دوست بن جانا خالی از ثواب نہ ہو گا کیونکہ ممکن ہے کہ غیبت کے مقابلہ میں یہی نیکی ہو جائے۔

فائدہ: بزرگان سلف میں سے بعض حضرات معاف نہیں کیا کرتے تھے۔ مثلاً حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص مجھ پر زیادتی کرتا ہے' میں اس کو معاف نہیں کرتا۔

(2) حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غیبت کو میں نے تو حرام کیا ہی نہیں' اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے تو میں معاف کر کے اسے حلال کیوں کروں؟

سوال: حدیث شریف میں ہے کہ کیا تم میں سے کسی سے نہیں ہو سکتا کہ مثل ابی ضمضم کے ہو جائے۔ جب وہ گھر میں سے نکلتا تھا تو کہہ دیتا تھا کہ الٰہی میں نے لوگوں پر اپنی آبرو خیرات کر دی تو آبرو کا صدقہ کر دینا کیسے ہوتا ہے۔ اگر یہ صدقہ جائز ہو تو ایسے شخص کو لوگ برا بھلا کہہ سکتے ہیں یا نہیں اور اگر صدقہ جائز ہو تو حدیث میں اس کی ترغیب کیوں ہے؟

جواب: ابو ضمضم کے قول کا مطلب یہ ہے کہ میں قیامت کو اس سے مطالبہ نہ کروں گا کہ فلاں نے میری غیبت کی تھی کہ اس سے میرا حق ملے۔ اس طرح کہنے سے نہ تو غیبت جائز ہوئی ہے اور نہ گناہ سے بری ہو گیا۔ اس لیے کہ پہلے سے عفو کے کیا معنی بلکہ یہ ایک وعدہ کی صورت ہے کہ اگر کوئی مجھ کو برا کہے گا تو میں قیامت میں جھگڑا نہ کروں گا۔ اگر وہ اس وعدہ سے پھر جائے اور اپنے حق کا طالب ہو تو مثل اور حقوق کے یہ بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فقہاء نے اس کی تصریح کر دی ہے کہ جو کوئی لوگوں کو اپنے لیے گالی دینا مباح کر دے تو اس سے اس کا حق ساقط نہیں ہوتا اور آخرت کے حقوق ایسے ہیں جیسے دنیا کے۔

مسئلہ: غیبت معاف کرنا افضل ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب قیامت کے دن تمام مخلوق اللہ عزوجل کے سامنے گھٹنوں کے بل کھڑی ہوئی ہوگی' اس وقت کبریائی کے جوابات سے ندا ہو گی کہ جس کی مزدوری اللہ جل

تعالیٰ پر باقی ہو' وہ اٹھے۔ اس وقت صرف وہ لوگ اٹھیں گے جنہوں نے دنیا میں لوگوں کے قصور معاف کیے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (الاعراف 199) ترجمہ کنزالایمان: اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔

تفسیر: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے تفسیر پوچھی' انہوں نے فرمایا کہ یوں حکم ہے کہ جو شخص تم پر ظلم کرے' اسے معاف کرو اور جو تم سے نہ ملے' اس سے خود ملو اور تم کو نہ دے' اسے دو۔

حکایت: کسی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کی غیبت کی ہے تو آپ نے غیبت کنندہ کے پاس کچھ تر کھجوریں ایک طباق میں بھیج کر فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے اپنی نیکیوں میں سے کچھ مجھے ہدیہ کی تو میں نے اس کا بدلہ چاہا مگر چونکہ پورا بدلہ نہیں دے سکا' اس لیے جس قدر بن سکا' مکافات پورا بدلہ نہ دینے کی معذرت چاہتا ہوں۔

چغلی کی مذمت

قرآن مجید هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ (القلم پ 29 11) ترجمہ کنزالایمان: ذلیل بہت طعنے دینے والا بہت ادھر کی ادھر لگاتا پھرنے والا

(2) عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ (القلم پ 29 13) ترجمہ کنزالایمان: درشت خواس سب پر طرہ یہ کہ اس کی اصل میں خطا۔ (عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زنیم کے معنی ہیں وہ ولد الزنا جو بات نہ چھپائے اور اس آیت سے انہوں نے یہ بھی استنباط کیا ہے کہ جو شخص بات نہ چھپائے اور چغلی کھائے' وہ ولد الزنا ہے۔)

(3) وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (همزہ پ 30 1) ترجمہ کنزالایمان: خرابی ہو اس کے لئے جو لوگوں کے منہ پر عیب کرے پیٹھ پیچھے بدی کرے۔ (اس آیت میں ہمزہ سے بعض نے چغل خور مراد لیا ہے۔)

(4) حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (لہب پ 30 4) ترجمہ کنزالایمان: لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھاتی۔ کہتے ہیں کہ ابو لہب کی بیوی چغل خور تھی تو معنی یہ ہوئے کہ حمالتہ للوریث۔

(5) فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا (التحریم پ 28 10) ترجمہ کنزالایمان: انہوں نے ان سے دغا کی تو وہ اللہ کے سامنے انہیں کچھ کام نہ آئے

فائدہ: یہ آیت حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیویوں کے حق میں ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی جب کبھی ان کے یہاں کوئی مہمان آتا' قوم لوط میں خبر کر دیتی' وہ لوگ خبر پا کر اس مہمان سے لواطت کا ارتکاب کرتے اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی لوگوں سے کہتی کہ وہ مجنون ہیں۔

احادیث مبارکہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یدخل الجنته نمام (دوسری روایت میں قتات ہے' دونوں کا معنی چغل خور ہے۔)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا احبکم الی اللہ احسنکم اخلاقا الموطنون اکنا فا الذین یالفون ویولفون وان الغضکم الی اللہ المشاون بالنمیمنه المفرو قون بین الاخوان الملتمسون للبراء العشرات (تم میں سے اللہ کے نزدیک محبوب تر وہ ہوں گے جو اخلاق کے لحاظ سے اچھے ہوں گے۔ جن کے پہلو نرم ہیں۔ ایسے کہ ظاہراً و باطناً" الفت کرتے ہیں اور تم میں سے اللہ کے نزدیک مبغوض وہ ہیں جو چغلی کھاتے پھرتے اور بھائیوں میں جدائی ڈالتے ہیں اور صاف آدمیوں کے عیب تلاش کرتے رہتے ہیں۔

(3) فرمایا کہ میں تم کو سب سے زیادہ شریر نہ بتا دوں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ جو چغلی کھا کر دوستوں میں بگاڑ ڈالتے ہیں اور پاک دامن لوگوں کے عیوب کے متلاشی رہتے ہیں۔

(4) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من اشار علی مسلم بکلمنه لیشیر بها بغیر حق اشاره الله بها فی النار فی القیامه (جو کسی مسلمان پر ایک لفظ سے اشارہ کرے تاکہ اس کو ناحق عیب لگایا جائے' اللہ تعالیٰ اسی لفظ سے اس کو قیامت کے دن دوزخ میں عیب لگائے گا۔

(5) انہیں سے مروی ہے من شهد علی مسلم بشهادما لیس لها باهل فلیتبو مقعده من النار (جو گواہی دے کسی مسلمان پر ایسی بات کی کہ وہ اس کے اہل نہیں تو چاہئے کہ تلاش کرے اپنا ٹھکانہ دوزخ میں۔

فائدہ: کہا جاتا ہے کہ عذاب قبر کا تہائی حصہ چغلی سے ہوتا ہے۔

(6) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب جنت کو پیدا کیا تو اس کو ارشاد ہوا' کچھ بول۔ اس نے عرض کیا جو کچھ میرے اندر آئے گا' وہ سعید ہے۔ اللہ جل تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے اپنی عزت و جلال کی آٹھ قسم کے لوگ تجھ میں نہیں آئیں گے۔ (1) ہمیشہ شراب پینے والا (2) زنا پر اصرار کرنے والا (3) چغل خور (4) دیوث (5) ظالم سپاہی (6) مخنث (7) قاطع جو اللہ کی قسم کھائے اور قسم پوری نہ کرے۔ (8) کعب احبار فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک سال قحط پڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کئی بار بارش کے لیے دعا کی مگر بارش نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ تمہاری اور تمہارے ساتھ والوں کی دعا اس لیے قبول نہیں ہوتی کہ تم میں ایک چغل خور ہے کہ وہ چغلی پر اصرار کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی' الٰہی وہ کون ہے' بتلا دے تاکہ ہم اسے نکال دیں۔ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ میں چغلی سے منع کرتا ہوں اور پھر میں ہی چغلی کھاؤں۔ اس کے بعد تمام ہمراہیوں نے ایک ساتھ توبہ کی تو باران رحمت نازل ہوا۔

حکایت: ایک شخص سات سو کوس چل کر ایک حکیم کے پاس حاضر ہوا۔ اس نے کہا' چونکہ تم کو اللہ نے علم دیا

ہے' سات چیزیں پوچھنے آیا ہوں۔ ان کا جواب شافی عنایت فرمایئے۔ (1) آسمانوں سے زیادہ بھاری کیا چیز ہے؟ اس نے جواب دیا کہ پاک صاف آدمی پر بہتان باندھنا۔ (2) زمین سے زیادہ چوڑی کیا چیز ہے؟ اس نے کہا حق۔ (3) پتھر سے زیادہ سخت کیا چیز ہے؟ حکیم نے کہا کہ کافر کا دل۔ (4) آگ سے گرم کیا شے ہے؟ جواب دیا کہ حسد اور حرص۔ (5) زمہریر سے ٹھنڈی کیا چیز ہے؟ جواب دیا کہ کسی قریبی رشتہ دار سے حاجت کا نہ پورا ہونا۔ (6) سمندر سے زیادہ بے پروا کیا چیز ہے؟ حکیم نے کہا کہ جس دل میں فراغت ہو۔ (7) یتیم سے زیادہ ذلیل کون ہے؟ اس نے جواب دیا چغل خور۔ جب اس کا حال ظاہر ہو جاتا ہے تو یتیم سے زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔

چغلی کیا ہے؟ کوئی بھی دوسرے سے جاکر کہے کہ فلاں تمہیں یہ کہتا ہے۔ چغلی صرف اسی پر منحصر نہیں بلکہ تعریف اس کی یہ بھی ہے کہ جس چیز کا ظاہر کرنا برا ہو' ظاہر کر دیا جائے خواہ جس کی طرف سے کہا ہے' اسے برا لگے یا محسوس ہو' خواہ کسی تیسرے آدمی کو ناگوار گزرے اور ظاہر کرنا بھی قول سے ہو یا لکھنے سے یا اشارہ و کنایہ سے اور جو چیز ظاہر کی ہے' وہ بھی عمل ہو یا کلام خواہ عیب و نقصان دوسرے کا ہو یا نہ ہو غرضیکہ چغلی افشائے راز اور مکروہ بات کے اظہار کا نام ہے۔

مسئلہ: جب کسی کی نظر کسی کے حال پر پڑے تو چاہئے کہ خاموشی کرے مگر ایسی بات کہ جس میں کسی کا فائدہ ہو یا دور کرنا کسی گناہ کا پایا جاتا ہو' اس میں بولنا چاہئے۔ مثلاً جب کسی کو دیکھے کہ کسی کا مال لے لیتا ہے تو چاہئے کہ اس کے لیے گواہی دے۔ اس میں رعایت مال والے کی ہو گی لیکن اگر کوئی اپنا مال چھپا کر رکھتا ہو' اسے اگر اظہر کر دے گا تو چغلی ہو گی۔ اگر کسی کا عیب یا نقصان ذکر کرے گا تو دو گناہ ہوں گے۔ ایک غیبت کا دوسرا چغلی کا۔

چغلی کے اسباب: چغلی کے کئی اسباب ہیں۔

(1) یا تو یہ ہوتا ہے کہ جس کی بات کہے' اسے کچھ برائی پہنچے یا یہ کہ جس سے بیان کرتا ہے' اس کی دوستی کا اظہار مد نظر ہو۔ باتوں میں دل لگی کے طور پر مذکور ہو جائے یا فضول بکنے کا شوق ہو' بہرصورت جب کسی شخص کے سامنے اس قسم کی کوئی چغلی پیش ہو مثلاً یوں کہا جائے کہ فلاں شخص تم کو ایسے کہتا تھا یا تمہارے بارے میں یہ تدبیر کی ہے یا تمہارے نقصان کی فکر میں ہے یا تمہارے دشمن سے سازباز رکھتا ہے۔ اسی طرح کی کوئی ایسی بات کہے۔

سننے والے کو ہدایات: جب کوئی اپنی چغلی کی بات سنے تو چھ امور پر عمل کرے۔ (1) چغل خور کو سچا نہ جانے کیونکہ چغل خور فاسق ہے۔ اس کی شہادت نامقبول ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ (الحجرات 6) ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا نہ دے۔

(2) کہنے والے کو منع کرے کہ پھر میرے سامنے ایسی بات نہ کہنا اور اسے نصیحت کرے کہ تیری یہ حرکت

بے جا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔(1)

(3) اس سے اللہ کے لیے بغض رکھے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ بغض رکھے' اس سے بغض رکھنا واجب ہے۔

(4) غائب پر صرف اس کے کہنے سے بدگمانی نہ کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (بچتے رہو بہت تہمتیں کرنے سے مقرر بعضے تہمت گناہ ہے۔

(5) اس کے کہنے سے درپے تحقیق اور تجسس نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَجَسَّسُوْا (کسی کا بھید نہ ٹٹولو۔)

(6) جس بات سے چغل خور کو منع کیا ہے' اس میں خود مبتلا نہ ہو۔ مثلاً لوگوں میں ذکر نہ کرے کہ فلاں شخص مجھے ایسے کہتا ہے ورنہ غیبت اور چغلی ہو گی اور اسی سے اسے منع کیا تھا۔

حکایت: ایک شخص حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کسی کا حال آپ کے سامنے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے کہ اس کا امتحان کیا جائے۔ اگر جھوٹ نکلے تو اس آیت کا مصداق ٹھہرے گا۔ ان جاء کم فاسق بنبا (الحجرات 6) ترجمہ الخ۔ اور اگر سچ ہے تو اس آیت کا ھَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِیْمٍ (القلم 11) ترجمہ کنزالایمان: ذلیل بہت طعنے دینے والا بہت ادھر کی ادھر پھرنے والا۔ مصداق ہے اگر تو چاہے تو اور کہے تو معاف کر دیں۔ اس نے عرض کیا یا امیر المومنین مجھ سے خطا ہوئی' پھر کبھی ایسا نہ کروں گا' مجھے معاف فرمایئے۔

حکایت: ایک دانشور کا ایک بھائی اس کے پاس آیا اور اس کے کسی دوست کا کوئی حال کہا۔ اس نے سن کر جواب دیا کہ تم بہت دنوں کے بعد آئے اور تین کرتوت ساتھ لائے۔ (1) میرے دوست سے بغض پیدا کر دیا۔ (2) میرا دل فارغ اور چین سے تھا' اس میں تو نے تردد ڈال دیا۔ (3) تمہیں امین جانتا تھا' اب تمہارا اعتبار جاتا رہا۔

حکایت: سلیمان بن عبدالمالک بیٹھے تھے۔ ان کے ہاں حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے کہ ایک شخص کو سلیمان نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تو نے میرے حق میں ایسے کہا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ یہ حرکت مجھ سے نہیں ہوئی اور نہ میں نے کچھ کہا۔ سلیمان نے کہا کہ جس نے مجھ سے کہا ہے' وہ سچا آدمی ہے۔ پھر حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تمام چغل خور سچے نہیں ہوتے۔ سلیمان نے کہا کہ واقعی آپ نے صحیح فرمایا۔ پھر اس شخص سے کہا کہ سلامتی کے ساتھ چلے جاؤ۔

فائدہ: حضرت حسن کا قول ہے کہ من نم الیک نم منک (جو تیرے سامنے کسی کی چغلی کھا رہا ہے' تیرے لیے کہیں جا کر چغلی کھائے گا۔)

فائدہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام سے بغض رکھنا چاہئے اور اس کے قول کو معتبر اور سچا نہ جاننا چاہئے کیونکہ

1۔ محدث اعظم استاذی المعظم حضرت علامہ مولانا سردار احمد فیصل آبادی رحمتہ اللہ علیہ کا یہی طریقہ تھا یہی وجہ ہے کہ کوئی چغل خور آپ کے سامنے چغلی نہیں کرتا تھا۔ (اویسی غفرلہ)

وہ جھوٹ بولنا ہے اور وہ غیبت اور غدر و خیانت اور بغض و حسد و نفاق اور لوگوں میں بگاڑ ڈالنے سے خالی نہیں رہتا۔ جس چیز کے صلہ کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے' اسے وہ قطع کرتا ہے۔ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ (البقرہ 27) ترجمہ کنزالایمان: اور کاٹتے ہیں اس چیز کو جس کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (الشوریٰ 42) ترجمہ کنزالایمان: مؤاخذہ تو انہیں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی پھیلاتے ہیں۔

فائدہ: چغل خور بھی ایسے ہی لوگوں میں سے ہے۔ حدیث شریف میں ہے ان من شرار الناس من اتقاه الناس لشره (بدترین مردوں میں سے ہے وہ شخص جس سے لوگ اس کی شرارت سے ڈریں اور چغل خور بھی ایسا ہی ہوتا ہے اور فرمایا لا یدخل الجنته قاطع (قاطع جنت میں نہیں جائے گا۔)

فائدہ: بعض نے قاطع سے قاطع رحم مراد لی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جو لوگوں میں چغلی سے فساد ڈالتا ہے۔

حکایت: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک شخص نے کسی کی چغلی کھائی۔ آپ نے فرمایا' ہم اس کی تحقیق کرتے ہیں۔ اگر سچ ہوا تو تجھ سے ناراض ہوں گے' اگر جھوٹ ہوا تو تجھے سزا دیں گے۔ اگر چاہیں تو ہم معاف کر دیں۔ اس نے عرض کیا کہ مجھے معاف فرما دیں۔

حکایت: حضرت محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ کونسی خصلت ہم سے ایماندار کی قدر کم ہوتی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ بہت زیادہ بولنے اور راز فاش کرنے سے اور ہر ایک کی بات مان لینے سے۔

حکایت: کسی نے حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہما سے ان کے عہد امارت میں پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ فلاں نے آپ سے کہا ہے کہ میں نے آپ کو برا کہا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں کہا ہے۔ اس نے کہا کہ جو کچھ اس نے کہا ہے' وہ آپ بیان کریں تاکہ میں اس کا جھوٹ واضح کروں۔ انہوں نے کہا کہ میں نہیں چاہتا کہ میں اپنی زبان سے خود کو گالی دوں' بس یہی کافی ہے کہ میں آئندہ اس کی کوئی بات نہ مانوں گا اور تمہارے سے ملاقات نہیں چھوڑوں گا۔

حکایت: بعض صلحاء کے سامنے چغلی کا ذکر ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ہر قوم کے لوگوں سے سچ بات پسند کرتے ہیں مگر چغل خوروں کی جھوٹی بات کیوں انہیں اچھی محسوس ہوتی ہے؟

حکایت: حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ چغلی کی بہ نسبت چغلی کا مان لینا زیادہ برا ہے' اس لیے کہ چغلی میں صرف آگاہ کرنا ہے اور ماننے میں اجازت بھی پائی جاتی ہے اور کہا کہ دونوں میں بہت بڑا

فرق ہے۔ اس لیے کہ چغل خور سے کنارہ کرنا چاہئے کیونکہ اگر بالفرض اس کا قول صحیح ہے تب بھی کمینگی سے خالی نہیں کہ اس نے حرمت کی حفاظت نہ کی اور عیب پوشی پر عمل نہ کیا۔

حدیث میں ہے کہ اساعی باالناس بغیبر رشدہ (یعنی چغل خور حلال زادہ نہیں۔)

حکایت: ایک شخص سلیمان بن المالک کے پاس حاضر ہوا۔ ان سے ہمکلامی کی اجازت چاہی اور عرض کی میں آپ سے کڑوی باتیں کروں گا' انہیں برداشت کرنا۔ ناگوار گزریں ترک کرنا' اچھی سمجھ کر قبول کرنا۔ اس نے اجازت دی تو کہا تمہارے آگے پیچھے چند لوگ ہیں جنہوں نے دین دنیا سے بیچ ڈالا تمہیں' راضی کیا لیکن اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔ تمہارے سے ڈرتے ہیں لیکن اللہ سے نہیں ڈرتے۔ تجھے اللہ نے نہیں بنایا' انہیں ان امور کا محافظ نہ بنا جن امور کا تمہیں اللہ تعالیٰ نے محافظ بنایا۔ یہ خسف سے نہیں ڈرتے اور نہ ہی امانت ضائع کرنے کا انہیں کوئی خوف ہے اور نہ کسی کی عزت کا انہیں احترام ہے۔ ان کا اعلیٰ مقصد بغاوت' چغل خوری ہے اور ان کے اعلیٰ وسائل غیبت اور لوگوں کی ہتک و توہین ہے۔ ان کے جرائم کا تجھ سے سوال ہوگا۔ تیرے جرائم کا ان سے کوئی سوال نہ ہوگا۔ ان کی دنیا سنوار کر اپنی آخرت تباہ نہ کر کیونکہ سب سے زیادہ خسارہ اسے ہے جو اپنی آخرت دوسری دنیا کے عوض بیچ ڈالے۔

حکایت: کسی نے زیاد الاعجم پر سلیمان بن عبدالمالک کے سامنے چغلی کھائی۔ اس نے دونوں کو جمع کرکے دونوں کی صلح کرانی چاہی۔ زیاد نے چغل خور کو کہا: فانت امرا اما ائتمننک خالھا مخنت و اما قلت قولا بلا علم فانت من الامر انوی کان بینا یمنزلہ بین الخیانہ والاثم (تو وہ بیکار ہے' کیا میں نے تمہیں امانت اسی لیے دی کہ اس سے خالی ہو کر خیانت کرے اور بات ایسی کہہ دی جس کا علم ہی نہیں تو اس کام کا نہیں جو میرے اور تیرے درمیان ایسی بات تھی جو گناہ و ملامت کے درمیان تھی 'بہرحال تو نے اچھا نہیں کیا۔

حکایت: کسی نے عمرو بن عبید سے کہا کہ تمہارا رفیق الاسواری ہمیشہ اپنے بیانات میں تم ہی کو برا کہا کرتا ہے۔ آپ نے اسے جواب دیا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تو نے نہ تو اس کی رفاقت اور ہم نشینی کا حق سمجھا کہ برا کہنے لگا اور نہ میرا خیال کیا کہ مجھے اس کا حال ایسے طریقے سے سنایا جو مجھ کو برا محسوس ہوا۔ اگر یونہی ہے تو اس سے کہہ دینا کہ موت ہم دونوں کو لے جائے گی اور قیامت میں اکٹھے ہوں گے اور احکم الحاکمین فیصلہ فرمائے گا۔

حکایت: بعض چغل خوروں نے صاحب بن عباد کو ایک پرچہ لکھا کہ جو یتیم آپ کی تربیت میں ہے' اس کے پاس مال بہت ہے۔ اگر اس سے چھین کر داخل خزانہ نہ ہو تو مناسب ہے۔ انہوں نے اس پرچہ کی پشت پر لکھا کہ چغلی بہت بری ہے۔ اگرچہ صحیح ہی کیوں نہ ہو۔ تو نے اس واقعہ میں خیر خواہی کی لیکن اس میں برا خسارہ زیادہ ہے تو نے چغلی کھائی' ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں کہ ایک مستور الحال کی ہتک کریں۔ تیرا بڑھاپا مد نظر نہ ہوتا تو تیری اس حرکت کی تجھے بڑی سزا دی جاتی۔ اے ملعون تجھے غیب باتوں سے بچنا چاہئے کیونکہ غیب اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اللہ

تعالیٰ میت پر رحمت کرے اور یتیم کو اچھا بدلہ عنایت فرمائے۔ اس کے مال کو بڑھائے اور چغل خور پر لعنت کرے۔

حکایت: حضرت لقمان حکیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ تجھے ایسی عادتیں سکھلائے دیتا ہوں۔ اگر تو ان پر کاربند ہو گیا تو ہمیشہ سردار بنا رہے گا۔ وہ یہ ہیں کہ رشتہ قریب اور بعید سے خلق سے پیش آنا اور اپنا جہل اچھے اور برے پر ظاہر نہ کرنا اور لوگوں کی حرمت کا لحاظ رکھنا اور اپنے بیگانے سے ملتے رہنا اور جو شخص تجھ میں اور لوگوں میں فساد ڈالنا چاہے اور فریب و دھوکا دینا چاہے' اس کی بات ہرگز نہ ماننا اور اپنا بھائی اور دوست اسے سمجھ جو جب علیحدہ ہو جائے تو نہ تو اس کی برائی کرے اور نہ وہ تیری برائی کرے۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ چغلی' جھوٹ اور حسد اور نفاق سے بنی ہے اور یہی تینوں چیزیں ذلت کی بنیاد اور خرابی کی ارکان ہیں۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ چغل خور بالفرض اگر سچ بھی کہتا ہو تو بھی واقع میں گویا گالی دیتا ہے' اس لیے کہ جس کی طرف سے بیان کرتا ہے' وہ قابل رحم ہے کہ اس کو اتنی ہمت و جرات نہ ہوئی کہ سامنے کہتا بلکہ اس نے خود اپنی زبان سے رنج دی۔

خلاصہ: چغلی کی برائی قابل بچنے کے ہے اور بری بلا ہے۔ اس سے بڑے جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں۔

حکایت: حماد بن سلمہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے غلام کو بیچا اور مشتری سے کہا کہ اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔ ہاں صرف چغل خور ہے۔ خریدار نے کہا کہ مجھے منظور ہے' اسے خرید لیا۔ چند روز کے بعد اس غلام نے اپنے آقا کی بیوی سے کہا کہ تمہارا شوہر تم کو نہیں چاہتا' اب وہ کوئی حرام کاری اپنے گھر میں ڈالنا چاہتا ہے۔ مجھے ایک منتر آتا ہے۔ جب تمہارا شوہر سو رہے' استرے سے اس کی گدی کے بال لے کر مجھے دینا' میں ان پر منتر پڑھوں گا۔ پھر وہ تمہارا ہی ہو کر رہے گا۔ آقا سے خفیہ کہا کہ تمہاری بیوی کسی دوسرے سے آشنائی رکھتی ہے۔ فرصت کے وقت تمہارے قتل کرنے کی فکر میں ہے۔ امتحان کرنا چاہو تو سونے کے بہانے لیٹ کر دیکھ لو' وہ شخص اسی طرح لیٹ رہا تھا تو عورت استرہ لے کر اس کے پاس گئی' جونہی وہ گردن کی طرف جھکی' مرد نے سمجھا کہ واقعی گلا کاٹنا چاہتی ہے' فوراً اٹھتے ہی اسے قتل کر ڈالا۔ سسرال والوں نے خبر سن کر اسے ختم کر دیا۔ پھر یہ فساد مرد اور عورت کے خاندان میں پھیل گیا۔ غور کیجئے ذرا سی چغلی سے اتنا جھگڑا اور فساد بپا ہوگیا۔

دو رخی بات کی مذمت: جو دو انسانوں سے ملتا ہے تو جس کے سامنے آتا ہے' اس کے موافق گفتگو کرتا ہے اور یہ کم ہے کہ دو عداوت والوں سے ملے بھی اور بچا رہے۔ اسی کا نام نفاق ہے۔

احادیث مبارکہ: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں من کان لہ وجھان فی الدنیا کان لسانان من نار یوم القیامۃ (جو دنیا میں دو رخی ہوگا' قیامت میں اس کے لیے دو آگ کی زبانیں

ہوں گی۔)

(2) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجلون من شر عباد اللہ یوم القیمتہ ذالوجھین الذین یاتی وھو الا بحدیث وھولا بحدیث (قیامت کے دن اللہ کے بندوں میں سے بہت برا دو رخہ آدمی کو پاؤ گے جو ان سے کچھ کہتا تھا اور ان سے کچھ۔)

فائدہ: ایک روایت میں بحدیث کی جگہ بوجہ ہے۔ یہ بھی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دو رخا آدمی اللہ کے نزدیک امین نہیں ہوتا۔

(3) حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے توراۃ میں پڑھا ہے کہ انسان اپنے دوستوں سے دو رخی باتیں کہتا ہے اور پھر امانت کا طالب ہے۔ امانت تو درکنار قیامت میں اللہ تعالیٰ ایسے کو ہلاک کرے گا جس سے دو رخی بات نکلی ہو۔

(4) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ابغض خلیفتہ الی اللہ یوم القیمتہ الکذابون والمتکبرون الذین یکثرون البغضاء الاخوانھم فی صدور ھم فاذا القوھم تختلفوا لھم واذا دعوا الی اللہ ورسولہ کانوا بطاء واذا دعوا الی الشیطان و امرہ کانوا سراعا (قیامت میں اللہ کی مخلوق میں سے بدتر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دروغ گو اور متکبر ہوں گے اور جو لوگ کہ اپنے دلوں میں مسلمان بھائیوں کی طرف سے کینہ رکھتے ہیں اور جب ملتے ہیں تو اخلاق سے پیش آتے ہیں اور جب اللہ و رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تو سست اور دیر کرنے والے ہوتے ہیں۔ اگر شیطان اور اس کے کام کی طرف بلائے جاتے ہیں تو جلدی کرنے والے ہوتے ہیں۔

(5) ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی دو رخہ نہ ہو کہ جدھر کی بات دیکھی، ادھر ہو گئے۔

فائدہ: اس پر سب کا اتفاق ہے کہ دو شخصوں سے دو رخی ملاقات کرنا منافقت ہے اور منافقت کی بہت سی علامات ہیں۔ ان میں سے ایک یہ دو رخی بھی ہے کہ ایک شخص مر گیا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ راز دان حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو فرمایا کہ تعجب ہے کہ صحابی مر گیا اور آپ نے نماز نہ پڑھی۔ انہوں نے فرمایا کہ یا امیر المومنین انہ منھم (یعنی یہ منافقوں میں سے ہے۔) آپ نے فرمایا میں تم سے بہ قسم پوچھتا ہوں کہ میں تو منھم سے نہیں ہوں؟ انہوں نے فرمایا بخدا نہیں لیکن اب میں تمہارے سوا کسی سے نفاق میں بے خوف نہیں رہوں گا۔

مسئلہ: اگر دو دشمنوں کے پاس جا کر ہر ایک سے اچھی طرح ملتا ہے اور [illegible] منافق، اس لیے کہ ممکن ہے کہ دو عداوت والوں سے سچی بات کہتا ہو۔ اگرچہ دونوں عداوت والوں سے اس طرح دوستی ضعیف ہوتی ہے کیونکہ پکی دوستی میں دوست کے دشمن کے ساتھ عداوت کرنی پڑتی ہے۔ جیسا کہ آداب صحبت

اور بھائی چارہ کے باب میں گزرا۔

مسئلہ: دو عداوت والوں میں سے ہر ایک کی بات دوسرے سے کہے اور یہ امر چغلی سے زیادہ ہے' اس لیے کہ چغل خور تو ایک ہی طرف کی بات نقل کرنے سے ہوتا ہے' یہاں تو دونوں طرف کی بات ایک دوسرے سے کہتا ہے۔

مسئلہ: اگر کلام ایک دوسرے کی نقل نہ کرے بلکہ ہر ایک سے یہی کہے کہ تم فلاں سے عداوت رکھتے ہو' یہ بہت اچھی بات ہے یا ہر ایک سے وعدہ کرے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں یا دشمنی کے سبب ہر ایک کی تعریف کرے تو ان تمام باتوں سے دو رخا کہلائے گا۔

مسئلہ: منہ پر اچھا کہے' پھر علیحدہ ہو کر برا کہے بلکہ لائق یہ ہے کہ کچھ نہ کہے یا حق والے کی تعریف کرے' خواہ اس کے سامنے بھی اس کی تعریف کرے ورنہ منہ پر کچھ اور پیٹھ پیچھے کچھ کہے گا تو منافق ہوگا۔

فائدہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا کہ ہم جب امراء کے سامنے جاتے ہیں تو کچھ کہتے ہیں اور جب وہاں سے نکلتے ہیں تو کچھ کہتے ہیں' اس کا کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہم اس امر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نفاق سمجھا کرتے تھے۔

فائدہ: جس صورت میں کہ امراء کے ہاں جانے کی حاجت نہ ہو اور خواہ مخواہ چلا جائے پھر خوف کے مارے ان کے سامنے خوشامد اور تعریف کرے تو نفاق میں داخل ہے۔ اس لیے کہ بے ضرورت اسے نہ جانا چاہئے تھا جو اس کے پاس ضروریات زندگی بمقدار قناعت تھیں تو پھر کیا ضرورت تھی کہ اپنے آپ کو اونچا کرنے کے لیے بے فائدہ امرا کے پاس جا کر خوشامد کی۔ اسی لیے منافق ہوا۔ اس حدیث شریف میں ہے حب المال والجاہ ینبت النفاق فی قلب کما ینبت الماء البقل (مال و جاہ کی محبت نفاق کو دل میں ایسے اگاتی ہے جیسے پانی سبزی کو بڑھاتا ہے۔)

مسئلہ: اگر امراء کے پاس بوجہ ضرورت گیا اور ڈر کے مارے تعریف کی تو معذور ہے' اس لیے کہ شر سے بچنا جائز ہے۔

فائدہ: ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے سامنے ہم ان کو خوش کرنے کے لیے ہنس دیتے ہیں مگر ہمارے دل ان کو لعنت کرتے ہیں۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک دفعہ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی' آپ نے فرمایا اسے آنے دو۔ تمام قوم میں برا یہی شخص ہے۔ جب وہ سامنے آیا تو آپ نے بڑی نرمی سے گفتگو فرمائی۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ تو اس کے حق میں کچھ

اور ہی کہتے تھے' پھر گفتگو نرم کیوں فرمائی؟ آپ نے فرمایا کہ ان شر الناس الذی یکرم اتقاء شرہ (لوگوں میں سے برا وہ ہے جس کی تعظیم اس کے شر کے خوف سے کی جائے۔)

فائدہ: لیکن یہ نرمی صرف متوجہ ہونے اور تبسم کرنے تک ہو لیکن تعریف کرنا صریح جھوٹ ہے۔ وہ ضرورت شدید کے بغیر ہرگز جائز نہیں۔ جب تک ایسی صورت پیش نہ آئے کہ جس سے جھوٹ بولنا مباح ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ جھوٹ کی بحث میں گزرا اس وقت تک تعریف کرنا درست نہیں بلکہ اس کی تصدیق اور سر ہلانا بھی نہیں چاہئے۔ ایسا ہی ہر ایک کلام باطل کا حال ہے۔ کسی کی تصدیق میں سر ہلانا ہو تو زبان سے چپ رہے اور دل سے برا جانے۔

بے جا تعریف و مدح کی مذمت: یہ بھی بعض موقعوں پر ممنوع ہے اور ہجو تو صراحتاً غیبت ہے' اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ تعریف میں چھ آفات ہیں' چار تو اس سے متعلق ہیں جو مدح کرتا ہے اور دو ممدوح سے۔ وہ جو تعریف کرنے والے سے متعلق ہیں' وہ یہ ہیں۔ (1) تعریف میں افراط و زیادتی یہاں تک کہ جھوٹ ہو جائے۔ خالد بن معدان کہتے ہیں کہ جو شخص کسی کی مجمع میں ایسی تعریف کرے جو ممدوح میں نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت میں توتلا اٹھائے گا۔ (2) مدح میں کبھی ریا کو دخل ہوتا ہے۔ مثلاً تعریف میں ممدوح سے اظہار محبت ہو مگر دل میں اس کی محبت کچھ بھی نہیں تو اس سے ریاکار اور منافق ہوتا ہے۔ (3) بعض باتیں اور اوصاف ایسے بیان کرتا ہے کہ ان سے واقف بھی نہیں ہوتا کہ یہ ممدوح میں ہیں یا نہیں اور نہ ان پر آگاہ ہونے کی کوئی سبیل ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے کسی دوسرے کی تعریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کی۔ آپ نے مدح کرنے والے کو فرمایا ویحک قطعت عنق صاحبک لوسمعھا ما افلح ثم قال ان کان احدلا بد مادحا اخاہ فلیقل احسب فلا نا و لا ازکی علی اللہ احدا احسبہ ان کان یری انہ کذلک (ہلاکی ہو تجھ کو تو نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ ڈالی۔ اگر وہ سنے گا تو فلاح نہ پائے گا' پھر فرمایا کہ اگر کوئی تم میں سے کسی کی تعریف کرنا چاہئے تو یوں کہے کہ فلاں شخص کو ایسا گمان کرتا ہوں اور اللہ کے نزدیک کسی پر تزکیہ یعنی پاکی کا حکم نہیں کرتا۔ اس کا جاننے والا اللہ ہے۔ اگر یہ جانے کہ وہ ایسا ہے یعنی اتنا بھی اس وقت کہے کہ وہ لائق تعریف ہے غرضیکہ ایسے اوصاف سے تعریف کرنا جو دلائل سے معلوم ہوتے ہیں' وہ اس آفت میں داخل ہیں۔ مثلاً یوں کہنا کہ فلاں شخص متقی' پرہیزگار اور زاہد و خیرات کرنے والا ہے وغیرہ وغیرہ تو اس طرح کے اوصاف مخفی ہوتے ہیں اور باطن سے متعلق ہیں۔ جب تک آدمی کا امتحان نہ کر لے تب تک یقیناً ان اوصاف کا حال بیان نہیں کرنا چاہئے۔ ہاں اگر یوں کہے کہ میں نے اس کو تہجد پڑھتے دیکھا ہے یا حج میں دیکھا ہے یا صدقہ دیتے دیکھا ہے تو یہ باتیں یقین سے کہہ سکتا ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ وہ عادل پسندیدہ قابل گواہی ہے' اس لیے کہ ظاہر سے متعلق ہیں' صرف دیکھنے سے ان کا یقین ہو جاتا ہے۔

حکایت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دوسرے کی تعریف کرتے سنا۔ آپ نے تعریف کرنے والے سے پوچھا

کہ تو نے اس کے ساتھ سفر کیا ہے یا کبھی بیع و شراء اور لین دین کا معاملہ کیا ہے یا اس کا ہمسایہ ہوا ہے کہ صبح و شام اس کے پاس رہتا ہو۔ اس نے عرض کیا کہ ان باتوں میں سے کوئی نہیں۔ آپ نے فرمایا تو پھر اس کی تعریف نہ کر۔

(4) ممدوح کو باوجود ظالم و فاسق ہونے کے اپنی تعریف سے خوش کرتا ہے۔ یہ ناجائز ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب فاسق کی کوئی تعریف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ غصہ میں ہوتا ہے۔

فائدہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی ظالم کے لیے درازی عمر کی دعا کرتا ہے۔ وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں زیادہ بے فرمانی ہو۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ ظالم فاسق اسی بات کا مستحق ہے کہ اس کی مذمت کی جائے تاکہ اس کو رنج ہو تعریف سے' اس کو خوش نہ کرنا چاہئے اور دو باتیں جو ممدوح کے لئے ضرر کی ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ تعریف سے اسے عجب پیدا ہوتا ہے اور یہ دونوں صفتیں مہلک ہیں۔

حکایت: حضرت حسن (بصری) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ درہ لیے بیٹھے تھے اور لوگ آپ کو حلقہ کئے ہوئے تھے کہ جارود بن منذر حاضر ہوا۔ ایک شخص نے کہا کہ یہ ربیعہ کی قوم کا سردار ہے۔ جب سب نے اس کے لیے یہ تعریفی کلمہ سنا تو جب وہ قریب آیا تو آپ نے معمولی سا اسے درہ مارا۔ اس نے عرض کی کہ یہ بات کیوں؟ آپ نے فرمایا کہ تو نے نہیں سنا کہ تجھے فلاں شخص نے قوم کا سردار کہا ہے' عرض کی سنا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس سے خوف ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تجھ میں اس کا تکبر آجائے۔ اس لیے میں نے تیرے نفس کو کم کرنے کے لیے ایسے کیا ہے۔

(2) جب تعریف سے معلوم ہوگا کہ میں اچھا ہوگیا تو اپنی بہتری میں سستی کرے گا کیونکہ عمل میں کوشش وہی کرتا ہے جسے معلوم ہو کہ میرے نفس میں قصور اور کمی ہے اور جب لوگوں کی زبان سے تعریف سنے گا تو سمجھے گا کہ میں کامل ہو گیا' اب عمل کی حاجت نہیں۔ اسی لیے حدیث مذکورہ بالا میں ارشاد ہے کہ تو نے اپنے دوست کی گردن کاٹ ڈالی اور وہ سنے گا تو فلاح نہ پائے گا۔ حدیث میں ہے اذا مدحت اخاک فی وجھہ فکانما امرت علی حلقہ موسی رمیضا (جب تو نے اپنے بھائی کی اس کے منہ پر تعریف کی تو اس نے اس کی گردن پر استرا پھیر دیا۔)

حدیث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی مدح کرنے والے سے فرمایا کہ عقرت الرجل عقرک اللہ (ذبح کر ڈالا تو نے اس شخص کو' اللہ تجھے ذبح کرے۔)

فائدہ: حضرت مطرف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے کبھی کسی سے مدح و ثنا سنی تو میرا نفس میرے نزدیک ذلیل ہو گیا۔

فائدہ: زیاد بن ابی مسلم کا قول ہے کہ جب کوئی شخص اپنی تعریف و مدح سنتا ہے تو شیطان اس کو فخر اور تکبر میں

مبتلا کرتا ہے مگر ایماندار انسان اس سے محفوظ رہتا ہے۔

خلاصہ: عوام کے حق میں تعریف زہر قاتل ہے اور خواص اس کی آفت سے بچے رہتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ لومشی الرجل الی الرجل بسکین مرحف کان خیرا لہ من ان یثنی علیہ فی وجھہ (اگر کوئی شخص دوسرے کی طرف تیز چھری لے کر جائے تو اس سے بہتر ہے کہ اس کے منہ پر اس کی تعریف کرے۔

ملفوظ فاروقی: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدح کرنا بمنزلہ ذبح کے ہے۔

فائدہ: یہ اس لیے فرمایا کہ ذبح کے بعد کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہی تعریف سے سستی چھا جاتی ہے اور عمل نیک سے باز رکھتی ہے کہ مدح کے باعث کبر و عجب جو صفات مہلکہ سے ہیں' پیدا ہوتے ہیں اور یہ بھی گویا ذبح کرنا ہے۔

مسئلہ: اگر تعریف ان سب آفتوں سے خالی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ اس طرح کی تعریف مستحب ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف فرمائی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں فرمایا لو وزن ایمان ابی بکر بایمان العالم لرجح (اگر ایمان ابوبکر کا تمام جہان کے ایمان سے تولا جائے تو ان کا ایمان ہی بھاری رہے گا۔) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان میں فرمایا لولم ابعث بعثت یا عمر (اگر میں مبعوث نہ ہوتا تو اے عمر تو پیغمبر ہوتا۔)

فائدہ: اس سے بڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اور کونسی تعریف ہو گی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور بصیرت سے معلوم ہو گیا تو ایسا فرمایا۔ علاوہ ازیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ اتنا بڑا تھا کہ اس تعریف سے گرد کبر و عجب کی ان کے دامن دل پر نہیں بیٹھ سکتی تھی' اسی لحاظ سے اپنے منہ سے اپنی بڑائی بیان کرنا بری ہے۔ اس سے کبر اور فخر پایا جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے انا سید ولد آدم ولا فخر (میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور کچھ فخر نہیں۔) ازروئے فخر نہیں کہتا ہوں جیسا اور لوگ کہا کرتے ہیں کہ اپنے منہ اپنی تعریف خود کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ افتخار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب الی اللہ کی وجہ سے تھا اور نہ اس سبب سے کہ سرداری اولاد آدم کی برادری کی وجہ سے۔

ایک مثال سے یوں سمجھنا چاہیے کہ کوئی بادشاہ کسی شخص کو زیادہ تر مقبول فرمائے تو اس کو بادشاہ کے معتمد اور مقرب بننے کا فخر ہوتا ہے۔ اس وجہ سے خوش نہیں ہوتا کہ رعایا کے اوپر فضیلت ہوئی جبکہ تفصیل آفات کی معلوم ہو گئی تو اب معلوم ہو گیا کہ مدح کی برائی کس سبب سے ہوتی ہے اور اس پر جو احادیث میں ترغیب پائی جاتی ہے' اس سے کیا غرض ہے۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مردہ کی شان میں فرمایا وجبت یہ ضرور یعنی جنتی ہوا۔ اس سے قبل لوگوں نے اس کا ذکر خیر کیا' تب آپ نے یہ لفظ فرمایا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ذکر خیر ہی دوسرے کا کرنا

چاہئے اور مجاہد فرماتے ہیں کہ انسان کے ہم نشین فرشتے ہوتے ہیں۔ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان کا ذکر خیر کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ تجھے بھی اللہ ایسا ہی کرے اور جب کسی کا برائی سے ذکر کرے تو فرشتے کہتے ہیں' اے ابن آدم اللہ نے تیرے عیب پوشیدہ رکھے تو اسی پر بس کر اور اللہ کا شکر کر۔

اپنی تعریف سن کر کیا کرنا چاہئے؟: ممدوح غور و فکر کرے' تامل کرے کہ خاتمہ کا وقت پر خطر ہے اور اعمال کا کچھ بھروسہ نہیں کیونکہ صدہا آفات ریا وغیرہ کی اس کے درپے ہیں اور اپنے عیوب کو بھی سوچے جن کو خود جانتا ہے اور تعریف کرنے والے کو ان کی تعریف پر کراہت کرکے تعریف کرنے والے کو ذلیل اور پشیمان کرے۔ حدیث شریف میں ہے احصوا فی وجوہ المدحین التراب (تعریف کرنے والوں کے منہ پر خاک ڈالو۔)

فائدہ: حضرت سفیان بن عینیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو خود جانتا ہے' اس کو مدح سے ضرر نہیں ہوتا۔

حکایت: کسی نیک آدمی کی کسی نے تعریف کی تو انہوں نے فرمایا' الٰہی یہ لوگ مجھے نہیں جانتے اور تو میرے حال کو جانتا ہے۔

حکایت: ایک بزرگ نے تعریف کے بعد فرمایا کہ الٰہی تیرے اس بندہ نے میری نزدیکی ایسی بات سے چاہی جس میں تو خوش نہ ہو' میں تجھے گواہ کرتا ہوں کہ میں اس سے ناخوش ہوں۔

حکایت: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کسی نے تعریف کی تو آپ نے فرمایا الٰہی جس بات کو یہ لوگ نہیں جانتے اور میری نسبت کہتے ہیں' اس کا مواخذہ مجھ سے نہ فرما اور مغفرت کر اور مجھے ان کے نظریہ سے بہتر کر دے۔

ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا کہ تو مجھ کو اور اپنے آپ کو دونوں کو ہلاک کیا چاہتا ہے۔

حکایت: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک شخص برائیاں بیان کرتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے آپ کے منہ پر آپ کی تعریف کر دی۔ آپ نے فرمایا کہ جو تو کہہ رہا ہے' اس سے تو میں کم ہوں لیکن جو تیرے دل میں ہے' اس سے زیادہ ہوں۔

گفتگو کی باریک غلطیاں: جو باتیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے صفات سے متعلق ہیں یا امور دین سے تعلق رکھتی ہیں تو عالم دین اس کے الفاظ کو درست کرکے بولتا ہے اور عوام جن کو علم کم ہوتا ہے' ان میں لغزش کر جاتے ہیں مگر جہالت کے سبب سے لیکن اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرماتا ہے اور وہ باتیں یوں ہیں' مثلاً حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یقل احد کم ماشاء اللّٰہ وشئت ولکن لیقل ماشاء اللّٰہ ثم شئت (تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ جو اللہ اور تو چاہے بلکہ یوں کہے کہ جو اللہ نے چاہا' پھر تو نے چاہا) (۱) یعنی اللہ

تعالیٰ کی مشیت اور خواہش کے ساتھ دوسرے کو شریک کر کے نہ بولنا چاہئے کہ اللہ اور تو چاہے گا تو یوں ہوگا کہ یہ تعظیم کے خلاف ہے اور بے ادبی پائی جاتی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ مقدم تو مشیت ایزدی ہے' پھر تیرا ارادہ یہ ہے۔

حکایت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور گفتگو میں بول اٹھا کہ جو اللہ اور اس کے رسول نے چاہا۔ آپ نے فرمایا کہ تو مجھے اللہ کا شریک کرتا ہے۔ یوں کہہ کہ ماشاء اللہ وحدہ۔

حکایت: ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خطبہ پڑھا۔ اس میں کہا ومن یطع اللّٰہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصمھما فقد غوی (جس نے اطاعت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی وہ' راہ پانے والا ہوا اور جس نے ان کی نافرمانی کی' وہ گمراہ ہوا۔) تو آپ نے فرمایا کہ اس طرح کہہ ومن یطع اللّٰہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصمھا فقد غویٰ (جس نے اطاعت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی وہ راہ پانے والا ہوا اور جس نے ان کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہوا)

صیغہ تثنیہ: یہ مشارکت اور برابری پر دلالت کرتا ہے۔ اس کو آپ نے برا جانا اور حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو برا جانتے تھے کہ کوئی کہے کہ اللہ کی پناہ اور تیری پناہ بلکہ یوں کہنا جائز ہے کہ اللہ کی پناہ' پھر تیری پناہ اور بعض (نخعی) لوگ یوں کہنا برا جانتے ہیں کہ الٰہی دوزخ سے ہم کو آزاد کرنا اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ آزاد کرنا بعد دوزخ میں داخل ہوں گے ہوگا' اس لیے کیا ضرورت ہے کہ ایسا لفظ کہا جائے۔ یوں کیوں نہ کہیں کہ الٰہی ہم کو دوزخ سے بچا اور پناہ میں رکھ۔

حکایت: کسی نے دعا مانگی کہ الٰہی تو مجھے ان لوگوں میں سے بنا جن کو شافع روز جزا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو۔ پس حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے غنی فرمائے گا۔ (یاد رہے کہ آپ کی شفاعت گنہگاران امت کے لیے ہوگی۔ شفاعت کی تفصیل و تشریح اور عجیب و واقعات فقیر کی کتاب "شفاعت کا منظر" میں پڑھئے) (اویسی غفرلہ)

مسئلہ: حضرت ابراہیم (نخعی) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب آدمی دوسرے کو گدھا یا سور یا خنزیر کہتا ہے تو قیامت میں اس سے پوچھا جائے گا کہ بتا میں نے اس کو گدھا بنایا تھا یا خنزیر تو ان الفاظ سے اسے کیوں ذکر کرتا تھا؟

مسئلہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم میں سے بعض ایسا شرک کرتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ کتے کو شریک

ا۔ اسی لئے ہمارے علمائے کرام کہا کرتے ہیں ان شاء اللہ عزوجل ثم ان شاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ فقیر اویسی غفرلہ اپنی تصانیف میں اکثر یہ جملہ لکھتا رہتا ہے۔ جو لوگ اس اصول سے ناواقف ہیں وہ ایسے جملے پر اہلسنت کو مشرک کہہ دیتے ہیں (معاذ اللہ) اویسی غفرلہ

کر دیتے ہیں' مثلاً کہتے ہیں کہ اگر یہ کتا نہ ہوتا تو آج رات ہم تو لٹ ہی گئے تھے۔ (حافظ حقیقی اللہ کا خیال نہیں کرتے)

مسئلہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے یہ کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ان اللہ ینھاکم ان تحلفوا با بائکم (بے شک اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے تم کو اس سے کہ قسم کھاؤ اپنے باپ کی۔) میں نے کبھی اس طرح کی قسم نہیں کھائی۔

مسئلہ: حدیث شریف میں ہے لا تسموالعنب کرما ان الکرم الرجل المسلم (انگور کو کرم نہ کہا کرو کہ کرم مرد مسلمان ہی ہے۔)

مسئلہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تم میں سے کوئی نہ کہے کہ یہ میرا بندہ ہے اور یہ میری لونڈی ہے کیونکہ بندے سب اللہ کے ہیں اور لونڈیاں سب اسی کی ہیں بلکہ یوں کہا کرو یہ میرا غلام ہے یا خادم' یہ میری کنیز ہے اور خادمہ اور غلام بھی اپنے آقا کو رب یا ربہ یعنی پرورش کرنے والا نہ کہے بلکہ آقا اور سردار کہے' اس لیے کہ پرورش کرنا سب کا اللہ تعالیٰ ہے۔ (۱)

مسئلہ: فرمایا لا تقولو اللمنافق سیدنا فانہ ان یکن ۔ یدکم فقد اسخطتم ربکم (منافق کو اپنا سید بھائی یعنی سردار نہ کہو کیونکہ وہ اگر تمہارا سردار ہوگا تو تم نے اپنے رب کو غصہ میں ڈالا۔

مسئلہ: فرمایا کہ جو شخص یوں کہے کہ میں اسلام سے بری ہوں تو اگر سچ ہے تو ویسے ہوگا جیسے کہا اور جھوٹا ہے تو اسلام کی طرف کبھی سلامت نہ پھرے گا۔

فائدہ: اس طرح کی باتیں جو رات دن آدمی کے منہ سے نکلتی ہیں' سب اس آفت میں داخل ہیں اور غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی باتیں روزمرہ صدہا منہ سے نکل جاتی ہوں گی اور جو شخص آفات زبان کو بغور دیکھے' اس کو یقین ہو جائے گا کہ اگر زبان کو نہیں روکوں گا تو بے شک نہیں بچوں گا اور اس وقت اس حدیث شریف کی حکمت معلوم ہوگی۔ من صمت نجی (جو خاموش رہا' اس نے نجات پائی۔) اسی لیے کہ آفات سب کی سب مہلک ہیں اور بولنے والے کی راہ میں کانٹے ہیں۔ اگر وہ چپ رہے گا تو ان سب سے بچا رہے گا۔ اگر کوئی بولے گا تو اپنے نفس کو خطرہ میں ڈالے گا لیکن اگر زبان فصیح اور بہت سا علم اور تقویٰ اور مراقبہ دوام اور قلت کلام رکھتا ہوگا تو شاید

۱۔ ایسی احادیث سے دیوبندیوں اور وہابیوں نے دھوکہ دیا ہے کہ عبدالرسول' عبدالنبی' غلام محمد' غلام نبی' غلام رسول اور غلام حسین' غلام غوث وغیرہ نام رکھنا شرک ہے۔ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ ان تمام ناموں میں نام رکھنے والے کا عقیدہ نیازمندی سے ہے نہ کہ عبادت وغیرہ۔ اس کی تفصیل بلکہ علمی تحقیق کے لئے فقیر کا رسالہ "عبدالنبی و عبدالرسول نام رکھنا" پڑھئے۔ اویسی غفرلہ

بچ جائے اور باوجود ان باتوں کے بھی خطرہ سے خالی نہ ہوگا۔ اگر سالک سے یہ نہ ہو سکے کہ گفتگو کرنے سے کچھ ہوگا تو ان آفات سے تو بچا رہے گا' یہی غنیمت ہے۔

عوام کے عجیب سوالات: اللہ تعالیٰ کے صفات اور کلام اور حروف سے کہ یہ قدیم ہیں یا حادث' حالانکہ عوام کو اسی قدر چاہئے کہ جو کچھ قرآن کے اندر احکام ہیں' ان کے مطابق عمل کریں مگر یہ بات نفس پر گراں ہے اور بے ہودہ باتیں دل پر آسان محسوس ہوتی ہیں اور عام آدمی ایسے سوالات کرنے سے خوش ہوتے ہیں' اس لیے کہ شیطان ان کے دلوں میں راسخ کر دیتا ہے کہ تم عالم و فاضل اور دانشور ہو اور یہاں تک کہ اس امر کو ان کے دلوں میں پختہ کرتا ہے کہ بعض کلمات کفر بھی زبان سے نکل جاتے ہیں اور ان کو خبر بھی نہیں ہوتی اور عام آدمی کے لیے گناہ کبیرہ کا ارتکاب بہ نسبت علمی کلام کے زیادہ بہتر ہے' خصوصاً جو باتیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے صفات کے متعلق ہیں' ان میں تو ان کو کلام کرنا ہی نہیں چاہئے۔ ان کو تو جو کچھ قرآن مجید میں اترا ہے' اس پر ایمان لانا کافی ہے اور عبادات میں مشغول ہو اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے ہم تک بھیجا' ہم ان کو مان لیں۔ کچھ بحث و تکرار نہ کریں اور جو امور کہ عبادت سے متعلق نہیں' ان کا پوچھنا بے ادبی ہے۔ اس سے ہم غضب الٰہی کے مستحق ہوتے ہیں بلکہ کفر کے خطرہ میں پڑتے ہیں اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے گھوڑوں کے نوکر بادشاہی رازوں کو دریافت کرنا چاہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ اس طرح بادشاہ کی سخت سزا ہوگی۔

مسئلہ: جو کوئی کسی ایسے عمل دقیق کا سوال کرے گا کہ اس کی عقل نہیں پہنچتی اور اس درجہ سے قاصر ہے تو وہ شخص بھی اس کے عمل میں بمنزلہ عامی و جاہل کے ہے۔ ایسے سوال کرنے سے مستحق عقوبت اور قابل مذمت ہوگا۔

احادیث فہم: حدیث شریف میں ہے کہ ذرونی ما ترکتکم فانما ھلک من کان قبلکم بسوالھم واختلافھم علی انبیائھم ما نھیتکم عنہ فاجتنبوہ وما امرتکم بہ فاتوا منہ ما استطعتم (جو چیز میں نے تم کو بتلائی' اسی پر قناعت کرو اور مجھ تک رہنے دو کیونکہ تم سے پہلے لوگ اسی لیے ہلاک ہوئے کہ بے جا سوال کیا اور انبیاء سے اختلاف کیا اور جس بات سے میں تم کو منع کروں' اس سے بچو اور جس چیز کا حکم کروں' اسے جتنا تم سے ہو سکے بجالاؤ۔

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں تک سوال کثرت سے کیے کہ آپ تنگ ہو کر بہت غصہ ہوئے اور منبر پر چڑھ کر فرمایا کہ خوب پوچھو' جو پوچھو بتاؤں گا۔ ایک شخص آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور پوچھنے لگا کہ میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تیرا باپ حذافہ ہے۔ پھر دو بھائی کھڑے ہوئے' انہوں نے سوال کیا کہ ہمارا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا جس کے تم بچے کہلاتے ہو۔ پھر ایک شخص اٹھا' اس نے پوچھا کہ میں جنت میں جاؤں گا یا دوزخ میں؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں۔ جب لوگوں نے آپ کا

غصہ اور جلال دیکھا تو خاموش ہو گئے اور کسی کی کچھ جرات نہ ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا رضینا باللہ ربا وبالا سلام دینا وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیاء (راضی ہوئے ہم اس سے کہ رب ہمارا اللہ ہے اور دین اسلام ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق ہیں۔) آپ نے فرمایا اے عمر تو بیٹھ جاء' مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تجھ کو توفیق رفیق ہے۔

(3) حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحث اور مال کے تلف کرنے اور کثرت استفسار سے منع فرمایا ہے۔

(4) حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ کثرت سے سوال کرتے کرتے یوں کہنے لگیں گے کہ مخلوق کو تو اللہ نے پیدا کیا ہے اور اللہ کو کس نے پیدا فرمایا ہے؟ جب یہ قول کہیں تو چاہئے کہ سورہ اخلاص پوری پڑھیں اور بائیں طرف تین بار تھتکار دیں اور شیطان رجیم سے جناب باری سے پناہ مانگیں۔

(5)حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ متلاعنین کی آیت یعنی جو سورہ نور کے اول رکوع میں ہے' صرف کثرت استفسار کی وجہ سے نازل ہوئی۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ سے ثابت ہے کہ بے موقع سوال کبھی نہ کرنا چاہئے اور جس بات کا اپنے آپ کو سمجھنے کا شعور نہ ہو' اس کو ہرگز دریافت نہ کرنا چاہئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت خضر علیہ السلام کا یہ وعدہ تھا کہ جب تک کسی بات کو میں نہ کہوں' کسی بات کو مجھ سے نہ پوچھنا مگر جب انہوں نے اول کشتی کا حال پوچھا تو ان کو برا محسوس ہوا اور وعدہ یاد دلایا۔ انہوں نے عذر کیا کہ بھولے سے میں نے پوچھا' اس کو معاف کرو لیکن جب تین بار ایسا ہوا تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا ھٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِکَ (یہ جدائی ہے' مجھ میں اور تجھ سے یہ کہہ کر چھوڑ کر چلے گئے۔)

خلاصہ: عوام کے حق میں بہت باریک علمی باتوں کا پوچھنا بڑی آفت ہے اور اس سے بہت سے فتنے پیدا ہوتے ہیں' اس لیے ان کو روکنا ہی مصلحت ہے اور حروف قرآن میں ان کا بحث کرنا ایسا ہے کہ کوئی بادشاہ کسی شخص کے پاس اپنا وثیقہ بھیجے اور اس میں ضروری امور لکھ دے' پھر کوئی ان امور کی طرف تو متوجہ نہ ہو بلکہ اپنا وقت اس میں ضائع کرے کہ اس وثیقہ کا کاغذ پرانا ہے یا نیا۔ اس طرح سے بے شک وہ مستحق سزا ہو گا' اسی طرح جاہل آدمی بھی اگر کلام مجید کی عبادات ضروری کو چھوڑ کر حروف کی بحث میں تضییع اوقات کرے تو اس کا بھی وہی حال ہو گا اور یہی حال اور صفات الٰہی بننے کا ہے۔ (واللہ تعالیٰ و رسولہ الاعلیٰ علم بالصواب)

غضب و حسد و کینہ کا بیان: غضب جس کو غصہ کہتے ہیں' وہ آگ کا ایک شعلہ ہے جس کی صفت اس آیت

میں ہے نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ (ہمزہ 6) ترجمہ :اللہ کی آگ بھڑک رہی ہے وہ جو دلوں پر چڑھ جائے گی۔ (کنزالایمان) اور جیسے آگ راکھ میں چھپی رہتی ہے' اسی طرح غصہ کی آگ دل کی گہرائیوں میں مخفی رہتی ہے اور جس طرح چقماق لگتے ہی آگ ظاہر ہو جاتی ہے (اسی طرح یہ آگ بھی کبر کی ادنیٰ چوٹ سے دل میں رہتی ہے) ظاہر ہو جاتی ہے اور باب مکاشفہ کو نور یقین سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ انسان میں ایک رگ شیطان کی مشابہت کی موجود ہے' پس جو غصہ کی آگ سے جل اٹھتا ہے اور حق سے مائل ہو جاتا ہے' وہ اپنا نسب اور قرابت شیطان سے پختہ کرتا ہے' اس لیے کہ اس نے یہی کہا تھا خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ (ص 76) ترجمہ کنزالایمان: تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے پیدا کیا۔

فائدہ: مٹی کی شان یہ ہے کہ ساکن اور وقار سے ہے اور آگ کی شان یہ ہے کہ سلگے اور شعلہ زن ہو کر متحرک اور مضطرب ہو۔ پس آدمی میں بھی اگر حرکت اضطراب وقت غصہ پایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ساخت مٹی سے نہ تھی بلکہ خمیر آگ کا ہے جس سے شیطان بنا ہے اور غصہ کا نتیجہ حقد و حسد یعنی کینہ اور دوسرے کے لیے برائی چاہتا ہے۔ ان دونوں سے اکثر لوگ تباہ برباد ہوئے۔ ان کا مسکن بھی وہی مضغہ گوشت یعنی دل ہے اور چونکہ ان تینوں سے انسان تباہ ہوتا ہے تو ضروری ہوا کہ ہلاکت کی جگہ سے آگاہ کیا جائے تاکہ ان سے پرحذر رہے اور ان کے پاس نہ پھٹکے اور دل میں یہ چیزیں جم گئی ہوں تو اس کو صاف کریں اور جہاں تک ہو سکے بنے علاج کے درپے ہوں۔ اس لیے کہ جب تک بری بات کو آدمی نہیں جانتا' اس میں مبتلا ہو جاتا ہے اور صرف جاننا بھی کافی نہیں' جب تک اس کے بچنے کا علاج و تدبیر معلوم نہ ہو' لہٰذا ہم اس باب میں سولہ بیان لکھیں گے۔ اول کے آٹھ بیانوں میں تو غضب کی برائی اور اس کی حقیقت اور اسباب اور علاج اور حلم کا ثواب وغیرہ اور باقیوں میں حقد و حسد کے معنی اور نتائج اور مذمت و اسباب و تدبیر اور جو ان سے متعلق ہیں' لکھے جائیں گے۔

غصہ کی مذمت: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْحَمِیَّۃَ حَمِیَّۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ (الفتح 26) ترجمہ کنزالایمان: جبکہ کافروں نے دلوں میں آڑ رکھی وہی زمانہ جاہلیت کی آڑ تو اللہ نے اپنا اطمینان اپنے رسول اور ایمان والوں پر اتارا۔

فائدہ: اس آیت میں اللہ جل شانہ نے کفار کی اسی لیے مذمت فرمائی کہ انہوں نے امر باطل پر غیرت کے مارے اتفاق کرایا تھا اور غیرت بھی غصہ سے ہوا کرتا ہے اور مومنین کی تعریف' سکنت سکنت اور وقار اترنے پر فرمائی۔

احادیث مبارکہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے تھوڑا سا عمل بتلا دیجئے۔ آپ نے فرمایا لا تغضب (غصہ نہ کیا کر) پھر دوبارہ اس نے پوچھا تو وہی جواب فرمایا۔

(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی مضمون کے قریب قریب مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے لیے تھوڑا سا ارشاد فرما دیجئے کہ اس پر عمل کروں۔ آپ نے فرمایا کہ غصہ نہ کر۔ میں نے دوبارہ یہی سوال کیا' آپ نے پھر یہی جواب دیا اور یہ بھی انہی کا قول ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مجھ کو اللہ کے غضب سے کیا چیز بچائے گی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو۔

حدیث 3: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا کہ تم لوگ طاقتور پہلوان کسے سمجھتے ہو؟ عرض کی کہ جو کسی سے پچھاڑ نہ کھائے۔ آپ نے فرمایا' وہ پہلوان نہیں' طاقتور پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو دبائے۔

حدیث 4: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی مضمون کی حدیث مروی ہے کہ آپ نے فرمایا لیس الشدید بالصرعنه وانما الشدید الذی یملک نفسه عند الغضب (سخت وہ نہیں جو پچھاڑے' سخت وہ ہے جو غصہ کے وقت خود کو قابو میں رکھے۔)

حدیث 5: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا من کف غضبه ستر ا اللہ عورته (جو غصہ کو روکے اللہ تعالیٰ اس کے عیب ڈھانپے گا۔)

حدیث 6: حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ "زیادہ غصہ سے بچنا چاہئے کیونکہ غصہ کی کثرت مرد حلیم کے دل کو خفیف کر دیتی ہے۔" حضرت عکرمہ آیت وَسَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ سید سے یہ مراد ہے کہ جس پر غصہ غالب نہ ہو۔

حدیث 7: حضرت ابو دردا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ مجھے ایسا عمل بتلائیے جس سے جنت میں جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ غصہ نہ کرو۔

حدیث 8: حضرت یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا کہ مال مت جمع کرو۔ انہوں نے فرمایا کہ شاید یہ ہو سکے۔

حدیث 9: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غضب سے ایمان ایسا بگڑتا ہے جیسے صبر سے شہد خراب ہو جاتا ہے اور فرمایا جو کوئی غصہ کرتا ہے' جہنم کے کنارے جا لگتا ہے۔

حدیث 10: کسی نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ سب سے زیادہ سخت کیا شے ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کا غضب۔ اس نے عرض کیا کہ مجھے کیا شے اس سے دور کرے گی؟ آپ نے فرمایا "غصہ نہ کیا کر۔"

اقوال سلف صالحین: حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن آدم تو غصہ میں اتنا اچھلتا ہے کہ ڈر لگتا ہے کہ شاید اب کی اچھال میں دوزخ میں جا پڑے۔

(2) حضرت ذی القرنین رحمتہ اللہ علیہ سے ایک فرشتہ ملا۔ انہوں نے پوچھا مجھے کوئی علم ایسا بتاؤ جس سے میرا ایمان و یقین زیادہ ہو؟ فرشتہ نے کہا کہ غصہ نہ کیا کرو کیونکہ شیطان آدمی پر جتنا غصہ میں قابو رکھتا ہے اور کسی حالت میں نہیں رکھتا' اسی لیے غصہ پی جایا کرو اور موخر کرکے اسے ساکن کیا کرو اور جتنا ہو سکے عجلت سے بچو۔ عجلت میں بہرہ کامل نہیں ملتا اور قریب و بعید کے ساتھ سہولت و نرمی سے رہو اور جابر اور سرکش مت بنو۔

حکایت: حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک راہب اپنی عبادت گاہ میں تھا کہ شیطان نے اس کو گمراہ کرنا چاہا مگر وہ اپنی بات پر پکا رہتا۔ ایک دفعہ شیطان نے اس کے حجرے کے قریب آکر اسے پکارا اور کہا کہ دروازہ کھولو۔ اس نے جواب نہ دیا۔ شیطان نے پھر کہا کہ دروازہ کھولو ورنہ میں جب چلا جاؤں گا تو تو پچھتائے گا۔ اس نے پھر بھی کچھ توجہ نہ دی۔ پھر کہا کہ مسیح ہوں' راہب نے کہا تو میں کیا کروں؟ مسیح نے تو ہمیں عبادت و ریاضت کا حکم فرما کر قیامت میں ملنے کا وعدہ کیا ہے۔ اگر خلاف وعدہ قیامت سے پہلے آج ہی چلے آئے ہیں تو ہم کب مانتے ہیں۔ پھر شیطان نے ان سے کہا میں شیطان ہوں' تجھے بہکانا چاہتا ہوں' وہ تو نہ ہو سکا۔ اب جو چاہو' پوچھو میں تمہیں بتا دوں۔ اس نے کہا مجھے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں' شیطان وہاں سے لوٹنے لگا۔ راہب نے کہا کہ مجھے یہ بتلا دے کہ انسان کی عادتوں میں کونسی عادت تیری زیادہ مدد کرتی ہے' اس نے کہا کہ تیزی اور غصہ۔ انسان جب غصہ کرتا ہے تو ہم اسے ایسا تابع کر لیتے ہیں جیسے لڑکے گیند کو ادھر ادھر چلاتے ہیں۔

(3) خیثمہ فرماتے ہیں کہ شیطان کا مقولہ ہے کہ ابن آدم مجھ پر کیسے غالب ہو سکتا ہے؟ جب وہ خوش رہتا ہے تو میں اس کے دل میں رہتا ہوں اور جب وہ غصہ ہوتا ہے تو اڑ کر میں اس کے سر پر چلا جاتا ہوں۔

(4) حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غضب ہر برائی کی کنجی ہے۔

(5) بعض انصار کا قول ہے کہ تیزی بے وقوفی کی جڑ ہے اور اس کا منشا غصہ ہوتا ہے اور جو جہالت سے خوش رہے' اس کو حلم کی ضرورت نہیں کیونکہ حلم زینت اور نفع کی چیز ہے اور جہالت عیب و ضرر اور خاموش رہنا احمق کے جواب میں یہی اس کا جواب ہوتا ہے کہ اسے کوئی جواب نہ دیا جائے۔

(6) حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ شیطان کا قول ہے کہ بنی آدم سے میں نہیں تھکا اور نہ تین باتوں سے کبھی تھکوں گا۔

(1) جب کوئی نشہ پئے گا تو اس کی نکیل ہمارے ہاتھ میں ہوگی۔ ہم جہاں چاہیں گے' اسے لے جائیں گے۔ وہ ہر کام ہماری مرضی کے موافق کرے گا۔

(2) جب غصے میں ہوگا تو قول ایسی باتیں کہے گا جنہیں جانتا بھی نہ تھا اور کام وہ کرے گا جس سے ندامت ہو۔

(3) پیاس کی چیز میں ہم ہمیشہ بخل کی ترغیب دیتے رہتے ہیں اور ایسی باتوں کی چاہت دلاتے ہیں جس پر اسے قدرت نہ ہو۔

حکایت: ایک دانشور سے کسی نے پوچھا کہ فلاں شخص اپنے نفس پر خوب قابو رکھتا ہے۔ اس نے جواب دیا تو اب اسے شہوت رسوا نہ کرے گی' نہ ہوائے نفس اسے پچھاڑے گی اور نہ غصہ اسے دبائے گا۔

(7) بعض صلحاء کا قول ہے کہ غضب سے بچنا چاہئے کیونکہ اس سے بالآخر ذلت اٹھانی پڑتی ہے کہ معذرت کرتا پھرے گا۔ بعض صلحاء نے کہا کہ غضب سے ڈرتے رہو' اس سے ایمان بگڑ جاتا ہے جیسا کہ ایلوے سے شہد بگڑ جاتا ہے۔

(8) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ مرد کا حلم غصہ کے وقت دیکھنا چاہئے اور امانت کو طمع کے وقت جانچنا چاہئے اور جب غصہ نہ ہو' اس وقت کے حلم کا کیا اعتبار؟ اسی طرح بغیر طمع کے امانت کا اعتبار نہیں۔

(9) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حاکم کو لکھا کہ غصہ کے وقت کسی کو سزا نہ دینا بلکہ جب کسی مجرم پر غصہ آئے تو اس کو قید کرنا اور جب غصہ جاتا رہے تب موافق جرم کے سزا دینا اور سزا بھی پندرہ کوڑے سے زیادہ نہ ہو۔

حکایت: حضرت علی بن زید رضی اللہ عنہ سے ایک دفعہ ایک قریشی نے سخت کلامی کی۔ آپ نے بڑی دیر تک سر نیچے کیے رکھا' فرمایا کہ تمہاری مرضی یہ تھی کہ حکومت کے جوش میں شیطان سے خفیف ہو کر آج تمہارے ساتھ وہ بات کروں جس کو کل تم میرے ساتھ کرو۔

(10) بعض اکابر نے اپنے بیٹے سے کہا کہ غصہ کے وقت انسان کی عقل ٹھکانے نہیں رہتی جیسا کہ جلتے تنور میں زندہ کی روح نہیں رہتی۔ جو غصہ کم کرے' وہی زیادہ عقل مند ہے اور غصہ اگر دنیا کے لیے ہے تو اس کا نام مکر و فریب ہے۔ اگر آخرت کے لیے ہے تو اس کو علم اور حلم کہتے ہیں کیونکہ دانشور کہتے ہیں کہ غصہ عقل کا جانی دشمن ہے۔

(11) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ تم میں سے فلاح کو وہ پہنچا جو طمع اور ہوائے نفسانی اور غصہ سے بچا رہا۔

(12) بعض اکابر کا قول ہے کہ جس نے شہوت اور غصہ کی اطاعت کی' یہ دونوں اس کو دوزخ کی طرف کھینچیں گے۔

(13) حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسلمان کی پہچان یہ ہے کہ اس کا دین مضبوط اور ایمان پر یقین رکھتا ہو اور علم و حلم کے ساتھ اور دانائی نرمی کے ساتھ اور حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے اور دولت مندی میں میانہ روی اور فاقہ کے وقت تحمل اور قدرت کے وقت احسان اور شدت میں صبر کرے اور شہوت اس پر غالب نہ ہو اور اس پر ننگ و حمیت سرکشی نہ کریں اور حرص و پیٹ کی وجہ سے ذلیل نہ ہو اور نیت میں کسی طرح کا قصور و فتور واقع نہ

ہو۔ مظلوم کی نصرت و مدد کرے' ضعیفوں پر رحم کرے' نہ بخیل ہو' نہ فضول خرچ۔ جب کوئی اس پر ظلم کرے تو اسے معاف کر دے اور جاہلوں سے درگزرے کرے۔ اس کا نفس تو ہمیشہ اس کے ہاتھ سے تنگ رہے مگر تمام لوگ اس سے راضی رہیں۔

حکایت: کسی نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ حسن خلق کو مجملا صرف ایک لفظ میں ارشاد فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ ترک غضب کا نام حسن خلق ہے۔

حکایت: کسی نبی علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ کوئی ایسا ہے جو مجھ سے اس بات کا ذمہ لے کہ کبھی غصہ نہ کرے گا' وہ میرے ساتھ جنت میں بلند مرتبہ پائے اور میرے بعد خلیفہ اور جانشین ہو۔ ایک جوان نے عرض کیا کہ میں کبھی غصہ نہ کروں گا۔ پھر آپ نے دوبارہ فرمایا' پھر اس نے عرض کیا کہ میں ایسا ہوں۔ پھر اس نے زندگی بھر اپنے عہد کو پورا کیا۔ ان کی وفات شریف کے بعد وہ ان کے خلیفہ ہوئے۔ یہ نبی ذوالکفل علیہ السلام تھے یعنی ضمانت والے کہ جس بات کا وعدہ کیا تھا' اسے پورا کیا۔

فائدہ: حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کفر کے چار رکن ہیں۔ (1) غضب (2) شہوت (3) حماقت (4) طمع۔

حقیقت غضب: چونکہ اللہ تعالیٰ نے حیوان کو ایسا بنایا ہے کہ اسباب داخلی اور خارجی سے فنا اور ہلاک ہو جاتا ہے تو اپنے خزانہ انعام سے اسے ایک ایسی شے بھی عنایت فرمائی ہے کہ جس کی وجہ سے وقت مقررہ تک محفوظ رہتا ہے۔ داخلی اسباب کی طرف غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی ترکیب حرارت اور رطوبت سے ہے۔ ان میں باہم عداوت اور ضد پائی جاتی ہے۔ حرارت ہمیشہ رطوبت کو تحلیل اور خشک کرتی رہتی ہے کہ اس کے اجزاء بخار بن کر اڑ جائیں۔ اگر رطوبت کو غذا سے مدد نہ ملے اور جس قدر تحلیل اور خشک ہو جاتی ہے' اس قدر جبر و نقصان نہ ہو تو حیوان فنا ہو جائے' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے غذا کے موافق بدن حیوانی کے غذا پیدا کی اور حیوان میں اس کی اشتہا رکھ دی کہ جس سے غذا کھائے اور نقصان کا تدارک ہو کر ہلاک نہ ہونے پائے اور اسباب خارجی جو موجب ہلاک ہیں' وہ ہتھیار (تلوار وغیرہ) اور دوسرے مہلکات کی طرح ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے قوت غضب پیدا کی ہے جو اندر سے جوش کرتی ہے اور مہلک چیزوں کو دفع کرتی ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے آگ سے بنا کر آدمی کی سرشت میں خمیر کر دیا ہے۔ انسان جب کسی مطلب سے روکا جاتا ہے یا اس کے خلاف مرضی کوئی چیز پیش آتی ہے تو وہ آگ بھڑک اٹھتی ہے اور اس کا شعلہ ایسا تیز ہوتا ہے کہ دل کا خون جوش کھا کر رگوں میں اوپر کی طرف چڑھتا ہے۔ جیسا کہ آگ کا شعلہ اونچا اٹھتا ہے یا ہنڈیا کا جوش اوپر کو ابلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غصہ کے وقت انسان کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں چونکہ چہرہ کا پوست نرم اور صاف ہوتا ہے اسی لیے خون کی جھلک اس میں خوب ظاہر ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ شیشہ کے اندر کی چیز معلوم ہوا کرتی ہے اور یہ حال اس وقت ہوتا ہے جس وقت کہ انسان کو

اپنے سے کم مرتبہ پر غصہ آئے کیونکہ انسان جانتا ہے کہ اس پر میرا قابو ہے اور جس وقت کہ غصہ اپنے سے قوی پر آئے یا انتقام نہ لے سکتا ہو تو ایسی صورت میں خون ظاہر جلد سے بستہ ہو کر قلب کی طرف رجوع کرتا ہے اور رنج و غم کا سبب بنتا ہے۔ اسی سے چہرہ زرد رنگ ہو جاتا ہے۔ اگر کسی برابر والے پر غصہ آتا ہے تو یہ دونوں کیفیات ظاہر ہوتی ہیں۔ اس کا لال پیلا رنگ ہو جاتا ہے۔ اس سے اضطراب ہوتا ہے۔ بہرحال قلب میں غضب کی جگہ ہے اور اس کا یہ معنی ہے کہ جوش کرنا خون دل کا بدلہ لینے کے لیے اور یہ قوت موذی چیزوں کے دفع کے لیے تو پہلے متوجہ ہوتی ہے یعنی قبل ایذا ان کا دفعیہ چاہتی ہے اور بعد ایذا انتقام اور تشفی قلب کے لیے پیدا ہوتی ہے اور اس کی غذا اور اشتہاء انتقام ہے اور اس سے اسے لذت حاصل ہوتی ہے اور بلا انتقام چین پاتی۔

فائدہ: اس قوت میں ابتدائی پیدائش سے انسانوں کے تین درجات ہیں۔ (1) تفریط یعنی کمی اور یہ مذموم ہے' ایسے شخص کو بے غیرت کہا جاتا ہے۔

مسئلہ: حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو باوجود غصہ دلانے کے غصہ نہ آئے تو وہ گدھا ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ غصہ اور جوش کا بالکل نہ ہونا بہت نقصان دہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ رسول علیہم الرضوان کی تعریف میں ارشاد فرمایا ہے۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ (الفتح 29) ترجمہ کنزالایمان: کفار پر سخت ہیں) اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ (التحریم 9) ترجمہ کنزالایمان: کافروں پر اور منافقوں پر جہاد کرو اور ان پر سختی فرماؤ۔

فائدہ: شدت اور غفلت غضب کے بعد ہوا کرتی ہے۔ (2) افراط یعنی زیادتی' وہ یہ ہے کہ غصہ اس درجہ غالب ہو کہ عقل دین کی طاعت و سیاست سے نکل جائے اور غصہ کے وقت انسان میں بصیرت اور تامل اور فکر اور اختیار نہ رہے۔ وہ مضطر کی طرح ہو جائے۔

فائدہ: غلبہ غضب کا سبب پیدائشی ہوتا ہے کہ شروع پیدائش سے ڈروانی صورت اور زود رنج اور زود غضب ہوتا ہے' پھر مزاج کی گرمی اس کو اشتعال دیتی ہے اور شعلہ مذکورہ بلند ہو جاتا ہے اور سرد مزاجی سے اس کی تیزی کم ہو جاتی ہے یا غلبہ غضب کا سبب اپنی عادت ہوتی ہے کہ ایسے لوگوں میں نشست و برخاست رہے جو مغلوب الغضب اور سریع الانتقام ہیں اور ان باتوں کو شجاعت اور جوانمردی جانتے ہیں اور فخریہ کہتے کہ ہمیں ذرہ برداشت نہیں اور نہ ہمیں کوئی ذرہ سی بات کہے تو ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ گویا یوں یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں ذرا برابر عقل و حلم نہیں لیکن بے وقوفی سے اسے فخر سمجھتے ہیں۔

فائدہ: جو ایسے لوگوں سے اس طرح کی باتیں سنتا رہتا ہے' اس کے دل میں غصہ کی خوبی اثر کر جاتی ہے اور چاہتا

ہے کہ میں بھی ایسا ہو جاؤں۔ اس لیے غصہ اس کا بڑھ جاتا ہے اور جب غصہ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے تو غصہ والے کو پھونک دیتی ہے اور نصیحت سے بے بہرہ کر دیتی ہے بلکہ نصیحت سے اس کا غصہ بڑھ جاتا ہے اور اپنی عقل و نفس سے کچھ استفادہ کرے' یہ بھی اس سے نہیں ہو سکتا' اس لیے کہ اس کا نور عقل ختم ہو جاتا ہے اور غصہ کے دھوئیں سے ایسا دھندلا ہو جاتا ہے کہ وہ بالکل بیکار ہو جاتا ہے۔ اس لیے انسان دماغ سے فکر کیا کرتا ہے مگر جب غصہ کے مارے دل میں خون جوش مارتا ہے تو اس کا ایک کالا دھواں دماغ کی طرف چڑھ کر فکر کی جگہ پھیل جاتا ہے بلکہ بعض اوقات حواس کی جگہ کو بھی گھیر لیتا ہے کہ آنکھ سے کچھ نہیں دیکھتا اور نہ کانوں سے کچھ سنتا ہے۔ دنیا تاریک محسوس ہوتی ہے' اس حال میں دماغ کی ایسی صورت ہو جاتی ہے جیسے کسی غار میں آگ جلائی جائے اور تمام غار میں دھواں بھر جائے اور زمین بھی تیز ہو جائے تو ایسی جگہ میں اگر کوئی چراغ جلتا ہوا ہو گا تو اس سے کیا محسوس ہو گا؟ وہ تو دھندلا ہو جائے گا یا ختم ہو جائے گا۔ جو شخص اس غار میں ہو گا' وہ نہ تو اس میں ٹھہر سکتا ہے' نہ کوئی بات سن سکتا ہے' نہ کسی کی صورت دیکھ سکتا ہے' نہ اس دھوئیں کو اندر یا باہر بجھا سکتا ہے بلکہ جب تک جلنے کی چیز جل نہ جائے گی' اس وقت تک صبر کرنا پڑے گا۔ یہی حال غصہ کا دل و دماغ کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات غصہ کی آگ ایسی تیز ہوتی ہے کہ اس سے وہ رطوبت جس سے کہ دل کی زندگی فنا ہو جاتی ہے اور آدمی ہلاک ہو جاتا ہے۔ جیسے غار کی آگ بعض اوقات زیادہ ہو کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے اور اوپر سے نیچے کو بیٹھ جاتا ہے یعنی محاذ کی دیواروں اور اطراف میں جو قوت قائم رہنے کی ہے' شدت گرمی سے جاتی رہتی ہے اور گر پڑتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی غصہ کی آگ سے رطوبت قلبی دور ہو کر موت کا سبب بن جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سمندر کی موجوں میں طوفان کے وقت کشتی کا ہونا بہت ضروری ہے' اس حال سے جو غصہ کے وقت آدمی کے دل کا ہوتا ہے' اس لیے کہ کشتی کے بچنے کی توقع ہوتی ہے کیونکہ اس میں جو لوگ سوار ہیں' وہ اس کو ٹھہرانے کی بیسیوں تدبیریں کریں گے اور یہاں تو نفس کی کشتی کا ناخدا دل تھا' وہ غضب کی وجہ سے اندھا اور بہرہ ہو گیا' پھر تدبیر کون کرے؟

شدت غضب کی علامات: بظاہر شدت غضب کی علامات یہ ہیں۔ (1) رنگ کا بدل جانا (2) پاؤں کا کانپنا (3) افعال کا بے ترتیب و بے انتظام صادر ہونا (4) بات میں لڑکھڑانا یہاں تک کہ باچھوں میں جھاگ آجائے۔ (5) آنکھیں سرخ ہو جانا' نتھنا پھول جانا' شکل بدل جانا۔ اگر غصہ والا اپنی صورت باطنی کو غصہ کے وقت دیکھے تو شرم کے مارے اس کا غصہ جاتا رہے کہ کیسی بری صورت ہو گئی۔ چونکہ صورت ظاہری صورت باطنی کا عنوان ہوا کرتی ہے' اسی لیے اس کا باطن اور بھی زیادہ برا ہو گا کیونکہ پہلے صورت باطن بگڑتی ہے اور وہی بگاڑ بڑھ کر صورت ظاہری پر پھیل جاتا ہے تو گویا تبدیلی صورت ظاہری صورت باطنی کی شرح ہے' برائی کی اصل برائی پر فرع کی صورت سے کی اصل کو قیاس کرنا چاہئے۔

زبان کے غصہ کی علامات: زبان میں غصہ کا نشان یہ ہے کہ غصے والا گالیاں بکنے لگتا ہے اور ایسا کلام فحش اور

برا بولتا ہے کہ جس سے عقلمندوں کو شرم آئے بلکہ خود غصہ والا غصہ نہ ہونے کے وقت ان کو بولتے ہوئے شرم کرے اور اس فحش کے ساتھ یہ بھی ہوتا ہے کہ الفاظ میں اضطراب اور بندش بالکل خراب ہوتی ہے۔

غصہ کی علامات: غصہ والا کے اعضاء پر غصہ کی یہ نشانی ہے بلا غور و فکر مار پیٹ' نوچ کھسوٹ' قتل و زخم کرنے لگتا ہے۔ جس شخص پر غصہ آیا ہے' اگر وہ سامنے ہو اور اس پر بس چلے تو یہ باتیں امور بالا اس کے ساتھ کر گزرتا ہے۔ اگر وہ بھاگ گیا یا اور کسی سبب سے بے قابو ہو گیا تو خود غصہ اپنے اوپر لوٹتا ہے کہ کپڑے پھاڑتا ہے اور اپنا منہ پیٹتا ہے یا زمین پر ہاتھ مارتا ہے یا نشہ والوں اور بے ہوشوں اور حیرانوں کی طرح دوڑتا ہے اور کبھی غصہ کے مارے ایسا بزبڑاتا ہے کہ اٹھنے اور دوڑنے کی طاقت نہیں رہتی اور غش سا آجاتا ہے۔ کبھی جمادات و حیوانات کو مارتا ہے یا برتن توڑ ڈالے' دسترخوان پھاڑے' گائے' بیل' گھوڑے کو گالیاں دینے لگے اور ان سے ایسی باتیں کرنے لگے جیسے سمجھدار سے کیا کرتے ہیں۔ اگر کوئی جانور لات مار دے تو غصہ میں اسے لات مارتا ہے۔ حالانکہ یہ حرکات پاگلوں کی ہیں۔

قلب پر غصہ کے اثرات کی علامات: دل پر غصہ کے اثر کی علامت یہ ہے کہ جس پر غصہ ہوا ہے' اس کی طرف سے کینہ رکھنا اور حسد کرنا اس کی برائی چاہنا اور اس کی برائی سے خوش ہونا اور بھلائی سے رنجیدہ ہونا اور اس کے بھید کو ظاہر کر دینا اور اس کے درپے ہتک ہونا' مسخرہ بنانا وغیرہ۔

غضب کے نتائج: شدت و ضعف غضب کا نتیجہ بھی اچھا نہیں یعنی اس کا ثمر بے غیرتی ہے کہ جو بات انسان کے گھر والوں کی مثلاً ماں' بہن' بیوی وغیرہ کی قابل غیرت کے ہو' اس سے غیرت نہ کرے اور کمینوں سے ذلت اٹھائے اور خوار اور رسوا رہے۔

مسئلہ: بے غیرتی مخنث ہونے کے درجہ میں ہے۔ حدیث شریف میں ہے ان سعد الغیور وانا اغیر من سعد واللہ اغیر منی (سعد غیرت والا ہے' میں اس سے زیادہ غیور ہوں۔ میرا اللہ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔)

فائدہ: غیرت نسب کی حفاظت کے لیے مقرر ہوئی ہے۔ اگر غیرت میں انسان تساہل کریں تو انساب میں فتور اور خلط واقع ہوگا' اسی لیے یہ قول مشہور ہے کہ جس قوم کے مردوں میں غیرت ہوتی ہے' ان کی عورتوں میں حفاظت رہتی ہے اور بری بات کو دیکھ کر سکوت کر جانا بھی منجملہ ضعف غضب سے ہے۔

حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں خیر امتی احدانھا (میری امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جو غیرت مند ہیں یعنی جو دین میں سخت ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ (النور 2)

ترجمہ کنزالایمان: اور تمہیں ان پر ترس نہ آئے اللہ کے دین میں

فائدہ: سالک نفس کی ریاضت نہ کر سکے تو یہ بھی اسی امر کی علامت ہے کہ وہ غصہ نہیں رکھتا' اس لیے کہ ریاضت بھی ہو سکتی ہے۔ جب غصہ کو شہوت پر مسلط کر دے یہاں تک کہ اگر نفس فضول شہوات پر جھکے تو اسی وقت اس پر غصہ کرے۔

درجہ: یہ اچھا اور محمود ہے' وہ یہ ہے کہ غصہ اشارہ عقل کا منتظر اور دین کا مطیع ہو۔ جس جگہ جوش کرنا شرعاً واجب ہے' وہاں غصہ آئے اور جس جگہ حلم اور غصہ پینا ہے' وہاں حد اعتدال سے نہ بڑھے۔ ایسے ہی غصہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مکلف کیا ہے۔ یہ وہی درجہ ہے جو اس حدیث شریف میں مذکور ہے خیر الامور اوسطھا (بہترین امور درمیانہ ہیں۔)

فائدہ: اوسطھا سے معلوم ہوا کہ اگر انسان میں غصہ ست ہو کہ اس میں غیرت بھی نہ ہو اور نفس کو ذلت اور ظلم بے موقع کی برداشت ناگوار نہ ہو تو اسے چاہئے کہ اپنے نفس کا علاج کرے۔ یہاں تک کہ غصہ میں قوت آجائے اور جس شخص میں غصہ حد اعتدال سے زیادہ ہو کہ تہور اور بے عقلی سے برے کاموں کا ارتکاب تک نوبت پہنچائے' اسے بھی علاج نفس چاہئے تاکہ غصہ ایک عمدہ اور درمیانی حالت پر آجائے جس کا نام صراط مستقیم ہے۔ اگرچہ صراط مستقیم بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے لیکن جو اس کو اپنا سکے' اس کو لازم ہے کہ جس قدر اس کے قریب آسکے' اتنی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے وَلَنْ تَسْتَطِيعُوٓا اَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ (النساء 129) ترجمہ کنزالایمان: اور تم سے ہرگز نہ ہو سکے گا کہ عورتوں کو برابر رکھو اور چاہے کتنی ہی حرص کرو تو یہ تو نہ ہو کہ ایک طرف پورا جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر میں لٹکتی چھوڑ دو۔

فائدہ: ضروری نہیں کہ جس سے مکمل طور خیر نہ ہو سکے' وہ ہر طرح شر کا ارتکاب کرے بلکہ بعض برائی بعض کی بہ نسبت ہلکی ہوتی ہے اور بعض نیکیاں بعض کی بہ نسبت زیادہ مرتبہ رکھتی ہیں۔ اگر بڑی نیکی نہ ہو سکے' چھوٹی کے درپے ہو۔ اگر شر سے محفوظ نہ رہ سکے تو جس میں ضرر کم ہو' اسی پر قناعت کرے۔

ریاضت دافع غضب ہے یا نہ: یاد رہے بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ ریاضت سے غضب بالکل مٹ جاتا ہے اور مقصود بھی ریاضت کا یہی ہو سکتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ غضب کا کوئی علاج نہیں۔ یہ ان لوگوں کا قول ہے جو یہ تصور کرتے ہیں کہ عادات بھی پیدائش ظاہری کی طرح ہیں۔ جیسے کہ اعضاء ظاہری کے نقصان کو انسان درست نہیں کر سکتا' ویسے ہی عادات بھی قابل علاج نہیں اور یہ دونوں قول ضعیف ہیں۔ قانون یہ ہے کہ اپنے زندگی میں انسان ایک چیز سے محبت کرتا ہے اور ایک چیز کو برا جانتا ہے تو غصہ بھی ضرور ہی ہوگا' اسی لیے کہ کوئی چیز اس کے مزاج کے موافق ہوگی اور کوئی مخالف موافق اس کی خاطرخواہ ہوگی اور مخالف پر اسے غصہ آئے گا۔ مثلاً

فرض کرو کہ کسی نے اس کی محبوب ترین چیز لے لی تو غصہ ہو گا یا کسی نے اس کو ضرر پہنچانا چاہا تو لازماً غصہ ہو گا مگر جس شے کے ساتھ انسان کو محبت ہوتی ہے' اس کی تین قسمیں ہیں:

(1) ایسی شے جو سب کے لیے ضروری ہے۔ مثلاً غذا اور مکان اور لباس اور صحت بدن جو شخص کہ کسی سے ایسی چیزوں کو دور کرنا چاہے۔ مثلاً کھانے کی غذا چھین لے یا پینے کا پانی گرا دے یا کپڑا جو صرف مقدار ستر عورت تھا' چھین لے یا رہنے کے مکان سے نکال دے تو چونکہ ایسی چیزیں ہر ایک کی ضروریات میں داخل ہیں' اس لیے ان کا علیحدہ ہونا برا محسوس ہوتا ہے اور جو کوئی ان چیزوں کا مزاحم ہوتا ہے تو اس پر غصہ آتا ہے۔

(2) انسان کے لیے کوئی شے ضروری نہ ہو جیسے بہت مال اور جاہ و جلال اور خدم و حشم و سواری وغیرہ کہ یہ چیزیں عادتاً محبوب تو ہیں لیکن ضرورت میں داخل نہیں۔ عوام کو اشیاء کی علت نمائی بوجہ جہالت معلوم نہیں۔ اس کے باوجود ایسی اشیاء سے محبت کرتے ہیں۔ مثلاً چاندی' سونا خود بخود اتنے محبوب ہو گئے ہیں کہ انہیں چھپا کر رکھا جاتا ہے۔ اگر کوئی ان کو بے جا صرف کر ڈالے تو ان پر غصہ آتا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں کھانے کی اشیاء نہیں۔ اس قسم کی چیزوں کے لیے جو غصہ آتا ہے' وہ اس قابل ہیں کہ انسان سے بالکل منقطع ہو جائیں۔ مثلاً اگر کسی کے پاس ایک مکان زائد از ضرورت ہو اور اس کو کوئی ظالم گرا دے تو ہو سکتا ہے کہ اس کے گرا دینے پر غصہ نہ آئے۔ اس طرح کہ مکان والا کوئی شخص دانا ہو جسے زائد از حاجت کے ساتھ محبت ہی نہ ہو۔ اگر اس کو ظالم نے گرا دیا تو بوجہ محبت نہ ہونے کے غصہ نہ آئے گا لیکن اگر محبت ہوگی تو لازماً غصہ آئے گا۔ اگر بالفعل دیکھا جائے تو اکثر لوگوں کا غصہ ایسی باتوں پر ہوتا ہے جو ضروری نہیں ہوتیں۔ مثلاً شہرت اور جاہ اور مجلس میں معظم ہو کر بیٹھنے پر اور علم فخر کرنے پر تو جس انسان کو اس بات کا ذرہ بھر محبت ہوتی ہے' وہ لازماً غصہ کرتا ہے۔ اگر محفل میں اس کی نشست ذرہ سی بدلی جائے تو بھی سخت ناراض ہو جاتا ہے اور جس کو صدر نشینی کا شوق نہیں' وہ اگر جوتیوں میں بیٹھ جائے تب بھی غصہ نہیں کرتا' بہرحال اکثر لوگوں کی محبت ایسی عادات ردی اور خراب ہو گئی ہے' اس لیے غصہ بھی بات بات پر کرتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ جتنے شہوات و مرادیں زیادہ ہوتے ہیں' اتنا ہی انسان میں نقصان زیادہ ہوتا ہے' اس لیے کہ حاجت نقصانی صفت ہے۔ جس قدر اس کی زیادتی انسان میں ہوگی' اسی قدر نقصان بھی زیادہ ہوگا۔ نادان آدمی ہمیشہ اسی بات پر کوشش کرتا ہے کہ ضروریات زیادہ پوری ہوں اور آرزوئیں بہت زیادہ بر آمد ہوں۔ حالانکہ یہی چیزیں ذخیرہ غم و اندوہ کا اسباب ہیں۔ بعض تو ایسے بحر جہالت میں غرق ہوتے ہیں کہ ان کو بری بات کا عیب بتایا جائے تو اس پر غصہ کرتے ہیں۔ مثلاً کسی کو مرغ لڑانے سے محبت ہے' اسے کہا جائے کہ مرغ لڑانا اچھا نہیں' ایسے ہی کسی کو کہا جائے کہ شطرنج اچھی طرح نہیں کھیلتے یا شراب بہت نہیں پی سکتے یا کھانا زیادہ نہیں کھا سکتے تو یہ ایسی باتیں ہیں کہ اگر کسی میں نہ ہوں تو اچھی بات ہے مگر ان پر بھی بعض جہلاء بگڑ جاتے ہیں۔ ہمیں ایسے کیوں کہا۔

خلاصہ: اس قسم کی چیزوں پر جن کی محبت ضروری نہیں' یہ ایسی اشیاء ہیں کہ بعض کے حق میں ضروری ہوں اور

بعض کے حق میں غیر ضروری۔ مثلاً کتاب علماء کے لیے محبوب چیز ہے' انہیں اس کی ضرورت رہتی ہے' اسی لیے اس سے محبت کرتے ہیں۔ اگر اس کو کوئی جلا دے یا ڈبو دے یا ضائع کر دے تو اس پر غصہ ہوتا ہے۔ یہی حال اوزاروں کا ہے کہ بہ نسبت پیشہ والوں کے کہ ہر پیشہ والوں کو غذا کا ملنا بغیر اوزار اور اپنے کام کے مشکل ہے۔ چونکہ اوزار ضروری چیز یعنی غذا وغیرہ کے حصول کے وسیلہ ہیں' اسی لیے پیشہ والے کو ان سے محبت ہوتی ہے اور انہیں ضروری جانتے ہیں۔ حالانکہ محبت ضروری وہ ہے جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے من اصبح آمنافی بہ تعافی بدنہ عندہ قوت یومہ فکانما خیر لہ الدنیا بحذافیرھا (جو شخص کہ اپنے گھر میں امن والا ہو اور بدن سے تندرست اور اس کے پاس دن کی غذا موجود ہو تو گویا اسے تمام دنیا حاصل ہے۔)

فائدہ: جو شخص کہ حقائق امور سے واقف ہو اور یہ تینوں باتیں مذکورہ اسے حاصل ہوں تو ہو سکتا ہے کہ وہ ان چیزوں کے علاوہ غصہ نہ کرے۔

ریاضت اقسام کے اثرات: قسم اول میں تو ریاضت اس امر کو مفید نہیں ہوتی کہ دل کا غصہ بالکل نیست و نابود ہو جائے بلکہ ریاضت اس لیے ہوتی ہے کہ دل میں ایسا ملکہ ہو جائے جس سے غضب کے تابع نہ رہے اور بظاہر اس کا استعمال اسی درجہ تک کرلے جسے شرع اور عقل مستحسن جانے اور یہ امر مجاہدہ اور کوشش سے ممکن ہے بتکلف حلم و حوصلہ کرے اور مدت تک برداشت کرتا رہے یہاں تک کہ حلم و برداشت امور طبعی کی طرح عادت راسخ ہو جائیں' ہاں دل سے غصہ کی جڑ نکالنا غیر ممکن ہے اور خلاف مقتضائے طبع تیزی کا توڑنا اور اس کا کمزور کر دینا ممکن ہے کہ باطن میں اس کا جوش نہ ہونے پائے اور اس میں یہاں تک ضعف آجائے کہ اس کا اثر چہرہ پر کچھ بھی محسوس نہ ہو۔ اگرچہ یہ امر نہایت سخت ہے' تاہم خارج از امکان نہیں اور یہی حال قسم سوم کا بھی ہے' اس لیے کہ بعض لوگوں کے حق میں وہ اشیاء ضروری ہیں۔ ریاضت سے ان کو بھی یہ فائدہ ہوگا کہ غصہ کی شدت باطن میں نہ ہوگی اور صبر کی سختی زیادہ سخت محسوس نہ ہوگی اور دوسری قسم کی اشیاء پر غصہ ہوتا ہے تو ریاضت سے اس کا بالکل نکل جانا ممکن ہے یعنی جب دل سے غیر ضروری چیزوں کی محبت دور ہو جائے گی تو اس کے ساتھ ہی غصہ دور ہو جائے گا کہ محبت اور وہ شے لازم و ملزوم ہیں۔

طریقہ ریاضت: غصہ کا دل سے نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان تصور کرلے کہ میرا وطن اندھیری قبر ہے اور قیام گاہ آخرت ہے۔ دنیا صرف ایک گزرگاہ ہے کہ اس سے گزر جانا ضروری ہے اور یہاں میں آیا ہوں تو صرف اس لیے کہ توشہ آخرت حاصل کروں۔ بقدر ضرورت اشیاء کے سوا سب کو یہ سمجھے کہ وطن اصلی اور حقیقی قرارگاہ میں یہ چیزیں باعث وبال ہوں گی۔ ان خیالات سے دنیا میں زہد اختیار کر کے محبت دنیا دل سے مٹا ڈالے تو یقین ہے کہ اس طرح کی ریاضت سے غصہ کی جڑ کٹ جاتی ہے اور کچھ نہ ہوگا تو اس قدر تو لازماً ہوگا کہ غصہ کو ظاہر نہ کرے گا

اور اس کے موجب پر عمل نہ کرے گا' اس لیے کہ غصہ تابع محبت ہے۔ اگر محبت جاتی رہتی ہے تو یہ بھی فنا ہو جائے گا۔ مثلاً ایک آدمی کے پاس کتا ہے کہ جس سے اس کو محبت نہیں۔ اگر دوسرا شخص اس کتے کو مارے تو اس کو غصہ نہ آئے گا کیونکہ اسے محبت نہیں' بہرحال جڑ سے جاتا رہنا غصہ کا تو بہت ہی مشکل ہے مگر ضعیف ہو جانا اور اس کے مطابق عمل نہ ہونا بھی غنیمت ہے۔

سوال :- قسم اول یعنی ضروری اشیاء کے جانے سے درد و رنج ہوتا ہے کہ حاجت کی چیز جاتی رہے۔ یہ ضروری نہیں کہ غصہ بھی آئے مثلاً اگر کسی نے بکری کھانے کے لیے پالی ہو اور وہ مرجائے تو اس کو اس کے مرنے کا رنج ہوگا مگر غصہ کسی پر نہیں ہوگا اور یہ امر ضروری بھی نہیں کہ ہر رنج کے ساتھ غصہ بھی ہو' مثلاً خون نکلوانے میں تکلیف اور درد تو ہوتا ہے مگر فصد کھولنے والے یا پچھنے لگانے والے پر غصہ نہیں آتا تو جس شخص پر توحید کا غلبہ ہو یہاں تک کہ تمام اشیاء کو قبضہ قدرت الٰہی میں دیکھے اور سب کچھ اسی کی طرف سے جانے تو وہ غصہ نہیں کرے گا' اس لیے کہ وہ مخلوق کو صرف ایک واسطہ جاننے لگا۔ جیسے لکھنے والے کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے تو اگر بادشاہ مثلاً کسی آدمی کی گردن مارنے کا فرمان لکھ دے تو وہ قلم پر غصہ نہیں کرے گا۔ اسی طرح جو شخص اس کی بکری ذبح کر ڈالے تو اس پر بھی غصہ نہ ہوگا کیونکہ ذبح اور موت کو اللہ کی طرف سے جانتا ہے تو غلبہ توحید میں غصہ نہ آنا چاہیے۔ علاوہ ازیں اللہ کے ساتھ حسن ظن بھی اسی بات کا متقاضی ہے یعنی جب یہ تصور کیا کہ اللہ عزوجل میرے حق میں بہتری کرتا ہے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید میرے بھوکا رہنے یا بیمار یا زخمی رہنے میں اس کے نزدیک بہتری ہوگی' پس غصہ کی کوئی وجہ نہیں' جیسے خون نکالنے والے پر غصہ نہیں آتا کیونکہ اپنی بہتری اس میں متصور ہے؟

جواب: واقع میں غلبہ توحید سے یہ بات ممکن ہے مگر اس درجہ کی توحید تو ہمیشہ نصیب نہیں ہوتی۔ اگر کچھ ہے تو وہ دیرپا نہیں ہوتی بلکہ "آناً فاناً" بجلی سے چمک کی طرح آتی جاتی ہے بالآخر دل تو وسائل کی طرف رجوع کرتا ہے اور یہ بات دل میں فطرتی اور طبعی ہے۔ اگر توحید سے یہ بات دیرپا ہوا کرتی تو اشرف المخلوقات و سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ضروری ہوتی حالانکہ آپ کو غصہ آتا تھا' یہاں تک کہ رخسار مبارک سرخ ہو جاتے تھے۔

احادیث مبارکہ : خود ارشاد فرمایا الٰہی میں انسان ہوں۔ آدمی کی طرح مجھے بھی غصہ آتا ہے' پس جس کسی مسلمان کو میں نے گالی دی یا لعنت کی ہو یا مارا تو میری طرف سے ان باتوں کو اس کے لیے رحمت کر دے اور باعث تقرب بنا دے کہ جس کے سبب قیامت میں اس کو تیرا تقرب حاصل ہو۔

(2) حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کلام آپ غصہ اور خوشی کی حالت میں فرمایا کرتے ہیں' اس کو میں لکھوں؟ آپ نے فرمایا کہ لکھا کرو' قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے رسول برحق بنایا۔ اس سے یعنی زبان سے سوائے حق کے کچھ نہ نکلے گا اور فرمایا کہ میں غصہ نہیں ہوتا ہوں بلکہ یہ فرمایا کہ غصہ مجھے حق سے تجاوز نہیں کرنے دیتا۔ یعنی میں اس کے

مقتضا کے مطابق عمل نہیں کرتا ہوں۔

(3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک بار غصہ ہوئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تجھے کیا ہوا' تیرا شیطان تیرے پاس آیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کا شیطان نہیں' آپ نے فرمایا کہ کیوں نہیں مگر میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو وہ مسلمان ہوگیا۔ مجھے خیر کے سوا کچھ نہیں کہتا۔ یہ نہ فرمایا کہ میرا شیطان نہیں ہے بلکہ یہ فرمایا کہ مجھے برائی کا امر نہیں کرتا۔

فائدہ: یہاں شیطان سے شیطان غضب مراد ہے۔

(4) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے لیے کبھی غصہ نہ آتا تھا۔ اگر امر حق میں غصہ فرماتے تھے تو کسی کو خبر نہیں ہوتی تھی اور نہ کوئی آپ کے غضب سے مقابلہ کی تاب لا سکتا تھا۔ یہاں تک کہ حق کا انتقام لے لیں۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ اللہ کے لیے امر حق پر ہوتا' تب بھی آپ کا التفات وسائل کی طرف بھی پایا جاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی کی قوت اور حاجت کی چیز چھین لے اور وہ اس پر غصہ کرے تو یہ غصہ اللہ کے لیے ہوگا۔ اسی طرح کے غصہ سے دور رہنا ممکن نہیں۔ ہاں بعض اوقات جب کوئی کسی زیادہ ضروری مہم میں مشغول رہتا ہے تو ضروری چیز چھن جانے پر بھی غصہ نہیں کرتا کیونکہ دل دوسری طرف مشغول ہوتا ہے۔ اس میں غصہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اپنے استغراق کی وجہ سے دوسری چیز کو خیال میں بھی نہیں لاتا۔

حکایت: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو جب کسی نے گالی دی تو آپ نے فرمایا کہ اگر میزان عمل میں میرے اعمال کم ہوئے۔ جو کچھ تو کہتا ہے' میں اس سے بھی بدتر ہوں اور اگر پلہ بھاری ہے تو اس کہنے سے میرا کوئی نقصان نہیں۔

فائدہ: چونکہ آپ کا قلب آخرت میں مصروف تھا' گالی سے متاثر نہ ہوا۔

حکایت: کسی نے حضرت ربیع بن خثیم رضی اللہ عنہ کو گالی دی تو آپ نے فرمایا کہ تیری باتیں اللہ تعالیٰ سنتا ہے۔ جنت میں ایک گھاٹی ہے' اگر میں نے اس کو طے کر لیا تو تیری بات سے کوئی نقصان نہ ہوگا۔ اگر وہ طے نہ ہوئی تو جو کچھ تو کہتا ہے' میں اس سے بھی بدتر ہوں۔

حکایت: کسی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گالی دی۔ آپ نے اپنے نفس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تیرے جن عیبوں کو اللہ تعالیٰ نے چھپا رکھا ہے' وہ بہت ہیں۔

فائدہ: اس وقت آپ اپنے نفس کی تقصیر و نقصان کے دیکھنے میں مشغول تھے یعنی یہ بات مد نظر تھی کہ اللہ تعالیٰ کا حق معرفت نہ پہنچانا اور جس قدر اس سے ڈرنے کا حق تھا' اتنا خوف نہ کیا۔

فائدہ: اس حال میں اگر کسی دوسرے نے ان کے نفس کو ناقص کہا تو اس کا اس پر اثر نہ ہوگا' اس لیے کہ وہ تو خود پہلے ہی سے باوجود شان صدیقی اپنے نفس کو نقصان کی آنکھ سے ملاحظہ فرماتے تھے۔

حکایت: ایک عورت نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کو کہا کہ او! ریاکار' آپ نے فرمایا کہ تیرے سوا مجھے کسی نے نہیں پہچانا۔

فائدہ: گویا حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ اپنے نفس سے آفت ریا دور کرنے میں مشغول تھے اور خود کو یہ سمجھاتے تھے کہ ریا تجھ سے چھوٹا نہیں۔ جو کچھ ہے' شیطان کا فریب ہے۔ جب اس عورت نے ریاکار کہا تو چونکہ نفس کو پہلے ریاکار جانتے تھے' اس لیے غصہ نہ کیا۔

حکایت: حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے برا کہا' آپ نے فرمایا کہ اگر تو سچا ہے تو اللہ میرے حال پر رحم کرے۔ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تیرے اوپر رحم کرے۔

فائدہ: ان حکایات سے ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے جو غصہ نہ کیا تو اس کی یہی وجہ تھی کہ ان کے دل مہمات دینی میں مصروف تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان باتوں نے ان کے دل پر اثر کیا ہو مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ جو بات ان کے دل پر غالب تھی' اس کی طرف التفات کیا غرضیکہ اگر دل کسی امر مہم میں مشغول ہو تو محبوب چیزوں کے جاتے رہنے میں جوش غضب سے محفوظ رہتا ہے۔ پس غصہ کا نہ ہونا دو باتوں سے ممکن نہ ہوا۔ (1) دل اور کسی مہم میں مشغول ہوا۔ (2) غلب وحدانیت ہو اور ایک تیرا سبب یہ بھی غصہ کے نہ ہونے کے لیے ہے' وہ یہ ہے کہ سالک یوں سمجھے کہ اللہ کو میرا غصہ ناپسند ہے۔ پس محبت الٰہی کی وجہ سے آتش غضب کمزور پڑ جائے گی اور یہ امر بھی محال نہیں' کبھی کبھی ایسا ہوا کرتا ہے۔

خلاصہ: اس تمام تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ آتش غضب سے رہائی اسی میں ہے کہ محبت دنیا یک لخت دل سے مٹا دے اور محبت کا دور کرنا دنیا کے فریبوں اور مہلکات کے پہچاننے سے ہوتا ہے جن کا بیان دنیا کی برائی میں ان شاء اللہ تعالیٰ مذکور ہوگا۔

فائدہ: جو شخص ریا کی محبت دل سے دور کر دے' وہ بہت سے اسباب غضب سے محفوظ رہتا ہے اور غضب کے اسباب میں سے جو سبب ایسا ہے کہ بالکل مٹ نہیں سکتا' اس کی تیزی کم ہو سکتی ہے اور سبب کے ضعیف ہونے سے غضب کا ضعیف ہونا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے لطف کرم سے غصہ کے دفعیہ کی توفیق عنایت

غصہ کے اسباب اور ان کے دفعیہ کا علاج: چونکہ مرض کا دفعیہ اس کے سبب کے دور ہونے سے ہوتا ہے' اسی لیے غصہ کا دور ہونا بھی اس سبب کے دور ہونے پر منحصر ہے' اسی لیے اس کے اسباب اور ان کے دور کرنے کا علاج معلوم کرنا چاہیے۔

حکایت: حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ سب سے سخت تر چیز کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ غضب الٰہی نہایت شدید ہے۔ پھر پوچھا گیا کہ اس کے برابر اور کیا شے ہے؟ آپ نے فرمایا انسان کا غصہ۔ پھر پوچھا گیا کہ غضب کس بات سے ظاہر ہوتا اور نشوونما پاتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تکبر اور فخر اور عزت طلبی اور حمیت سے غصہ آیا کرتا ہے۔

اشتداد غصہ کے اسباب: کبر' عجب' مزاح' لغو' ہنسی' ٹھٹھا' دوسرے کو نشانہ بنانا اور عیب لگانا' بات کاٹنا' ضد کرنا' فریب کرنا' حصول مال میں کثرت سے حرص کرنا۔ یہ تمام امور علاوات کی ضد ہیں اور شرعاً مذموم۔ان کے ہوتے غضب کا ہٹنا ناممکن ہے' اسی لیے ضروری ہوا کہ سالک عیوب میں مقابل کی چیز کو ختم کرے مثلاً تکبر کو تواضع سے اور عجب کو اپنے نفس کی پہچان سے زائل کرے۔ چنانچہ اس کا بیان باب کبر و عجب میں آئے گا اور یوں فخر کو دور کرے کہ میں بھی آدمی ہی ہوں' جیسے میرے نوکر اور غلام ہیں۔ آخر سب کا باپ ایک ہی ہے' بعد کو قومیں جدا جدا ہو گئیں۔ آدم کی اولاد ہونے میں ہم سب یکساں ہیں۔ فخر عمدہ بات میں کرنا چاہیے' کبر اور عجب اور برائی تو کمینگی کی علاوات ہیں' ان سے فخر کیسا؟ بلکہ یہ سب امور رذائل کی طرح ہیں۔ اگر انہیں تو نے اپنے سے دور نہیں کیا تو فخر کس بات کا؟ ناک' آنکھ' کان' جسم اور نسب میں تو ہم سب برابر ہیں اور مزاح اس طرح دور کرے کہ ایسے مہمات دینی میں مصروف ہو کہ عمر بھر ان سے فرصت نہ ملے کہ مزاح تک نوبت پہنچے اور لغویات سے اس طرح بچے کہ عملاً" فضائل اور اخلاق حسنہ کی طلب اور علوم دینیہ کی تحصیل میں کوشش کرے جس سے کہ سعادت اخروی میسر ہو۔ دوسرے کو نشانہ بنانے میں یہ خیال کرے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہی حال میرے ساتھ پیش ہو۔ علاوہ ازیں لوگوں کو ایذا دینا ایک امر معیوب ہے۔ اس کو اختیار کرنا برا ہے اور عیب جوئی میں یہ سمجھے کہ بری بات کا منہ سے نکالنا برا ہے۔ اس کے سوا اگر کوئی نقد جواب دے گا تو تلخ معلوم ہو گا۔ (علیٰ ہذا القیاس) بات کاٹنے اور ضد کرنے اور فریب دینے میں تصور کرے کہ ان سے میرے بھائی مسلمان کا نقصان ہے۔ ان کا ارتکاب نہ ہونا چاہیے۔ کثرت مال و جاہ کو اس طرح دل سے مٹا دے کہ مقدار ضرورت پر قناعت کرے تاکہ استغناء میں داخل ہو اور حاجت کی ذلت سے محفوظ رہے۔ یہ جتنی باتیں اوپر لکھی گئی ہیں' ان میں سے ہر ایک کے علاج میں بہت سی ریاضت و تحمل و مشقت چاہیے۔

اجمالی علاج: ان اخلاق مذمومہ مذکورہ کی برائیوں اور آفتوں سے واقف ہونا چاہیے تاکہ دل کو ان سے نفرت ہو

اور پھر جو جو باتیں ان کے مقابل لکھی گئی ہیں' ان پر ہمیشہ عامل رہے کہ رفتہ رفتہ ان کا عادی ہو کہ نفس کو ناگوار محسوس نہ ہو بلکہ انس و الفت ہو جائے۔ جب یہ بری عادتیں چھوٹ جائیں اور نفس ان سے پاک و صاف ہو جائے تو غصہ جو انہیں چیزوں سے پیدا ہوتا ہے' جاتا رہے گا۔

ایک بیماری اور اس کا علاج: جہل میں غصہ کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ ازراہ جہالت غصہ کا نام شجاعت' جوانمردی اور جرات و علو ہمت رکھتے ہیں اور اچھے اچھے القاب دیتے ہیں یہاں تک کہ نفس ازراہ جہالت اسی کی طرف رغبت کرتا ہے اور اسے اچھا سمجھتا ہے اور کبھی اس کی تقویت یوں بھی ہوتی ہے کہ اکابر کی تعریف کے مقام میں جو شدت غضب کو شجاعت سے بیان کرتے ہیں تو چونکہ عوام کو اکابر کی مشابہت کا شوق رہتا ہے' اسی لیے دل میں جوش غضب ہوتا ہے اور اس جوش غضب کو شجاعت اور علوہمت کہنا جائز ہے تو ایک مرض قلب اور نقصان عقل ہے جو نفس کے ضعف و نقصان سے پیدا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے جن لوگوں کا نفس یا عقل ضعیف ہے یا نقصان میں ہے' ان کو یہ مرض بہت جلد چمٹتا ہے' مثلاً بیمار کو بہ نسبت تندرست کے جلد غصہ آتا ہے اور عورت کو بہ نسبت مرد کے اور لڑکے کو بہ نسب بالغ کے اور بوڑھے کو بہ نسبت جوان کے اور بری عادت والے کو بہ نسبت اہل علم و فضل کے جلد جوش آ جاتا ہے۔ کمینہ آدمی اگر ایک لقمہ نہ پائے یا بخیل سے اگر ایک دانہ چھوٹ جائے تو کیسے غصہ میں ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی آل اولاد اور اہل و عیال سے بھی غصہ کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نقصان و ضعف عقل غصہ کا سبب ہے۔ زبردست وہی ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔ حدیث شریف میں ہے لیس الشدید بالصرعته انما الشدید الذی یملک نفسه عند الغضب (سخت وہ نہیں جو پچھاڑنے والا ہے بلکہ سخت وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔)

فائدہ: جو شخص ایسا نہ ہو' اس کے سامنے اہل حلم و عفو کی حکایات بیان کرنی چاہئیں تاکہ وہ اپنے نفس کا علاج کر لے۔

خلاصہ: غصہ کا پینا انبیاء اولیاء اور حکماء' علماء اور نیک دل بادشاہوں اور فضلائے زمانہ سے منقول ہے اور اس کا عکس پاگلوں اور جاہلوں اور غبیوں اور بے عقلوں سے منقول ہے۔

علاج بوقت جوش غضب و غصہ: اب تک جو بیان ہوا' وہ یہ تھا کہ غصہ کے اسباب کو دور کرنا چاہئے تاکہ جوش و شدت نہ ہونے پائے۔ اب یہ ذکر ہوتا ہے کہ اگر کسی وجہ سے غضب و غصہ میں جوش آجائے تو ایسا استقلال دکھایا جائے کہ صاحب غضب مضطرب ہو کر اس کے مطابق کام نہ کر بیٹھے اور یہ استقلال جوش غضب میں معجون علم و عمل کے معجون مرکب سے حاصل ہوتا ہے۔

حلم کے متعلق چھ باتیں ہیں: (۱) وہ احادیث جو غصہ پینے اور عفو و حلم کی فضیلت میں وارد ہیں جن کا بیان

عنقریب آئے گا' ان میں غور کرے اور ان کے ثواب کی رغبت کرے۔ ممکن ہے کہ حرص سے جوش جاتا رہے اور انتقام سے درگزر کرے۔

حکایت: حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی پر غصہ کیا اور اسے درے مارنے کا حکم فرمایا۔ اس وقت میں نے یہ آیت پڑھی خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ (الاعراف ۹ 199) ترجمہ کنزالایمان: اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیرلو

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس آیت کو بار بار پڑھتے تھے اور سوچتے تھے اور آپ کا دستور تھا کہ جب کوئی آیت آپ کے سامنے پڑھی جاتی تو بہت دیر تک اس کے سمجھنے میں غور و فکر کیا کرتے تھے' اسی معمول پر اس شخص کو معاف فرما دیا۔

حکایت: حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو درے مارنے کا حکم کیا اور پھر یہ ارشاد الٰہی زبان پر لائے وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ (آل عمران ۴ 134) ترجمہ کنزالایمان: اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے۔ اسی وقت خادم کو کہا کہ اس کو جانے دو۔

(2) خود کو عذاب الٰہی سے ڈرائے' وہ اس طرح کہ جتنی میری قوت اس شخص پر ہے' اس سے زیادہ طاقت اللہ تعالیٰ کی مجھ پر ہے۔ اگر میں نے آج اس پر غصہ کیا' کل قیامت کو اللہ تعالیٰ کے غضب سے کون بچائے گا۔ مجھے بھی اس وقت شدت سے عفو و کرم کی محتاجی ہوگی تو دوسرے کو معاف کرنے سے شاید نجات مل جائے۔

فائدہ: بعض صحیفوں میں مذکور ہے کہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے کہ اے آدم زادہ جس وقت تو غصہ کرے' مجھے یاد کرلیا کر کہ جس وقت میں غضب میں ہوں گا تو تجھے یاد کرکے تباہ کاروں کے ساتھ تجھے ہلاک نہ کروں گا۔

حدیث شریف: ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خادم کو کسی کام کے لیے بھیجا' اس نے دیر کی۔ جب سامنے آیا تو آپ نے فرمایا کہ لولا القصاص لا وجعنک (اگر قصاص نہ ہوتا تو میں تجھے درد پہنچاتا یعنی مارتا۔)

فائدہ: بنی اسرائیل میں جتنے بادشاہ ہوئے ہیں' سب کے ساتھ ایک دانشور رہتا تھا۔ جب بادشاہ غصہ میں ہوتا تو وہ دانشور ایک پرچہ بادشاہ کے حوالے کرتا۔ اس میں لکھا ہوتا تھا کہ مسکین پر رحم اور موت سے ڈر اور قیامت کو یاد کر۔ اس پرچہ کو دیکھتے ہی اس کا غصہ کمزور ہو جاتا تھا۔

(3) اگر خوف عذاب اخروی نہ ہو تو رنج و مصائب دنیوی جو غصہ کی وجہ سے ہوتے ہیں' ان پر غور کرے کہ جس پر غصہ کروں گا' وہ میرا مخالف ہو جائے گا اور بالمقابل بن کر تخریب کاری اور ایذا رسانی اور گالی گلوچ اور ہتک وغیرہ کے درپے ہوگا۔ اس سوچ بچار کا انجام یہ ہے کہ شہوت سے غضب کو روکنا ہوتا ہے یعنی دنیا کی ایک خرابی کو

دوسری خرابی کی فکر سے ہٹانا چاہیے۔ اسی لیے یہ اعمال آخرت میں شمار نہیں ہوگا اور نہ اس پر کوئی ثواب مرتب ہوگا۔ ہاں اگر دنیا کی تشویش سے علم و عمل کے لیے دل کو فراغت حاصل نہ ہو اور آخرت کے لیے مدد نہ ملے تو ایسی تشویش دنیا کو دور کرنے سے ثواب ہوگا۔

(4) غصہ کے وقت دوسرے لوگوں کی جیسے صورت بری بن جاتی ہے' اپنی صورت کو غصہ میں بھی ویسا ہی خیال کرے اور تصور کرے کہ غصہ ایسی بلا ہے کہ جس کو آتا ہے' اس کی شکل باؤلے کتے یا درندے جیسی بن جاتی ہے اور اس کے برعکس حلیم اور صاحب وقار و تارک غضب کی صورت انبیاء و اولیاء علماء اور حکماء جیسی ہوتی ہے۔ خود کو سمجھائے کہ اب چاہے جو صورت اختیار کرے' کتوں اور درندوں اور کمینوں کی شکل یا علماء و حکماء و انبیاء کے مشابہ اگر کسی کو ذرہ بھر عقل ہوگی تو اچھے لوگوں کی عادت و اقتداء کو دستور العمل ٹھہرائے گا۔

(5) جس سبب سے انتقام لینا چاہتا ہے اور غصہ کو پی نہیں سکتا' اس میں فکر کرے کہ وہ کیا وجہ ہے۔ مثلاً شیطان بہکاتا ہے کہ اگر تو نے انتقام نہ لیا تو بالمقابل سمجھے گا کہ دب گیا اور لوگوں کے نزدیک بھی ایک ذلت اور رسوائی ہوگی۔ اگر یہی سبب ہو تو چاہئے کہ اپنے نفس کو سمجھائے کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تجھے بردباری ایسی بری معلوم ہوتی ہے کہ جب دوسرا شخص ہاتھ پکڑے گا اور اپنا بدلہ لینا چاہے گا اور لوگوں کی نظروں میں حقارت کا خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور انبیاء کی نظروں میں حقیر ہونے کا خوف نہیں۔ انسانوں سے کیا مطلب۔ یہ خیال زیادہ ہو کہ اللہ کے لیے غصہ پی جانے میں تو مرتبہ زیادہ ہوگا۔ علاوہ ازیں اگر بالفرض کسی نے اس پر ظلم ہی کیا ہے تو جس قدر یہ انتقام لینا چاہتا ہے' قیامت کو اس سے زیادہ اس کی ذلت ہوگی۔ یوں کیوں نہ ہو کہ غصہ پی جائے۔ اس میں تو ہر طرح اپنا ہی مرتبہ بلند ہے۔ کیا یہ اچھا نہیں جب قیامت کو پکارنے والا پکارے گا کہ جس کی اجرت اللہ پر ہو' وہ کھڑا ہو جائے اور اس وقت سوائے معاف کرنے والوں کے کوئی نہ اٹھے گا۔ ایسے وقت یہ مستحق کھڑا ہو جائے گا لیکن اس طرح کی باتیں ایمان سے متعلق ہیں' چاہئے کہ انہیں دل سے خوب سمجھے۔

(6) یوں سمجھے کہ میرا غصہ اس سبب سے ہے کہ میری مرضی کے موافق کیوں نہ ہو اور ظاہر ہے کہ یہ بات نہایت بے وقوفی کی بات ہے کہ اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ترجیح دے بلکہ ممکن ہے کہ اس سبب سے اللہ تعالیٰ کا غضب اس پر اس کے غصہ سے بڑھ کر ہے۔

غصہ دفع کرنے کا وظیفہ: جب غصہ آئے تو زبان سے کہے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ (پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ سے شیطان مردود سے)

حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو غصہ آتا تو آپ ان کی ناک مبارک پکڑ کر فرماتے کہ اے عویش یوں کہہ اللھم رب النبی محمد اغفرلی ذنبی و اذھب غیظ قلبی و اجرنی من مضلات الفتن (اے اللہ پالنے والے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردگار مجھے میری خطا بخش اور میرے

دل کا غصہ دور کر اور مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے پناہ دے۔)

مسئلہ: حدیث والی دعا کا کہنا بھی مستحب ہے۔

غصہ کا عملی علاج: زبانی وظیفہ سے غصہ نہ جائے تو یوں کرے کہ اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔ اگر بیٹھا ہو تو لیٹ جائے یعنی خود کو زمین کی خاک سے قریب کر دے تاکہ یہ معلوم ہو کہ میں اس سے پیدا ہوں اور بالآخر اس میں جانا ہے۔ اس طریقہ سے اپنے نفس کی ذلت سمجھ میں آجائے گی۔

نکتہ: بیٹھنے یا لیٹنے سے غصہ ساکن ہو جائے گا' اس لیے کہ غصہ حرارت سے ہوتا ہے اور حرارت حرکت سے تو جب بیٹھنے یا لیٹنے سے حرکت دور ہوئی تو امید ہے کہ حرارت غضب بھی دفع ہو جائے گی۔ حدیث شریف میں ہے ان الغضب جمرۃ تو قدفی القلب الم تروا انی اشفاخ او واجہ وجمرۃ عینیہ فاذا اوجد احدکم من ذلک شیا فان کان قائما فلیبحلس وان کان جا لسا فلیقم (غصہ ایک چنگاری ہے جو دل میں بھڑکتی ہے۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ غصہ والے کی گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں' آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔ پس اگر تم میں سے کسی کو یہ حال عارض ہو تو اگر کھڑا ہے بیٹھ جائے' بیٹھا ہے تو لیٹ جائے۔)

عجیب طریقہ: اگر اس سے بھی غصہ نہ جائے تو ٹھنڈے پانی سے وضو کرے یا نہائے کیونکہ آگ بغیر پانی کے نہیں بجھ سکتی۔

احادیث مبارکہ: اذا غضب احدکم فلیتوضاء بالماء فانما الغضب من النار (جب تم میں سے کوئی غصہ میں ہو تو چاہئے کہ پانی سے وضو کرلے کہ غصہ آگ سے ہے۔)

(2) ایک روایت میں یوں ہے کہ ان الغضب من الشیطن وان الشیطن خلق من النار و انما قطفا النار بالماء فاذا غضب احدکم فالیتوضا (بے شک غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے بنا ہے اور آگ کو پانی سے بجھاتے ہیں جب کوئی تم میں سے غصہ ہو تو چاہئے وضو کرے۔)

(3) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث مروی ہے اذ غضب فاسکت (جب غصہ ہو تو چاہئے خاموش ہو جا۔)

(4) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ غصہ کے وقت اگر کھڑے ہوتے تو بیٹھ جاتے۔ اگر بیٹھے ہوتے تو لیٹ جاتے' اسی لیے آپ کا غصہ کمزور ہو جاتا تھا۔

(5) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ الا ان الغضب جمرۃ فی قلب ابن آدم الا ترون الی جمرۃ عینیہ و انتفاخ اوواجہ فمن وجد من ذلک شیا فلیلھق خدہ بالارض (آگاہ ہو کہ غصہ ایک چنگاری ہے' انسان کے دل میں کیا نہیں دیکھتے' سو اس کی آنکھوں کی سرخی اور رگہائے گردن کے پھولنے کو جو شخص اس میں سے کچھ محسوس کرلے تو چاہئے کہ اپنا رخسار زمین سے ملائے۔)

فائدہ: اس حدیث شریف میں سجدہ کی طرف اشارہ ہے یعنی نفل پڑھے (یہ سب سے اعلیٰ اور بہترین علاج ہے۔ (اویسی غفرلہ)

یعنی بدن کا جو اعلیٰ اور اشرف عضو ہے' اس کو سب سے ذلیل چیز یعنی خاک پر رکھنا چاہئے تاکہ نفس اپنی ذلت اور خاکساری کو سمجھ کر عزت و تکبر سے جو باعث غضب ہیں' باز آئے۔)

حکایت: حضرت عمرؓ ایک دن غصہ میں آئے تو پانی منگا کر ناک میں دینا شروع کیا اور فرمایا کہ غضب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور اس عمل سے جاتا ہے۔

حکایت: حضرت عمروہ بن محمد رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب میں مدین میں حاکم ہوا تو میرے باپ نے مجھ سے پوچھا کہ تو حاکم ہوا ہے' میں نے عرض کیا ہاں۔ انہوں نے فرمایا کہ جب تجھے غصہ آئے تو آسمان اور زمین کو دیکھ کر ان کے خالق کی عظمت بجالانا یعنی سجدہ کرنا۔

حکایت: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو جس سے جھگڑا تھا' فرمایا کہ اے سرخ عورت کے بچے۔ یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی۔ آپ نے فرمایا' میں نے سنا ہے کہ تو نے اپنے بھائی مسلمان کو ماں کی گالی دی۔ انہوں نے عرض کیا ہاں' یہ کہہ کر وہاں سے چلے کہ اس کو راضی کریں کہ اچانک اس شخص نے سبقت کرکے ان سے السلام علیکم! کہا۔ انہوں نے یہ قصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابوذر اپنا سر اٹھا کر دیکھ' پھر جان لے کہ زمین کے پردے پر تجھے فضیلت نہ کسی سرخ پر ہے' نہ کالے پر۔ جب تک کہ عمل اچھے نہ ہوں' پھر ارشاد فرمایا کہ غصہ کے وقت اگر تو کھڑا ہو تو بیٹھ جا' اگر بیٹھا ہو تو تکیہ لگا لیا کر۔ اگر تکیہ لگائے ہو تو لیٹ جایا کر۔

حکایت: حضرت معمر بن سلیمان ؓ نے فرمایا کہ ایک شخص مغلوب الغضب تھا' اس نے تین پرچے لکھ کر تین شخصوں کو دیئے۔ (1) ایک سے کہا کہ جب بالکل غصہ آئے' یہ پرچہ دے دینا۔ (2) دوسرے سے کہا کہ جب میرا غصہ کم ہو تو یہ پرچہ دینا۔ (3) تیسرے سے کہا کہ جب بالکل غصہ جاتا رہے' تب یہ پرچہ دینا۔ ایک دن اس کو کسی پر شدت سے غصہ آیا تو پہلا پرچہ اس کو دیا گیا' اس پر لکھا تھا کہ تو اس شخص کے پیچھے کیوں پڑا ہے؟ تو اس کا اللہ نہیں بلکہ تو ایک آدمی ہے۔ کوئی دن ایسا ہوگا کہ تیرے ٹکڑے خود بخود ہی کو کھالیں گے۔ اس کے پڑھنے سے اس کا کچھ غصہ کم ہو گیا تو دوسرا پرچہ دے دیا گیا۔ اس میں لکھا تھا تو حاکم نہیں' اسی لیے حکم چھوڑ دیجئے۔ پھر تیسرا پرچہ اس کو دیا تو اس میں لکھا تھا کہ لوگوں کا حق کے ساتھ مواخذہ کرنا چاہئے۔ ان کی اصلاح اسی میں ہے یعنی حدود شرعی سزائے جرم کے لیے خود مقرر ہیں' انہیں کے مطابق مواخذہ اور سزا کافی ہے۔

حکایت: خلیفہ مہدی ایک شخص پر غصہ ہوا تو حضرت شبیب رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ کے لیے اتنا غصہ نہ کرنا

چاہئے' جتنا اس شخص نے اپنے نفس کے لیے کیا ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ اسے جانے دو۔

غصہ پی جانے کے فضائل: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مدح کے طور ارشاد فرمایا ہے وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ (آل عمران 134) ترجمہ کنزالایمان: (اور غصہ پینے والے)

احادیث مبارکہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ من کف غضبہ کف اللہ عذابہ ومن اعتذ والی ربہ قبل اللہ عذرہ ومن خذل لسانہ ستر اللہ عورتہ (جس نے روکا اپنے نفس کو روکے گا اللہ تعالیٰ اس سے اس کا عذاب اور جو شخص عذر کرے' اپنے رب کے سامنے قبول کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے عذر کو اور جو شخص روکے اپنی زبان کو اللہ تعالیٰ چھپائے گا اس کے عیب کو۔

(2) حضور نے فرمایا اشد کم من غلبہ نفسہ عند الغضب واحلمکم من عفاد عند القدرۃ (تم میں سخت وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر غالب آئے اور تم میں زیادہ بردبار وہ ہے جو قدرت کے وقت معاف کرے۔)

(3) فرمایا من کظم غیظا ولوشاء ان یمضیہ امضاہ ملاء اللہ قلبہ یوم القیمہ (جو شخص دبائے غصہ کو ایسے وقت میں اگر چاہتا تو اس کو جاری کرتا پھیر لے گا' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا دل اپنی رضا سے پر کرے گا۔)

(4) فرمایا من جرع عبدا اجرعنہ اعظم اجرا من جرعنہ غیظ کظمھا ابتغاء وجہ اللہ تعالی (نہیں گھونٹ پیا کسی بندہ نے کوئی گھونٹ جس میں زیادہ ثواب ہو' بہ نسبت گھونٹ غصہ کے جس کو رضائے الٰہی کی رضا کے لیے پیا ہو۔)

(5) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لجھنم بابا لا یدخلہ الا من شفی غیظہ بمعصیتہ اللہ تعالی (دوزخ میں ایک دروازہ ہے کہ نہیں داخل ہوگا' اس میں مگر وہ شخص کہ نکالے اپنا غصہ اللہ کی نافرمانی میں۔)

(6) فرمایا کہ اللہ کے نزدیک گھونٹ کا پینا اتنا محبوب نہیں جتنا غصہ کا پینا ہے۔ جو کوئی غصہ پیتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کا دل ایمان سے بھر دیتا ہے۔

(7) فرمایا ہے کہ جو کوئی باوجود قدرت انتقام کے غصہ پیتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو تمام مخلوق کے سامنے بلا کر اختیار دے گا کہ جو حور تیرے پسند آئے' لے لے۔

اقوال اسلاف صالحین رضی اللہ عنہم: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے' وہ اللہ کی معصیت میں اپنا غصہ جاری نہیں کرتا بلکہ اپنا خاطرخواہ کام بھی نہیں کرتا اور اگر قیامت نہ ہوتی جو کچھ حال اب دیکھ رہا ہے' اس کے خلاف ہوتا۔

(2) حضرت لقمان حکیم علیہ الرحمتہ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اپنی آبرو سوال سے ضائع نہ کرنا اور غصہ کا انتقام اپنی رسوائی کی وجہ سے نہ لینا اور اپنی لیاقت کو جاننا کہ یہ زندگی میں مفید ہوگا۔

(3) حضرت ایوب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک گھڑی کا حوصلہ بہت سے شر کو دور کرتا ہے۔

حکایت: ایک دفعہ حضرت سفیان ثوری اور ابو خزیمہ ربوعی اور فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ جمع ہوئے اور زہد کا ذکر ہوا تو سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ افضل اعمال غصہ کے وقت حوصلہ کرنا اور طمع کے وقت صبر کرنا ہے۔

حکایت: ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ آپ انصاف سے فیصلہ نہیں کرتے اور بہت مال بھی نہیں دیتے کہ آپ کو یہاں تک غصہ آیا کہ چہرہ پر اس کا اثر محسوس ہوا۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا امیرالمومنین آپ کا کدھر خیال ہے؟ یہ شخص جاہل ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (الاعراف پ 9 199) ترجمہ کنزالایمان: اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے صحیح کہا' تو نے ایک آگ بجھادی۔

(4) حضرت محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ اگر کسی میں جمع ہوں تو ایمان کامل ہو جائے۔ (1) جب خوش ہو تو حالت خوشی میں امور باطن میں داخل نہ ہو۔ (2) جب غصہ ہو تو غضب کو حق سے تجاوز نہ کرنے دے۔ (3) جب قابو پائے تو جو چیز اپنی نہ ہو' وہ نہ لے۔

حکایت: ایک شخص نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا' اے بندۂ خدا مجھے وصیت فرما۔ آپ نے فرمایا کہ غصہ نہ کیا کر۔ اس نے کہا کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا کہ اتنا تو ضرور کرنا کہ غصہ کے وقت اپنی زبان اور ہاتھ روک لیا کرنا۔

حلم و بردباری کے فضائل: بردباری اور حوصلہ اسے کہتے ہیں کہ غصہ جوش پر نہ آئے۔ اگر آئے بھی تو اس کے کمزور کرنے میں تکلیف اور مشقت نہ ہو اور یہ غصہ کے پینے سے بہتر ہے' اس لیے کہ غصہ کا پینا بزور اور بہ تکلف حلیم بنتا ہے کہ جس وقت غصہ کی شدت ہو' بڑی جدوجہد کوشش سے خود کو بچائے تو غصہ کا پینا ایک تکلف اور بناوٹ ہے اور حلم طبعی عادت جبلی ہے جس سے کمال عقل ثابت ہوتا ہے اور قوت غضب زیر فرمان اور مغلوب رہتی ہے مگر ابتداء میں بزور و تکلف غصہ پینے اور حلیم بننے سے عادت حاصل ہوتی ہے۔

احادیث مبارکہ: انما العلم بالتعلم و الحلم بالتحلم ومن یتحر الخیر یعطه ومن یتوق الشر یوقه (علم سیکھنے سے آتا ہے اور حلم بزور حلیم بننے سے جو شخص خیر کا ارادہ کرے' اس کو دی جائے گی اور جو شر سے بچے' اس سے محفوظ رہے گا)۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ حصول حلم کا ذریعہ بتکلف حلیم بننا ہے۔ جیسے تحصیل علم کا وسیلہ تعلیم ہوتا ہے۔

(2)حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اطلبو العلم واطبوا مع الحلم السکینته والحلم ولینوا لمن تعلمون ولمن تتعلمون صنه ولا تکونوا من جبابرۃ العلماء فیغلب جھلکم علمکم (طلب کرو حلم کو اور علم کے ساتھ حلم وقار کو تلاش کرو اور نرمی جسے سکھاؤ اور جس سے خود سیکھو اور متکبر علماء سے نہ ہو کہ تمہارا جہل علم سے بڑھ کر ہو)۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ غضب کا سبب غضب تکبر اور تحیر ہیں اور یہی نرمی اور حلم کے مانع ہوتے ہیں۔

(3)حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں فرماتے اللھم اغنی بالعلم و زینی بالکللم واکرمنی بالتقویٰ بالعافیۃ (الٰہی مجھے دولت مند بنا علم سے اور زینت دے حلم سے اور اکرام فرما تقویٰ سے اور جمال دے تندرستی سے)۔

(4)ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلند مقام کے طلبگار ہو۔ صحابہ نے عرض کیا' وہ کیا باتیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تصل من قطعک و تعطی من حرمک و تحلم عمن جھل علیک (جو تیرے سے قطع کر' اس کے ساتھ صلہ رحمی کر اور جو تجھے محروم کرے' اسے عطا کر اور جو تجھ پر حملہ کرے' اس سے حوصلہ کر۔

(5) فرمایا کہ پانچ باتیں سنت المرسلین سے ہیں۔ (1) حیاء (2) حلم (3) پچھنے لگوانا (4) مسواک (5) عطر ملنا۔

(6)حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو حوصلہ کی وجہ سے وہ درجہ ملتا ہے جو شب قدر اور روزہ دار کو ملتا ہے اور وہی جبار عیند بھی لکھا جاتا ہے باوجودیکہ اپنے گھر والوں کے سوا اور کسی کا مالک نہیں ہوتا یعنی اگر حلم نہ اختیار کرے۔

(7)حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے رشتہ دار ایسے ہیں کہ میں تو ان سے ملتا ہوں' وہ مجھ سے کنارہ کرتے ہیں۔ میں ان سے نیکی کرتا ہوں' وہ مجھ سے برائی کرتے ہیں۔ میں حوصلہ کرتا ہوں' وہ جہالت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر یہی حال رہا تو تم ان کے پیٹوں میں آگ بھرتے ہو یعنی تمہاری داد و عطاء ان کے حق میں اچھی نہیں ہوگی اور جب تک تم ایسا کرتے رہو گے' اللہ کی طرف سے تم کو مدد ملتی رہے گی۔

حکایت: ایک شخص نے جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ الٰہی میرے پاس کچھ دینے کو تو ہے نہیں جو صدقہ اور خیرات کروں۔ میں یہی کہتا ہوں کہ جو مسلمان میری ہتک کرے' میں نے اس کو معاف کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی کہ ہم نے اس بندہ کو بخش دیا۔

فائدہ: ابو ضمضم کی روایت جو پہلے مذکور ہوئی' وہ بھی یہاں چسپاں ہے۔

لطیفہ قرآنی: قرآن مجید میں لفظ یسین واقع ہے۔ اس کی تفسیر میں بعض علماء کہتے ہیں کہ اس سے عالم اور حلیم مراد ہیں اور حضرت حسن آیت وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا (الفرقان 63) ترجمہ کنزالایمان: اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے حلیم لوگ مراد ہیں یعنی اگر ان سے کوئی بہ جہالت پیش آئے تو وہ جہالت نہیں کرتے اور عطا بن ابی رباح یمشون علی الارض (الفرقان الخ) ہونا سے بھی حلیم مراد لیتے ہیں اور ابن ابی حبیب وکھلا من الصالحین صالحین کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ انتہائے حلم مراد ہے اور مجاہد وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا (الفرقان 72) کے معنی میں کہتے ہیں کہ وہ جب ایذا دیئے جائیں، معاف کر دیں۔

حکایت: ایک دفعہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک لغو امر سے کنارہ کر کے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبح کو ابن مسعود تھا اور شام کو تو کریم ہو گیا۔ پھر راوی حدیث ابراہیم بن میسرہ نے آیت وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا (الفرقان 72) ترجمہ کنزالایمان: اور جب بے ہودہ پر گزرتے ہیں اپنی عزت سنبھالے گزر جاتے ہیں۔ پڑھی۔

(8) حدیث میں ہے اللھم لا ید رکنی ولا ادرک زمان لا یتبعون فیہ العلیم ولا یستحیون فیہ من الحلیم قلوبھم قلوب العجم والسنتھم السنتہ العرب (اے اللہ مجھے وہ زمانہ نہ پائے کہ جس میں علماء کی اتباع نہ کرے، حوصلہ والے کا حیاء نہ کریں، ان کے دل عجمیوں کے ہوں گے اور زبانیں عربوں کی)۔

(9) اور فرمایا لیلیتنی منکم ذو الاحلام والنھی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ولا تختلفوا فیختلف قلوبکم وایاکم و ھیشات الاسواق (کاش! تمہارے میں حوصلہ اور عقل والے میرے قریب ہوں۔ پھر وہ جو ان کے قریب ہیں، آپس میں اختلاف نہ کرو، تمہارے قلوب مختلف ہو جائیں گے)۔

حکایت: لشبح صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اپنا اونٹ بٹھلا کر باندھ دیا اور بدن کے کپڑے اتار کر تھیلہ میں سے ایک جوڑا اچھا سا نکال کر آپ کے سامنے پہنا اور پھر آپ کی طرف چلے۔ جب قریب آئے تو آپ نے فرمایا کہ تم میں دو باتیں ایسی ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کو اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ انہوں نے عرض کیا، وہ کون سی ہیں؟ آپ نے فرمایا حلم اور تاخیر۔ انہوں نے عرض کیا یہ دونوں میں نے تصنع کے طور اختیار کی ہیں یا فطرتی ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے ایسے پیدا کیا ہے یعنی یہ جبلی باتیں ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ شکر ہے اس خالق کا جس نے مجھے ایسی دو باتیں پیدائش ہی عنایت کیں۔ جن کو وہ اور اس کے رسول پسند فرماتے ہیں۔

(10) حدیث میں ہے ان اللہ یحب الحلیم الرحی الغنی المنعفف النقی ویبغض الفاحش البذی لسا نل الملحف الغبی (اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے بردبار، حیادار تونگر پارسا و متقی کو۔ دشمن جانتا ہے بے ہودہ گو،

زبان دراز سائل لالچی کو)۔

(11) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ اگر کسی میں ان تینوں میں سے ایک بھی نہ ہو تو اس کے عمل کا کوئی اعتبار نہ کرو۔ وتقوی تحجزہ عن معاصی اللّٰہ عزو جل وحلم یکف بہ السفیہ وخلق یعیش بہ فی الناس (تقویٰ کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکے اور حلم جس سے کہ بیوقوف کو روکے اور خلق جس سے کہ وہ لوگوں میں بسر کرے)۔

(12) فرمایا کہ جب قیامت میں اللہ تعالیٰ مخلوق کو جمع کرے گا تو ایک پکارنے والا پکارے گا کہ اہل فضل کہاں ہیں؟ تو تھوڑے سے لوگ اٹھیں گے اور جنت کی طرف دوڑیں گے۔ فرشتے ان کو دیکھیں گے تو کہیں گے' تم دوڑ کر چلتے ہو؟ کہیں گے کہ ہاں ہم افضل ہیں' وہ پوچھیں گے کہ تم میں کیا فضیلت تھی؟ جواب دیں گے کہ ہمارا یہ حال تھا کہ ہم پر اگر ظلم ہوتا تو ہم صبر کرتے۔ اگر کوئی بدسلوکی کرتا تو ہم بخش دیتے۔ اگر جہالت کرتا تو حلم کرتے۔ فرشتے کہیں گے' اب جنت میں تشریف لے جایئے۔ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ (عمل والوں کا بہتر اجر ہے)

اقوال اسلاف صالحین رضی اللہ عنہم: (1) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم کو سیکھو اور اس کے لیے وقار اور حلم سیکھو۔

(2) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خیرو برکت اس کا نام نہیں کہ آدمی کی دولت بڑھ جائے اور اولاد بکثرت ہو۔ برکت اس کا نام ہے کہ علم اور حلم بہت ہو۔ اگر فخر کرے' اللہ کی عبادت سے فخر کرے اور جب نیک کام کرے تو اللہ کا شکر کرے اور برا کام کرے تو توبہ استغفار کرے۔

(3) حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم حاصل کرو اور اس کو وقار اور حلم سے زینت دو۔

(4) حضرت اکثم بن صیفی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عقل کا رکن حلم ہے اور تمام امور میں اصل صبر ہے۔

(5) حضرت ابو دردا فرماتے ہیں کہ اسلاف کو میں نے دیکھا تھا کہ سراپا پتے تھے' کانٹا نام کو نہ تھا اور ہم سراپا خار ہیں' پتے کا نام نہیں۔ اگر دور حاضر کے لوگوں کو کچھ سمجھاؤ تو مقابلہ کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اگر ان سے درگزر کرو تو وہ ہرگز درگزر نہیں کرتے۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہم کس طرح معاملہ کریں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی تم کو برا کہے' اس کا جواب نہ دو۔ یہ بات قیامت کے دن جب تم مفلس ہو گے' تمہارے کام آئے گی۔

(6) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حلیم کو حلم کے سبب پہلا بدلہ تو یہی ملتا ہے کہ تمام لوگ اس کے طرفدار ہو کر اس کے مخالف کے درپے آزار ہوتے ہیں۔

(7) حضرت معاویہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی اجتہاد اور تجویز کے درجہ کو نہیں پہنچتا جب تک کہ اس کا حلم جہل پر غالب نہ ہو اور صبر شہوت پر اور یہ امر بزور علم حاصل ہوتا ہے۔

(8) انہوں نے عمر بن ہشم سے پوچھا کہ مردوں میں سے بہادر کون ہے؟ انہوں نے فرمایا جو اپنے حلم کی وجہ

سے جہل کو ہٹا دے۔ پھر پوچھا کہ زیادہ سخی کون ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جو دنیا میں دین کی بہتری کے لیے خرچ کر ڈالے۔

(9) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ وَمَا یُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ (حٰمٓ السجدہ 35) ترجمہ کنزالایمان: جبھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گہرا دوست اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صابروں کو اور اسے نہیں پاتا مگر بڑے نصیب والا۔ فرمایا کہ اس سے وہ شخص مراد ہے کہ جب اس کو کوئی گالی دی جائے تو وہ کہے کہ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھ کو بخشے، اگر تو سچا ہے تو مجھے بخشے۔

(10) بعض اکابر فرماتے ہیں کہ ایک شخص بصری کو میں نے گالی دی۔ انہوں نے حلم کیا تو مجھے اس نے ندۃ العمر زر خرید غلام بنا لیا۔

(11) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرابہ بن اوس انصاری سے پوچھا کہ تم اپنی قوم میں سردار کیسے ہوئے؟ انہوں نے کہا کہ میں ان کے جاہلوں سے حلم کرتا ہوں۔ سائلوں کا سوال پورا کرتا ہوں۔ ان کی ضروریات میں جدوجہد کرتا ہوں۔ جو بھی میری طرح کام کرے گا، وہ مجھ جیسا ہو گا بلکہ مجھ سے بھی زائد ہو گا۔ اسے مجھ پر فضیلت ہو گی اور اگر کم کرے گا تو میں اس سے بہتر ہوں۔

(12) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو کسی نے گالی دی۔ جب وہ گالی دے چکا تو آپ نے اپنے خادم عکرمہ کو فرمایا کہ اس سے پوچھو، اگر اسے کسی شے کی ضرورت ہو تو اسے دے دو۔ اس گالی دینے والے نے شرم کی وجہ سے سر نیچا کر لیا۔

(13) حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو کسی نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم فاسق ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تیری گواہی قبول نہیں۔ (گویا آپ نے حوصلہ کرکے اسے کچھ نہ فرمایا)۔

(14) حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہیں کسی نے گالی دی۔ آپ نے اپنی چادر اس کی طرف پھینک دی اور سو درہم بھی۔

(15) بعض بزرگوں نے فرمایا ہے اس تھوڑی دنیا کی چیزوں سے پانچ عمدہ باتیں حاصل کرو۔ 1:- حلم، 2:- دفع کرنا ایذا کا، 3:- اس شخص کو ایسی بات سے رہائی دینا جو اللہ تعالیٰ سے دور کرے، 4:- اس شخص کا پشیمان ہونا اور اپنے کیے سے توبہ کرنا، 5:- اس کی تعریف کرنا برائی کے بعد۔

(16) کسی نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میرا کچھ لوگوں میں جھگڑا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کو دفع کروں مگر لوگ کہتے ہیں کہ جھگڑا چھوڑنے میں ذلت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ذلیل ظالم ہوا کرتا ہے، تجھے کوئی ذلت نہیں۔

(17) حضرت خلیل بن احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور بہت مشہور ہے کہ اگر کوئی برائی کرے اور اس کے بدلے میں اس سے سلوک کیا جائے تو اس کے دل میں خود بخود ایسا ایک امر پیدا ہوگا کہ پھر وہ ویسی برائی نہیں کرے گا۔

(18) حضرت احنف بن قیس کہا کرتے کہ میں حلیم تو نہیں مگر بزور حلم کرتا ہوں۔

(19) حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ جو شخص رحم کرتا ہے' اس پر رحم کیا جاتا ہے اور جو خاموش رہتا ہے' وہ بچ جاتا ہے اور جو جہالت کرتا ہے' وہ غالب ہوتا ہے اور جو جلدی کرتا ہے' وہ خطا کرتا ہے اور جو شر کے لیے حرص کرتا ہے' وہ اس سے محفوظ نہیں رہتا اور جو باتوں میں دخل دیا کرتا ہے' اس کو گالیاں ملتی ہیں اور جو بری بات کو برا نہیں جانتا' وہ گنہگار ہوتا ہے۔ اگر برا سمجھتا ہے تو اس سے بچا رہتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق چلتا ہے' وہ محفوظ رہتا ہے اور جو اس سے خوف کرتا ہے' وہ صرف اسی کا محتاج ہو جاتا ہے اور جو اس کے عذاب سے نہیں ڈرتا' ذلت اٹھاتا ہے۔ جو اس سے مدد چاہتا ہے' فتح پاتا ہے۔

(20) کسی نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے مجھے برا کہا ہے؟ آپ نے فرمایا پھر تو تم میرے نزدیک میری جان سے بھی زیادہ افضل ٹھہرے یعنی نیکیاں کیں' میں نے اپنے نفس کے لیے' پھر ان کو تمہارے لیے میں نے ہدیہ کر دیا۔

(21) بعض علماء کا قول ہے کہ حلم بہ نسبت عقل کے زیادہ مرتبہ رکھتا ہے' اس لیے کہ اللہ کا نام حلیم ہے' عقیل نہیں۔

(22) ایک شخص نے کسی دانشور سے کہا کہ تم کو ایسی گالی دوں گا کہ قبر میں بھی ساتھ جائے گی۔ انہوں نے جواب دیا بلکہ وہ تیری قبر میں جائے گی۔ (یعنی اس کا گناہ تیرے ساتھ تیری قبر میں جائے گا)۔ (اویسی غفرلہ)

(23) حضرت عیسیٰ علیہ السلام قوم یہود پر گزرے۔ انہوں نے آپ کو برا کہا' آپ نے ان کو کلمہ خیر سے جواب دیا۔ لوگوں نے کہا کہ وہ تو آپ کو برا کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم میں سے ہر ایک وہی دیتا ہے جو اس کے پاس ہوتا ہے۔

(24) حضرت لقمان حکیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی تین باتوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ 1- حلیم غصہ کے وقت' 2- بہادر لڑائی کے وقت' 3- دوست ضرورت کے وقت۔

حکایت: کسی دانشور کے ہاں اس کا ایک دوست آیا۔ اس نے ماحضر پیش کیا۔ دانشور کی بیوی بدمزاج تھی۔ دسترخوان کو اٹھایا اور شوہر کو گالیاں دینا شروع کیں۔ وہ مہمان غصہ کرکے اٹھ گیا' دانشور اس کے پیچھے بھاگا اور جا کر کہا کہ تم کو یاد ہے کہ ایک بار ہم تمہارے گھر کھانا کھاتے تھے۔ اچانک ایک مرغی آئی' اس نے دسترخوان کو کسی چیز سے خراب کر دیا۔ ہم میں سے کس نے غصہ نہ کیا تھا۔ اس نے کہا کسی نے نہیں۔ حکیم دانشور نے کہا کہ تو پھر تم بھی ویسے عمل کرو۔ وہ شخص ہنس پڑا' اس کی ناراضگی جاتی رہی اور کہنے لگا حکماء کا قول درست کہ حلم ہر درد و الم کی

دوا ہے۔

حکایت : کسی نے ایک دانشور کے پاؤں میں ایک ایسی ضرب ماری کہ اس کو درد محسوس ہوا مگر غصہ نہ ہوا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے یہ سمجھ لیا کہ میرا پاؤں کسی پتھر میں پھسل گیا اور چوٹ لگ گئی۔ اس وجہ سے غصہ نہیں کیا۔

(25) محمود وراق نے ایک قطعہ عربی میں کہا ہے: **قطعہ**

(1) سالنرم نفسی الصفح عن کل مذنب وان کثرت منه علی الجرائم

(2) وما الناس الا واحد من ثلاثه شریف و مشروف ومثلی مقلوم

(3) فابالذی فوقی فا عرف قدره واتبع فیه الحق والحق لذم

(4) واما الذی دونی فان قال صنت عن اجابته عرضی وان لام لائم

(5) واما الذی مثلی فان زل ادهفا تفضلت ان الفضل بالحلم حاکم

ترجمہ

(1) میں ہر مجرم سے خود کو روگردانی پر التزام کرتا ہوں۔ اگرچہ اس کی طرف سے مجھ پر ہزاروں جرائم ہوں۔

(2) تین دشمنوں میں سے ایک ضرور ہوگا 1۔ شریف' 2۔ رذیل' 3۔ برابر۔

(3) شریف اور بلند قدر مجھے کچھ کہے تو میں اس کی قدر کروں گا اور حق کا اتباع کروں گا اور حق کی اتباع لازم ہے۔

(4) وہ جو میرے سے کم تر درجہ ہے' اس سے میں اپنی عزت بچاؤں گا' اگرچہ ملامت گر ملامت کرے۔

(5) وہ جو میرا ہم سر اور برابر ہے۔ اگر وہ غلط بات کرے اور مجھ پر حملہ کرے تو میں اس سے فضل و کرم کروں' ہو کہ حوصلہ کرکے کسی سے احسان کرنا اچھا ہے اور حوصلہ ہر امر کا حاکم ہے۔

بد کلامی کے بدلہ کی مقدار : سب کو معلوم ہے کہ بدکلامی ایک ظلم ہے اور ظلم کے بدلے میں ظلم کیا جائے یا برائی کا مقابلہ برائی سے کیا جائے تو اس کا حکم کیا ہے؟ مثلاً غیبت کے عوض غیبت کرنا اور گالی کے عوض گالی دینا اور تجسس کے عوض تجسس کرنا۔ علی ہذا القیاس تمام گناہوں میں ویسا ہی تدارک ناجائز ہے۔ ہاں بقدر قصاص جس کی مقدار شرع میں وارد ہے' ہم نے فقہ میں اس کی تفصیل لکھی ہے۔ اتنا جائز ہے لیکن گالی کے بدلے میں گالی تو کسی طرح نہیں چاہیے۔

احادیث مبارکہ : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان امراہ عیرک بما فیک فلا تعیرہ بما فیہ (اگر کوئی تجھے اس عیب پر عار دلائے جو تجھ میں ہے تو اسے عار نہ دے جو اس میں ہے)۔

2) فرمایا دو گالی دینے والے جب گالی دیں تو گناہ اس پر ہے جس نے ابتداء کی، دوسرے پر نہیں، اگر وہ تجاوز نہ کرے۔

حکایت: کسی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے برا بھلا کہا۔ آپ چپکے سے سنتے رہے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انتقام کے لیے کچھ کہنا شروع کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے عرض کیا، جب تک وہ مجھے بکتا رہا، آپ چپ رہے۔ جب میں نے بدلہ لینا چاہا تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے، آپ نے فرمایا جب تک تم خاموش رہے تو فرشتہ تمہاری طرف سے جواب دیتا تھا، جب تم بولے تو فرشتہ چلا گیا، شیطان آگیا، اسی لیے مجھے ایسی مجلس میں بیٹھا رہنا منظور نہیں تھا جہاں شیطان ہو۔

مسئلہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ مقابلہ میں ایسے لفظ کہے کہ جس میں جھوٹ نہ ہو تو جائز ہے۔ حدیث میں ممانعت احتیاطاً ہے یعنی ایسے الفاظ کا ترک بھی اولیٰ اور افضل ہے لیکن اگر کہے گا تو گنہگار نہ ہو گا اور وہ اس قسم کے کلمات ہیں کہ تم کون ہو؟ کیا تم فلاں کی اولاد نہیں ہو؟ جیسا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو کہا تھا کہ تم بنی ہزمیل ہی میں سے نہیں ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ تم بنی امیہ میں سے نہیں ہو یا یہ کہ کسی کو احمق کہے، اس لیے کہ بقول مطرف تمام لوگ اللہ کے سامنے بے وقوف ہیں مگر بعض کم حماقت رکھتے ہیں اور بعض زیادہ۔

حدیث شریف میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حتی تری الناس کلھم حمقی فی ذات اللہ تعالی (یہاں تک کہ تم دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا سب بے عقل ہیں)۔

مسئلہ: کسی کو جاہل کہہ دینا بھی جائز ہے کیونکہ کوئی نہ کوئی جہالت ہر ایک میں ہوتی ہے، بہرحال اس قسم کے کلمات ایسے ہیں کہ ان سے دوسرے کو ایذا پہنچتی ہے مگر واقع میں جھوٹ نہیں ہوتے (علی ہذا القیاس) بد خلق اور بے حیا اور عیب جو وغیرہ کہہ دینا بشرطیکہ یہ باتیں اس شخص میں ہوں یا یہ کہنا کہ اگر تم میں شرم ہوتی تو ایسا نہ کہتے اور تم اپنی حرکت سے میری آنکھوں میں نہایت حقیر ہو گئے اور اللہ تم سے بدلہ لے یا اللہ تم کو سمجھائے وغیرہ لیکن چغلی اور غیبت اور ماں باپ کی گالی بالاتفاق حرام ہے۔

حکایت: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ بات ہو گئی تھی۔ ایک شخص نے حضرت سعد کے سامنے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو کچھ کہنا چاہا، آپ نے فرمایا سنو ہماری اور ان کی بات ایسی ہے کہ اس کی نوبت ابھی دین تک نہیں پہنچی یعنی ایک دوسرے سے وہ بات نہیں ہوئی جس سے گنہگار ٹھہریں۔

فائدہ: انہوں نے برائی کا سننا نہ مانا، کہنا تو دور کی بات ہے۔

مسئلہ: جو بات جھوٹ اور حرام نہ ہو، دوسرے کو جواباً کہنا جائز ہے یعنی انتقام میں کہنا جائز ہے۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ تمام ازواج مطہرات نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے برابر سمجھیں۔ آپ لیٹے ہوئے تھے' فرمایا کہ اے فاطمہ رضی اللہ عنہا جس کو میں چاہتا ہوں' اس کو تو بھی چاہے گی۔ انہوں نے عرض کیا ہاں' آپ نے فرمایا کہ تو عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت کر۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ازواج مطہرات کو جاکر جواب سنایا۔ انہوں نے کہا آپ کچھ نہ کر سکیں۔ پھر انہوں نے زینب بن جحش کو بھیجا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ان کو محبت رسول اللہ صلی علیہ وسلم میں میری برابری کا دعویٰ تھا۔ انہوں نے کہنا شروع کیا۔ ابوبکر کی بیٹی ایسی ہے۔ ابوبکر کی بیٹی وغیرہ کہتی رہیں اور میں چپکے سے سنتی رہی۔ وہ منتظر تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت جواب دیں گے۔ آپ نے اجازت دی تو میں نے اتنی گفتگو کی کہ میری زبان سوکھ گئی بالاخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ ابوبکر کی بیٹی کو دیکھا' کیسی ہے' تجھے مقابلہ کی تاب کہاں؟

فائدہ: یہ گفتگو جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کی تھی' اس میں فحش نہ تھا۔ صرف ان کے کلام کا درست جواب تھا۔

حدیث: فرمایا المستبان ما قالا فعلی البادی منہا حتی یعتدی مظلوم (آپس میں گالیاں دینے والے جو کچھ کہیں' وہ ان میں سے شروع کرنے والے پر ہے۔ یہاں تک کہ مظلوم حد سے بڑھ نہ جائے)۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ مظلوم کو انتقام کا حق پہنچتا ہے بشرطیکہ حد سے تجاوز نہ ہو۔

مسئلہ: سلف صالحین نے جو اجازت دی' وہ اسی قدر ہے کہ جس قدر اس کو ایذا ہو' اتنا قدر یہ بھی بدلہ لے لے مگر اس مقدار کا ترک بھی افضل ہے' اس لیے کہ اس سے زیادتی تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور مقدار واجب پر کفایت نہیں کر سکتا کہ انتہاء ایک امر مخفی ہے' اسی لیے کہ جواب دینے سے سکوت ہی افضل ہے۔

فائدہ: لوگ شدت غضب میں اپنے نفس کو روک نہیں سکتے' اگرچہ جلد ہی اصلی حالت پر آجاتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ابتداء میں تو نفس کو روک لیتے ہیں مگر ہمیشہ کا کینہ و بغض دل میں رکھتے ہیں۔ اس اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں ہیں:

1- وہ لوگ جو گھاس کی طرح جلد جل جائیں اور جلد بجھ جائیں۔
2- وہ جو پتھر کے کوئلہ کی طرح دیر سے سلگیں اور دیر سے بجھیں۔
3- وہ کہ تر لکڑی کی طرح دیر میں جلیں مگر جلد بجھ جائیں۔ یہ حالت بہت اچھی ہے بشرطیکہ نری بے عزتی نہ ہو۔

4- وہ جلد بھڑک جائیں اور دیر سے ٹھنڈے ہوں' یہ سب سے زیادہ برا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایماندار کو جلد غصہ آتا ہے اور جلد راضی ہو جاتا ہے تو اسی عادت کا تدارک اسی سے ہو جاتا ہے۔

فائدہ: حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس شخص کو غصہ دلایا جائے اور اسے غصہ نہ آئے تو وہ گدھا ہے اور جس کو سنایا جائے' وہ نہ سنے تو وہ شیطان ہے۔

حدیث: حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان مختلف قسم کے ہیں۔ بعض دیر سے غصہ ہوتے ہیں اور بعض جلدی رجوع کرتے ہیں اور بعض کو جلد غصہ آتا ہے اور جلدی فنا ہو جاتا ہے۔ ایک بات کا تدارک دوسری سے ہوتا ہے اور بعض جلد غصہ کرتے ہیں اور دیر میں غصہ جاتا ہے اور سب میں بہتر وہ ہے دیر سے خفا ہو اور جلدی مان جائے اور سب سے بدتر وہ ہے کہ جلد غصہ ہو اور دیر میں راضی ہو۔ چونکہ ہر ایک انسان پر جوش غضب کی تاثیر لازماً ہوتی ہے تو بادشاہوں کو ضروری ہوا کہ غصہ کی حالت میں کسی کو سزا نہ دیں ورنہ ممکن ہے کہ سزا مقدار واجبی سے زیادہ ہو اور مقتضائے غضب انتقام حد سے گزر جائے۔ اسی لیے واجب ہے کہ سزا صرف معصیت خداوندی پر دیا کرے' اپنی غرض کے لیے کسی کو سزا نہ دے۔

حکایت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شرابی مست کو دیکھ کر چاہا کہ اسے پکڑ کر سزا دیں۔ اس نے آپ کو گالی دی' آپ واپس آگئے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے گالی دینے پر اسے کیوں چھوڑ دیا؟ آپ نے فرمایا' اس کے برا کہنے سے مجھے غصہ تو آگیا تھا' اگر میں اس کو مارتا تو اپنے نفس سے غصہ کا بھی تعلق ہوتا۔ میرا منشور یہ ہے کہ کسی مسلمان کو اپنے نفس کی حمیت و غیرت سے نہ ماروں۔ اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو جب ایک شخص نے غصہ دلایا تو آپ نے فرمایا کہ اگر تو مجھ کو غصہ نہ دلاتا تو میں سزا دیتا۔

کینہ کیا ہے اور اس کا نتیجہ؟: جب آدمی غصہ کے وقت مجبوری انتقام نہیں لے سکتا اور غصہ پینا پڑتا ہے تو یہ باطن پر موثر ہو کر حقد بن جاتا ہے اور حقد کے معنی ہیں کہ کسی شے کو ثقیل اور گراں جاننا اور اس سے بغض اور نفرت کرنا اور وہ ہمیشہ دل کے ساتھ ہو اور یہ امر ممنوع ہے اور یہی کینہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المومن لیس بحقود (مومن حقود نہیں)۔

فائدہ: حقد غضب کا نتیجہ ہے اور اس سے آٹھ باتیں پیدا ہوتی ہیں:

1- حسد یعنی کینہ کے باعث اس بات کی تمنا ہو' دوسرے کے پاس سے نعمت جاتی رہے۔ اگر اس کو کچھ نعمت ملے تو اپنے آپ کو غم میں ڈالے۔ اگر اس پر مصیبت آجائے تو خوش ہو اور حسد منافقین کا کام اور اس کی برائی عنقریب لکھی جائے گی۔

2- زیادہ ہونا حسد کا باطن میں کہ ہر بلا جو غیر پر آئے' گلی دینے کو تیار رہے۔

3- دوسرے سے علیحدہ ہونا اور قطع کرنا۔ اگرچہ وہ ملنے کا طالب اور پاس آنے کا مائل ہو مگر خود اس سے دور رہنا۔

4- اس کو حقیر و ذلیل سمجھنا۔

5- اس کے متعلق کلمات ناجائز زبان پر لانا جیسے غیبت اور جھوٹ اور فاش کرنا راز کا اور پردہ دری وغیرہ۔

6- باتوں میں اس سے ٹھٹھہ اور تمسخر کرنا۔

7- اس کو مار وغیرہ سے ایذا جسمانی پہنچانا۔

8- اگر اس کا حق اپنے ذمہ ہو' اس کی ادائیگی سے باز رہنا مثلاً قرض نہ دینا یا صلہ رحمی بجا نہ لانا یا کوئی چیز اس کی دبائی ہوئی واپس نہ کرنا وغیرہ۔ یہ تمام آٹھوں امور حرام ہیں۔

مسئلہ : ادنیٰ کینہ کا درجہ یہ ہے کہ آدمی آٹھوں باتوں سے احتراز کرے اور اللہ کی بے فرمانی تک کی نوبت نہ پہنچے لیکن صرف دل میں دوسرے کو برا جانے یہاں تک کہ جیسے پہلے باتیں کیا کرتا تھا' وہ نہ کرے۔ مثلاً دیکھ کر خوش ہونا اور نرمی اور عنایت کرنا اور اس کی ضروریات کے وقت اس کے کام آنا اور اس کے ساتھ بیٹھ کر ذکر الٰہی کرنا اور اس کے منع میں مددگار ہونا۔ ان امور میں کوئی بجا نہ لائے یا صرف اس کے لیے دعا مانگے یا تعریف کرے یا ترغیب نیکی نہ کرے تو یہ باتیں ایسی ہیں کہ ان سے آدمی کا درجہ دین میں گھٹ جاتا ہے اور بڑے فضل اور ثواب کو مانع ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ مستحق عذاب ہو مثلاً حضرت ابوبکر ﷛ نے مسطح کے لیے قسم کھائی تھی کہ اس کو کچھ نہ دوں گا۔ یہ آپ کا رشتہ دار تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تہمت میں کچھ ملوث ہوا تھا' اس لیے حضرت ابوبکر ﷛ نے قسم کھائی تھی۔ جب یہ آیت اتری وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ (النور 22) ترجمہ کنزالایمان: اور قسم نہ کھائیں وہ جو تم میں فضیلت والے اور گنجائش والے ہیں اور قرابت والوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے کی اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں۔ کیا تم اسے دوست نہیں رکھتے کہ اللہ تمہاری بخشش کرے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ہم اللہ کی مغفرت کو دوست رکھتے ہیں اور پھر جو کچھ دیا کرتے تھے' وہ اسے بدستور دینے لگے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ بہتر یہ ہے کہ جیسے پہلے معاملات کیا کرتا تھا' ویسے آئندہ بدستور جاری رکھے۔ اگر کوشش کرکے شیطان کی مخالفت کی وجہ سے احسن سلوک کچھ زیادہ کردے تو یہ مقام و رتبہ صدیقین کا ہے بلکہ مقربین کے اعمال میں سے بڑھ کر ہے۔

کینہ ور کے احوال: کینہ ور کے تین احوال ہوتے ہیں:

1- جتنا حق کسی پر ہو' اتنا قدر بے کم و کاست دوسرے سے لے لے' اسے عدل کہتے ہیں۔
2- اپنا حق معاف کر کے اور زیادہ صلہ رحمی کرے' اس کا نام فضل ہے۔
3- اپنا حق نہ ہو' جبراً و ظلماً" لے لینا' اسے جور و ظلم کہتے ہیں اور یہ رذیلوں اور کمینوں کا کام ہے۔ امر اول صلحاء کے درجہ کا انتہائی مقام ہے اور امر دوم صدیقین کا طریقہ ہے۔

فضائل عفو و احسان: عفو کے معنی ہے کہ وہ حق جو دوسرے کے ذمہ ہو' اسے چھوڑ دینا۔ مثلاً قصاص یا قرض وغیرہ جو کسی کے ذمہ ہو' اس سے اسے بری کر دیا۔ اس کے بہت بڑے فضائل ہیں۔

قرآن مجید: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (الاعراف 199) (اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیرلو۔ (کنز الایمان)
فرمایا وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (اور تم درگزر کرو تو قریب کرو پرہیزگاری سے)۔

احادیث مبارکہ: حضور صلی اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ میں ان کے لیے قسم کھتا ہوں کہ وہ حق ہیں:
1- صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا صدقہ دینا چاہیے۔
2- اگر کوئی شخص اپنا حق صرف اللہ کے لیے چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے قیامت کو اس کی عزت بڑھائے گا۔
3- جو آدمی اپنے اوپر سوال کا دروازہ کھولتا ہے' اللہ تعالیٰ اس پر محتاج ہونے کا دروازہ کشادہ کرتا ہے۔

حدیث 2: التواضع لا یزید الا رفعنه فتواضعو یرفعکم اللّٰہ والعفولا یزید العبد الا اعزافاعضو یعزکم اللّٰہ والصدقة لا یزید ید المال الاکثرة تصد قوایر حمکم اللّٰہ (تواضع نہیں بڑھاتی بندہ کو مگر بلندی میں پس تواضع کرو اللہ تمہیں بلند کرے گا اور معاف کرنا نہیں بڑھاتا اللہ پر بندہ کو مگر عزت میں پس معاف کرو اللہ تعالیٰ تمہیں مدد دے گا' صدقہ نہیں زیادہ کرتا ہے مال میں مگر برکت اور کثرت پس صدقہ کرو' رحم کرے گا تم پر اللہ تعالیٰ)۔

حدیث 3: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی حقوق کا انتقام لیتے نہیں دیکھا۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ کے محارم میں سے کوئی ہتک نہ ہوتی۔ جب ایسا ہوتا تو سب سے زیادہ غصہ آپ کو آتا تھا اور جب کبھی دو باتوں کا آپ کو اختیار دیا جاتا تو دو باتوں میں سے جو آسان ہوتی' اسے اختیار کرتے بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہو۔

حدیث 4: حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا

تو نامعلوم میں نے آپ کا ہاتھ پہلے پکڑ لیا یا آپ نے میرا ہاتھ پہلے پکڑا اور یہ ارشاد فرمایا اے عقبہ دنیا و آخرت میں لوگوں کے اخلاق میں سے جو افضل ہیں' وہ یہ ہیں۔ تصل من قطعک و تعطی من حرمک و تعفوا عمن ظلمک (جو قطع رحمی کرے تم اس سے صلہ رحمی کرو' جو تجھ پر ظلم کرے تم اسے معاف فرماؤ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ حق میں عرض کیا کہ الٰہی بندوں میں سے تیرے نزدیک کونسا بندہ زیادہ عزیز تر ہے۔ ارشاد ہوا جو شخص قدرت کے ہوتے معاف کر دے۔

حضرت ابی دردا سے جب لوگوں نے پوچھا کہ سب سے زیادہ عزت کس کی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو قدرت کے باوجود معاف کر دے۔ تم بھی معاف کیا کرو' اللہ تمہیں عزت دے گا۔

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کسی پر حق کا دعویٰ کیا۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جا' اس سے مقصد یہ تھا کہ اس کا حق دلوا دیا جائے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ان المظلوبین هم المفلحون یوم القیامنه (قیامت میں فلاح پانے والے مظلوم ہی ہیں)۔ اس نے یہ حدیث سن کر اپنا حق معاف کر دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے من دعا علی من ظلمه فقد انتصر (جس سے حق لینا ہے' اس پر بددعا کرنا اپنا بدلہ لے لینا ہے)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا اذا ابعث اللہ الخلائق یوم القیمنه نادی منا ومن تحت العرش ثلاثه اصوات یا معشر الموحدین ان اللہ قدعفا عنکم فلیعف بعضکم عن بعض (جب اللہ تعالیٰ اس مخلوق کو قیامت میں اٹھائے گا تو عرش کے نیچے منادی تین بار آواز دے گا کہ اے موحدو اللہ نے تمہیں معاف کیا' تم بھی ایک دوسرے کو معاف کر دو)۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد کعبۃ اللہ تعالیٰ کا طواف کیا' پھر دوگانہ پڑھ کر کعبہ میں تشریف لے گئے اور چوکھٹ پکڑ کر قریش سے پوچھا کہ اب تمہارا میری نسبت کیا گمان ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم کہتے ہیں کہ آپ ہمارے برادری کے ایک فرد ہیں' رحیم ہیں۔ تین بار قریش نے یہی الفاظ دہرائے۔ آپ نے فرمایا کہ میں وہ کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے کہا تھا کہ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (یوسف 92) (کہا آج تم پر کچھ ملامت نہیں' اللہ تمہیں معاف کرے۔ وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔ (کنز الایمان)

راوی نے فرمایا کہ اس قول کو سن کر قریش ایسے نکلے جیسے قبروں میں سے نکلتے ہیں اور مسلمان ہو گئے۔

فائدہ: حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ اس قصہ کو یوں نقل فرماتے ہیں کہ جب آپ مکہ مکرمہ میں تشریف لائے تو لوگ آپ کے گرد ہی تھے۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ کعبہ کی چوکھٹ پر رکھ کر یہ دعا پڑھی لا الہ الا اللہ وحدہ' لا شریک لہ' صدق وعدہ' ونصر عبدہ' وهزم الاحذاب وحده (نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے' وہ واحد ہے' اس کا

کوئی شریک نہیں' اس نے اپنا وعدہ سچا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور جماعتوں کو بھگا دیا ہے)۔ پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے گروہ قریش تمہارا میری نسبت کیا خیال ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کو بہتر سمجھتے ہیں یعنی آپ ہماری برادری میں کریم ہیں اور رحیم رشتہ دار ہیں اور ہم سب آپ کے قبضہ میں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں وہ کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے کہا تھا۔ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ (الخ یوسف 92)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب قیامت میں بندے کھڑے ہوں گے' ایک منادی پکارے گا کہ جس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہو' وہ جنت میں داخل ہو۔ پوچھا جائے گا کہ ایسا کون ہے جس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہو' وہ کہے گا کہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دوسروں کو معاف کر دیا۔ پھر بہت سے لوگ حاضر ہو کر بے حساب جنت میں داخل ہوں گے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا ینبغی لو الی امر ان یوتی بحدا لا اقامنه واللہ عفو یحب العفو (کسی حاکم کو لائق نہیں بجز اس کے کہ اگر کوئی حد اس کے پاس فیصلہ میں پیش ہو تو اس کو قائم کرے۔ ہاں اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے اور عفو کو پسند فرماتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی والیعفوا والیصفحوا (اور چاہئے معاف کریں اور درگزر کریں)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین باتیں ایسی ہیں کہ جو کوئی ان کو ایمان سے ادا کرے تو جنت کے جس دروازے سے چاہے' چلا جائے اور حوروں میں سے جس سے چاہے نکاح کرے اور بہشت میں جہاں چاہے وہاں رہے۔

1- قرض پوشیدہ کو ادا کرے۔
2- سورہ اخلاص ہر نماز کے بعد دس بار پڑھے۔
3- قاتل کا خون معاف کر دے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ان میں سے کوئی ایک بجالائے' آپ نے فرمایا ایک ہی سہی۔

اقوال سلف صالحین: حضرت ابراہیم تیمی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مجھ پر ظلم کرتا ہے تو میں اس پر رحم کرتا ہوں کہ قیامت کو یہ بے چارہ اس ظلم کے باعث پکڑا جائے گا۔ اس سے مواخذہ و بازپرس ہوگی۔ اس سے کچھ جواب نہ بن پڑے گا۔

فائدہ: یہ درجہ عفو کا اچھا ہے۔ اسے صوفیہ کرام احسان کہتے ہیں۔

بعض اکابر کا قول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو تحفہ دینا چاہتا ہے تو اس پر ایسا شخص معین کر دیتا ہے جو ظلم کی وجہ سے ظالم کے حسنات مظلوم کے پاس آجاتے ہیں تو بلا عمل ان کو آجانا گویا اللہ کی طرف سے ہدیہ ہے۔

حکایت: کسی نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس آکر شکایت کی کہ مجھ پر فلاں شخص نے ظلم کیا ہے اور اس کو برا کہنا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا' اگر تو اللہ کے سامنے یہ ظلم جوں کا توں لے جائے تو اس سے بہتر ہے کہ اس کا بدلہ یہاں لے۔

حضرت یزید بن میسرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے ظالم کو کوستا ہے تو اللہ تعالیٰ مظلوم کو فرماتا ہے کہ جس پر تو نے ظلم کیا ہے' وہ تجھے کوس رہا ہے اور تو اپنے ظالم کو کوستا ہے۔ اگر تجھے منظور ہو تو ہم دونوں کی سنیں اور اگر چاہے تو قیامت تک تاخیر کرکے دونوں کو اپنے دامن عفو میں جگہ دیں۔

مسلم بن یسار رضی اللہ عنہ نے کسی سے کہا جس نے اپنے ظلم کرنے والے کو بددعا دی تھی کہ ظالم کا ظلم اسی کے حوالہ کر تیری بددعا سے پہلے اس کو لگے گی بشرطیکہ کسی کام عمدہ سے اس کا تدارک نہیں کیا گیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہمیں حدیث پہنچی ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ایک منادی کو حکم دے گا کہ پکار کہ جس کا اللہ کے پاس کوئی حق ہو' وہ کھڑا ہو تو اہل عفو کھڑے ہوں گے اور چونکہ انہوں نے لوگوں سے درگزر کیا ہوگا' اسی لیے اللہ تعالیٰ ان کے بدلہ میں ان سے درگزر فرمائے گا۔

حکایت: ہشام بن محمد کہتے ہیں کہ خلیفہ نعمان بن منذر کے ہاں دو شخص حاضر کیے گئے۔ ایک نے تو بڑی خطا کی تھی' اسے معاف کر دیا اور دوسرے نے معمولی کوتاہی کی تھی لیکن اسے سزا دی اور کہا تعفو الملوک عن العظیم من الذنوب بفضها وتقد تعاقب فی الیسیر والیس ذاک لجھا (بادشاہ جو بڑے جرائم اپنے فضل و احسان سے معاف کر دیتے اور معمولی سے جرم پر سزا دیتے ہیں تو بے خبری سے نہیں بلکہ ازارہ رعب و جاہ)

حکایت: مبارک بن فضالہ کہتے ہیں کہ سواء بن عبداللہ نے مجھے بصرہ والوں کے ساتھ ابو جعفر خلیفہ کے پاس بھیجا۔ میں ان کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک آدمی گرفتار ہو کر آیا۔ خلیفہ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ میرے سامنے اس بیچارے مسلمان کا خون ہوگا' پھر اس نے کہا اے امیرالمومنین میں ایک حدیث نقل کرتا ہوں۔ میں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے سنا ہے' کہا وہ کونسی حدیث ہے' میں نے کہا کہ جب قیامت کا دن ہوگا اور اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک ایسے میدان میں جمع کرے گا کہ دیکھنے والا ان کو دیکھ سکے اور پکارنے والے کی آواز سن جا سکے۔ پھر ایک پکارنے والا پکارے گا کہ جس کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق ہو' وہ کھڑا ہو تو سوائے معاف کرنے والوں کے اور کوئی نہیں اٹھے گا۔ اس کو سن کر ابو جعفر نے کہا کہ یہ حدیث تم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے سنی ہے۔ میں نے کہا بے شک میں نے ان سے سنی ہے۔ آپ نے کہا کہ میں نے اس مجرم کو معاف کر دیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم کو انتقام کا موقع نہ ملے تو حلم اور برداشت کرو اور جب موقع مل

جائے تو عفو اور احسان کرو۔

حکایت: ایک راہب نے ہشام بن عبدالمالک کے پاس آکر خلیفہ سے پوچھا' بتاؤ ذوالقرنین نبی تھے یا نہ؟ راہب نے کہا نبی تو تھے مگر جو وہ رتبہ انہیں ملا' وہ صرف ان چار عادات کی وجہ سے ملا۔

1- جب انتقام پر قدرت ہوتی تو معاف کر دیتے۔
2- وعدہ پورا کرتے۔
3- سچ بولتے۔
4- آج کا کام کل پر نہ چھوڑتے۔

بعض اکابر کا قول ہے کہ حلیم اس کا نام نہیں جو ظلم کے وقت چُپ رہے' پھر جب قدرت پائے تو بدلہ بلکہ حلیم وہ ہے کہ ظلم کے وقت حلم کرے اور قدرت کے وقت معاف کرے۔

زیاد کہتے ہیں کہ قدرت اور قابو پانا کینہ اور غصہ کو مٹا دیتا ہے۔

حکایت: ہشام بن عبدالمالک کے پاس ایک شخص گرفتار ہو کر آیا۔ وہ اپنی حجت بیان کرنے لگا' خلیفہ نے فرمایا تو بولتا ہے۔ اس نے کہا کہ امیرالمومنین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَوْمَ تَأْتِیْ کُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا (النحل 111) ترجمہ کنزالایمان: جس دن ہر جان اپنی ہی طرف جھگڑتی آئے گی۔ خلیفہ نے کہا' کہو جو کہتے ہو۔

حکایت: ایک چور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے خیمے میں گیا۔ جب اسے پکڑا گیا تو لوگوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالیئے۔ آپ نے فرمایا' نہیں میں اس کی پردہ پوشی کروں گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ میری پردہ پوشی فرمائے۔

حکایت: ایک دفعہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بازار میں کچھ سودا لے رہے تھے' دام دینے کے لیے عمامہ میں سے درہم نکالنے چاہے تو معلوم ہوا کہ کسی نے چرا لیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں جب تک یہاں آیا تھا' اس وقت تو موجود تھے۔ لوگ چور کو بددعا کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ الٰہی اگر اسے کوئی ضرورت تھی اور لے گیا ہے تو اس کو برکت دے اور آئندہ وہ ایسا نہ کرے۔

حکایت: حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خراسان کے ایک شخص کی بہ نسبت میں نے کوئی زائد امر نہیں دیکھا۔ وہ میرے ساتھ مسجد الحرام میں بیٹھا تھا تو طواف کو اٹھا۔ اس دوران کے اس کے دینار چوری ہو گئے' وہ رونے لگا۔ میں نے پوچھا کہ دیناروں کے لیے روتے ہو' اس نے کہا نہیں بلکہ اس وقت مجھے یہ تصور سامنے آگیا کہ میں اور چور اللہ کے سامنے موجود ہیں اور اس کی کوئی حجت نہیں کہ وہ پیش کرے' اسی لیے مجھے رحم آیا اور رو پڑا۔

حکایت: حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس وقت حکم بن ایوب بصرہ کے حاکم تھے۔ ہم ان کے گھر رات کو

گئے۔ حضرت حسن بھی خوفزدہ ہو کر آئے اور ہم اور وہ ایک ساتھ ہی ان کے پاس گئے مگر ہم حضرت حسن کے ساتھ بچے سے معلوم ہوتے تھے۔ حضرت حسن نے حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان کیا کہ بھائیوں نے انہیں بیچ دیا اور کنوئیں میں بھی ڈالا اور نامعلوم کیا کیا سلوک کیا۔ ہاں انہوں نے بھائی کو تو بیچا اور باپ کو رنج کیا' پھر عورتوں جیسے مکر میں مبتلا ہوئے مگر اللہ تعالیٰ نے ان سب سے احسان کیا کہ سب سے زیادہ ذی ثروت و عزت بنایا اور انہیں کا بول بالا رہا اور زمین کے خزانوں کا مالک کر دیا۔ ان سب باتوں کے بعد جب حکومت پوری ہو گئی اور گھربار سب وہاں آ گئے یہ ارشاد فرمایا قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (سورہ یوسف 92 - ترجمہ کنزالایمان الخ) ترجمہ: کہا آج تم پر کچھ ملامت نہیں۔ اللہ تمہیں معاف کرے وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

فائدہ: اس قصہ سے غرض یہ تھی کہ حکم بن ایوب بھی ان کے ساتھیوں کو معاف کر دیں۔ پس یہ قصہ سن کر حکم بن ایوب نے کہا کہ میں بھی یہی کہتا ہوں کہ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (الخ) (اگر میرے پاس بدن کے کپڑوں کے سوا اور کچھ ہوتا تو میں انہیں میں تم کو چھپا لیتا)۔

حکایت: ابن مقنع نے کسی اپنے دوست کو کسی بھائی کی سفارش کا خط لکھا۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ فلاں شخص اپنے قصور کا اعتراف کر کے تمہاری عفو کا خواہاں ہے اور تمہارے غصہ سے ڈر کر تمہاری پناہ چاہتا ہے اور معلوم رہے جتنا گناہ بڑا ہوتا ہے' اتنا ہی عفو کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے۔

حکایت: عبدالملک بن مروان کے پاس جب ابن اشعث کے قیدی آئے تو رجا بن حیوۃ سے خلیفہ نے ان کے بارے میں مشورہ کیا۔ اس نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز تم کو پسند تھی' عطا فرمائی یعنی فتح عنایت فرمائی۔ اس کے عوض میں جو اسے پسند ہے' وہ تم کرو یعنی اللہ تعالیٰ عفو کو پسند کرتا ہے تو تم بھی معاف کر دو۔ یہ سن کر اس نے تمام قیدیوں کا قصور معاف کر دیا۔

حکایت: زیاد نے ایک خارجی کو پکڑا۔ اتفاقاً" وہ بھاگ گیا۔ زیاد نے اس کے بھائی کو پکڑ لیا اور کہا کہ اپنے بھائی کو حاضر کرو ورنہ میں تجھے قتل کروں گا۔ اس نے کہا اگر امیر المومنین کو مضبوط دلیل لا دوں' تب تو چھوڑ دو گے؟ کہا ہاں۔ اس نے کہا کہ میں عزیز اللہ حکیم کا حکم سناؤں اور اس پر دو پیغمبروں کی گواہی پیش کرتا ہوں۔ اس نے یہ آیت پڑھی اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (النجم 36) ترجمہ کنزالایمان: کیا اسے اس کی خبر نہ آئی جو صحیفوں میں ہے موسیٰ کے اور ابراہیم کے جو احکام پورے بجا لایا کہ کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری کا بوجھ نہیں اٹھاتی۔ زیاد نے کہا کہ اسے چھوڑ دو' اس کی دلیل خوب ہے۔

فائدہ: انجیل میں مذکور ہے "جو اپنے ظالم کے لیے مغفرت کی دعا کرے' شیطان اس سے بھاگتا ہے۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عفو کا تتمہ نرمی سے کیا جائے۔"

فضیلت نرمی: نرمی کا مقابل تیزی اور ناک چڑھانا ہے۔ نرمی ایک عمدہ صفت ہے جو حسن خلق کا نتیجہ ہے اور اس کے برعکس تیزی غصہ اور سختی کا نتیجہ ہے اور کبھی تو تیزی غصہ سے ہوتی ہے اور کبھی شدت حرص اوراس کے غلبہ سے ہوتی ہے کہ اس میں انسان کو سمجھ نہیں رہتی' اسی لیے استقلال جاتا رہتا ہے مگر نرمی بہرحال نرمی حسن خلق کا نتیجہ ہے اور حسن خلق جب میسر ہوتا ہے کہ قوت غضب اور قوت شہوت کو حد اعتدال پر روکا جائے' اسی بنا پر رفق یعنی نرمی کی تعریف میں احادیث مبارکہ میں بہت تاکید ہے۔

1- حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یاعائشہ اله من اعصی حظه من الرفق فقد اعطی حظه من خیر الدنیا والاخرۃ ومن حرم حظه من الرفق فقد حرم حظه من خیر الدنیا والاخرۃ (اے عائشہ جسے نرمی سے کچھ حصہ نصیب ہے' اسے دنیا و آخرت کی برکت نصیب ہے اور جسے نرمی سے محرومی ہے' اسے دنیا و آخرت کی برکت سے محرومی ہے)۔

2- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا رحب اللّٰہ اہل بیت دخل علیهم الرفق (جب اللہ تعالیٰ کسی گھرانے سے محبت کرتا ہے تو ان پر نرمی داخل فرماتا ہے)۔

3- نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نرمی پر جو عطا فرماتا ہے' سختی پر نہیں دیتا۔ جب اللہ تعالیٰ بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے نرمی عطا فرماتا ہے۔ جو گھرانہ نرمی سے محروم ہو' وہ محبت الٰہی سے محروم ہے)۔

4- سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ فرماتی ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ رفیق ہے اور رفق کو پسند کرتا ہے۔ وہ جو کچھ نرمی پر عطا فرماتا ہے' سختی پر نہیں فرماتا۔

5- حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو فرمایا کہ اے عائشہ نرمی کیا کرو' اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی خاندان کو بزرگی چاہتا ہے تو ان کو نرمی کی راہ سمجھا دیتا ہے۔

6- حدیث میں ہے من یحرم الرفق یحرم الخیر کله (جس کو ملائمت نہ ملی' وہ بالکل خیر سے محروم ہوا۔

7- فرمایا کہ جو حاکم اپنے عہدے میں نرمی برتے گا' اس کے ساتھ قیامت میں سہولت برتی جائے گی۔

8- فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ دوزخ کن لوگوں پر حرام ہے۔ کل هین لین سهل قریب (ہر سہولت والے نرم آسانی والے قریب پر) اور فرمایا لرفق یمن والخرق مشوم (نرمی برکت ہے اور سختی نحوست ہے)۔

9- فرمایا التانی من اللّٰہ والعجلته من الشیطان (تاخیر اللہ تعالیٰ سے ہے اور عجلت شیطان سے ہے)۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمان تو اللہ تعالیٰ کی عنایت سے آپ سے مستفید ہوتے ہیں' کوئی عمدہ بات میرے

لیے بھی عنایت فرمائیں۔ آپ نے دو یا تین بار الحمد للہ فرما کر اس کی طرف متوجہ ہوئے اور دو یا تین بار پوچھا کہ تو ہی نصیحت چاہتا ہے۔ اس نے عرض کیا ہاں آپ نے فرمایا کہ جب تو کسی کام کا ارادہ کرے تو اس کا انجام سوچ لیا کر اگر اچھا ہو تو اس پر عمل کرو ورنہ باز رہا کرو۔

10 - ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں اور ان کی سواری میں ایک اونٹ شوخ تھا تو اس کو کبھی دائیں کبھی بائیں طرف پھراتی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ سہولت اور نرم کر یہ ایسی شے ہے کہ جس چیز میں برتو اس کی زینت ہو جائے اور جس میں نہ ہو اس کو معیوب کر دے۔

اقوال اسلاف صالحین: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی کہ بعض حاکم ظلم کرتے ہیں۔ آپ نے انہیں طلب فرمایا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ اے رعیت ہمارا حق تم پر یہ ہے کہ غائبانہ خیر خواہی کرو اور اچھی بات پر مددگار رہو اور اے حاکمو! رعیت کا تم پر حق ہے، جان لو کہ جیسے نرمی اور اس کا علم اللہ کو پسند ہے۔ ویسے کوئی علم اسے محبوب نہیں۔ اسی طرح کوئی چیز اللہ کے نزدیک حاکم کے ظلم و جہل سے بری نہیں اور یہ بھی جان لو کہ جو شخص اپنے ساتھ والوں کو عافیت سے رکھتا ہے، اسے غائبانہ لوگوں کی طرف سے بھی عافیت اور آسائش پہنچتی ہے۔

2 - حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نرمی حلم کا ہم پلہ ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ علم مومن کا جانی دوست ہے اور حلم اس کا وزیر اور عقل رہنما اور عملی سربراہ اور رفق اس کا باپ اور نرمی بھائی اور صبر سپہ سالار ہے۔

3 - بعض اکابر کا فرمان ہے کہ علم ایمان کو کیا خوب زینت دیتا ہے اور اس علم کا تو کیا پوچھنا ہے جسے عمل سے زیبائش ہو اور کتنا خوب وہ عمل ہے جس کی آراستگی نرمی سے ہو، بہرحال جیسا علم اور حلم کا درجہ ہے، ایسا کوئی نہیں۔

4 - حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ سے سوال کیا کہ نرمی کیا چیز ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جب کوئی حاکم ہو تو عاملوں سے نرمی کرے۔ انہوں نے پوچھا کہ خرق یعنی جہالت و سختی کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حاکم سے اور ایسے لوگوں سے جن کو ضرر پہنچانے کا اختیار ہو، عداوت و دشمنی رکھنا۔

5 - حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ نے اپنے دوستوں سے پوچھا کہ نرمی کیا شے ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ ہی فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہر ایک امر کو اس کے موقع و مقام پر برتنا شدت کی جگہ شدت اور نرمی کی جگہ نرمی۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ نرمی کے ساتھ سختی کی ملاوٹ بھی ضروری چاہیے۔

خلاصہ: اخلاق [illegible] طبیعت سختی کی طرف زیادہ

مائل ہے' اس وجہ سے غایت درجہ کی نرمی ضروری ہے' اسی لیے شرع میں نرمی کی بہت بڑی تعریف آئی ہے۔ شریعت میں سختی کی تعریف نہیں پائی جاتی۔ اگرچہ اپنے موقع پر حسب مصلحت دونوں اچھی ہیں مگر جس جگہ ضروری ہوتی ہے' وہاں حق بات ہوائے نفسانی میں مل جاتی ہے تو گھی اور شکر سے بھی زیادہ مزہ ہوتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا بھی اسی طرح فرمان ہے۔ مروی ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور اس میں ان پر اس کا عتاب تھا کہ تم تاخیر و سستی بہت کرتے ہو۔ انہوں نے اس کے جواب میں لکھا کہ امر خیر میں سوچ اور فکر سے بہتری اور ہدایت بہت زیادہ ہوتی ہے اور ہدایت یافتہ وہی شخص ہے جو جلدی کو چھوڑ کر راہ راست پر آئے اور محروم وہ ہے جو وقار سے محروم رہے اور مستقل آدمی ہمیشہ ثواب کو پہنچتا ہے اور جلد باز سے ہمیشہ بھول چوک ہو جاتی ہے۔ نرمی سے نقصان نہیں ہوتا' حماقت سے نقصان ہوتا ہے اور جو تجربوں سے مستفید نہیں ہوتا' وہ بلند مرتبہ نہیں پا سکتا۔

ابو عون انصاری فرماتے ہیں کہ جو کلمات سخت آپس میں بولتے ہیں' ان کے ساتھ ہی ایسے بھی الفاظ ہوتے ہیں کہ اسی مطلب کو فائدہ پہنچائیں اور ان کی نسبت نرم ہوں۔

ابو حمزہ کوفی فرماتے ہیں کہ کاروبار میں آدمی کو حاجت سے زیادہ دیر نہ رکھا جائے' اسی لیے کہ ہر ایک آدمی کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے۔

فائدہ: یاد رہے کہ سختی سے لوگ اتنا کام نہیں کرتے جتنا نرمی سے کرتے ہیں۔

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ مومن متین ہوتا ہے اور ٹھہر ٹھہر کر کام کرتا ہے۔ رات کی لکڑی جمع کرنے والے کی طرح نہیں ہوتا کہ جو ہاتھ میں آیا' خاک بھس وغیرہ جمع کر لیا۔ علماء کرام نے نرمی کی اس قدر تعریف اس لیے کی ہے کہ یہ ایک اچھی چیز اور اکثر اوقات کار آمد ہے اور سختی کی کبھی شاذو نادر ضرورت پڑتی ہے۔ کامل انسان وہی ہے جو سختی نرمی کا موقع پہچانے اور ہر ایک کام جو مناسب ہو' بجالائے لیکن اگر اس کی بصیرت میں قصور ہو یا معلوم نہ ہو کہ فلاں مقدمہ میں کیا کرنا چاہئے تو چاہئے کہ نرمی کی طرف مائل ہو۔ اسی لیے غالباً فلاح اس میں ہوتی ہے۔

فائدہ: نرمی کی بحث کے بعد اب حسد کی برائی اور اس کی حقیقت و اسباب اور علاج بیان کیا جاتا ہے کیونکہ اس کا دور کرنا نہایت ضروری ہے۔

مذمت حسد: حسد بھی کینہ کی ایک شاخ ہے اور کینہ غصہ کی شاخ ہے تو حسد غصہ کی شاخ در شاخ ہوئی اور غصہ اصل الاصول ٹھہرا۔ پھر حسد میں اتنی بڑی شاخیں پھیلتی ہیں کہ جن کا شمار بھی نہیں ہو سکتا اور اس کی مذمت میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔

احادیث مبارکہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الحسد یا کل الحسنات کما تا کل النار

الحطب (حسد نیکیوں کو ایسے کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو)۔

(2) ایک حدیث میں حسد اور اس کے نتائج و اسباب سے منع کرنے میں فرمایا لاتحاسدوا ولا تقاطعوا ولا تباغضوا ولا تدابروا کونوا عباد اللہ اخوانا (آپس میں حسد نہ کرو' نہ ایک دوسرے سے ملنا چھوڑو' نہ بغض کرو' نہ ناتا چھوڑو اور اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی ہو جاؤ)۔

حکایت: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ آپ نے فرمایا کہ اب ایک آدمی جنتی تمہارے سامنے آئے گا۔ تھوڑی دیر بعد ایک انصاری بائیں ہاتھ میں جوتے لیے داڑھی میں سے وضو کا پانی ٹپکتا ہوا نمودار ہوا اور السلام علیکم کہا۔ دوسرے دن پھر آپ نے وہی کلمات فرمائے۔ اس دن بھی وہی شخص آیا' تیسرے دن بھی یہی واقعہ گزرا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم نے اس شخص سے کہا کہ مجھ میں اور میرے باپ میں تکرار ہو گئی ہے۔ اس پر میں نے قسم کھائی ہے کہ تین دن اس کے پاس نہ جاؤں گا۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں دن تک آپ کے مکان میں سو رہا کروں۔ انہوں نے کہا' کوئی حرج نہیں۔ حضرت عبداللہ تین رات ان کے گھر میں سوئے تو دیکھا کہ وہ رات کو نہیں اٹھتے بجز اس کے کہ ہر کروٹ پر ذکر الٰہی کر لیتے اور صبح کی نماز کے وقت بستر سے نہ اٹھے۔ ہاں اتنا معلوم ہوا جب کوئی کلمہ کہا تو بہتر ہی کہا۔ جب تین دن گزر گئے تو حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں ان کے عمل کی کوئی وقعت نظر نہ آئی اور اس کا تھوڑا سا عمل محسوس کیا تھا تو میں نے ان سے کہا کہ اے بندہ خدا مجھ سے اور میرے باپ میں کوئی ناراضگی نہیں تھی لیکن میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے تمہاری شان میں نیک کلمات سنے تھے' اسی لیے یہ مقصد تھا کہ دیکھوں کہ تم کیا عمل کرتے ہو۔ فرمایئے کہ یہ درجہ کس طرح ملا؟ انہوں نے فرمایا کہ یہی ہے جو تم نے دیکھا۔ میں ان سے چلا گیا۔ جب تھوڑی دور گیا تو انہوں نے مجھے بلا کر کہا کہ بھائی عمل تو یہی ہے جو تم نے دیکھا مگر اتنی بات ہے کہ جو شے اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو عطا فرماتا ہے' اس پر میرے دل میں کوئی کدورت اور حسد نہیں ہوتا۔ میں نے کہا کہ بس یہی ہے جس سے تم کو رتبہ ملا' یہ بات ہم سے نہیں ہو سکتی۔

حدیث میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جس سے کوئی خالی نہیں:

1- بدظن 2- بدفالی 3- حسد

ان سے نجات کی صورت بھی بتائے دیتا ہوں کہ جب کوئی بدگمانی دل میں گزرے تو اس کو صحیح نہ جاننا چاہیے اور جب تمہیں خیال بد ہو تو اپنا کام کیے جاؤ اور جب حسد آئے تو خواہش نہ کرو۔

روایت میں ہے کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ بہت کم کوئی اس سے خالی ہو گا۔ اس روایت میں امکان حسد سے

خالی ہونے کا پایا جاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مرض تم میں سے پہلی امتوں کا چلا آیا ہے یعنی حسد اور بغض اور بغض مونڈنے والی چیز ہے اور اس سے یہ غرض نہیں کہ بال مونڈتی ہے بلکہ دین کی صفائی کرتی ہے۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری (ﷺ) جان ہے کہ تم جنت میں ہرگز داخل نہ ہو گے جب تک مومن نہ ہو گے اور مومن نہ ہو گے جب تک آپس میں دوست نہ بنو گے اور میں تمہیں ایسی بات بتاتا ہوں جس سے تمہاری دوستی کی بنا مستحکم ہو۔ وہ یہ ہے کہ آپس میں طریقہ اسلام کو خوب رائج کرو۔

فرمایا کاد الفقران یکون کفر اوکا الحسد ان یغلب القدر (قریب ہے کہ فقیری کفر ہو جائے اور حسد تقدیر پر غالب آجائے)۔

فرمایا کہ عنقریب میری امت میں دیگر امتوں کا مرض پھیلے گا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ان امتوں کا مرض کیا ہے؟ فرمایا الاشرو البطرو التکاثر والتنافس فی الدنیا والتباعد والتحاسدا حتی یکونوالبغی ثم یکون الھرج (بڑائی کرنا اور اترانا اور مال کی زیادہ طلبی اور دنیا کا حرص اور ایک دوسرے سے دوری چاہنا اور آپس میں حسد کرنا یہاں تک کہ سرکشی ہو جائے' پھر فتنہ ہو گا۔

فرمایا لا تظھر الشماتۃ لا خیک فیعافیہ اللہ ویبتلیک (اپنے بھائی کی برائی ظاہر نہ کرو ورنہ اس کو اللہ بچائے گا اور تجھے مبتلا کرے گا)۔

حکایت: حضرت موسیٰ علیہ السلام جب پروردگار عالم سے کوہ طور پر باتیں کرنے گئے تو ایک آدمی کو عرش کے سایہ میں دیکھا۔ دل میں اس کے مرتبہ سے رشک کیا کہ یہ مرتبہ مجھے بھی ملتا۔ جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ اس کا نام مجھے بتلا دیا جائے۔ حکم ہوا کہ نام سے کیا غرض' ہاں اس کا کام بتلایا جاتا ہے۔ یہ تین کام کرتا تھا

1- لوگوں پر انعام اللہ (عزوجل) دیکھ کر حسد نہیں کرتا تھا۔
2- ماں باپ کی بے فرمانی نہیں کرتا تھا۔
3- لوگوں کی چغلی ایک دوسرے سے نہیں کھاتا تھا۔

حضرت زکریا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے کہ حاسد میری نعمت کا دشمن ہے کہ میرے دشمن پر غصہ کرتا ہے اور جو کچھ میں نے لوگوں کے حق میں مقرر کر دیا ہے' اس پر راضی نہیں ہوتا۔

حدیث میں ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے زیادہ خوف اپنی امت میں اس بات کا ہے کہ ان کے پاس مال کی کثرت ہو اور وہ آپس میں حسد کرکے کشت و خون کریں۔

فرمایا استعینوا علی قضاء الحوائج بالکتھان فان کل ذی نعمنہ محسود (چھپانے کو حاجات پورا کرنے مدد چاہو' اس لیے کہ ہر نعمت والے سے حسد ہوتا ہے)۔

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے دشمن ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا' وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ جو لوگوں پر نعمت دیکھ کر حسد کرتے ہیں۔

فرمایا کہ چند آدمی حساب سے پہلے ہی چھ چیزوں کے سبب دوزخ میں جائیں گے۔ لوگوں نے عرض کیا' وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ امیر ظلم کی وجہ سے اور غریب عصبیت یعنی اصرار بے جا کے سبب سے اور دہقان تکبر کی وجہ سے اور تاجر خیانت کی وجہ سے اور دیہاتی جہالت کی وجہ سے اور علماء حسد کی وجہ سے۔ (دیہاتی سے مراد وہ ہے جسے دینی امور سے بالکل بے خبری ہو اور نہ وہ اس طرف توجہ دے۔ اویسی غفرلہ)

اقوال سلف صالحین: پہلی خطا جو واقع ہوئی تھی' وہ حسد تھی یعنی ابلیس لعین نے حضرت آدم علیہ السلام کے مرتبہ پر حسد کر کے سجدہ سے انکار کیا اور صرف حسد ہی کی وجہ سے تھا' پھر وہ اللہ تعالیٰ کی بے فرمانی میں مبتلا ہوا۔

روایت میں ہے کہ عون بن عبداللہ فضل بن مہلب کے پاس اس دور میں تشریف لے گئے جب وہ واسط (نام شہر) کے حاکم تھے اور کہا کہ میں ایک نصیحت کرتا ہوں' کہا فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ تکبر سے بچنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی پہلی بے فرمانی اسی کی وجہ سے ہوئی۔ چنانچہ اس کی تصدیق کلام مجید میں ہے۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (البقرہ پ34) ترجمہ کنزالایمان: اور (یاد) کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔

حرص سے دور رہنا اس لیے کہ حرص وہ بلا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جب خداوند کریم نے جنت میں جگہ دی' جس کا عرض آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے اور سب چیزوں کے کھانے کی اجازت دی' صرف ایک درخت سے منع کر دیا تو انہوں نے اس سے کھایا اور جنت سے نکالے گئے۔ حکم ہوا کہ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (البقرہ پ ع) ترجمہ: ہم نے فرمایا نیچے اترو آپس میں ایک تمہارا دوسرے کا دشمن۔ (کنز الایمان)

حسد سے بچنا' یہ وہ چیز ہے کہ قابیل نے اسی وجہ سے ہابیل کو قتل کیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ (المائدہ پ27) ترجمہ کنزالایمان (اور انہیں پڑھ کر سناؤ آدم کے دو بیٹوں کی سچی خبر جب دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی تو ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی' بولا قسم ہے میں تجھے قتل کروں گا۔(کنز الایمان)

اور ایک اور بات یہ ہے کہ جب صحابہ کرام کا ذکر ہو تو سکوت کرنا اور تقدیر اور نجوم کے ذکر کے وقت بھی سکوت کرنا۔

حکایت: بکر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کسی بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر یہ جملہ کہا کرتا تھا کہ محسن کے احسان کے بدلہ میں اس کے ساتھ سلوک کرنا چاہئے کیونکہ بدی کرنے والے کو تو خود اس کی بدی ہی کفایت کرے گی۔ اس شخص پر اس کے مرتبہ پر ایک شخص کو حسد ہوا' یہاں تک کہ بادشاہ سے اس کی چغلی کھائی کہ جو آدمی آپ

کے سامنے کھڑا ہوتا ہے' وہ آپ کی بدبو سے نفرت کرتا ہے' تجربہ کر لیجئے۔ اسے اپنے پاس بلوایئے۔ جب قریب آئے گا تو اپنی ناک بند کر لے گا تاکہ بدبو نہ آئے۔ بادشاہ نے کہا' ہم اس کا امتحان لیں گے۔ ادھر بادشاہ سے تو یہ کہہ گیا' ادھر اس شخص کی دعوت کر کے ایسا کھانا کھلایا جس میں بہت سا لہسن تھا۔ اب دربار کا وقت آگیا۔ وہ شخص حسب دستور بادشاہ کے سامنے جا کھڑا ہوا اور وہی جملہ کہا۔ بادشاہ نے اس کو اپنے پاس بلایا۔ اس نے اس خوف سے کہ کہیں بادشاہ کو میرے منہ لہسن کی بدبو نہ آئے' اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر پاس گیا۔ بادشاہ کو گمان ہوا کہ کل جو فلاں شخص اس کی نسبت کچھ کہہ گیا تھا' وہ صحیح ہے۔ اسی وقت اپنے ایک عامل کو خط مع دستخط خاص سے لکھا کہ جب حامل خط تمہارے پاس آئے' اسے قتل کر کے اس کے چمڑے میں بھس بھروا کر ہمارے پاس بھیج دینا اور خط اس شخص کے حوالہ کیا کہ فلاں عامل کے پاس لے جا۔ یہ شخص خط لے کر دربار سے نکلا اور اس بادشاہ کا دستور تھا کہ خط دستخطی خاص صرف انعام اور خلعت کے لیے لکھا کرتا تھا۔ راستہ میں وہ حاسد ملا' اس کے ہاتھ میں خط دیکھ کر پوچھا کہ یہ خط کیسا ہے۔ اس نے کہا کہ فلاں عامل کے نام دستخطی خاص سے یہ خط ہے' اس کے پاس جا رہا ہوں۔ اس نے سمجھا کہ ضرور اس میں انعام وغیرہ کا لکھا ہوگا۔ اس نے اس سے کہا کہ یہ خط مجھے دے' میں لے جاؤں۔ اس نے کہا کہ میں نے تجھ کو ہبہ کیا۔ جب رقعہ لے کر وہ عامل کے پاس گیا' اس نے پڑھ کر کہا کہ لکھا ہوا کہ خط کے حامل کو قتل کر کے اور کھال کھچوا کر اس میں بھس بھر کر بادشاہ کی خدمت میں بھیج دو۔ وہ سن کر بہت گھبرایا اور کہنے لگا۔ اس کا اصلی حامل اور شخص ہے' میں نہیں ہوں۔ اللہ کے لیے مجھے یہ خط دے دو کہ میں بادشاہ کے پاس واپس لے جاؤں۔ عامل نے کہا بادشاہ کا خط واپس نہیں ہو سکتا۔ پھر اسے ذبح کر کے چمڑا اتروا کر بادشاہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ اب اس خط والے کا حال سنئے کہ وہ بدستور وقت مقررہ پر پھر بادشاہ کے سامنے گیا اور جو جملہ کہا کرتا تھا' وہی کہا۔ بادشاہ نے حیران ہو کر پوچھا کہ خط کا کیا ہوا؟ اس نے عرض کیا کہ راستہ میں مجھے فلاں شخص ملا۔ اس نے مجھ سے مانگا' میں نے اس کو ہبہ کر دیا۔ بادشاہ نے کہا کہ وہ یوں کہتا تھا کہ تم مجھ کو گندہ دہن کہتا پھرتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے ہرگز نہیں کہا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ پھر جب میں نے تمہیں اپنے پاس بلایا تھا تو تو نے اپنا ہاتھ منہ پر کیوں رکھ لیا تھا؟ اس نے کہا کہ اسی نے مجھے ایسا کھانا کھلا دیا تھا جس میں لہسن تھا۔ میں نے منہ اس لیے بند کیا تھا کہ جناب کو لہسن کی بدبو محسوس نہ ہو۔ بادشاہ نے کہا کہ چلو تو اپنا کام کر' برائی کرنے والے کو اس کی برائی تیری طرف سے کفایت کر گئی۔

حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے امر دنیا کے لیے کسی پر حسد نہیں کیا' اس لیے کہ اگر وہ شخص اہل جنت میں سے ہے تو دنیا پر اس سے کیا حسد کروں۔ جنت میں دنیا کی کیا قدر ہے۔ اگر وہ دوزخی ہے تو دنیا میں اس کا حسد فضول ہے' اس لیے کہ اس کا انجام دوزخ ہے۔

ایک شخص نے حضرت حسن سے پوچھا کہ مومن حسد بھی کیا کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا' کیا حضرت یعقوب علیہ

السلام کے بیٹوں کا حال بھول گئے؟ مومن حسد کرتا ہے لیکن چاہئے کہ سینہ ہی میں اس کو پوشیدہ رکھے' اس لیے کہ جب ہاتھ و زبان سے کچھ زیادتی نہ کرے گا تو حسد سے کچھ نقصان نہیں ہوگا۔

حضرت ابو درداؓ فرماتے ہیں کہ جو انسان کثرت سے موت کو یاد کرے گا' اس کی ہنسی اور حسد دونوں کم ہو جائیں گے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تمام آدمیوں کو راضی کرنے پر قدرت رکھتا ہوں مگر حاسد کہ وہ اسی لیے کہا گیا ہے:۔ کل العداوات قد ترجی اماتتہا الا عداوۃ من عاداک من حسد (تمام عداوتوں کا مٹنا ناممکن ہے' سوائے اس عداوت کے جو حسد کی وجہ سے ہو)۔ زوال نعمت کے بغیر راضی نہیں ہوتا۔

بعض سلف صالحین کا قول ہے کہ حسد ایک زخم ہے کہ کبھی نہیں بھرتا اور جو کچھ حاسد پر گزرتا ہے' اس کو وہی کافی ہے۔

ایک اعرابی کا قول ہے کہ میں نے کسی ظالم کو مظلوم کے مشابہ سوائے حاسد نہیں دیکھا کہ جب دوسرے کی نعمت دیکھتا ہے گویا اسے چھریاں لگتی ہیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آدمی دوسرے پر حسد کیوں کرتا ہے اور اگر اس کو اللہ تعالیٰ نے لائق سمجھ کر نعمت دی ہے تو جسے اللہ تعالیٰ بزرگی دے تو کیا اس پر حسد ضروری ہے۔ اگر کچھ اور معاملہ ہے تو ایسے شخص پر کیا حسد کرنا چاہئے جس کا مال دوزخ ہو۔

بعض اکابر کا قول ہے کہ حاسد کو مجلسوں میں تو ذلت اور مذمت ملتی ہے اور فرشتوں سے بغض و لعنت اور مخلوق سے غم و غصہ اور نزع میں ہول و شدت اور قیامت میں عذاب و رسوائی۔

حقیقت حسد اور اس کے اقسام' احکام: ظاہر ہے کہ حسد نعمت پر ہی ہوا کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر کوئی نعمت عطا فرمادے تو دوسرے کے دو حال ہوتے ہیں۔

1- وہ نعمت اس کو بری معلوم ہو اور یوں چاہے کہ اس کے پاس نہ رہے۔ اسی حالت کا نام حسد ہے اور اس بیان سے معلوم ہوا کہ حسد کی تعریف و حقیقت یہ ہے کہ دوسرے کی نعمت کو برا جاننا اور اس کے پاس سے مٹ جانے کا خواہاں ہونا۔

2- نہ تو وہ نعمت بری معلوم ہو اور نہ اس کے زوال کا خواہاں ہو بلکہ یوں دل چاہے کہ ایسی نعمت مجھے بھی ملے۔ اس کا نام غبطہ (رشک) اور رغبت ہے اور کبھی رغبت اور حسد ایک دوسرے کی جگہ لے جاتے ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المومن یغبط و المنافق یحسد (مومن غبط کرتا ہے اور منافق حسد کرتا ہے' حسد تو ہر حال میں حرام ہے)۔

مسئلہ: ایسی نعمت پر جو کسی فاجر یا کافر کے ہاتھ لگی ہو اور وہ اس سے فتنہ فساد اور ایذا رسانی کرتا ہو تو ایسی نعمت کو اس شخص پر برا جاننا اور اس کے زوال کا خواہاں ہونا کوئی گناہ نہیں' اس لیے کہ خود نعمت پر تو حسد نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ فتنہ و فساد کا سامان ہے۔ اگر اس سے وہ فساد و فتنہ نہ کرے تو کچھ بھی برا معلوم نہ ہو۔

فائدہ: حسد کی حرمت میں جو حدیثیں وارد ہیں' ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ان سے صاف ظاہر ہے کہ حسد کا حکم حرمت ہی ہے۔ علاوہ ازیں گویا دوسرے کی نعمت کو برا جاننا اللہ تعالیٰ کے حکم سے غصہ کرنا ہے کہ اپنے بعض بندوں کو بعض پر فضیلت کیوں دی؟ یہ ایک ایسی بات ہے اس کے لیے نہ کوئی عذر ہے کہ اس سے خدائی احکام پر رضامندی ظاہر نہ کی جائے اور نہ اس کی اجازت ہے۔

فائدہ: غور کیجئے کہ اس سے بڑھ کر کون سا گناہ ہوگا کہ کسی مسلمان کی راحت بری محسوس ہو حالانکہ اس میں کچھ ضرر نہ ہو۔ اللہ جل شانہ نے بھی حسد کی بکثرت مذمت فرمائی ہے۔ مثلاً ارشاد فرمایا اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا (اگر تم کو ملے کچھ بھلائی بری لگے ان کو اگر تم پر پہنچے برائی خوش ہوں اس سے)۔

فائدہ: خوشی و شماتت و حسد لازم و ملزوم ہیں۔

ارشاد فرمایا وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ (البقرہ 109) ترجمہ کنزالایمان: بہت کتابیوں نے چاہا کاش! تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں اپنے دلوں کی جلن سے۔

فائدہ: اس میں یہ بتلایا کہ کفار جو زوال نعمت ایمان چاہتے ہیں' حسد کے سبب سے ہے۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً (النساء 89) ترجمہ کنزالایمان: وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ کہیں تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے تو تم سب ایک سے ہو جاؤ۔

حضرت یوسف کے بھائیوں کا حسد جہاں ذکر فرمایا ہے تو ان کے دل کی بات کو یوں فرمایا اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۚ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ (الیوسف 8-9) ترجمہ کنزالایمان: جب بولے کہ ضرور یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں اور ہم ایک جماعت ہیں بے شک ہمارے باپ صراحۃً ان کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں یوسف کو مار ڈالو یا کہیں زمین میں پھینک آؤ کہ تمہارے باپ کا منہ صرف تمہاری ہی طرف رہے۔

فائدہ: جب باپ کی محبت حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ بھائیوں کو اچھی معلوم نہ ہوئی تو اس کے زوال کی فکر کرکے

ان) کو ان کی نظروں سے غائب کر دیا اور فرمایا وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا (الحشر 9) ترجمہ کنزالایمان: اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو دیئے گئے۔ یعنی ان کے دل تنگ نہیں ہوتے اور نہ رنج کرتے ہیں)۔

ارشاد فرمایا اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (النساء 54) ترجمہ کنزالایمان: یا لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا

اور فرمایا كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً اس کلمہ تک اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ (البقرہ 213) ترجمہ کنزالایمان: لوگ ایک دین پر تھے پھر اللہ نے انبیاء بھیجے خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے اور ان کے ساتھ سچی کتاب اتاری کہ وہ لوگوں میں ان کے اختلافوں کا فیصلہ کر دے اور کتاب میں اختلاف انہیں نے ڈالا جن کو دی گئی تھی بعد میں اس کے کہ ان کے پاس روشن حکم آ چکے۔

فائدہ: اس کی تفسیر میں بغیا" کے یعنی حسد کے لیے ہیں اور فرمایا وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (یعنی علم ان کو اس لیے عطا ہوا تھا کہ بجا آوری اطاعت الٰہی میں متفق ہو کر آپس میں مانوس و مالوف ہوتے۔ اس کے برعکس حسد اور اختلاف کرنے لگے کہ ہر ایک کو یہی منظور ہوا کے حکومت ہمیں ملے' دوسرے کے پاس نہ جائے اور تمام لوگ ہمارا ہی کہنا مانیں' اسی رد و بدل میں پڑ گئے۔

وسیلہ کا ثبوت: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے یہود جب قوم میں لڑتے تو یوں دعا مانگتے نسالک بالنبی الذی وعدتنا ان ترسلہ و بالکتاب الذی تنذلہ الاما نصرتنا (احیاء العلوم 186 ج 3 مطبوعہ مصر)(اس پیغمبر کے طفیل کہ جس کے بھیجنے کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اور اس کتاب کے طفیل جس کو تو اس پر اتارے گا' ہمیں فتح دے۔ اس پر ان کی فتح ہوا کرتی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے پیدا ہوئے تو جان پہچان کر انکار کر گئے۔

مذاق العارفین نانوتوی 274 ج 3 مطبوعہ' لاہور)

اس میں وسیلہ کے منکرین کو تنبیہہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ (البقرہ 89) ترجمہ کنزالایمان: اور جب ان کے پاس اللہ کی وہ کتاب (قرآن) آئی جو ان کے ساتھ والی کتاب (توریت) کی تصدیق فرماتی ہے اور اس سے پہلے وہ اسی نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لائے ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو گئے)۔ اور پھر اس کے آگے فرمایا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (یعنی حسد

حکایت: ام المومنین صفیہ بنت حی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک دن میرا

باپ اور چچا آپ سے مِل کر گھر گئے تو میرے باپ نے چچا سے پوچھا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کیا کہتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میری دانست میں یہ وہی ہیں جن کی بشارت حضرت موسیٰ علیہ السلام دے چکے تھے' پھر چچا نے باپ سے پوچھا کہ تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ اس نے کہا' میں تو زندگی بھر ان کا دشمن ہی رہوں گا۔

رشک و رغبت کے احکام : دونوں جائز ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ (المطففین 26) ترجمہ کنزالایمان: اور اسی پر چاہیے کہ للچائیں للچانے والے

فرمایا سَابِقُوْا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ (اس میں بھی رغبت ہی مراد ہے' اس لیے کہ سبقت وہاں ہی ہوتی ہے جہاں چیز کے مٹ جانے کا خوف ہو' مثلاً دو غلام اپنے آقا کے سامنے اول جا کر ایسی چیز لے لے کہ مجھے نہ ملے)۔

احادیث مبارکہ : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاحسد الا فی الاثنین رجل اٰتاہ اللّٰہ مالا فسلط علی ھلکتہ فی الحق رجل اتاہ اللّٰہ علماء فھو یعلمہ الناس (نہیں حسد مگر دو شخصوں میں ایک وہ کہ دیا ہو اللہ نے اسے مال اور مسلط کیا ہو' اس کے خرچ کرنے پر امر حق میں اور ایک وہ کہ دیا ہو اللہ نے علم اس کو تو عمل کرتا ہو' اس کے مطابق اور سکھاتا ہو' وہ لوگوں کو)۔ پھر اس کی تفسیر حدیث ابی کبیشہ انماری رضی اللہ عنہ میں یوں فرمائی مثل ھذہ الامتہ مثل اربعتہ رجل اتاہ اللّٰہ مالا وعلما فھو یعلمہ فی مالہ ورجل اتاہ اللّٰہ علماء ولم یوتہ مالا فیقول رب العلم لو ان لی مثل مال فلان لکنت اعمل فیہ بمثل عملہ فھما فی الاجر سواء (اس امت کی مثال دی جا رہی ہے ایک وہ کہ دیا ہو اسے اللہ نے علم اور نہ دیا ہو مال تو علم والا کہے' اگر میرے پاس فلاں جیسا مال ہوتا' میں بھی اس میں ویسا ہی عمل کرتا تو یہ دونوں ثواب میں برابر ہوں گے اور یہ اس لیے ہے کہ وہ صرف اسی بات کو چاہتا ہے کہ فلاں جیسا مال مجھے بھی ملے' یہ نہیں چاہتا کہ اس کے پاس جاتا رہے' پھر اسی حدیث کا تتمہ یہ ہے ورجل اتا اللّٰہ مالا فھوا ینفقہ فی معاصی اللّٰہ ورجل لم یوتہ اللّٰہ مالا فیقول لو ان لی مثل مال فلان لکنت اعمل فیہ بمثل عملہ فھما فی الوزر سوا (اور ایک شخص ایسا ہے کہ اللہ نے اس کو مال دیا تو وہ اس کی بے فرمانی میں خرچ کرتا ہے اور ایک ایسا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے مال نہ دیا' وہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس فلاں شخص کی طرح مال ہوتا تو میں بھی ویسے ہی ان امور کا مرتکب ہوتا تو ان دونوں کو گناہ برابر ہو گا۔

فائدہ : مذمت کرنا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مفلس کی مذمت اس لیے فرمائی ہے کہ اس نے مال سے تمنائے معصیت کی نہ اس لیے کہ اس نے دوسرے جیسا مال کیوں چاہا۔

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ جو کوئی دوسرے کی نعمت پر رشک کرے اور اپنے لیے بھی ویسا ہی چاہے اور دوسرے سے اس کا نہ ہونا پسند نہ کرے اور نہ اس کے پاس اس نعمت کا ہمیشہ رہنا برا محسوس ہو تو کوئی حرج نہیں۔

فائدہ : یاد رہے کہ حدیث مذکورہ بالا میں لفظ حسد ہے اور ذکر اباحت رغبت کا تھا تو اس کا حال پہلے ہی ہم لکھ چکے

ہیں کہ حسد اور رغبت ایک دوسرے کی جگہ پر بولے جاتے ہیں اور بقرینہ مقام معنی لیے جاتے ہیں۔ رغبت کی جگہ تو حسد کا استعمال اس حدیث میں ہے اور حسد کی جگہ رغبت کا لفظ اس روایت میں موجود ہے کہ جب حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جا کر درخواست کریں کہ حکومت صدقات کی ہمارے سپرد فرمایئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ وہاں جانا فضول ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم کو یہ عہدہ عطا نہ فرمائیں گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ بات تم حسد سے کہتے ہو حالانکہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیاہ دی تو ہم نے تم پر کچھ حسد نہیں کیا تھا۔

مسئلہ: جس نعمت پر آدمی رشک کرتا ہے۔ اگر وہ نعمت دینی اور فرض ہے' مثلاً ایمان اور نماز اور زکوٰۃ وغیرہ۔ اس کی نجات کی صورت ہے۔ پس حسد سے نکلنے کی صورت یہ ہے کہ حسد سے تجاوز نہ کرے مگر بہتر یہ ہے کہ اس سے مراد وہی لی جائے جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں یعنی دین اور عقل کی جانب سے بہ مقابلہ محبت طبعی حسد باطنی کی برائی بھی دل میں ہوگی اور اسی برائی کی وجہ سے نفی ایذا سے باز رہے کیونکہ جتنا احادیث حسد کی مذمت میں وارد ہیں' بظاہر اسی بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام قسم کے حاسد گنہگار ہیں۔ علاوہ ازیں حسد قلب کی صفت ہے' اعضائے ظاہری سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ظاہر ہے کہ جو مسلمان کی برائی چاہے' وہ لازماً حسد ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر انسان صرف دل سے حسد کرے اور ظاہر میں اس کا اثر نہ ہو تو اس طرح کے حسد کے گناہ ہونے میں اختلاف ہے۔ ظاہر آیات و احادیث سے وہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدمی کسی دوسرے مسلمان کی برائی کا دل سے خواہاں ہو اور اس خواہش کو برائی نہ جانے اور پھر معاف کر دیا جائے اور اس بیان سے ظاہر ہوا کہ انسان کو دشمن کے ساتھ تین حال ہوتے ہیں۔

1 - بحسب مقتضائے طبع اس کی برائی چاہے مگر اس برائی چاہنے کو عقل برا سمجھے اور اپنے اوپر غصہ کرے اور اس بات کا کوئی بہانہ تلاش کرے جس سے یہ خواہش دل سے جاتی رہے تو یہ قسم حسد کی یقیناً معاف ہے' اس لیے کہ انسان کے اختیار میں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

2 - دل میں اس کی نعمت کے زائل ہونے کی محبت ہو اور اس کی برائی سے خوشی ظاہر کرے۔ زبان سے یا دیگر اعضاء سے تو یہ حسد یقیناً ممنوع ہے۔

3 - صرف دل سے حسد کرے لیکن اسے برا نہ سمجھے اور نہ اپنے نفس پر اس وجہ سے غصہ کرے مگر اعضاء ظاہری پر حسد کا ظہور کچھ نہ ہو اور مقتضائے حسد سے کوئی فعل اختیاری نہ کرے تو اس قسم میں اختلاف ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس قسم میں بقدر قوت و ضعف محبت زوال نعمت کے گناہ ہوگا۔

پس اس پر رشک کرنا واجب ہے یعنی یہ چاہنا کہ مجھے بھی یہ دولت نصیب ہو یہ تمنا واجب ہے اس لیے کہ اگر وہ واجب چیزوں کو اپنے لیے نہ چاہے گا تو گویا اللہ تعالیٰ کی بے فرمانی سے خوش ہے اور یہ حرام ہے۔ اگر نعمت مذکورہ فضائل میں سے ہو جیسے عمدہ باتوں میں مثلاً صدقات نفعل میں روپیہ صرف کرنا وغیرہ تو ایسی نعمتوں میں غبطہ مستحب ہے اور اگر نعمت صرف ایسی ہے کہ اس سے بقدر مباح بہرہ ور اور لذت یاب ہو سکے تو اس میں حسد مباح ہے۔

فائدہ: ان سب کا مال یہ ہے کہ انسان یوں چاہتا ہے کہ اس میں دوسرے کے برابر ہو جائے اور اس نعمت میں دو باتیں ہیں اول تو جس کو یہ عطا ہوئی ہے۔ اس کا آرام اور دوسرے اس شخص کے سوا جتنے اس نعمت سے محروم ہیں ان کا نقصان ظاہر ہونا تو غبطہ کرنے والا امر اول کو برا نہیں جانتا بلکہ اپنا ناقص ہونا اور سب سے پیچھے رہنا برا جانتا ہے اور نعمت والے کی برابری چاہتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ انسان مباحات میں اپنے نقصان اور پیچھے رہنے کو برا سمجھے ہاں ایسی باتوں سے اسے فضیلت نصیب نہ ہوگی۔ ہاں اسی طرح کی باتیں زہد اور توکل اور رضا کے برخلاف ہیں اور مقامات بلند کے لیے ایک حجاب تاہم موجب بے فرمانی نہیں۔

نکتہ: یہاں ایک نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ جب انسان اس بات سے ناامید ہوتا ہے کہ مجھے فلاں جیسی دولت ملے اور اپنا کمتر رہنا برا محسوس ہوتا ہے تو لازماً اپنے نقصان کو پورا کرنا چاہے گا اور اس کے نقصان نہ رہنے کی دو صورتیں ہیں۔ دوسرے شخص کے پاس بھی وہ نعمت نہ رہے اور دونوں برابر ہو جائیں' اس کے پاس ویسی نعمت آجائے اور مساوی ہو جائیں اور جب ایک صورت نہیں بن سکتی تو لازماً مقتضائے بشریت آدمی کا دل دوسری صورت کی طرف میل کرے گا۔ حتیٰ کہ اگر دوسرے کے پاس سے وہ نعمت جاتی رہے تو یہ بات زیادہ اس کے دل پر اچھی لگے گی۔ بہ نسبت اس کے کہ دوسرے کے پاس وہ نعمت زیادہ ہمیشہ رہے کیونکہ اس کے دور ہونے سے یہ اور وہ برابر ہو جائیں گے اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ بہت کم لوگ اس سے خالی ہوتے ہیں۔ اس صورت میں یہ تدبیر اولیٰ ہے کہ رشک کا حال دریافت کرے کہ اگر مثلاً دوسرے کی نعمت کا اختیار مجھے حاصل ہو تو میں کیا کروں۔ اگر یہ بات دل میں گزرے کہ میرا بس ہو تو میں اس نعمت کو اس سے دور کردوں تو یاد رہے کہ یہ خواہش حسد ہے اور اگر یہ خیال ہو کہ باوجود قابو و اختیار کے بھی تقویٰ اس کا مانع ہوگا کہ دوسرے کی نعمت کو اس سے علیحدہ کیجئے تو پھر غبط جائز ہے اس لیے کہ اپنے عقل و دین کے رو سے یہ نہیں چاہتا کہ دوسرے سے یہ نعمت جاتی رہے بلکہ اس کو یہ مدالنظر ہے کہ مجھے بھی ویسی ہی نعمت مل جائے گی اور یہ نکتہ باریک جو ہم نے لکھا۔ وہ حدیث کی روشنی میں ہے۔ حدیث شریف ثلاث لا ینفک المومنین فمن الحسد ولظن و الطیرہ ولہ منھن مفرج اذا حسدت فلا تبتغ ترجمہ تین چیزیں ہیں کہ ایماندار اور ان سے خالی نہیں' حسد اور بدظن اور بدخالی اور اسے ان سے نجات کی صورت ہے۔ اگر تیرے دل میں حسد گزرے بھی تو اس کے مطابق عمل نہ کر۔

فائدہ: انسان سے عقلاً بعید ہے کہ جب خود کو دوسرے کا ہمسر کرنا چاہے اور نعمت سے عاجز ہو جائے تو اس بات کا

خیال نہ کرے کہ یہ نعمت اس کے پاس بھی نہ رہے بلکہ اس کا وہم گزرتا ہی ہے ورنہ دوسرے پر نعمت کے ہمیشہ رہنے سے تو ہمیشہ کم ہی رہے گا۔ پس اس طرح کی رغبت ناجائز حسد کے برابر ہے تو ضروری ہوا کہ اس میں احتیاط کی جائے کیونکہ یہ بھی خطرہ کا مقام ہے۔ انسان اکثر اپنے اقارب اور دوستوں میں سے بعض کو اعلیٰ رتبہ پر دیکھتا ہے تو ان سے برابری چاہتا ہے اس لیے کبھی اس حسد میں مبتلا ہو جاتا ہے جو شرعاً ممنوع ہے اس لیے اس حسد کا باعث تو خوف تفاوت اور ظہور نقصان ہی ہوتا ہے جو حسد کبھی مذموم میں بھی پھنسا دیتا ہے بشرطیکہ قوت ایمانی اور قوت تقویٰ نہ ہو یعنی رفتہ رفتہ جب نعمت نہیں پاتا اور مساوی ہونے کو دل چاہتا ہے تو بالآخر یہی سوچتا ہے کہ اس کے پاس بھی نہ رہے تو برابر ہو جائیں اس رغبت کی ہرگز اجازت نہیں بلکہ یہ حرام ہے۔ امور دینی میں ہو یا دنیوی میں لیکن اگر دل ہی دل میں یہ بات گزرے اور اس پر عمل نہ کرے ہو تو امید ہے کہ معاف ہو جائے گا اور اس کو بزور عقل و دین برا جاننا ہی دل کے وسوسہ کا کفار ہو جائے۔

مراتب حسد: چار ہیں۔ (1) دوسرے کی نعمت کا زوال چاہنا اگرچہ وہ نعمت اس کے پاس نہ بھی آئے یہ سب سے برا درجہ ہے۔ (2) اس نعمت کا اپنے پاس آنا چاہتا ہے اس سے غرض یہ نہیں کہ دوسرا اس سے کیوں مستفید ہے اور نہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس نہ رہے مثلاً کوئی عمدہ مکان یا عورت وغیرہ کے پاس اس کا جی چاہتا ہے کہ یہ اس کے پاس آجائے اور یہ نہیں چاہتا کہ دوسرے کے پاس کیوں ہے۔ خاص اس نعمت کو اپنے لیے نہیں چاہتا بلکہ اس جیسی نعمت چاہتا ہے۔ اگر نہ ملے تو اس کا زوال دوسرے سے نہیں چاہتا۔ یہ آخری صورت جائز و معاف ہے۔ اگر یہ نعمت دنیوی ہو اگر نعمت دینی ہو تو مستحب ہے اور مرتبہ نمبر2 دو بین بین ہے اس میں کچھ بھلائی ہے اور کچھ برائی یعنی کسی کی نعمت کا زوال نہ چاہنا تو اچھی بات ہے مگر جس شخص پر دوسرا قابض ہے اس کا اپنا لیے چاہنا اچھا نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ (النساء 32) ترجمہ کنزالایمان: اور اس کی آرزو نہ کرو جس سے اللہ نے تم میں ایک کو دوسرے پر بڑائی دی۔ ہر مرتبہ دوسرے کی بہ نسبت برا ہے اور پہلا تو بالکل ہی برا ہے اور مرتبہ ثانی کو اور رابع کو حسد مجاز کا کہتے ہیں۔

اسباب حسد: رغبت کا سبب تو صرف اس چیز کی محبت ہے اگر وہ شے امر دینی ہے تو اس کا سبب اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی اطاعت کی محبت ہے۔ اگر امر دنیوی ہے تو اس کا سبب دنیا کی مباحات کی محبت اور ان سے لذت پانے کا تصور ہے۔ ہماری غرض حسد مذموم کے اسباب بیان کرنے سے ہیں۔ اس کے اسباب اگرچہ بہت ہیں مگر سات ایسے ہیں کہ باقی ان میں مندرجہ ہو جاتے ہیں۔ (1) عداوت (2) ہمسر کی عزت کا ناگوار ہونا (3) دوسرے کی حقارت (4) عجب (5) مقصد فوت ہو جانے کا خوف (6) محبت حکومت، خبث و بخل نفس۔ ان ساتوں اقسام کی تفصیل یوں ہے۔ انسان جو نعمت دوسرے پر برا جانتا ہے یا تو اس لیے ہے کہ وہ اس کا دشمن ہے تو دشمن کی خیر کیوں منائی جائے اور یہ سبب یعنی عداوت حسد دیگر اسباب کی نسبت بہت سخت ہے اس لیے کہ دستور ہے کہ کسی کو کوئی شخص کسی وجہ سے

ستاتا ہے یا اس کے مطلب میں کچھ خلل انداز ہوتا ہے تو وہ اس سے دل میں کینہ اور بغض رکھتا ہے اور اس پر غصہ کرتا ہے اور کینہ و غضب کی وجہ سے انتقام کے درپے رہتا ہے۔ اگر خود کو انتقام سے عاجز پاتا ہے تو پھر چاہتا ہے کہ عوام کے ذریعے انتقام لے۔ یہاں تک کہ اگر بالغرض اس کو کوئی مصیبت پیش آئے تو یہی سمجھتا ہے کہ یہ صرف میرے اوپر ظلم کی وجہ سے ہوا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری سن لی ہے۔ بغض کی وجہ سے ازراہ جہالت اپنی کرامت سمجھنے لگتا ہے اور اگر نعمت دشمن کو مل جائے تو وہ اسے برا محسوس ہوتا ہے اور اس سے یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میری کوئی شنوائی نہ ہوئی کہ میرے دشمن سے باوجود میری ایذا کے انتقام نہ لیا لیکن دوسرے طریقے سے مجھے انعام دیا۔ خلاصہ یہ کہ بغض عداوت جو حد لازم ہے اور کچھ ہمسر پر موقوف نہیں، کبھی ادنیٰ اعلیٰ سے حسد کرنے لگتا ہے یعنی بغض کی وجہ سے چاہتا ہے کہ اس کی دولت جاتی رہے۔ انضباط، پرہیز گار متقی کو چاہئے کہ اس طرح کے حسد کو اپنے دل سے برا سمجھے اور یہ وہ ہے کہ کافروں کے متعلق اللہ نے فرمایا وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (آل عمران 119) ترجمہ کنزالایمان: سنتے ہو یہ جو تم ہو تم تو انہیں چاہتے ہو اور وہ تمہیں نہیں چاہتے اور حال یہ کہ تم سب کتابوں پر ایمان لاتے ہو اور وہ جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور اکیلے ہوں تو تم پر انگلیاں چبائیں غصہ سے تم فرما دو کہ مرجاؤ اپنی گھٹن میں اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات۔ اور فرمایا اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِھَا ترجمہ کنزالایمان: تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے اور تم کو کوئی برائی پہنچے تو اس پر خوش ہوں۔ اور فرمایا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِھِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ۔ ترجمہ کنزالایمان: جتنی ایذا تمہیں پہنچے بیران کی باتوں سے جھلک اٹھا اور وہ جو سینے میں چھپائے ہیں اور بڑا ہے۔

فائدہ: یہ حسد عداوت کی وجہ سے ہے اور اس سے کبھی کشت و خون و نزاع تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور تمام عمر نعمت کے زوال کی تدبیر میں سوچنے میں گزر جاتی ہے یا ہمیشہ چغلی اور پردہ دری یا اور ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ حسد اس سبب سے ہوتا ہے کہ حاسد کو گمان ہوتا ہے اگر میرے ہمسر کے پاس نعمت ہوگی تو اس کی وجہ سے بڑائی کرنے لگے گا اور اسے اس کے کبر و فخر کی برداشت نہیں کہ اپنے نفس کی عزت سمجھتا ہے تو یہ حسد کا دوسرا سبب ہے۔ اس کو تعزز کہتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی ہمسر کسی حکومت یا مال علم پر فائز ہوجائے تو حاسد کو خوف ہوتا ہے کہ کہیں یہ اس بات سے فخر و تکبر نہ کرے اور اسے اب کا فخر و کبر پسند نہیں ہوتا مگر دوسرے کے فخر کی اسے برداشت نہیں۔ اس لیے حسد کرنے لگتا ہے کہ دوسرا شخص مجھ سے زیادہ کیوں ہے دوسرے کی تحقیر یعنی حسد اس لیے ہوتا ہے کہ دوسرے کو حقیر و ذلیل سمجھتا ہے اور اس سے خدمت و فرمانبرداری کا امیدوار ہے۔ جب اس کا اتفاقاً اسے نعمت ملتی ہے تو حاسد کو یہ خوف ہوتا ہے کہ شاید وہ اب میری بات نہ سنے یا برابری کا دم بھرے تو ہماری عزت مٹی میں مل جائے گی۔ یہ بھی حسد کا سبب ہے۔ اسے تکبر کہتے ہیں۔

نکتہ: انہیں دو سببوں یعنی تکبر اور تعزز کی وجہ سے حضور ﷺ سے اکثر کفار حسد کیا کرتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف 31) ترجمہ کنزالایمان: اور بولے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ان دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر۔

فائدہ: اگر آپ ﷺ بڑے آدمی ہوتے تو ہمیں آپ کی اتباع و فرمانبرداری شاق نہ ہوتی۔ ایک یتیم لڑکے کے سامنے گردن جھکاتا کس طرح ہو سکے۔ ان نالائقوں نے اس عظیم الشان انسان کی قدر و منزلت نہ سمجھی اسی طرح قریش کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لِيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ (الانعام 53) ترجمہ کنزالایمان: کہ مال دار کافر محتاج مسلمانوں کو دیکھ کر کہیں کیا یہ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے ہم سے کیا اللہ خوب نہیں جانتا حق ماننے والوں کو۔ اس قول کو حقارت سے اپنی عزت کے کہتے تھے کہ حسد کا سبب تعجب ہے۔ مثلاً کہتا ہے باوجود کہ میں بھی اس جیسا ہوں مگر اس کو یہ مرتبہ مل گیا جیسے اللہ تعالیٰ نے پہلی قوم کے حالات میں ارشاد فرمایا ہے۔ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (ابراہیم 10) ترجمہ کنزالایمان: بولے تم تو ہمیں جیسے آدمی ہو۔ اور قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا اور وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (المومنون 34) ترجمہ کنزالایمان: اور اگر تم کسی اپنے جیسے آدمی کی اطاعت کرو جب تو تم ضرور گھاٹے میں ہو۔

فائدہ: ان آیات میں ان کے تعجب کا ذکر ہے کہ جو انسان (نبی) ہمارے جیسا ہے وہ مرتبہ رسالت اور وحی اور قرب الٰہی تک کیسے پہنچ گیا اسی بنا پر رسولوں پر کفار نے حسد کیا اور چاہا کہ نعمت نبوت ان سے چھن جائے اسی لیے کہ انہیں خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ جو انسان ہماری طرح ہے وہ ہم سے بہتر اور افضل ہو جائے۔ ان میں حسد کے ہوا اور کوئی سبب نہ تھا کہ پہلے سے عداوت ہو۔ تعزز اور تکبیر اور طلب' ریاست وغیرہ مقصود ہو بلکہ صرف تعجب کی وجہ سے یہ حسد تھا جیسا کہ دیگر آیات میں مذکور ہے۔ اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ترجمہ کنزالایمان: اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا۔ اور لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ (الفرقان 21) ترجمہ کنزالایمان: ہم پر فرشتے کیوں نہ اتارے۔ اور اللہ تعالیٰ نے خود ان کے تعجب کو واضح طور پر فرمایا اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ (الاعراف 63) ترجمہ از کنزالایمان: اور کیا تمہیں اس کا اچنبھا ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت آئی تم میں ایک مرد کی معرفت۔ کبھی حسد کا موجب بے مقصد فوت ہو جانے کا خوف ہوتا ہے۔ یعنی سمجھتا ہے کہ اس کی نعمت کی وجہ سے اس کا مطلب حاصل نہ ہوگا اور اس کی نعمت حسد کی غرض پوری نہ ہونے دے گا اور یہ قسم حسد کی ایسے مقصود و مطلب کے ملنے پر ہوتی ہے جس کے مدعی دو ہوں جب کسی کو ان دونوں میں سے کوئی ایسی چیز مل جائے جس سے کہ مطلب کا ملنا سہل ہو جائے تو دوسرے کو خواہ مخواہ اس پر حسد ہوتا ہے کہ یہ ذریعہ مجھے کیوں نہ ملا۔

نکتہ: حسد کی اسی قسم کی وجہ سے دو سوکتوں میں ہوتی ہے اس لیے حق زوجیت میں ہر ایک مدعی ہوتی ہے اور دو بھائیوں میں بھی واقع یہی حسد ہوتا ہے جبکہ ہر ایک کو ماں باپ کے دل میں جگہ لینا منظور ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک لائق منصور ہو کہ مال وغیرہ کا مالک ہو جائے ایسے ہی شاگرد ایک استاد کے اس حسد میں مبتلا ہو جاتے ہیں بشرطیکہ استاد کی آنکھوں میں مرتبہ حاصل کرنا منظور ہو بادشاہی خواص اور مصاحبوں کو بادشاہ سے مال و جاہ کے حاصل کرنے کے لیے یہی حسد ہوتا ہے۔

فائدہ: وہ مقررین جو تقریر کے ذریعے مال جمع کرتے ہیں اور خلق خدا کے دلوں میں عزیز بننا چاہتے ہیں ان کو بھی یہی حسد گھیر لیتا ہے' کبھی حسد کا موجب حکومت و جاہ کی محبت ہوتی ہے۔ یعنی یہ چاہنا کہ جیسے ہمیں کوئی فن آتا ہے ایسا کوئی دوسرا نہ ہو اور کوئی غرض خاص نہ ہو مثلاً کوئی شخص یہ چاہے کہ کسی فن میں بے مثل اور بے نظیر ہو جائے اور لوگ میری تعریف کریں۔ اس امر کا موجب اس پر غالب ہوگا۔ عوام کی باتیں اپنی نسبت سنے گا کہ اپنے فن میں یکتائے دہر اور کامل زمانہ ہو' آج کوئی تمہارا مقابل نہیں تو ایسا شخص جب کسی روئے زمین پر اپنا نظیر سنے گا تو اس کو برا محسوس ہوگا اور یہ چاہے گا کہ یہ مرجائے یا اس کے پاس وہ فن نہ رہے کہ جس کے سبب میرا سہیم و شریک ہے۔ وہ فن کوئی ہو شجاعت ہو یا علم یا عبادت یا پیشہ یا جمال و ثروت وغیرہ خلاصہ یہ کہ خود کو اعلیٰ سمجھنے سے آپ کو جو خوشی ہوتی ہے اس کی محبت سے یہ حسد واقع ہوتا ہے ورنہ اور اسباب حسد یہاں مقصود ہیں نہ پہلے کی عداوت ہے نہ تکبر اور تعزز منظور ہے نہ مطلوب کے فوت ہونے کا خوف ہے بلکہ وہی دعویٰ ایک فنی اور اختصاص ہے کہ میرا جیسا کون یہ محبت جاہ ہے۔ اس کے علاوہ ہے جو بعض علماء کیا کرتے کہ سوائے حکومت کیے اور اپنے کام نکالنے کے لیے عوام کے دلوں میں گھر کرتے ہیں۔ علماء یہود جو حضور ﷺ کے پہچاننے اور اتباع کا انکار کرتے تھے ان کو بھی خوف تھا کہ جب ہمارا علم منسوخ ٹھہرے گا تو ہماری حکومت اور بڑائی تباہ ہو جائے گی۔ کوئی ہمارا پیروکار نہ ہوگا۔ حسد صرف خبث نفس اور بخل طبع کی وجہ سے ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اس کے بندوں پر بری محسوس ہوتی ہے۔ اکثر لوگ ایسے پائے جاتے ہیں کہ ان کو ذوق حکومت بھی نہیں نہ تکبر نہ مال کے خواہاں مگر جب ان کے سامنے کسی کا ذکر کیا جائے کہ فلاں شخص کو اللہ تعالیٰ نے یہ شے عطا کی اور ان پر یہ فضل ہوا تو یہ امر ان پر شاق گزرتا ہے لیکن اگر لوگوں کی پریشانی اور بدبختی اور مقصود کا نہ ملنا اور عیش کا تلخ ہونا ذکر کیا جائے تو خوش ہوتے ہیں ایسے لوگ ہمیشہ دوسرے کی بدبختی چاہتے رہتے ہیں اور اللہ کی نعمت ان پر نہیں دیکھ سکتے۔ گویا جتنا اوروں کو ملتا ہے وہ سب ان کے خزانے سے دیا جاتا ہے۔ ایسے لوگ شحیح ہوتے ہیں یعنی بخیلوں بھی بدخیل اس لیے کہ بخیل تو اس کو کہتے ہیں جو اپنا مال کو کسی کو نہ دے اور شحیح اسے کہتے ہیں کہ دوسرے کے مال میں بخل کرلے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ کی عطا پر ناخوش ہوتے ہیں حالانکہ دوسرے بندوں میں اور میں کوئی رابطہ یا عداوت نہیں ہوتی اور اس کا سبب کوئی ظاہری تو معلوم نہیں ہوتا صرف یہی کہ اپنے رذالت اور خبث نفس سے اس بلا میں مبتلا ہیں۔ اس قسم

کے حسد کا علاج نہایت سخت ہے اس لیے کہ دیگر اسباب حسد کے عارضی ہیں۔ ان میں یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر سبب جاتا رہے گا تو حسد بھی چلا جائے گا اور یہ تو پیدائش کی خباثت ہے۔ اس کا نکلنا بہت دشوار ہے بلکہ قریب محال ہے۔

فائدہ: ساتوں سبب حسد کے مفصلاً بیان ہوئے۔ بعض اوقات ان میں سے بعض یا اکثر اسباب ایک ہی شخص میں جمع ہو جاتے ہیں تو ایسی صورت میں وہ بڑا حسد کرتا ہے اور حسد کو ایک طاقت اور قوت حاصل ہو جاتی ہے جسے حاسد چھپا نہیں سکتا نہ کسی مروت سے پیش آتا ہے بلکہ ملت اور محبت کو بالائے طاق رکھ کر علانیہ عداوت کرتا ہے اور دور حاضرہ میں جو حسد پایا جاتا ہے اکثر میں ان اسباب میں بعض اسباب اکٹھے ہی ہوتے ہیں۔ ایک سبب تنہا نہیں ہوتا اسی لیے دور حاضرہ میں یہ مرض عروج پر ہے۔ اللہ کوئی مرد مولی پیدا فرمائے جو اس موذی مرض سے عوام بلکہ خواص کو نجات دلائے۔

اعزہ سے حسد زیادہ ہوتا ہے اور دوسروں سے کم اس کے وجوہ: حسد انہیں لوگوں میں زیادہ ہوتا ہے جن میں جو اسباب ہم نے ذکر کیے ہیں ان کی زیادتی ہو اور قوت حسد تو ان لوگوں میں ہوتی ہے جن میں ان اسباب میں کئی کئی اکٹھے ہوگئے ہوں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک ہی شخص تعزز کی وجہ سے حسد کرے اور یہ اسباب ان لوگوں میں زیادہ ہوتے ہیں جن میں بہت سے روابط اور تعلقات ہوں کہ ان کی وجہ سے مجالس میں بیٹھ کر آپس میں گفتگو کرتے ہیں اور اپنی اغراض بیان کرتے ہیں۔ اس وقت اگر کوئی ان میں سے کسی کے مطلب کے خلاف کہتا ہے تو دوسرا مطلب وال اس سے متنفر ہو کر بغض و کینہ دل میں رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ کس طرح اس کا بدلہ لوں اور جیسے اس نے میری غرض میں روڑا مار دیا میں بھی اس کی غرض پوری نہ ہونے دوں گا۔ پھر جہاں حسد کا ایک سبب ہو اس میں تمام اسباب ایک دوسرے کے پیچھے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔

فائدہ: حسد پاس بیٹھنے غرض کی باتیں کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی لحاظ سے اگر ایک شخص کسی شہر میں رہتا ہے اور دوسرا کسی اور میں ان میں حسد نہیں ہوتا بلکہ اگر دور دور محلوں میں رہتے ہوں تب بھی حسد نہیں ہوتا البتہ جب ایک مجلس یا مدرسہ اور سکول یا مسجد یا بازار میں جمع ہوں اور ایک ہی مطلب کے مدعی ہوں تب حسد اٹھتا ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہو اسی لیے علماء سے حسد کرتا ہے۔ مجاہد سے نہیں۔ سوداگر سوداگر سے حسد کرتا ہے پیشہ ور دوسرے پیشہ ور سے حسد کرتا ہے مثلاً موچی، کپڑا فروش سے حسد نہیں کرتا اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ایک پیشہ میں اکٹھے ہیں اور اسی وجہ سے انسان اپنے بھائی اور چچا زاد سے بہ نسبت غیروں کے زیادہ حسد کرتا ہے۔ دونوں سوکنیں آپس میں بہ نسبت ساس نندوں کے زیادہ حاسد ہوتی ہیں۔ بہرحال جہاں کہیں دو شخصوں کا مطلب واحد ہوگا اور ان میں اجتماع و نشست و برخاست باہمی کر واقع ہوگی وہاں حسد زیادہ ہوگا مثلاً ایک بزاز کپڑے کی دکان کرتا ہے تو خریداروں کی کثرت چاہے گا جس میں کوئی فائدہ ہو تو جو اس کا حریف ہوگا اس کے ساتھ حسد کرے گا۔ دوسرے سے اس کا کیا

مطلب پڑا ہے۔ اب اگر اس کا حریف دوسرا بزاز اس کے پاس دکان رکھتا ہو تو دور کے بزازوں کی نسبت اس سے زیادہ حسد ہوگا اسی طرح بہادر دوسرے بہادر سے حسد کرتا ہے۔ عالم سے نہیں کرتا کیونکہ پہلوان و بہادر کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ جرات و شجاعت میں یکتائے زمان مشہور ہو اور یہ صفت دوسرے میں نہ پائی جائے۔ پس اس صفت میں جو اس کا شریک مقابل ہوگا اس سے حسد کرے گا۔ عالم دین اس مطلب میں اس کا مخل نہیں کہ اس سے حسد تک نوبت پہنچے ہاں عالم عالم سے حسد کرتا ہے اور ان میں مقرر مقرر سے' واعظ واعظ سے حسد زیادہ کرتا ہے۔ فقیہ و طبیب سے اتنا حسد نہیں کرتا بہرحال حسد کی بنا پر دشمنی ہوتی ہے اور دشمنی کی اصل ایک مقصد میں شریک ہونا اور شرکت مقصد دور والے لوگوں میں معلوم نہیں ہوتی۔ پاس والوں میں پھوٹ ڈالتی ہے اس لیے پاس والوں میں حسد زیادہ ہوتا ہے لیکن اگر کوئی ایسا شخص ہو کہ جسے تمام جہان میں شہرت مد نظر ہو وہ دنیا میں جہاں کہیں اپنا مقصد دیکھے گا اس کا حسد کرے گا۔

خلاصہ: جتنے اسباب حسد ہیں۔ ان سب کا منشا اگر بنظر غور دیکھا جائے تو محبت دنیا ہے اس لیے کہ دنیا کی چیزیں ہی ایسی ہیں کہ سیم اور شریک لوگوں کو پوری نہیں ہوتیں۔ اگر ایک کے پاس گئیں دوسرا خالی رہ جاتا ہے مگر آخرت کی چیزوں میں تنگی نہیں۔ ان میں بہت وسعت ہے۔ ان کی مثال علم ہے کہ شرکت کی وجہ سے کم نہیں ہوتا۔ ایک ہی چیز کو لاکھوں لوگ جانتے ہیں تو جو کوئی اللہ تعالیٰ کی معرفت کی محبت رکھتا ہے اور اس کی صفات اور فرشتوں اور انبیاء اور آسمان و زمین کے ملکوت سے واقف ہے اس واقفت اور معرفت میں دوسرے کا حاسد نہیں ہوتا کیونکہ معرفت میں تنگی نہیں کہ ایک عارف کو جو حاصل معلوم ہو جائے تو دوسرے کو نہ ہو بلکہ ایک حال کو لاکھوں عارف جان کر خوش ہوتے ہیں اوراس سے ذوق پاتے ہیں۔ ایک کی لذت و خوشی سے دوسرے کو کوئی حرج نہیں بلکہ اجتماع و کثرت سے زیادہ انس و لذت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باعمل علماء میں حسد نہیں ہوتا اس لیے کہ ان کا مطلب اللہ تعالیٰ کی معرفت و قرب الی اللہ ہے اور وہ دونوں بڑے سمندر ہیں جس کی کوئی انتہا نہیں کیونکہ سب لذتوں اور نعمتوں سے بڑھ کر دولت دیدار اللہ ہے جس میں کسی کو ممانعت اور روک ٹوک نہیں نہ ایک کا دیکھنا دوسرے کا حارج ہے بلکہ کثرت ناظرین سے کیفیت اور لذت دوبالا ہوگی۔ ہاں اگر علماء کی غرض علم سے مال و جاہ کا حصول ہے تو پھر حسد پیدا ہوگا۔ جیسے دور حاضرہ میں اکثر علماء کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ حسد کی بیماری میں مبتلا ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ایسے علماء طالب اللہ نہیں طالب دنیا و مال ہیں۔ کیونکہ مال اجسام میں سے ہے جب ایک کے ہاتھ میں رہتا ہے۔ دوسرے کے ہاتھ میں نہیں جا سکتا اور جاہ کے معنی دلوں میں ہونے کے ہیں۔ جب کسی کے دل میں ایک عالم کی تعظیم بھر جائے گی تو دوسرے کی تعظیم سے پھر جائے گا یا کم کرے گا۔ یہی عداوت و حسد کی وجہ ہوگی۔ بخلاف معرفت کے کہ وہ اگر خوش قسمت کے دل میں ہوگی تو اس کے مانع نہیں کہ دوسرے کے دل میں نہ ہو یا اسے لذت حاصل

علم و مال کا فرق: علم و مال میں یہ فرق ہے کہ مال تو ایسی چیز ہے کہ جب تک ایک کے ہاتھ سے نہ نکلے گا دوسرے کو نہ ملے گا اور علم عالم کے دل میں رہتا ہے اور تعلیم کی وجہ سے دوسرے کے پاس بھی جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں مال ایک ختم ہونے والی شے ہے پس اگر بالفرض کوئی شخص تمام روئے زمین کا مالک ہو جائے تو دوسرے کے لیے کچھ بھی نہ بچے گا اور علم وہ چیز ہے کہ جس کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ وہ سب کا سب ایک شخص میں آجائے (اور دوسے محروم ہوں یہ نہیں ہو سکتا) پس جو شخص اس کا عادی ہو کہ اللہ عزوجل کے جلال و عظمت اور ملکوت آسمان و زمین میں فکر کیا کرے تو یہ امر اس کو تمام نعمتوں سے لذیذ تر معلوم ہوگا اور اس میں کسی طرح روک ٹوک یا مزاحمت نہ ہوگی کہ دوسروں کو یہ لذت نہ ملے اسی وجہ سے کہ ایسے شخص کے دل میں کسی دوسرے کا حسد نہ ہوگا کیونکہ اگر کوئی شخص اس جیسی معرفت رکھتا ہوگا تو اس کی لذت میں کچھ کمی نہ ہوگی بلکہ اس کو دوسرے کی حالت سے تو انس ہوگا لہٰذا ان لوگوں کی لذت جو مطالعہ عجائب ملکوت میں ہمیشہ رہتے ہیں۔ ان لوگوں سے بڑھ کر ہوتی ہے جو چشم ظاہری سے جنت کے اشمار اور باغات کی سیر کریں گے اس لیے کہ جنت اس کی صفت ذاتی ہے جسے معرفت کہتے ہیں۔ یہ جنت کبھی فنا نہیں ہوتی اور عارف ہمیشہ اس کے ثمرات سے بہرہ ور رہتا ہے اس کی روح و قلب کی غذا علم کے ثمرات سے ہوتی ہے اور یہ وہ میوہ ہے کہ جس کی شان میں فرمایا لَّا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ (الواقعہ 33) ترجمہ کنزالایمان: جو نہ ختم ہوں اور نہ روکے جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر عارف آنکھیں بند کرلیتا ہے تو روح سے جنت عالیہ کی سیر و تماشا کرتا ہے۔ اب اگر عارفین کی کثرت ہو تو آپس میں حاسد نہ ہوں گے بلکہ ان کا اعلیٰ حال ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ (الحجر 47) ترجمہ کنزالایمان: اور ہم نے ان کے سینوں میں جو کچھ کینے تھے سب کھینچ لئے آپس میں بھائی ہیں تختوں پر روبرو بیٹھے۔

عبرت: یہ حال ان کا اس وقت تک ہے جب تک دنیا میں ہیں اس لیے اندازہ لگائیے کہ جب قیامت میں پردہ اٹھا لیا جائے گا اور مشاہدہ محبوب کا کریں گے تو وہاں کیا حال ہوگا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں ایک دوسرے سے حسد نہ ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ جو لوگ اہل جنت دنیا میں ہیں ان میں آپس میں حسد نہیں ہوتا کیونکہ جنت بھی ایک غیر متناہی چیز ہے اس میں کوئی تنگی اور مزاحمت نہیں اور وہ بھی تب ملتی ہے جب دنیا میں معرفت ایزدی حاصل ہو اور چونکہ معرفت میں کسی طرح کی مزاحمت نہیں اسی وجہ سے اہل جنت میں بھی نہ دنیا میں حسد ہوگا نہ آخرت میں بلکہ حسد تو ایسے لوگوں میں ہے جو علیین کے وسیع مقام سے دور کرکے سجین کے تنگ مقام میں ڈال دیئے گئے ہیں۔

انتباہ: شیطان لعین نے حضرت آدم علیہ السلام پر حسد کیا کہ ان کو یہ عالی رتبہ کیوں ملا اسی وجہ سے سرکشی اور بے

فرمان ہو کر سجدہ نہ کیا تو کہاں سے کہاں تک پہنچا اور حاسد کہلایا۔

فائدہ: اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ حاسد تب ہوتا ہے جب ایسے مقصود پر توارد ہو کہ جو سب کو حاصل نہ ہو جو شے وسیع ہو اس میں حسد نہ ہوگا مثلاً ستاروں کی زینت کے ان کے نظاروں سے کوئی کسی سے حسد نہیں ہوتا کہ وہ ایک وسیع چیز ہے البتہ باغات کی سیر میں حسد ہوتا ہے کہ یہ زمین کے ایک جزوی حصہ میں ہوتی ہے۔ اگر تمام روئے زمین کو آسمان کے مقابلہ میں دیکھا جائے تو کچھ بھی نہیں اس صورت میں جو شخص عقلمند ہے اور اپنے نفس کی خیر چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ ایسی نعمت کا طلب گار ہو جس میں مزاحمت نہ ہو اور ایسی لذت کا متلاشی رہے جو کبھی فنا نہ ہو اور یہ بات دنیا میں سوائے معرفت الٰہی اور اس کی صفاتو افعال کے اور کسی چیز میں نہیں پائی جاتی اور آخرت میں بھی یہی کار آمد ہوگی۔ پس اگر کسی معرفت کا ذوق نہ ہو اور نہ اس میں لذت نصب ہو اور اس کی عقل بھی قاصر ہے اور رغبت کم تو ایسا شخص معذور ہے مثلاً نامرد کو شوق جماع نہیں ہو سکتا، لڑکا سلطنت کی لذت نہیں جان سکتا اسی لیے کہ یہ لذت مردوں سے مخصوص ہیں۔ نامرد اور لڑکے کیا جانیں کہ یہ کیسی لذتیں ہیں۔ اسی طرح کی لذت معرفت کے لیے بھی وہ حضرات مخصوص ہیں جن کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور 37) ترجمہ کنزالایمان: وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید وفروخت اللہ کی یاد سے۔ ان کے سوا اور لوگ لذت سے محروم ہیں اس لئے کہ اشتیاق معرفت کا بعد ذوق کے ہوا کرتا ہے جس کو ذوق اور مزہ نہ ہوگا وہ معرفت کو کیا جانے گا اور جو معرفت کو نہ جانے گا وہ مشتاق بھی نہ ہوگا اور بلا اشتیاق طالب ہونا معدوم اور بلا طلب مقصود تک پہنچنا دشوار ہے اور مقصود تک پہنچے بغیر محروی اور اسفل السافلین میں رہنا ہوگا۔ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ (الزخرف 36) ترجمہ کنزالایمان: اور جسے رتوند آئے رحمٰن کے ذکر سے ہم اس پر ایک شیطان تعینات کریں کہ وہ اس کا ساتھی رہے۔

حسد کا علاج: حسد دل کے بڑے موذی امراض سے ہے اور ہر مرض دلی کا علاج علم و عمل سے ہوتا ہے۔ حسد کے مرض کو جو شے مفید ہے وہ یہ ہے کہ سالک اس بات کو یقیناً جان لے کہ حسد دنیا و آخرت میں سراسر ضرر ہی ضرر ہے اور جس سے حسد کرتا ہے اس کا دین و دنیا میں کچھ بھی ضرر نہیں بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے۔ جب یہ بات اچھی طرح جان لے گا اور اپنے نفس کا دشمن اور دشمن کا خیر خواہ نہ ہوگا۔ لازماً حسد چھوڑ دے گا۔ حسد کی وجہ سے جو حاسد کو دین میں ضرر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حسد کی وجہ سے تقسیم اللہ سے راضی نہیں ہوتا جس نعمت کو اس نے اپنے بندوں پر تقسیم فرمایا ہے اور اپنے عدل و حکمت سے کارخانے جاری کیے ہیں وہ ان کو برا جانتا ہے۔ پس اس سے بڑھ کر دین میں اور کون سا گناہ ہوگا۔ اللہ کی تقدیر پر راضی نہ ہوگا اور اس پر طرہ یہ ہے کہ ایک مرد مسلمان سے کینہ کی وجہ سے یہ خیر خواہی سے پیش نہ آیا حالانکہ اولیاء و انبیاء کے اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خیر خواہی چاہتے ہیں۔ ان کے زمرہ سے علیحدہ ہوا اور ابلیس و کافر جو مؤمنین کا برا چاہتے ہیں ان کے گروہ میں داخل ہوا۔ یہ تمام باتیں

دل کی ان خباثتوں میں سے ہے کہ نیکیوں کو ایسا کھا جاتی ہیں جیسے آگ لکڑی کو اور ایسا نشان مٹا دیتی ہیں جیسے رات دن کا نشان مٹا دیتی ہے اور دنیا میں حاسد کا نقصان یہ ہے کہ ہمیشہ رنج و عذاب اور غم و الم میں مبتلا رہتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دشمنوں کو نعمتیں عطا فرمائے رہتا ہے اور وہ جلتا رہتا ہے۔ جتنا ان سے مصیبتیں ٹلتی ہیں اتنا ہی اس کو پریشانی اور تنگی ہوتی ہے اور مغموم اور محروم بنا پھرتا ہے۔ جو بات کہ اپنے دشمنوں کے لیے چاہتا ہے یا اس کے دشمن اس کے لیے چاہتے تھے اس میں وہ خود مبتلا ہوتا ہے۔ اس کی تمنا یہی تھی کہ دشمنوں کو رنج پہنچے مگر خود الم و رنج و غم میں پھنس گیا اور جس سے حسد کیا اس کی نعمت بھی حسد سے نہ گئی اگر بالفرض کسی کو قیامت اور حساب کتاب پر بھی ایمان نہ ہوتا تو پھر بمقتضائے عقل یہی سمجھتا کہ حسد سے بچے جس میں خود بخود اپنی جان کو رنج ہوا اور کوئی فائدہ بھی نہ ہو اگر عذاب آخرت کو بھی جانتا ہو پھر تو بطریق اولیٰ بچنا چاہئے ورنہ اس پر بہت ہی تعجب ہے کہ بے فائدہ خود کو غضب الٰہی کا ہدف بناتا ہے اور اپنا دین و دنیا تباہ کرتا ہے اور قسم و قسم کے رنج و محن کا متحمل ہو اور حاصل بھی کچھ نہ ہو اور جس سے حسد کرتا ہے اس کو دین و دنیا میں حسد کی وجہ سے ضرر کا نہ پہنچنا ظاہر ہے اس لیے کہ حسد کی وجہ سے اس کی نعمت زائل نہیں ہو سکتی بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کسی کے لیے اقبال و نعمت مقدر کیا ہے وہ وقت مقررہ تک رہے گا۔ اس کے دفع کا کوئی ذریعہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَكُلُّ شَيْءٍ عِندَهُ بِمِقْدَارٍ ۝ (الرعد 8) ترجمہ کنزالایمان: اور ہر چیز اس کے پاس ایک اندازے سے ہے۔ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ (الرعد 38) ترجمہ کنزالایمان: ہر وعدہ کی ایک لکھت ہے۔

حکایت: کسی نبی علیہ السلام نے اللہ کی جلوہ گاہ میں ایک عورت کی شکایت کی کہ وہ عوام پر حاکم ہو کر ظلم کرتی ہے۔ ارشاد ہوا کہ جو کچھ ہم نے ازل میں مقدر کردیا ہے اس کی تبدیلی کی کوئی صورت نہیں جتنا اقبال و عہد اس کا لکھا گیا وہ اسے ضرور ہوگا کسی کو اگرچہ برا محسوس ہو اسی لیے اس امر سے اجتناب کرو۔

خلاصہ جب نعمت کا زوال حسد سے نہیں ہوتا تو محسود کو دنیا میں کیا ضرر ہے اور آخرت میں کون سا گناہ اور اگر یہ گمان ہو کہ شاید حسد کی وجہ سے نعمت اس سے ختم ہو جائے تو اس میں اپنے نفس کا دشمن ہوتا ہے کیونکہ اگر کوئی حاسد کا بھی دشمن ہوگا جو اس پر حسد کرتا ہوگا۔ اگر حسد ہی نعمت چلی جائے تو دنیا میں کوئی بھی ایسا جس کے پاس اللہ تعالیٰ کی نعمت باقی رہے بلکہ نعمت ایمان سے بھی کوئی بہرہ ورنہ ہو کیونکہ کافر تو مسلمان کے ایمان پر حسد ہوتا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم (البقرہ 109) ترجمہ کنزالایمان: بہت کتابیوں نے چاہا کاش تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں اپنے دلوں کی جلن سے۔ عمد کرکے اپنے اندر سے جسے یہ تمنا ہے کہ میرے حسد کی وجہ سے دوسرے کی نعمت جاتی رہے وہ گویا چاہتا ہے کہ مجھ سے کفار کے حسد کی وجہ سے نعمت ایمان سلب ہو جائے اس طرح دیگر نعمتوں کا قیاس کرنا چاہئے اگر حاسد یہ سمجھتا ہو کہ میرے حسد سے تو اوروں کی نعمت مٹ جائے گی مگر اوروں کے حسد سے اس کی نعمت ختم ہوگی تو یہ

نہایت درجہ کی جہالت بلکہ حماقت ہے کیونکہ ہر ایک احمق یہی چاہتا ہے کہ نعمت خاص میرے ہی لیے ہو لیکن ترجیح اور اولیت کی وجہ نہیں ہوتی کہ دوسرے کے بجائے اس کے پاس آجائے بس یہ انعام رب العزت حسد کی وجہ سے اس کی نعمت کو زوال نہیں ہوتا بلکہ لائق شکر گزاری ہے جس کو جہلا برا جانتے ہیں اور محسود کا فائدہ دنیا و دین میں ظاہر ہے۔ دین میں تو اس لیے کہ اس پر حاسد نے ظلم و زیادتی کی ہے۔ بالخصوص ایسے حال میں کہ حسد کا اثر حاسد کے اقوال و افعال میں ہو اور محسود کی غیبت اور طعن اور تشنیع اور بے شک بدگوئی پر آمادہ کیا ہو۔ ان باتوں سے حاسد کے حسنات محسود کو ملیں گے اور قیامت میں نعمت آخرت سے خالی جائے گا جیسا وہ دنیا کی نعمت سے مفلس محروم رہا تو محسود کو یہ فائدہ ہوا کہ نعمت اخروی بہت زیادہ نصیب ہوئی ملی کہ نیکیاں مفت عطا ہوئیں اور حاسد کو شقاوت ہی شقاوت حاصل ہوئی کہ دنیا میں حسد کے مارے جلتا رہا اور آخرت میں تمام نیکیاں کرایا دوسرے کو دیکھیں اور محسود کا نفع دنیا میں یہ ہے کہ ہر ایک چاہتا ہے کہ میرے دشمنوں کو شقاوت اور برائی پہنچے اور ہمیشہ رنج و تکلیف میں رہیں۔ یہ بات محسود کی دشمنی یعنی حاسد میں موجود ہے کہ کوئی رنج و دکھ و حد کے رنج سے بڑھ کر نہیں اور دشمنوں کی انتہائی تمنا یہ ہوتی ہے کہ اپنے کاروبار چین سے انجام دین اور ان کے حاسد حسرت و غم میں مبتلا ہیں۔ پس حاسد محسود کی غرض و تمنا کے مطابق ہی رہتا ہے کہ وہ مزے لوٹتا ہے اور حاسد چھاتی کوٹتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دشمن اپنے حاسد کی موت نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ حاسد کی عمر زیادہ ہو تاکہ حسد کی آگ میں ہمیشہ جلتا ہے چنانچہ اس کے بارے میں کیا گیا طمات اعداتک بل خلدوا حتیٰ یروو فیک الذی یکم لا زلت محسود اعلی نعمتہ' فانما الکامل من یسحد ترجمہ' تیرے دشمن مر نہیں گئے بلکہ زندہ ہیں تاکہ تیری نعمتیں دیکھ کر جیتے رہیں۔ محسود ہمیشہ نعمت میں ہے۔ بے شک کامل انسان وہی ہے جس پر حسد کیا جائے وہ محسود اپنی نعمت کی اتنا خوش نہیں کرتا جتنا حاسد کے کی رنجش اسے خوش ہوتی ہے، اگر اسے معلوم ہو جائے کہ حاسد کو رنج حسد سے نجات ہوگئی تو اس پر گویا مصیبت ٹوٹ پڑی۔ اب اگر ان باتوں پر حاسد غور کرے تو یقین کرلے کہ وہ یقیناً اپنے نفس کا دشمن اور دشمن کا خیر خواہ ہے اس لیے کہ ایسی بات کی جس میں اپنا دنیا و آخرت میں نقصان ہوا اور دشمن کا دارین میں نفع رہا اور خالق و مخلوق کے سامنے برا ٹھہرا اور حال و مال میں بدبخت ہوا اور محسود کی نعمت جوں کی توں رہی۔ پھر اسی پر بس نہیں کہ دشمن کا کام بن گیا بلکہ ایک اور زیادہ خرابی یہ ہوئی کہ جو سب سے زیادہ دشمن ہے یعنی ابلیس اس کو بھی نہایت خوشی ہوئی اسی لیے کہ شیطان جب کسی شخص کو علم اور ورع اور جاہ اور مال کی نعمت سے مشرف پاتا ہے اور دوسرے کو محروم تو ڈرتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دوسرا شخص اس سے محبت کرنے لگے اور اس کو بھی اتنا ہی ثواب ملے اسی لیے اس کی دل میں بغض ڈال دیتا ہے کہ محبت کے ثواب سے محروم رہے جیسا کہ عمل کے ثواب سے محروم رہا ہے۔ احادیث سے ثابت ہے جو شخص مسلمانوں کی بہتری چاہے اس میں وہ بھی شریک رہتا ہے۔

حکایت: ایک اعرابی نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ فلاں شخص قوم سے محبت کرتا

ہے حالانکہ وہ اس کا ہمسر نہیں آپ نے فرمایا الموسع من احب (ترجمہ) وہ اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

حکایت: ایک دن خطبہ کے درمیان میں ایک اعرابی حضور ﷺ کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ قیامت کب ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ تونے اس کا کیا سامان تیار کیا ہے اس نے عرض کی کہ میں نے اس کے لیے بہت روزے یا نمازیں تو جمع نہیں کی لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا انت مع من اجببت ترجمہ: تو اس کے ساتھ جس سے تیری محبت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جیسے مسلمانوں کو اس دن خوشی ہوئی کبھی نہیں ہوئی ہوگی۔ یعنی اس وجہ سے اکثر کا اعتماد اللہ و رسول کی محبت پر تھا (ﷺ و جل جلالہ)

فائدہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول ﷺ اور ابوبکر و عمر سے محبت کرتے ہیں۔ اگرچہ ان جیسے عمل نہیں کرتے اس محبت کے باعث اللہ کی ذات سے امید ہے کہ ہم ان کے ساتھ ہی ہوں گے۔

حکایت: حضرت ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں شخص خود تو نماز روزہ ادا نہیں کرتا مگر نمازیوں اور روزہ داروں سے محبت رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا الموسع من احب ترجمہ: ہر مرد قیامت میں اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس کی محبت ہے کسی نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ بات پہلے سے مشہور ہے کہ اگر آدمی سے ہو سکے تو عالم ہو عالم نہ ہو سکے تو متعلم ہو متعلم بھی نہ ہو سکے تو ان سے محبت رکھے اور محبت بھی نہ رکھ سکے تو بغض بھی نہ کرے آپ ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ' اللہ تعالیٰ نے بڑی آسانی فرمائی ہے۔

انتباہ: غور کرنا چاہئے کہ ابلیس کو بوجہ حسد کے کس طرح محبت کے ثواب سے محروم رکھا اور اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ دوسرے کا بغض بھی دل میں ڈال کر اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ دوسرے کا بغض بھی دل میں ڈال کر اس کو نظروں سے گرا دیا۔ یہاں تک کہ گنہگار ٹھہرایا۔

فائدہ: حاسد کے گناہ میں کوئی شک نہیں مثلاً اگر کسی عالم دین سے حسد کرے اور یہ چاہے کہ کسی طرح اس سے دین میں بھول چوک ہو جائے اور اس کی بھول چوک ظاہر ہو کر رسوا ہو یا تقریر سے رک جائے یا بیمار ہو کر درس تدریس سے باز رہے تو اس سے بڑھ کر اور کون سا گناہ ہو گا ہاں اگر کوئی عالم دین کے درجہ تک نہ پہنچے اس وجہ سے غمگین ہو تو گناہ اور عذاب اخروی سے محفوظ رہے گا۔

حدیث: جنت کی تین قسم ہیں المحسن والمحب لا ولکاف عنہ ترجمہ: احسان کرنے والا' اس سے محبت کرنے والا' اس کی طرف سے روکنے والا یعنی مصاحب (ساتھی دوست) یعنی تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں کہ جو محسن سے ایذا

دفع کریں۔

فائدہ: ایذا سے مراد ایذا جسمانی اور حسد اور بغض اور کراہت وغیرہ ہیں لیکن مثال مذکورہ بالا میں شیطان نے حاسد کو تینوں قسموں میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑا تو حاسد کے حسد نے تو دشمن پر کچھ اثر نہ کیا مگر شیطان کا حسد اس کے نفس پر اثر کرگیا۔ یہاں تک کہ خواب یا بیداری میں حاسد کا حال اس پر منکشف ہو جائے یوں معلوم ہو گا کہ اپنے دشمن کی طرف تیر پھینک رہا ہے کہ اس کو قتل کرے لیکن پہلا تیر جو مارا اسے نہ لگا بلکہ خود اس کی داہنی آنکھ میں لوٹ آیا پھر غصہ ہو کر دوسرا مارا وہ بھی اچٹ کر اس کی بائیں آنکھ میں پہنچا پھر اور جھنجھلا کر تیسرا تیر مارا اور وہ بھی ہٹ کر اس کے سر میں آلگا اسی طرح بار بار یہ اس کو تاک تاک کرکے مارتا ہے مگر ہر بار اس کو لگتا رہا لیکن وہ محسود سالم و محفوظ رہتا ہے بلکہ اس کی حرکات پر ہنستا اور تالیاں بجاتا ہے۔ محسود اور شیطان حاسد کا اسی طرح تمسخر کرتے ہیں بلکہ اگر غور کیا جائے تو حاسد کا حال تیر انداز کی بہ نسبت زیادہ برا ہے کیونکہ تیر سے نقصان آنکھوں کا یا اعضا ظاہری کا ہوتا ہے کہ اگر بالفرض اس وقت بچ جاتے تو مرنے کے بعد فنا ہو جاتے اور حاسد کے اوپر گناہوں کو بوچھاڑ ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس کا رنج ساتھ رہے گا۔ ممکن ہے کہ غضب و دوزخ میں پہنچا دے گا۔ دنیا میں اندھا ہو کر رہنا اس بات سے بہتر ہے کہ آنکھوں کے ہوتے دوزخ میں ہو جائے اور ان کو آتش دوزخ کے جلائے (انتباہ) غور فرما لیجے کہ اللہ تعالیٰ نے حاسد سے کیا بدلہ لیا یہ یوں چاہتا ہے کہ دوسرے کے پاس سے نعمت جاتی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نعمت تو ضائع نہ کی بلکہ حاسد سے ضائع ہوئی گناہ سے بچا رہنا اور غم و الم سے سلامت رہنا بڑی نعمت تھی۔ حاسد کو ان سے محروم کر دیا گیا چنانچہ خود فرماتا ہے۔ یایحیق المرلیسی الا بلہ (ترجمہ) اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس بات کی تمنا دشمن کے لیے کرتا ہے وہ خود اس میں مبتلا ہو جاتا ہے بلکہ ایسا کم ہوتا ہے کہ جو دوسرے کی برائی چاہئے خود اس میں مبتلا نہ ہو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو چیز میں نے کبھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے تمنا کی وہ مجھ پر پڑی یہاں تک کہ میں نے ان کے قتل کی تمنا کرتی تو خود مقتول ہوتی۔

فائدہ: یہ حال صرف حسد کے گناہ کا ہے اس سے ان چیزوں کو خیال کرنا چاہئے جو حسد کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں یعنی اختلاف اور انکار حق اور ہاتھ اور زبان کا فحش پر مستعمل ہونا دل کے جلن وغیرہ وغیرہ بہرحال یہ وہ مرض ہے جس سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں۔

فائدہ: یہاں تک حد کا علاج علمی تھا جب آدمی ذہن صاف اور حضور قلب سے اس کو سوچے گا حسد کی آگ دل کی گہرائیوں سے بجھ جائے گی اور معلوم کرے گا کہ یہ بلا میرے نفس کے لیے مہلک ہے اور دشمنوں کی خوش کرنے والی اور پروردگار عالم کے ناراض کرنے والے اور عیش مکدر کرنے والی ہے۔

حسد کا عملی علاج: جس کام کا حسد مقتضی ہو اس کے خلاف عمل کرے۔ قول سے یا فعل سے مثلاً اگر حسد اس بات کو چاہئے کہ محسود کی برائی بیان کرے تو زبان سے بزور اس کی مدح و ثنا کرے۔ اگر حسد کے بارے تکبر کو جی چاہے تو بتکلف اس سے مواضع اور عذر پیش آئے۔ اگر حسد اس کے کچھ نہ دینے کا مقتضی ہو تو جتنا پہلے دیتا تھا اس سے زیادہ دینے کی عادت کرے جب ان امور میں کوشش اور جدوجہد کرے گا اور محسود کو معلوم ہو جائے گا تو وہ راضی ہو جائے گا اور محبت کرنے لگے گا اور جب اس کی طرف سے محبت ہوگی تو حاسد کو بھی خواہ مخواہ محبت پیدا ہوگی اور آپس کے اتفاق سے بالکل مادہ حد کا ختم ہو جائے گا اس کے لیے تواقع اور مدح و ثنا اور نعمت پر اظہار سرور سے نعمت والے کا دل کھینچ آتا ہے اور وہ غلام بن جاتا ہے اور شفقت و مہربانی سے پیش آتا ہے اور ان کے عوض سلوک کرنا چاہتا ہے۔ جب اس کی طرف سے نیک سلوک ہوتا ہے تو دوسری طرف سے بھی انسان بندہ احسان ہو جاتا ہے پھر جو باتیں بتکلف سرزد ہوتی تھیں۔ اب طبعاً" ہونے لگتی ہیں۔ (ایک غلطی کا ازالہ) یاد رہے کہ اس مارنے میں شیطان حاسد کو یہ دھوکہ دیتا ہے کہ اگر تو تواضع اور اس کی تعریف کرے گا تو محسود کی نظروں میں عاجز یا ذلیل یا خوف زدہ یا منافق ٹھہرے گا تو سالک کو چاہئے کہ شیطان کے اس فریب میں نہ آئے بلکہ یوں سمجھے کہ حسن سلوک تکلفاً ہو یا طبعاً" عداوت طرفین کو ٹھنڈا کر دیتی ہے اور حسد کے دانت کھٹے ہو جاتے ہیں۔ دل الفت اور محبت کی طرف رجوع کرتا ہے اور حسد کے رنج و عذاب اور بغض کے دکھ سے راحت پاتا ہے۔

فائدہ: حسد کا علاج ہے اور نہایت مفید ہے اس لیے کہ یہ سخت کڑوا ہے جو شخص تلخی دوا پر صبر نہ کرے گا وہ شیرینی شفا کی شیرینی بھی نہ چکھے گا۔ اس کی دوا کی تلخی آسان معلوم ہوتی ہے۔ جب آدمی ان باتوں کو سوچے جو اوپر مذکورہ ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کے حکموں پر راضی رہے اور ثواب رضا کا طالب اور اپنے لیے وہی منظور ہو جو اللہ کا منظور ہو اپنے نفس سے خیال نکال دے کہ کوئی چیز میری مرضی کے خلاف نہ ہو کیونکہ اگر یہ بات دل میں جمی رہے گی تو گویا بے ہودہ بات کا خواہاں ہوگا اس لیے کہ اس امر کی طمع کرنا کہ سب کام میرے حسب مراد ہوں سراسر فضول ہے اور چونکہ مراد کا نہ ملنا بھی ایک طرح کی ذلت اور خست ہے اور اس ذلت سے بچاؤ کی صورت دو طرح پر ہے یا تو سب کام مرضی کے موافق ہوں یا جو کچھ ہو جائے اس پر راضی ہو امر دل اپنے اختیار میں نہیں نہ تکلف اور مجاہدہ اس میں کار آمد اس لیے دوسری بات مجاہدہ و ریاضت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ہر ایک عاقل کو اس کا حاصل کرنا واجب ہے۔ یہ علاج بطور اجمال بیان ہوا اور مفصل علاج جس سے اسباب حسد کی بیخ کنی ہو یعنی کبر اور عزت نفس اور امور بے ہودہ پر اصرار کیا کہ تیسرہ ان کی تفصیل اور ہر ایک سبب کا علاج ان شاء اللہ اپنے اپنے موقع پر آئے گا کیونکہ اس مرضی کا مادہ یہی اسباب ہیں اور مرضی بغیر قطع مواد کے نہیں جاتا۔ پس جو شخص ان علاجوں کو دستور العمل بنائے گا تو اور کچھ نہیں تو اس قدر تو ضرور ہوگا کہ دل میں تسکین اور ٹھنڈک ہو جائے گی اور مواد کے رہتے ہوئے تسکین حاصل ہوگی۔ باوجود سخت محنت کے بھی دشوار ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ کوئی شخص محبت جاہ رکھتا ہے جو

اسباب حد میں سے تو ضرور اپنے حریف پر حسد کرے گا اور اس کی نسبت لوگوں کے دلوں میں زیادہ جگہ ماننا چاہے گا اور اگر وہ زیادہ تر مقبول ہوگا۔ اس کو رنج ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ اپنے ہاتھ و زبان سے اس غم کا اظہار نہ کرے اور پی جائے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ محبت جاہ بھی باقی ہو اور حسد نہ رہے۔

حسد دور کرنا کس قدر واجب ہے: ایذا دہندہ پر انسان کو طبعاً غصہ آتا ہے۔ مثلاً اگر تمہیں کوئی ایذا دے تو تم سے یہ نہ ہو سکے گا کہ تم اس سے بغض نہ رکھو یا اس پر کوئی نعمت آئے تو برا نہ جانو اور نیکی و برائی میں اس کا حال اپنے نزدیک برابر سمجھو بلکہ دونوں حالوں میں ہمیشہ فرق معلوم ہوگا اور شیطان بھی علی الدوام حسد کی طرف کھینچتا رہے گا لیکن اگر اس کا جذبہ غالب پر آجائے گا حتیٰ کہ ظہور حسد تمہارے قول و فعل اختیاری میں ہونے لگے تو تم حاسد اور گنہگار ٹھہو گے۔ اگر اپنے ظاہر کو بالکل ایسے امور سے روکے رکھو گے مگر باطن میں اسباب کے طالب ہو گے کہ اس کی نعمت جاتی رہے گی۔ اس برا نہ جانتے ہو گے تب بھی حاسد اور عاصی ہوؤ گے۔ اسی لیے کہ حسد قلب کی فعلی صفت ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا اور فرمایا وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً (النساء 89) ترجمہ کنزالایمان: وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ کہیں تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے تم سب ایک سے ہو جاؤ۔ اور فرمایا اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ (آل عمران 120) ترجمہ کنزالایمان: تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے۔ اور نہیں پاتے اپنے دل میں غرض اس چیز سے جو اس کو ملا۔ جانتے ہیں کہ تم بڑے کافر ہو جیسے وہ ہوئے پھر سب برابر ہو جاؤ۔ اگر تم کو ملے کچھ بھلائی بری لگے ان کو۔

فائدہ: افعال جو حسد سے سرزد ہوتے ہیں مثلاً غیبت اور جھوٹ وغیرہ وہ عین حسد نہیں ہیں بلکہ محل حسد قلب ہیں۔ اعضاء ظاہری اس کے محل نہیں ہیں ہاں اتنا فرق ہے کہ اس قسم حسد میں جو اقوال و افعال ظاہری میں نہ آئے اور دل ہی میں رہے۔ بندے کوئی حق نہیں کہ اس کا معاف کرانا اسے واجب ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گنہگار ٹھہرتا ہے اور معاف کرنا وہاں واجب ہوتا ہے جہاں اسباب کا ظہور اعضاء ظاہری پر ہو۔ اگر باوجود اعضا ظاہری کے روکنے کے اپنے نفس کی اس حالت کو بھی برا سمجھو کہ دوسرے کی نعمت کا زائل ہونا کیونکہ پسند کرتا ہے یہاں تک کہ گویا نفس پر اس وجہ سے غصہ کرو تو یہ برا سمجھنا عقل کی جانب سے ہوگا یعنی طبیعت کی طرف ہے جو خواہش زوال نعمت پائی جائے گی۔ اس کو برا جاننا عقل کی طرف سے ہوگا۔ اس صورت میں تم پر واجب تھا کہ وہ کر گزارتے مگر اس سے زیادہ اور کچھ اختیار میں نہیں ہوتا۔ اس طرح پر طبیعت کا بدل دینا اس کے نزدیک موذی اور محسن ایک سے ہو جائیں۔ یہ بات خوش آئے یا مصیبت ٹوٹ پڑے۔ اس کا یکساں حال رہے۔ یہ امر طاقت طبعی سے باہر ہے بشرطیکہ انسان دنیا کی لذت میں گرفتار ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی محبت میں مستغرق ہوگا اور شراب حقیقی سے سرشار ہوگا تو ایسا حال ہو جائے گا کہ بندوں کے مختلف احوال کی طرف توجہ نہ رہے گی۔ سب کو ایک نگاہ سے دیکھے گا۔ یعنی سب کو نظر رحمت سے دیکھے گا اور سب کو مخلوق اللہ اور ان افعال کو افعال خدا سمجھے گا اور تمام مخلوق کو حکم الٰہی کے

تابع جانے گا اور یہ حال اگر کسی کو میسر بھی ہوتا ہے تو دائمی نہیں بجلی کی چمک کی طرح آناً فاناً گزر جاتا ہے۔ پھر قلب اپنی طبعی حالت کی طرف آجاتا ہے اور دشمن جانی شیطان لعین پھر وہی وسوسہ ڈالنا شروع کرتا ہے۔ پس اگر اس مردود کے مقابلہ میں بذریعہ عقل اس کی بات کو برا جانے گا تو جو امر اس کے ذمہ واجب ہے اس کو ادا کر چکا۔

فائدہ: بعض کا قول ہے کہ حسد کا ظہور اعضاء ظاہری میں نہ ہو اس وقت تک گناہ نہیں ہوتا حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ سے کسی نے حسد کا پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو پوشیدہ رکھنا چاہئے اس سے کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ جب تک کہ ظاہر نہ کرو گے۔ بعض نے یہ روایت ان سے موقوف اور موضوع بیان کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ثلاثہ لایخلوا منھن مومن ولا منھن یخرج مخرجہ من الحسدان یابیتغی ترجمہ: تین باتیں ایسی ہیں کہ مومن ان سے خالی نہیں ہوتا لیکن اس کے لیے لیکن اس سے نکلنے کی ایک صورت ہے وہ یہ کہ حسد سے تجاوز نہ کرے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ اس سے وہی مراد لیجائے جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ یعنی دین اور عقل کی جانب سے یہ مقابلہ محبت طبعی حسد باطنی کی برائی بھی دل میں ہو اور اس برائی کی وجہ سے نفی و ایذا سے باز رہے کیونکہ جتنا احادیث حسد کی مذمت میں وارد ہوتی ہیں بظاہر اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ہر طرح کا حاسد گنہگار ہے۔ علاوہ ازیں حسد صفت قلب کا نام ہے نہ کہ افعال کا۔

فائدہ: اس سے واضح ہوا کہ جو کسی مسلمان کی برائی بیان کرے وہ لازماً حاسد ہے۔ (مسئلہ) اگر کوئی دل میں حسد کرے لیکن زبان پر لائے اس میں اختلاف ہے (کہ یہ گناہ ہے یا نہ) بظاہر آیات و احادیث سے وہی ثابت ہوتا ہے جو ہم نے اوپر لکھا کہ (گناہ ہے) اور معنوی طور پر بھی کچھ ایسے ہی معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ یہ بعید ہے کوئی کسی مسلمان کی دل سے برائی کا خواہاں ہو اور اس خواہش برا بھی نہ سمجھے۔ پھر اسے معاف کیا جائے (یعنی گنہگار نہ سمجھا جائے)

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ انسان کے دشمن کے ساتھ تین حال ہوئے۔(1)۔بحسب مقتضائے طبع کسی کی برائی چاہے لیکن اس خواہش کو عقلاً برا سمجھے بلکہ خود پر غصہ کرے اور کوشش میں ہو کہ کسی طرح اس سے یہ خواہش دفع ہو تو اس قسم کا حسد معاف ہے اس لیے کہ انسان کے اختیار میں اس سے بڑھ کر کوئی شے نہیں (2) دل میں خواہش ہو کہ فلاں شخص کی نعمت اس سے زائل ہو جائے اور اس کی برائی سے خوشی ظاہر کرے زبان سے یا اعضاء سے تو یقیناً یہ حسد ممنوع ہے۔ (3) حسد صرف دل میں ہو اور نہ وہ اسے برا سمجھے اور خود پر اس سے غصہ کرے لیکن اعضائے ظاہرہ پر بھی اس کا اثر ظاہر نہ ہو اور مقتضائے حسد اپنے اختیار سے کوئی کام نہ کرے تو ایسے حسد میں اختلاف ہے۔ اس کے متعلق فیصلہ یہ ہے کہ بقدر امکان محبت زوال نعمت محسود گناہ ہو۔ یعنی اس کے زوال کی زیادہ محبت ہو تو زیادہ گناہ ہے تھوڑی محبت ہے تو تھوڑا گناہ۔

باب 6

مذمت دنیا

اللہ تعالٰی اور اس کے دوستوں اور دشمنوں کی دنیا اس لیے دشمن ہے کہ اللہ تعالٰی کے بندوں کو اس کا راستہ نہیں چلنے دیتی۔ رہزنی کرتی ہے اس وجہ سے جب سے اللہ تعالٰی نے اسے پیدا کیا ہے اس کی طرف اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ ہاں محبوبانہ اللہ کی اس وجہ سے دشمن ہے کہ ان کے سامنے ہر زیبائش و آرائش سے بن ٹھن کر آتی ہے اور عجیب ناز نخرہ دکھلاتی ہے کہ کس طرح بیٹھے اگر شیفتہ ہو جائیں یہی وجہ ہے کہ اسے علیحدہ کرنے میں بہت زیادہ صبر کرنا پڑتا ہے۔ دشمنان خدا کی اس لیے دشمن ہے کہ اس نے مکرو فریب سے انہیں پھنسا لیا یہاں تک کہ وہ اس پر اعتماد کر بیٹھے لیکن پھر وہ ان کو ایسا محتاج کرتی ہے کہ بجز حسرت و ندامت کے قبر میں کچھ ساتھ نہ لے جائے گے اور ہمیشہ کی سعادت سے محروم رہیں گے۔ ان کے دل میں دنیا کی جدائی کا داغ علاوہ ہوگا اور اخروی مصائب میں بری طرح مبتلا ہوں گے۔ اگر فریاد کریں گے تو جواب سنیں گے۔ اخْسَـُٔوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ اور اس آیت کے مصداق بنیں گے أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ (البقرۃ 86) ترجمہ کنزالایمان: یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی مول لی تو نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہو اور نہ ان کی مدد کی جائے۔

فائدہ: جب دنیا کی آفات و بلیات کا یہ حال ہے تو پھر پہلے اس کی حقیقت اور ماہیت کا پہچاننا بہت ضروری ہے اور یہ کہ باوجود عداوت کے اس کے پیدا ہونے میں کیا حکمت ہے۔ اسی طرح اس کے فریب اور شر کے راستوں کو بھی معلوم کرنا لازمی ہے اس لیے کہ جو برائی کو جانتا ہی نہیں تو وہ اس سے کس طرح بچے گا بلکہ یقیناً اس میں مبتلا ہو جائے گا اسی لیے ہم دنیا کی مذمت اور مثالیں اور حقیقت اور اس کے معانی اور اس کے اقسام تفصیل سے بیان کرتے ہیں نیز جس وجہ سے ان کی طرف ضرورت ہوتی ہے اور جس سبب سے کہ لوگ اس سے فضول باتوں میں مشغول ہو کر اللہ سے دور ہو جاتے ہیں اسے بھی لکھیں گے (ان شاء اللہ تعالٰی ثم ان شاء رسول اللہ ﷺ) قرآن مجید میں دنیا کی مذمت آیات میں ہے اور اکثر جگہ عوام کو اس سے اعراض اور آخرت کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے بلکہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے بھیجنے کا بھی صرف یہی مقصود ہے۔ اس لحاظ سے کلام اللہ سے اس کی سند لانے کی ضرورت نہیں صرف چند احادیث جو اس کے متعلق وارد ہیں لکھی جاتی ہیں۔

احادیث مبارکہ (۱) حضور ﷺ کا ایک مرڈ اور بکری پر گزر ہوا۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ بکری اپنے مالک کے نزدیک ذلیل ہے یا نہیں۔ عرض کیا گیا اگر ذلیل نہ ہو تو اسے یہاں کیوں پھینک جاتا۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس بکری سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ اگر دنیا اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی اچھی ہوتی تو کافر کو اس میں ایک گھونٹ پانی بھی نہ ملتا اور دوسری حدیث میں (۲) فرمایا الدنیا سجن المومن وجنته الکافر دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت۔ اور فرمایا الدنیا ملعونة و ملعون ما فیھا الا ما کان اللہ منھا (ترجمہ) دنیا ملعون ہے اور جو اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے۔ بجز ان اشیاء کے جو اللہ کے لیے ہوں۔ حدیث نمبر 4 حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ من احب دنیاہ اضر باٰخرۃ و من احب اخرۃ اضر بدنیاہ فاثرو اما یبقیٰ علی ما یفنی ترجمہ: جو اپنی دنیا سے محبت رکھتا ہے وہ اپنی آخرت کو ضرر پہنچاتا ہے اور جو آخرت سے محبت کرتا ہے وہ دنیا کا ضرر کرتا ہے۔ پس اختیار کرو باقی کو فانی پر حدیث نمبر5 دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے۔

حکایت: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے کہ آپ نے پانی مانگا پانی شہد میں ملا ہوا لایا گیا جب آپ نے منہ لگایا تو خوب روئے یہاں تک تمام رفقا بھی رونے لگے دوسرے تو خاموش ہو گئے لیکن حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بدستور رو رہے تھے حتیٰ کہ لوگوں نے سوچا کہ ہم سب سبب گریاں نہ پوچھ سکے جب آپ نے اپنی آنکھیں پونچھیں تو لوگوں نے عرض کیا اے نائب رسول ﷺ آپ کیوں روئے۔ آپ نے فرمایا میں ایک دفعہ حضور ﷺ کے ساتھ تھا۔ دیکھا کہ آپ کسی سے فرماتے ہیں کہ میرے پاس سے دور ہو حالانکہ وہاں کوئی نہ تھا میں نے عرض کیا آپ کس کو دور فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت دنیا مجسم ہو کر میرے سامنے آئی میں نے اس کو کہا مجھ سے علیحدہ رہ پھر وہ آئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ اگر آپ مجھ سے بچے بھی رہیں تب بھی آپ کے بعد کے لوگ مجھ سے نہیں بچ سکیں گے۔

حدیث نمبر6: یا عجبا کل العجب لمصدق بلاار الخلود وھو یسعی لدالا لغرور ترجمہ بڑا تعجب ہے وہ دنیا کے لیے سعی کرتا ہے۔ اس پر جو بقا والی (آخرت) کی تصدیق تو کرتا ہے۔

حدیث نمبر7: روایت ہے کہ حضور ﷺ ایک گھوڑے پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ آؤ دنیا دیکھو پھر اس گھوڑے سے ایک سڑا ہوا کپڑا اور گلی ہوئی ہڈیاں لے کر فرمایا ہذا الدنیا یہ ہے دنیا۔

فائدہ: اس میں یہ اشارہ فرمایا کہ زینت دنیا بھی ان کپڑوں کی طرف جلد تر پرانی ہو جائے گی اور جو جسم دنیا میں پرورش پاتے ہیں وہ ان ہڈیوں کی طرح گل سڑ جائیں گے۔

حدیث نمبر8: فرمایا کہ ان الدنیا حلوۃ خضرۃ وان اللہ سنخلفکم فیھا ناظر کیف تعلمون ان بنی

اسرائیل لما بسطت لھم الدنیا ومھدت تاہوافی الحلیتہ والنسا والطیب و الیثاب (ترجمہ) دنیا میٹھی اور سبز ہے اور اللہ تعالیٰ تم کو اس میں خلیفہ کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ تم کیسے عمل کرو گے جب بنی اسرائیل کے لیے دنیا زیادہ ہوئی اور اس کا خوب پھیلاؤ ہوا تو زیورات اور عورتوں اور خوشبو اور کپڑوں میں مست ہوگئے۔

حدیث نمبر9 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ دنیا کو اپنا مالک نہ بناؤ وہ تم کو اپنا غلام بنا لے گی اور اپنا خزانہ ایسے کے پاس جمع کرو جو ضائع نہ کرے۔

فائدہ: دنیا میں خزانہ والے پر آفت کا خوف رہتا ہے جس کا خزانہ اللہ کے پاس ہوگا اس کو آفت کا خوف نہیں۔

حدیث نمبر10: یہ بھی انہیں کا ارشاد ہے کہ میرے حواریو! میں نے تمہارے لیے دنیا کو اوندھے منہ کردیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میرے بعد تم اسے اٹھا کر کھڑا کردو' یہ دنیا کی خباثت سے ہے کہ انسان دنیا کے لیے اللہ کی بے فرمانی کرتا ہے اور جب تک یہ نہیں چھوٹتی آخرت نہیں ملتی۔ دنیا کو گزر گاہ سمجھو اور مسافروں کی طرح اس سے گزر جاؤ۔ عمارت وغیرہ نہ بناؤ اور جان لو کہ تمام برائیوں کی جڑ دنیا کی محبت ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک گھڑی کی ہو ہائے نفس عرصہ تک رنج کا موجب ہوتا ہے۔

حدیث نمبر11: یہ بھی انہیں کے ارشادات میں سے ہے کہ اے حواریو! تمہارے لیے دنیا اوندھے منہ پڑی ہے اور تم اس کی پشت پر بیٹھے ہو تو چاہئے کہ دنیا کے بارے میں بادشاہ اور عورتوں میں تمہارا مقابلہ نہ کریں۔ یعنی بادشاہوں سے دنیا کے لیے مت جھگڑو کیونکہ جب تم ان سے اور ان کی دنیا سے غرض نہ رکھو گے تو وہ تمہارے درپے نہ ہوں گے اور عورتوں سے بچاؤ کی صورت نماز روزہ سے ہے۔

حدیث نمبر12 یہ بھی فرمایا کہ دنیا بعض کی خود طالب ہے اور بعض اس کے طالب ہیں جو لوگ طالب آخرت ہیں ان کی تو دنیا زندگی بھر طالب ہے اور جو طالب دنیا ہیں ان کو آخرت بلاتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ موت اس کی گردن پر سوار ہو جاتی ہے۔ حدیث نمبر 13 حضرت موسیٰ بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان اللّٰہ جل شانہ ما خلق ابغض الیہ من الدنیا ان منذ خلقھالم ینظر الیھا ترجمہ۔ اللہ جل شانہ نے اپنے نزدیک کوئی مخلوق دنیا سے زیادہ بری پیدا نہیں کی۔ اسے جب سے پیدا کیا ہے تو اس کی طرف نگاہ کرامت سے نہیں دیکھا۔

حکایت: حضرت سلیمان بن داؤد علی نبیناء و علیہما السلام بنی اسرائیل کے ایک عابد کے پاس تشریف لے گئے۔ لشکر آپ کے ہمرکاب تھا۔ دائیں' بائیں جن اور آدمی حلقے باندھے اور جانور اوپر سے سایہ کیے تھے۔ عابد نے عرض کیا کہ اے سلیمان ابن داؤد علی نبیناء علیہما السلام اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی سلطنت عنایت فرمائی آپ نے فرمایا کہ مومن کے نامہ اعمال میں ایک دفعہ سبحان اللہ کہنا اس تمام سلطنت کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ جو کچھ مجھے ملا ہے سب فانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہمیشہ ساتھ رہنے والا ہے۔ حدیث نمبر 14 حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے الھکم

التکاثر اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کہا کرتا ہے کہ یہ مال میرا ہے یہ مال میرا ہے حالانکہ اس کا مال اسی قدر ہے جو کھانے میں خرچ کیا یا پہن کر ختم کیا یا خیرات دے کر جمع کیا۔ **حدیث نمبر15** فرمایا الدنیا دار من لا دار له مال من لا مال له و علیها لعادی من لا علم له ولها یحسد من لا فقه له ولما لسعی من لا یقین ترجمہ۔ دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں اور دنیا اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو اور اسے وہ جمع کرتا ہے جسے عقل نہ ہو اور اس کے لیے وہ دشمنی کرتا ہے جسے علم نہ ہو اور اس پر وہ حد کرتا ہے۔ حدیث ۱۶ من اصبح والدنیا اکبر همه فلیس من الله فی شیی الله قلبه اربع خصال هما لا قطع عنه ابدوا شغلا لا یتفوغ منه ابداو فقرا لا یبلغ غناه ابداً املا لا مبغ جو زندگی بسر کرے اور اس کا سب سے بڑا مقصد حصول دنیا ہو تو اسے بعد نکالے کچھ نصیب نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کے دل پر چار عادتیں چمٹا دے گا جو وہی ہمیشہ اس کا مطمح نظر ہوں گی۔ (1) دنیا کا غم کبھی اس سے جدا نہ ہوگا (2) دنیا مشغلہ کہ سوا اس کا اور کوئی مشغلہ نہ ہوگا کبھی اس سے ہمیشہ تک فارغ نہ ہوگا۔ (3) فقر کبھی اسے استغنا نصیب نہ ہو۔ (4) آرزو جسے کبھی حاصل نہ کر سکے گا۔ حدیث ۱۷ سیدنا ابو ہریرہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ میں تجھ کو دنیا و ما فیہا دکھاؤں۔ میں نے عرض کیا ہاں۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مدینہ مطہرہ کے ایک جنگل میں تشریف لے گئے وہاں ایک جگہ کھوپڑیاں اور پاخانہ و ہڈیاں اور چیتھڑے پڑے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ یہ کھوپڑیاں ہیں جو فخر و ناز کرتی تھیں جیسے تم کرتے ہو اور ایسے ہی آرزوئیں کیا کرتی تھیں جیسے تم کرتے ہو آج یہ ایسی ہوگئیں کہ ان پر چمڑا نہیں۔ اب چند روز میں راکھ ہو جائیں گی اور یہ پاخانہ جو دیکھتے ہو یہ ان کی غذا تھی نہ معلوم کہاں کہاں سے کما کر کھاتے تھے۔ آج ویسا ہوگئی کہ تم کو اسی سے نفرت ہے اور یہ چیتھڑے ان کی پوشاک تھی کہ خواہشات سے مارے مارے پھرتے ہیں اور یہ ہڈیاں ان کی سواریوں کی ہیں جن پر وہ سوار ہو کر شہر بہ شہر پھرا کرتے تھے تو یہ انجام ہے۔ اس دار ناپائیدار کا اسی لیے مقام عبرت و گریہ ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جب تک وہاں سے نہ ہٹے یہی فرماتے رہے۔

حدیث قدسی 18: مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو ارشاد فرمایا' ابن للخراب وولد للفناء

حدیث نمبر19: حضرت داؤد بن بلال رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں ہے کہ اے دنیا صلحاء کے نزدیک تو بڑی ذلیل ہے ان کے لیے تو بن سنور کر سامنے جاتی ہے۔ میں ان کے دلوں میں تیرا بغض ڈالتا ہوں اور تیری طرف اعراض' کوئی مخلوق تجھ سے زیادہ ذلیل نہیں بنائی تیری ہر ایک حالت ذلیل ہے بالآخر تو فنا ہوگی اور جس دن میں نے تجھے پیدا کیا اسی دن سے حکم کر چکا ہوں کہ کبھی اس کے پاس نہ رہے گی نہ کوئی تیرے پاس رہے گا۔ اگرچہ کتنا ہی بخل و امساک کی کرے مبارک ہو ان نیک لوگوں کو جن کا اچھا حال ہے ان کے دل میں رضا اور ضمیر میں راستی و استقامت ہو ان کا اجر و ثواب میرے پاس یہ ہوگا کہ جب قبروں سے اٹھ کر میری طرف چلیں گے تو ان

کے آگے آگے نور ہوگا اور فرشتے ان کے گرد ہوں گے جس قدر رحمت کی وہ مجھ سے توقع کرتے ہوں گے اسی قدر ان کو عطا کروں گا۔

حدیث نمبر20: حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کو جب سے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اس وقت سے گری ہوئی ہے۔ اس کی طرف اللہ تعالیٰ نگاہ نہیں فرماتا' قیامت کے دن عرض کرے گی کہ الٰہی آج اپنے کسی ادنیٰ ولی کے لیے مجھ میں سے حصہ عنایت فرما۔ ارشاد فرمائے گا خاموش دنیا میں تو میں نے تجھے اس کے لیے پسند نہیں فرمایا۔ آخرت میں آج کیسے پسند کروں۔

فائدہ: حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے کہ جب انہوں نے درخت میں کچھ کھایا تو ان کے پیٹ میں کچھ گڑبڑ ہوئی کیونکہ یہ جنت کی غذاؤں میں سے نہ تھی اس کی کھانے سے انہیں پاخانہ کی ضرورت ہوئی کیونکہ اس درخت میں یہ تاثیر رکھی گئی تھی کہ وہ پیٹ میں گڑبڑ کرے۔ اسی وجہ سے ممانعت بھی ہوئی تھی۔ پھر آدم علیہ اسلام نے حاجت کے لیے ادھر ادھر گھومنا شروع کیا۔ ایک فرشتہ کو حکم ہوا کہ ان سے پوچھو کیا چاہتے ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے پیٹ میں گڑبڑ ہے اس کو کہیں باہر پھینکوں - فرشتے نے کہا کہ یہاں کون سی جگہ اس قابل ہے۔ فرش اور تخت اور نہریں اور درختوں کے سائے ہیں۔ ان میں سے کوئی جگہ بھی اس قابل نہیں اس کے لیے دنیا میں جاؤ۔ حدیث نمبر21: قیامت کے دن بعض لوگ ایسے حاضر ہوں گے کہ ان کے اعمال وادی تہامہ کے پہاڑوں جیسے ہوں گے۔ ان کے لیے حکم ہوگا کہ انہیں دوزخ میں لے جاؤ۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ لوگ نمازی ہوں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں وہ لوگ نماز بھی پڑھتے ہوں گے' روزے بھی رکھتے ہوں گے اور رات بھر جاگتے بھی تھے مگر ان میں یہ بات تھی کہ جب دنیا کی چیزیں سامنے ہوتی تھیں۔ وہ ان پر کود جاتے تھے۔ حدیث نمبر22: بعض خطبوں میں حضور ﷺ نے فرمایا المومن بین مخافتین بین اجل قدمضی لا یدری ما اللہ صانع فیه و بین اجل قد بقی لا یدری ما اللہ قاض به فلیتذ ودوالبعد من نفسه لنفسه ومن دنیاه للاخرة ومن حیاته لموته ومن شبابه لهرمه فان الدنیا خلقت لکم و انتم خلقتم للاخرة والذی نفس بیده لیس بعد الموت من مستعیتب ولا بعد الدنیا من دارلجنة اوالنار (ترجمہ) مومن درمیان دو خوفوں کے ہے درمیان مدت جو گزر گئی وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اس میں کیا کرے گا اور وہ مدت جو باقی ہے اسے معلوم نہیں اللہ تعالیٰ اس میں کیا حکم فرمائے گا تو بندے کو چاہئے کہ اپنے نفس کے لیے توشہ اپنے نفس سے بنائے اور دنیا سے آخرت کے لیے قسم ہے کہ اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ موت کے بعد کوئی طلب عفو کی جگہ نہیں اور بعد دنیا کے بعد کوئی گھر سوائے جنت یا دوزخ کے نہیں۔

حدیث نمبر23: حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ مومن کے دل میں دنیا و آخرت دونوں کی محبت جمع

نہیں ہوتی جیسے کہ ایک برتن میں آگ اور پانی اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

حدیث نمبر 24: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کی عمر تمام انبیاء سے زیادہ ہوئی۔ آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے یوں معلوم ہوا کہ ایک مکان کے دو دروازے ہیں۔ میں ایک میں اندر گیا اور دوسرے سے نکل گیا۔

حدیث نمبر 25: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ مکان بنوا لیجئے آپ نے فرمایا کہ ہمیں پہلے لوگوں کے کھنڈر کافی ہیں۔

حدیث نمبر 26: حضور نبی پاک ﷺ فرماتے ہیں احذروالدنیا فانها سحر من هاروت و ماروت ترجمہ: دنیا سے ڈرو کہ ہاروت و ماروت سے بھی زیادہ جادوگر ہے۔

حدیث نمبر 27: حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور نبی پاک ﷺ اپنے صحابہ میں تشریف لائے اور فرمایا کیا تمہیں یہ منظور ہے کہ اللہ تعالیٰ اندھے کو بینا کردے اور اس کا اندھا پن جاتا رہے۔ جان لو کہ جس کی رغبت دنیا کی طرف ہوگی اور اس میں طویل آرزو کرے گا تو اس قدر اللہ تعالیٰ اس کو اندھا کرے گا اور جو کوئی اپنے اعمال بھی مختصر رکھے گا اور دنیا میں زہد کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے بغیر سیکھے علم عطا فرمائے گا اور کسی کے بتلائے بغیر ہدایت کرے گا اور یہ بھی یاد رکھو کہ تمہارے بعد عنقریب ایسے لوگ ہوں گے کہ ان کے پاس سلطنت بلا ظلم و کشت خون نہ رہے گی۔ نہ تو انگری بغیر فخر اور بخل کے نہ محبت بغیر غرض کے ہوگی۔ جو شخص تم میں سے وہ وقت پائے اور باوجود قدر تونگر کے فقر پر صبر کرے اور دشمنی اور ذلت کے باوجود قدرت محبت و غیرت کے برداشت کرے اور صبر و تحمل سے بجز رضائے الٰہی اور کوئی مطلب نہ ہو تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ پچاس صدیقوں کا ثواب عنایت فرمائے گا۔

حکایت: ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں شدت سے بارش ہوئی اور بادل بھی زیادہ گرجا آپ نے چاہا کہ کسی جگہ پناہ لیں۔ دور سے ایک خیمہ نظر آیا۔ اس کے قریب آئے معلوم ہوا کہ اس میں کوئی عورت ہے۔ اس کو دیکھ کر وہاں سے دوسری طرف چلے گئے۔ ایک پہاڑ کے درہ میں جانے کا ارادہ کیا۔ دیکھا تو اس میں شیر ہے۔ آپ نے پہاڑ پر ہاتھ رکھ کر عرض کی الٰہی سب کا تو نے ٹھکانہ بنایا میرے لیے کوئی ٹھکانہ نہیں۔ حکم ہوا تیرا ٹھکانا میری رحمت ہے۔ قیامت میں تیرا بیاہ سو حوروں سے کروں گا جن کو میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اور چار ہزار برس تک تیرے ولیمہ کی دعوت کھلاؤں گا جن میں سے ایک دن دنیا کی عمر کے برابر ہوگا اور ایک منادی کو حکم کروں گا پکارے کہ جتنے دنیا کے زاہد ہیں چلو عیسیٰ بن مریم تارک الدنیا کے ولیمہ میں شامل ہو۔

حدیث نمبر 28: حضرت عیسیٰ علیہ اسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ دنیا والے کے حال پر بڑا افسوس ہے کہ ایسے اس

کے فریب میں آکر مرجاتا ہے بالآخر چھوڑ جاتا ہے۔ دنیا تو اس کی رسوائی کرتی ہے لیکن وہ اس پر اعتماد کرکے زمین پر بے خوف رہتا ہے اور بڑی حسرت ان پر ہے جو دھوکا کھا کر جس چیز کو برا جانتے ہیں۔ وہی ان کے سامنے آتی ہے اور اپنی محبوب چیزوں سے جدا رہتے ہیں اور جو کچھ ان سے وعدہ ہوا کرتا تھا وہ اس وقت آپہنچتا ہے اور افسوس ہے اس پر جو دنیا کو مد نظر رکھے اور خطاؤں کو دستور العمل بنائے۔ کل گناہوں کی فضیحت و رسوائی کا سامنا ہوگا۔

حدیث نمبر29: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ اسلام پر وحی بھیجی کہ اے موسیٰ علیہ السلام تیرا ان ظالموں کے گھر میں کیا کام ہے۔ یہ دنیا تیرا گھر نہیں۔ اپنی ہمت سے اس کو علیحدہ کرلیجئے۔ اپنی عقل سے اس سے جدا ہو جاؤ۔ یہ دنیا برا گھر ہے۔ ہاں جو شخص اس میں اچھے کام کرے اس کے لیے یہ اچھا گھر ہے۔ اے موسیٰ علیہ السلام میں ظالم کی تاک میں ہوں۔ یہاں تک کہ اس سے مظلوم کا بدلہ لوں۔

حدیث نمبر30: حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو حضور ﷺ نے بحرین کی طرف بھیجا تھا۔ وہاں سے جب آپ واپس آئے تو کچھ مال لائے۔ انصار نے ان کی تشریف آوری کا حال سنا تو تمام صحابہ کرام صبح کی نماز میں حضور ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے اور جب آپ نماز پڑھ چکے اور تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا تو انصار نے آپ کو روکا۔ آپ نے تبسم فرما کر ارشاد فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے یہ سنا ہے کہ ابو عبیدہ کچھ مال لائے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا ہاں آپ نے فرمایا کہ مژدہ ہو اللہ تعالیٰ نے تم سے تکلیف دفع کی بخدا مجھے خوف نہیں کہ تم محتاج ہو جاؤ گے البتہ اس بات کا خوف ہے کہ کہیں تم پر دنیا کی کثرت ایسی نہ ہو جائے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر ہوئی تھی۔ لوگوں کے مال کی تم میں بھی رغبت ہو جائے۔ پھر دنیا تم کو انہیں کی طرح تباہ کردے۔

حدیث نمبر31: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ان اکثر ما اخاف علیکم ما یخرج اللّٰہ لکم من برکات الارض (ترجمہ) مجھے جس چیز کا بہت زیادہ ڈر ہے کہ تم پر اللہ تعالیٰ تمہارے لیے برکات زمین سے نکالے گا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ برکات الارض سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا زہرۃ الدنیا دنیا کی تازگی اور خوبی۔

حدیث نمبر32: فرمایا لا تشغلو قلوبکم بذکر الدنیا ترجمہ: اپنے دلوں کو دنیا کے ذکر سے مشغول نہ کرو۔

فائدہ: غور فرمایئے آپ نے ذکر دنیا سے منع فرمایا۔ اس کا حصول تو درکنار (لیکن ایک ہم ہیں کہ ہمیں شب و روز ہر لمحہ دنیا کا صرف دل میں خیال نہیں بلکہ خبط ہے۔ (اویسی غفرلہ)

حکایت: حضرت عمار بن سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک گاؤں پر گزر ہوا جس کے رہنے والے گھروں کے صحن اور راستوں میں مرے پڑے تھے۔ آپ نے حواریوں سے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ غضب الٰہی سے

ہلاک ہوئے ورنہ ایک دوسرے کو دفن کرتے۔ انہوں نے عرض کیا کہ کسی طرح ان کا حال معلوم ہو جاتا تو اچھا تھا۔ آپ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا ارشاد ہوا کہ رات کے وقت ان کو پکارو تو جواب دیں گے۔ جب رات ہوئی تو آپ نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر انہیں پکارا اے گاؤں والو۔ ان میں سے ایک نے جواب دیا کہ کیا ارشاد ہے۔ اے روح اللہ علیہ السلام آپ نے فرمایا تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ شام کو اچھی طرح سوئے تھے صبح کو دوزخ میں جا پڑے۔ آپ نے پوچھا اس کا کیا سبب ہوا؟ اس نے عرض کیا کہ ہمیں دنیا سے محبت تھی اور ہم اللہ عزوجل کے بے فرمانوں کی فرمانبرداری کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم دنیا کو کتنا چاہتے تھے۔ اس نے عرض کیا جیسے ننھا بچہ ماں کو چاہتا ہے کہ جب سامنے آتی ہے خوش ہوتا ہے جب چلی جائے تو رنجیدہ ہو کر رونے لگتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے ساتھی جواب کیوں نہیں دیتے؟ عرض کیا کہ اس لیے کہ ان کے منہ میں آگ کی لگام ہے اور ان کی باگیں کڑے تیز مزاج فرشتے لیے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تو کس طرح بولتا ہے؟ عرض کیا کہ میں ان میں تو نہ تھا لیکن چونکہ ان کے ساتھ رہتا تھا عذاب نے مجھے بھی نہ چھوڑا۔ اب میں دوزخ کے کنارے پر لٹکا ہوا ہوں۔ یہ نہیں جانتا کہ اس سے نجات پاؤں گا یا اس میں دھکیلا جاؤں گا۔ آپ نے جواریوں سے فرمایا کہ جو کی موٹی روٹی نمک سے کھانا اور ٹاٹ پہننا اور مزبلہ پر سو رہنا بہتر ہے۔ **حکایت:** حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی عضباء بڑی تیز تھی کہ کوئی اونٹنی اس سے آگے نہ بڑھ سکتی۔ ایک اعرابی اپنی اونٹنی لایا وہ اس سے آگے نکل گئی۔ مسلمانوں کو یہ امر نہایت ناگوار گزرا۔ آپ نے فرمایا انہ علی اللہ ان لا یرفع شیئا من الدنیا الا وضعہ ترجمہ: اللہ تعالیٰ دنیا میں کسی چیز کو بلند کرتا ہے تو کبھی اسے پست بھی کرتا ہے۔

حدیث نمبر 33: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ کوئی سمندر کی موج پر عمارت نہیں بنا سکتا۔

فائدہ: موج سمندر سے مراد دنیا ہے اس لیے اس کو اپنی قرار گاہ نہ سمجھو

حدیث نمبر 34: کسی نے حضور سرور عالم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ہمیں ایک ہی بات بتلا دیجئے جس سے ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے لگیں۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا سے بغض کرو۔ اللہ عزوجل تم سے محبت کرے گا۔

حدیث نمبر 35: حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا ولھانت علیکم الدنیا ولا آثرتم الاخرۃ ترجمہ: اگر تم اس بات کو معلوم کرلو جو میں جانتا ہوں تو بہت زیادہ گریہ کرو اور بہت تھوڑا ہنسو اور تمہارے نزدیک دنیا ذلیل ہو جائے اور تم آخرت کو اختیار کرو۔

حدیث نمبر 36: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے کہ میں جانتا ہوں اگر تم کو معلوم ہو تو تم خاک کے تودوں پر جا کر خوب روؤ۔ اور اپنا مال اسی طرح چھوڑ دو کہ کوئی اسکا لحاظ نہ ہو اور نہ کوئی اس کا پرسان حال ہو۔ صرف قدر کہ اس

کی تمہیں ضرورت ہو۔ تمہارے دلوں سے آخرت کی یاد جاتی رہی اسی لیے دنیا سے تم پر ہو گئے۔ اسی لیے دنیا تمہارے اعمال پر چھا گئی اور تم جاہلوں کی طرح ہو گئے بلکہ تمہارے بعض جانوروں سے بھی بدتر ہو گئے کہ عاقبت کے خوف سے اپنی تمنا نہیں چھوڑتے تمہیں کیا ہوا ہے کہ آپس میں محبت و نصیحت نہیں کرتے۔ دین کے بھائی کہلاتے ہو لیکن تمہارے خبث باطن کی وجہ سے سب کی آرزوئیں جدا جدا ہیں۔ اگر اچھی بات پر اتفاق کر لیتے تو یقیناً ایک دوسرے سے کرتے یہ کیا بات ہے کہ دنیا کے امور میں تو ایک دوسرے کی خیر خواہی کرتے ہو آخرت میں اس کی باتیں نہیں کرتے۔ کسی سے خیر خواہی اپنے دوست کی نہیں ہو سکتی نہ امر آخرت میں اس کی اعانت بن جائے۔ یہ باتیں ضعف ایمان کی موجب ہیں۔ اگر آخرت کے خیر و شر کو تم یقین سے جانتے جیسے دنیا کی برائی بھلائی سمجھتے ہو تو آخرت کی طلب کو اختیار کرتے کہ اس سے سب کام بنتے ہیں اگر یوں کہو کہ آخرت غائب ہے اور دنیا موجود ہے اس لیے نقد کی محبت غالب ہے تو یہ وجہ بتانا بھی فریب ہے کیونکہ ہم دیکھتے کہ دنیا میں جو باتیں تمہارے سامنے نہیں ہیں ان کے لیے صد مصیبتیں اٹھاتے ہو اور رنج اور دکھ سہتے ہو اور اس کے حصول کے لیے بے شمار حیلے بناتے ہو اور جس لیے کام کرتے ہو وہ امر موہوم ہوتا ہے۔ شاید اس محنت سے بھی میسر نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم اچھے نہیں ہو جس چیز سے تمہارے ایمان کی جائے پناہ معلوم ہو جائے اس پر تمہارا اعتقاد ٹھیک نہیں۔ اگر تم کو جو باتیں جو حضور نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام لائے ہیں۔ ان میں شک ہو تو ہمارے پاس آؤ۔ ہم بیان کریں اور نور ایمانی سے وہ باتیں دکھلائیں جس سے تمہار اطمینان ہو جائے۔ بخدا تم عقل میں نہیں ہو کہ تم کو معذور جانیں دنیا کے امور میں تمہارے رائے پکی ہوتی ہے اور اپنے تمام کام ہوشیاری سے کرتے ہو یہ کیا ہے کہ ذرا اسی دنیا ملے تو اس پر ہوشیار ہو اور اگر تھوڑی سی چیز رہے تو اس کا غم کرو۔ یہاں تک کہ اس کے آثار چہرہ پر محسوس ہوتے ہیں اور کبھی زبان پر بھی آجاتے ہیں۔ تم نے اس کا مصیبت نام رکھ چھوڑا ہے اور اس کا بڑا ارمان کرتے ہو لیکن تم سے اکثر بہت سا دین چھوڑ دیا اس سے نہ تو تمہارا چہرہ بگڑتا ہے نہ حال بدلتا ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر ناراض ہو گیا ہے جب آپس میں ملتے ہو تو اظہار فرقت کرتے ہو اور ہر ایک کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ دوسرے کے سامنے اس کو بری بات کرے اس خوف سے کہ کہیں وہ بھی تمہارے ساتھ اسی طرح پیش نہ آئے۔ غرضیکہ کینہ کو ساتھ لیے پھرتے ہو تمہاری باتیں جنگل جیسی بظاہر سبز ہیں تم بڑی بات کو چھوڑے ہوئے ہو۔ میں اللہ سے چاہتا ہوں کہ مجھے تم سے نجات دے اور اس شخص سے ملا دے کہ جس کے دیدار کا میں مشتاق ہوں۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو تمہاری برداشت ہرگز نہ کرتے۔ اب اگر تم میں کچھ بھلائی ہے تو مجھ سے سن چکے اور اگر اللہ کے پاس کی چیز کے طالب ہو تو اس کو آسان پاؤ گے۔ اس کا حصول کچھ مشکل نہیں - اللہ تعالیٰ سب کو غیبی مدد سے نوازے تو مدد دے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے حواریوں دین کو پورا لو اور تھوڑی سی دنیا پر قناعت کرو۔ جیسے کہ دنیا کے لوگ دنیا پوری لیتے ہیں اور تھوڑے سے دین پر راضی ہو جاتے ہیں۔

فائدہ: حدیث نمبر 37: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے کہ اے وہ شخص جو دنیا کو اس لیے طلب کرتا ہے کہ اس سے نیکی کرے۔ تیرے حق میں اس کا ترک کرنا بہتر ہے۔

حدیث نمبر 38: حضور پاک ﷺ فرماتے ہیں کہ لتاتینکم بعدی دنیا تاکل ایمانکم کماتاکل النار الحطب ترجمہ: میرے بعد تمہارے پاس دنیا آئے گی۔ تمہارے ایمان کو ایسے کھائے گی جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

حدیث نمبر 39: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے موسیٰ محبت دنیا کی طرف میلان نہ کرنا۔ گناہ کبیرہ میرے نزدیک اس سے سخت نہ ہوگا۔

حکایت: ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام ایک ایسے شخص پر گزرے کہ وہ رو رہا تھا۔ جب واپس لوٹے۔ تب بھی روتے پایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی کہ الٰہی تیرا بندہ تیرے خوف سے روتا ہے۔ حکم ہوا کہ اے ابن عمران اگر یہ شخص روتے روتے اپنا دماغ بھی آنسوؤں کے ساتھ بہادے اور ہاتھ اٹھائے گر پڑے تب بھی اس کی مغفرت نہیں کروں گا اس لیے کہ یہ محبت دنیا میں مبتلا ہے۔

اقوال سلف صالحین رضی اللہ عنہم (1) حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ جس شخص میں چھ باتیں ہوں اس نے جنت کے لیے کوئی مطلب نہیں اٹھا رکھا نہ دوزخ سے بچاؤ کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت کیا' اللہ کو پہچان کر اس کی اطاعت کی۔ (2) شیطان کو پہچان کر اس کی نافرمانی کی (3) حق کو پہچان کر اس کا اتباع کیا (4) باطل کو جان کر اس سے خود کو بچایا (5) دنیا کو معلوم کرکے اسے ترک کیا (6) آخرت کو جان کر اس کی طلب کی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رحم کرے ان لوگوں پر جن کے پاس دنیا امانت رہے اور اس کے مستحقین کو سونپ دینا ہلکے پھلکے چل دیں۔ نیز فرمایا کہ جو شخص تم سے دین کے بارے میں رغبت اور حرص کرے تو اس کی حرص کرنی چاہیے اور جو دنیا کے بارے میں حرص کرے تو حرص دنیوی اس کے سینہ میں چھوڑ دو۔ حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ دنیا ایک گہرا سمندر ہے۔ اس میں بہت سے لوگ ڈوب گئے یعنی تم اپنی کشتی دنیا میں تقویٰ کو بناؤ اور ایمان کو اس میں رکھو اور توکل کو بادبان چڑھاؤ تاکہ اس کی موج سے نجات پاؤ۔ اگرچہ معلوم نہیں کہ نجات ملے یا نہ۔ حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ میں اس آیت میں بہت غور کرتا ہوں۔ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا (الکہف 7 تا 8) ترجمہ کنزالایمان: بے شک ہم نے زمین کا سنگھار کیا جو کچھ اس پر ہے کہ انہیں آزمائیں ان میں کس کے کام بہتر ہیں اور بے شک جو کچھ اس پر ہے ایک دن ہم اسے پٹ پر میدان کر چھوڑیں گے۔ بعض حکماء کا قول ہے کہ آدمی کو جو شے دنیا میں ملتی ہے وہ ایسی ہوتی ہے کہ اس کا پہلے بھی کوئی قابض تھا اور اس کے بعد بھی کوئی اور قابض ہوگا اور اسے صرف اسی قدر ملتا

ہے جو صبح و شام کھا پی لے تو ایک لقمہ کے لیے تباہ نہ ہونا چاہئے بلکہ دنیا میں روزہ رکھے اور آخرت میں جا کر افطار کرلے اور دنیا کا راس المال خواہش نفس ہے اور اس کا نفع آتش دوزخ۔

حکایت: کسی راہب سے کسی نے پوچھا کہ دنیا کا کیا حال ہے؟ جواب دیا کہ بدنوں کو پرانا کرتی ہے اور امیدوں کو نیا اور موت کو نزدیک کرتی ہے اور آرزو کو دور پھر پوچھا گیا کہ دنیا کے لوگوں کا کیا حال ہے۔ جواب دیا کہ جسے ملتی وہ مشقت میں پڑتا ہے اور جسے نہیں ملتی وہ رنج اٹھاتا ہے۔ بعض حکماء کا قول ہے کہ دنیا تھی اور میں نہ تھا اور یہ رہے گی۔ میں نہ رہوں گا میں اس کی طرف سے رغبت نہیں کرتا اس لیے کہ اس کی تلخ زندگی ہے اور اس میں کدورت کا نام صفائی ہے۔ اس میں لوگوں کو اس کی طرف سے کوئی نہ کوئی خوف لگا رہتا ہے۔ نعمت کے دور ہونے کا یا مصیبت کے آنے کا یا موت کی طرف کو جانے کا۔ بعض کا قول ہے کہ دنیا کے عیبوں میں سے ہے کہ کسی کو امتحان کے بموجب نہیں دیتی۔ کمی بیشی خواہ مخواہ ہوتی ہے۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی نعمتوں کو لحاظ کرو۔ گویا ان پر خفگی اور نااہلوں کے حوالہ کی گئی ہیں۔ حضرت ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ جو دنیا کو محبت سے طلب کرے گا اس کا بھی یہی حال ہے کہ جتنی ملی اس سے زیادہ کا ہی طالب ہوتا ہے اور جو آخرت کو محبت سے طلب کرتا ہے اس کا بھی یہی حال ہے کہ جتنا ملے اس سے زیادہ چاہتا ہے نہ اس کی انتہا ہے۔

حکایت: کسی نے ابو حازم سے حب دنیا کی شکایت کی کہ باوجودیکہ مجھے اس میں رہنا نہیں پھر بھی اس کی محبت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ تم کو اللہ دے یہ دیکھ لیا کرو کہ وجہ حلال سے ملے۔ پھر اس کو جہاں مناسب ہو خرچ کرو تو محبت دنیا نقصان نہ دے گی۔ **فائدہ:** یہ اس لیے فرمایا کہ اگر صرف محبت پر ہی نفس کا مواخذہ کیا جائے تو مشقت عظیم ہو اور تنگ ہو کر موت کی آرزو کرنے لگے حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دنیا شیطان کی دکان ہے۔ اس میں سے کچھ نہ لو ورنہ وہ تمہارے پیچھے لگے گا اور پکڑے گا۔ حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ اگر دنیا سونے کی ہوتی اور فنا ہو جاتی اور آخرت ٹھیکری ہوتی اور باقی رہتی تب بھی عقلا کو یہی چاہئے تھا کہ باقی کو پسند کرتے اور فانی کو چھوڑتے گو اب تو یہ فانی چیز ٹھیکری ہے اور باقی سونے کی معلوم نہیں کہ جس نے ایسی واہیات چیز کو اس عمدہ چیز سے کیوں پسند کر رکھا ہے۔ ابو حازم فرماتے ہیں کہ خود کو دنیا سے بچاؤ اسی لیے کہ مجھے روایت پہنچی ہے کہ قیامت کے دن دنیا کی تعظیم کرنے والے کو کھڑا کر کے کہا جائے گا کہ یہ شخص ہے جس نے ایسی چیز کی تعظیم کی جس کی اللہ تعالیٰ نے تحقیر کی تھی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر انسان مہمان ہے اور اس کا مال امانت ہے۔ مہمان ایک روز چلا جائے گا اور امانت مالک کے پاس واپس جائے گی۔ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کے پاس ان کے مرید پاس رہنے کے لیے حاضر ہوئے اور دنیا کا ذکر کر کے اس کی مذمت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ چپ رہو اس کا ذکر نہ کرو اگر اسکی جگہ تمہارے دلوں میں نہ ہوتی تو کثرت سے ذکر کیوں کرتے۔ یہ ظاہر ہے کہ جو کسی کی محبت کرتا ہے اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے حضرت مطرف بن شخیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کے چین و قرار اور فرش و فروش کو دیکھنا چاہئے کہ

کیسے جلد سے جلد تر چلے جاتے ہیں اور انجام کیسا برا ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تین حصے کیے ہیں۔ ایک حصہ مومن کے لیے اور ایک حصہ منافق کے لیے اور ایک حصہ کافر کے لیے مومن اسے توشہ آخرت بناتا اور منافق ظاہر کی زینت کرتا ہے اور کافر اس سے کامیاب ہوتا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ دنیا مردار ہے جو کوئی اس میں کچھ لینا چاہئے تو کتوں کے ساتھ رہنے پر صبر و تحمل کرے۔ حضرت ابو عمامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ معبوث ہوئے۔ شیطان کا لشکر اس کے پاس آیا کہ ایک نبی معبوث ہوا ہے اور ان کی امت ظاہر ہوئی - اس نے پوچھا کہ اس کی امت کو محبت دنیا بھی ہے۔ لشکر نے کہا کہ ہاں محبت دنیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اگر محبت دنیا ہے تو انہیں بت پرستی سے کیا ہوگا۔ ابھی تین وجہ سے میری آمدورفت صبح و شام ان کے پاس رہے گی اور ان سے یہ کام کراؤں گا - ناحق لینا' اسے بے موقع صرف کرنا' کرنے کی جگہ سے روک لینا اور یہ ایسی بات ہے کہ ساری برائی اس کے پیچھے ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ دنیا کی وصف بیان فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایسے مکان کی کیا تعریف کروں جو اس میں تندرست ہے۔ اسے بیماری سے ڈر نہیں اور جو بیمار ہو اور جو مفلس ہو جائے تو غم کرے اور تونگر ہو تو بلا میں پھنسے مالا مال ہو تو حساب دینا پڑے اور حرام ہو تو عذاب میں مبتلا ہو اور پھر دوبارہ کسی نے دنیا کا حال پوچھا تو آپ نے فرمایا تو طویل بیان کروں یا مختصر کہوں۔ سائل نے کہا کہ مختصر۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے حلال کا حساب دینا ہوگا اور حرام کا عذاب سہنا پڑے گا۔ حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس جادوگر دنیا سے بچے رہو۔ یہ علماء کے دلوں پر جادو کرتی ہے لیکن اگر دل میں ہوتی ہے تو آخرت اس کے مقابل نہیں ہوتی اس لیے کہ آخرت شریف ہے اور دنیا کمینی کمینے کا مقابلہ شریف سے نہیں ہو سکتا۔

فائدہ: اس قول میں بڑی شدت ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ اس کے متعلق حضرت یسار بن حکم رضی اللہ عنہ کا قول صحیح ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دنیا و آخرت دونوں دل میں اکٹھی ہوتی ہیں جو غالب ہو جاتی ہے دوسری اس کی تابع رہتی ہے۔ حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ جتنا دنیا کے لیے تردد کرو گے اتنا ہی آخرت کی فکر دل سے جاتی رہتی ہے اور جتنا آخرت کا تردد کرو اتنا ہی دنیا کی فکر دل سے جاتی ہے۔

فائدہ: یہ قول حضرت علی کرم اللہ وجہ کے قول سے لیا گیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ دنیا و آخرت آپس میں سوکنیں ہیں۔ جتنا ایک راضی ہوگی اتنا ہی دوسری ناخوش ہوگی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بخدا ہمیں ایسے لوگ ملے ہیں جن کے نزدیک دنیا خاک پا سے بھی زیادہ ذلیل تھی ان کو اس کی کچھ پروا نہ تھی کہ دنیا کدھر سے آئی اور کدھر چلی گئی کس کے پاس رہی اور کس کے پاس سے جاتی رہی اور ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ اس سے متفق۔ کیا فرماتے ہیں کہ اللہ نے دیا ہو اور وہ اس کو خیرات اور صلہ رحم اور اہل و عیال کی خبر گیری میں اچھی طرح خرچ کرتا ہو اور اسے جائز ہے کہ خود بھی فائدہ اٹھائے آپ نے فرمایا کہ اگر ساری دنیا بھی اسی کی ہو جائے تب بھی وہ بقدر لفایت اس سے اور باقی اپنی محتاجی کے دن یعنی قیامت کے لیے رکھ چھوڑے۔ حضرت فضیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر

بالفرض تمام دنیا وجہ حلال سے میرے قبضہ میں چلی آئے اور اس کا حساب بھی مجھ سے آخرت میں نہ لیا جائے تب بھی میں اسے ایسے ناپاک سمجھوں جیسے تم مردار کو سمجھتے ہو کہ کہیں کپڑے کو نہ لگ جائے۔

حکایت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ملک شام پہنچے تو حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ان کے استقبال کو ایک اونٹنی پر تشریف لائے جس کی مہار کھجور کی رسی سے تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے مکان میں تشریف لے گئے تو بجز ڈھال تلوار اور اونٹنی کی زین کے اور کچھ نہ دیکھا۔ فرمایا کہ گھر کا سامان بنالو۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہی سامان ہم کو خواب گاہ تک پہنچانے کے لیے کافی ہے۔ ا۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دنیا کو جسم کی ضرورت تک لینا چاہیے اور آخرت کو دل کی راحت کی دوائی کے لیے اور بس۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بخدا بنی اسرائیل نے خدا پرستی کے بعد جو بت پرستی اختیار کی صرف محبت دنیا کی وجہ سے کی۔ وہب فرماتے ہیں کہ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ دنیا ہوشیاروں کے لیے غنیمت ہے اور جاہلوں کے لیے غفلت یعنی دانا اس میں نیک اعمال کرنے کو غنیمت سمجھتے ہیں اور نادان اسے پہچانتے نہیں۔ جب اس سے انتقال کرتے ہیں تو اس میں واپس آنے کی تمنا کرتے ہیں لیکن واپس لوٹنا کہاں میسر ہوتا ہے۔ حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ جب سے دنیا میں پیدا ہوا وہ ہٹتی جا رہی ہے اور آخرت سامنے آ رہی ہے۔ خود کو ایسی جگہ پہنچانا چاہیے جو نزدیک اور سامنے ہے دور ہونے والی جگہ یعنی دنیا سے کیا فائدہ۔ حضرت سعید بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب معلوم ہوا کہ کسی کی دنیا بڑھتی ہے اور اس کا دین کم ہوتا ہے اور وہ اس سے خوش ہے تو جان لو کہ وہ شخص سخت گھاٹے میں ہے کہ اس کو دنیا نے مسخرہ بنالیا اور اسے خبر بھی نہیں۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے منبر پر ارشاد فرمایا کہ جس چیز میں حضور ﷺ زہد کیا کرتے تھے۔ اس میں میں تم کو زیادہ راغب پاتا ہوں بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تین دن کبھی ایسے نہیں گزرے کہ آپ کی آمدنی قرض سے زیادہ ہو۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ یہ آیت پڑھی فلا تغرنکم الحیوۃ الدینا ترجمہ: تمہیں حیوت دنیا دھوکہ میں نہ ڈالے۔ پھر فرمایا کہ جانتے ہو کہ یہ کس کا قول ہے۔ یہ اس کا ارشاد ہے جس نے دنیا کو پیدا کیا اور اس کا حال بھی وہی خوب جانتا ہے۔ تمہیں چاہیے کہ دنیا کے اشغال سے کنارہ کرو۔ اس میں بہت سے کاروبار رہتے ہیں۔ ایک کام جب کسی کو درپیش ہوتا ہے تو دس اور

نمبر ا: یہ قصہ اس وقت کا ہے کہ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ ایک لشکر کے سپہ سالار تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حسب استدعا مخالفین سے صلح کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ بعض روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تمام روسائے لشکر نے استقبال کیا۔ مگر حضرت عبیدہ نہ آئے۔ آپ نے فرمایا میں تمہارا مکان دیکھنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ میرے یہاں تشریف لے جا کر روئیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں چنانچہ جب تشریف لے گئے تو وہی تلوار ڈھال دیکھی اور بیٹھنے کے لیے ایک چٹائی اور ایک لوٹا پانی کا آپ کو ان کا یہ زہد دیکھتے ہی رونا آ گیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں تو پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ میرے یہاں آپ گریہ فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہاری اس اوقات سے بہت خوش ہوں کہ تم میرے دوستوں کے طریقہ پر ہو اور دوسرے یاروں نے دنیا سے کچھ نہ کچھ لے ہی لیا ہے۔ 12

ساتھ ہو جاتے ہیں اور یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ آدم زاد بڑا مسکین ہے۔ ایسے مقام پر خوش ہوتا ہے کہ جس مال حلال میں حساب ہو اور حرام میں عذاب اپنے مال کو کتنا ہی کم جانتا ہے مگر اعمال کو تھوڑا نہیں سمجھتا دین میں اگر کوئی مصیبت پڑے تو خوش ہوتا ہے اور دنیا کی مصیبت پر واویلا کرتا ہے۔ ایک دفعہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما کو خط لکھا کہ سلام کے بعد معلوم ہو کہ خود کو ایسا سمجھو کہ موت نے مردوں میں لکھ دیا ہے۔ اس کا جواب انہوں نے لکھا جس کا مضمون یوں ہے کہ سلام کے بعد معلوم ہو کہ یوں سمجھو کہ دنیا میں کبھی تھے ہی نہیں۔ ہمیشہ آخرت میں رہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ دنیا میں آنا تو آسان ہے مگر نکلنا مشکل ہے۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ جس کو یہ معلوم ہو کہ موت حق ہے کہ وہ کس طرح خوش ہوتا ہے اور یہ بھی تعجب کی بات ہے کہ جس کو یقین ہو کہ دوزخ حق ہے۔ وہ کس طرح ہنستا ہے اور جو دنیا کے حالات بدلتے دیکھتا ہے وہ کیسے اس پر اعتماد کرتا ہے اور جو تقدیر کو حق جانتا ہے وہ کیوں مشقت اٹھاتا ہے۔

حکایت: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نجران سے آیا جس کی عمر دو سو برس تھی۔ آپ نے اس سے اس کی دنیا کی کیفیت پوچھی اس نے عرض کیا کہ کچھ برس مصیبت میں کٹے اور کچھ آرام میں دن رات یونہی گزر جاتے ہیں۔ پیدا ہوتے ہیں۔ مرنے والے مرجاتے ہیں اور بچے پیدا نہ ہوں تو مخلوق تباہ ہو جائے۔ اگر موت نہ آئے تو دنیا میں گنجائش نہ رہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو تیرا دل چاہے مانگ اس نے عرض کیا کہ میری زندگی گزشتہ آپ دے سکتے ہیں یا موت جو آنے والی ہے اسے روک سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ تو میرے بس سے باہر ہے۔ اس نے عرض کیا تو پھر مجھے آپ سے کوئی ضرورت نہیں۔ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے انسان تو اپنی آرزو کی تکمیل میں خوش ہوتا ہے۔ یہ نہیں جانتا کہ عمر ضائع کر کے یہ آرزو ملی۔ نیک عمل کے کرنے میں ڈھیل کرتا ہے۔ شاید اس کا نفع کسی اور کو ہوگا۔ حضرت بشر فرماتے ہیں کہ جو مخص اللہ تعالیٰ سے دنیا کی طلب کرتا ہے۔ تو یہ چاہتا ہے کہ اللہ کے سامنے زیادہ ٹھہرا رہوں۔ یعنی اتنا ہی قیامت میں جانے کی دیر ہوگی۔ حضرت ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں خوشی کی کوئی ایسی چیز نہیں جس کے ساتھ رنج نہ ہو۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کی دنیا کی تین حسرتوں کے ساتھ روح نکلتی ہے جو جمع کیا تھا اس سے سیر نہ ہوا جو تمنا تھی پوری نہ ہوئی۔ تیسرے توشہ آخرت اچھی طرح جمع نہ کیا۔ ایک عابد کو کسی نے کہا کہ دولت مند ہو گئے۔ اس نے جواب دیا کہ تو دولت مند وہ ہے جو دنیا کی غلامی سے آزاد ہو جائے۔ حضرت ابو سلیمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ دنیا کی خواہش سے وہی صبر کرتا ہے جس کے دل میں آخرت کا شغل ہو۔ حضرت مالک بن دینا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سب میں دنیا کی محبت آگئی کہ ایک دوسرے کو امر بالمعروف نہیں کرتے اور نہ نہی عن المنکر کرتے ہیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ ہمیں درگزر نہیں کرے گا۔ معلوم نہیں کون سا عذاب ہم پر نازل ہوگا۔ حضرت ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تھوڑی سی دنیا بہت سی آخرت سے باز رکھتی ہے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دنیا کو ذلیل سمجھو جو کوئی اس کو ذلیل جانتا ہے۔ اس پر یہ سب سے زیادہ گوارا ہوتی ہے اور جب اللہ کسی بندہ پر احسان کرنا

چاہتا ہے تو اس کو کچھ دنیا کی قناعت کر دیتا ہے۔ جب وہ ختم ہو جاتی ہے پھر دے دیتا ہے اور جب اسکے نزدیک کوئی بندہ ہوتا ہے تو اس پر دنیا کا بہت سا پھیلاؤ کر دیتا ہے۔ بعض اکابریوں دعا مانگتے اے وہ ذات کہ آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے۔ مجھ سے دنیا کو روک دے حضرت محمد بن منکر رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بعض لوگ ایسے ہوں گے کہ تمام عمر روزہ رکھا ہوگا اور تہجد پڑھی ہوگی۔ شب بیداری میں کمی نہ کی ہوگی۔ بہت سا مال خیرات کیا ہوگا۔ اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہوگا۔ منہیات سے بچا ہوگا۔ مگر قیامت کو جب سامنے ہوگا اسے کہا جائے گا کہ انہوں نے اپنے نزدیک ایک چیز کو بڑا سمجھا جسے اللہ تعالیٰ نے چھوٹا کیا تھا اور جسے اللہ تعالیٰ نے بڑا کیا تھا۔ انہوں نے اسے حقیر جانا دیکھے ایسے لوگوں کا کیا حال، ہو ہم میں سے کون ایسا ہے جس کا یہ حال نہ ہو افسوس مزید براں یہ کہ گناہوں کا بوجھ بھی سر پر ہے۔ حضرت ابو حازم رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دنیا و آخرت دونوں کی مشقت زیادہ ہے۔ آخرت کی تو اس لیے ہے کہ کوئی یار و مددگار نہیں کہ کام آئے اور دنیا کی اس وجہ سے کہ جس چیز میں ہاتھ ڈالو اسے پہلے کسی نہ کسی بدکار نے کر لیا ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دنیا ادھریوں ٹھہری ہوئی ہے جیسے پرانی مشک لٹکی ہوتی ہو جس دن سے اس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور جب تک فنا کرے گا۔ یہی پکارتی ہے کہ الٰہی تو مجھے کیوں برا کہتا ہے۔ اسے کہا جاتا ہے کہ اے کمینی چپ رہ۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محبت سے دنیا اور گناہوں کی دل کی پراگندہ کر دیتی ہے۔ اس میں خیر کسی طرح پہنچے حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جس کا دل دنیا کی کسی چیز سے خوش ہوتا ہے وہ حکمت سے محروم ہو جاتا ہے اور جو اپنی شہوت اپنے پاؤں تلے کر لیتا ہے شیطان اس کے سایہ سے بھاگتا ہے اور جس کا علم ہوائے نفسانی پر غالب ہوتا ہے وہ بڑا زبردست ہے۔ حضرت بشر سے کسی نے کہا کہ فلاں مر گیا۔ فرمایا کہ اس نے دنیا جمع کی اور آخرت میں پہنچ کر اپنی جان گنوا دی۔ لوگوں نے کہا کہ وہ تو بہت بڑی نیکیاں کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا کے جمع کرنے کے ساتھ ان نیکیوں کا کیا فائدہ۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ باوجود دیکھ ہم دنیا کو دشمن سمجھے ہیں پھر بھی اس سے محبت کرتے ہیں اگر کہیں دوست سمجھتے تو کیا جانے کیا حال ہوتا۔ کسی دانشور سے کسی نے پوچھا کہ دنیا کیسے ملتی ہے اس نے جواب دیا جو اسے چھوڑ دے پھر پوچھا کہ آخرت کیسے ملتی ہے اس نے جواب دیا جو اسے طلب کرلے۔ کسی دانشور کا قول ہے کہ دنیا اجڑا ہوا مکان ہے اور اس سے زیادہ ویران وہ دل ہے جو دنیا کا پھیلاؤ چاہے اور بہشت ایک آباد مکان ہے اس سے زیادہ آباد وہ دل ہے جس میں جنت کی طلب ہو۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ سچے پکے سالک تھے۔ دین کے متعلق بات حق کہتے۔ ایک اپنے اسلامی بھائی کو فرمایا کہ اے برادر دنیا جائے لغزش و محل لذت ہے اس کی آبادی کا مال خراب ہے اور اس میں رہنے والوں کا انجام قبروں میں بے قرار ہونا ہے۔ امیری کے ساتھ فقیری قائم ہے اس کی کثرت موجب تنگ دستی کا سبب ہے اور تنگ دستی باعث فراخ دستی کا موجب ہے۔ ہم تن متوجہ الی اللہ ہو اور اس کی روزی پر قانع ہو اور دار فناء کو بقا پر ترجیح نہ دے۔ زندگی ڈھلتا ہوا سایہ ہے یا جھکی ہوئی دیوار۔ نیک اعمال کی کثرت کر اور آرزو گھٹا

دے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمتہ اللہ علیہ نے کسی سے پوچھا کہ تمہیں خواب میں چاندی کا سکہ ملے وہ اچھا ہے یا جاگنے میں سونے کا سکہ' وہ اچھا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ جاگنے میں سونے کا سکہ بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے جھوٹ کہا۔ اس لیے کہ جس چیز کو تم دنیا میں بہتر سمجھتے ہو وہ گویا خواب کی چیز کو بہتر جانتے ہو اور آخرت کی چیز کو اچھا نہیں جانتے وہ گویا جاگنے کے وقت کی چیز کو اچھا نہیں جانتے ہیں۔ اسماعیل بن عیاش رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ تمام ساتھی دنیا کو سواری کہا کرتے تھے اے منحوس دنیا ہم سے الگ رہ اور کوئی نام اس سے برا ملتا تو تجھے ہم اسی نام سے پکارتے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دنیا تم کو یہاں تک محبوب ہوگی کہ اس کی اور دنیا داروں کی پرستش کرنے لگو۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عاقل تین ہیں۔ (1) دنیا کو ترک کرے اس سے پہلے کہ دنیا اسے ترک کرے (2) قبر میں جانے سے پہلے قبر بنائے۔ (3) خالق کی حاضری سے پہلے اس کو راضی کرلے۔ نیز فرمایا کہ دنیا میں اس قدر نحوست ہے کہ اگر اس کی تمنا ہی کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے باز رکھے گی اور اس میں سراسر مصروف ہونا تو اور برا ہے حضرت بکر بن عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کو جو کوئی دنیا کو اس ارادہ سے چاہے کہ اسے دنیا کی حاجت نہ رہے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ آگ کو گھاس سے بجھانا چاہے حضرت بندار رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب دنیا دار زہد کے بارے میں گفتگو کریں تو جان لو کہ شیطان ان کو مسخرہ بنا رہا ہے اور انہیں کا قول ہے کہ جو شخص دنیا کا حرص کرے گا تو حرص کی آگ اس کو جلا کر راکھ کردے گی اور جو کوئی آخرت کی طرف متوجہ ہوگا تو اسے آخرت کی حرارت پگھل کر ڈھلے ہوئے سونے کی طرح بنا دے گی اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا تو انوار توحید سے دربے بہا بن جائیں گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ دنیا میں چھ چیزیں ہیں (1) کھانا (2) پینا (3) سواری (4) لباس (5) نکاح (6) خوشبو۔ سب کھانوں میں عمدہ کھانا شہد ہے حالانکہ مکھی کا لعاب ہے اور پینے کی چیزوں میں سے اچھا پانی جس میں نیک و بد تمام مساوی ہیں اور پوشاک کی چیزوں میں اعلیٰ ریشم ہے تو وہ کیڑوں کے لعاب سے بنتا ہے اور سواریوں میں افضل گھوڑا ہے جسے پر جنگ میں مارے جاتے ہیں اور منکوحات میں سے بہتر نعمت اپنی عورت سے جماع ہے لیکن وہ بھی ایک پیشاب گاہ کا دوسرے پیشاب گاہ میں جانا ہے۔ عورت اپنے بدن میں اچھے اعضا سنوارتی ہے مگر اس میں سب سے بری چیز کی طلب ہوتی ہے اور سونگھنے کی چیزوں میں عمدہ شے مشک ہے اور وہ حیوان کے خون سے بنتی ہے۔ غرضیکہ یہ تمام چیزیں نہایت کمتر ہیں۔

مذمت دنیا کی پند و نصیحت: ایک بزرگ پند و نصیحت فرماتے ہوئے کہتے ہیں اے لوگو اللہ سے ڈرو زندگی پر ناز نہ کرو اور موت کو نہ بھولنا اور نہ ہی دنیا کی طلب کرنا بلکہ اس کی رغبت بھی نہ کرنا۔ دھوکہ دینا اس کی علامت ہے۔ پہلے اپنے عاشقوں کو اپنے قریب کرتی ہے پھر انہیں بری طرح پھنساتی ہے۔ اس کے طلبگاروں کے لیے اس کی زینت ایسی ہے جیسے شب زفاف (پہلی رات) کی دولہن کی زیب و زینت کی سب کی نگاہ اس پر ہوتی ہے۔ اکثر دل اس کے شیدائی ہوتے ہیں۔ کئی جانیں اس کی فریفتہ ہوتی ہیں۔ بہت سے عاشقوں کو اس نے خاک میں ملا دیا اور جس نے اس

پر اطمینان کیا۔ اسے رسوائی کے گھاٹ اتارا۔ اے عزیز و اسے چشم حقیقت سے نہ دیکھو اس میں ان گنت آفات ہیں۔ اس سے زیادہ اور کیا خرابی ہے کہ خود خالق نے اس کی مذمت کی ہے اس میں جو نیا ہے وہ پرانا ہوگیا اور جو موجود ہے وہ فنا ہوگا۔ اس میں عزیز ذلیل ہوگا۔ اکثر و قلیل ہر زندہ کو موت آئے گی اور تمام خیرو بھلائی فوت ہو جائے گی۔ عزیز و اقارب غفلت سے جاگو اور بے ہوشی سے دور بھاگو کہ اس سے پہلے لوگ کہیں گے فلاں بیمار ہے اور سخت مرض میں گرفتار اور تم عزیزوں کو کہو کہ کوئی دوائی دو یا حکیم یا ڈاکٹر کو بلاؤ۔ پھر طبیب' یا ڈاکٹر تمہارے لیے آئیں مگر تم میں بچنے کی امید نہ پائیں۔ پھر مشہور کردیں کہ فلاں نے وصیت کی اور اپنا مال یوں تقسیم کیا اور جس کے پاس سے دینا لینا تھا اس سے لیا پھر یہ کہیں کہ لو صاحب ان کی زبان بند ہوگئی نہ بھائیوں سے بولیں نہ ہمسایوں کو پہچانیں اور نہ لب کھولیں اور اس وقت تمہاری پیشانی پسینہ سے تر ہو اور سینہ پے درپے آہ سے مضطر اور گمان موت اب یقین سے بدل جائے اور سفر بنظر یقین معلوم ہو' پلکیں بند ہونے سے اور زبان لفظ صحیح بولنے سے فارغ ہو اور بھائی بہن سب مبتلائے گریہ و زاری کوئی کہے کہ تیرا فلاح بردار ہے۔ فلاں تیرا بیٹا لخت جگر ہے مگر تم کوئی جواب نہ دو' زبان پر مہر خاموشی پھر تم پر قضا نازل ہو اور اعضاء میں سے روح نکل کر عالم بالا میں داخل ہو۔ اس وقت تمام برادری جمع ہو اور کفن سیا جائے اور غسل دے کر تم کو پہنایا جائے۔ طمع پرسی کرنے والے گھر بیٹھ جائیں اور حاسد کہیں خوب ہوا' تمہارے گھر والوں کی مدنظر تمہارا مال ہو اور تم پر اب وہی اعمال کی فکر ہو (1)

حکایت: کسی ایک بزرگ نے بادشاہ سے فرمایا کہ دنیا کی مذمت اور دشمنی لوگوں میں سب سے زیادہ اسے زیبا ہے جسے دنیا کثرت سے ملی ہو اور اس کی کوئی حاجت پوری ہونے سے نہ رہ گئی ہو کیونکہ ایسے شخص کو یہ امید ہوتی ہے کہ کسی آفت سے میرا مال رائیگاں ہو جائے گا۔ میری جمعیت پریشان اور سلطنت کو زوال ہوگا یا جسم حوادث و امراض سے پامال یا ایسی چیز کے جانے کا رنج اٹھانا پڑے گا جسے دوستوں سے بھی چھپا کر رکھا تھا۔

فائدہ: دنیا کے ہونے سے اسے بے شمار آفات در پیش ہوتے ہیں اسی لیے اسے زیبا ہے کہ دنیا کو برا جانے یہ وہ بلا ہے کہ جو کچھ دیتی ہے وہ لے لیتی ہے۔ اگر صریح ہبہ کرے تو اس سے بھی پھر جائے۔ اس کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ ابھی کسی کو ہنساتی ہے۔ اسی دوران دوسروں کو اس پر ہنسی آتی ہے۔ اگر کسی پر روتی ہے تو تھوڑی ہی دیر میں کوئی اور رونے والے پر نالاں ہوتی ہے۔ اگر کسی کو دینے پر آتی ہے تو واپس لینے کے بعد وہ روتا ہے۔ ہاتھ پھیلاتی ہے آج اگر کسی کے سر کا تاج ہے تو کل کو اس سر پر خاک' کوئی پھر جائے اور کوئی رہے۔ اس کے نزدیک برابر ہے۔ اگر جانے والے کا کوئی عوض رہے تو سبحان اللہ اگر نہ رہے تو بھی واہ واہ۔

خط و کتابت عمر ثانی کو اور وعظ و نصیحت: حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خط

نمبر1: اس تمام مضمون میں انسان کے مرض الموت یا دخول قبر کا نقشہ کھینچا گیا ہے تاکہ سالک اسے پڑھ کر فکر کرے کہ آخر فنا ہے۔ اویسی غفرلہ 5 شعبان 1418ھ

لکھا کہ حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ دنیا جائے سفر ہے نہ کہ اقامت کا گھر حضرت آدم علیہ السلام جو جنت سے دنیا میں اتارے گئے تو عقوبت کے لیے (نہ کہ سرور و راحت کے لیے) اے امیر المومنین دنیا سے ڈرتے رہو۔ اس کو ترک کر دینا زاد آخرت ہے اور اس میں محتاج رہنا غناؤ ثروت۔ ہر وقت کسی نہ کسی کو فنا کرتی رہی ہے اور جو اس کو عزیز جانتا ہے اس کو ذلیل کر دیا کرتی ہے اور جو اس کو جمع کرتا ہے اس کو فقیر کرتی ہے۔ اس کا حال زہر جیسا ہے کہ جو نہیں جانتا وہ کھاتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے اس میں یوں رہنا چاہئے جیسے کوئی اپنے زخم کا علاج کرے کہ تھوڑے دنوں پرہیز کرتا ہے۔ اس خوف سے کہ کہیں زیادہ مدت تک تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور چند روز دوا کی تلخی پر صبر کرتا ہے کہ کہیں دراز مدت تک درد نہ رہے۔ اس دار ناپائیدار فریبی مکار جفا شعار سے بچتے رہو اس کی ظاہر کی زینت دھوکا ہے اور لوگوں کے پھنسانے کو بڑا مغالطہ جو اس کی آرزو میں مبتلا ہو اس کو تباہ کیے بغیر نہیں چھوڑتی اور سب کو توقع دلاتی ہے۔ اس کی صورت دلہن کی سی ہے کہ آنکھوں کا تاک اور دلوں کا اشتیاق اور نفسوں کا عشق اس پر سوار ہے۔ دنیا نے اپنے تمام شوہروں کو مار ڈالا۔ دنیا نے ہشیار لوگوں کو تباہ کیا اسی لیے ان گزشتہ لوگوں سے عبرت حاصل کرنی چاہئے تمہیں اس دنیا سے عبرت نہیں ہوتی (تو پھر تمہارا اللہ حافظ) جو لوگ اللہ تعالیٰ کو پہنچانتے ہیں باوجودیکہ اس کے آگے کا حصہ اس کے پیچھے اس کے عاشق ایسے ہیں کہ جہاں ان کی حاجت پوری ہوئی اور دنیا دلخواہ ملی تو مغرور و سرکش ہو کر آخرت کو بھول جاتے ہیں اور عقل کو اس میں ایسے لگاتے ہیں کہ ان کے قدم جادہ مستقیم سے لغزش کھا جاتے ہیں۔ پھر نزع کے وقت بڑی ندامت اور سکرات موت کے وقت ذلت اٹھاتے ہیں اور جو دنیا کی رغبت کرتا ہے۔ پھر اپنا مطلوب نہیں پاتا اور نہ اس کا نفس مشقت سے آرام پاتا ہے۔ اسی حال میں بے سرو سامان دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ امیر المومنین تم اس سے ڈرتے رہو اور جس وقت تمہیں اس میں زیادہ خوشی ہو اس کا زیادہ خوف کرنا اس لیے کہ دنیا دار اگر کسی خوشی میں اطمینان کرتا ہے تو وہ اس کو رنج میں ڈالتی ہے جو دنیا میں خوش ہے وہ اپنے مقیموں کو دھوکہ دیتی ہے اور جو آج اس میں نفع پاتا ہے کل کو ضرر اٹھائے گا۔ اس میں وسعت عیش و بلا ہے اور اس کے بقا کا مال فنا اس کی ہر خوشی غم سے پر ہے اور اس کی ہر ایک راحت زحمت ہے جو دنیا سے گزر جاتا ہے پھر واپس نہیں آتا اور آیندہ چیز کا حال معلوم نہیں کہ اس کا انتظار ہو اس کی تمام آرزوئیں جھوٹ ہیں اور تمام امیدیں بے فروغ اس کی صفائی تمام میل کچیل ہے اور اس کی زندگی ہر طرح حسرت ہے۔ اگر غور و فکر کرو گے تو معلوم ہو گا کہ اس کی نعمتوں کے جدا ہونے کا خوف بہت زیادہ ہے اور مصیبت کے خوف کی تو کوئی حد نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے دنیا کی خبر ارشاد نہ فرمائی ہوتی اور نہ اس کی مثال بیان کی ہوتی تب بھی دنیا سوتے کو جگا دیتی اور غافل کو ہوشیار کر دیتی پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے تب تو بطریق اولیٰ اس سے ہوشیاری ضروری ہے۔ اس فانی کی قدر قادر مطلق کے نزدیک کچھ نہیں اور جب سے اسے پیدا کیا اس کی طرف نگاہ نہیں کی سوچو کہ دنیا وہی پلید شے ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ پر دنیا کے خزائن چابیوں سمیت کیے گئے تھے۔ اگر آپ اس کو قبول فرما

لیتے (تو بھی) اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کا مرتبہ مچھر کے پر کے برابر کم نہ ہوتا مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔ اس لیے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے امر کی مخالفت بری محسوس ہوئی اور جس سے اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے اس کے ساتھ محبت اچھی نہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا بے قدر تھی۔ اس کو قدر دنیا آپ ﷺ نے ادب نہ سمجھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے جو دنیا کو نیک بختوں سے علیحدہ رکھا ہے تو یہ صرف امتحان کے لیے ہے اور اپنے دشمنوں کے لیے جو اس کو پھیلایا ہے۔ ان کے مغالطہ اور دھوکہ کے لیے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس کو دنیا پر قدرت ہو جاتی ہے اس کو گمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بڑی عزت دی ہے۔ دنیا دار کو یاد نہیں کہ اللہ نے حضور ﷺ کے ساتھ کیا تھا کہ (بظاہر) بھوک کی وجہ سے اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھا تھا (آپ ﷺ) کا شکم اطہر پر پتھر باندھنا بھوک کی مجبوری نہ تھا بلکہ اس میں حکمت تھی (تفصیل دیکھئے فیوض الرحمان پ 21 احزاب 12)

حضرت موسٰی علیہ السلام: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ جب دیکھو کہ دولت آرہی ہے تو کہو کہ کسی گناہ کی سزا ہے۔ اگر افلاس دیکھو تو کہو کہ خوب ہوا کہ یہ نیک بختوں کا نشان ہے۔

روح اللہ وکلمتہ اللہ علیہ السلام: مسلمانو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اقتدا کرو وہ فرماتے تھے کہ میرا سالن بھوک ہے اور شعار خوف اور پوشاک اون اور جاڑوں میں میری انگھیٹی آفتاب کی دھوپ ہے اور چراغ چاند اور سواری دونوں پاؤں اور کھانا اور میوہ نباتات رات کو سوتا ہوں تو میرے پاس کچھ نہیں ہوتا صبح کو اٹھتا ہوں تو بھی کچھ نہیں ہوتا اور میں سمجھتا ہوں کہ روئے زمین پر مجھ سے زیادہ دولت مند اور کوئی نہیں۔

حکایت: حضرت وہب بن منبہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تو ارشاد فرمایا کہ اس کے لباس دنیوی سے نہ ڈرنا' اس کی نبض میرے ہاتھ میں ہے۔ وہ میرے حکم کے بغیر بولتا ہے نہ آنکھیں بند کرتا ہے اور نہ سانس لیتا ہے اور تم اس کے دنیوی ٹھاٹھ سے تعجب نہ کرنا۔ یہ صرف دنیا کی زینت ہے اور دولت مندوں کی زینتِ اگر میں چاہوں تو دنیا کی آرائش سے تم کو بھی آراستہ کردوں کہ فرعون بھی دیکھے تو جان لے کہ اس سے اتنی زیبائش ممکن نہیں مگر میں تمہارے لیے اسے پسند نہیں کرتا اور تم سے یہ تمام آرائشیں دور رکھوں گا۔ میں اپنے دوستوں سے ایسے کرتا ہوں کیونکہ دنیا کی نعمتوں سے انہیں کوئی کام نہیں۔ جیسے چرواہا اپنے ریوڑ کو تباہ کن چراگاہ سے بچاتا ہے یا کوئی مشفق ساربان اپنے اونٹوں کو خارش والے اونٹوں کے پاس بٹھانے سے روکتا ہے۔

نکتہ: اپنے پیاروں کا دنیا اور اس کی نعمتیں نہ دینا اس وجہ سے نہیں کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل ہیں بلکہ اس لحاظ سے ہے کہ بزرگی و انعام کو صحیح توقیر کے ساتھ مکمل طور پر حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ کے دوست جو اللہ

نمبر 1: وہ کپڑا جو قمیض کے اندر ہو جیسے بنیان وغیرہ۔

کے لیے زیب و زینت کرتے ہیں' عاجزی اور خوف اور خضوع اور تقویٰ سے کرتے ہیں۔ یہی تصور ان کے دلوں میں جما رہتا ہے۔ نعمتیں ان کے جسموں پر ظاہر ہوتی ہیں۔ یہی امور ان کے آثار و شعار ہیں اور ان کے دلوں کی متاع پائیدار اس نجات پر ہے کہ ان کی فلاح ہے اور اس رجاء پر جس کی ان کو توقع ہے اور جس بزرگی پر ان کو ناز ہے اور جس علامت سے کہ ان کی شناخت ہے وہ بھی یہی ہیں جب ایسے حضرات کو ملیں تو ان کی تعظیم کرنا اور بہ انکسار دل و زبان سے پیش آنا اور جان لو کہ جو میرے کسی دوست (ولی اللہ) کو ڈراتا ہے وہ مجھ سے بر سر عام جنگ کو آتا ہے۔ قیامت کو میں اس سے اس کا بدلہ لوں گا۔ (یہ حدیث قدسی کا خلاصہ ہے۔ مشکوۃ شریف میں ہے' (حسن عادیٰ لی فقد آذنته بالحرب) بخاری' جو میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے اس کے ساتھ میرا اعلان جنگ ہے۔ (اویسی غفرلہ)

حکایت: ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ اے لوگو جان لو کہ ایک دن مرنا ہے اور بعد موت کے اٹھنا اور اپنے عمل پر آگاہی پا کر ان کی جزا کو پہنچنا پس زندگی دنیا پر ناز نہ کرو اور ان باتوں کو مت بھولو۔ دنیا مصیبت کا گھر ہے۔ فنا ہونا اس کا مشہور ہے اور دھوکا دینے میں نمبر اول پر ہے۔ اس کی ہر چیز کا انجام زوال ہے اور اس کا کسی کے پاس ہمیشہ رہنا محال ہے نہ اس کے حالات تبدیلی سے محفوظ ہیں نہ اس کے باشندے آفات سے بچ سکتے ہیں۔ جب کسی کو اس میں راحت و سرور پہنچتا ہے یک لخت مصیبت آجاتی ہے اس کے احوال مختلف اور غیر مرتب ہیں بلکہ نہ اس کے عیش کو قیام ہے نہ راحت کو قرار ہے۔ یہ اپنے باشندوں کو تیروں کا نشان بناتی ہے اور موت سے سب کو مٹا کر رکھ دیتی ہے اور موت ہر ایک کے سر پر ہے اور موت کا ذائقہ حق ہے۔ اے بندگان خدا آج دنیا میں تمہارا ایسا حال ہے جیسے پہلے لوگوں کا تھا جو تم سے عمر میں زیادہ اور قوت میں قوی اور آبادی میں اکثر تھے۔ ان کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۝ (الفجر 8) ترجمہ کنزالایمان: کہ ان جیسا شہروں میں پیدا نہ ہوا اور مکانات میں اعلیٰ تھے مگر دنیا کے انقلاب سے اب ان کی آواز نہیں آتی۔ ان کے جسم گل سڑ گئے۔ ان کے شہر الٹ گئے اور ان کے مکانات گر گئے۔ کہاں ہیں وہ مکان عالی شان اور گاؤ تکیے اور عمدہ فرش و فروش اب صرف پتھر اور اینٹیں اور خاک گور اور گوشہ لحد ہے۔ ان کی قبریں ایک دوسرے کے قریب اور ان کے رہنے والے اجنبی اور غریب ہیں۔ ان کے وحشی آبادی ہے اور ایسے محلہ میں جا پڑے ہیں کہ نہ ان کو آبادی سے کوئی انس نہ بھائی بندوں ہمسایوں کی طرح آپس میں میل جول اور رغبت اگرچہ مکان قریب ہیں مگر میل ملاپ کی صورت ان میں اس لیے نہیں کہ ان کو قبروں نے پیس ڈالا اور پتھر اور مٹی سے ان کا کچومر نکال دیا زندگی کے بعد اسیر پنجہ موت نہ ہو گئے اور ان کے اجسام نازنیں راحت و آسودگی کے پیچھے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے خاک میں اپنے دوستوں میں جا کر ملے اور ایسے گئے کہ پھر کبھی نہ لوٹے نہ ان کے لوٹنے کا امکان اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (المومنون 100) ترجمہ کنزالایمان: ہشت یہ تو ایک بات ہے جو وہ اپنے منہ سے کہتا

ہے اور ان کے آگے ایک آڑ ہے اس دن تک جس میں اٹھائے جائیں گے۔ تم بھی یقین کرلو کہ جیسے ان کا حال ہوا وہی تمہارا ہوگا وہی تنہائی ہوگی وہی خاک میں ملنا ہوگا۔ مٹی کی خوابگاہ میں سونا اور اسی ٹھکانے میں رہنا ہوگا۔ پھر دیکھنا کہ کیسی بنے گی جب یہ باتیں تمہارے پیش نظر ہوں گی اور قبروں میں سے نکالے جاؤ گے۔ دل کی باتیں سامنے آجائیں گی۔ بادشاہ حقیقی کے سامنے پیشی ہوگی۔ گزشتہ گناہوں کے خوف سے کلیجے پھٹے جاتے ہوں گے اور دل تھرائے ہوئے پردے فاش ہوں گے۔ غیبی اور چھپی باتیں سامنے کی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لِيَجْزِيَ الَّذِينَ اَسَآءُوا بِمَا عَمِلُوا وَ يَجْزِيَ الَّذِينَ اَحْسَنُوا بِالْحُسْنٰى (النجم 27، 31) ترجمہ: تاکہ برائی کرنے والوں کو ان کے کیے کا بدلہ دے اور نیکی کرنے والوں کو نہایت اچھا صلہ عطا فرمائے (کنز الایمان) اور دوسری جگہ فرمایا ہے۔ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَّ لَا كَبِيرَةً اِلَّا اَحْصٰهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (الکہف 15، 49) ترجمہ کنز الایمان: اور نامہ اعمال رکھا جائے گا تو تم مجرموں کو دیکھو گے کہ اس کے لکھے سے ڈرتے ہوں گے اور کہیں گے ہائے خرابی ہماری اس نوشتہ کو کیا ہوا نہ اس نے کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا جسے گھیر نہ لیا ہو اور اپنا سب کیا انہوں نے سامنے پایا اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا (کنز الایمان) اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ ہم سب کو اپنی کتاب کا تابع اور اپنے محبوبوں کا تابعدار بنائے۔ یہاں تک کہ ہم سب کو اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کی جگہ یعنی آخرت میں پہنچائے۔ وہی محمود اور بزرگی والا ہے۔

فائدہ: بعض حکماء کا قول ہے کہ زمانہ تیر انداز ہے اور آدمی نشانہ کے ہر روز عمر کے دن رات کو اپنے تیروں سے اڑاتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ تمام عمر پوری ہو جاتی ہے۔ باوجود دنوں کے گزرنے اور راتوں کے جلدی ختم ہونے کے انسان کب تک سلامت رہ سکتا ہے۔ اگر کسی کو زمانہ کی تاثیر معلوم ہو کہ ہر گھڑی عمر کا نقصان ہو رہا ہے تو دنوں کے گزرنے سے اسے نفرت ہو اور ساعات کے چلے جانے سے وحشت مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ کسی کو اس کا خیال نہیں آتا باوجود یہیں نظر کہ لوگ دنیا کی آفات سے مطمئن ہیں۔ اس کی لذات کا مزہ انہیں اچھا محسوس ہوتا ہے حالانکہ وہ اندرائن کے پھل سے بھی زیادہ کڑوا ہے بشرطیکہ کوئی سمجھے اسے چکھے اور اس کے ظاہر افعال دیکھ کر کوئی بیان کرنے والا بھی۔ اس کے عیب بیان نہیں کر سکتا اور جو عجائب کو دنیا بروئے کار لاتی ہے حیطہ تقریر سے باہر ہیں اللہ ہی راہ راست پر چلنا نصیب فرمائے۔

فائدہ: بعض حکماء سے جب دنیا کی صفت اور اس کی بقا کی مقدار پوچھی گئی تو جواب میں فرمایا کہ دنیا اس وقت کا نام ہے جس میں انسان آنکھ جھپکاتا ہے اس لیے کہ جو زمانہ اس وقت سے پہلے گزر چکا ہے۔ وہ تو مل نہیں سکتا اور جو وقت ابھی آیا نہیں اس کا حال معلوم نہیں اور وہ وقت کا حال یہ ہے کہ دن جب گزر جاتا ہے تو رات اس کے ماتم میں سیہ پوش ہوتی ہے اور گھڑی پر گھڑی گزرتے ہوئے۔ وقت طے ہو جاتا ہے۔ اس کے حوادث انسان پر برابر آتے اور تغیر و نقصان پہنچاتے ہیں اور زمانہ کا کام یہی ہے کہ جماعتوں کو متفرق کرے اور گروہوں میں فساد ڈالے اور دولت

کو ایک ہاتھ سے دوسرے تک پہنچا دے۔ اس کی امید دراز ہے اور زندگی نہایت قلیل اور پھر سب کا رجوع رب جلیل کی طرف ہوگا۔

حضرت عمر ثانی کا وعظ رضی اللہ عنہ: حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ اے لوگو جس بات کے لیے تم پیدا ہوئے ہو اگر اس کی تصدیق کرو تو تم بے وقوف ٹھہرتے ہو اگر تکذیب کرو تو ہلاک ہوتے ہو۔ یعنی تم کو ہمیشہ رہنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ (یہی عقیدہ تمہیں کام آئے گا) یاد رکھو کہ تم ایک عالم سے دوسرے عالم میں بھیجے جاؤ گے۔ اے بندگان اللہ تم اب اس جگہ میں ہو کہ اگر میں کھانا کھاؤ تو گلے میں اٹکے اور پانی پیو تو اچھو لگے کسی نعمت سے تمہاری خوشی پوری نہیں ہوتی کہ دوسری نعمت کی جدائی سر پر کھڑی ہے جس سے تمہیں رنج ہوتا ہے۔ اب اپنے مال کو سمجھو کہ کیا ہوتا ہے اور کہاں ہمیشہ رہتا ہے اس کے بعد آپ کو اتنا گریہ ہوا کہ منبر سے اتر آئے۔

حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کا وعظ: حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ میں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور دنیا ترک کرو اگرچہ تمہیں دنیا کا چھوڑنا اچھا معلوم نہ ہوگا مگر وہ تم کو چھوڑ دے گی اس کو نیا کرنا چاہتے ہو اور وہ تمہارے جسموں کو پرانا کیے جاتی ہے تمہاری اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے مسافر کسی راہ پر چلیں اور گویا اس کو طے کرلیں یا پہاڑ پر پہنچیں اور اس پر چڑھ جائیں راہ تو چلتے چلتے کسی حد پر ختم ہی ہو جاتی ہے اور اکثر ایسا ہی ہے کہ جس کی بات دنیا میں بنی ہوئی ہے۔ موت کا جلد باز پیادہ اس کے پیچھے ہے یہاں تک کہ دنیا سے جدا ہو جائے تو پھر دنیا کی تکلیف و نقصان میں پریشان نہ ہونا چاہیے کہ بالآخر ختم ہو جائے گی اور نہ اس کی متاع و دولت اور اسباب پر خوش ہونا چاہیے کیونکہ وہ بھی بالآخر ختم ہو جائیں گے۔ طالب دنیا پر تعجب ہے کہ وہ طالب دنیا ہے اور موت اس کی طالب اور غافل سے تعجب ہے کہ اسے غفلت ہے مگر اس کے حال سے غفلت نہ کی جائے گی۔

فائدہ: حضرت محمد بن حسین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب عقلاؤ علماؤ عرفاؤ ادباء کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تحقیر کی ہے اور اپنے دوستوں کے لیے اچھا نہیں فرمایا وہ اس کے نزدیک بہت حقیر اور ادنیٰ شے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میں زہد فرمایا اور اپنے دوستوں کے اس کے فتنہ سے ڈرایا تو انہوں نے اس میں سے میانہ روی کے طور پر اپنایا اور زیادتی کو اپنا توشہ آخرت بنایا اس میں سے بقدر کفایت لے کر باقی ترک کیا۔ پوشاک مقدر ستر عورت اختیار کی اور غذا میں سے بھوک کے دفعیہ کے لیے ادنیٰ مقدار کھائی دنیا کو اس نظر سے دیکھا کہ فانی ہے اور آخرت کو یقین کہا کہ باقی ہے اس لیے دنیا میں سے اتنا توشہ لیا۔ جیسے مسافر لیتا ہے پس انہوں نے دنیا کو اجاڑا اور آخرت کو آباد کیا آخرت کی طرف دل سے دیکھا اور جانا کہ عنقریب چشم ظاہر سے بھی دیکھیں گے اسی لیے اس کی طرف دل سے کوچ کیا۔ اس خیال سے کہ آخر اس کی طرف جانا پڑے گا۔ تھوڑی سی مشقت دنیا

میں اٹھا کہ بہت دنوں کا عیش حاصل کیا یہ تمام باتیں ان کو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حاصل ہوئیں کہ جو کچھ اس نے ان کے لیے محبوب جانا اسی کو انہوں نے محبوب سمجھا اور جس چیز کو اس نے برا کہا اس کو انہوں نے بھی برا سمجھا۔

دنیا کیا ہے اور اس کی مثالیں: دنیا بہت جلد ختم ہونے والی ہے ہر کسی سے وعدہ بقا کرتی ہے مگر اس کے وعدہ کا ہر تلاں ہے۔ ظاہر دیکھو تو ٹھہری ہوئی معلوم ہوتی ہے حالانکہ بڑی تیز رفتاری سے جلد جلد بھاگی جا رہی ہے۔ اس کی حرکت دیکھنے سے محسوس نہیں ہوتی مگر سال و ماہ کے اختتام سے محسوس ہوتی ہے اس کی مثال سایہ کی سی ہے کہ وہ بھی ظاہر میں حرکت کرتا معلوم نہیں ہوتا مگر حقیقت میں متحرک ہے۔ اس کی حرکت آنکھ سے معلوم نہیں ہوتی بلکہ عقل سے معلوم ہوتی ہے اور دنیا کو سایہ کے ساتھ مشابہت اکابرین نے بھی دی ہے چنانچہ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے دنیا کا ذکر ہوا تو آپ نے یہ شعر پڑھا۔ احلام نوم اوکظل زائل ان اللسیب بمنہالا الا یخدع (ترجمہ) دنیا خواب خیال ہے یا ڈھلنے والا سایہ عقل مند اس سے دھوکہ نہیں کھاتا۔

اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تشبیہ دنیا میں یہ شعر پڑھا یا اھل لذات دنیا لا بقاء لھا ان اغتراء بظل زائل حمق ترجمہ: اے دنیا کی لذات والو دنیا کو کوئی بقا نہیں۔ سایہ ڈھلنے والے سے دھوکہ کھانا حماقت ہے۔

فائدہ: مشہور ہے کہ یہ شعر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے والد ابو طالب کا ہے۔ ا۔

حکایت: ایک اعرابی کسی قوم کا مہمان ہوا۔ انہوں نے اسے کھانا کھلایا وہ کھانا کھا کر خیمہ کے سایہ میں سو گیا۔ انہوں نے وہ خیمہ اکھیڑا تو اسے دھوپ لگی نیند سے اٹھا تو یہ شعر پڑھا۔

الا انما الدنیا کظل ثنیتہ ولا بدیو ما ان ظلک زائل ترجمہ: خبردار دنیا وادی کا سایہ ہے اور ایک دن تیرا سایہ ضرور اور لازماً ڈھل جائے گا۔ اسی طرح ایک اور شعر ہے۔

وان امراء دنیا اکبر بمہ لمستسک منہا بجبل عرور ترجمہ: بے شک انسان کا بڑا مقصد دنیا ہے۔ یہ غلط ہے وہ تو دھوکہ کی رسی تھامے ہوئے ہے۔

فائدہ: دنیا کی مثال خواب خیال جیسی ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ الدنیا حلو واہلھا علیھا مجازون و معاتبون ترجمہ: دنیا خواب ہے اس کے اہل اس پر جزا و سزا دیئے جائیں گے اور عتاب کیے جائیں گے۔

فائدہ: حضرت یونس بن عبید رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں دنیا کی تشبیہ یوں ہے کہ جیسے سویا آدمی خواب میں کسی بری بھلی بات سے رنجیدہ یا خوش ہوا کرتا ہے۔ ایسے ہی لوگ گویا خواب میں رنج و راحت دنیوی دیکھ رہے ہیں' مرنے کے بعد آنکھ کھلے گی تو کچھ نہ پائیں گے۔

ابو طالب کے بارے میں تین اقوال ہیں۔ جمہور کفر کے قائل ہیں۔ بعض ایمان ثابت کرتے ہیں' توقف دور حاضر کی جہالت کے پیش نظر عوام کو توقف کا درس دیا جائے۔ 12 (اویسی غفرلہ)

ایک عجیب مثال: تشبیہ دنیا میں بعض کا قول ہے کہ دنیا پہلے بہت نرمی سے پیش آتی ہے لیکن انجام بکار تباہ کر ڈالتی ہے۔ اس اعتبار سے کہ دنیا اپنے اہل و اولاد کی جانی دشمن ہے اور ان کو تباہ و برباد کرتی ہے۔ اس کی مثال اس عورت کی سی ہے جو مردوں کے لیے خود کو بنایا سنوارا کرے اور جب کسی سے بیاہی جائے تو اسے ذبح کر ڈالے یہی دنیا کا حال ہے کہ پہلے یہی دنیا کا حال ہے کہ پہلے بہت اچھی اور نرم و نازک معلوم ہوتی ہے مگر آخر کو تباہ کر دیتی ہے۔

حکایت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے دنیا ایک سنگار والی بڑھیا کی صورت میں آئی اور وہ ہر طرح کی زینت سے آراستہ و پیراستہ تھی۔ آپ نے پوچھا کہ تو نے کتنے شوہر کیے۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے شمار معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا وہ سب تجھے چھوڑ کر مر گئے یا تجھے طلاق دے دی۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے ان کو ذبح کر ڈالا۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تیرے باقی شوہروں کے لیے خرابی ہے کہ پہلوں کا حال دیکھ کر عبرت نہیں پکڑتے تو ہر ایک کو مارتی جاتی ہے لیکن وہ تجھ سے نہیں ڈرتے۔

ایک اور بہترین مثال: اس اعتبار سے دنیا کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ ہے۔ اس کی مثال یوں تصور کریں کہ ایک بڑھیا بدصورت خوب عمدہ پوشاک اور زیور پہن لے اور منہ پر برقعہ ڈال کر لوگوں کو فریب دے جب اس کے باطن کا حال معلوم ہو اور وہ منہ سے برقعہ اٹھا کر دیکھیں تو اس کے پیچھا کرنے سے نادم اور شرمسار ہوں اور اپنی کم عقلی اور دھوکا کھانے سے سخت شرمندہ ہوں۔

حکایت: حضرت علاء بن زیاد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایک بڑھیا دیکھی جس کی کھال سکڑی ہوئی لیکن زیور و لباس سے لدی ہوئی تھی۔ لوگ اسے تعجب سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے اس کو پاس جا کر دیکھا تو لوگوں کو اس کی طرف دیکھنے سے نہایت متعجب ہوا کہ یہ اس کی طرف کیوں مائل ہیں بالآخر میں نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا تم مجھے نہیں جانتے؟ میں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا کہ میں دنیا ہوں۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ تیرے شر سے بچائے اس نے کہا کہ اگر میرے شر سے بچنا چاہتے ہو تو روپے پیسے کو برا جاننا۔

حکایت: حضرت ابوبکر بن عیاش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کے بغداد میں جانے سے قبل دنیا کو خواب میں ایک بڑھیا بدصورت دیکھی کہ تالیاں بجا رہی ہے اور اس کے پیچھے مخلوق اس کی طالب ہے۔ وہ بھی تالیاں بجاتے اور ناچتے ہیں۔ جب وہ میرے سامنے آئی تو میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی کہ اگر مجھے موقع ملا تو یہی حال تیرا بھی کروں گی۔ جوان کا ہے یہ خواب بیان کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو پڑے۔

فائدہ: حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ دنیا کو قیامت میں ایک بڑھیا

بد صورت گہری آنکھوں والی شکل میں لائی جائے گی۔ دانت آگے کو نکلے ہوں گے۔ لوگوں کو سامنے کر کے پوچھا جائے گا کہ تم اسے پہچانتے ہو' عرض کریں گے اللہ تعالیٰ اس سے پناہ دے۔ حکم ہوگا کہ یہ وہی دنیا ہے جس کے لیے تم فخر اور حسد اور بغض اور قطع رحم اور مکر و فریب کرتے تھے اور اس کے پھندے میں آگئے تھے۔ پھر اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ وہ عرض کرے گی کہ الٰہی میری اتباع کرنے والے کہاں ہیں؟ حکم ہوگا ان کو بھی اسی کے ساتھ دوزخ میں پھینکو۔

حکایت: حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ سے یہ بھی منقول ہے کہ ایک آدمی خواب میں اپنی روح کے ساتھ عالم بالا کی سیر کر رہا تھا۔ راستہ میں اس نے ایک عورت دیکھی۔ ہر طرح سے آراستہ و پیراستہ تھی۔ جو اس کے پاس گزرتا ہے اسے زخمی کر دیتی ہے۔ پیٹھ کی جانب سے اسے دیکھو تو بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ آگے سے بہت بڑی بڑھیا پھوس نیلی چندھی آنکھوں والی ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے اللہ تجھ سے بچائے۔ اس نے جواب دیا بخدا اللہ تعالیٰ تجھے مجھ سے نہیں بچائے گا جب تک روپیہ پیسے کو برا نہ جانو گے اس نے پوچھا تو کون ہے؟ جواب دیا میں دنیا ہوں۔

فائدہ: اس اعتبار سے کہ آدمی کا گزر دنیا پر ہوتا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

انسان کے احوال: انسان کے تین حال ہیں

(1) وہ زمانہ کہ جس میں پیدا نہیں ہوا تھا یعنی ازل سے پیدائش کے وقت تک۔

(2) مرنے کے بعد سے اب تک جس میں دنیا کو نہ دیکھے گا۔

(3) ایام حیات کہ جس کا نام دنیا ہے۔

اگر اس زندگی دنیا کو ازل اور ابد کے مقابل میں دیکھا جائے تو یہ دنیا ایسی بھی نہ ہوگی جیسے ایک طویل سفر میں تھوڑا سا مقام ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ما لی والدنیا و انما مثلی و مثل الدنیا کمثل راکب سار فی یوم صائف فرفعت لہ شجرۃ فقال تحت ظلھا ساعۃ ثمہ راح و ترکھا ترجمہ: مجھے دنیا سے کیا کام میری اور دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سوار گرمی میں چلے اور اسے کوئی درخت ملے اور وہ ایک گھڑی اس کے نیچے سو جائے پھر چل پڑے اور اس درخت کو چھوڑ دے۔ یعنی میں اس دنیا کو اس سے بھی بہت جلد باز دیکھ رہا ہوں۔

فائدہ: جو کوئی دنیا کو اس نظر سے دیکھے کہ کبھی اس کی رغبت نہ کرے اور نہ یہ پروا کرے کہ دن کس طرح گزرتے ہیں۔ تنگی میں یا فراخی میں رنج میں یا راحت میں اور وہ اینٹ پر اینٹ بھی نہ رکھے چونکہ دنیا کی کیفیت حضور اقدس ﷺ کو خوب معلوم تھی اس لیے زندگی بھر اینٹ کا مکان نہ بنایا نہ لکڑی کا بلکہ بعض صحابہ کرام کو لکڑی کا مکان بناتے دیکھ کر فرمایا اری الا مر اعجل من ہذا ترجمہ: اس کا معاملہ جلد تر دیکھتا ہوں۔ گویا آپ ﷺ کو مکان کا بنوانا برا معلوم ہوا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی فرماتے ہیں کہ دنیا ایک پل ہے اس پر سے گزر جاؤ اور عمارت نہ

بناؤ اور یہ مثال خوب ہے کیونکہ زندگی آخرت میں پہنچنے کے لیے ایک پل ہے۔ اس کا ایک ستون گہوارہ ہے اور دوسرا لحد اور دونوں کے درمیان مسافت محدود ہے اور بعض لوگوں نے اس پل کا نصف قطع کرلیا ہے۔ بعض نے تہائی اور بعض نے دو تہائی اور بعض نے ایک قدم ہی طے کرنا باقی ہے مگر اسے معلوم نہیں۔

فائدہ: اس پل سے گزرنا ضروری ہے اور پل پر عمارت بنانا اور اس کو زینت سے آراستہ کرنا اور پھر چھوڑ کر چلے جانا نہایت جہالت اور ذلت ہے اور چونکہ دنیا میں غور خوص کرنا بہت آسان اور نرم ہے اس لیے دنیا دار کو معلوم ہوتا ہے کہ اس سے سلامت نکل جانا ایسا ہی آسان ہے اور مزے دار ہوگا حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ اس کے اندر پھنس جانا بہت آسان ہے اور باسلامت نکلنا نہایت مشکل۔

علوی مثال: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ دنیا بمنزلہ سانپ کے ہے اس ظاہر کو ہاتھ لگاؤ تو نرم اور چکنا معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا زہر انسان کو مار ڈالتا ہے۔ ہاں جو چیز اس میں اچھی معلوم ہو اس سے منہ پھیرو کہ وہ تمہارے ساتھ بہت کم رہے گی اور چونکہ اس کے فراق کا یقین ہے اس لیے اس کے تردداٹ کو بھی برطرف کرو اور اس کے سب سے زیادہ خوشی کی حالت سب سے زیادہ خوف کا مقام ہے کیونکہ دنیا میں جب کسی کو خوشی پہنچتی ہے۔ اس کے بعد ویسا ہی رنج بھی پہنچا کرتا ہے۔

نبوی مثال نمبر1: دنیا میں پھنس کر اس کے آفات سے سلامت رہنے کی مثال حدیث شریف ہے۔انما مثل صاحب الدنیا کما شی فی الماء ھل یستطیع الذی یمشی فی الماء ان لا تبتل قد ماہ ترجمہ: دنیا دار کی مثال پانی میں چلنے والے جیسی ہے تو کیا کوئی پانی میں چل سکتا ہے۔ اگر چلے تو کیا اس کے پاؤں تر نہ ہوں گے۔

فائدہ: اس حدیث شریف سے ان لوگوں کی جہالت معلوم ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ ہمارے جسم صرف لذات دنیا سے بہرہ ور ہیں اور دل اس سے پاک و صاف ہیں۔ دلوں میں کسی کا تعلق نہیں۔ یہ ایک شیطان کا دھوکا ہے کہ اس نے ان کو فریب دے رکھا ہے اس لیے کہ اگر ان کو اس عیش و لذت سے علیحدہ کر دیا جائے تو کتنا بڑا رنج کرتے ہیں اگر ان کے دل کو تعلق نہ تھا تو درود و رنج کس کو ہے۔

خلاصہ: ارشاد حضور اقدس ﷺ حق ہے کہ جس طرح پانی میں چلنے سے قدم ضرور تر ہوتے ہیں اسی طرح دنیا کے اختلاط سے بھی دل میں ایک تعلق اور ظلمت پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ اس تعلق دینوی سے دل میں عبادت کا مزہ نہیں ہوتا۔

عیسیٰ علیہ السلام کی نصیحتیں، عیسوی مثال نمبر1: حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں سچ کہتا ہوں کہ جیسے بیمار آدمی شدت درد میں کھانے کا مزہ نہیں پاتا اسی طرح جس کو دنیا کا روگ ہے۔ وہ عبادات کی حلاوت

نہیں پاتا اور یہ بھی سچ کہتا ہوں کہ جس طرح گھوڑا سوار نہ ہونے اور دوڑنے سے پکڑا جاتا ہے اور لگام نہیں دینے دیتا اسی طرح اگر دل بھی ذکر موت اور مشقت عبادت سے نرم اور اسے درست نہ کیا تو سخت اور بیکار ہو جاتا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ مشک جب تک پھٹتی اور سوکھتی نہیں اس میں شہد بھرا کرتے ہیں اسی طرح جب دل شہوات سے نہیں پھٹتے اور طمع سے پلید اور لذت سے سخت نہیں ہوتے پر اس وقت تک' ان میں حکمت آسکتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ انما بقی من الدنیا بلاء و فتنه و انما مثل کل احدکم کمثل الوعاء عطاب اعلاه طاب اسفله واذا خبث اعلاه خبث اسفله ترجمہ: بے شک دنیا انسان کے لیے صرف بلا و فتنہ رہ گئی اور تم ہر ایک کی مثال ایسی ہے جیسے برتن کا اوپر کا حصہ اچھا ہو اس کا باطن اچھا ہوگا اگر اوپر کا حصہ برا ہوگا تو باطن بھی برا ہوگا۔

نبوی مثال نمبر2: دنیا کا بہت سا حصہ گزر گیا باقی تھوڑا سا رہ گیا اس کے متعلق نبی پاک ﷺ نے مثال قائم فرمائی ہے۔ مثل هذا الدنیا مثل ثوب شق من اولی الی آخره فبقی متعلقاً بخیط فی آخره فیوشک ذلک الخیط ان ینقطع ترجمہ: اس دنیا کی مثال اس کپڑے کی سی ہے جو اول سے پھٹے اور اس کا ایک تاگا اٹکا رہے۔ پھر قریب ہے کہ وہ بھی کٹ جائے۔

فائدہ: اس حدیث شریف میں دنیا کی مثال یوں ہے کہ دنیا جس قدر باقی ہے بہ نسبت گزشتہ وقت کے بہت کم ہے اس وجہ سے کہ دنیا کا ایک علاقہ دوسرے کا باعث ہوتا ہے اور مرنے تک یہی سلسلہ رہتا ہے۔

عیسوی مثال نمبر2: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ طالب دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پیاس کے لیے کھاری پانی پیئے کہ جتنا زیادہ پیئے گا اتنا ہی پیاس زیادہ ہوگی۔ یہاں تک کہ مرجائے۔

فائدہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کا آغاز اچھا معلوم ہوتا ہے لیکن انجام بد ہے۔

عجیب مثال اس کی مثال غذا سی ہے یعنی شہوات دنیا میں ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے شہوات غذا معدہ میں پہنچ کر اپنے کمال کو پہنچتی ہے۔ مثلاً جس قدر غذا لذیذ و مزیدار اور چکنی شیریں ہوگی اسی قدر اس میں بدبو اور کثافت زیادہ ہوگی اسی طرح دل کی شہوات میں سے جو شہوت قوی اور لذیذ ہوگی اس کی کراہت اور بدبو مرنے کے بعد زیادہ ہوگی بلکہ یہ بات زندگی میں ہی دیکھ لو کہ اگر کسی کا گھر بار چھن جائے اور مال و اولاد اور زن و فرزند لٹ جائیں تو اس کو مصیبت و درد اسی کا زیادہ ہوگا جس سے محبت زیادہ ہوگی۔

خلاصہ: جس شے کا ہونا جس قدر اچھا معلوم ہوتا ہے اسی قدر اس کے نہ ہونے سے رنج بھی ہوتا ہے اور موت سے بھی یہی غرض ہے کہ دنیا کی نعمت جاتی رہے۔

حکایت: حضور اقدس ﷺ نے حضرت ضحاک بن سفیان سیلابی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم اپنی غذا نمک مرچ کے ساتھ کھا کر پھر پانی

اور دودھ پیتے ہو انہوں نے عرض کی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا پھر اس غذا کا کیا بنتا ہے۔ عرض کیا کہ وہ تو آپ ﷺ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو اس چیز کے مشابہ فرمایا ہے جو انجام کو غذا سے بن جاتی ہے۔

حدیث شریف 1: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا انصر الدنیا ضربت مثلا لابن آدم فانظم الٰی مد یخرج من ابن آدم وان قزحہ و ملحہ الٰی مایصیر ترجمہ: دنیا کی مثال یوں دیتی ہے کہ ابن آدم دیکھ وہ جو تیرے پیٹ سے خارج ہوتا ہے اس کامسالہ اور نمک کہاں جاکر کیسے ہو کر۔

حدیث نمبر2: فرمایا حضور ﷺ نے ان اللّٰہ ضرب الدنیا لعطعم ابن آدم مثلا و ضرب مطعم بن ادم الدنیا مثلا وان قزحہ و ملحہ ترجمہ: اللہ تعالیٰ عزو جل نے دنیا کو آدمی کی غذا مثل بیان فرمایا۔ غذا انسان کے لیے بیان فرمایا ہے گو اس میں مرچ و نمک لگا دے۔

فائدہ: حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں دیکھتا ہوں کہ اول غذا میں خوب مسالہ و خوشبو ڈالتے ہیں اور پھر اس کو کہاں ڈال آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ (عبس 24) ترجمہ کنزالایمان: تو آدمی کو چاہئے کہ اپنے کھانوں کو دیکھے۔

فائدہ: اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ طعام سے وہ صورت مراد ہے جو غذا کے انجام میں ہو جاتی ہے۔

حکایت: کسی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں مگر شرم آتی ہے کہ فرمایا کہ شرمانا نہیں چاہئے۔ پوچھ لو۔ اس نے عرض کیا کہ جب آدمی پاخانے سے فارغ ہو کر اسے دیکھے؟ آپ نے فرمایا ہاں فرشتہ اسے یوں کہتا ہے کہ جس چیز کا بخل کیا کرتا ہے۔ اسے دیکھ کہ اس کا انجام کیا ہوا۔

حکایت: حضرت بشیر بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے کہ لوگو چلو تم کو دنیا دکھاؤں ان کو کسی کوڑے پر لے جاتے اور فرماتے کہ وہ ان کے میوے مرغ اور شہد گھی ہیں۔

آخرت و دنیا کی مثال: حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کی مقدار آخرت میں ایسی ہے جیسے کوئی سمندر میں انگلی ڈال کر دیکھے کہ انگلی پر کسی قدر پانی آیا آخرت کے سامنے دنیا ہیچ ہے اس لئے کہ دنیا دار دنیا کی لذتوں میں مبتلا ہو کر آخرت سے غافل ہیں اور پھر بڑی بڑی حسرتیں اٹھاتے ہیں۔

ایک اور مثال: دنیا کی مثال یوں ہے کہ بعض لوگ کشتی میں سوار ہوئے اور ایک جزیرے میں پہنچے۔ وہاں پہنچ کر ملاح نے اجازت دی کہ قضاء حاجت منظور ہو وہ یہاں اتر جائے مگر یہ مقام خوفناک ہے۔ یہاں سے جلد واپس آنا ورنہ کشتی چلی جائے گی۔ یہ لوگ کشتی سے اتر پڑے اور اطراف جزیرہ میں پھیل گئے پھر بعض نے تو ملاح کے قول پر

عمل کیا اور قضائے حاجت کرتے ہی کشتی کی طرف چلے آئے اور کشتی کی طرف آ کر خوب اور خاطر خواہ جگہ لے لی اور بعض نے جزیرہ میں ٹھہر کر اس کے شگوفوں اور غنچوں اور بیابانوں اور نغمات دل آویز اور جانوروں کے چہچہے فرحت انگیز اور جواہر عجیب اور گوناگوں اور نقوش غریبہ اور اشکال عجیبہ کی سیر کی مگر بخوف کشتی کے نہ ملنے کے سیر کرتے ہی پھر آئے ان کو اگرچہ پہلے لوگوں جیسا وسیع اور خوب جگہ تو نہ ملی پھر بھی اچھی طرح بیٹھ گئے اور بعض نے ان اشیاء مذکورہ بالا کو دیکھا تو وہ لٹو ہوگئے اور موتی و جواہر اور میوہ و گل کی خوبی اس قدر دل میں بیٹھی کہ ان کے چھوڑنے کو دل نہ چاہا۔ اس میں سے کچھ ساتھ لے لیے۔ کشتی میں آ کر مکان میں اتنی گنجائش بھی نہ دیکھی کہ اچھی طرح بیٹھ سکیں۔ اسباب رکھنے کی تو جگہ ہی نہ ملی' بمجبوری سامان اپنے سر پر رکھا اور کشتی میں بیٹھ گئے۔ مگر اپنی اسی حرکت سے نادم تھے کہ ناحق ان کو لیا اور مفت میں دردسر اور وبال سر لیا اور بعض لوگ جنگلوں میں گھس کر کشتی کو بالکل بھول گئے اور اتنی سیر کی کہ ملاح کی آواز بھی نہ سنی مگر باوجود اس کے درندوں کا خوف دل میں تھا اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ فراز و نشیب میں لغزش ہوگی تو مصیبت اٹھانی پڑے گی اور پاؤں اور کپڑوں میں کانٹے چبھیں گے۔ ٹہنیوں سے بدن چرے گا۔ آواز ہولناک سے کلیجہ کانپے گا جھاڑیوں سے کپڑے پھٹ کر ننگے رہ جائیں گے اور پھر اگر لوٹنا چاہیں گے تو کچھ نہ بن سکے گا اسی دوران کشتی والوں کی آواز سن کر بوجھ کے گٹھے سر پر لیے جب کنارے پر پہنچے تو ان میں جگہ نہ پائی کنارے ہی پر بھوکے پیاسے مرگئے اور بعض کو کشتی والوں کی بھی آواز سنائی ہی نہ دی اور کشتی بھی چلی گئی اور ان کا حال یہ ہوا کہ بعض درندوں کی خوراک ہوئے اور بعض حیران و پریشان اور بھٹک کر مر گئے اور بعض دلدل میں جاگرے اور بعض کو سانپ اور بچھو کھا گئے غرضیکہ سب کے سب اسی طرح مردار و تباہ ہوگئے۔

نتیجہ مثال: جو لوگ کشتی میں تین قسم کے لوگ سوار ہوئے تھے اور ان اشیاء کی حفاظت کی فکر ہوئی لیکن ایک عرصہ کے بعد پھول مرجھا گئے اور پتھر وغیرہ کے رنگ متغیر ہوگئے اور میوے وغیرہ بگڑ کر سڑ گئے۔ بدبو آنے لگی انہیں پہلے تو صرف سامنے رکھنے کی دقت تھی۔ اب بدبو سے ایذا ہونے لگی۔ پھر کوئی علاج سمجھ نہ آیا۔ بغیر اس کے انہیں دریا میں پھینک دیں مگر اس کی بدبو اور خوراک سے اثر ہوا کہ گھر تک بیمار پڑ گئے اور بہت دنوں تک آہ و فغاں سے گزارا اور جوان سے پہلے کشتی میں آئے تھے۔ ان کو بیٹھنے میں خواطر خواہ آسائش تو نہ ملی مگر وطن میں پہنچ کر صحیح و سالم رہے۔ کوئی دکھ درد نہ ہوا اور جو لوگ سیر سے پہلے چلے آئے تھے۔ وہ کشتی میں بھی چین سے رہے اور وطن میں بھی راحت و آرام سے رہے۔

درس عبرت: یہی حال دنیا والوں کا ہے کہ وطن اصلی کو بھول کر اس جزیرہ (دنیا) کے گلزار اور پتھروں اور چاندی سونے پر ایسے غافل ہیں کہ اس انجام کی فکر نہیں کرتے۔ یہ معلوم نہیں کہ مرنے کے وقت یہ تمام زینت کی اشیاء گردن پر وبال ہوں گی۔ اگرچہ اب ان کے آنے کی خوشی اور جان کا غم ہوتا ہے اور اس مصیبت میں سب ہی مبتلا

ہیں مگر جسے اللہ تعالیٰ بچائے۔

فائدہ: اس خیال سے کہ مخلوق دنیا کے فریب میں آجاتی ہے اور باوجود اللہ کے خوف دلانے کے اس کے احکام ضعیف ایمان رکھتی ہے۔

ایک مثال: حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا کہ میری اور تمہاری اور دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے بعض لوگ کسی جنگ پر غبار میں چلیں اور چلتے چلتے یہ نوبت پہنچے کہ یہ بھی خبر نہ ہو کہ جتنی راہ طے کر چکے ہیں وہ زیادہ ہے یا جو باقی ہے وہ یہاں کھانے پینے کی اشیاء ختم ہو جائیں اور اسی جنگل میں کمریں کھول کر بے زاد و راہ پڑ رہیں اور زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں جب ان کی یہ نوبت پہنچے تو دور سے ایک آدمی کی صورت نظر آئے کہ ایک لباس پہن کر چلا آرہا ہے کہ کپڑوں سے پانی ٹپکتا ہے۔ خیال کریں کہ یہ شخص کسی زرخیز زمین سے آتا ہے۔ وہ جگہ یہاں سے قریب معلوم ہوتی ہے۔ جب وہ پاس آکر ان سے پوچھے کہ تمہارا کیا حال ہے وہ کہیں کہ ہمارا حال ظاہر ہے۔ وہ جواب میں کہے کہ اگر میں تمکو پانی اور باغ بتا دوں تو کیا کرو گے۔ جواب دیں کہ ہم تیری اطاعت کریں گے۔ کسی امر میں خلاف نہ کریں گے۔ وہ فرمائے کہ اگر سچ کہتے ہو تو اس عہد کو پکا کرو۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر عہد مستحکم کیا کہ ہم بے فرمانی نہ کریں گے۔ اس عہد کے بعد اس نے عمدہ پانی اور باغ سبز بتا دیا اور چند روز خود ان میں رہا۔ پھر ان سے کہا کہ بھائیو یہاں سے جلد چلو پوچھا کہاں جائیں کہ ایسے چشمہ اور باغ میں جو اس سے اعلیٰ ہے۔ اس کو سن کر بعض نے کہا کہ اللہ اللہ کر کے ہم کو یہ نعمت ملی ہے اس سے بہتر کو ہم کیا کریں گے۔ بعض نے یہ کہا کہ اس کے ساتھ عہد کر چکے ہو کہ کسی بات میں بے فرمانی نہ کریں گے۔ پہلے جو اسی نے کہا تھا وہی ہوا۔ اب بھی اس کا قول ہے۔ بے شک درست ہوگا۔ وہ اسی خیال سے اس کے ساتھ ہو لیے اور باقی لوگ وہاں ہی پڑے رہے۔ یہاں تک کہ صبح کو دشمن نے ان پر حملہ کر کے بعض کو قتل کر دیا۔ بعض کو قیدی بنا لیا (اور جو چل دیئے وہ بچ گئے

تبصرہ اویسی غفرلہ یہ مثال حضور اقدس ﷺ کی ذات اقدس کے لیے ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ کا حال امت کے لیے ایسے ہے جیسے مثال میں مذکور ہوا۔

ایک اور مثال: اسی اعتبار سے کہ لوگ پہلے دنیا میں مزے اڑاتے ہیں اور آخر میں اس کی جدائی سے درد سہتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مکان بنائے اور اسے خوب آراستہ کرے اور پھر لوگوں کو علیحدہ علیحدہ یہاں بلا کر دعوت کرے۔ جب اس کے سامنے عطر وغیرہ رکھ دے کہ سونگھ کر اوروں کے لیے چھوڑا جائے۔ ان کے بعض نے ناواقفیت سے یہ خیال کر لیا کہ یہ برتن سمیت ہمیں ملا ہے۔ اسی وجہ سے دل کو خوب اس پر چمٹا لیا جب مالک خانہ نے وہ برتن واپس لے لیے تو تعلق دل کی وجہ سے رنج ہوا اور جسے دستور معلوم تھا اس نے خوشبو بھی سونگھی اور

مالک کا شکر گزار بھی ہوا اور خوشی سے برتن مالک کے حوالے کیے۔ اسی طرح جو شخص دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عادت سے واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ دنیا ضیافت خانہ ہے آنے والا جانے والوں پر وقف ہے۔ اس لیے توشہ آخرت لیں اور جس طرح مسافر عاریت کی چیزوں سے متمتع ہوتے ہیں اسی طرح دنیوی اشیاء سے فائدہ اٹھائیں اور اس میں بالکل مصروف نہ ہوں کہ جدائی کے وقت مصیبت سہیں۔

فائدہ: یہ ہیں دنیا کی مثالیں اور اس کے آفات اور خرابیوں کی تشبیہات' اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچنے کی توفیق بخشے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

سالک کے لیے دنیا کا حال: صرف مذمت دنیا کا حال جان لینا کافی نہیں جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ قابل مذمت کون سی دنیا ہے اور کس دنیا سے اجتناب کرنا لازم ہے اسی لیے ان دونوں کا بیان ضروری ہے کہ دشمن خدا اور رہزن معرفت کون سی دنیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ دنیا و آخرت کے دل کے لیے دو احوال کا نام ہے چال جو دل کے قریب ہے۔ یعنی موت سے پہلے اسے دنیا کہتے ہیں۔ یہ دونوں سے معنی قرب سے مشتق ہے۔ وہ حال متاثر ہے یعنی موت کے بعد اسے آخرت بولتے ہیں۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے لذت و خواہش رہتی ہے۔ یعنی وہ اشیاء جو موت سے پہلے انسان کے پاس رہتی ہیں۔ وہ انسان کے حق میں دنیا میں داخل ہیں۔

مرغوب اشیاء کی قسمیں: اس سے یہ نہ سمجھنا کہ دنیا میں جس چیز کی طرف رغبت ہو وہ خواہ مخواہ بری ہے بلکہ اس کی تین قسمیں ہیں (1) وہ اشیاء جو آخرت میں ساتھ رہیں ان کا ثمرہ موت کے بعد معلوم ہو وہ دو چیزیں ہیں (1) علم (2) عمل۔ علم سے مراد وہ علم ہے جس سے معرفت ذات و صفات و افعال الٰہی اور ملائکہ اور کتابوں اور رسولوں اور زمین و آسمان کے ملکوت کی معرفت اور شریعت نبوی حاصل ہو۔ (2) عمل سے مراد عبادت خالص اور خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ پس عالم دین اگرچہ بعض اوقات علم سے ایسا مانوس ہوتا ہے کہ تمام چیزوں سے زیادہ لذت علم میں پاتا ہے۔[1]

یہاں تک کہ خواب و خوراک اور زن و فرزند کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بھی چھوڑ دیتا ہے اور سب سے زیادہ اسی میں لذت پاتا ہے اور یہی لذت اس کو مرنے سے پہلے تک ہوتی ہے (مرنے کے بعد بلندی درجات کا کیا کہنا)

فائدہ: اساس لذت کو دنیائے مذموم میں شمار نہیں کریں گے بلکہ اسے دنیا سے شمار نہ کرنا چاہئے بلکہ اسے آخرت سے تصور کرنا چاہئے۔ ایسے ہی عابد بھی اپنی عبادت میں ایسی حلاوت و ذکر میں لذت پاتا ہے کہ اگر اسے روکا جائے تو

---

[1] حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ کتابوں کے ڈھیر کو دیکھ کر آپ کی زوجہ محترمہ فرماتی تھیں کہ یہ میری سوکنیں ہیں کہ ان سے نہ فراغت پاتے ہیں نہ میرے ساتھ کوئی بات کرتے ہیں۔ ایسے ہی ہر صاحب علم کا حال ہے۔ اویسی غفرلہ

اسے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض عابدوں کا قول ہے کہ موت سے تو ڈر نہیں لیکن یہ خوف ہے کہ نماز تہجد جاتی رہے گی۔ ایک بزرگ دعا مانگتے تھے کہ الٰہی قبر میں مجھے قوت نماز اور رکوع و سجدہ کی توفیق دینا (1) گویا لذت اسے ابھی حاصل ہے اسی لیے باعتبار اشتیاق کے اسے دنیا کہہ سکتے ہیں لیکن جس دنیا کی مذمت کی گئی ہے وہ یہ نہیں۔ حدیث شریف میں ہے حبب الی من الدنیا ثلثه النساء و الطیب و قرة عینی فی الصلوٰة

ترجمہ: میرے لیے دنیا کی تین چیزیں محبوب رکھی گئی ہیں (1) عورت (2) خوشبو (3) نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک

نکتہ: نماز کو بھی لذائذ دنویہ سے ارشاد فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز محسوسات میں سے ہے اور جتنے محسوسات ہیں وہ عالم دنیا میں داخل ہیں۔ علاوہ ازیں رکوع و سجود سے اعضاء میں حرکت سے جو لذت ہوتی ہے۔ یہ بھی دنیوی لذت ہے مگر ہم ایسی لذتوں کے درپے نہیں ہوتے نہ انہیں دنیا تصور کرتے ہیں بلکہ جس دنیا کی مذمت ہم اسی کو بیان کریں گے۔ یعنی وہ خطوظ اور لذات وہ جس میں سے صرف زندگی میں فائدہ ہو اور آخرت میں کوئی ثواب نہ ملے جیسے گناہوں سے لذت پانا یا مباحات سے زائد از ضرورت سے استفادہ جیسے رفاہیت و معونت کہتے ہیں مثلاً ڈھیروں کے ڈھیر چاندی سونے اور گھوڑوں اور جانوروں اور زراعت اور لونڈی غلام اور اونچے مکانات اور لباس فاخرہ اور عمدہ غذاؤں سے نفع پانا اس سب کا حظ مرنے سے پہلے تک ہی ہے اسی لیے یہ دنیا مذموم میں داخل ہیں۔

فائدہ: اس میں کلام طویل ہے۔ ان میں سے بعض کو فضول تصور کریں اور بعض کو داخل حاجت سمجھیں۔

حکایت: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حمص کا حاکم بنا کر بھیجا تھا۔ انہوں نے وہاں صرف دو درم کے خرچہ کا بیت الخلا بنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے انہیں لکھا کہ عمر بن خطاب امیر المؤمنین کی طرف سے عویمر کو معلوم ہو کہ فارس اور روم کی عمارتوں میں وہ چیز موجود تھی تمہیں وہ کافی تھی۔ دنیا کو کیوں آباد کیا جس کے خراب کرنے کا حکم باری تعالیٰ نے دیا ہے۔ خط پہنچتے ہی تم مع اہل و عیال دمشق چلے جاؤ۔ فقط والسلام۔ اس کے بعد حضرت ابودردا زندگی بھر دمشق میں رہے۔

فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت الخلا کو بھی دنیا کا فضول کام بتایا۔ وہ لذات جو ان دونوں قسموں کے درمیان ہو مثلاً بقدر قوت غذا اور موٹے کپڑے کا جوڑا ایسے ہی وہ ضروری اشیاء جن سے آدمی علم اور عمل کو پہنچ سکے تو اسے لات دینوی نہ گنی جائیں گی بلکہ اس وجہ سے کہ یہ آخرت کے امور پر معین ہیں یا وسیلہ حصول اخروی نعمتوں

نمبر1: سیدنا مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے لیے مشہور ہے فرمایا کرتے کہ جنت میں بھی ہم نماز کی تمنا کریں گے۔ فرمایا اس لیے کہ جو لذت نماز میں ہے وہ جنت کی نعمتوں میں نہیں۔ اویسی غفرلہ

حمص شام کے ملک کا ایک بہت بڑا شہر ہے یہاں ہی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک ہے۔ فقیر اویسی 1418ھ میں حاضر ہوا۔ اویسی غفرلہ

کی ہیں۔ یہ قسم اول میں داخل ہیں جو شخص ان کو .بقصد استعانت حاصل کرے گا وہ دنیا دار نہ کہلائے گا۔ اگر علم و عمل پر استعانت کی نیت سے نہیں بلکہ غرض صرف لذت دنیویہ ہو تو داخل قسم ثانی ہوگی اور وہ دنیا کی اشیاء میں شمار ہوں گی۔

بعد الموت کے ساتھی: مرنے کے بعد انسان کے ساتھ تین چیزیں رہتی ہیں (1) دل کا دنیا کی میل و کچیل سے پاک ہو کر جانا (2) اللہ تعالیٰ کے ذکر سے الفت (3) حب الٰہی ان میں طہارت ترک شہوات دنیا بغیر نہیں ہوتی اور الفت کثرت و مداومت ذکر کے بغیر میسر نہیں اور محبت بلامعرفت الٰہی حاصل نہیں ہوتی اور معرفت الٰہی مداومت فکر کے بغیر نہیں ہو سکتی اور یہی تینوں امور یعنی طہارت و الفت و محبت بعد مرنے کے بعد موجب سعادت و سبب نجات ہوتی ہیں۔ طہارت قلب شہوات دنیا اس وجہ نجات دہندہ ہے کہ عذاب میں حائل ہو جاتی ہے۔

حدیث شریف: انسان کے اعمال اس کی طرف سے عذاب کا مقابلہ کریں گے مثلاً جب عذاب پاؤں کی طرف سے آئے گا تو نماز و تہجد روکے گی اور جب ہاتھوں کی طرف آئے گا۔تو زکوٰۃ روکے گی اور انس و محبت اس وجہ سے موجب سعادت ہیں۔ ان کی وجہ سے شرف دیدار نصیب ہوتا ہے اور مرنے کے بعد فوراً اس سعادت سے بہرہ ور ہو جاتا ہے اور دیدار الٰہی تک جو جنت میں ہوگا۔ یہی حال رہتا ہے اور مرتے ہی قبر رشک ارم بن جاتی ہے اور کیوں نہ ہو عاشق کا محبوب تو صرف ایک ہی تھا اس سے عوائق دنیوی مانع تھے۔ جب موت سے وہ عوائق دور ہوئے اور دنیا کی قید سے چھوٹ گیا تو اب محبوب اور دیدار مطلوب کا کون مانع رہا اب تو آفات دنیا سے چھوٹ کر رنج اور فراق سے مامون ہو کر اس کے انوار سے ہمیشہ مستفیض رہے گا ہاں دنیا دار کو قبر میں عذاب ہوتا ہے تو اس وجہ سے کہ اس کی محبوب صرف دنیا تھی جو موت کی وجہ سے اس سے چھن گئی اور کوئی واپسی کا نہ حیلہ رہا۔ جب محبوب ہی نہ رہا تو رنج و عذاب نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا۔ اس لیے کہا گیا ہے ماحال من کان له واحد غیب عنه ذالک۔ غیب عنه ذالک انور ترجمہ: اس کا حال ہوگا جس کا ایک محبوب ہو اور وہ بھی غائب ہو جائے۔ الموت عوما امان ہو فراق لمحاب ادنیا و قدوم علی اللّٰہ ترجمہ: موت سے انسان مٹ نہیں جاتا بلکہ دنیا کی محبوب چیزیں چھٹ جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری ہوتی ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ طریق آخرت کا سالک وہی ہے جو ان تینوں صفات یعنی ذکر و فکر اور عمل (جس سے شہوات دنیا چھوٹ جائیں) مداوت کرے اور تمام لذات دنیوی اس کے نزدیک مکروہ ہوں اور یہ باتیں صحت و تندرستی کے سوا ممکن نہیں اور بدن کی صحت غذا اور لباس اور مسکن کے بغیر ممکن نہیں اور ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ اسباب چاہیں جو سالک غذا اور لباس اور مکان بقدر ضرورت آخرت کے لیے حاصل کرے وہ دنیا دار یہ کہلائے گا اور یہ دنیا اس کے حق میں مزرعہ آخرت ہوگی ہاں اگر ان چیزوں کو صرف حفظ نفس یعنی عیاشی کے لیے حاصل

کرے گا تو اہل دنیا سے شمار ہوگا بلکہ دنیا سے رغبت والا کہلائے گا۔

اقسام رغبت حفظ دنیا: (1) جس سے رغبت کرنے والا عذاب آخرت کا مستحق ہو یہ حرام ہے (2) وہ رغبت سالک کو اعلیٰ درجہ تک نہ پہنچنے نہ دے اور طول حساب میں اسے نہ پھنسائے یہ جائز تو ہے لیکن عاقل کے نزدیک ظاہر ہے کہ میدان قیامت میں حساب کے لیے ٹھہرے رہنا بھی ایک عذاب ہے جس سے حساب میں الجھایا جائے گا۔ اسے کیسی تکلیف ہوگی وہ حدیث شریف میں ہے کہ حلالھا حساب وحدمچھا عذاب ترجمہ: دنیا کا حلال بھی عذاب ہے مگر یہ کہ حرام سے خفیف ہے۔

فائدہ: اگر بالفرض حساب نہ بھی ہو تب بھی صرف ان الا انہ اخف من عذاب الحرام ترجمہ: دنیا کا حلال بھی عذاب ہے مگر یہ کہ حرام سے خفیف تر ہے۔

فائدہ: اگر بالفرض حساب بھی ہو تب صرف ان حظوظ نفسانی اور لذات فانی کی وجہ سے رتبہ اعلیٰ سے محروم رہنا اور دل پر حسرتوں کا گزرنا بھی خالی از عذاب نہیں مثلاً دنیا میں دیکھ لو کہ جب کوئی کسی کا ہجولی مرتبہ دنیوی میں بڑھ جاتا ہے۔ تو کیسی حسرت ہوتی ہے حالانکہ اس دنیوی رتبہ کو کوئی دوام نہیں یہ ہر وقت بدلتا رہتا ہے اور انجام کو بالضرور منقطع ہو جاتا ہے پس جب لذات دنیوی پر یہ مسرت ہے تو سعادات اخروی پر تو بطریق اولیٰ مسرت ہوگی۔ وہ نعمتیں تو پائیدار اور خارج ازوصف اور بے انتہا ہیں' نہ آنکھوں سے دیکھی نہ کانوں سے سنی ایسی نعمتوں کے نہ ملنے سے دل پر کیا کیا نہ گزرے گا جو شخص دنیا میں لذت پائے گا اگر چہ کسی جانور ہی کی خوش آواز سے کیوں نہ ہو۔ اس کا حصہ آخرت میں ہے اسی لیے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پیاس لگی آپ کے ہاں ٹھنڈا پانی شہد سے ملا ہوا لایا گیا تو آپ اسے ہاتھ سے گھماتے رہے لیکن اسے نہ پیا اور فرمایا اعزالوعنی حسابھا ترجمہ: مجھ سے اس کا حساب دور کرو' خلاصہ یہ کہ دنیا کا قلیل و کثیر اور حلال و حرام سب ملعون ہے مگر وہ عمل جو اللہ تعالیٰ کے خوف پر معین ہو کیونکہ وہ داخل دنیا نہیں اور جس کی معرفت قوی تر ہوگی۔ وہ لذت دنیوی سے زیادہ احتراز کرے گا۔

حکایت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سوتے وقت سر مبارک پتھر پر رکھ لیا تھا۔ ابلیس نے متمسّ ہو کر آپ سے عرض کیا کہ آپ نے بھی دنیا کی رغبت کی فوراً پتھر کو سر کے نیچے سے نکال کر پھینک دیا' اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام لوگوں کو نفیس غذائیں کھلاتے اور خود جو کی روٹی تناول فرماتے۔ سلطنت کو اپنے اوپر اس طرح ذلیل و سخت کرلیا تھا۔ اس لئے کہ لذیذ کھانے نہ کھانا باوجود قدرت بہت سخت ہے اور یہی وجہ تھی کہ ہمارے آقا و مولیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ سے اللہ عزوجل نے دنیا کی نعمتیں علیحدہ ہی رکھی تھیں۔ کئی کئی روز کھانا تناول نہ فرماتے بھوک کے سبب شکم مبارک پر پتھر باندھتے اور یہی کیفیت انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ کی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ آخرت میں ان کو کامل حصہ عنایت فرمائے گا۔ (مثال) جس طرح کے شفیق باپ اپنے بیٹے کو پھل وغیرہ سے باز

رکھتا ہے اور فصد و حجامت سے اس کو دکھ دیتا ہے تو یہ کام اس کا بخل سے نہیں بلکہ برائے شفقت و محبت ہوتا ہے۔

فائدہ: اس مثال سے یہ بات ثابت ہوتی کہ جو چیز کہ جو چیز مخصوص اللہ عزوجل کے لئے نہیں دنیا میں داخل ہے اور جو چیز مخصوص اللہ عزوجل کے ساتھ ہے وہ دنیا نہیں۔

سوال؟: وہ کون سی چیز ہے جو مخصوص اللہ عزوجل کے لئے ہے؟

جواب: اشیاء کی تین اقسام ہیں۔ (1) جس کا اللہ عزوجل کے لئے ہونا تصور ہی میں نہیں آسکتا اس قسم میں وہ چیزیں ہیں جن کو گناہوں ور منہیات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قسم و قسم کی نعمتیں (اگرچہ مباح ہیں) اور وہ فقط راحت و آسائش بدن کے لیے استعمال کی جاتی ہیں۔ اسی کا نام دنیا ہے اور یہ نہایت ہی مذموم ہے اور یہی دنیا ہے ظاہرا بھی باطن بھی (2) ظاہر تو اللہ عزوجل کے لیے ہوں لیکن غیر اللہ کے لیے بھی ہو سکتی ہیں وہ تین ہیں (1) فکر (2) ذکر (3) ترک شہوات یہ تینوں اگر خفیہ کرے اور کوئی وجہ سوائے حکم اللہ تعالیٰ اور خوف آخرت کے نہ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں گی دنیا شمار نہ ہوں گی لیکن اگر ان سے کوئی دینوی مقصد ہو۔ مثلاً فکر سے (1) طلب علم اس لیے کرتا ہے کہ لوگوں میں مقبول و ممتاز ہو (2) ذکر اس لیے کرتا ہے کہ لوگوں میں عارف باللہ مشہور ہو (3) ترک شہوت سے یہ مطلب ہو کہ مال محفوظ رہے یا صحت بدن قائم رہے یا زاہد مشہور ہو تو اس نیت سے یہ امور دنیا شمار ہوں گے کیونکہ ظاہر میں تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں مگر باطن میں اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں بلکہ دنیا کے لیے ہیں۔
(3) وہ اشیائے کہ بظاہر حفظ نفس کے لیے ہوں مگر ان کو اللہ تعالیٰ کے لیے بھی بااعتبار معنی کہہ سکتے ہیں جیسے غذا وَ نکاح یا اور چیزیں جن سے اپنی اور اپنی اولاد کی زندگی مربوط ہے۔ ان امور میں اگر نیت صرف حفظ نفس ہے تو دنیا ہیں اگر قصد استعانت تقویٰ ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اگرچہ بظاہر دوسری صورت معلوم ہوتی ہیں مگر معنی کے اعتبار سے دنیا نہیں۔

حدیث شریف: من طلب الدنیا حلالا مکاثرا مفاخراً لقی اللہ وھو علیہ غضبان ومن طلبھا استعفافا عن المسئلۃ وصیانۃ لنفسہ جاء یوم القیامۃ ووجھہ کالقمر لیلۃ البدر ترجمہ: جس نے دنیا طلب کی حلال وجہ سے مگر فخر کے لیے تو وہ قیامت میں اللہ تعالیٰ سے ملے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔ اگر اس کی طلب گداگری سے بچنے اور خود کو ذلت سے بچانے کے لیے تو قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوگا تو اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگا۔

فائدہ: صرف نیت کے اختلاف سے حکم مختلف ہوگیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا اسی حظ کا نام ہے جو زندگی میں ہو جائے اور آخرت میں کام نہ آئے۔ اسی کو ہوائے نفس بھی کہتے ہیں اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (انزاعات 40) ترجمہ کنزالایمان: اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے

ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی ٹھکانا ہے۔ دنیا پانچ چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے جو اس آیت ذیل میں مذکور ہیں۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ط (الحدید 27 20) ترجمہ کنزالایمان: جان لو کہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود اور آرائش اور تمہارا آپس میں بڑائی مارنا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا۔

ان چیزوں میں مشغول رہنا اور ان سے دل لگانا دنیا ہے لیکن طاعتیں اور عبادتیں جو چیزیں کی طاعت پر متعین ہوں وہ امور آخرت سے ہیں۔ اب اس دنیا کی زندگی کی ایک مثال ارشاد ہے۔ وہ مثال یہ ہے کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَھِیْجُ فَتَرٰہُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَکُوْنُ حُطَامًا (الحدید 27 20) ترجمہ کنزالایمان: اس مینہ کی طرح جس کا اگایا سبزہ کسانوں کو بھایا پھر سوکھا کہ تو اسے زرد دیکھے پھر روندن ہوگیا۔ یاد رہے کہ یہ اس کے لیے ہے جو دنیا ہی کا ہو جائے اور اس پر بھروسا کرلے اور آخرت کی فکر نہ کرے اور جو شخص آخرت میں دنیا کا طالب ہو اور اسباب دنیوی سے بھی آخرت ہی کے لیے علاقہ رکھے تو اس کے لیے دنیا کی کامیابی آخرت کا ذریعہ ہیں وہ سات ہیں جو آیت ذیل میں جمع ہیں۔ اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَۃِ مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَۃِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (آل عمران 14) (ترجمہ از کنز الایمان: لوگوں کے لئے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت عورتیں اور بیٹے اور تلے اوپر سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان کیے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی یہ جیتی دنیا کی پونجی ہے۔

قاعدہ صوفیانہ سب کو معلوم ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے لیے ہے وہ دنیا میں سے نہیں اور خوراک اور پوشاک اور مکان اگر بقدر رضائے اللہ تعالیٰ ہو وہ اللہ کے لیے ہے اور ان اشیاء میں زائد از ضرورت لینا عیاشی میں داخل ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں۔

فائدہ: ان دونوں کے درمیان ایک وجہ ہے جسے ضرورت کہتے ہیں۔ اس کی بھی دو طرفیں ہیں (1) دل کی طرف اس کی ضرورت وہ ہے جو حد ضرورت کے قریب ہو۔ اس کا کوئی حرج نہیں کیونکہ کفایت حد ضرورت پر ناممکن ہے اس لیے کہ جتنا اس کے قریب پہنچ سکے اتنا ہی مفید ہے اور دوسری طرف ایسی ضرورت جو عیاشی کے قریب ہو اس سے احتراز کرنا چاہئے اور ان دونوں طرفوں کے درمیان ایک درجہ ہے اس کا نام ضرورت ہے اور اس ضرورت کے لیے دو کنارے ہیں (1) وسط (2) قریب قریب اور وہ کسی طرح مضر نہیں ہے اس لیے کہ انسانوں کو فقط حد ضرورت پر اکتفا کرنا اور اس کی حد سے آگے نہ بڑھنا باوجود حوائج بشریہ کے غیر ممکن ہے اور عیاشی کی ایک طرف ضرورت کے برابر ہے۔ بہتر ہے کہ اس طرف سے سالک خود کو ہمیشہ بچاتا رہے اور ان دونوں کے درمیان میں بہت سے درمیانی

ا۔ حضرت ذوالنون رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے گروہ مریدین دنیا طلب نہ کرو اور اگر طلب کرو تو اس سے محبت نہ کرو توشہ یہاں سے لو آرام گاہ وہاں ہے (اویسی غفرلہ)

درجات ہیں جو ہر ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ ہر آدمی ان ہر ایک کے حکم سے واقف نہیں ہو سکتا اور ان میں خطرہ بھی ہے۔

قاعدہ عامیانہ جو شاہی چراگاہ کے گرد جانور لیے گھومے تو نزدیک ہے کہ وہ ممنوع چراگاہ میں گرے گا اور احتیاط یہی ہے کہ ان سے پرہیز اور خوف رکھے اور جو ضرورت کا کنارہ ہے جہاں تک ہو سکے اسی کے نزدیک رہے اس لیے کہ ان تمام باتوں میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی اقتدا اور پیروی ضروری ہے کیونکہ یہ اپنے نفوس کو ہمیشہ مائل بطرف حد ضرورت کے رکھا کرتے ہیں۔

حکایت: سیدنا حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود کو اس قدر حد ضرورت کی طرف مائل کرتے اور اپنے نفس پر تنگی کرتے تھے کہ تمام گھر والے ان کو مجنوں سمجھتے تھے۔ ان کے رہنے کے لیے گھر کے دروازے پر کوٹھڑی بنا دی تھی۔ آپ اس میں رہا کرتے تھے اور کبھی سال اور کبھی دو سال اور کبھی تین سال کے بعد گھر آتے۔ وہ بھی عشاء کے آخری وقت' پھر قبل اذان فجر چلے جاتے۔ آپ کا کھانا یہ تھا کہ تمام دن کھجوروں کی گٹھلیاں چنتے اور کوئی سوکھا خرما ملتا تو افطار کے لیے اٹھا لیتے۔ اگر بقدر سد رمق قوت کی کفایت سے زیادہ ہوتی تو چنی ہوئی گٹھلیاں فقراء پر صدقہ کر دیتے اور اگر پڑے خرمے نہ پاتے تو وہ گٹھلیاں بیچتے اور اس سے کوئی چیز خرید کر کھا لیتے اور لباس کا یہ حال تھا کہ گھروں پر پڑے ہوئے چیتھڑے چنتے اور انہیں دریائے فرات (عراق کربلا کے قریب ہے) میں دھوتے اور دھو کر جوڑ کر پہنتے۔ اکثر لڑکے آپ کو کنکریاں مارتے۔ وہ یہ سمجھتے کہ یہ مجنوں ہیں۔ آپ ان سے ارشاد مبارک فرماتے بچو اگر مجھے ڈھیلے مارتے ہو تو چھوٹے چھوٹے مارو تاکہ شاید خون نکلے تو اس میں وقت نماز کا آجائے اور پانی نہ پاؤں اس طرح سے میری نماز نہ رہ جائے۔

فضائل حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ: یاد رہے کہ انہی فضائل سے حضور عالم ﷺ نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان کو بلند و بالا کر دیا۔ (1) آپ کی طرف اشارہ کرکے ارشاد فرمایا انی لاجد نفس الرحمٰن من جانب الیمن ترجمہ : میں یمن سے رحمٰن کی خوشبو پاتا ہوں۔ (2) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں فاروق اعظم نے تمام لوگوں کو جمع فرما کہ ارشاد فرمایا کہ تم سب بیٹھ جاؤ مگر جو تم میں کوفہ کے ہوں وہ کھڑے رہیں۔ باقی سب بیٹھ جائیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ جو تم میں یمن کے ہوں وہ کھڑے ہو جائیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ تم سب بیٹھے رہو سوائے ان لوگوں کے جو قبیلہ مراد سے ہوں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ تم سب بیٹھے رہو مگر وہ جو قرن سے ہو ایک شخص کھڑا ہو گیا۔ اس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آپ قرن کے ہو۔ اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا کہ آپ حضرت اویس بن عامر قرنی رضی اللہ عنہ کو جانتے ہیں (آپ کی سیرت بیان فرمائیے)۔ ہاں آپ کیوں پوچھتے ہیں۔ ہمارے قبیلہ میں اویس سے بڑھ اور کوئی مجنوں نہیں ہے اور نہ کوئی اس سے زیادہ وحشی اور

کم مرتبہ ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو پڑے اور فرمایا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے از خود نہیں بلکہ میں نے رسول اقدس ﷺ سے سنا۔ آپ (ﷺ نے فرمایا۔ یدخل فی شفاعتہ مثل ربیعہ و مضر ترجمہ: اویس قرنی کی شفاعت سے قبیلہ مضرو ربیعہ کے برابر قیامت کے دن لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

فائدہ: حضرت ہرم بن حبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں جس وقت میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے میں کوفہ گیا اور کوئی مطلب نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ میں حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو ملوں اور ان سے سوال کروں میں کوفہ پہنچا حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ دوپہر کے وقت فرات کے کنارے وضو کرکے کپڑے دھو رہے تھے۔ ہرم بن خبان کہتے ہیں کہ ان نشانیوں سے جو میں نے سنی تھی پہچانا وہ قوی الجثہ گندم گوں رنگ تھے اور سر کے بال مونڈے ہوئے۔ داڑھی بہت گھنی بھری ہوئی۔ پریشان حال وغیرہ وغیرہ

ملاقات ابن حبان: میں (ابن حبان) نے سلام کیا حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دے کر میری طرف دیکھا۔ میں نے مخاطب ہو کر ہاتھ مصافحہ کے لیے بڑھایا۔ آپ نے مصافحہ سے انکار کیا۔ میں نے کہا آپ پر رحمت اور مغفرت ہو آپ مصافحہ کیوں نہیں کرتے۔ یہ سن کر آپ زاروقطار رونے لگے۔ ان کی عجیب کیفیت دیکھ کر میں بھی خوب رویا۔ پھر فرمایا اے ہرم اللہ تعالیٰ تجھے زندہ رکھے کیوں آئے ہو۔ میرا پتہ تجھے کس نے بتایا۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ تک پہنچنے کی ہدایت فرمائی۔ آپ نے پڑھا لا الہ اللہ سبحان اللہ ان کان وعد ربنا لمفعولا ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ پاک ہے اور بے شک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہوگا۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ میں متعجب ہوا کہ آپ نے دیکھتے ہی مجھے پہچان لیا حالانکہ بخدا انہوں نے مجھے پہلے دیکھا نہ تھا اور نہ میں نے انہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ نے مجھے کیسے اور کیوں کر پہچانا اور میرے باپ کا نام کیوں کر معلوم کرلیا۔ آپ نے تو کبھی مجھے دیکھا نہ تھا؟ فرمایا ربنا نبی العلیم الخبیر ترجمہ: مجھے میرے پروردگار علیم خبیر نے آگاہ فرمایا۔ پھر کہا کیا تم نہیں جانتے کہ ارواح کو ارواح سے تعلق ہے۔ میری روح نے تمہاری روح کو پہچان لیا جبکہ میرے نفس نے تمہارے نفس سے گفتگو کی۔ اروح کے لیے بھی اجسام جیسے نفوس ہیں اور مومنین ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور ایک دوسرے سے دوستی رکھتے ہیں۔ ارواح کی اگرچہ بظاہر ملاقات نہ ہو تب بھی ارواح ایک دوسرے کو پہچانتے اور ان کی آپس میں گفتگو ہوتی ہے۔ 1۔ اگرچہ ایک کا مکان دوسرے سے دور اور کافی مسافت پر واقع ہو۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ کوئی حدیث بیان فرمایئے جو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو۔ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا اور نہ ان کے حضور میں حاضری کا اتفاق ہوا۔ البتہ میں نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جنھوں نے شرف صحبت حاصل کیا ہے۔ 2۔

نمبر 1: اس واقعہ سے صوفیہ کرام اور علمائے کرام اہلسنت عظام کے مذہب کی تائید ہے کہ عالم ارواح میں بہت کچھ ہوا لیکن ہم عوام اس سے بے خبر ہیں۔ البتہ اولیاء کرام کو اب بھی آئینہ کی طرح وہ بلکہ حالات صاف و شفاف نظر آرہے ہیں اس کی طرف اولیاء کرام نے

ان لوگوں کی زبان سے میں نے حدیثیں سنی ہیں۔ جیسے تم نے سنی ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میں محدث اور مفتی اور قاضی بنوں۔ اے ہرم ابن حبان مجھے اپنے نفس کی اصلاح میں اس قدر مشغولی ہے کہ ایسے امور میں کسی کے ساتھ شغل رکھنے کی فرصت بھی نہیں۔ پھر میں نے کہا کوئی آیت قرآنی پڑھئے اور میرے حق میں دعا فرمایئے اور مجھے وصیت کیجئے جسے میں یاد رکھوں۔ مجھے آپ کے ساتھ بہت محبت ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر کنارے فرات کے فرمایا اعوذ باللّٰہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم یہ پڑھ کر روئے پھر یہ آیت پڑھی وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ۝ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ مِیْقَاتُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَیْــٴًـا وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝ (الدخان 38 تا 42) ترجمہ کنزالایمان: اور ہم نے نہ بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کے طور ہم نے انہیں نہ بنایا مگر حق کے ساتھ لیکن ان میں اکثر جانتے نہیں بے شک فیصلہ کا دن ان سب کی میعاد ہے جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کام نہ آئے گا اور نہ ان کی مدد ہوگی مگر جس پر اللہ رحم کرے بے شک وہی عزت والا مہربان ہے۔ تک پڑھ کر ایسا نعرہ مارا کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ ان کو غش آگیا۔ پھر فرمایا کہ اے ابن حبان تیرا باپ حبان مرگیا اور عنقریب تو بھی مرے گا پھر جنت یا دوزخ میں جائے گا بلکہ ابتدا سے دیکھو کہ حضرت آدم علیہ السلام اور بی بی حوا کی وفات ہوئی پھر حضرت نوح علیہ السلام کا وصال ہوا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وصال ہوا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہوا۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام عالم بقا کو روانہ ہوئے۔ پھر باعث ایجاد محبوب رب العالمین شفیع المذنبین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اعلیٰ علیین کو روانہ ہوئے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سدھارے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی روانہ ہوگئے۔ یہ کہہ کر ہائے عمر عمر کہنے لگے۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو ابھی زندہ ہیں مرے نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات کی خبر مجھے پہنچا دی ہے۔ (اس میں اہلسنّت کے عقیدہ کی دلیل ہے کہ اولیاء اللہ کو غیبی امور منکشف ہوتے رہتے ہیں (اویسی غفرلہ) پھر فرمایا میں اور تم گویا اموات میں سے ہیں۔ پھر حضور اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھ کر بہت دعائیں مانگیں

تعریفات و ارشادات فرمائے ہیں۔ حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ نے فرمایا اللہ تعالٰی خود میر مجلس بود اندر لامکان خسرو رحمتہ اللہ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شمع محفل بود شب جائیکہ من بودم اس موضوع پر فقیر کے رسالہ ' شب جائیکہ من بودم کا مطالعہ کیجئے۔ اویسی غفرلہ

نمبر2: سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی اسی کیفیت کی وجہ سے بہت سے محدثین کرام نے سرے سے آپ کے وجود کا بھی انکار کیا ہے۔ بعض نے آپ کو راویان حدیث میں ضعیف قرار دیا ہے۔ ایسے غلط تخیلات کے متعلق فقیر نے تحقیقی جوابات لکھے ہیں۔ کتاب ذکر اویسی کا مطالعہ کیجئے۔

وصیت حضرت اویس رضی اللہ عنہ: اے ہرم بن حبان رحمتہ اللہ علیہ میری وصیت یہ ہے کہ کتاب اللہ اور طریقہ صلحاء کو اپنا دستور العمل بنائے رکھنا۔ مجھے تمہاری اور اپنی موت کی خبر پہنچ چکی ہے۔ موت کو ہر دم یاد رکھنا اور ایک لمحہ بھی غافل نہ ہونا اور جب اپنی قوم میں واپس جانا تو ان کو خوف خدا دلانا اور نصیحت کرنا تمام امت کی خیر خواہی کرنا اگر جماعت (اہلسنّت) سے ایک بالشت بھی علیحدہ ہوگئے دین سے علیحدہ ہو جاؤ گے اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی اور آخر کو دوزخ میں جانا پڑے گا۔ اپنے اور میرے لیے دعا کرنا۔ پھر فرمایا الٰہی یہ تیرا بندہ اپنی دانست میں مجھ سے تیرے لیے محبت کرتا ہے اور تیرے لیے میری ملاقات کو آیا ہے۔ جنت میں میری اور اس کی ملاقات کرانا اور دار السلام میں اسے میرے پاس بھیجنا اور جب تک جیتا رہے۔ اس کی جان و مال کی حفاظت کرنا اور اس تھوڑی سی دنیا میں اسے شکر کی توفیق دینا اور اسے میری طرف جزائے خیر دینا۔ الوداع اے ہرم حبان' وصیت کرنے کے بعد فرمایا اے ہرم ابن حبان اب تمہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں (السلام علیک و رحمتہ اللہ و برکاتہ) آج کے بعد پھر کبھی میرے پاس نہ آنا۔ مجھے شہرت بری معلوم ہوتی ہے۔ تنہائی اچھی لگتی ہے۔ جب تک میں زندہ ہوں ان لوگوں کے ساتھ ہوں لیکن بہت بڑے رنج و غم میں ہوں۔ میں دل سے تمہارے پاس ہوں۔ اگرچہ نظر سے دور ہوں اسی لیے میری تلاش کی ضرورت نہیں۔ مجھے یاد کرکے میرے لیے دعا کرنا میں بھی ان شاء اللہ ایسا ہی کروں گا۔ لو اب میں ادھر جاتا ہوں اور تم ادھر جاؤ۔ میں نے چاہا کہ تھوڑی دیر ان کے ساتھ چلوں مگر نہ مانے اور مجھ سے جدا ہو کر خود بھی روئے اور مجھے بھی رلایا۔ میں انہیں دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ کسی کوچہ میں چلے گئے۔ پھر ان کا حال میں نے بہت لوگوں سے پوچھا کسی نے نہ بتایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

فائدہ: ایسے لوگوں کا یہ حال تھا اس طرح دنیا سے کنارہ کرتے ہیں اور دنیا کے بیان گزشتہ اور سیرت انبیاء و اولیاء مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ دنیا کی تعریف یہ ہے کہ جو چیز آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ہے۔ وہ سب دنیا ہے سوائے ان اشیاء کے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں۔

فائدہ: دنیا آخرت کی ضد ہے اور اس کی تعریف یہ ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کی رضامد نظر ہو جو شے بقدر ضرورت یعنی قوت اطاعت رب العزت حاصل کی جائے۔ وہ دنیا میں شمار نہ ہوگی۔ ایک مثال مذکورہ بالا فائدہ کو ایک مثال فقہی سے سمجھئے۔ مثلاً کسی حاجی نے حج میں قسم کھائی کہ سوائے حج کے اور کسی چیز میں مشغول نہ ہوگا۔ صرف حج ہی میں مشغول رہوں گا۔ پھر زاد راہ کی حفاظت اور سواری کا گھاس اور دانہ وغیرہ یا کوئی اور اشیاء جو حاجیوں کو ضرورت ہوتی ہیں۔ مصروف ہوگا تو قسم نہ ٹوٹے گی۔ اسی طرح بدن بھی نفس کی سواری ہے جس سے زندگی کی مسافت طے کرتا ہے۔ پس اس کا کفیل ہونا اس قدر کہ علم اور عمل کے لیے طاقت رہے دنیا میں شمار نہ ہوگا بلکہ آخرت سے متصور ہوگا۔ ہاں ان اسباب سے اگر بدن کو لذت دینا ملحوظ ہوگا تو وہ آخرت سے نہ ہوگا بلکہ اس سے خوف ہے کہ دل سخت

ہو جائے۔

حکایت: حضرت انطاکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کعبہ کے باب بنی شیبہ پر میں سات دن تک بھوکا رہا۔ آٹھویں رات میں اونگھ رہا تھا کہ ایک منادی نے آواز دی کہ جو کوئی دنیا میں سے ضرورت اور حاجت سے زائد حاصل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل کی آنکھ کو اندھا کر دے گا۔ یہی مضمون بندے کے حق میں ہے۔ اسے پر خوب غور کرلو ان شاء اللہ ہدایت پاؤ گے۔

وہ امور جن سے خود کو اور خالق کو بھلا دیا گیا: دنیا ان اشیاء خارجی کا نام ہے جن سے انسان کو حظ ہوتا ہے اور وہ تین ہیں ان کی تفصیل آگے آتی ہے۔

فائدہ: کبھی یہ گمان ہوتا ہے کہ دنیا ان میں سے ایک کو کہتے ہیں مگر ایسا نہیں بلکہ دنیا ان چیزوں اور ان دونوں علاقوں کو کہتے ہیں جو دنیا سے متعلق ہیں (جن کی تفصیل آگے آئے گی)

فائدہ: جو اشیاء موجود ہیں اور جن کو دنیا سے تعبیر کرتے ہیں وہ زمین اور اس کے اوپر کی چیزیں ہیں جیسا کہ اللہ عزو جل فرماتا ہیں۔ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ترجمہ کنزالایمان: بے شک ہم نے زمین کا سنگھار کیا جو کچھ اس پر ہے کہ انہیں آزمائیں ان میں کس کے کام بہتر ہیں۔

فائدہ: زمین تو انسان کا بچھونا اور مسکن و قرار گاہ ہے اور اس کے اوپر کی چیزیں کھانے پینے پوشاک و صحبت میں مستعمل ہوتی ہیں اور تمام اشیاء ثلاثہ کی تفصیل روئے زمین کی چیزیں تین قسم ہیں۔

(1) معدنیات (2) نباتات (3) حیوانات

(1) نباتات کو انسان اس لیے چاہتا ہے کہ اس سے غذا اور دوا کرے۔ (2) معدنیات چیزوں کو اس وجہ سے خواہش مند ہے کہ ان سے آلات اور برتن بنائے جاتے ہیں مثلاً تانبے اور لوہے وغیرہ کے برتن وغیرہ بنائے جاتے ہیں یا نقد کے لیے جیسے سونا چاندی کو اپنے لیے مرغوب رکھتا ہے یا اور اغراض کے لیے ان کی طلب ہوتی ہے۔ (3) حیوانات کے اقسام: حیوات دو قسم ہیں (1) انسان (2) جانور جانور تو گوشت اور سامان لانے لے جانے اور زینت کے لیے رکھے جاتے ہیں اور انسان سے کبھی تو یہ غرض ہو کہ اس سے خدمت لی جائے جیسے غلام اور نوکر یا صحبت و جماع مطلوب ہوتا ہے۔ جیسے عورت اور لونڈی یا قلوب کو اپنے طرف مائل کرنا منظور ہوتا ہے کہ وہ تعظیم اور تکریم کریں۔ اسے جاہ کہتے ہیں پس یہ چیزیں کہ جن کو دنیا کہا جاتا ہے ان کو اللہ تعالیٰ نے آیت ذیل میں بیان کیا ہے۔ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِيْنَ (آل عمران 14) ترجمہ کنزالایمان: لوگوں کے لئے آراستہ کی گئی ان خوشیوں کی محبت عورتیں اور بیٹے۔ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ (آل عمران 14) ترجمہ کنزالایمان: اور تلے اوپر سونے چاندی کے ڈھیر۔ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ (آل عمران 14) ترجمہ کنزالایمان: اور نشان کیے ہوئے

گھوڑے اور چوپائے۔ یہ بہائم میں سے ہیں وہ الحرث یہ نباتات و زراعت میں سے ہے۔

فائدہ: نو چیزیں روئے زمین کی تو یہی ہیں مگر ان چیزوں کو انسان کے ساتھ دو تعلق ہیں۔ (1) دل کے ساتھ یعنی ان چیزوں کی محبت اور حفاظت اور ہمہ تن ہمت کو ان کی طرف مصروف کرنا کہ گویا اس کی دنیا یہی ہے اور اسی علاقہ میں تمام دل کی صفات جو دنیا سے ہے متعلق ہیں' داخل ہیں جیسے کبر اور کینہ اور حسد اور ریا اور شہرت اور بدگمانی اور دین میں سستی اور اپنی تعریف کی محبت اور خودنمائی نیز اس سے تعلق کو دنیا باطنی کہتے ہیں اور دنیائے ظاہری انہیں چیزوں کا نام ہے جن کا اوپر ذکر ہوا۔

(2) بدن کے ساتھ یعنی بدن کو ان چیزوں کی درستی میں مصروف کرنا تاکہ وہ اپنے اور غیر کے حظ اٹھانے کے قابل ہوں۔ اسی تعلق میں وہ تمام پیشے آگئے جن میں لوگ مشغول اور مستغرق ہیں اور انہی دونوں علاقوں یعنی علاقہ قلبی اور علاقہ بدنی کی وجہ سے انسان کو نہ اپنی خبر اور نہ دنیا میں اپنے انجام و آغاز کی خبر فائدہ: اگر انسان اپنے نفس اور اپنے رب تعالیٰ کو پہچانے دنیا کی حکمت و اسرار کو جانے تو اسے معلوم ہوگا کہ یہ سب چیزیں جن کو ہم نے دنیا ظاہری لکھا ہے اس لیے پیدا ہوئی ہیں کہ جس سواری پر اللہ تعالیٰ کی طرف جانا منظور ہے اس کا گھاس دانہ ان اشیاء سے ہو جائے۔

فائدہ: یاد رہے کہ سواری سے ہماری مراد بدن انسانی ہے کہ وہ کھانے پینے اور لباس و مسکن کے بغیر باقی نہیں رہ سکتا جیسے حج کا راستہ طے کرنے میں اونٹ کو دانہ پانی نہ ملے تو وہ بھی زندہ نہیں رہے گا۔ (راہ سلوک کی ایک مثال) جو انسان دنیا میں نفس اور مقصد کو بھول جاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے حاجی صاحب منازل میں ٹھہرے اور ہر وقت اپنی سواری کے گھاس و دانہ اور بناؤ سنگار اور انواع خدمت میں مشغول رہے کہیں سے گھاس لائے اور اسے ٹھنڈا پانی پلائے۔ یہاں تک کہ اسی فکر میں قافلہ دور ہو جائے اور اسے معلوم نہ ہو کہ اگر ایسا کروں گا تو حج سے بھی رہ جاؤں گا بلکہ سواری سمیت ہلاک ہو جاؤں گا۔ وہ حاجی جو ہوشیار ہوگا۔ اس کا دل تو کعبہ اور حج میں لگا رہے گا اور سواری کی خدمت بقدر ضرورت کرے گا کہ جس سے اس میں چلنے کی طاقت رہے۔ اسی طرح جو شخص سفر آخرت سے خوب آگاہ ہے۔ وہ بدن کی خدمت ایسے کرتا ہے جیسے کوئی پاخانہ میں حاجت کے وقت جا کر بیٹھتا ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ پیٹ میں کچھ ڈالنے اور پھر اسے پاخانہ کے راستے سے نکال دینے میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں باتیں ضرورت کے لیے ہوتی ہیں۔ پس ان کو ایک دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ جیسے قضا حاجت میں بقدر ضرورت مصروف ہوتے ہیں۔ بھوک مٹانے میں بھی بقدر ضرورت مصروف ہوں۔

پیٹ کی خرابی: انسان کو اکثر اللہ تعالیٰ سے جو دور کرتا ہے وہ پیٹ ہے اس لیے کہ غذا انسان کو ہر شے سے زیادہ ضروری ہے اور مسکن ولباس کا حصول تو آسان ہے۔ اگر عوام کو ضرورت کا سبب معلوم ہو اور بقدر ضرورت پر ہی

اکتفا کریں تو اشغال دینوی میں مستغرق نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دنیا اور اس کی حکمتوں کو نہیں جانتے اور خطوط دنیا کو بھی نہیں پہچانتے اسی جہالت و غفلت سے اکثر لوگوں نے شغل پر شغل میں گرفتار ہونے کی وجہ سے ان کو بے انتہا کام درپیش رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے حیران و پریشان ہو کر وہ اپنے مقصود کو بھول جاتے ہیں۔

نوٹ: دینوی امور کی تفصیل اور پھر یہ کس طرح لوگوں کو ان کی طرف ضرورت ہوتی ہے اور لوگ اپنے مقصود میں کس طرح دھوکا کھاتے ہیں ہم مفصل بیان کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ دنیا کے کاموں سے لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسے غافل ہو کر انجام کو بھول جاتے ہیں۔

جامع مضمون: دنیا کے اشغال وصنعات اور دوسرے وہ امور جن میں لوگ ہمہ تن مشغول ہیں اور ان کی کثرت مشاغل کا سبب ہے کہ ہر انسان کو تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

(1) غذا (2) لباس (3) مکان

غذا: زندگی قائم رکھنے کے لیے ہے۔ لباس: سردی اور گرمی دور کرنے کے لیے۔ مکان گرمی و سردی کے دفع کرنے کے لیے نیز اس لیے کہ اہل و عیال' جان و مال حفاظت سے رہیں۔

قاعدہ: اللہ تعالیٰ نے غذا' لباس اور مسکن انسانی ایسے نہیں بنائے کہ جس میں انسان کی صنعت کو کوئی دخل نہ ہو البتہ یہ بات جانوروں کے لیے ہے مثلاً گھاس بہائم کی غذا ہے اسے پکانے کی ضرورت نہیں اسی طرح ان کے بدن کے بال بمنزلہ پوشاک کے ہیں اسی لیے انہیں ضرورت لباس نہیں اور ان کے چمڑے ایسے ہیں جنہیں گرمی اور سردی اثر نہیں کرتی وہ جنگلوں میں رہ سکتے ہیں اس لیے مکان کی بھی ضرورت نہیں

انسان حیوانات سے ممتاز ہے: چونکہ انسان حیوانات سے ممتاز ہے اسی لیے اسے پانچ صنعتوں کی ضرورت ہوتی ہے جو اصول صناعات اور اصول اشغال دینوی ہیں وہ یہ ہیں۔

(1) زراعت (2) چرانا (3) شکار کرنا (4) بنا (5) عمارت

اس کی تفصیل یوں ہے۔

عمارت مکان کے لیے۔ بنا اور اس کے متعلقات جیسے کاتنا اور سینا لباس کے لیے' چرانا جانوروں کو سواری بنانے اور کھانے کے لیے۔ زراعت غذا حاصل کرنے کے لیے۔ شکار کرنا اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے گھاس لکڑی وغیرہ۔ کاشت کار غلہ پیدا کرتا ہے اور چرواہا حیوانات کی نگہبانی کر کے اس سے بچے حاصل کرتا ہے اور شکاری ایسی چیزیں لیتا ہے جن کی پیدائش میں آدمی کی صنعت کو کوئی دخل نہیں۔ وہ خود بخود پیدا ہوتی ہیں۔ ان کو حاصل کرنے میں بہت سے فنون داخل ہیں۔ پھر ان میں سے ہر ایک فن کے لیے آلات اور پتھروں کی ضرورت

مثلاً زراعت کے آلات اور بننے کے آلات اور عمارات کے آلات اور شکار کے آلات۔ یہ چیزیں لکڑی سے ہوتی ہیں یا معدنیات سے یعنی لوہے وغیرہ سے۔ یا حیوانات کے چمڑے سے پھر ان فنون کو اور ضرورت ہوتی ہے مثلاً مستری اور موچی وغیرہ کیونکہ یہ لوگ آلات بنانے والے ہیں۔ اسی طرح آہن گر سے وہ پیشہ ور مراد ہے جو معدنیات کا کام کرے جیسے لوہار اور سنار وغیرہ اور موچی سے بھی یہی مراد ہے کہ جو چمڑے اور اجزائے حیوانات کا کام کرے۔ خواہ کسی طرح کا ہو اس لیے کہ یہاں اجناس کا بیان کرنا ہے۔ علیحدہ علیحدہ پیشے مقصود نہیں پس یہ فنون دیگر فنوں کی اصل ہیں۔ پھر انسان کی ساخت اس طرح ہے کہ تنہا نہیں رہتا بلکہ اجتماع کا محتاج ہوتا ہے کہ دوسرا شخص اس کی جنس اس کے پاس رہے۔

ضرورت اجتماع کے اقسام: اجتماع کی ضرورت دو وجہ سے ہے۔ (1) جنس انسانی کی بقا کے لیے ہی مرد عورت کے اجتماع کے بغیر نہیں ہو سکتا (2 ایک دوسرے کو تیاری سامان' غذا و لباس و تربیت و پرورش اولاد میں مدد دینا ہے اس لیے کہ اجتماع سے اولاد تو ضرور ہوگی تو وہ ایک آدمی سے تو نہیں ہو سکتا کہ اولاد کی حفاظت بھی کرے اور تربیت بھی اور یہ بھی کافی نہیں کہ ایک ہی شخص اپنی عورت اور بچوں کے ساتھ تمام کام سمیٹ لے۔ اس طرح سے تو زندگی دشوار ہو جائے گی بلکہ ان امور میں بہت بڑی جماعت کا اجتماع ضروری ہے تاکہ ہر ایک جماعت مستقل طور پر ایک ایک صنعت اختیار کرے۔ مثلاً ایک شخص سے نہیں ہو سکتا کہ تنہا زراعت کرے۔ اس لیے کہ زراعت کے لیے بہت سے آلات چاہئیں ان آلات کی تیار ی کے لیے بڑھئی لوہار ضروری ہیں اور غذا کے لیے پیسنے والا' پکانے والا چاہئے۔ اسی طرح لباس کا مسئلہ بھی ایک سے حل نہ ہوگا کیونکہ اس میں پہلے روئی پھر کاتنے اور بننے کے آلات' پھر سینے کا کام وغیرہ وغیرہ

فائدہ: مذکورہ بالا تقریر سے ثابت ہوا کہ انسان کا تنہا رہنا دشوار ہے بلکہ اس کے لیے اجتماع ضروری ہے مثلاً جنگل میں ہے تو گرمی اور سردی اور چوروں وغیرہ کا خطرہ تو ضروری ہوا کہ مکانات مضبوط بنائیں پھر ان کے لیے بھی تیاری کے سامان ضروری ہیں۔ پھر مکانات تیار ہو جائیں تو ہر بندہ اپنی فیملی کے ساتھ علیحدہ مکان میں رہے تاکہ مذکورہ بالا مصیبتوں سے محفوظ رہے اور بعض اوقات چونکہ یہ خطرہ ہوتا ہے کہ باہر سے چور آکر گھر والوں کو لوٹ لیں اسی لیے ضروری ہے کہ مکانات کے لیے چار دیواری کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح جب لوگ کسی آبادی میں اکٹھے ہو جاتے ہیں اور آپس میں کاروبار کرتے ہیں تو جھگڑے بھی پیدا ہوتے ہیں مثلاً شوہر کو اپنی منکوحہ پر اور باپ کو اولاد پر تصرف کرنے کا حق ہے۔ اس سے جھگڑا بھی ہو جاتا ہے۔ ہاں وہاں جانوروں میں انسانوں کی طرح جھگڑے نہیں ہوتے کیونکہ انہیں مخاصمت و مقابلہ سے کیا تعلق۔ اگرچہ ان پر کیسا ہی ظلم ہو لیکن عورت شوہر سے اور بیٹا باپ سے جھگڑا کرتے رہتے ہیں بلکہ جب ایک شہر کے لوگ دوسرے سے معاملات کرتے ہیں تو بعض اوقات جھگڑا ہو جاتا ہے۔ اگر ان کو اسی حالت میں پھر چھوڑ دیا جائے تو تباہ و برباد ہو جائیں۔ اسی طرح چرواہے اور زمیندار ایک ہی چراگاہ اور زمین

کے مدعی ہوتے ہیں جو دونوں کی غرض کو پورا نہیں کرتے تو اس سے آپس میں جھگڑا ہوگا۔ بعض اوقات ایک شخص زراعت و صنعت بوجہ کسی مرض کے عاجز ہو جاتا ہے یا بڑھاپے کی وجہ سے کچھ نہیں کر سکتا تو اگر ایسا شخص یونہی چھوڑ دیا جائے تو ہلاک ہو جائے گا اگر اس کی خبر گیری سب کے ذمہ ہو تو بھی اگر کسی خاص کے ذمہ ہو تو بھی نہ ہو سکے گا ان وجوہات پر بہت سی صنعتیں پیدا ہوئی مثلاً (1) پیمائش کا فن' اس سے زمین کی مقدار معلوم ہوتی ہے تاکہ نزاع کے وقت سے مساوی تقسیم ہو سکے۔ (2) فن سپہ گری' ڈاکوؤں اور بازو اور چوروں وغیرہ سے شہر کی حفاظت کی جا سکے (3) حکومت جس سے جھگڑوں کا فیصلہ ہو (4) فقہ یعنی وہ قانون شرعی کہ جس سے مخلوق کا انتظام ہو اور صحیح حدود پر قائم رہیں۔ معاملات اور ان کے شروط میں تجاوز نہ کرنے پائیں تو یہ امور زندگی بسر کرنے کے لیے ضروری ہیں اور ان میں ہر ایک امر کے لیے ایک آدمی مخصوص رفیقہ کا ہونا چاہئے جو علم و تمیز و ہدایت میں خاص درجہ رکھتا ہو اور جب ان کاموں میں مصروف ہوں گے تو تمام ان سے نہ ہوں گے اور معاش کے محتاج یہ لوگ بھی ہیں اور شہر والوں کو ان کی ضرورت ہے مثلاً اگر شہر والے ہی دشمن سے لڑیں تو دیگر امور کون عمل میں لائے گا اور اگر لڑنے والے ہی زراعت وغیرہ کریں تو حفاظت کون کرے گا تو ہر کام کے لیے علیحدہ علیحدہ افراد ضروری ہوئے اور ہر ایک کے حوالے کوئی کام ذمہ ہوا کچھ لوگ ایسے ہوں جن کے سپرد مال ہوا جس کا کوئی مالک نہ ہو خواہ دشمنوں سے واپس کیا گیا۔ اگر یہ محافظ صحیح حفاظت کرے اور تھوڑے ہی مال پر قانع ہو تو بہتر ہے ورنہ ضروری ہوگا کہ اور مقرر ہو تاکہ حفاظت وغیرہ بخوبی کر سکیں۔ اب اس کام کے لیے اور ضرورتیں ثابت ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک ایسا حاکم ہونا چاہئے جو سب سے نرمی اور عدل کے ساتھ مال حاصل کرے اور اخراج کی مقدار مقرر کرنی چاہئے جو عدل سے کاشتکاروں اور مالداروں سے حاصل کی جائے اس کے لیے ایک خزانچی چاہئے جس کے پاس اخراج کا مال جمع رہے اور مال کے لیے قاسم بھی چاہئے جو وقت مقررہ پر اہل ضرورت میں تقسیم کرے اور یہ تمام کام ایسے ہیں کہ اگر کسی ذریعہ سے تقسیم نہ ہوں تو انتظام ٹوٹ جائے گا اس لیے ایک بادشاہ یا امیر کی ضرورت ہوئی جس سے تمام کام اچھی طرح ہوں اور جس شخص کو جس لائق دیکھے اس پر مقرر کردے اور انصاف و عدل اخراج کے لیے اور مال دینے اور لشکر کے بھیجنے اور ہتھیاروں کی تقسیم اور لڑائی کی طرف مقرر کرنے اور سپہ سالارو اور ہر جماعت میں سردار معین کرنے میں مدنظر رکھے۔ نیز لشکر اور سلطنت کے کئی امور ہیں مثلاً حفاظت ملک اور تعین افسران اور ان کے ماتحت ملازمین وغیرہ۔ پھر یہ سب لوگ محتاج معاش ہیں اس کام کے سوا اور کوئی کام نہیں کر سکتے اسی لیے ان کے لیے بھی مال کی ضرورت ہوگی جو اخراج کے ساتھ وصول ہوتا ہے اس کو فرع خراج کہتے ہیں۔

تقریر بالا کا خلاصہ : صنعت کے لحاظ سے انسان تین قسم ہیں۔ (1) کاشتکار (2) چرواہے (3) تلوار والے (فوجی) وہ لوگ جو کاشتکاروں وغیرہ سے لے کر فوجیوں کو دیتے ہیں ان کو اہل قلم کہا جاتا ہے۔

فائدہ : شروع میں صرف غذا اور لباس اور مکان کی ضرورت تھی اس کے بعد کتنا کام بڑھ گیا ہے اسی طرح تمام باتوں

کا یہی حال ہے کہ ایک کام شروع کرو تو دس کام پیدا ہو جائیں گے۔ اسی طرح بڑھتے بڑھتے بے انتہا ہو جائیں گے گویا دنیا ایک دوزخ ہے جس کی گہرائی کی کوئی حد نہیں جب اس کے ایک گڑھے میں گرتا ہے اس سے پھر دوسرے میں جا گرتا ہے۔ اسی طرح گرتا چلا جاتا ہے۔ پھر یہ صنعتیں مال اور ہتھیار کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے اور مال ان چیزوں کا نام ہے جو روئے زمین پر ہیں اور انسان ان سے منتفع ہوتے ہیں۔ ان میں سے اعلیٰ غذائیں ہیں پھر رہنے کے مکانات پھر کسب معیشت کی جگہ جیسے دکان اور کھیت وغیرہ۔ پھر لباس پھر گھر کا اثاثہ اور اس کے آلات بھی بعض اوقات حیوان کی قسم ہوتے ہیں جیسے کتا کہ آلہ شکار ہے یا بیل کاشتکاری وغیرہ کا آلہ ہے اور بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں کاشتکاری کے آلات نہیں ہوتے اور ترکھان اور لوہار بعض اوقات ایسے گاؤں میں رہتے ہیں کہ جہاں کھیتی نہیں ہوتی تو لازماً جن کے پاس آلات نہیں ان کو درکھان اور لوہار کی ضرورت پڑتی ہے اور ان دونوں کو غلہ والے کی ضرورت پڑتی ہے اس ضرورت سے خرید و فروخت مروج ہوتی ہے یعنی غلہ والا چاہتا ہے کہ اپنی چیز دے کر آلات خرید لے اور آلات والا اپنے آلات کے عوض غلہ خریدنا چاہتا ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ دونوں کی ضرورت ایک ہی وقت ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ جس وقت ترکھان کوئی آلہ تیار کر کے کسان سے اس کے عوض غلہ مانگے اس وقت کسان کو اس آلہ کی ضرورت نہ ہو۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ جب کسان کو آلہ کی ضرورت ہو تو درکھان کو غلہ کی ضرورت نہ ہو تو ایسی صورتوں میں طرفین کے مقصود کی رکاوٹ کا خوف تھا اس لحاظ سے ایسی دکانیں مقرر کی گئیں جن میں ہر طرح کے آلات فروخت ہوا کریں اور غلہ کے لیے منڈیاں مقرر ہوئیں کہ جب کسانوں اور پیشہ والوں کو آلات اور غلہ کی ضرورت ہو تو اسی وقت مل سکے منڈی والے کسانوں سے غلہ خرید لیتے ہیں اور اہل ضرورت کو ان کی خواہش کے وقت دے دیتے ہیں۔ اسی طرح دکاندار درکھان وغیرہ سے آلات خریدتے ہیں اور ضرورت کے وقت کسانوں کو دیتے ہیں۔ جو دکاندار ان سے سستے لیتے ہیں اور اہل ضرورت کو نفع کے لیے مہنگے داموں دیتے ہیں اسی نفع کی امید سے بازار مقرر ہوئے تمام جنسوں کا حال یونہی تصور کرنا چاہیے۔ پھر شہروں اور گاؤں میں آمد و رفت ہونے لگتی ہے تو گاؤں والے شہر سے آلات لے جاتے ہیں اور شہر والے گاؤں سے غلہ لاتے ہیں۔ اسی طرح لوگوں کا دستور ہے کیونکہ ہر ایک شہر میں تمام آلات ہوتے ہیں نہ گاؤں میں تمام غذائیں تو لازماً جو چیز ایک شہر میں ہوگی۔ وہ دوسرے میں نہ ہوگی تو دوسرا پہلے کا محتاج رہے گا تو بعض لوگوں نے یہی اختیار کر لیا کہ اپنے نفع کے لیے ایک جگہ کی چیز دوسری جگہ پہنچاتے ہیں انہیں نہ رات کو سونے کا وقت ملتا ہے نہ دن کو آرام' اکثر سفر کرتے رہتے ہیں اور یہ تمام امور دوسروں کی غرض کے لیے کرتے ہیں۔ ان کا خود کا مطلب صرف مال کا اکٹھا کرنا ہوتا ہے اور بس جسے کبھی یا تو ڈاکو چھین لیتے ہیں یا حاکم زبردستی لے لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ راز نہیں بتاتا وہ اکثر غفلت و جہالت میں رہتے ہیں تاکہ ان کی غفلت اور نادانی شہروں کا نظم و نسق قائم رہے بلکہ دنیا کے امور کا انتظام غفلت و نادانی سے اور جہالت کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اگر لوگ ہوشیار ہوتے اور حوصلہ بلند رکھتے تو دنیا کو ترک کر دیتے اور

پھر وجہ معاش بالکل جاتی رہتی اور تمام لوگ تباہ ہو جاتے پھر ان اموال کو جو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں تو کبھی کسی سے نہیں اٹھ سکتے۔ جانوروں پر لاد کر پہنچاتے ہیں اور بعض اوقات مالک کے پاس بار برداری کے جانور نہیں ہوتے تو وہ ان لوگوں سے معاملہ طے کرتا ہے جن کے پاس بار برداری ہو' وہ غلہ پہنچانے کا ٹھیکہ مقرر کر دیتا ہے یا کرایہ معین ہو جاتا ہے۔ پس کرایہ اور ٹھیکہ بھی ایک وجہ معاش ہو جاتی ہے۔ پھر معاملات اور معاوضات سے تعین مقدار کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کپڑے کے عوض غذا خریدنا چاہے تو اسے یہ کیسے معلوم ہو گا کہ اس قدر غذا کے لیے کس قدر کپڑا چاہئے اور ہر طرح کے معاملات' اجناس مختلفہ میں ہوتے رہتے ہیں مثلاً کپڑا طعام کے عوض میں فروخت ہوتا اور کپڑے کے عوض میں جانور فروخت ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ اور ان چیزوں میں کچھ مناسبت نہیں جس سے مقدار معلوم ہو جایا کرے تو ضروری ہوا کہ بائع اور مشتری میں ایک مقدار عدل ہو جو ایک چیز کو دوسرے کی چیز کے برابر کر دے اور یہ عدل ایسی چیزوں میں ہے جو خاص مالیت رکھتی ہوں اور ہمیشہ رہ سکیں اس لیے کہ ان کی ضرورت تو ہمیشہ ہی ہوا کرتی ہے اموال میں سب سے زیادہ معدنی چیزوں کو پائیداری ہوتی ہے اس لیے سونا اور چاندی اور تانبے کی برابری کی غرض کے لیے نقد مقرر کیا گیا پھر ان کو آگے ترقی کے لیے سکہ اور مہر کی ضرورت ہوئی تو ٹکسال اور صراف مقرر ہوئے۔ اسی طرح کے شغلوں سے اشغال و اعمال بڑھتے گئے نوبت یہاں تک پہنچی کہ اب ہر انسان اپنے امور میں اتنا منہمک ہے کہ لمحہ بھر کی مہلت نہیں

فائدہ: چونکہ اکثر پیشے اس طرح کے ہیں کہ بار بار سیکھے اور محنت کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ بعض لوگ بچپن میں کوئی کام نہیں سیکھتے۔ کھیل کود اور غفلت کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے تو بڑے ہو کر جب خود کو ہنر سے محروم دیکھتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ دوسروں کی کمائی کھائیں اس خرابی سے دو پیشے پیدا ہو جاتے ہیں۔ (1) چوری (2) گداگری۔ ان دونوں کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ دوسروں کی کمائی کھائیں چونکہ لوگ حتی الوسع چوروں اور گداگروں سے مال محفوظ رکھتے ہیں اس لیے ان دونوں نے مال لینے کے لے حیلے اور تدبیریں نکالیں۔ چور تو بعض اوقات ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہو کر راہزنی اور ڈاکہ مارتے ہیں اور جو کمزور ہیں وہ نقب اور کمند لگا کر گھروں میں گھس کر مال چراتے ہیں یا دیگر حیلے کر کے جیب کترے بن جاتے ہیں۔ اسی طرح گداگر کسی سے مانگتا ہے تو جب سنتا ہے کہ تو ہٹا کٹا ہے جیسے اور لوگ محنت کرتے ہیں تو کیوں نہیں کرتا' تجھے کچھ نہیں ملے گا اس لیے اس قسم کے لوگوں نے بھی تدبیریں نکالی۔ بعض کا حیلہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی آنکھیں یا بچوں کی آنکھیں نکال لیتے ہیں تاکہ لوگ معذور سمجھ کر کچھ دے دیں اور بعض صرف بہانہ بنا کر کہتے ہیں کہ ہمیں کچھ نظر نہیں آتا یا بہ تکلیف فالج زدہ اور مجنون و بیمار بن جاتے ہیں اور لوگوں کے سامنے ایسے فریب و مکر سے کہتے ہیں کہ یہ اتفاقاً ہم پر مصیبت پڑی تاکہ لوگ رحم کھا کر کچھ دیں اور بعض لوگ ایسے افعال و اقوال ڈھونڈتے ہیں جن سے آدمی تعجب کریں اور جب نہیں دیتے تو ہنسیں شاید اس طرح سے کچھ دیدیں اور یہ اقوال و افعال کبھی تو تمسخر کے طور ہوتے ہیں مثلاً حکایات عجیب بیان کرنا

اور شعبدہ دکھلانا اور ایسے افعال و حرکات کرنا جن سے وہ ہنسیں اور کبھی شعر خوانی کے طور پر اشعار یا کلام نثر کو خوش آوازی سے گائیں اور شعر موزوں کی تاثیر دل میں زیادہ ہوتی ہے۔ خصوصاً اس وقت کہ ان میں مذہب کے متعلق تعصب ہو مثلاً اشعار مناقب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ان میں عشق مجازی اور غلط محبت کی بات ہو۔ جیسے ڈھولکی والے بازاروں مین گاتے پھرتے ہیں اور اسی گروہ میں وہ لوگ بھی ہیں کہ جو جاہلوں اور لڑکوں کو فریب دے کر تعویذ گنڈہ وغیرہ بیچتے ہیں وہ بے چارے ان کو شفا کے لیے خرید لیتے ہیں حالانکہ وہ کسی کام کے نہیں ہوتے۔ بعض قرعہ اور فال دیکھنے پر اجرت لیتے ہیں اور اسی میں وہ لوگ بھی ہیں جو منبروں پر وعظ کہا کرتے ہیں اور ان کی غرض صرف اپنی طرف لوگوں کے دلوں کا متوجہ کرنا اور ان سے مال حاصل کرنا ہے۔ ان کا کوئی فائدہ علمی مد نظر نہیں ہوتا۔ اسی طرح گداگری کی ہزاروں صورتیں ہیں اور سب بڑے گھرے فکر سے نکلی ہیں۔ (نمبر1)

معیشت والوں کو دن رات یہی فکر رہتی ہے کہ ایسی ہی تدبیریں سوچا کرتے ہیں وہ یہ افعال و اعمال ہیں جن میں لوگ منہمک ہیں اور ان تمام امور سے اصلی غرض لباس و خوراک کی ضروریات پورا کرنا ہے لیکن اصل مقصد ان کے ذہنوں سے جاتا رہا۔ اسی وجہ سے حیران و سرگردان و گمراہ ہوگئے اور ان کی ضعیف عقلوں پر دنیا کے شغلوں کی وجہ سے ان کی آنکھیں نہ کھلیں اور انجام کار نہ سوچا اور یہی سمجھا کہ اصل مقصد یہی ہے کہ چند روز دنیا میں زندہ رہ کر غذا کے حصول میں کوشش کریں اور کھا پی کر کمائی کے قابل ہو جائیں۔ پھر کما کر کھائیں غرضیکہ ان کی غذا کمائی کے لیے ہے اور کمائی غذا کے لیے اور یہ رائے تو کسانوں اور پیشہ والوں کی ہے جو دنیا میں آسائش سے نہیں رہتے نہ دین میں قدم رکھتے ہیں دن کو رات کی غذا کے لیے مشقت اٹھاتے ہیں اور رات کو دن کی مشقت کے لیے غذا کھاتے ہیں۔ یہ لوگ مرنے کے وقت تک اسی گردش میں رہتے ہیں اور غلط خیال لوگ یا بعض لوگ ایسے بے وقوف بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم مطلب سمجھ گئے۔ شریعت کا مقصد یہ نہیں کہ انسان اسی عمل پر ہی کفایت کرے اور دنیا کے دیگر لذائذ سے محروم رہے بلکہ سعادت یہی ہے کہ شہوت شکم اور فرج سے پیٹ بھر کر حاجت پوری کرے لیکن یہ لوگ اپنے نفسوں کو بھول گئے اور تمام ہمت عورتوں کی صحبت اور لذیذ کھانوں میں صرف کی اور جانوروں کی طرح کھانے پینے کے سوا کچھ نہ جانا اور اسی کو اصل مقصد سمجھا۔ اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن سے غافل رہے۔ بعض نادانوں کو یہ گمان ہے کہ مال اور خزانوں کی کثرت میں سعادت ہے تو یہ لوگ رات دن مال جمع کرنے کی فکر میں رہتے ہیں اور اس مقصد کے لیے بڑی بڑی محنتیں اور طویل سفر اختیار کرتے ہیں۔ بقدر ضرورت کے سوا مال خرچ نہیں کرتے کہ کہیں مال کم نہ ہو جائے۔ یہاں تک کہ مرنے کے بعد ان کی کمائی یا تو زمین کھا جاتی ہے یا کسی عیاش کے ہاتھ لگتی ہے تو یہ چین کرتا ہے اور مال جمع کرنے والا مصیبت میں گرفتار رہتا ہے۔ مال جمع کرنے

1۔ ہمارے دور چودھویں اور پندرھویں سنہ ہجری میں ایسے ہی اور طریقے مروج ہیں مثلاً چندہ وغیرہ۔

والے لوگ یہ حال اپنی آنکھیں سے دیکھتے ہیں لیکن عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اور بعض لوگوں کا یہ خیال بھی ہے کہ سعادت منحصر نیک نامی میں ہے کہ لوگ ہمارے تحمل اور مروت کی تعریف کریں۔ یہ لوگ رات دن جو کچھ معاش پیدا کرتے ہیں اپنے کھانے پینے میں بہت تنگی کرتے ہیں لیکن اکثر مال اچھی پوشاک اور نفیس سواریوں میں صرف کرتے ہیں۔ گھر کے دروازے یا جن چیزوں پر لوگوں کی نگاہ پڑے ان کو بہت منقش اور آراستہ رکھتے ہیں تاکہ لوگ ان کو غنی اور مال دار کہیں اور اسی میں اپنی سعادت سمجھتے ہیں اور بعض تصور کرتے ہیں کہ آدمی کی سعادت اس میں ہے کہ لوگوں کے نزدیک مقبول اور قابل تعظیم ہو جائیں اس خیال سے ہمہ تن کوشش کرتے ہیں کہ لوگ ہماری اطاعت کریں۔ اسی لحاظ سے حکومت پر جان قربان کرتے ہیں اور سرکاری کام لینے سے بہت خوش ہوتے ہیں تاکہ اس وجہ سے اگر عوام پر حکومت ہو جائے اور اسی کو غایت مقصود سمجھتے ہیں اور یہ اکثر غافل لوگوں میں موجود ہے۔ لوگوں کی فرمانبرداری کی محبت سے اللہ عزوجل کی فرمانبرداری اور عبادت اور اپنی معاد و آخرت کو بھلا دیا۔ علاوہ ان جماعتوں کے اور بہت سے فرقے ہیں جن کی شمار ستر سے زائد ہے اور سب کے سب خود گمراہ ہیں اور اوروں کو صراط مستقیم سے بھکاتے ہیں اور یہ صرف اسی وجہ سے کہ کھانے اور لباس اور مکان کی ضرورت میں یہ بھول گئے کہ ان چیزوں کی ضرورت کس لیے ہے اور ان میں سے کسی قدر کافی ہیں اور ان کے اسباب میں پڑ کر کس انجام تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور آخر میں ایسے گڑھوں میں جا پڑے کہ ان میں سے نکلنا دشوار ہو گیا۔

فائدہ: جو شخص ان چیزوں کی طرف ضرورت کی وجہ جانتا ہو اور جو کچھ دینوی کاموں سے مقصود ہے اس سے بھی واقف ہو ایسا شخص جو کام کرے گا اس کی غرض اور مقصود کو جانتا ہو گا اور یہ بھی واقف ہو گا کہ میرا حصہ اس کام سے صرف بدن کی خبر گیری ہے کہ غذا لباس و مکان اس لیے کہ ہلاک نہ ہو جاؤں۔ وہ اگر اپنے حصہ میں بھی کمی کرے گا تو تمام شغل اس سے دفع ہو جائیں گے اور فارغ البال ہو کر ہمہ تن متوجہ آخرت ہو کر اسی کے لیے تیاری کرے گا۔ اگر حصہ مذکور یعنی مقدار ضرورت سے بڑھ کر لے گا تو اشغال کا ہجوم ہو گا مسلسل بے انتہا کام نکل آئیں گے اور طرح طرح کے ترددات میں مبتلا ہو گا اور جس شخص کو دینوی ترددات اس طرح رہتے ہیں اسے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے کون سے تردد میں ہلاک کر دے۔

روحانی امراض اور ان کا علاج بعض لوگ دنیا کے حال سے واقف ہو کر اس سے روگردانی کرتے ہیں۔ ان پر شیطان حملہ کر کے ایسی باتیں ان کے دل میں القاء کرتا ہے کہ گمراہ کیے بغیر نہیں چھوڑتا مثلاً بعض لوگوں کو یہ تصور ہوتا ہے کہ دنیا محنت و مصیبت کی جگہ ہے اور آخرت سعادت کا مکان ہے جو آخرت میں پہنچا وہ سعادت میں داخل ہوا۔ عبادت کرے یا نہ کرے اس بنا پر یہ اعتقاد کر لیا کہ محنت دنیا سے بچنے کے لیے اپنی جانوں کو ہلاک کرنا بہتر ہے۔ یہ عقیدہ ہندو جوگیوں میں سے ایک فرقہ کا ہے کہ خود کو جلتی آگ میں ڈال کر خاک کر ڈالتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ اس سے محنت دنیا ٹل جائے گی اور آخرت کی دائمی سعادت میں پہنچیں گے اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ خودکشی

سے نجات نہیں ہوتی بلکہ پہلے ضروری ہے کہ صفات بشری کو معدوم کیا جائے اور نفس کو بالکل نیست و نابود کرنا چاہئے اور سعادت آخرت شہوت و غضب کے بالکل قطع کرنے میں ہے۔ اسی خیال سے مجاہدہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے نفس پر اتنی سختی کی کہ کچھ تو کثرت ریاضت ہی میں مر گئے اور بعض کی عقل فاسد ہوئی اور وہ پاگلے ہو گئے اور بعض مریض ہو کر عبادت سے رہ گئے اور بعض صفات بشری کی بیخ کنی سے عاجز ہو کر خیال کرنے لگے کہ شریعت کے حکم اور تکلیف کی تعمیل محال ہے اور اس کی کچھ اصل نہیں دھوکا ہی دھوکا ہے (معاذ اللہ ان خیالات سے ملحد بن گئے اور بعض نے یہ سوچا کہ سب محنت اللہ تعالیٰ کے لیے کی جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی ذات ہر چیز سے بے پرواہ ہے نہ کسی عابد کی عبادت سے اس میں کچھ زیادہ ہو اور نہ کسی عاصی کی نافرمانی سے اس میں کمی ہو۔ یہ سوچ کر احکام شرعی کو بالائے طاق رکھ دیا اور خواہش نفسانی کی طرف رجوع کیا جو چاہا وہی کیا اور یہ سمجھے کہ ہمارا عقیدہ بہت صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہم عابدوں سے بے پروا جانتے ہیں اور بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ عبادت سے غرض مجاہدہ ہے کہ انسان کو معرفت حاصل ہو جائے اور معرفت ہونے پر واصل الی اللہ ہو جاتا ہے۔ اس مرتبہ کے بعد پھر ضرورت وسیلہ یعنی عبادت کی ضرورت نہیں رہتی اور چونکہ اس قسم کے لوگ خود کو معرفت میں کامل جانتے ہیں تو اس وجہ سے عبادت چھوڑ دیتے اور کہتے ہیں کہ تکلیف شرعی ہمارے لیے نہیں (یہ تمام غلط اور باطل ہیں)

حق سنی مذہب: ان کے علاوہ دیگر مذاہب باطلہ اور گمراہیاں بہت ہیں کہ ان کی تعداد ستر سے کچھ زائد ہے مگر ان میں صرف ایک فرقہ نجات پائے گا اور وہ وہی لوگ ہیں جو حضور اکرم ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقے پر چلنے والے ہیں نمبر ا جن کا عقیدہ ہے کہ نہ باطل دنیا کو ترک کرنا چاہئے اور نہ بالکل بیخ کنی کرنی چاہئے بلکہ دنیا سے بقدر زاد راہ لینا چاہئے اور شہوات میں اسی قدر کا استحصال کرنا چاہئے جو حد شرعی اور عقل سے خارج نہ ہو تو نہ تو ہر شہوت کے درپے ہو اور نہ ایک کا ترک بلکہ طریق متوسط اختیار کرنا چاہئے۔ اسی طرح نہ دنیا کی ہر چیز کا طالب ہو نہ ہر ایک چیز کا تارک ہو بلکہ جو چیز دنیا میں پیدا ہوئی ہے اس کا مقصد جان کر اس کے مقصد ہی تک رہنے دے۔ مثلاً غذا سے اسی قدر لے کہ بدن عبادت پر قادر ہو اور مکان اسی قدر اختیار کرے جو گرمی اور سردی اور چوروں کی حفاظت کو کافی ہو علیٰ ہذا القیاس لباس جب لباس بدن کے شغل سے فارغ ہوگا۔ تمامی ہمت سے متوجہ الی اللہ ہو کر زندگی بھر ذکر و فکر میں مشغول رہے گا نیز ہمیشہ شہوات کی حفاظت کرتا رہے گا کہ ورع و تقویٰ کی حدود سے تجاوز نہ کرنے پائے گا اور اس کی تفصیل تب معلوم ہوتی ہے جب فرقہ ناجیہ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اقتداء نصیب ہو چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے امت کا بہتر(72) فرقوں میں متفرق ہو جانا اور ایک فرقہ کو ناجی بتایا تو لوگوں نے اس ناجی فرقہ کے متعلق پوچھا' آپ ﷺ نے فرمایا کہ اہل سنت و الجماعۃ پھر لوگوں نے عرض کیا کہ اہل سنت جماعت سے کون لوگ مراد ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جن کا طریقہ وہ ہے کہ جو میرے صحابہ کرام کا یہ سچ ہے کہ اس لیے تو صحابہ کرام کا طریقہ متوسط ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے تفصیل سے لکھ چکے ہیں

کہ یہ لوگ دنیا کو دنیا کی غرض سے نہیں لیتے تھے بلکہ دین کی غرض سے لیتے تھے نہ تو راہب تھے اور نہ بالکل تارک دنیا تمام امور میں افراط و تفریط ان کے مزاج میں نہ تھی بلکہ ان کا امر راستی اور درستی کے ساتھ تھا جو طریقہ وسط اور محبوب خدا ہے۔ وہی ان لوگوں کو پسند تھا اور درجہ اوسط کی فضیلت پہلے لکھی گئی ہے دنیا کی برائیوں کا بیان ختم ہوا۔
الحمد اللہ علی ذلک

نمبرا: اس مفہوم کو سمجھنے کے لیے فقیر کے دو رسائل پڑھیے۔ حق مذہب اہلسنت اور صحابہ کے وارث کون؟ (اولیسی غفرلہ)

باب 7

مذمت بخل اور حب دنیا

دنیا کے فتنے نہایت وسیع اور بے شمار ہیں۔ ہاں سب سے بڑا فتنہ مال دنیا ہے۔ اس میں رنج و محنت بھی زیادہ ہے اور اس میں زیادہ خرابی کی وجہ یہ ہے کہ مال سے نہ کسی کو بے نیازی ہے اور نہ اس سے صورت سلامتی۔ اگر مال نہ ہو تو فقر قریب کفر کے پہنچاتا ہے۔ اگر مال ہو تو سرکشی کا سبب ہوتا ہے جس کا انجام بجز نقصان کے کچھ نہیں۔ خلاصہ یہ کہ مال خالی از فائدہ و نقصان نہیں۔ مال کے فائدے منجیات میں داخل ہیں اور اس کے نقصانات مہلکات میں اور مال سے یہ سمجھ لینا کہ فلاں مال بہتر ہے اور فلاں برا۔ ایسا مشکل ہے کہ سوائے علمائے راسخین اور ارباب دین کے عوام کو معلوم نہیں ہو سکتا اس لیے اس کا بیان علیحدہ بہت ضروری ہے۔ پہلے باب میں جو مذمت دنیا کی بیان ہوئی وہ تو عام دنیا کی مذمت تھی باعتبار مال کے نہ تھی کیونکہ دنیا تو انسان کے حظ زندگی کا نام ہے اور اس کے بہت سے اجزا ہیں۔ ان میں سے مال بھی ہے اور اتباع شہوت شکم و فرج بھی ہے۔ غصہ و حسد کی وجہ سے دل کی بھڑاس نکالنا خود نمائی اور سرکشی غرضیکہ دنیا کے بہت سے اجزاء ہیں جن سے انسان کو حظ زندگانی حاصل ہوتا ہے اس باب میں ہم صرف مال کا بیان کریں گے اس لیے کہ اس میں آفات و نقصانات بہت ہیں ان کے نہ ہونے سے انسان میں فقر کا وصف آجاتا ہے او راس کے ہونے سے امیری کا وصف ہوتا ہے اور یہ دونوں ایسی صفتیں ہیں کہ ان سے انسان کا امتحان ہوا کرتا ہے۔ پھر مفلس کی دو حالتیں ہیں۔ قناعت اور حرص ایک ان میں سے اچھی ہوتی ہے اور دوسری بری اور حریص کے بھی دو حال ہیں یا تو لوگوں کے مال میں طمع کرتا ہے یا دوسروں کے مال سے دست بردار ہو کر کاروبار اور پیشہ میں تیار رہتا ہے۔ ان دونوں حالتوں میں دوسروں کے مال میں طمع بہت بری بلا ہے۔ دولت مند کے بھی دو حال ہیں۔ ایک اسراف دوسرے میانہ روی اور ان میں عمدہ میانہ روی ہے اور یہ تمام امور باریک اور ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اس لیے ان کی وضاحت ضروری ہے اسی لیے اس میں چودہ بیانات ہیں۔

مذمت مال دنیا (قرآن مجید) آیت نمبر(1) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (المنٰفقون 9) ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو تمہارے مال نہ تمہاری اولاد کوئی چیز تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرے اور جو ایسا کرے تو وہی لوگ نقصان میں ہیں۔ آیت نمبر(2) اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (التغابن 15) ترجمہ کنزالایمان: تمہارے مال اور تمہارے بچے

جانچ ہی ہیں اور اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔ آیت نمبر(3) مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ (ھود 15) ترجمہ کنزالایمان: جو دنیا کی زندگی اور آرائش چاہتا ہو ہم اس میں ان کا پورا پھل دیں گے اور اس میں کمی نہ دیں گے۔ اور فرمایا آیت نمبر(4) اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى (العلق 6 تا 7) ترجمہ: ہاں ہاں بے شک آدمی سرکشی کرتا ہے اس پر کہ اپنے آپ کو غنی سمجھ لیا۔ آیت نمبر(5) اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ (التکاثر 1 تا 2) ترجمہ کنزالایمان: تمہیں غافل رکھا مال کی زیادہ طلبی نے۔

احادیث مبارکہ: (1) نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ مال کی محبت اور بزرگ بننے کی محبت دل میں نفاق اس طرح اگاتی ہے جیسے پانی سے سبزی اگتی ہے۔ (2) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر بکریوں کے غلے میں دو بھوکے بھیڑیے چھوڑ دیے جائیں تو وہ اتنا نقصان نہیں کریں گے جتنا حب مال اور برگزیدہ بننے کی محبت۔ مسلمان انسان کے دین میں نقصان کرتی ہیں۔ (3) حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ ھلک المکثرون الا من قال بہ فی عباد اللہ ھکذا وھکذا ترجمہ: مال جمع کرنے والے ہلاک ہوگئے مگر وہ جو مال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے بندوں پر یوں ہی بکثرت مال خرچ کرے۔ (4) حضور نبی پاک ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ ﷺ کی امت میں سب سے زیادہ شریر لوگ کون ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا دولت مند۔ (5) حضور نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے بعد عنقریب ایسے لوگ ہوں گے کہ مکلف اور طرح طرح کی غذا کھائیں گے اور عمدہ عمدہ اور تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہوں گے اور خوبصورت اور حسین وجمیل عورتوں سے نکاح کریں گے اور مختلف قسم کے لباس فاخرہ پہنیں گے اوران کے پیٹ تھوڑی سی چیز سے پر نہ ہوں گے اور نفیس وکثیر مال پر قانع ہوں گے۔ انہیں صبح و شام دنیا مد نظر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا کو اپنا معبود اور رب بنالیں گے۔ اس زمانے میں جو تمہاری اولاد ہو اس کو محمد بن عبداللہ ﷺ کی طرف سے قسم ہے کہ وہ نہ ایسے لوگوں کو سلام کرے اور نہ ان کے بیمار کی عیادت کرے نہ ان کے جنازے میں شریک ہو نہ بڑے کی تعظیم کرے۔ اگر ایسا کرے گا تو بنائے اسلام گرانے میں کوشاں اور مددگار ہوگا۔ (اس سے بے دین دنیادار مراد ہیں۔ (اویسی غفرلہ) (6) نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ دنیا دنیاداروں کے لیے چھوڑ دو اس لیے کہ جو کوئی مقدار کفایت سے زیادہ دنیا حاصل کرے گا وہ گویا اپنی موت حاصل کرے گا اور اس کو خبر بھی نہ ہوگی۔ (7) حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ یقول ابن آدم مالی مالی و ھل لک من مالک الا ما اکلیت فافیت او لبست فابلیت او تصدقت مامضیت ترجمہ: ابن آدم کہتا ہے میرا مال میرا مال اسے کہا جائے گا۔ تیرا مال وہی تھا جو تو نے کھانے میں ختم کر ڈالا یا لباس پہن کر اسے پرانا کیا یا تو نے صدقہ کیا اور اسے تو نے آگے (آخرت) کو بھیجا۔ (8) کسی نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ میں موت نہیں چاہتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تیرے پاس کچھ مال ہے۔ عرض کیا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مال آخرت کے لیے خرچ کردے کیونکہ ایماندار کا دل مال کے ساتھ رہتا ہے اگر دے دیا ہوگا تو چاہے گا کہ میں بھی اس سے جاملوں اور اگر پیچھے چھوڑے گا تو یہ چاہے گا کہ کاش میں بھی اس کے ساتھ دنیا

میں رہتا۔ (10) حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ انسان کے تین دوست ہیں (1) قبض روح تک ساتھ رہتا ہے (2) قبر تک (3) قیامت تک۔ قبض روح تک کا ساتھی مال اور قبر تک کے ساتھی اس کے گھر والے ہیں اور قیامت تک کے ساتھی اس کے اعمال ہیں۔

حکایت نمبر(1): ایک دفعہ حواریوں (نمبر1) نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ کیا وجہ ہے کہ آپ پانی پر چلتے ہیں اور یہ ہم سے نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے نزدیک روپے پیسے کی قدر و منزلت ہے۔ وہ میرے نزدیک بے قدرے ہیں۔

حکایت نمبر(2): حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ دنیا اتنا جمع نہ کرنا جس کا شکریہ ادا نہ ہو سکے۔ اس لیے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے اپنا مال اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق صرف کیا تو وہ قیامت میں حاضر کیا جائے گا۔ جب پل صراط سے گزرنے لگے گا تو اس کا مال کہے گا کہ تو مجھ میں سے اللہ تعالیٰ کا حق دے چکا ہے۔ پھر دوسرا مالدار آئے گا جس نے حکم ربی کے موافق خرچ نہ کیا ہوگا۔ اس کا مال اس کے شانوں پر رکھا ہوگا۔ جب پل صراط پر گزرنے لگے تو اس کا مال کہے گا کہ خرابی ہو تجھے تو نے اللہ تعالیٰ کا حق کیوں نہ دیا۔ اسی طرح اس کا حال رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ جہنم میں جا کر گرے گا۔

فائدہ: زہد و فقر میں جو ہم نے مال کی مذمت اور فقر کی مدحت لکھی ہے اور ان سب کا انجام مال کی برائی ہے۔ اس کو یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں اسی طرح دنیا کی مذمت میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ بھی مذمت مال کو شامل ہے اس لیے کہ دنیا کے ارکان میں سب سے بڑا رکن مال ہے۔ یہاں مال کے متعلق جو کچھ وارد ہے وہ مذکور ہوگا۔

احادیث مبارکہ: (1) حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اذا مات العبد قالت الملا نکته ما قدم و قال الناس ما خلف جب بندہ مرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اس نے آگے (آخرت) کے لیے کیا بھیجا اور لوگ کہتے ہیں اس نے کیا چھوڑا۔ (2) حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ لا تخذوالفیعة فتنجوالدنیا زمین (جاگیر) حاصل نہ کرو۔ دنیا سے محبت کرنے لگو گے۔ (3) مروی ہے کہ کسی نے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے برائی کی تو آپ نے دعا مانگی کہ الٰہی جس نے مجھ سے برائی کی ہے اسے صحیح سالم رکھ اور اس کی عمر بڑھا اور اس کا مال بھی زیادہ فرما (گویا اس کے لیے مال مانگ کر اسے بد دعا دی) (اویسی غفرلہٗ)

فائدہ: باوجود صحت اور بدن اور زیادتی عمر کے کثرت مال کو امتحان بتایا گیا کیونکہ اس کی کثرت سے سرکشی تک نوبت پہنچتی ہے۔

ملفوظ حضرت علی رضی اللہ عنہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک درہم اپنی ہتھیلی پر رکھ کر فرمایا کہ ایسی چیز

1۔ عیسیٰ علیہ السلام کے صحابی اور خدام

ہے جب تک مجھ سے دور نہ ہوگی مجھے نفع نہ ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بی بی زینب بن جحش ام المومنین رضی اللہ عنہا کو کچھ رقم بھیجی۔ بی بی نے پوچھا یہ کیسے ہیں۔ عرض کی گئی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو نذرانہ بھیجا ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عزو جل حضرت عمرؓ کی مغفرت فرمائے۔ پھر ایک پردہ کا کپڑا پھاڑ کر اس کی تھیلیاں بنائیں اور ان تھیلوں میں اشرفیاں ڈال کر تمام مال اپنے رشتہ داروں اور یتیموں میں تقسیم کر دیا۔ پھر ہاتھ اٹھا کر یوں دعا مانگی کہ الٰہی اس سال کے بعد میرے پاس حضرت عمر کی عطا نہ آئے۔ ایسا ہی ہوا کہ اس کے بعد بی بی صاحبہ کا وصال ہوگیا۔

فائدہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جسے روپیہ عزت دیتا ہے اسے اللہ تعالیٰ ذلیل کرتا ہے۔

حکایت: جب روپیہ اور اشرفی تیار ہوئے تو ابلیس نے ان دونوں کو اٹھایا اور اپنے ماتھے پر رکھ کر بوسہ دیا اور کہا کہ جو تم سے محبت کرے گا وہ حقیقت میں میرا غلام ہوگا۔

فائدہ: شمیط ابن عجلان کہتے ہیں کہ مال روپیہ اشرفیاں منافقوں کی باگیں ہیں جن سے دوزخ کی طرف کھینچے جائیں گے حضرت یحیٰی بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا بچھو ہے جس کو اس کا منتر نہ آتا ہو اسے نہ لے کیونکہ اگر کاٹ لے گا تو وہ اس کے زہر سے ہلاک ہو جائے گا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس کا منتر کیا ہے۔ فرمایا کہ وجہ حلال سے مال حاصل کرنا ہے اور حق پر صرف کرنا۔

حکایت: حضرت علاء بن زیاد رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دنیا میرے سامنے شکل بنا کر آئی۔ وہ ہر طرح کی زینت سے آراستہ تھی۔ میں نے کہا کہ اللہ عزو جل تیرے شر سے بچائے۔ اس نے جواب دیا کہ اگر تمہیں منظور ہو کہ اللہ تعالیٰ میرے شر سے بچائے۔ روپے پیسے کو کچھ نہ سمجھنا۔ اس لیے کہ درہم و دینار سب کے سبب دنیا ہیں اس لیے اس کے ذریعے دنیا کی ہر شے حاصل ہو سکتی ہے جو ان سے جھگڑے گا تو گویا اس نے تمام دنیا سے منہ موڑ لیا۔ کسی شاعر نے کہا انی وجدت فلا تظنوا غیرہ۔ ان التوراع عند ھذا الدرہم فاذا قدرت علیہ ثم ترکتہ فاعلم بان نقاک تقوی المسلم ترجمہ: تو نے دراہم حاصل کرلیے تو اس کے سوا کسی کے حصول کا خیال مت کر لیکن ان دراہم سے بچ کر رہنا ضروری ہے اس لیے کہ اس پر قدرت پا کر اسے ترک کرنا حقیقی مسلمان کا یہی تقوی ہے۔ کسی اور شاعر نے کہا فلا یغرنک من المراء قمیص رقعہ او ازاء فوق عظیم الساق منہ رفعہ او حبن لاح فیہ اثر قد خلعہ اوہ الدراہم تعرف حبہ او ورعہ ترجمہ: کسی کے قمیض کے ٹکڑے دیکھ کر دھوکہ نہ کھانا یا یہ اس کی چادر موٹی پنڈلی سے اوپر ہے یا یہ کہ اس کے ماتھے سے نور چمک رہا ہے۔ (ممکن ہے یہ تمام دھوکہ ہو بلکہ اسے دیکھ کہ اسے دراہم سے پیار ہے یا نہیں یا ان سے پرہیز گار ہے۔

حکایت: مسلمہ بن عبدالمالک حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں نزع کی حالت میں حاضر ہوئے

اور ان سے کہا کہ آپ نے ایسا کام کیا جو آپ سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔ وہ یہ کہ اپنی اولاد کے لیے دنیا نہیں چھوڑی اس نے فرمایا میرے بیٹے دو طرح کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عزو جل کے فرمانبردار ہیں تو ایسوں کو اللہ تعالیٰ عزوجل کافی ہے چنانچہ خود فرماتا ہے۔ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ (الاعراف 19) ترجمہ کنزالایمان: اور وہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے۔

حکایت: محمد بن کعب قرظی رحمتہ اللہ علیہ کو بہت سا مال حاصل ہوا۔ لوگوں نے کہا کہ اگر اسے اپنے بیٹے کے لیے رکھ چھوڑو تو مناسب ہے۔ انہوں نے فرمایا میں اسے اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں جمع کروں گا اور اللہ تعالیٰ کو اپنے بیٹے کے لیے چھوڑ جاؤں گا۔ لوگوں نے کہا کہ ایسے نہ کرو تم دنیا سے جاؤ اور اپنی اولاد کے لیے مال نہ چھوڑو۔ پھر انہوں نے تمام مال بیک وقت خیرات کر دیا

فائدہ: یحیٰی بن معاذ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کو مال چھوڑ کر مرنے کی دو مصیبتیں ہیں۔ پوچھا گیا کہ وہ کیا ہیں؟ فرمایا کہ ایک تو یہ کہ سب کا سب اس سے چھن جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ تمام مال کے متعلق سوال ہو گا یعنی تمام مال کا حساب (قیامت میں) دینا پڑے گا۔

مال کی فضیلت اور اس کی مدح و ذم میں تطبیق: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مال کو بعض جگہ لفظ خیر سے تعبیر فرمایا ہے۔ ان ترک خیرا اگر چھوڑے خیر یعنی مال کو۔ حدیث شریف میں ہے لعم المال الصالح للرجل الصالح ترجمہ: اچھا مال نیک مرد کے لیے۔ بہرحال قرآن شریف و حدیث سے مال کی مدح و ذمّ ثابت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ صدقہ اور حج کے ثواب میں مذکور ہوا ہے۔ وہ بھی مال کی تعریف ہے۔ کیونکہ مال کے بغیر نہ حج ہو سکے نہ خیرات۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ اور اپنا خزانہ نکالیں تمہارے رب کی جانب سے رحمت اور بندوں پر احسان بتلاتے ہوئے فرمایا۔ وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَارًا (نوح 12) ترجمہ کنزالایمان: اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لئے باغ بنا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بنائے گا۔ اور حضور سرور عالم ﷺ کی حدیث ہے والفقران یکون کفرا اور فقر قریب ہے کہ وہ کفر ہو۔ یہ بھی مال کی مدح ہے۔ **فائدہ:** مال کی مدح و ذم معلوم نہیں ہو سکتی جب تک مال کی حکمت اور مقصود اور اس کی یہ آفات اور ضروریات کو نہ سمجھ لیا جائے۔

قاعدہ: یاد رہے کہ مال ایک وجہ سے بہتر ہے اور ایک وجہ سے برا بہتری کی وجہ سے قابل مدح ہے اور برائی کی وجہ سے قابل مذمت ہے کیونکہ مال نہ تو بالکل خیر ہے نہ بالکل شر بلکہ دونوں کا کوئی سبب ہوا کرتا ہے اور جس شے کا سبب خیر و شر دونوں ہو اس کی کبھی مدح ہو گی اور کبھی مذمت اور ہوشیار اور عقلمند اس سے سمجھ سکتے ہیں کہ مال قابل مدح بھی ہے اور قابل مذمت بھی

فائدہ: جو کچھ ہم نے جلد چہارم کے باب الشکر میں خیرات کا بیان اور نعمت کے درجات کی تفصیل لکھی ہے وہاں دیکھ لینا چاہئے۔ یہاں اس قدر کافی ہے کہ دانشور اور اہل بصیرت کا مقصود سعادت اخروی ہے اور واقع میں بھی وہی دولت جاودانی اور نعمت پائیدار ہے۔ دانا اور بزرگ لوگ اسی میں رغبت رکھتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ سب سے زیادہ بزرگ اور دانا کون ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اکثر للموت ذکراً واشد هم له استعداد ترجمہ: جو ان میں موت کو بہت یاد کرتا ہو اور اس کی تیاری زیادہ کرتا ہو

سعادت اخروی کے وسائل: اخروی سعادت کے تین وسیلے ہیں۔ (1) فضائل نفسی جیسے علم اور حسن خلق (2) فضائل جسمی جیسے صحت و تندرستی (3) وہ فضائل و بدن سے خارج ہیں۔ جیسے مال و اسباب وغیرہ اور ان تینوں میں نفس کی فضیلت سب سے اعلیٰ ہے اس کے بعد جسمی فضائل ان سب سے ادنیٰ فضائل خارجی ہیں اور مال خارجی چیزوں میں سے ہے اور ان میں ادنیٰ روپیہ پیسہ ہے کیونکہ یہ خادم ہیں اور ان کے خادم کوئی نہیں اور دوسری چیزوں کے لیے ان کی خواہش ہوتی ہے خود ان کی ذات مراد و مقصود نہیں اس لیے کہ نفس ایک جوہر نفیس ہے جس کی سعادت مطلوب ہیں۔ وہ علم اور معرفت اور مکارم اخلاق کی خدمت کرتا ہے تاکہ یہ چیزیں نفس کی صفات ذاتیہ میں داخل ہوں۔ پھر نفس کی خدمت بدن کرتا ہے اور حواس اور اعضاء اور غذا اور خوراک وغیرہ بدن کی خدمت کرتی ہے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ غذا سے بدن کا قائم رکھنا ہے اور نکاح سے مراد نسل کی بقا اور تندرستی سے مقصود نفس کی تکمیل اور تزکیہ اور علم اور اخلاق سے مزین کرنا ہے جسے یہ وجہ معلوم ہوگی۔ وہ مال کی قدر اور اس کی بہتری کی وجہ معلوم کرلے گا کہ مال اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس سے غذا و لباس (جو بدن کی بقا کے لیے ضروری ہیں) حاصل ہوتے ہیں اور بدن کی بقا کمال نفس کے لیے ضروری ہے اور کمال نفس میں خیر (سعادت) ہے۔ جو شخص کسی چیز کا فائدہ اور غرض و غایت اور مقصود جان کر اسے استعمال کرے کہ وہی غرض نظر رہے اور کمال نفس کو بھی نہ بھولے تو یہ استعمال اس کے حق میں بہتر اور مفید ہے چونکہ مال بھی بقا اور مذکورہ بالا ذریعہ و کمال نفس ہو سکتا ہے اس لیے کہ ان کا اسی کام میں لانا غرض کے لیے اچھا ہے۔

فائدہ: مال فاسد مقاصد کا ذریعہ بھی ہے یعنی اس سے ایسی باتیں بھی ہو جاتی ہیں جو سعادت اخروی سے محروم اور علم و عمل کی راہ بند کر دیں۔ ایسی صورت میں مال کا استعمال برا ہے۔ خلاصہ یہ کہ مال ذریعہ دوسرے مقاصد کا ہوتا ہے جیسا مقصد ہوگا ویسا ہی مال کا حال ہوگا۔ اگر مقصد اچھا ہے تو مال بھی اچھا ہوگا اگر وہ برا ہے تو یہ بھی برا ہوگا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ حدیث مذکورہ بالا کے موافق جو دنیا کو قدر کفایت سے زیادہ حاصل کرے گا وہ گویا عمداً اپنی موت مرے گا اور چونکہ طبائع اتباع شہوات کی مائل ہیں اور شہوات راہ خدا سے روکنے والی اور مال سے آسانی حاصل ہو

سکتی ہیں تو قدر کفایت سے مال زیادہ حاصل کرنا بڑا خطرناک کام ہے اسی لیے انبیاء علیہم السلام نے اس کے شر سے پناہ مانگی ہے۔ یہاں تک کہ حدیث شریف میں ہے اللھم اجعل قوت ال محمد نفاقًا ترجمہ: الٰہی آل محمد ﷺ کا رزق بقدر بسر اوقات بنا۔ حضور اکرم ﷺ نے دنیا میں اتنا مقدار دنیا طلب فرمائی جو صرف خیر ہو اور پس چنانچہ آپ کی دعا مشہور ہے۔ الھم احینی مسکینًا و امتنی مسکینًا و احشر نی فی زمرۃ المساکین ترجمہ: الٰہی مجھے مسکین کرکے زندہ رکھ اور مسکین کرکے مار اور مسکینوں کی جماعت میں اٹھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوں پناہ مانگی وَاجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراہیم 35) ترجمہ کنز الایمان: اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا۔

فائدہ: اصنام سے مراد سونا چاندی ہے اس لیے کہ مرتبہ نبوت اس سے پاک ہے کہ وہ پتھروں کو اللہ اعتقاد کرے اور آیت میں جو لفظ نعبد مذکور ہے تو اس عبادت سے سونا چاندی کی محبت اور رغبت مراد ہے کیونکہ ان کی وجہ سے دھوکا کھایا جاتا ہے۔

حدیث شریف تعس عبدالدنیا تعس عبدالدرھم تعس ولا انتعش واذا شیک فلا انتعش ترجمہ: ہلاک ہوا بندۂ دنیا اور ہلاک ہوا بندۂ درہم گرے اور نہ اٹھے اور جب اس کے کانٹا لگے اور وہ نہ نکل سکے۔

فائدہ: اس حدیث شریف سے ظاہر ہوا کہ دنیا دولت کی محبت رکھنے والا گویا ان کی عبادت کرنے والا ہے۔ ایسی ہی کسی پتھر کے بت کے عابد کا حال ہے بلکہ جو غیر اللہ کی پرستش کرے گویا وہ بت پرست ہے اور مشرک۔

شرک کی اقسام: شرک دو قسم کا ہے (1) شرک خفی (2) شرک جلی

شرک خفی ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا سبب نہیں کیونکہ اس سے کوئی ایماندار بھی خالی نہیں کیونکہ وہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہے۔ ہاں شرک جلی سے ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہوگا۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں دونوں قسموں سے بچائے)

مال کے نقصانات اور فوائد: مال میں سانپ کی طرح زہر بھی ہے اور زہرہ مہرہ بھی۔ زہر اس کے آفات میں اور زہر مہرہ فوائد جس کو فوائد و آفات دونوں معلوم ہوں اس سے ممکن ہے کہ مال کے شر سے بچے اور خیر کا طلب گار ہو۔ مال کی دو قسمیں ہیں۔ مال دنیوی کا ذکر کرنا فضول ہے اس لیے کہ اور تمام اقسام اور فوائد عوام میں مشہور ہیں اگر اس میں فائدہ نہ ہوتا اسے طلب کیوں کرتے۔

مال کے دینی فائدے: مال کے دینی فوائد تین ہیں (1) مال کو اپنے نفس پر خرچ کرے یا تو عبادت میں یا عبادت پر استعانت میں عبادت میں تو اس طرح کہ مثلاً حج یا جہاد میں خرچ کرے کیونکہ یہ دونوں مال کے بغیر نہیں ہوتے۔ محتاج و مفلس ان کے ثواب کو نہیں پا سکتے اور عبادت پر استعانت میں اس طرح کہ لباس اور غذا و مکان میں خرچ

کرے کہ اس سے عبادت کی تقویت ہو کیونکہ یہ ایسی ضروریات ہیں کہ اگر میسر نہ ہوں تو دل اس طرف لگا رہتا ہے۔ دین کے لیے فراغت نہیں ہوتی اور جس چیز کے بغیر عبادت تک رسائی نہیں ہوتی وہ بھی عبادت ہے۔ بقدر کفایت مال کا حاصل کرنا جس سے استعانت و تقویت عبادت پر ہو۔ فوائد دینی میں داخل ہے۔ ہاں ان کو عیاشی اور زائد از ضرورت میں صرف کرنا حظوظ نبویہ ہے۔ (2) خلق خدا پر خرچ کرنا اور اس کی چار قسمیں ہیں (1) صدقہ (2) کسی کو مروت کے طور پر کچھ دینا (3) حفظ آبرو کے لیے (4) نوکر یا خادم کی اجرت دینا۔ صدقہ کا ثواب تو ظاہر ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے جیسا کہ اس کے فضائل گزر چکے ہیں۔ مروت کے طور پر خرچ کرنے سے مراد یہ ہے کہ غنی اور شریف لوگوں کی دعوت و ہدیہ اور اعانت وغیرہ میں صرف کرنا۔ اسے اگرچہ صدقہ نہیں کہیں گے کیونکہ صدقہ وہ ہوتا ہے جو محتاج کو دیا جاتا ہے مگر پھر بھی اس طرح کا خرچ فوائد دینی سے ہے اس لیے کہ انسان ایسے خرچ کرنے سے دوسروں کو دوست اور بھائی بنا لیتا ہے اور ایسے اخراجات سے سخاوت کی صفت حاصل ہوتی ہے اور سخیوں کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے کیونکہ صفت سخاوت جب تک حاصل نہیں ہوتی تو اس وقت تک احسان و مروت سے لوگوں کے ساتھ پیش نہ آئے۔ اس طرح کے خرچ میں بھی ثواب ہے چنانچہ بہت سی احادیث ہدیہ اور ضیافت اور کھانا کھلانے کے ثواب میں وارد ہیں۔

فائدہ: یہ شرط نہیں کہ جن کو دیا جائے وہ فقراء وغیرہ ہی ہوں۔ حظ آبرو کے لیے جو کچھ خرچ ہوتا ہے اس سے یہ مقصد ہے کہ اس سے شاعر اور بے وقوف لوگ ہجو نہ کریں اور زبان درازی نہ کریں۔ یہ خرچ بھی گو اس کا فائدہ دنیا میں بھی ہے مگر دینی فوائد میں سے ہے چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ما وقی به المراء عرضه کتب به صدقته
ترجمہ: جس مال سے انسان عزت بچائے وہ بھی اس کے لیے صدقہ لکھا جائے گا۔

فائدہ: یہ مسئلہ اسی خرچ کی وجہ سے غیبت والا غیبت سے باز رہتا ہے اور عداوات و حسد سے جو باتیں منہ سے نکل جاتی ہیں وہ بھی ایسے اخراجات سے موقوف رہتی ہیں اور غیبت وغیرہ کے جواب میں جو کچھ بطریق انتقام زبان سے نکلتا ہے اس سے بھی حفاظت رہتی ہے اسی لیے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اپنے حاسدین کو بہت زیادہ نوازتے تھے۔ (اویسی غفرلہ) خادم کی اجرت کا حال یہ ہے کہ انسان اپنے سامان کی تیاری میں جن اعمال کا محتاج ہوتا ہے وہ بہت ہیں۔ اگر ان سب کو خود ہی کیا کرے تو تضیع اوقات ہے اور راہ آخرت میں چلنے کا فکر اور ذکر بھی دشوار ہوگا جو سالکین کے اعلیٰ مفادات میں سے ہے اور جس کے پاس مال نہیں وہ تمام کام خود کرے۔ مثلاً کھانا خریدنا یا پکانا اور گھر صاف کرنا اور جس کتاب کی ضرورت ہو اسے لکھنا وغیرہ۔ سب خود ہی کرنے پڑیں گے لیکن جو کام دوسرے کے کرنے سے بن جائے۔ ایسے کام میں خود مصروف ہونا خسارہ میں پڑنا ہے۔ مثلاً مال دار اگر ایسے چھوٹے کاموں کی طرف متوجہ ہو تو اس سے علم اور ذکر و فکر کچھ نہ ہو سکے گا اور یہ نہیں ہو سکتا کہ علم پڑھا کرے کوئی اور فائدہ ہو دوسرے کو ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی پکائے تو دوسرا کھائے غرضیکہ جو کام غیر سے نکل سکتا ہو اس میں خود

مصروف ہو کر علم وغیرہ سے تضیع اوقات اور نقصان میں پڑتا ہے۔ (3) وہ خرچ کہ کسی انسان معین پر نہ ہو بلکہ اس سے فائدہ عام ہو جیسے مسجد اور پل اور سرائے اور شفاخانہ اور مدرسہ اور کنواں یا رفاہ عامہ کے لیے زمین اور جائیداد وقف کرکے مساکین کو دینا۔ یہ ایسے اخراجات ہیں جن سے مرنے کے بعد ثواب ملتا ہے اور نیک لوگ خرچ کرنے والے کے لیے مدتوں دعا کیا کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا خیرات ہوگی۔ **فائدہ:** مال میں دین کے ان فائدوں کے علاوہ ان کے دنیوی حظوظ بھی اس سے حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً سوال اور فقر کی ذلت سے نجات پانا۔ مخلوق میں عزت و افتخار، یار و مددگار بہت زیادہ ہونا۔ لوگوں کے دلوں میں وقار اور بزرگی ہونا۔ یہ تمام فوائد دنیوی ہیں۔

مال کے نقصانات: مال کے نقصانات دو قسم ہیں۔ (1) دینی (2) دنیوی۔ دینی نقصانات تین ہیں (1) مال کے ہونے سے معصیت کا ارتکاب ہوگا کیونکہ شہوات کا تقاضا انسان پر ہمیشہ رہتا ہے لیکن افلاس سے کچھ نہیں کر سکتا اور مفلسی سے ہی معصیت سے بچ سکتا ہے کیونکہ جب تک کسی گناہ کا سامان نہیں ہوتا اس وقت تک اس کا شوق نہیں ہوتا اور جب یہ اپنے میں اس کی قدرت پاتا ہے تو شوق اٹھتا ہے اور چونکہ مال سے ایک طرح کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے اس لیے تقاضائے معصیت کا سلسلہ حرکت کرتا ہے۔ اس وقت اگر اپنی خواہش کے مطابق ارتکاب معصیت کرنے لگے تو ہلاک ہوگا۔ اگر صبر کرے گا تو دکھ اٹھائے گا اس لیے کہ باوجود قدرت کے صبر کرنا بہت سخت ہے اور دولت کے وقت فتنہ اور امتحان افلاس اور امتحان سے بڑا ہوتا ہے۔ (2) مباحات سے نعمت پہنچتی ہے۔ یعنی یہ تو مال والے سے ہو نہیں سکتا کہ جو کی روٹی کھائے اور موٹا کپڑے پہنے اور لذیذ کھانوں سے بالکل پہلو تہی کرے۔ جیسے حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے اپنی سلطنت میں کیا تھا یا لازماً یہی ہوگا کہ خوش خوراک اور خوش پوشاک رہے گا۔ پھر اس کا عادی ہو جائے گا اور یہی امر اس کے نزدیک محبوب اور مرغوب رہے گا کہ اس کے بغیر صبر نہ کر سکے گا۔ اسی طرح آہستہ آہستہ ایک تکلف سے دوسرا تکلف سامنے آئے گا اور جب نعمت سے الفت و انس زیادہ ہوگا تو کبھی ایسا بھی ہوگا کہ حلال کمائی سے اس کا مطلب حاصل نہ ہو سکے گا اس لیے مشکوک مال میں بھی رغبت کرے گا اور مذمت ریاکاری و مداہنت اور جھوٹ اور نفاق اور دوسرے مروی اخلاق میں غور کرتا رہے گا تاکہ کسی طرح اس کی دنیا بن جائے اور آرزو پوری ہو۔

فائدہ: علاوہ ازیں جس کا مال بہت زیادہ ہوتا ہے اسے لوگوں کی طرف بہت سی ضروریات ہوتی ہیں اور قاعدہ ہے کہ جسے لوگوں کی طرف ضرورت پڑتی ہے ان سے مخلوط باتیں ضرور کرتا ہے اور ان کی رضامندی میں خدا تعالیٰ کی بے فرمانی بھی کر جاتا ہے۔ اگر پہلی آفت سے انسان بچ بھی جائے تو اس آفت سے بچنا مشکل ہے۔ مخلوق کی طرف ضرورت پڑنے سے دوستی اور دشمنی پر حسد اور کینہ کبر اور کذب اور چغلی اور غیبت اور دوسرے گناہ لازمی ہیں جو دل اور زبان سے مخصوص ہیں اور اعضاء میں بھی ان کا اثر ہو جاتا ہے اور یہ تمام باتیں مال کی نحوست سے ہوتی ہیں جس کی حفاظت و اصلاح کے لیے مخلوق کی طرف سے ضرورت پڑتی ہے۔ (3) جس سے کوئی خالی نہیں وہ یہ ہے کہ

آدمی مال کی اصلاح و دوستی میں اللہ عزوجل کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے اور جو چیز کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے مانع ہو وہ نقصان دہ ہے اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مال میں تین آفت ہیں (ا مال حلال سے حاصل ہو۔ عرض کیا گیا کہ اگر کمائی حلال ہو آپ نے فرمایا کہ دوسری آفت میں مبتلا ہوگا کہ اس کو حق پر خرچ نہیں کرے گا۔ عرض کیا گیا کہ اگر حق پر خرچ کرے تو آپ نے فرمایا کہ تیسری آفت پیش آئے گی۔ وہ یہ کہ اس کے سنبھالنے میں اللہ تعالیٰ سے غافل ہوگا اور یہ لاعلاج مرض ہے اس لیے کہ تمام عبادات کی اصل اور منشا اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کے جلال کی فکر اور ان دونوں باتوں یعنی ذکر اور فکر کے لیے فراغت چاہئے مگر مال والے کے ذمہ بیسیوں آفات دینوی چمٹی رہتی ہیں۔ صبح و شام کہیں کسانوں اور شریکوں کا جھگڑا کہیں حساب کتاب کا جھگڑا کہیں پانی اور حدود کا جھگڑا۔ افسروں سے محصول و ضبطی وغیرہ کا جھگڑا۔ کہیں معمار اور مزدوروں سے الجھنا کہ کام تھوڑا کیا۔ کہیں کسانوں پر چوری اور خیانت تھوپنا۔ کہیں اپنے شریک تجارت سے اس بات کی فکر کہ یہ نفع زیادہ لیتا ہے اور کام کم کرتا ہے یا مال تلف کرتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ جس کے پاس جانور ہوں وہ بھی ایسے ہی تردد میں رہتا ہے اور تمام اموال کا یہی حال ہے مگر جیسا کہ شغل ظاہری زمین میں گڑے ہوئے نقد سے دور رہتا ہے اور کسی مال میں نہیں رہتا اگرچہ دل کا تردد اس میں بھی ہے کیونکہ خیال کہ اسے کہاں خرچ کروں اور اسے کیسے محفوظ کروں کے دوسروں کو اس پر اطلاع نہ ہو اور نہ کوئی اس کی طمع کرے۔ اسی طرح کے تردد کی کوئی انتہا نہیں لیکن جس کے پاس ایک روز کا کھانا موجود ہے وہ ان تمام ترددات سے فارغ ہے۔ علاوہ ان آفات دینوی کے اور بہت سے امور ہیں جو دنیا میں مال والوں کو پیش آتے ہیں۔ مثلاً حاسدوں کے دفاع میں مشقت اٹھانا' مال کی حفاظت اور حاصل کرنے میں سخت پر خطر مقامات میں پڑنا اور رنج و غم اور درد و الم برداشت کرنا وغیرہ۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ مال اس صورت میں تریاق ہے کہ بسر اوقات کے سوا باقی کو خیرات کر دیا جائے اگر ایسا نہ ہوگا تو وہ مال زہر اور آفت ہوگا۔

مذمت حرص و طمع اور مدحت قناعت: فقر و فاقہ عمدہ شے ہے جیسا کہ باب الفقر میں مذکور ہے مگر تنگ دست کو چاہئے کہ قانع ہو۔ لوگوں کے مال میں طمع نہ کرے نہ ان سے کسی بات کی لالچ میں اور کسی طرح کے مال کے حاصل کرنے کا حریص نہ ہو جب یہ عادت رہ جائے گی اس وقت لباس و غذاؤ مکان سے بقدر ضرورت قانع ہوگا بلکہ اسے لازم ہے کہ ان چیزوں کی مقدار قلیل پر جو سب سے ادنیٰ قسم کی ہو اکتفا کرے اور اپنے اہل و عیال کو بھی اس کا عادی بنائے۔ اگر کثرت مال و طول امل کا شائق ہوگا تو قناعت کی عزت سے محروم رہے گا اور طمع میں ملوث ہوگا اور طمع و حرص سے اور برے اخلاق اور خلاف مروت افعال کا بھی مرتکب ہوگا اور انسان کی فطرت اور اس کی طبیعت میں حرص و طمع داخل ہیں۔

احادیث مبارکہ: (ا) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ لوکان لا بن ادم وادیان من ذھب لا بنبغی وراء ھما ثالثا

ولا یملاء جوف ابن ادم الا التراب و یتوب اللہ علی من تاب ترجمہ: اگر ابن آدم کے پاس سونے کی دو وادیاں ہوں تو چاہئے گا کہ تیسری وادی ہو اور ابن آدم کا پیٹ مٹی پر کرے گی۔ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے جو تائب ہوتا ہے۔

(2) حضرت ابو واجد لیثی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور نبی پاک ﷺ کا دستور تھا کہ جب وحی آتی تو ہم آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے۔ آپ ﷺ ہمیں وحی کے احکام سنا دیتے۔ ایک دن خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے مال اس لیے دیا ہے کہ لوگ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور انسان کے پاس سونے کا ایک جنگل ہو تو یہ چاہے گا کہ دوسرا اور ہو اور جب دوسرا ہو جائے گا تو چاہے گا کہ تیسرا اور ہو اور آدمی کا پیٹ سوائے خاک کے اور کسی چیز سے نہیں سیر ہوتا اور جو شخص توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

(3) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سورہ براۃ جیسی سورۃ اتری پھر وہ (نمبر۱) اٹھ گئی مگر اس میں سے ایک آیت ہمیں بھی یاد ہے۔ ان اللّٰہ یوید ھٰذا الدین باقوام الا خلاق لھا ولوکان لا بن ادم واوین من مال لتمنی وادیًا ثالثًا ولا یملاء جوف ابن ادم الا لتراب و یتوب اللّٰہ علٰی من تاب بے شک اللہ تعالیٰ اپنے دین کی ایسی قوم سے تائید کرتا ہے جن کا کوئی اخلاق نہ ہو۔ اگر ابن آدم کے لیے مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کی آرزو کرے گا اور اب آدم کا پیٹ مٹی پر کرے گی اور اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے جو تہہ دل سے توبہ کرے گا۔

(4) ایک اور حدیث میں ہے منھومان لا یشبعان منھوم العلم ومنھوم الما ترجمہ: دو حریص سیر نہیں ہوتے۔ علم کا حریص اور مال کا حریص

(5) حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ یر دو ابن ادم و یشیب منہ اثنات الا مل وحب المال ترجمہ: ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن آرزو اور مال کی محبت جوان ہوتی ہے۔

فائدہ: چونکہ مال کی محبت انسان کی فطرت میں داخل ہے اور یہی گمراہی و ہلاکت کی موجب ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول اللہ ﷺ نے قناعت کی تعریف فرمائیں

(6) حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ طوبیٰ لمن یھدیٰ الی الاسلام و کان عیشہ کفافا و قنع بہ ترجمہ: اسے مبارک ہو جسے اسلام کی ہدایت کی جائے اور معاش بقدر کفایت ہو اور وہ اسی پر قناعت کرے.

(7) حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا ما من احد فقیر ولا غینی الا ود یوم القیامہ ان کان اوتی فوتًا فی الدنیا ترجمہ: کوئی فقیر اور غنی ایسا نہیں جسے قیامت میں یہ تمنا نہ ہو کہ دنیا میں بقدر ضرورت مال دیا جاتا ہے۔

یہ منسوخہ احکام میں سے ہے۔ وہ ہے کہ سورۃ یا آیات منسوخ ہو جائیں لیکن ان کے احکام باقی ہوں جیسے مذکورہ بالا آیت (سورۃ) اور الشیخ الشیخۃ اذ زنیا (الآیہ) تفصیل و تحقیق کے لیے دیکھیے فقیر کی تصنیف القول الراجح فی المنسوخ (اویسی غفرلہ)

(8) حضور ﷺ نے فرمایا کہ لیس الغنی عن کثرۃ العرض انما الغنی غنی النفس ترجمہ : کثرت سامان کا نام غنا نہیں غنا دراصل نفس کا غنا ہے۔

فائدہ: شدت حرص اور طلب میں مبالغہ سے منع فرمایا گیا ہے۔

(9) حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا یا ایھا الناس اجملو فی الطلب فانہ لیس لعبد الا ما کتب لہ ولن یذھب عبد من الدنیا حتی یاتیہ ماکتب الدنیا لہ وھی راغمنہ ترجمہ : اے لوگو طلب میں اعتدال کرو کیونکہ وہ ملے گا جو لکھا گیا ہے۔ کوئی بھی دنیا سے نہ جائے گا جب تک وہ پورا نہ ہو جو اس کے لیے ہے حالانکہ یہ دنیا ذلیل ہے۔

(10) مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ عزوجل سے سوال کیا کہ الٰہی تیرے بندوں میں سے زیادہ غنی کون ہے؟ ارشاد ہوا کہ جو میرے دینے پر قانع ہو پھر پوچھا کہ زیادہ عادل کون ہے؟ فرمایا کہ جو اپنے نفس سے انصاف کرے۔ یعنی برائی پر اس سے بھی انتقام لے

(11) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے میرے دل میں القا کیا ہے کہ کوئی نفس نہیں مرے گا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کرے پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور طلب میں میانہ روی کرو

(12) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے حضور نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوہریرہ جب تجھے سخت بھوک لگے تو ایک روٹی اور ایک پیالہ پانی پر کفایت کر اور دنیا کو لات مارو۔

(13 یہ بھی انہیں سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ ورع اختیار کرو سب سے زیادہ عابد ہو جاؤ گے اور قناعت کرو سب سے زیادہ شاکر ہو جاؤ گے۔ لوگوں کے لیے وہی بات اچھی ہے جو اپنے لیے ہو اس سے تم ایماندار ہو جاؤ گے۔

(14) حضور نبی پاک ﷺ نے طمع سے منع فرمایا چنانچہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے کچھ نصیحت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نماز ایسی پڑھ جیسے کوئی دنیا سے رخصت ہونے والا ہو۔ یعنی اسے خیال ہو کہ پھر شاید نماز پڑھنے کا اتفاق نہ ہوگا اور یہی نماز آخری ہے اور ایسی بات نہ کر جس کا کل عذر کرنا پڑے اور جو کچھ لوگوں کے پاس موجود ہے اس سے ناامید ہو جاؤ۔ یعنی کسی کے مال میں طمع نہ کرو۔

(15) حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سات یا آٹھ یا نو ساتھی حضور نبی پاک ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم رسول اللہ سے بیعت نہیں کرتے۔ ہم نے عرض کی یا رسول ﷺ کیا ہم بیعت نہیں کر چکے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ کے رسول سے بیعت نہیں کرتے ہم نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھائے۔ اس میں ہم سے کوئی کہہ اٹھا کہ ہم تو پہلے بیعت کر چکے ہیں۔ اب یہ بیعت کون سی

ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس بات پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کا کوئی شریک نہ ٹھہراؤ اور پانچوں وقت نماز پڑھو اور برضاؤ رغبت اطاعت کرو۔ اس کے بعد ایک کلمہ آہستہ سے فرمایا کہ کسی انسان سے کچھ نہ مانگو۔ راوی کہتا ہے کہ ان صحابہ میں سے بعض نے اس بیعت پر ایسا عمل کیا کہ اگر ان کا کوڑا گر جاتا تو لوگوں سے نہ کہتے کہ اسے اٹھادو یعنی اس قدر سوال سے بھی احتراز کرتے۔

اقوال سلف صالحین: (۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ طمع فقیری اور لوگوں سے ناامید ہونا ایسا ہے جو ان سے توقع منقطع کرے گا وہ بے پروا رہے گا۔

(2) بعض حکماء سے کسی نے پوچھا کہ غنا کیا ہے۔ کیا کم کرنا تمنا کا اور مقدار کفایت پر راضی اور قانع ہونا اسی کے مطابق کسی شاعر نے کہا ہے۔ العیش ساعات تمر' و خطوب ایام' تکتر اقنع بعیشک ترضہ و انرک ھواک تعیش حر فلرب حتف ساقہ' ذھو یا قوت ودر عیش کے چند ساعات میں گزر جائیں گے حوادث آتے جاتے ہیں۔ تم تھوڑی سی معاش پر قناعت کرکے راضی رہو۔ خواہشات ترک کردے۔ تیرا وقت بہتر بسر ہوگا بہت سے ایسے ہیں جن کے پاس سونا' یاقوت اور موتی تھے لیکن ان کے پاس نہ رہے۔

(3) حضرت محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ خشک روٹی پانی میں تر کرکے کھاتے اور فرماتے کہ جو اس پر قناعت کرے اسے کسی کی پروا نہیں۔

(4) حضرت سفیان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تمہارے لیے دنیا اس وقت اچھی ہے جب تک اس میں مبتلا نہ ہو اور تمہارے مبتلا ہونے کی چیز بہتر اس قدر ہے جو تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے۔ یعنی مال دنیوی میں سے بہتر وہ ہے جو راہ اللہ میں صرف ہو۔

(5) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر روز ایک فرشتہ پکارتا ہے۔ اے ابن آدم تجھے تھوڑا بقدر کفایت ملنا اس سے بہتر ہے کہ بہت ملے اور وہ سرکشی میں ڈالے۔

(6) حضرت شمیط بن عجلان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم تیرا شکم بالشت بھر ہے۔ پھر تجھے دوزخ میں کیوں ڈالتا ہے۔

(7) کسی حکیم سے کسی نے پوچھا کہ تمہارا مال کیا ہے۔ اس نے کہا ظاہر میں بے تکلف رہنا اور باطن میں میانہ روی اور لوگوں کے مال سے توقع نہ کرنا

حدیث قدسی مروی ہے اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے کہ اے ابن آدم اگر ساری دنیا تیری ہی ہو جائے تب بھی تجھے غذا کے سوا اور کچھ نہ ملے گا۔ اگر میں تجھے صرف غذا ہی دوں اور دنیا کا حساب اوروں کی گردن پر رکھوں تو میرا تجھ پر کمال احسان ہے۔

(8) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی کسی سے کام کرانا چاہے تو چاہیے کہ

اس کا کام ضرور کرا دے ایسا نہ ہو کہ دوسرے کے پاس جا کر کہنا شروع کرو کہ تم دو یا نہ دو اس لیے کہ روزی تو جتنا کسی کی مقدر میں ہے ملے گی۔

(9) بعض خلفائے بنی امیہ نے حضرت ابو حازم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو خط لکھا اور اس میں قسم دلائی کہ آپ کو جو ضرورت ہو میرے پاس آیئے۔ انہوں نے جواب دیا فرمایا کہ میں نے اپنی تمام ضروریات اپنے مالک کے سامنے پیش کیں اس نے جو منظور کیں اس کو میں نے قبول کیا اور جو نامنظور کیں اس پر قناعت کی۔

(10) بعض حکماء سے کسی نے پوچھا کہ عقلمند کے لیے زیادہ خوشی کی بات کیا ہے اور ایسی کون سی چیز ہے جس سے اس کا غم غلط ہو اس نے جواب دیا کہ اس کے حق میں سب سے زیادہ خوشی کی بات عمل صالح کا توشہ تیار کرنا ہے اور غم غلط ہونا اسے اللہ تعالیٰ کے احکام پر راضی ہونا ہے اور بس۔

(11) بعض حکماء کا قول ہے کہ میں نے سب سے زیادہ غمگین حاسد کو پایا اور سب سے زیادہ خوش عیش قانع کو اور زیادہ تر صابر ایذا پر حریص طامع کو اور زیادہ تر تو آسان معاشرہ والا کو اور زیادہ تر ندامت میں وہ عالم ہے جو اتقاء نہیں کرتا۔ اسی موضوع کے اشعار ہیں۔ ارفہ ببال فتٰی امسیٰ علی ثقتہ' ان الذی قسم الا رزاق یرزقہ' فا امرض منہ معون لا یدتسہ' والوجہ منہ جدید لیس یخلقہ' ان القا نعنہ من یحلل بسا حتہا' یم یلقہ فی دہرہ شیا بورقہ ترجمہ: (1) اس نوجوان کا حال اچھا ہے جسے پورا بھروسہ ہے کہ رزق تقسیم کرنے والی ذات اسے رزق ضرور دے گی۔ (2) اس کی عزت محفوظ ہے اسے کوئی شے میلا کچیلا نہیں کرے گی۔ اس کا چہرہ دائماً" تر و تازہ رہے گا۔ کوئی شے اسے پرانا (بے رونق نہ کرے گی) (3) قناعت وہ ہے جو بھی اس کے آنگن میں آتا ہے۔ زمانہ بھر کی کوئی شے اسے نقصان نہ دے گی۔ نیز اور اشعار کہے گئے ہیں۔ (1) حتی منی انا فی حل و ترحال و طول سعی وادبار و اقبال (2) وناز الدارا لا افسک مغتر بامعن الاجتہ لا یدرون ما حال الی بمشرق الارض طورا ثم مفر بہا لا یخطر الموت من حرصی علی بال' (4) ولو قنعت اتانی الرزاق فی دعتہ' ان القنوع الغنی لاکثرۃ المال ترجمہ نمبرا: میں کب تک ترنے اور کوچ کرنے میں اور لمبی کوشش اور آگے پیچھے جانے میں رہوں گا۔ (2) حرار سے کب تک دور رہ کر مسافر رہوں گا۔ دوستوں سے بھی دور انہیں کیا خبر کہ میں کس حال میں ہوں۔ (3) کبھی مشرق میں ہوں تو کبھی مغرب میں کاروبار کے حرص میں کبھی موت کا خیال تک نہیں۔ (4) اگر میں قناعت کرتا تو مجھے رزق میرے گھر کے صحن میں خود پہنچتا۔ انسان قناعت سے ہی غنی ہو سکتا ہے کثرت مال سے نہیں۔

حقیقی اور اصلی امیری: صوفیہ کرام کے نزدیک اصل امیری قناعت ہے۔ (اویسی غفرلہ)

(12) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ لوگوں سے فرمایا کہ جس قدر اللہ تعالیٰ کے مال میں سے میں تمہیں سمجھا دیتا ہوں۔ اسی پر اکتفا کرو۔ (1) دو جوڑے کپڑے موسم گرما اور سرما کے لیے (2) سواری حج عمرہ کے لیے (3) غذا جیسی میسر ہو۔ میں قریش کی طرح نہ تو سب سے عمدہ کھاتا ہوں نہ سب سے ادنیٰ متوسط درجہ کی غذا کھاتا ہوں۔ پھر

بھی بخدا مجھے یہ معلوم نہیں کہ میرے لیے اس قدر حلال ہے یا نہیں

فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا شبہ تھا کہ کہیں قدر کفایت سے یہ مقدار معاش زیادہ نہ ہو۔

حکایت: ایک اعرابی نے اپنے بھائی پر حرص کے متعلق عتاب کرتے ہوئے کہا کہ تجھے کوئی چیز ڈھونڈتی ہے اور تو کسی اور چیز کو ڈھونڈتا ہے جو تجھے ڈھونڈتی ہے اس سے تو نہیں بچے گا۔ یعنی موت کہ جس سے کسی طرح بھاگنا نہیں اور جسے تو ڈھونڈتا ہے یعنی رزق وہ تجھے بے فکر و بے تردد پہنچے گا اور جان لو کہ موت جو نظروں سے غائب ہے وہ گویا موجود ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ حریص کبھی محروم نہیں ہوتا اور زاہد کو رزق نہیں ملتا۔ یہ محض وہم و خیال ہے۔ شاعر کہتا ہے۔ (1) اراک یزید ک الاثراء حرصا علی الدنیا کانک لا تموت (2) فھل لک غایتہ ان صرت یوما الیھا قلت حسبی قلد ضیت ترجمہ: میں تجھے دیکھ رہا ہوں تو دنیا پر حریص ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے گویا تو مرے گا نہیں۔ تیری کوئی انتہا بھی ہے۔ کبھی تو ایسا ہوگا کہ دنیا کے بارے میں تو کہے گا کہ مجھے کافی ہے اور میں اس پر راضی ہوں۔

حکایت: حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک اعرابی نے چڑیا کا شکار کیا چڑیا نے اعرابی سے پوچھا کہ تیرا مطلب کیا ہے اس نے کہا تجھے ذبح کرکے کھاؤں گا۔ اس نے کہا کہ مجھ مٹھی بھر سے تیرا شکم سیر نہ ہوگا۔ میں تجھے تین باتیں بتاتا ہوں جو تجھے میرے کھانے سے بہتر ہوں گی۔ ایک تو ابھی بتاؤں گا دوسری اس پیڑ پر جا کر کہوں گا۔ تیسری پہاڑ پر بیٹھ کر بتاؤں گا۔ اس نے کہا اول بات کیا ہے اس نے کہا کہ گزری ہوئی بات پر افسوس نہ کرنا۔ اعرابی نے اسے چھوڑ دیا وہ اڑ کر پیڑ پر بیٹھ گیا۔ شکاری نے دوسری بات پوچھی اس نے کہا کہ جو بات نہ ہو سکتی ہو اس پر یقین نہ کرنا۔ پھر اڑ کر پہاڑ پر جا بیٹھا۔ شکاری سے کہا کہ تو بڑا بدنصیب ہے۔ اگر مجھے ذبح کرتا تو میرے پیٹ میں سے دو موتی ڈیڑھ ڈیڑھ چھٹانک کے وزنی نکلتے۔ افسوس سے ہاتھ ملنے لگا اور کہا کہ تیسری بات بتا۔ اس نے کہا کہ تو پہلی دونوں باتوں کو بھول گیا۔ تیسری کیسے بتاؤں۔ مثلاً میں نے کہا تھا کہ گزری بات پر افسوس نہ کرنا مگر تو نے میرے چھوڑنے پر افسوس کیا۔ میں نے کہا تھا کہ غیر ممکن بات کا یقین نہ کرنا لیکن تو نے یقین کر لیا۔ نہ سمجھا کہ میرا گوشت و پوست اور پر وغیرہ ملا کر ڈیڑھ چھٹانک بھی نہ ہوں گے تو میرے پیٹ میں دو موتی اتنے بڑے وزنی کیسے ہوں گے۔ یہ کہہ کر اڑ گیا۔

فائدہ: یہ مثال آدمی کی طمع کی زیادتی کی ہے کہ انسان کو طمع کے مارے اسے حق بات نہیں سوجھتی۔ یہاں تک کہ غیر ممکن بات کو بھی مان لیتا ہے۔

(13) ابن سماک کا قول ہے کہ توقع ایک دل میں رہتی ہے جس سے آدمی کے پاؤں میں پھندا پڑا رہتا ہے۔ اگر توقع دل سے نکل جائے تو پاؤں بھی پھندے سے نکل جائے۔

حکایت: حضرت ابو محمد لیزیدی مرحوم فرماتے ہیں میں ہارون الرشید کے ہاں گیا تو وہ ایک کاغذ پر سونے کے پانی سے لکھے ہوئے

پڑھ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا۔ میں نے کہا اے امیر المومنین اللہ تیری خیر کرے کوئی فائدہ کی بات ہے۔ جس سے آپ خوش ہو رہے ہیں۔ فرمایا ہاں۔ یہ دو بیت ہیں۔ میں نے بنوامیہ کے خزانوں میں پائے ہیں۔ مجھے بھلے لگتے ہیں۔ ان پر ایک شعر کا میں نے اضافہ کیا ہے۔ وہ یہ ہیں۔ (1) اذا سدباب عنک من دون حاجۃ خدعه الاخری ینفتح لک بابھا' (2)فان تراب البطین یکفیک ملولھا ویکفیک سوآت الامورا جتنبا بھا' (3)ولذنک متبذلا لعرضک واحشب' رکوبک الماصی فی یحسبک عقابھا ترجمہ: اگر تیری ضرورت سے ایک دروازہ بند ہوگا تو اسے چھوڑ دے۔ تیرے لیے اور دروازہ کھل جائے گا۔ (2) پیٹ کی مٹی کے بھرنے کے لیے تجھے کفایت کرے گا اور برے امور سے بچنا ہی ان کی کفایت ہے۔ اس لیے کہ تو اپنی عزت کے لیے خرچ کرتا ہے۔ تو پھر اپنے اوپر گناہوں کو سوار نہ کر' اس کی سزا بچاؤ ہوگا۔

(14) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ علماء کے دلوں سے بعد حفظ علوم کو کون چیز کھو سکتی ہے۔ فرمایا طمع اور حرص اور ضروریات کی طلب۔

فائدہ: کسی نے حضرت فضیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد کی تفسیر پوچھی۔ انہوں نے فرمایا کہ آدمی کسی چیز کی طمع میں اپنا دین کھو بیٹھتا ہے اور حرص نفس کا یہ حال ہے کہ تمام چیزوں کی طرف نیت دوڑتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ ساری چیزیں میرے پاس آجائیں۔ اسی غرض سے کبھی کسی کے پاس ضرورت لے کر جاتا ہے۔ کبھی کسی کے پاس جب وہ شخص ضرورت پوری کر دیتا ہے تو گویا اب اس کی تکمیل اس کے ہاتھ میں ہے جہاں چاہتا وہ کام لیتا ہے۔ پھر یہ شخص جہاں اسے دیکھتا ہے خوشامد کرکے سلام کرتا ہے اور بیمار پڑتا ہے تو اس کی عیادت کرتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے لیے نہ وہ سلام نہ عیادت۔ یعنی عبادت سے پر پروائی کیونکہ اگر ضرورت نہ ہوتی تو اس کے لیے اچھا ہوتا۔ حضرت فضیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ قول حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کا مسلسل حدیثوں پر عمل کرنے سے بہتر ہے۔

(15) بعض حکماء کا قول ہے کہ انسان میں بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ اگر بالفرض اس کو سنا دیا جائے کہ تو ہمیشہ دنیا میں رہے گا عمر کی درازی کے لیے جتنا قدر حرص اسے ہوگی اس سے اور زیادہ اب شروع کرے گا حالانکہ تھوڑے دنوں کی زندگی سے بالاخر فنا ہی فنا ہے۔

(16) حضرت عبدالواحد بن زید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا گزر ایک راہب پر ہوا میں نے پوچھا کہ آپ کو کھانا کہاں سے آتا ہے۔ اس نے کہا کہ جس ذات نے چکی یعنی دانت بنائے ہیں۔ وہی اپنی عنایت سے اس میں دانے ڈال دیتا ہے۔ مجھے تو روٹی پکی پکائی مل رہی ہے۔ پاک ہے وہ قادر اور علیم ہے۔

حرص اور طمع کا علاج اور قناعت کی دوا اور اس کا طریقہ: یہ تین مفردات ادویہ سے مرکب ہے (1) صبر (2)

مذکورہ بالا صفحہ اور گزشتہ حکایت ہارون نانوتوی چھوڑ گیا ہے۔ ایسے ہی کئی مضامین چھوڑ دیتا ہے۔ واللہ عالم کیوں۔

علم (3) عمل اور پانچ امور میں یہ سب آجاتی ہیں۔ عمل یعنی میانہ روی معاش میں اور کفایت شعاری خرچ میں جو شخص قناعت حاصل کرنا چاہے تو حتی الوسع خرچ کے دروازے اپنے اوپر بند کردے اور صرف ضروریات پر اکتفا کرے اس لیے کہ جس کا خرچ زیادہ ہوگا وہ قناعت نہیں کر سکتا پھر چاہئے کہ اگر اکیلا ہو تو موٹے کپڑوں پر قناعت کرے اور کسی غذا پر اکتفا کرے اور جتنا ہو سکے سالن کم کرے اور اسی کا عادی ہو اور اگر عیال دار ہے تو گھر والوں میں سے ہر ایک کو یونہی عادی بنائے کیونکہ اتنا مقدار معیشت ادنیٰ محنت سے مل سکتی ہے اور زندگی آرام اور میانہ روی سے گزرے گی۔ قناعت کے بارے میں یہی قاعدہ اصل ہے اسی کا نام رفق فی الانفاق یعنی خرچ میں نرمی کرنا ہے۔

احادیث مبارکہ: ان اللّٰہ یحب الرفق فی الامر لہ ترجمہ: اللہ تعالیٰ جملہ امور میں رفق پسند کرتا ہے۔ (2) نبی پاک ﷺ نے فرمایا ما عال من اقتصد میانہ روی عیالدار نہیں (3) نبی کریم ﷺ نے فرمایا ثلث منجیات خشیتہ اللّٰہ فی السر والعلانیتہ والقصد فی الغنی والفقر والعدل فی الرضا والغضب ترجمہ: تین اشیاء نجات دینے والی ہیں۔ ظاہر باطن میں اللہ کا ڈر غناء فقر میں میانہ روی خوشی و غضب میں عدل
(4) کسی نے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زمین سے دانہ چنتے دیکھا کہا کہ آپ دانے اٹھاتے جاتے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں کہ آدمی کی سمجھداری کی دلیل یہ ہے کہ وہ زندگی رفق سے بسر کرے
(5) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ من اقتصدا غناہ اللّٰہ ومن بذرافقرہ اللّٰہ ومن ذکر اللّٰہ عزو جل احبہ اللّٰہ ترجمہ: جو میانہ روی کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ غنی کرتا ہے اور جو فضول خرچی کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ فقیر بنا دیتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔ اسے اللہ محبوب بنا لیتا ہے۔ (6) فرمایا کہ التدبیر نصف المعیشتہ ترجمہ: تدبیر نصف معیشت ہے۔ فرمایا اذا ارادت امراً فعلیک بالتودہ حتی یجعل لہ لک فرجا و فخرجا ترجمہ: جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو حوصلہ کو لازم پکڑو بے شک کہ اللہ اس کے لیے کوئی چارہ اور سبب بنائے گا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ خرچ میں کفایت شعاری ضروری ہے۔ نیز یہ بھی ہے کہ اگر سردست بقدر کفایت انسان کے پاس موجود ہو تو آیندہ کے لیے زیادہ پریشانی نہیں کرنی چاہئے اور یہ بات انسان کو اور بھی ضروری ہے کہ اگر اپنی آرزو مختصر کرے اور یہ تصور کرے کہ جو رزق مقدر میں ہے وہ ضرور پہنچے گا۔ حرص کرنے سے روزی بڑھتی نہیں اللہ تعالیٰ نے رزق پہنچانے کا وعدہ فرمایا ہے کہ وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا (ھود 6) ترجمہ کنزالایمان: اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو۔

فائدہ: حرص شیطان کی طرف سے ہے وہ ملعون انسان کے دل میں ڈالتا ہے کہ زیادہ خرچ سے محتاج ہو جائے گا۔ اگر

مال گھر پر نہ ہوگا تو بیماری اور عاجزی کے وقت دربدر بھیک مانگنی پڑے گی اور ذلیل و رسوا ہوگا۔ یاد رہے کہ ابلیس اسی طرح انسان کو طلب مال کی مشقت میں مبتلا کرتا ہے۔ اس خوف سے کہ کہیں آیندہ مشقت نہ ہو اور پھر خود اس کی حرکات پر ہنستا ہے کہ وہی مشقت کے خوف سے کیسے پریشان حال ہو رہا ہے اور اللہ عزوجل سے بھی غافل ہے۔

پند غزالی قدس سرہ: یہ کیسے معلوم ہو کہ آیندہ مشقت ضرور ہوگی شاید نہ ہو۔

حدیث مبارکہ مروی ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک تمہارے سر ہلتے ہیں۔ یعنی زندگی باقی ہے رزق سے ناامید نہ ہونا انسان ماں کے پیٹ سے ننگا پیدا ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ عزوجل اسے روزی دیتا ہے۔

حدیث مبارکہ: حضور ﷺ کا ایک بار حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر گزر ہوا۔ وہ غمگین بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ رنج بے فائدہ ہے۔ وہی ہوگا جو منظور خدا ہے جتنا رزق نصیب میں ہے وہ لازماً آئے گا۔ (2) ایک اور حدیث مبارکہ حضور ﷺ نے فرمایا یاایھا الناس اجملو فی الطب فانہ لیس لعبد الا ما کتب لہ ولن یذبب عبدمن الدنیا حتٰی یا تیہ ما کتب الہ من الدنیا وہی راغمتہ اے لوگو احسن طریق کے رزق طلب کرو۔ انسان کو وہی ملے گا جو ان کے لیے لکھا گیا ہے۔ انسان دنیا سے ہرگز نہیں جا سکتا جب تک وہ نہ ملے جو اس کے لیے لکھا گیا ہے اور یہ دنیا اس کے لیے دکھ پہنچانے والی ہے۔

فائدہ: انسان حرص سے علیحدہ نہیں ہوتا مگر اس صورت میں کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر عقیدہ کا پکا ہو اور یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اگر میں طلب میں سستی کروں گا تو بھی لازماً ملے گا بلکہ یوں تصور کرنا چاہئے کہ اکثر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے۔ جہاں اس کو گمان بھی نہیں ہوتا چنانچہ خود فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق 2 تا 3) ترجمہ کنزالایمان: اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو۔ ایسی صورت میں اگر کسی وجہ سے اس کو روزی ملتی تھی اور وہ بند ہوگئی تو پریشان نہیں ہونا چاہئے بلکہ اسے یوں جاننا چاہئے حدیث شریف میں ہے۔ حدیث مبارکہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ابی اللہ ان یرزق عبدہ المومن الا من حیث لا یحتسب اللہ سے انکار کرتا ہے اس سے کہ وہ بندے کی روزی نہ ہونی کے ایسے طور اسے روزی دیتا ہے جس سے اسے گمان تک نہیں ہوتا۔

اقوال اسلاف صالحین رحمتہ اللہ علیہم: حضرت ابوسفیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے کیونکہ میں نے اللہ عزوجل سے ڈرنے والے کو محتاج نہیں دیکھا اللہ تعالیٰ تقویٰ اور خوف والے کی ضرورتیں ضائع نہیں کرتا وہ مسلمان کے دل میں ڈال دیتا ہے وہ اس کی روزی دے جاتے ہیں۔

(2) حضرت مفصل ضبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک اعرابی سے پوچھا کہ تمہاری وجہ معاش کیا ہے اس نے کہا کہ حاجیوں کے آنے سے بسر اوقات کرتا ہوں میں نے پوچھا جب حاجی چلے جاتے ہیں تو آپ کیا کرتے ہیں۔ وہ رو کر کہنے لگا کہ اگر وجہ معاش معلوم ہوا کرتی کہ فلاں جگہ سے آتی ہے تو زندگی نہ ہوتی۔

(3) حضرت ابو حازم کا قول ہے کہ میرے نزدیک دنیا میں دو چیزیں ہیں ایک تو وہ چیز جو میرے لیے ہے پس اسے میں قبل وقت نہیں لے سکتا۔ دوسری وہ جو اوروں کی ہے تو وہ نہ مجھے پہلے ملے گی اور نہ آئندہ اس لیے کہ جو شخص میرے حصہ کی چیز اوروں کے لیے بچاتا ہے۔ وہی اوروں کی چیز مجھ سے بچاتا ہے۔ پھر ان دونوں چیزوں میں اپنی جان گنواؤں

علاج: مذکورہ بالا علاج اس مرض کے لیے ہے جو کسی سالک کے دل پر شیطان کی طرف سے افلاس کا خوف سے مسلط ہے۔ اس علاج جاننے اور تصور جمانے سے ازخود رفع ہو جائے گا۔

قناعت کے فوائد: قناعت سے غیروں سے استغنا اور بے پروائی کی عزت حاصل ہوتی ہے او رحرص و طمع کی وجہ سے رسوائی و ذلت جب یہ بات دل میں پختہ ہو جائے گی تو قناعت کی طرف رغبت ہوگی کیونکہ حرص مشقت اور طمع کی ذلت سے نہیں بچ سکتا اور قناعت میں صرف شہوات اور فضول امور سے صبر کرنے کی مشقت و تکلیف ایسی ہے کہ اس میں سوا اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی اطلاع نہیں ہوتی اور اسی پر ثواب آخرت نصیب ہوتا ہے اور حرص و طمع ایسی چیزوں میں سے ہے جسے لوگ خود دیکھ سکتے ہیں اور گناہ کا وبال اس کے علاوہ ہے پھر کثرت طمع و حرص میں نفس کی عزت اور حق کی اتباع کی قدرت مفقود ہے کیونکہ کثرت حرص و طمع اس بات کی منقضی ہے کہ لوگوں سے بہت کام نکلیں گے پھر ایسی صورت میں حق بات کا میلان کہاں ہو سکتا ہے بلکہ ان کی برائیاں دیکھ کر مصلحت کوشی اور چشم پوشی کرنی پڑے گی جس سے دین کی خرابی ہے اور جو شخص کہ پیٹ کی خواہشوں پر نفس کی عزت کو ترجیح نہ دے وہ بے وقوف اور ناقص الایمان ہے جیسا کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد اقدس ہے۔ عزالمومن اسغناء عن الناس مومن کی عزت لوگوں سے استغنا میں ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ آزادی اور عزت قناعت میں ہے کسی کا کیا ہی بہترین مقولہ ہے جس سے چاہو بے پروا ہو جاؤ اس کی نظیر اور اس جیسے ہو جاؤ گے اور جس کی طرف دل چاہے ضرورت لے جاؤ۔ اسی کے پابند ہو جاؤ گے اور جس پر چاہو احسان کرو اس کے اسیر بن جاؤ گے۔ یہود و نصاریٰ اور رزیل لوگوں اور احمقوں اور بے کار لوگوں اور بے دینوں کی عیاشی اور ان کی معیشت میں تامل کرے پھر احوال انبیاء و اولیاء اور خلفائے راشدین اور صحابہ اور تابعین کے اور ان کے حالات سنے یا خود مطالعہ کرے اس کے بعد چاہے تو کمینے لوگوں سے مشابہت کرے۔ چاہے ان حضرات سے مشابہت کرے۔ جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ عزت رکھتے ہیں اگر اعلیٰ لوگوں کی اقتدا کرے

گا تو تھوڑی سی شے پر قناعت کرے گا اور قلیل آمدنی پر صبر آسان ہوگا۔ مثلاً اگر شکم سیر کی لذت میں مبتلا ہوگا تو پھر اس سے گدھا بہتر ہوگا اگر جماع کی لذت میں مصروف ہو تو خنزیر اس صفت میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اگر زینت حشم اور سواری سے عشق ہے تو اکثر کفار اس میں اس کی نسبت زیادہ بہتر ہوں گے۔

(5) مال جمع کرنے پر اس کا ہر وقت چوری اور ضائع ہونے اور لوٹ کھسوٹ کا خوف رہتا ہے لیکن جب مال جمع کرنے کے بعد خالی ہاتھ ہو جاتا تو ان تمام امور میں امن و چین نصیب ہوتا ہے نیز آفات مال جو ہم نے ذکر کی ہیں۔ ان کو سوچ اور تصور کرے کہ اس کی وجہ سے باب الجنتہ سے پانچ سو برس تک دور رہوں گا۔ یعنی جب تھوڑی سی چیز بقدر کفایت پر قانع نہ ہوگا تو جائے گا اغنیا کے گروہ میں شامل ہوگا اور فقیروں کے دفتر سے خارج کر دیا جائے گا۔ یاد رہے کہ فقراء بہ نسبت مالداروں کے پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے جیسا کہ احادیث مبارکہ میں ہے۔

فائدہ: یہ غور و فکر اس وقت کامل ہوگا جب ہمیشہ دنیا میں اپنے کم مرتبہ دیکھے گا زیادہ مرتبہ کو نہ دیکھے کیونکہ شیطان ہمیشہ دنیا میں اپنے کم مرتبہ کو دنیا میں بھکا کر زیادہ مال داروں کی طرف رغبت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تو کیوں سستی کرتا ہے اور مالدار تو مزے اڑا رہے ہیں اور خوراک و پوشاک بھی اچھی رکھتے ہیں اور دین میں انسان کو اس تصور میں ڈالتا ہے کہ اپنے نفس پر اتنی تنگی کیوں کرتا ہے اور اسقدر خوف کیوں جبکہ فلاں تجھ سے زیادہ عالم ہے وہ تو اللہ سے ڈرتا نہیں دوسرے تمام لوگ عیش و عشرت میں مشغول ہیں تو کیوں علیحدہ ہے غرضیکہ دنیا میں اپنے سے کم کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ حدیث شریف۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے محبوب خدا ﷺ نے وصیت فرمائی کہ دنیا میں اپنے سے کم کو دیکھنا اپنے سے زیادہ پر نظر نہ کرنا۔ حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اذا نظر احدکم الیٰ احدکم الی من فضله اللّٰه علیه فی المال و الخلق فلینظر الی من ہوا سفل منه ممن فضل علیه ترجمہ: جب تم میں سے کوئی اس طرف دیکھے جسے اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی ہو مال میں اور خلق میں تو چاہیے کہ اپنے سے کمتر کو دیکھے جس پر اسے فضیلت ہے ان پانچوں امور سے انسان میں قناعت کی صفت آسکتی ہے بہرحال صبر کرے اور تمنا کم کرے اور یہ سمجھے کہ ہمیشہ کی عیش و عشرت اور مزے اڑانے کے لیے دنیا میں صبر کرنا چند روزہ ہے جیسے بیمار دوا کی تلخی پر اس لیے صبر کرتا ہے کہ بعد کو ہمیشہ تندرست رہوں گا۔

فضائل جود و سخا: انسان کے پاس مال نہ ہو تو قانع ہو۔ اسے حریص نہیں ہونا چاہیے۔ اگر مال ہو تو ایثار و سخاوت اور حسن سلوک کرنے میں کوتاہی نہ کرے اور بخل و امساک سے کوسوں دور ہے کیونکہ سخاوت حضرت انبیاء علیہم السلام کے اخلاق سے ہے اور نجات کی اصل اصول بھی سخاوت ہے۔

احادیث مبارکہ: (1) حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سخاوت جنت کے درختوں سے ایک درخت ہے کہ اس کی ٹہنیاں زمین پر جھکی ہوئی ہیں جو کوئی ان میں سے کوئی ٹہنی پکڑ لیتا ہے وہ اسے جنت میں کھینچ لے جاتی ہے۔ (2)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حکم پہنچایا ہے کہ اسلام وہ دین ہے کہ جسے میں نے اپنے لیے پسند کیا ہے اور اسکی صلاحیت سخاوت اور حسن خلق پر ہے چاہئے کہ ان دونوں سے جس قدر ہو سکے اسلام کی تعظیم کرو۔ (3) ایک روایت میں ہے کہ جب تک اسلام میں ہو اس وقت تک ان باتوں سے اس کا اکرام کرو (4) حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام اولیاء کرام کو سخاوت اور حسن خلق پر ہی پیدا کیا ہے۔ (5) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضوراقدس ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ اعمال میں سے افضل کون سا عمل ہے آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ صبر اور سخاوت (6) حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ دو عادتیں اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور دو ناپسند وہ عادتیں جو اسے پسند ہیں وہ حسن خلق اور سخاوت ہیں اور جو اس کو ناپسند ہیں بد خلقی اور بخل ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کی بہتری چاہتا ہے تو اس سے لوگوں کی ضرورت پوری کراتا ہے۔ مقدام بن شریح اپنے باپ سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس سے جنت میں جاؤں آپ ﷺ نے فرمایا ان من وجبات المغفرۃ اطعام و الطعام وانشاء سلام و حسن الکلام) ترجمہ: مغفرت کی موجبات میں سے ہے کھانا کھلانا اور ہر ایک سے السلام علیکم کہنا اور اچھی گفتگو کرنا (9) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میرے رحیم بندوں سے عطا کی درخواست کرو اور ان کی پناہ میں زندگانی بسر کرو (یہ حدیث قدسی ہے) میں نے ان میں اپنی رحمت بھر دی ہے اور سخت دل سے کچھ نہ مانگو ان پر میں نے اپنا غضب نازل کیا ہے۔ (10) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ سخی کے گناہوں سے درگزر کرو اس لیے کہ جب وہ لغزش کرتا ہے تو اللہ عزوجل اس کا ہاتھ تھامتا ہے۔ (1) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ کھانا کھلانے والے کے پاس اتنا جلد تر رزق پہنچتا ہے کہ ایسے جلدی اونٹ کے کوہان پر چھری بھی کارگر نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ عزوجل کھانا کھلانے والوں سے فرشتوں پر فخر فرماتا ہے کہ انسان میں اس طرح کی صفات ہیں جو تم میں نہیں (12) حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ان اللہ جواد یحب الجودو یحب مکارم الاخلاق ویکرہ سفسا تھا بے شک اللہ جواد ہے جود کو پسند کرتا ہے ایسے ہی مکارم اخلاق کو بھی اور کمینی عادت سے کراہت کرتا ہے۔ (13) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ سے کسی نے اسلام پر کچھ مانگا آپ نے اسے عطا فرمایا یہاں تک کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے سوال کیا۔ آپ نے صدقہ کی بکریوں میں سے بہت سی بکریاں دو' بکریاں پہاڑوں کے درمیان کے برابر تھیں۔ آپ نے عنایت فرمادیں۔ وہ اپنی قوم میں آکر کہنے لگا کہ لوگو مسلمان ہو جاؤ۔ حضرت محمد ﷺ اس طرح دیتے ہیں جیسے کسی کو فاقہ کا خوف نہیں ہوتا۔ (15) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو چھانٹ چھانٹ کر نعمت دیتا ہے کہ ان کے ہاتھ سے اوروں کا کام نکلے جو کوئی اوروں کو نفع پہنچانے میں بخل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نعمت اس سے چھین کر دوسرے کے حوالہ کرتا ہے۔ (14) ہلالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے پاس بنی عنبر کے قیدی گرفتار ہو کر آئے۔ آپ ﷺ نے سب کے قتل کا حکم فرمایا مگر ایک شخص کو مستثنیٰ فرمایا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ اس کا دین بھی ایک ہے اور گناہ جوان لوگوں نے کیا ہے وہ بھی ایک ہے پھر یہ شخص اپنی قوم سے۔ کسی طرح مستثنیٰ ہو کر قتل سے بچ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر کہا کہ ان سب کو قتل کرو لیکن اس شخص کو چھوڑ دو اللہ تعالیٰ اس کی سخاوت سے خوش ہے۔ (16) حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک ثمرہ ہے اور احسان کا ثمرہ جلدی نجات ہے۔ (17) نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا طعام الجواد دواء و طعام البخیل داء ترجمہ: سخی کا طعام دوا اور بخیل کا طعام بیماری ہے۔ (18) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جسے اللہ تعالیٰ عزوجل زیادہ نعمت دیتا ہے اسے لوگوں کے بارے میں زیادہ برداشت کرنی پڑتی ہے جو شخص اس کا متحمل نہیں ہو سکتا اس سے نعمت کو اللہ تعالیٰ عزوجل دور کرتا ہے۔ (19) حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایسا عمل بہت زیادہ کیا کرو جسے آگ نہ کھائے۔ لوگوں (صحابہ) نے پوچھا وہ کیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ احسان۔ (19) حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جنت لسخیاء کا گھر ہے۔"

(20) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "سخی اللہ اور جنت اور لوگوں کے قریب ہے اور دوزخ سے بعید اور بخیل اللہ اور جنت اور لوگوں سے دور ہے اور دوزخ سے قریب ہے اور جاہل سخی اللہ عزوجل کو عالم بخیل سے زیادہ محبوب ہے اور تمام دردوں میں زیادہ سخت بخل کا درد ہے"

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اہل و نااہل کے ساتھ نیکی کر۔ اگر اہل کو نیکی پہنچی تو بہتر ہے ورنہ تم تو اہل ہو' اگرچہ جس کے پاس پہنچی وہ نااہل ہے۔

(21) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے ابدال جنت میں روزہ اور نماز کی وجہ سے داخل نہ ہوں گے بلکہ نفس کی سخاوت اور سینہ کی سلامتی اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی وجہ سے جنت میں جائیں گے۔

(22) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے احسان کے لیے کئی صورتیں بنا دی ہیں (1) حسن سلوک کرنا۔ (2) احسان اور سلوک کرنے والوں کی محبت مخلوق کے دل میں ڈال دی۔ (3) احسان کے طلب گاروں کا منہ محسنوں کی طرف پھیر دیا۔ (4) داد و عطاء ان پر ایسی آسان کر دی جیسے خود اپنے خزانہ رحمت سے کسی قحط زدہ خشک زمین پر بارش عنایت فرماتا اور زمین اور انسانوں کو اس کے سبب سے زندہ رکھتا ہے اور فرمایا کہ انسان کا ہر نیک سلوک داخل صدقہ ہے اور جو کچھ آدمی

اپنے نفس اور اپنے اہل پر خرچ کرے' وہ اس کے حق میں صدقہ لکھا جاتا ہے اور جس خرچ سے آدمی اپنی عزت بچائے' وہ بھی صدقہ ہے اور انسان کسی طرح کا خرچ کرے' اللہ پر اس کا عوض پہنچتا ہے۔

(24) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل معروف صدقتہ الدال علی الخیر کفاعلیہ واللّٰہ یحب اغاثنہ اسھفان "ہر نیکی صدقہ ہے۔ نیکی کی دلالت کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہے اور اللہ تعالیٰ پریشان کی فریاد پسند کرتا ہے۔"

(25) فرمایا کل معرفو فعلنہ الی غنی او فقیبر صدقہ "ہر نیکی جو تو نے امیر یا فقیر سے کی' وہ صدقہ ہے۔"

(26) اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ "سامری کو قتل نہ کرنا اس لیے کہ وہ سخی ہے۔"

(27) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور اس پر حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو حاکم مقرر کیا۔ جب جہاد ہوا تو حضرت قیس نے فوجیوں کے لیے اونٹوں کی نو قطاریں ذبح کر دیں۔ صحابہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ سخاوت تو اس خاندان کی خصلت ہے۔

اقوال اسلاف صالحین رضی اللہ عنہم : (1) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "جب کسی کے پاس دنیا آتی ہے تو وہ اس سے خرچ کرے کیونکہ وہ خرچ کرنے سے ختم نہیں ہوگی۔ اگر دنیا ختم ہوتی ہے تب بھی خرچ کرنا چاہیے کیونکہ خرچ کرنے سے بہرحال ختم نہ ہوگی اور یہ اشعار پڑھے :-

لا تنجلن بدنیا وہی مقبلتہ فلیس ینقصھما التبذیر والسرف وان تولت فاحرے ان تجود بھا= فالحمد منھا اذا ما اوبرت حلف

ترجمہ اشعار۔ "دنیا میں بخل مت کر یہ آتی جاتی رہتی ہے' اسے خرچ کرنا اور حد سے زائد خرچ کرنا کم نہیں کرتا۔ اگر تیرے سے چلی جائے تب بھی تو سخاوت کر۔ اس پر شکر ہے کہ چلی گئی تو اور آئے گی۔

(2) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ مروت و رفعت اور کرم کسے کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ مروت یہ ہے کہ انسان اپنے دین اور نفس کی حفاظت کرے اور اپنا کام خوب کرے اور جھگڑے اور ناگوار امور آجائیں تو بھی بخوبی انجام دے اور رفعت یہ ہے کہ بلا سوال دوسرے کے ساتھ نیک سلوک کرے اور وقت پر کھانا کھلائے اور سائل کو مال دے' پھر اس کے ساتھ عنایت و رحمت کرے۔

(3) امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو کسی نے کسی کام کے لیے خط لکھا۔ آپ نے بغیر خط پڑھے فرمادیا کہ تیری ضرورت پوری ہو گئی۔ کسی نے عرض کیا کہ اے ابن رسول اللہ رضی اللہ عنہ وسلم آپ نے خط کو ملاحظہ کر کے ہی جواب دیا ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ جتنی دیر میں اس کا خط پڑھتا' وہ میرے سامنے ذلیل کھڑا رہتا۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے سائل کو اتنی دیر کیوں ذلیل کیا؟

(4) ابن سماک کہتے ہیں کہ مجھے بڑا تعجب ہے کہ انسان اپنے مال سے لونڈی اور غلام خرید لیتے ہیں اور آزاد انسان پر احسان نہیں کرتے۔

(5) کسی نے اعرابی سے پوچھا کہ سردار کون ہے؟ اس نے کہا جو گالی برداشت کرے اور سائل کو دے اور جاہل سے اعراض کرے۔

(6) حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس آدمی میں یہ وصف ہو کہ مانگنے والوں کو اپنا مال دے' وہ سخی نہیں ہے بلکہ سخی وہ ہے جو حقوق اللہ تعالیٰ نے اہل طاعت کے لیے لکھ دیئے ہیں' انہیں بغیر طلب کے پہلے ہی خود پہنچا دے اور دل میں اس کے شکریہ لینے کا خیال نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب کامل عنایت ہونے کا یقین ہو یعنی ثواب کامل ملنے کے یقین کی وجہ سے دینے کے عوض میں شکریہ کا منتظر نہ ہو۔

(7) حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ سخاوت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں مال دینا۔ پھر پوچھا کہ حزم و احتیاط کسے کہتے ہیں؟ فرمایا کہ اللہ کی راہ میں مال دینا۔ پھر پوچھا کہ اسراف کیا ہے؟ فرمایا کہ نوکری کے طمع میں مال خرچ کرنا۔

(8) امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عقل سے زیادہ اعانت کرنے والا کوئی مال نہیں اور کوئی مصیبت جہالت سے بڑھ کر نہیں اور مشورہ سے بڑھ کر کوئی تقویت نہیں۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں کریم ہوں' کوئی بخیل مجھ سے بچ کر نہ جائے گا۔ بخل کفر سے ہے اور اہل کفر دوزخ میں رہیں گے اور جود و کرم ایمان میں سے ہے اور ایماندار جنت میں جائیں گے۔

(9) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ظاہر میں بدکار اور معاش سے تنگ مگر سخاوت کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے۔

(10) حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے کسی سے روپیہ لے کر پوچھا کہ یہ کس کا ہے؟ اس نے کہا کہ میرا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تیرا تو جب ہوگا' جب تیرے ہاتھ سے چلا جائے گا۔ انت للمال اذا مسکتہ فاذا انفقتہ فالمال لک "تو مال کا ہے جب تو اسے روکے رکھتا ہے لیکن تو نے اسے خرچ کیا' تب وہ تیرا ہے۔"

(11) اصل بن عطا کا نام غزال اس وجہ سے تھا کہ یہ غزالوں یعنی کاتنے والوں میں بیٹھتے اور جب کوئی ضعیف عورت کو دیکھتے تو اسے کچھ عطا فرمایا کرتے۔

(12) اصمعی سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو عتاب نامہ لکھا کہ شاعروں کو تم کیوں دیتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ مال بہتر وہی ہے جس سے آدمی عزت بچائے۔

(13) حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے سخاوت کا پوچھا تو انہوں نے کہا کہ سخاوت یہ ہے کہ بھائیوں کے ساتھ نیک سلوک کرے اور مال دے ڈالے۔ پھر فرمایا کہ میرے باپ کو پچاس ہزار درہم ترکہ سے ملے تھے۔ انہوں نے اسے

تھیلیوں میں ڈال کر بھائیوں میں تقسیم کر دیئے اور کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے بھائیوں کے لیے جنت چاہتا ہوں اور مال سے ان کے ساتھ بخل کروں' یہ کبھی نہ ہوگا۔

(14) حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چیز کو کوشش کر کے خرچ کر ڈالنا نہایت درجہ کی سخاوت ہے۔

(15) کسی حکیم سے کسی نے پوچھا کہ تمہارے نزدیک کون محبوب تر ہے؟ فرمایا جس نے مجھے زیادہ دیا۔ اس نے پوچھا کہ اگر ایسا شخص کوئی نہ ہو جس نے تم سے زیادہ سلوک کیا ہو؟ اس نے کہا مجھے پھر وہ محبوب تر ہے جس سے میں نے زیادہ سلوک کیا ہو۔

(16) عبدالعزیز بن مروان (نمبر1) کا قول ہے کہ جو آدمی مجھے اپنے ساتھ سلوک کر کے دے تو جس قدر میرا احسان اس پر ہوگا' اسی قدر اس کا احسان اپنے اوپر جانتا ہوں۔

(17) خلیفہ مہدی (عباسی) نے شبیب بن شیبہ سے پوچھا کہ میرے گھر میں تم نے کیا دیکھا؟ انہوں نے کہا کہ اے امیرالمومنین میں نے دیکھا کہ جو کوئی کسی طرح کی تمنا لے کر آپ کے یہاں آیا' راضی ہو کر لوٹا۔

(18) کسی نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے سامنے دو شعر پڑھے :۔

(1) ان الصنیحة لا تکون صنیعه۔ حتی یصاب بها طریق الصنع (2) فاذا صطنعت صنیحته فاعمده بها۔ لله اوی لذی القرابته اود ع

ترجمہ :۔ احسان جب ہی احسان ہوتا ہے جب اپنے محل میں ہو' اس لیے ضروری ہے کہ انسان اگر احسان کرے تو اللہ کی راہ میں دے یا اہل قرابت والوں کو ورنہ احسان کرنا نہ چاہیے۔ عبداللہ بن جعفر نے کہا کہ اس مضمون سے تو انسان بخیل ہو جاتا ہے۔ میں تو موسلا دھار بارش کی طرح لوگوں کو مال دوں۔ اگر وہ اچھے لوگوں کو پہنچے گا تو وہ اس کے مستحق تھے' اگر بروں کو پہنچے گا تو بھی میری شان کے لائق ہے۔

سخیوں کی کہانیاں: محمد بن المنکدر ام درہ سے روایت کرتے ہیں' ام درہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ تھی۔ فرمایا کہ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک لاکھ اسی ہزار دینار بھیجے۔ بی بی صاحبہ نے سب کو فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا۔ جب شام ہوئی' مجھے کہا کہ افطاری لاؤ۔ میں نے روٹی اور زیتون کا تیل سامنے رکھ دیا اور عرض کی کہ آج آپ نے اتنا مال تقسیم فرمایا' آپ سے یہ نہ ہو سکا کہ افطار کے لیے ایک درھم کا گوشت منگوا لیتیں۔ بی بی نے فرمایا کہ اگر تم پہلے سے کہتیں تو میں ایسے کرتی۔

(1) ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی نے چاہا کہ وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو ضرر پہنچائے۔ اس نے سرداران قریش کو کہا کہ عبداللہ بن عباس نے آپ لوگوں کی دعوت کی ہے کہ صبح کا کھانا ان کے یہاں کھائیں۔ تمام قریش نے عمل کیا۔ صبح کو تمام سرداران قریش حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے گھر جمع ہو گئے۔ آپ نے ان سے

ا۔ عمر ثانی کے والد یعنی جو امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیز کے نام سے مشہور ہیں وہ عبدالعزیز یہی ہیں۔ (اویسی)

تشریف آوری کا حال پوچھا۔ انہوں نے دعوت کا بیان کیا کہ آپ کا پیام فلاں کی معرفت پہنچا۔ آپ نے اسی وقت کھانے کا انتظام کیا کہ فوراً میوہ جات منگوا کر ان کے سامنے رکھ دیئے اور نوکروں کو کھانا پکانے کے لیے فرما دیا۔ ابھی میوے کھا رہے تھے کہ دستر خوان بچھایا گیا اور سب کھا پی کر چلے گئے۔ آپ نے اپنے خدام سے پوچھا کہ جس قدر آج خرچ ہوا ہے، اتنا روزانہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا، ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تو انہیں کہہ دو کہ روزانہ یہ لوگ صبح کو یہاں کھانا کھایا کریں۔

(3) حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حج کو تشریف لے گئے اور وہاں سے واپسی پر مدینہ منورہ کا ارادہ کیا۔ جب مدینہ شریف داخل ہوئے تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات نہ کرنا۔ جب وہ مدینہ منورہ سے نکلے تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہم پر قرض ہے، ہم ضرور ان سے ملیں گے۔ چنانچہ سوار ہو کر تشریف لے گئے اور السلام علیکم کہہ کر اپنے قرض کا ذکر کیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس اسی ہزار دینار کہیں سے آئے اور وہ اونٹنی پر لاد کر لائے گئے اور اونٹنی پر اتنا بوجھ تھا کہ وہ چل نہ سکتی تھی۔ لانے والے اونٹنی کو ہانک کر لائے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا، یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اسی ہزار دینار ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اونٹنی سمیت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا دو۔

(4) واقد اپنے باپ محمد واقدی کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے خلیفہ مامون کو خط لکھا کہ مجھ پر بہت قرض ہے، اب مجھ سے صبر نہیں کیا جا سکتا۔ خلیفہ نے اس کی پشت پر لکھا کہ آپ ایسے خوش بخت انسان ہیں کہ آپ میں دو عادتیں ہیں، سخاوت اور حیا۔ سخاوت کی وجہ سے تو تمہارے پاس کچھ نہ رہا اور حیا کی وجہ سے تم نے کبھی ہمیں اپنا حال نہ بتایا۔ ایک لاکھ درہم پیش خدمت ہیں۔ اگر آپ کی کوئی اور ضرورت ہو تو بتاؤ، تمہیں یاد ہوگا کہ جب تم ہارون الرشید کے قاضی تھے۔ ایک حدیث آپ نے مجھ سے بیان کی تھی کہ محمد بن اسحاق زہری سے راوی ہے اور زہری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے زبیر جان لے کہ بندوں کے لیے رزق کی کنجیاں عرش کے بالمقابل ہیں، جس قدر کوئی بندہ خرچ کرتا ہے، اس قدر اللہ تعالیٰ اسے بھیج دیتا ہے۔ جو زیادہ خرچ کرتا ہے، اس کے لیے زیادہ اور جو کم کرتا ہے، اس کے لیے کم اور آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ واقدی کہتے ہیں کہ بخدا مجھے خلیفہ مامون کے ایک لاکھ درہم اتنے محبوب لگے جتنا اس کا مضمون حدیث یاد دلاتا۔

(5) کسی نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے ایک ضرورت کا سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے مجھ سے سوال کیا، اس کا حق مجھ پر بہت زیادہ ہے اور مجھے یہ جاننا بھی دشوار ہے کہ تجھے کیا دینا چاہیے اور جس قدر کا تو لائق ہے، اتنا میرے پاس نہیں۔ علاوہ اس کے اللہ کی راہ میں بہت دینا بھی کم ہے۔ میرے قبضہ میں تیری ضرورت کے موافق تو نہیں مگر جو تھوڑے پر قناعت کرے اور مجھے زیادہ دینے کے لیے کسی تکلف اور حیلہ کی ضرورت نہ پڑنے دے تو البتہ جس

قدر موجود ہے' حاضر کروں۔ اس نے عرض کیا اے ابن رسول اللہ جو آپ دیں گے' مجھے قبول ہے۔ اگر آپ نہ دیں گے تو ممنون ہوں گا اور آپ کو معذور سمجھوں گا۔ آپ نے اپنے خادم کو بلایا اور اس سے اپنے خرچ کا حساب کر کے فرمایا کہ تین لاکھ درہم میں سے جتنا باقی ہو' لے آؤ۔ خادم پچاس ہزار درہم لایا۔ آپ نے فرمایا کہ پانچ سو دینار بھی تو تھے' اس نے کہا کہ وہ بھی موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا' وہ بھی لے آؤ۔ آپ نے وہ تمام دینار و درھم اس سائل کے حوالے کر کے کہا کہ ان کے اٹھانے کے لیے مزدور لاؤ۔ جب وہ مزدور آئے' آپ نے اپنی چادر مزدوری میں ان مزدوروں کے حوالے کی۔ آپ کے خادموں نے عرض کی' اب ہمارے پاس نہ دینار ہے' نہ درہم۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ثواب بہت بڑا عنایت فرمائے گا۔

(6) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بصرہ کے عامل تھے۔ آپ کے ہاں وہاں کے قراء جمع ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارا ایک ہمسایہ ہے' وہ دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو جاگتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم ویسے ہو جائیں۔ اس نے اپنی بیٹی کا نکاح اپنے بھتیجے سے کیا ہے اور وہ ایسا محتاج ہے کہ اس کے پاس اتنا بھی نہیں جو جہیز دے سکے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ لوگوں کو اپنے گھر میں لے گئے اور ایک صندوق کھول کر اس میں سے چھ تھیلیاں نکالیں اور فرمایا ان کو اٹھا لو' انہوں نے اٹھا لیں۔ پھر فرمایا کہ یہ اچھی بات نہیں کہ ہم ایک مسلمان کو ایسی چیز دیں جو اس کی شب بیداری اور روزہ میں خلل انداز ہو۔ چلو ہم سب اس کے مددگار و معاون ہو کر اس کی لڑکی کو رخصت کرا دیں۔ دنیا کی اتنی حقیقت نہیں کہ مومن کو اللہ کی عبادت سے روک لے لیکن ہم میں بھی اتنا تکبر نہیں کہ اولیاء اللہ کی خدمت نہ کریں۔ یہ کہہ کر آپ تمام ہمراہیوں کے ساتھ تشریف لے گئے اور اس کا کام سرانجام دیا۔

(7) عبدالحمید بن سعد کے عہد حکومت میں مصر میں قحط پڑا۔ انہوں نے کہا "بخدا! میں شیطان کو بتا دوں گا کہ میں اس کا دشمن ہوں۔" اسی لیے ایسے سخت دور میں تمام لوگوں کی ضروریات کو پورا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب تمام اثاثہ خرچ کر دیا تو سوداگروں سے دس ہزار درہم قرض لیا۔ اسی دوران اپنی بیویوں کے زیور رہن رکھے جس کی پچاس کروڑ درہم قیمت تھی۔ جب یہ زیور رہن سے نہ چھڑا سکے تو سوداگروں کو لکھا کہ زیور بیچ کر اپنا قرض پورا کر لو جو بچ جائے' وہ ایسے لوگوں کو دے دو جنہیں میری طرف سے کچھ نہیں پہنچا۔

(8) ابو طالب بن کثیر شیعہ تھا۔ کسی سائل نے سوال کیا کہ بحق مرتضیٰ علی رضی اللہ عنہ اپنا فلاں باغ مجھے دے دو۔ اس نے کہا کہ میں نے تجھے دیا بلکہ اس کے قریب والا باغ بھی۔ یہ پہلے باغ سے کئی گنا زیادہ تھا۔

(9) ابو مرثد سخی مرد تھا۔ کسی شاعر نے اس کی تعریف کی۔ اس نے کہا کہ بخدا میں تنگ دست ہوں' تجھے کچھ نہیں دے سکتا' ہاں یوں کیجئے کہ قاضی کے یہاں تو مجھ پر دس ہزار درہم کا دعویٰ دائر کر دے۔ میں اقرار کروں گا' پھر تو مجھے قید کرا دینا۔ میرے گھر والے مجھے اتنا روپیہ دے کر چھڑا لیں گے۔ شاعر نے ایسے ہی کیا' شام نہ ہوئی تھی کہ ابو مرثد کی برادری نے دس ہزار دے کر اسے چھڑا لیا۔

(10) معن بن زائدہ عراق کے حاکم بصرہ میں مقیم تھے۔ ان کے دروازہ پر ایک شاعر آیا اور مدت تک کوشاں رہا کہ کسی طرح ان کی ملاقات ہو مگر میسر نہ ہوئی۔ ایک دن ایک خادم سے کہا کہ جب امیر باغ میں تشریف لے جائیں تو مجھے آگاہ کر دینا۔ خادم نے آگاہ کیا' شاعر نے ایک شعر لکڑی پر لکھ کر اس نہر میں ڈال دیا جس کے کنارے امیر باغ سیر کر رہا تھا۔ امیر کی لکڑی پر نگاہ پڑی' اسے اٹھا کر دیکھا تو یہ شعر لکھا تھا:۔

ریا جود معن نا ج معنا بحاجتی= فما لی الی معن سواک شفیع

ترجمہ: "اے سخائے معن تو ہی اس سے کہہ میرا سوال کوئی اس تک نہیں پہنچا سکتا۔ اب تیرے سوا اس کے لیے میرا کوئی سفارشی نہیں۔ معن نے اسے پڑھ کر کہا کہ شاعر کو بلاؤ۔ جب وہ آیا تو اس سے کہا کہ تو نے شعر کس طرح کہا ہے' اس نے وہی شعر پڑھ دیا۔ امیر نے دس ہزار درہم دیئے اور لکڑی اپنے بچھونے کے نیچے رکھ لی۔ دوسرے دن اس کو نکال کر پڑھا اور شاعر کو بلا کر ایک لاکھ درہم دیئے۔ درہم لے کر اس نے سوچا کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں واپس لے لے' اسی خیال سے چل دیا۔ تیسرے روز امیر نے پھر اس شعر کو پڑھا اور شاعر کو بلایا۔ جب وہ نہ ملا تو کہا میرے اوپر واجب تھا کہ اس کو یہاں تک دوں کہ میرے گھر میں نہ دینار رہے نہ درہم۔

(11) ابوالحسن مدائنی کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن اور امام حسین اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم ایک دفعہ حج کے لیے روانہ ہوئے۔ راستہ میں اپنے سامان سے بچھڑ گئے۔ انہیں بھوک اور پیاس نے ستایا' راستہ میں ایک بڑھیا جھونپڑی میں بیٹھی تھی۔ تینوں صاحبزادوں کا اس پر گزر ہوا۔ اس نے پوچھا کہ تیرے پاس پانی ہے؟ کہاں ہاں۔ یہ سن کر سواریوں سے اتر پڑے اور اس کے پاس ایک چھوٹی سی بکری تھی' کہا کہ اس کا دودھ نکال کر پی لو۔ جب دودھ نکال کر پی لیا تو پوچھا کہ کچھ کھانے کو تیرے پاس ہے؟ اس نے عرض کیا' میرے پاس سوائے اس بکری کے اور کچھ نہیں۔ اگر تم میں سے کوئی اسے ذبح کر کے درست کر لے تو میں پکا دوں گی۔ ان میں سے ایک نے اسے ذبح کیا۔ بڑھیا نے کھانا تیار کر دیا۔ وہ حضرات کھا پی کر سیر ہوئے اور تین بجے تک بڑھیا کے ہاں ٹھہرے رہے۔ جب چلنے لگے تو بڑھیا سے فرمایا کہ ہم قریش ہیں' حج کو جا رہے ہیں۔ جب ہم سلامت پہنچیں تو تو ہمارے پاس آنا' ہم تیری خدمت کا صلہ دیں گے۔ یہ کہہ کر تشریف لے گئے۔ جب اس عورت کا خاوند واپس آیا تو بڑھیا نے ان حضرات کے تشریف لانے اور بکری ذبح کرنے کا حال سنایا۔ وہ سن کر ناراض ہوا کہ بکری اللہ جانے کس کو کھلا دی۔ پھر بعد مدت ان دونوں (مرد و عورت) کو مدینہ شریف حاضری کا اتفاق ہوا' وہاں اونٹ کی مینگنیاں جمع کر کے انہیں بیچ کر گزارہ کرتے۔ اتفاقاً ایک دن بڑھیا وہاں جا نکلی جہاں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے دروازے پر رونق افروز تھے۔ آپ نے بڑھیا کو پہچان لیا۔ خادم کو بھیج کر بڑھیا کو بلا کر پوچھا' کیا تو مجھے پہچانتی ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا میں وہ ہوں جو فلاں دن تیرے یہاں مہمان ہوا تھا۔ اس نے عرض کیا' میرے ماں باپ آپ پر قربان' آپ وہی ہیں۔ پھر آپ نے ایک ہزار بکری اور ایک ہزار دینار بڑھیا کو دے کر اپنے خادم کے ہاتھ امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ انہوں نے

بڑھیا سے پوچھا' میرے بھائی نے کیا دیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ایک ہزار دینار اور ایک ہزار بکری۔ آپ نے بھی اتنا دیا اور اپنے خادم کے ساتھ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس روانہ کر دیا۔ انہوں نے پوچھا کہ حسنین رضی اللہ عنہم نے کیا دیا؟ کہا دو ہزار دینار اور دو ہزار بکریاں۔ انہوں نے دو ہزار بکریاں اور دو ہزار دینار دیئے اور فرمایا کہ اگر تو پہلے میرے پاس آتی تو میں اتنا دیتا کہ حسنین رضی اللہ عنہم کو دینا مشکل ہوتا۔ بڑھیا چار ہزار بکریاں اور چار ہزار دینار لے کر اپنے خاوند کے پاس آئی اور کہا کہ یہ اس بکری کا بدلہ ہے جسے سرداران قریش نے کھایا (اور تو ناراض ہو گیا تھا)

(12) ایک دن عبداللہ بن عامر بن کریز مسجد سے تنہا اپنے گھر جا رہے تھے کہ ثقیف کی قوم سے ایک لڑکا ان کے پیچھے ہو لیا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا تجھے کوئی کام ہے؟ عرض کیا نہیں۔ آپ تنہا جا رہے ہیں' میں ساتھ ہو لیا کہ خدانخواستہ راستہ میں اگر آپ پر کوئی حملہ کرے تو میں اس کا دفاع کروں گا۔ عبداللہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور گھر پہنچ کر ایک ہزار دینار عنایت فرمایا اور کہا کہ تیرے اساتذہ نے تیری خوب تربیت کی ہے۔ یہ دینار تیری ضرورت کے لیے ہیں۔

(13) قافلہ عرب کا اپنی قوم کے کسی سخی کی قبر کی زیارت کو گیا اور دور سے چل کر وہاں پہنچا' تمام لوگ اس کی قبر کے پاس ٹھہر گئے۔ اس سخی کے یہاں ایک عمدہ گھوڑا تھا جو تمام قوم میں مشہور تھا۔ جب یہ لوگ رات کو سوئے تو ان میں سے ایک نے اہل قبر کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہتا ہے کہ تو اپنا اونٹ میرے گھوڑے سے تبدیل کر لے تو میں گھوڑا تجھے دے دوں اور اونٹ لے کر تم لوگوں کی ضیافت کروں۔ اس نے جواب دیا' ٹھیک ہے۔ پھر دیکھا کہ وہ مردہ اس اونٹ کی طرف گیا اور اس کو ذبح کر ڈالا اور یہ اونٹ خوب موٹا تھا۔ اسی دوران اس شخص کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا کہ اونٹ کی گردن سے خون جاری ہے۔ اس نے اٹھ کر اسے ذبح کیا اور صاف کر کے گوشت قافلہ میں تقسیم کر دیا۔ سب کھا کر وہاں سے لوٹے۔ دوسرے دن راستہ میں ان کو چند سوار ملے۔ ان میں سے ایک نے قافلہ والوں سے پوچھا کہ تم میں فلاں نام والا کون ہے' اسی کا نام لیا جس نے خواب دیکھا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ وہ میں ہوں۔ اس سوار نے کہا کہ تم نے فلاں مزار والے کے ہاتھ میں کچھ بیچا ہے۔ اس نے کہا کہ خواب میں' میں نے اپنا اونٹ اس کے ہاتھ گھوڑے کے بدلے میں بیچا ہے۔ اس نے کہا لیجئے' یہ اس کا گھوڑا ہے اور کہا کہ اہل قبر میرا باپ ہے۔ رات کو اس نے خواب میں مجھ سے کہا کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو یہ گھوڑا فلاں شخص کو دے دے۔ میں نے تعمیل حکم کی ہے۔ اھ (اس واقعہ میں اہلسنت (بریلوی) کے عقیدہ کی تائید ہے کہ موت مٹنے کا نام نہیں بلکہ قلب مکانی ہے۔ (اویسی غفرلہ)

(14) ایک قریشی کا ایک ایسے عرب پر گزر ہوا جو راستہ پر اپاہج اور شدت افلاس اور مرض مہلک سے پڑا تھا۔ قریشی کو دیکھ کر کہنے لگا' جناب میری مدد کیجئے۔ اس نے اپنے غلام سے کہا کہ جو کچھ ہے اسے دیدو۔ غلام نے چار ہزار درھم اس کی گود میں ڈال دیئے۔ اس نے چاہا کہ ان کو لے کر اٹھے مگر ضعف کی وجہ سے نہ اٹھ سکا۔ اس حالت میں رو

پڑا۔ قریشی نے پوچھا کہ شاید تو اس لیے روتا ہے کہ میں نے جو دیا' وہ کم ہے۔ اس نے کہا نہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ مجھے یہ یاد آگیا کہ زمین تیرے عطا کردہ مال کو کھا جائے گی۔

(15) عبداللہ بن عامر نے خالد بن عقبہ سے ان کا گھر مکان (بازار میں تھا) نوے ہزار دینار میں خرید لیا۔ جب رات ہوئی' خالد کے گھر والوں کے رونے کی آواز عبداللہ کے کان میں سنائی دی۔ پوچھا کہ یہ کیوں روتے ہیں؟ لوگوں نے کہا اپنے مکان کے لیے۔ آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ ان کے پاس جا کر کہہ دو کہ مال اور مکان سب تمہارا ہے۔

(16) خلیفہ ہارون الرشید نے حضرت امام مالک بن انسؒ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پانچ سو درہم بھیجے۔ یہ خبر لیث بن سعد کو پہنچی۔ انہوں نے ان کی خدمت میں ہزار دینار روانہ کیے۔ ہارون الرشید نے لیث کو بلا کر عتاب کیا کہ تم ہمارے ماتحت ہو۔ ہم نے پانچ سو بھیجے تم نے ہزار دینار روانہ کیے۔ انہوں نے کہا کہ امیر المومنین میرے پاس روزانہ ہزار دینار کا غلہ آتا ہے۔ مجھے شرم آئی کہ ایسے شخص کو ایک دن کی آمدنی سے کم دوں۔

فائدہ :- لیث بن سعد کی سخاوت مشہور ہے۔ یہی وجہ تھی کہ باوجود ہزار روپیہ آمدنی روزانہ کے ان پر زکوٰۃ واجب نہ تھی۔

(17) ایک دفعہ کسی عورت نے لیث سے تھوڑا سا شہد مانگا تو انہوں نے شہد کا مشک اسے دیا۔ کسی نے پوچھا کہ اس کا کام تھوڑے سے شہد سے بن جاتا۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے اپنی ضرورت کے مطابق مانگا تھا' ہم نے اس قدر دیا جس قدر اللہ تعالیٰ نے ہم پر نعمت کی ہے۔

فائدہ :- لیث کا دستور تھا کہ روزانہ تین سو ساٹھ مسکینوں کو کھانا اور صدقہ دیتے تھے۔

(18) اعمش بیان کرتے ہیں کہ میری ایک بکری تھی' وہ بیمار ہوئی۔ خیثمہ بن عبدالرحمٰن صبح و شام پوچھتے کہ گھاس کھاتی ہے یا نہ۔ اس کے بچے دودھ کے بغیر کیسے گزارتے ہیں اور یہ کہہ کر فرمایا کہ میرے بچھونے کے نیچے سے جو کچھ ہو' نکال لینا۔ بکری کی بیماری کے دنوں میں آپ نے میرے پاس تین سو دینار سے زیادہ بھیجے یہاں تک کہ میرے دل میں آرزو تھی کہ کسی طرح یہ بکری بیمار ہی رہے تو بہتر ہے (کیونکہ مفت میں بہت سا مال مل رہا تھا)

(19) حکایت :- عبدالملک بن مروان نے اسماء بنت خارجہ سے کہا "مجھے تمہاری چند خصلتوں کی خبر پہنچی ہے۔ مجھے بیان کرو۔ انہوں نے کہا کہ وہ باتیں اگر غیر سے سنتے تو مجھ سے سننے کی بہ نسبت بہتر ہوتا۔ خلیفہ نے قسم دلائی کہ تم ہی کہو۔ انہوں نے کہا کہ اے امیر المومنین میں نے کبھی اپنے ہم نشین کے سامنے پاؤں نہیں پھیلائے اور جب کبھی میں نے کھانا پکا کر لوگوں کی دعوت کی ہے تو جس قدر میرا احسان ان پر ہوا' اس سے زیادہ میں نے ان کا احسان اپنے اوپر سمجھا اور جب کبھی کوئی مجھ سے کچھ مانگنے آیا تو جو کچھ میں نے اس کو دیا زیادہ نہیں سمجھا۔

(20) سعد بن خالد جو سخی مشہور تھا' سلیمان بن عبدالمالک کے پاس آیا۔ اس کا دستور یہ تھا کہ اگر دینے کو کچھ نہ پاتا تو

سائل کو لکھ دیتا کہ جب مجھے کہیں سے کچھ ملے گا' میں اتنا روپیہ تجھے ادا کروں گا۔ خلیفہ نے اس کی صورت دیکھ کر پوچھا کہ کیا ضرورت ہے؟ کہا کہ میرے ذمہ قرض ہے۔ پوچھا کتنا ہے؟ کہا کہ تیس ہزار۔ فرمایا تیس ہزار تیرے قرض کے اور اتنے ہی اور دیئے جائیں گے۔ سائل نے سلیمان سے کہا کہ آپ اس شعر کے مصداق ہیں :-

انی سمعت مع الصباح منا دیا یا من یعین علی الفتی المعودت

ترجمہ "میں نے صبح کے وقت منادی سے سنا کہ اے وہ نوجوان کی مدد کرنے والے۔"

(21) قیس بن سعد بن عبادہ بیمار ہو گئے۔ ان کے دوست ان کی عیادت کو نہ آئے۔ انہوں نے سبب پوچھا تو لوگوں نے کہا کہ چونکہ تمہارا قرض ان کے ذمہ ہے' اس لیے تیرے پاس آنے سے شرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ مال کو ذلیل کرے' یہ بھائیوں سے بھی نہیں ملنے دیتا۔ پھر ایک منادی کو کہا کہ یوں اعلان کر دے کہ قیس بن سعد کا جس کے ذمہ قرض ہے۔ وہ معاف ہے' اس کو سنتے ہی لوگ کثرت سے آئے یہاں تک کہ آپ کے گھر کی سیڑھی ٹوٹ گئی۔

(22) ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے ایک قرض خواہ کی تلاش میں فجر کی نماز مسجد کوفہ میں پڑھی۔ جب فارغ ہوا تو کسی نے ایک جوڑا کپڑوں کا اور ایک جوڑا جوتے کا میرے سامنے رکھا۔ میں نے کہا کہ میں تو کوفہ سے باہر کا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کوئی حرج نہیں' آپ لے لیں کیونکہ اشعث بن قیس گزشتہ شب مکہ سے کوفہ میں آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اعلان کیا ہے کہ ہر نمازی کو ایک جوڑا کپڑوں کا اور جوتے عطا کیے جائیں۔

(23) شیخ ابو سعید خرکوشی نیشاپوری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن حافظ محمد سے سنا ہے کہ وہ شافعی مجاور مکہ کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ مصر میں ایک شخص تھا کہ فقراء کے لیے کچھ چندہ کر دیا کرتا تھا۔ اتفاقاً" ایک شخص کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ وہ اس کے پاس آکر کہنے لگا کہ میرے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے اور اس وقت میرے پاس کچھ نہیں۔ یہ سنتے ہی وہ شخص اس کے ساتھ ہو کر بہت سے لوگوں کے پاس لے گیا۔ کہیں سے کچھ نہ ملا۔ پھر ایک آدمی کی قبر پر آکر بیٹھا اور کہنے لگا کہ اللہ تجھے بخشے تو میری زندگی میں بہت کچھ دیا کرتا تھا۔ آج میں تمام لوگوں کے پاس گیا اور اس شخص کے لیے بہت سی کوشش کی لیکن خالی لوٹا۔ (اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اے صاحب قبر اب تو ہی کچھ دے)۔ یہ کہہ کر ایک دینار نکال کر آدھا کر کے سائل کو دیا اور کہا کہ یہ قرض ہے' جب تمہارے پاس آجائے ادا کر دینا۔ وہ شخص ادھار دینار لے کر گھر پہنچا اور ضرورت پوری کی۔ رات کو اس مصری چندہ جمع کرنے والے نے قبر والے کو خواب میں دیکھا۔ وہ کہہ رہا ہے جو کچھ تو نے مجھے قبر پر کہا' وہ میں نے سنا مگر چونکہ مجھے اس کی اجازت نہ تھی' اس لیے جواب نہ دیا۔ اب گزارش ہے کہ تم میرے مکان پر جا کر میری اولاد سے کہو کہ چولہے کے نیچے سے کھودیں' وہاں سے ایک برتن میں پانچ سو دینار نکلیں گے' ان سے اس لڑکے والے کو دے دو۔ جب صبح ہوئی تو وہ شخص قبر والے کی اولاد کے پاس گئے اور خواب کا قصہ بیان کیا۔ انہوں نے وہ جگہ کھودی اور دینار پیش کر کے کہا کہ

لے جاؤ۔ اس نے جواب دیا کہ یہ تمہارا مال ہے' میرے خواب کا کیا اعتبار ہے۔ انہوں نے کہا کہ مال والا تو مرنے پر سخاوت کرتا ہے' ہم جیتے جی کیسے نہ کریں۔ اس شخص نے دینار لے لیے اور لڑکے والے کو پیش کیے اور تمام ماجرا بیان کرکے کہا کہ یہ تمہارا مال ہے جیسے چاہو خرچ کرو۔ اس نے ایک دینار لے کر نصف تو اس شخص کا قرض دیا اور نصف اپنے پاس رکھ کر کہا' مجھے کافی ہے باقی فقیروں کو دے دو۔

فائدہ: ابو سعد راوی کہتے ہیں کہ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ ان میں زیادہ سخی کس کو کہنا چاہیے۔

(24) حکایت :۔ حضرت شافعی رحمتہ اللہ علیہ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو وصیت کی کہ فلاں شخص مجھے غسل دے۔ بعد وفات اس کو حال وصیت سنائی گئی۔ وہ شخص آیا اور ان کے خرچ کا کھاتہ منگا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ان کے ذمہ ستر ہزار درہم قرض ہیں' اسی وقت ان کے نام کا قرض اپنے نام کر لیے اور کہا کہ ان کی مراد میرے غسل سے یہی تھی کہ میں قرض سے ان کو آزاد کرادوں۔

(25) ابو سعید واعظ جرکوشی علیہ الرحمتہ کہتے ہیں کہ جب میں مصر گیا تو اس شخص کا گھر تلاش کیا۔ لوگوں کے بتلانے سے مکان پر گیا تو اس کی اولاد اور پوتوں میں سے بعض کو دیکھا۔ بمطابق آیت کریمہ کان ابوھما صالحا ( ) "ان کا باپ صالح تھا۔" سب کے چہرے آثار خیر و فضل سے نمایاں تھے اور ان کے باپ کی خیر و برکت ان میں اثر کر گئی تھی۔

(26) امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے جب سے حماد بن ابی سلیمان کی خبر پہنچی ہے' اس وقت سے میں ان سے ہمیشہ محبت کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ ایک روز وہ سوار ہو کر جا رہے تھے کہ حرکت سے تسمہ ٹوٹ گیا۔ راستہ میں ایک درزی کپڑے سیتا تھا' چاہا کہ اتر کر اس کو درست کرالیں۔ درزی نے قسم دلائی کہ آپ نہ اتریں اور خود ان کے ٹانکنے کو کھڑا ہو گیا اور درست کر دیا۔ انہوں نے اس کو دس دینار دیئے اور معذرت کرنے لگے کہ یہ تھوڑا سا ہدیہ ہے اور یہ شعر پڑھے :۔

یالھف قلبی علی مال اجودبہ علے المقین من اہل اعروات مکان اعتذاری الی من جاء یسالنی مالیس عندی لمن احدی المعیبات۔ ترجمہ :اے افسوس کہ میں مال کی سخاوت کرتا ہوں ان پر جو اہل مروت ہیں۔ میرا عذر ہے ان کے ہاں جو میرے پاس سوال لے کر آتے ہیں۔ اس کا جو میرے ہاں نہیں اور یہ میرے لیے ایک مصیبت ہے۔"

(27) ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ ایک شخص نے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کی رکاب پکڑی۔ آپ نے ربیع سے کہا کہ اس کو چار دینار دو اور میری طرف سے معذرت کرو اور ربیع حمیدی کی زبانی یہ قصہ یوں بیان کیا کرتے ہیں کہ جب صنعاء سے مکہ کو تشریف لائے تو مکہ مکرمہ سے باہر آپ نے ڈیرہ ڈالا اور دس ہزار دینار آپ کے پاس تھے۔ ان کو ایک چادر پر پھیلایا' پھر جو بھی آپ کے پاس حاضر ہوتا' مٹھی بھر بھر کر دیتے گئے یہاں تک کہ انہیں ختم کرکے نماز

ظہر پڑھی۔

(28) حضرت ابی ثور رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے مکہ مکرمہ کو جانا چاہا تو ان کے پاس مال تھا۔ میں نے کہا کہ آپ اگر اس مال کے بدلے کوئی جائیداد خرید لیں تو آپ کی اولاد کے کام آئے۔ آپ مکہ تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس لوٹے تو میں نے مال کا حال پوچھا فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں تو کوئی جائیداد مجھے نہ ملی اس لیے کہ اکثر وہاں کی جائیداد وقف ہے اس کا خریدنا جائز نہیں مگر منیٰ میں ایک قیام گاہ بنا کر آیا ہوں تاکہ حجاج حج کے ایام اسی میں قیام کریں۔ اس کے بعد دو شعر پڑھے اری نفسی تنوق الی امور' یقصر دون مبلغھن بالی ففی لا طعاوعنی بجخل' ومالی یا یبلغنی فعالی ترجمہ: میں اپنے نفس کو دیکھتا ہوں کہ وہ چند امور کی طرف شوق کرتا ہے جن تک پہنچنے سے میرا مال قاصر ہے۔ میرا نفس بخل کی اطاعت نہیں اور میرا مال میرے مقصد تک نہیں پہنچ سکتا۔

(29) حکایت: محمد بن عباد مھلبی کہتے ہیں کہ میرے والد گرامی خلیفہ مامون کے پاس گئے خلیفہ نے انہیں ایک لاکھ درہم دیئے۔ خلیفہ سے واپسی پر انہوں نے سب خیرات کر ڈالے۔ خلیفہ کو خبر پہنچی بلا کر عتاب کیا۔ میرے والد گرامی نے عرض کیا اے امیر المومنین موجود چیز نہ دینے سے معبود کی طرف بدگمانی ہوتی ہے۔ خلیفہ نے خوش ہو کر دو لاکھ اور دے دیئے۔

حکایت: کسی نے حضرت سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ سے کچھ مانگا آپ نے ایک لاکھ درہم دیئے وہ شخص رونے لگا آپ نے سبب پوچھا کہا کہ اس لیے روتا ہوں کہ زمین تجھ جیسے کو بھی نہ چھوڑے گی یہ سن کر ایک لاکھ اور دے دیئے۔

حکایت 31: ابو تمام شاعر ابراہیم بن شکلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قصیدہ مدیحہ لے گیا۔ ابراہیم بیمار تھے۔ قصیدہ رکھ لیا اور اپنے دربان سے کہا کہ اس کی شان کے لائق اسے دیدو اور کہہ دو اگر میں نے مرض سے صحت پائی تو اس کا بدلہ ادا کروں گا۔ وہ شاعر دو مہینہ تک اسی توقع میں رہا بالآخر امیر کو لکھا ان حراما قبول مدحتنا و ترک ما ترتجی من الصفد کمارن الدارھم والدنیا نیر فی البیبع حرام الا یدا بید ترجمہ: ہماری مدح قبول کرنا حرام ہے اور انعام کی امید کا ترک ایسے حرام ہے جیسے دراہم و دینار کو بیچنا حرام ہے۔ سوائے دست بدستی بیع کے

فائدہ: حضرت ابراہیم بن شکلہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جب یہ دو بیت پہنچے تو دربان سے پوچھا اسے یہاں کتنا عرصہ ہوا ہے۔ دربان نے کہا دو بارہ ابراہیم نے تیس ہزار بھیجے اور قلم دوات منگوا کر یہ دو شعر بھی لکھ کر بھیج دیئے۔ اعجلتنا فاناک عاجل برنا' قلا ولوامھلتنا لم تقلا فخذ القلیل وکن کانک لم تقل' ونقول نحن کاننا لم نفعل ترجمہ: تو نے جلدی کی اسی لیے جلدی سے ہماری عطا تھوڑی سی تیرے ہاں کر رہی ہے۔ اگر تو ہمیں مہلت دیتا تو یہ قلیل عطا نہ آتی۔ لیجئے قلیل عطا اور ایسے ہو جا گویا تو نے ہمیں کہا ہی نہیں اور ہم کہیں گے کہ گویا ہم نے کچھ کیا ہی نہیں۔

حکایت 32: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پچاس ہزار درہم حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے لینے تھے۔ ایک دن حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ مسجد کو تشریف لے جا رہے تھے کہ حضرت طلحہ ﷺ نے فرمایا کہ آپ کا قرض حاضر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ میں نے آپ کو دیا تاکہ آپ کی ضرورت پوری ہو (یعنی یہ آپ کا ہدیہ ہے آپ لے جایئے)

حکایت 33: حضرت سعدی بنت عوف رضی اللہ عنہا کہتی ہے کہ میں ایک دن حضرت طلحہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ کی طبیعت مکدر دیکھ کر میں نے پوچھا کہ کیا حال ہے فرمایا کہ میرے پاس کچھ مال جمع ہوگیا ہے۔ اس کا تردد ہے۔ میں نے کہا کہ تردد کی کیا بات ہے اپنی قوم پر بانٹ دو۔ آپ نے غلام کو بھیج کر اقربا کو بلوا کر تمام مال تقسیم کر دیا میں نے خادم سے پوچھا کہ مال کتنا تھا کہا کہ چار لاکھ

حکایت 34: ایک اعرابی نے حضرت طلحہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا اور اپنی قرابت رشتہ داری بھی بیان کی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے قرابت کی وجہ سے آج تک کسی نے نہیں مانگا تھا میرے پاس ایک قطعہ زمین ہے جس کی قیمت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تین لاکھ درہم دیتے ہیں۔ اگر تو چاہے تو وہ زمین لے لے ورنہ اس کا دام دیدوں۔ اس نے دام طلب کیے۔ آپؓ نے وہ زمین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بیچ ڈالی۔ اس کے دام لیکر اعرابی کو دیدیئے۔

حکایت 35: حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ روئے۔ لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ سات دن سے میرے ہاں کوئی مہمان نہیں آیا۔ مجھے خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو۔

حکایت 36: ایک صاحب اپنے دوست کے دروازے پر گئے اور دستک دی۔ اس نے پوچھا کیسے آنا ہوا کہا کہ میرے ذمہ چار سو درہم ہیں۔ چار سو درہم اس کے حوالہ کرکے گھر میں روتا ہوا آیا۔ بیوی نے کہا کہ اگر دینا ناگوار تھا تو تو نے نہ دیئے ہوتے۔ اس نے کہا کہ میں اس لیے روتا ہوں کہ اس کا حال سن کر نہ دیتا بلکہ میں خود اسے تلاش کرتا کہ اسے مانگنے کی ضرورت بھی نہ ہوتی۔

مذمت بخل: قرآنی آیت نمبر1 ومن یوق شح نفسہ فاؤلٰک ھم المفلحون (التغابن 16' پ 28) ترجمہ کنزالایمان: اور جو اپنی جان کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی فلاح پانے والے ہیں۔ آیت نمبر2: فرمایا ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتھم اللہ من فضلہ ھوا خیرا لھم بل ھو شر لھم سیطوقون مابخلوا بہ یوم القیمۃ (آل عمران 180' پ 4) ترجمہ کنزالایمان: اور جو بخل کرتے ہیں اس چیز میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دی ہرگز اسے اپنے لئے اچھا نہ سمجھیں بلکہ وہ ان کے لئے برا ہے۔ عنقریب وہ جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہو گا۔ آیت نمبر3 الذین یبخلون ویامرون الناس با لبخل (النساء 37' پ 5) ترجمہ کنزالایمان: جو آپ بخل کریں اور اوروں سے بخل کے لئے کہیں۔

احادیث مبارکہ (1) نبی پاک ﷺ نے فرمایا ایاکم والشح فانہ ھلک من کان قبلکم حملھم علی ان یسفکو

وما نھم و یسحلو امحارم بخل سے بچو اس لیے کہ اسی کی وجہ سے پہلے لوگ خونریزی اور حرام کو حلال جاننے میں مبتلا ہوئے (3) فرمایا لا یدخل الجنته بخیل و لا خب ولا خائن ولا سیسی الملکته اور بعض روایتوں میں ولا جبان ولا منان بھی آیا ہے (4) فرمایا ان اللّٰہ یبغض ثلثه الشیخ الزانی والبخیل المنان والمعیل المختال اور فرمایا ثلثه مھلکته شح مطاع وھوی ملکته واعجاب المر بنفسه (5) فرمایا خرچ کرنے والے اور بخیل کی مثال ان دو شخصوں کی ہے جن کے بدن پر دو قمیص لوہے کے ہوں۔ چھاتی سے لے کر گردن تک۔ خرچ کرنے والا جس قدر خرچ کرتا جاتا ہے وہ قمیص کھلتا جاتا ہے اور کڑیاں ڈھیلی ہوتی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ انگلیوں تک پہنچ جائے۔ بخیل جتنا خرچ میں بخل کرتا ہے اتنا ہی وہ قمیص سکڑتے ہیں جب گلا گھٹنے لگتا ہے تو پھیلنا چاہتا ہے۔ مگر پھیل نہیں سکتا (6) حضور سرور عالم ﷺ دعا مانگا کرتے اللھم انی اعوذبک من البخل واعوذبک ان اردالی ارذل العمر اے اللہ میں تیرے سے بخل سے اور ارزانی عمر سے پناہ مانگتا ہوں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ظلم سے بچو اس لیے کہ ظلم قیامت میں ظلمات بن جائے گا اور فحشی سے بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ فحش اور فحش گو دونوں ناپسند ہیں اور بخل سے بچنا چاہئے اس لیے کہ اس نے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا۔ ان کو بخل نے جھوٹ بولنے کا کہا تو جھوٹ بولے۔ ظلم کرنے کو کہا تو ظلم کیا۔ قطع رحم کرنے کو کہا تو ویسے کیا۔ حدیث میں ہے شرما فی الرجل شح ھالع وجبن خالع ترجمہ : انسان میں دو صفتیں بری ہیں (1) بخل (2) بزدلی شدید۔ حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں ایک شخص شہید ہوا تو اس کی زوجہ عورت نے روتے ہوئے کہا۔ ہائے میرا شہید آپ نے فرمایا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ یہ شہید ہے۔ شاید اس نے کلام بے فائدہ کیا ہو یا ایسی چیز پر بخل کیا ہو جو دینے سے کم نہ ہوتی ہو۔ حضرت جبران بن معظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ حنین سے واپسی کے وقت ہم حضور اکرم ﷺ کے ساتھ آرہے تھے کہ چند اعراب نے آپ سے کچھ مانگا اور یہاں تک مجبور کیا کہ آپ ایک ببول کے درخت تک چلے گئے۔ آپ کی چادر مبارک الجھ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری چادر مجھے دیدو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ان کانٹوں کی گنتی پر میرے پاس جانور ہوں تو میں تمہیں دے ڈالوں۔ پھر تم مجھے بخیل نہ پاؤ اور نہ جھوٹا اور نہ بزدل۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک دن مال تقسیم کیا۔ میں نے عرض کیا کہ ان لوگوں کی بہ نسبت اور لوگ بھی اس مال کے زیادہ مستحق ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کے لیے مجھے ان دو باتوں میں اختیار ہے یا تو برا بھلا کہہ کر مانگ لیں یا مجھے بخیل کہیں۔ مگر میں بخل نہیں کرتا یعنی بخیل نہ کہلانے پر ان کی سخت گوئی پر صبر کرتا ہوں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دو آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اونٹ کی قیمت مانگی آپ نے انہیں دو دینار دیئے۔ جب وہ چلے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے ملے۔ انہوں نے حضور ﷺ کی تعریف کی اور شکریہ ادا کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ آپ نے ان سے کیا سلوک کیا۔ آپ نے فرمایا انہوں نے باوجود قلت عطا کے ایسا کہا لیکن فلاں کو میں نے دس سے

زیادہ اور سوسے سے بھی کم دیئے مگراس نے کچھ نہ کہا۔ بعض لوگ مانگنے آتے ہیں مگر جب منہ مانگی مراد لے کر جاتے ہیں تو گویا دوزخ کی آگ ان کی بغل میں ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پھر جو شے دوزخ کی آگ ہے وہ آپ کیوں دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ مانگے بغیر نہیں مانتے اور میرا اللہ میرا بخل نہیں سہتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تم سخاوت کرو۔ اللہ تعالیٰ تم پر سخاوت کرے گا۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے بخشش کو ایک درخت کی شکل میں پیدا کیا اور اس کی جڑ درخت طوبیٰ کی جڑ میں مضبوط کی اور اس کی ٹہنیوں کو سدرۃ المنتھی کی شاخوں میں باندھ لیا اور بعض ٹہنیوں کو دنیا میں لٹکا دیا تو جو اس کی شاخ سے لپٹ گیا جنت میں داخل ہوا جان لو کہ سخاوت ایمان میں سے ہے اور ایمان جنت میں جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے بخل کو اپنے غضب سے پیدا کیا۔ اس کی جڑ دوزخ کے درخت زقوم کی جڑ میں داخل ہے اور اس کی کچھ ٹہنیوں کو دنیا میں جھکا دیا۔ جو اس کو پکڑ لیتا ہے وہ دوزخ میں جاتا ہے۔ یاد رکھو کہ بخل کفر کا ٹکڑا ہے اور کفر دوزخ میں جائے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ سخاوت وہ درخت ہے جو جنت میں اگتا ہے۔ پس جنت میں وہی داخل ہوگا جو سخی ہوگا اور بخل وہ درخت جو دوزخ میں ہوتا ہے تو دوزخ میں وہی جاتا ہے جو بخیل ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے بنی لیحان کے قاصدوں سے پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے۔ عرض کیا جد بن قیس لیکن وہ تھوڑا سا بخل رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا بخل سے زیادہ مرض اور کون سا ہوگا۔ تمہارا سردار وہ نہیں ہے بلکہ عمر بن جموح رضی اللہ عنہ (نمبر1) ہے۔ (ان کا تعارف حاشیہ پر دیکھئے) ایک اور روایت میں ہے۔ آپ نے پوچھا کہ تم اسے کس وجہ سے سردار جانتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس کے پاس ہم سب سے مال زیادہ ہے مگر بایں ہمہ ہم اسے بخیل بھی پاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بخل سے اور زیادہ کون سا مرض ہے۔ وہ تمہارا سردار نہیں ہے۔ انہوں نے کہا ہمارا سردار کون ہے۔ آپ نے فرمایا تمہار سردار بشیر بن البراء ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ان اللہ یبغض البخیل فی حیاتہ اسبغی عند موتہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا سخی گناہگار اللہ کے نزدیک عابد بخیل سے بہتر ہے۔ یہ حدیث بھی انہیں سے مروی ہے کہ بخل اور ایمان کسی کے دل میں جمع نہیں ہوتے اور یہ بھی فرمایا کہ دو عادتیں ایماندار میں جمع نہیں ہوتی بخل اور بدخلقی فرمایا لا ینبغی لمومن ان یکون بخیلًا ولا جبانًا فرمایا تم میں سے بعض کہنے والے کہتے ہیں کہ بخیل بہ نسبت ظالم کے معذور ہے حالانکہ اللہ کے نزدیک بخیل جنت میں جائے گا نہ وہ کنجوس جو اپنا مال اور دل سے روکتا ہے اور نہ وہ جو دوسروں کو مال خیرات کرتے وقت جلتا ہے۔

2۔ حضرت عمر بن الجموح رضی اللہ عنہ ایک پاؤں سے لنگڑے تھے۔ غزوہ احد میں جب وہ اپنے فرزندوں کے ساتھ جنگ میں آئے تو ان کے لنگڑے ہونے کی وجہ سے حضور ﷺ نے جنگ میں جانے سے روک دیا۔ گڑگڑاتے ہوئے عرض کی کہ مجھے جنگ کی اجازت مرحمت فرمائیے۔ میری تمنا ہے کہ میں لنگڑاتے ہوئے جنت میں چلا جاؤں۔ ان کی بے قراری اور گریہ وزاری دیکھ کر حضور ﷺ نے انہیں میدان میں اترنے کی

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

حدیث: ایک دفعہ حضور سرور عالم ﷺ نے طواف کعبہ کے وقت دیکھا کہ ایک شخص پردہ کعبہ پکڑ کر کہہ رہا ہے کہ الٰہی اس خانہ کعبہ کے طفیل میرے گناہ معاف فرما۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ تیرا کیا گناہ ہے۔ عرض کیا کہ میرا گناہ بیان نہیں ہو سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیرا گناہ زمین کے طبقات سے بھی زیادہ ہے کہا۔ ہاں پھر پوچھا کہ تیرا گناہ پہاڑوں سے بھی زیادہ ہے۔ عرض کیا ہاں۔ پھر پوچھا تیرا قصور زیادہ ہے یا سمندر۔ اس نے عرض کیا کہ میرا قصور۔ اس بھی زیادہ ہیں۔ پوچھا تیرا گناہ بڑھ کر ہے یا آسمان۔ عرض کیا کہ میرے گناہ ان سے بھی زیادہ ہیں۔ پھر پوچھا کہ تیرا قصور عرش سے بھی زیادہ ہیں۔ کہا ہاں۔ پھر پوچھا کہ تیرے گناہ اللہ تعالیٰ سے بھی اس نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بڑی ہے آپ نے فرمایا کہ تیرا برا ہو۔ اپنے قصور بیان کر۔ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں مالدار ہوں۔ جب سائل مانگنے آتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ گویا شعلہ آگ میرے سامنے ہے۔ آپ نے فرمایا تو مجھ سے دور ہو۔ اپنی آگ سے مجھے نہ جلا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے۔ اگر تو رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑے ہو کر دس لاکھ سال نماز پڑھے پھر اتنا روئے کہ تیرے آنسوؤں سے نہریں نکلیں اور تمام درخت سیراب ہو جائیں اور بخل کی حالت میں تیری موت ہو تو اللہ تعالیٰ تجھے اوندھے منہ دوزخ میں ڈالے گا۔ تیرا برا ہو کیا تجھے معلوم نہیں کہ بخل کفر کا ایک حصہ ہے اور کفر دوزخ میں جائے گا۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ (محمد 38) ترجمہ کنزالایمان: اور جو بخل کرے وہ اپنی ہی جان پر بخل کرتا ہے۔

اقوال اسلاف صالحین رحمتہ اللہ علیہم: (1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت

اجازت دیدی۔ اجازت پاتے ہی خوشی سے اچھل پڑے اور کافروں کے ہجوم میں گھس کر ایسی بے جگری کے ساتھ لڑے کہ صفیں درہم برہم ہوگئیں۔ دشمن کی فوجوں نے چاروں طرف سے گھیر کر ایسا زبردست حملہ کیا کہ وہ گھائل ہو کر زمین پر گر پڑے۔ یہاں تک کہ شہادت کی موت سے وہ سرفراز ہوئے۔ جنگ ختم ہوجانے کے بعد جب ان کی اہلیہ حضرت ہندان کا جنازہ اونٹ پر لاد کر جنت البقیع کی طرف لے جانا چاہا تو ہزار کوشش کے باوجود اونٹ ادھر کا رخ ہی نہیں کرتا تھا۔ بار بار میدان جنگ ہی کی طرف بھاگ کر جاتا تھا۔ جب حضور ﷺ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو حضرت ابن جموع رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کو بلوایا اور ان سے دریافت کیا۔ گھر سے نکلتے وقت کیا ابن جموع رضی اللہ عنہ نے کچھ کہا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی تھی۔ اللھم لا تعد نی الیٰ اھلی یااللہ مجھے میدان جنگ سے اپنے اہل و عیال کی طرف واپس نہ کرنا۔ ارشاد فرمایا کہ ان کی دعا قبول ہوگئی ہے۔ اب یہ اونٹ مدینے کی طرف نہیں جائے گا۔ ان کا جنازہ اسی میدان میں دفن کردو۔

فائدہ: اس واقعہ سے چند فوائد حاصل ہوئے (1) صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو شوق شہادت کتنا تھا (2) حضرت عمرو بن الجموع رضی اللہ عنہ کی دعا مستجاب ہوئی (3) ان کی کرامت کہ اونٹ واپس گھر جانے کا نام نہیں لیتا بالآخر انہیں میدان احد میں دفن کیا گیا۔ سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار کے زائرین ان کے مزار کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ (اویسی غفرلہ)

عدن پیدا کی تو اسے فرمایا کہ تو مزین ہو۔ وہ آراستہ ہوئی۔ پھر فرمایا کہ اپنی نہریں ظاہر کر اس نے چشمہ سلسبیل اور چشمہ کافور اور آب تسنیم نکالے جن سے باغ ہائے جنت سے شراب اور شہد اور دودھ کی نہریں بہنے لگیں۔ پھر ارشاد ہوا۔ اپنی کرسی اور تخت اور پردے اور زیور لباس اور حوریں ظاہر کر اس نے تعمیل ارشاد کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کچھ بول وہ بولی کہ جو مجھ میں رہے گا وہ کیا ہی بہتر ہوگا۔ ارشاد ہوا کہ قسم ہے مجھے اپنی عزت کی بخیل کو تجھ میں جگہ نہ دوں گا۔

(2) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کی ہمشیرہ فرماتی ہیں کہ افسوس ہے بخیل پر اگر بالفرض بخل کرتا ہوتا تو میں کبھی نہ پہنتی اگر راستہ ہوتا تو کبھی نہ چلتی

(3) حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں مال پر وہ صورت پیش ہوتی ہے جو بخیلوں کو لیکن ہم صبر کرتے ہیں یعنی سخاوت کروا لیتے ہیں۔ (4) حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلے یوں مشہور تھا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی برائی چاہتا تو ان پر ان سے بروں کو حاکم مقرر فرماتا ہے اور ان کا رزق ان کے بخیلوں کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ (5) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ عنقریب ایسا وقت آئے گا کہ ایماندار اپنا مال دانتوں سے چبائے گا حالانکہ اسے ایسا حکم نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ اور آپس میں فضل کو نہ بھلاؤ (6) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کنجوسی بخل سے سخت تر ہے اس لیے کہ کنجوس دوسرے کے مال پر بخل کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ مال بھی لے لے اور اپنا مال بھی خرچ نہ کرے اور بخیل وہ ہے جو صرف اپنے مال پر بخل کرتا ہے (7) حضرت شعبی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ جھوٹ اور بخل میں سے کون سا دوزخ کے نچلے حلقہ میں جائے گا (8) نوشیرواں عادل کے پاس دو حکیم' ہند' روم آئے اس نے ہندی حکیم سے کہا کیا کہتے ہو اس نے کہا کہ انسانوں میں بہتر وہ ہے جو ملاقات میں سخی ہو اور غصہ میں ہوشیار اور گفتگو میں غور فکر کرنے والا اور رفعت میں تواضع کرنے والا اور تمام رشتہ داروں پر شفقت کرنے والا۔ (2) رومی حکیم نے کہا کہ بخیل کا مال دشمن کو پہنچتا ہے اور جو شخص شکر کرنے والا نہ ہو اسے مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ مذموم ہوتا ہے اور چغل خور تنگ دست ہو کر مرتا ہے اور جو کسی دوسرے پر رحم نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اس پر ایسے کو مسلط کرتا ہے جو اس پر رحم نہ کرے۔ (8) حضرت ضحاک رحمتہ اللہ نے اس آیت اِنَّا جَعَلْنَا فِیْ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا ہم نے ان کی گردن میں طوق ڈالے کی تفسیر میں فرمایا کہ اغلال سے بخل مراد ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روک دیا ہے تو ان کو راہ ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ (9) حضرت کعب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر صبح کو دو فرشتے یوں اعلان کرتے ہیں کہ الٰہی بخیل کا مال جلد تباہ کر اور خرچ کرنے والے کے لیے اس کا عوض بھیج (10) حضرت اصمعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک اعرابی سے سنا کہ وہ کسی کی مذمت کر رہا تھا یوں کہہ رہا تھا کہ فلاں شخص میری نظروں میں حقیر ہو گیا اس لیے کہ دنیا اس کی نظروں میں بڑی ہے اور سائل کا سامنے آنا اسے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ گویا ملک الموت

آ گیا۔

(II) حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کسی بخیل کو عادل نہیں سمجھتا اس لیے کہ بخل کی وجہ سے انسان اپنے حق میں زیادہ لیا کرتا ہے۔ اس خوف سے کہیں خسارہ نہ ہو جس کا حال یہ ہو وہ امانت کے قابل نہیں ہے۔

(II) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بخدا سخی کبھی اپنا حق کامل نہیں لیتا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یعضہ واعرض عن بعض (3) حافظ کہتا ہے کہ لذات میں صرف تین چیزیں باقی ہیں (1) بخیلوں کو برا کہنا (2) بھنا گوشت کھانا (3) خارش کھجلانا (4) حضرت بشر بن حارث رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بخیل کی غیبت کرنا غیبت میں شمار نہیں۔ حضور سرور عالم ﷺ نے کسی کو ارشاد فرمایا تھا انک ذا لبخیل یعنی تو اس صورت میں بخیل ہے

فائدہ: ثابت ہوا کہ بخیل کی غیبت جائز ہے۔ حضور سرور عالم ﷺ کے سامنے ایک عورت کی تعریف کی گئی کہ وہ روزہ دار اور شب بیدار ہے مگر اس میں بخل بھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تو پھر اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ انہیں حضرت بشر رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ بخیل کو دیکھنے سے دل سخت ہوتا ہے اور بخیلوں کی ملاقات سے مومنوں کے دل دکھتے ہیں حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دل سخیوں کی دوستی چاہتا ہے اگرچہ وہ بدکار ہی ہوں اور بخیلوں سے دل نفرت کرتا ہے۔ اگرچہ وہ نیک ہوں۔ ابن المعتز فرماتے ہیں جو تمام لوگوں میں زیادہ بخل کرتا ہے وہ اپنی آبرو ضائع کرتا ہے۔ (8) حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کی ایک دن شیطان لعین سے ملاقات ہوگئی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ بتا کہ لوگوں میں تیرے نزدیک محبوب تر کون ہے اور ناپسندیدہ کون ہے۔ شیطان نے عرض کیا کہ زیادہ محبوب تو مومن بخیل ہے اور زیادہ ناپسندیدہ بدکار سخی۔ آپ نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ اس لیے کہ بخیل کو اس کا بخل کافی ہے۔ میری ضرورت نہیں۔ سخی بدکاری کرتا ہے تو مجھے خوف ہے کہ کہیں سخاوت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر توجہ فرمائے اور پھر وہ میرے بس سے باہر ہے بلکہ وہ مقبول خدا بن جاتا ہے۔ پھر ابلیس یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ اگر تم سخی نہ ہوتے تو میں ہرگز نہ بتاتا۔

بخیلوں کی کہانیاں: بصرہ میں ایک مالدار تھا۔ کسی ہمسایہ نے اس کی دعوت کی اور قیمہ اور انڈے پکا کر سامنے رکھے۔ وہ بہت سا کھا گیا اور پانی بار بار پینے لگا۔ یہاں تک کہ پیٹ پھول گیا اور کرب دکھ درد کی شدت سے پیچ و تاب کھانے لگا۔ جب اس کا حال برا ہوا تو حکیم کو بلایا گیا۔ طبیب نے کہا قے کروے۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے مرنا قبول ہے مگر جو غذا عمدہ میں نے کھائی ہے وہ کبھی قے نہیں کروں گا۔

حکایت: ایک اعرابی کسی کی تلاش میں نکلا وہ انجیر کھا رہا تھا۔ اعرابی کو دیکھ کر اسے چادر کے نیچے چھپا دیا۔ پھر اعرابی سے کہا کہ تم قرآن شریف سناؤ۔ اس نے پڑھا وَالزَّيْتُونِ وَطُورِ سِينِينَ (التین 1تا2) ترجمہ کنزالایمان: انجیر کی قسم

اور زیتون اور طور سینا۔ اس نے کہا کہ اس کے شروع سے والتین کہاں گیا۔ اعرابی نے جواب دیا وہ آپ کی چادر کے نیچے ہے۔

حکایت: ایک شخص نے کسی کو دعوت دی اور کچھ نہ کھلایا اور عصر تک جانے بھی نہ دیا۔ یہاں تک کہ اسے بہت بھوک لگی کہ اس کا بُرا حال ہوگیا۔ صاحب خانہ کھانے کھلانے کے بجائے سارنگی بجا کر گانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد صاحب خانہ نے مہمان سے کہا کہ تجھے اللہ کی قسم میری کون سی آواز تجھے پسند ہے۔ اس نے کہا کہ گوشت کے بھننے کی آواز

حکایت: محمد بن یحییٰ برمکی بخیل اور بدصورت تھا۔ کسی نے اس کے رشتہ دار سے (جس سے اسے بہت الفت تھی) اس کے دستر خوان کا حال پوچھا اس نے کہا کہ اس کا دستر خوان چار انگلی سے بھی کم ہے اور پیالے ایسے چھوٹے ہیں کہ گویا خشخاص کھود کر بنائے گئے ہیں۔ اس نے کہا کہ ایسے دستر خوان پر کون کھاتا ہے کہا کہ کراماً کاتبین۔ پھر پوچھا کہ محمد بن یحییٰ کے ساتھ کوئی کھاتا بھی ہے۔ اس نے کہا مکھیاں۔ کہا تم تو ان کے مخصوص لوگوں میں سے ہو کہا کہ کیا کہہ رہے ہو۔ پھر تمہارے کپڑے بھی پھٹے ہوئے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے سوئی بھی میسر نہیں کہ اس سے کپڑا سی لوں اور میرے دوست (برمکی) کا یہ حال ہے کہ بالفرض محمد بن یحییٰ برمکی کا ایک ایسا نیا کمرہ جو بغداد سے لے کر نوبہ تک سوئیوں سے بھرا ہو اور حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت جبرئیل و میکائیل علیہما السلام کے ساتھ آ کر اس کمرے سے حضرت یوسف علیہ السلام کے پیراہن سینے کے لیے جو زلیخا نے پیچھے سے پھاڑا۔ ایک سوئی مانگیں تو محمد بن یحییٰ کبھی نہ دے گا۔

حکایت: مروان ابن ابی حفصہ بخل کی وجہ سے گوشت نہیں کھاتا تھا جب اس کا جی چاہتا تو غلام سے کہتا کہ ایک بکری کی سری خرید لاؤ۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس کی وجہ کیا ہے کہ تم جاڑے اور گرمی میں ہمیشہ بکری کی سری ہی کھاتے ہو۔ اس نے کہا کہ سری کا نرخ مجھے معلوم ہے تو اس میں غلام خیانت نہیں کر سکتا نہ مجھے خسارہ دے سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر گوشت ہو تو وہ پکاتے وقت اس سے کھا بھی سکتا ہے۔ سری میں سے ایسا نہیں کر سکتا۔ اس سے اگر آنکھ یا کان یا منہ سے کچھ لے گا تو مجھے معلوم ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں مجھے اس سے کئی طرح کا مزہ ملتا ہے۔ آنکھ کا مزہ اور ہے اور کانوں کا اور زبان کا ذائقہ اور گدی اور مغز کا پھر پکانے سے بھی اس کی خیانت کی فکر نہیں

حکایت: ایک دن مروان خلیفہ مہدی کے پاس جا رہا تھا۔ اس کے گھر سے کسی عورت نے کہا کہ اگر انعام ملے تو مجھے کیا دو گے۔ اس نے کہا اگر لاکھ درہم ملیں گے تو ایک تجھے دوں گا۔ خلیفہ سے اسے ساٹھ ہزار ملے تو اسی حساب سے اس عورت کو درہم کے تین خمس دیئے۔

حکایت: ایک دفعہ مروان نے ایک درہم کا گوشت خریدا۔ اس کے بعد کسی نے اس کی دعوت کردی تو گوشت کو

قصاب کے حوالہ کر کے کہا درہم کی چوتھائی کاٹ کر باقی مجھے دے دے۔ اس لیے کہ مجھے اسراف برا لگتا ہے۔

حکایت: حضرت اعمش رحمتہ اللہ علیہ کا ہمسایہ بخیل تھا اور ہمیشہ آپ سے کہا کرتا کہ میرے غریب خانہ پر تشریف لا کر میری دعوت قبول فرمائیے۔ آپ انکار کر دیا کرتے۔ ایک دن حسب دستور اس نے عرض کیا۔ اس وقت آپ کو بھوک تھی۔ فرمایا کہ چلوں اس نے گھر میں لاکر آپ کے سامنے ایک روٹی کا ٹکڑا اور نمک رکھ دیا۔ اس دوران ایک سائل آیا۔ صاحب خانہ نے کہا کہ برکت ہو۔ اس نے دوبارہ سوال کیا۔ پھر یہی جواب دیا۔ اس نے تیسری بار سوال کیا تو کہا چلا جاو ورنہ لاٹھی سے تیرا سر پھوڑ دوں گا۔ حضرت اعمش رحمتہ اللہ علیہ نے سائل کو پکار کر کہا کہ چلے جاؤ بخدا کہ صاحب خانہ وعدہ کا بڑا پکا ہے۔ میں نے اس سے سچا کسی کو نہیں دیکھا۔ مدت سے مجھ سے کہتا تھا کہ ٹکڑا روٹی کا مع نمک کھاؤ۔ آج ان دونوں چیزوں سے زائد میرے سامنے کوئی شے نہیں رکھی۔

فضائل ایثار: سخاوت اور بخل کی بہت سے درجات ہیں۔ سخاوت کے درجات میں سے سب سے بڑا درجہ ایثار ہے۔ یعنی باوجود اپنی ضرورت کے دوسرے کو دے ڈالے اور سخاوت یہ ہے کہ جس چیز کی خود کو ضرورت نہ ہو وہ کسی محتاج کو دے دے۔ ہاں ضرورت کے وقت دوسرے کو دے دینا نہایت مشکل ہے اور جس طرح کہ سخاوت اس درجہ ایثار تک پہنچتی ہے کہ انسان اپنی چیز باوجود ضرورت کے دوسرے کو دے دے۔ اسی طرح بخل بھی کبھی ایسے درجہ تک پہنچتا ہے کہ انسان اپنا مال باوجود ضرورت کے اپنے نفس پر خرچ نہ کرے۔ مثلاً بعض بخیل مال کو اس طرح روکتے ہیں کہ خود بیمار ہو جائیں۔ علاج بھی نہ کریں یا کوئی خواہش دل میں ہو مثلاً کھانے یا پینے کی تو خرید کر کے نہ کھائیں۔ ہاں اگر مفت مل جائے تو کھالیں۔ ایسا شخص باوجود ضرورت کے اپنے نفس کے ساتھ بخل کرتا ہے اور صاحب ایثار اپنے نفس پر باوجود ضرورت کے دوسرے کی ضرورت مقدم سمجھتا ہے۔

فائدہ: ثابت ہوا کہ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ حسن اخلاق اللہ کی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ جہاں چاہئے رکھ دیتا ہے۔ سخاوت میں ایثار سے بڑھ کر کوئی درجہ نہیں۔

قرآن شریف: اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہ کی تعریف اسی اثار کی وجہ سے فرمائی۔ ویو ثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصہ (نمبر ۱) (پ 28 الحشر 9) اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو۔ (از کنزالایمان)

۱۔ آیت کا شان نزول۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک بھوکا شخص آیا۔ حضور ﷺ ازوج مطہرات کے حجروں پر معلوم کرایا۔ کیا کھانے کی کوئی چیز ہے۔ معلوم ہوا کسی بی بی کے یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ تب حضور ﷺ نے اصحاب سے فرمایا جو اس شخص کو مہمان بنائے۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے۔ حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور حضور سے اجازت لے کر اپنے گھر لے گئے۔ گھر جا کر بی بی سے دریافت کیا۔ کچھ ہے۔ انہوں نے کہا کہ کچھ نہیں۔ صرف بچوں کے لیے تھوڑا سا کھانا رکھا

احادیث مبارکہ: (1) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ایما امرا شتھی فرد شھوتہ واثر علی نفسہ غفرلہ جسے کوئی خواہش ہوئی اسے اس نے روک دیا اور دوسرے کو اپنے پر ترجیح دی تو اسے بخش دیا جائے گا۔ (2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سرور عالم ﷺ نے کبھی تین دن برابر پیٹ بھر کے کھانا نہ کھایا۔ یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہوئے اگر ہم چاہتے تو پیٹ بھر کر کھا لیا کرتے مگر مہاجرین کا پیٹ بھرنا اپنے نفسوں سے مقدم سمجھتے تھے۔ (3) ایک دفعہ حضور ﷺ کے پاس ایک مہمان آیا۔ آپ کے گھر میں اس وقت کچھ نہ تھا اسی دوران ایک انصاری آئے اور مہمان کو اپنے ساتھ لے گئے۔ گھر میں جا کر کھانا ان کے سامنے رکھ دیا اور گھر والی سے کہا کہ چراغ بجھائے اور اندھیرے میں اپنا ہاتھ ہی کھانے کی طرف بڑھائے گئے گویا ساتھ کھاتے ہیں حالانکہ کھاتے نہیں تھے۔ یہاں تک کہ مہمان نے تمام کھانا کھا لیا۔ جب صبح ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ رات کو جو معاملہ تو نے مہمان کے ساتھ کیا وہ اللہ کو بہت پسند آیا اور یہ آیت اتری وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ الخ (حاشیہ میں یہ واقعہ لکھ دیا گیا اور اس آیت کا ترجمہ بھی)

فائدہ: سخاوت اللہ تعالیٰ کے اخلاق میں سے ہے اور اس کے اعلیٰ درجہ کا نام ایثار ہے جو روز مرہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے خلق کو یوں بیان فرمایا اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم 4) ترجمہ کنزالایمان: اور بے شک تمہاری خوبو بڑی شان کی ہے۔

حکایت حضرت سہل تستری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی کہ الٰہی مجھے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعض درجات دکھا اور ان کی امت کے بھی۔ حکم ہوا کہ اے موسیٰ تجھے تاب نہ ہوگی۔ مگر ایک مرتبہ عظیم دکھلا دیتا ہوں۔ جس کی وجہ سے انہیں تجھ پر اور تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے۔ پھر یکبارگی عالم ملکوت کا پردہ اٹھا لیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کا ایک درجہ دیکھا تو انوار تجلی اور قرب الٰہی سے گویا ان کی جان نکلنے لگی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی کس وجہ اور کون سی خصوصیت سے ان کو یہ بزرگی عطا ہوئی۔ ارشاد ہوا کہ بوجہ ایک نیک عادت کے وہ ہے ایثار۔ اے موسیٰ اگر کسی نے بھی اپنی عمر میں ایثار پر عمل کیا ہوگا جب وہ میرے پاس آئے گا تو مجھے اس سے حساب لینے سے شرم آئے گی۔ بے حساب اس

ہے۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بچوں کو بہلا کر سلا دو اور جب مہمان کھانے بیٹھے تو چراغ درست کرنے اٹھو اور چراغ کو بجھا دو تاکہ وہ اچھی طرح کھا لیں۔ یہ اس لیے تجویز کی کہ مہمان یہ نہ جان سکے کہ اہل خانہ اس کے ساتھ نہیں کھا رہے کیونکہ اس کو معلوم ہوگا تو وہ اصرار کرے گا اور کھانا کم ہے۔ بھوکا رہ جائے گا۔ اس طرح مہمان کو کھلایا اور آپ ان صاحبوں نے بھوکے رات گزاری۔ جب صبح ہوئی اور سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ رات فلاں فلاں لوگوں میں عجیب معاملہ پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ ان سے بہت راضی ہوا اور آیت نازل ہوئی خزائن العرفان (اویسی غفرلہ)

کو جنت میں جہاں وہ چاہے گا جگہ دوں گا۔ (5) حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ اپنی جاگیر دیکھنے گئے۔ راستہ میں ایک باغ میں ٹھہرے۔ وہاں ایک غلام حبشی کام کر رہا تھا۔ جب اس غلام کا کھانا آیا۔ اسی وقت ایک کتا بھی باغ میں گھس آیا۔ اس نے ایک روٹی کتے کو ڈال دی۔ جب کھا چکا تو دوسری بھی کتے کو ڈال دی پھر تیسری بھی۔ اسی طرح اپنی تمام غذا کتے کو کھلا دی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ دیکھتے رہے۔ آپ نے اس غلام سے پوچھا کہ تیری غذا روزانہ کتنا ہے۔ اس نے عرض کیا اتنا ہے جو آپ نے دیکھی۔ فرمایا کہ پھر سب کی سب تو نے کتے کو کیوں کھلا دی۔ اس نے عرض کیا کہ یہاں کوئی کتا نہیں رہتا۔ معلوم ہوتا ہے یہ کتا نہیں کہیں دور کا مسافر ہے۔ دور سے یہاں آیا ہوگا اور بھوکا تھا۔ مجھے اس کا رہنا اور اپنا شکم سیر ہونا برا محسوس ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تو کیا کھائے گا۔ عرض کی کہ فاقہ کروں گا۔ آپ نے سوچا کہ میں اسے سخاوت پر ملامت کروں۔ پھر سوچا کہ میں اسے کیوں ملامت کروں جبکہ یہ مجھ سے زیادہ سخی ہے۔ آپ نے اس باغ اور غلام کو وہاں کے تمام اسباب خرید کر کے اس غلام کو آزاد کر دیا اور وہ باغ بھی اس ہی کو دے دیا۔ (6) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی کے پاس کسی نے ایک بکری کی سری ہدیہ کے طور پر بھیجی۔ انہوں نے یہ خیال کر کے کہ میری نسبت فلاں بھائی محتاج تر ہے۔ وہ سری اسی کے پاس بھیج دی۔ انہوں نے بھی اسی تصور سے تیسرے صحابی کو بھیجی۔ اسی طرح وہ سری سات گھر پھری یہاں تک کہ اصل مالک کے پاس جس نے پہلے بھیجی تھی پہنچ گئی۔ (7) شب ہجرت حضرت علی المرتضیٰ حضور ﷺ کے بستر پر سوئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام کو ارشاد فرمایا کہ میں نے تم دونوں میں بھائی چارہ کر دیا اور تم دونوں میں سے ایک کی عمر زیادہ کی تو بتاؤ کہ تم میں کون کم زندگی چاہتا ہے اور زائد زندگی دوسرے کے لیے پسند کرتا ہے۔ دونوں نے یہی چاہا کے میری عمر زیادہ ہو۔ یعنی ایثار کا مضمون کسی نے پسند نہ کیا۔ ارشاد ہوا کیا تم دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موافق بھی نہ ہوئے کہ میں نے ان میں اور اپنے حبیب محمد ﷺ میں بھائی چارہ کیا تو رات اس کے بچھونے پر اس کی جان کے بدلے اپنی جان فدا کر رہا ہے اور اس کا جینا اپنے جینے پر مقدم سمجھتا ہے۔ اب تم زمین پر جاؤ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حفاظت کرو۔ بحکم الٰہی حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کے سرہانے اور حضرت میکائیل علیہ السلام ان کے پاؤں کی طرف کھڑے ہوئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام فرماتے شاباش اے ابن ابی طالب تجھ سا آج کوئی ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے فرشتوں پر فخر کرتا ہے۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ (2 البقرہ 207) اور کوئی آدمی اپنی جان بیچتا ہے اللہ کی مرضی چاہنے میں اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔ (کنز للایمان) (تبصرہ اویسی) یہ واقعہ ہجرت شیعہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت و افضلیت پر پیش کرتے ہیں (خلافت) کی دلیل تو نہیں بن سکتی کہ خبر واحد ہے اور فضیلت بھی ثابت نہیں ہوتی اس لیے کہ دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ادائیگی امانات کے لیے سلا دیا تھا۔ (مزید فقیر کے رسالہ' ردالزندیق عن مطاعن الصدیق میں پڑھیے (اویسی غفرلہ)

(8) حضرت ابو الحسن انطاکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک دفعہ تیس سے کچھ زائد دیہاتی جمع ہوئے۔ ان کے پاس چند روٹیاں تھیں جو

شکم سیری کو کافی نہ تھیں۔ روٹیوں کے ٹکڑے کرکے چراغ بجھا دیا اور کھانے کو بیٹھے جب کھانا کھا چکے تو معلوم ہوا کہ تمام کھانا موجود ہے۔ کسی نے کچھ نہیں کھایا۔ ہر ایک نے یہی خیال کیا کہ دوسرا کھائے تو بہتر ہے۔ (9) حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ کے پاس سائل آیا اس وقت آپ کے پاس کچھ موجود نہ تھا۔ اپنے مکان کی چھت سے ایک کڑی نکال کر اسے عطا فرمائی اور معذرت کی کہ میرے پاس یہی ہے۔ قبول فرمائیں۔ (10) حضرت حذیفہ عدوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ملک شام کے علاقہ یرموک گیا۔ مجھے اپنے چچا زاد بھائی کی تلاش تھی کہ وہ جنگ میں شہید ہوگیا تھا خیال آیا ممکن ہے سانس باقی ہوگی تو پانی پلاؤں گا اور اس کا منہ دھوؤں گا اس لیے تھوڑا سا پانی لے لیا۔ جب اسے ڈھونڈا تو اسے زندہ پایا۔ میں نے پوچھا پانی پلا دوں۔ اس نے اشارہ سے ہاں کہا۔ جب میں نے پلانا چاہا تو آہ کی آواز آئی۔ میرے چچا زاد بھائی نے اشارہ کیا کہ پہلے اسے پلا دو۔ جب میں وہاں گیا تو دیکھا کہ ہشام بن عاص ہیں۔ میں نے پوچھا کہ پانی پلاؤں ایک دوسری آہ کی آواز آئی حضرت ہشام نے اشارہ کیا کہ وہاں لے جاؤ جب میں اس کے پاس گیا وہ مرچکا تھا وہاں سے پھر ہشام کے پاس آیا وہ بھی انتقال کر گئے۔ پھر اپنے چچا زاد بھائی کے پاس آیا وہ بھی مر گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر رحم فرمائے آمین

(11) حضرت عباس بن دہقان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سوائے حضرت بشر بن الحارث رحمۃ اللہ علیہ کے کوئی ایسا نہیں کہ جس طرح دنیا میں آئے اور آزاد ہو کر رخصت ہو حضرت بشیر بن الحارث رحمتہ اللہ علیہ تعالیٰ کے مرض الموت میں ایک شخص آیا اور سوال کیا آپ نے اپنا کرتہ اتار کر اس کے حوالے کیا۔ کسی دوسرے سے ایک کپڑا مانگ لیا۔ اس میں انتقال ہوا۔

(12) بعض صوفیہ فرماتے ہیں کہ ہم چند ساتھی متفق ہو کر طرسوس کے جہاد کے لیے نکلے۔ ایک کتا ہمارے ساتھ ہو لیا۔ ہم باہر نکل کر ایک اونچی جگہ پر بیٹھ گئے۔ وہاں سے قریب ایک مردار پڑا تھا۔ کتے نے مردار کو دیکھا اور پھر شہر کی طرف لوٹا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے واپس آیا۔ تو بیس کتے اس کے ساتھ تھے۔ وہ سب کے سب آتے ہی مردار پر ٹوٹ پڑے اور یہ کتا الگ بیٹھا دیکھتا رہا۔ یہاں تک مردار ختم ہو چکا اور ہڈیاں رہ گئیں۔ جب شہر کے کتے کھا پی کر شہر کو چلے گئے پھر اس کتے نے ان پسماندہ ہڈیوں کو کھانا شروع کیا اور انہیں سے اپنا شکم سیر کر کے چلا گیا۔

فائدہ: احادیث ایثار کے باب میں اور بھی وارد ہیں نیز حالات اولیاء بھی ہم نے باب فقر و زہد میں مفصل لکھ چکے ہیں اسی لیے لکھنے کی ضرورت نہیں۔

سخاوت و بخل کی حقیقت کیا ہے؟: شرعی دلائل سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ بخل مہلکات میں سے ہے لیکن انسان بعض چیزوں سے بخل متصور ہوتا ہے حالانکہ وہ بخیل نہیں ہوتا اسی لیے ہم یہاں تحقیق کرتے ہیں کہ بخل کس شے کا نام ہے یاد رہے کہ یہ امر دقیق ہے اس لیے کہ ہر انسان اپنے خیال میں خود کو سخی جانتا ہے حالانکہ دوسروں کی نظروں میں بخیل ہوتا ہے یا ایک آدمی سے کوئی کام سرزد ہوا تو اس میں لوگوں کا قول مختلف ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بخل ہے اور بعض کہتے ہیں یہ بخل نہیں۔ علاوہ ازیں ہر انسان کا نفس مال کی محبت

سے خالی نہیں اسی محبت کی وجہ سے مال کی حفاظت میں تنگی کرتا ہے۔ اگر صرف تنگی ہی سے بخیل سمجھا جائے تو اس سے کوئی بھی خالی نہیں اگر تنگی سے بخل نہ ہو تو پھر بخل کے معنی کیا ہیں۔ بخل تو تنگی ہی کا نام ہے اور وہ تباہی کا موجب ہے اور سخاوت کی تعریف کیا ہے۔ جس سے کہ آدمی سخی کہلاتا اور ثواب پاتا ہے۔ اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بخل اس کو کہتے ہیں کہ واجب حق ادا نہ کرے تو اس لحاظ سے جو شخص حقوق واجبہ ادا کرتا ہے وہ بخیل نہ ہوگا مگر یہ تعریف کافی نہیں اس لیے کہ مثلاً جو شخص قصاب سے گوشت یا ہوٹل سے روٹی خریدتا ہے۔ پھر اسے کچھ کم دام پر واپس کردیتا ہے تو بالاتفاق بخیل کہلائے گا۔ اسی طرح جو شخص اپنے اہل و عیال کو روزینہ مقررہ دیتا ہے۔ اگر وہ ایک لقمہ بھی اس مقدار سے زیادہ چاہیں یا اور کوئی ادنیٰ چیز اس کے مال سے کھالیں تو یہ روادار نہ ہو وہ بھی بالاتفاق بخیل ہی شمار ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس اگر کوئی روٹی کھاتا ہو اور کوئی دوسرا شخص آئے اور کھانے والے کو خیال ہو کہ میرے ساتھ بیٹھ جائے گا۔ اس کی نگاہ سے روٹی چھپا دے وہ بھی بخیل ہے۔ ان تینوں مثالوں میں یہ نہیں ہے کہ کسی نے حق واجب نہ دیا ہو بعض کا قول یہ ہے کہ بخیل وہ ہے جو دینے کو سخت سمجھے لیکن یہ تعریف بھی ناقص ہے کیونکہ اس سے یہ غرض ہے کہ ہر قسم کا دینا اس پر سخت ہے تو بہت سے بخیل ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو تھوڑا سا دینا گراں نہیں گزرتا۔ ہاں زیادہ دینا ان پر گراں گزرتا ہے۔ اگر یہ مراد ہے کہ بعض دینا سخت محسوس ہو تو یہ بات سخی میں بھی موجود ہے مثلاً اگر کسی کو عام مال یا اس کا اکثر دے بھی دے تو لازماً اس پر گراں گزرے گا۔ مگر اس سے وہ بخیل نہیں کہلائے گا۔

فائدہ: سخاوت اور جود میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سخاوت اس کا نام ہے کہ بلا تامل ضرورت پوری کرلے اور احسان جتلائے بغیر کسی کو کچھ دے اور بعض کہتے ہیں کہ جود اس عطا کو کہتے ہیں جو بن مانگے کسی کو دے اور یہ تصور کرے کہ تھوڑا دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ سائل کو دیکھ کر خوش ہونا اور اپنے دینے سے فرحت محسوس کرنے کا نام جود ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مال کو اس خیال سے دینا کہ مال بھی اللہ کا ہے اور بندہ بھی اسی کا تو بندہ خدا مال اللہ دیتا ہے۔ فقر فاقہ سے نہیں ڈرتا اس کا نام جود ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جو شخص کچھ مال تو دے دے اور کچھ باقی رکھے۔ وہ سخی ہے اور جو زیادہ تو دے ڈالے اور تھوڑا سا اپنے لیے رکھ لے وہ جواد ہے اور جو خود تکلیف اٹھائے اور دوسرے کی ضرورت پوری کرلے وہ صاحب ایثار ہے اور جو کچھ بھی خرچ نہ کرے وہ بخیل ہے۔

فائدہ: یہ تمام اقوال بخل و جود میں ہیں مگر در حقیقت بخل و جود کی کسی قول سے صاف نہیں اسی لیے ہم تفصیل سے لکھتے ہیں۔

حضرت امام غزالی قدس سرہ کا تحقیقی قول: اس میں قاعدہ یہ ہے کہ مال ایک حکمت اور مقصود کے لیے پیدا ہوا ہے۔ یعنی مال ضرورت مخلوق کی درستی کے لیے بنا ہے اور یہ ممکن ہے کہ جس چیز میں اسے خرچ کرنا نہیں انہیں میں

خرچ کر دیا جائے اور ان دونوں باتوں کے بیچ میں یہ بات بھی ممکن ہے کہ اس کا خرچ عدل کے ساتھ ہو۔ یعنی جہاں روکنا ضروری ہے۔ وہاں روکا جائے اور جہاں خرچ ضروری ہو۔ وہاں خرچ کیا جائے۔ پس خرچ کی ضرورت کی جگہ پر روک رکھنا بخل ہے اور روک رکھنے کی ضرورت کی جگہ خرچ کرنا۔ اسراف ہے کہ ان دونوں کے درمیان بین بین خرچ اور تنگی کرنا اچھا ہے اسی لیے چاہئے کہ سخاوت وجود اسی مرتبہ وسط کا نام ہو کیونکہ حضور ﷺ کو صرف سخاوت کرنے کا حکم تھا اور یہ پھر ارشاد ہوا وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ (بنی اسرائیل 29) ترجمہ کنزالایمان: اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ پورا کھول دے کہ تو بیٹھ رہے۔ اور یہ بھی ارشاد ہوا وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا (الفرقان 67) ترجمہ کنزالایمان: اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں نہ حد سے بڑھیں اور نہ تنگی کریں اور ان دونوں کے بیچ اعتدال پر رہیں۔

فائدہ: ان آیات سے معلوم ہوا کہ جو درجہ اوسط کا نام درمیان اسراف و کمی کے اور قبض و بسط کے یعنی اندازہ خرچ و تنگی کو مقدار واجب و ضروری پر حصر کرنا جود ہے مگر اس میں یہ قید ہے کہ یہ فعل فقط اعضاء سے کافی نہیں جب تک کہ دل بھی اس پر راضی نہ ہو۔ پس اگر جہاں خرچ مناسب تھا وہاں خرچ کیا۔ مگر نفس اس سے نزاع کرتا ہے اور یہ اس پر صبر کرتا ہے تو ایسے شخص کو سخی نہ کہیں گے بلکہ بہ تکلف سخی بننے والا کہلائے گا۔ اس لیے ضروری ہوا کہ اس کے مال کے ساتھ صرف اتنا تعلق رہنا چاہئے کہ اخراجات ضروریہ میں اس کو صرف کرے اور کوئی تعلق نہ ہونا چاہئے۔ ہاں یہ بات کہ امر مقدار واجب کے پہچاننے پر موقوف ہے کہ کون سا خرچ واجب ہے تو یاد رہے کہ واجب دو طرح ہیں۔ (1) وہ جو بحکم شرع واجب ہے۔ (2) وہ جو بلحاظ مروت و عادت ضروری ہے تو سخی وہی ہو گا جو اپنے مال کو نہ واجبات شرعیہ سے روکے نہ ضروریات مروت سے اگر ایک کو ان دونوں سے ترک کرے گا بخیل ہوگا۔ البتہ جو واجبات شرعیہ کو ادا نہ کرے گا وہ زیادہ بخیل ہوگا۔ مثلاً کوئی شخص مال کی زکوٰۃ نہ دے یا اپنے اہل کا نفقہ واجب ادا نہ کرے یا زکوٰۃ تو دے مگر اس پر سخت ناگوار گزرے تو اس کو طبیعت کا بخیل کہا جائے گا۔ یا جو شخص کہ دینے کے وقت خراب مال دیتا ہے اچھا دینے سے اسکا دل خوش نہیں ہوتا نہ اوسط درجے کا مال دے کر راضی ہوتا ہے تو یہ بھی بخیل ہے اور مروت کے سبب سے جو خرچ ضروری ہے وہ یہ ہے ادنیٰ ادنیٰ چیزوں سے لین دین میں تنگی نہ کرے۔ یہ ایک بری بات ہے اور یہ برائی حالات اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً بعض باتیں ایسی ہوتی کہ ان میں دولت مند کی تنگی بری معلوم ہوتی ہے۔ فقیر کی بری نہیں ہوتی۔ یہ انسان اپنے اہل و عیال و اقارب سے تنگی کرے تو بری معلوم ہوتی ہے۔ اجنبیوں سے بری معلوم نہیں ہوتی اور ہمسایوں سے تنگی بہ نسبت دور والوں کے بری معلوم ہوتی ہے اور ضیافت میں تنگی بہ نسبت خرید و فروخت اور معاملات کے بری معلوم ہوتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ

تنگی برتنے کے اقسام: (1) کام میں تنگی کی جائے جیسے ضیافت اور لین دین وغیرہ (2) کسی چیز میں تنگی کی جائے۔

جیسے کپڑا اور کھانا وغیرہ اس لیے کہ جیسے کھانے میں تنگی بری محسوس ہوتی ہے۔ ایسے اور چیزوں میں نہیں ہے اس طرح کفن خریدنے میں یا قربانی یا صدقہ کی خریدنے میں یا قربانی یا صدقہ کی خرید میں تنگی کرنا بری معلوم ہوئی ہے۔ ایسے اور چیزوں میں نہیں۔ (3) جس کے ساتھ تنگی کی جائے۔ مثلاً دوست یا بھائی یا قریب یا زن و فرزند یا اجنبی (4) جو شخص تنگی کرے وہ لڑکا ہے یا عورت یا بوڑھا یا جوان یا عالم یا جاہل یا مالدار یا مفلس بخیل اسے کہتے ہیں کہ مال کو ایسی جگہ خرچ کرنے سے روکے جہاں بحکم شریعت یا اقتضائے مروت روکنا چاہئے اور اس کی مقدار معین نہیں ہو سکتی اور بخل کی تعریف یوں بھی ممکن ہے کہ جونسا مطلب مال کی حفاظت کی نسبت زیادہ اہم ہو اس مطلب سے مال کو روکا جائیں۔ مثلاً دین کا بچانا مال کی بھی نسبت اہم ہے تو اب اگر کوئی زکوٰۃ یا نفقہ واجب میں مال صرف نہ کرے تو بخیل ہے۔ اسی طرح مروت کی حفاظت مال کی نسبت اہم ہے تو جو تھوڑی سی چیزوں میں تنگی کرے خصوصاً ایسے لوگوں کے ساتھ کہ ان کے ساتھ تنگی نامناسب ہے تو وہ شخص مال کی محبت کی وجہ سے مروت توڑتا ہے۔ وہ بخیل ہے۔

فائدہ: یہاں ایک درجہ اور رہ گیا وہ یہ کہ کوئی ایسا ہو کہ واجب شرعی بھی ادا کرتا ہے اور حفظ مروت بھی کرتا ہے مگر اس کے پاس بہت سی دولت ہے۔ اس کو صدقات اور محتاجوں میں صرف نہیں کرتا تو اس میں حفظ مال کی غرض موجود ہے۔ یعنی زمانہ کے مصائب میں کام آئے اور غرض ثواب بھی موجود ہے کہ آخرت میں باعث بلندی درجات بی ہو سکتا ہے۔ پس اس مطلب کے لیے مال کا روک رکھنا عقلمندوں کے نزدیک بخل ہے اور عوام کے نزدیک بخل نہیں اس لیے کہ عوام کی نظر صرف خطوط دنیویہ پر ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک مصائب زمانہ کے لیے مال کا صرف نہ کرنا بہت اہم ہے حالانکہ کبھی عوام کے خیال میں بھی ایسے لوگوں پر علامت بخل ظاہر ہو جاتی ہے۔ مثلاً اگر مالدار کے پڑوس میں کوئی محتاج ہو اور یہ اسے نہ دے اور کہے کہ جو زکوٰۃ مجھ پر واجب تھی۔ وہ ادا کر چکا اور کوئی شے میرے ذمہ نہیں تو معلوم ہوگا اور اس کی برائی اس کے مال کے موافق ہوگی اس طرح اگر محتاج شدید الحاجتہ اور صالح و دیندار اور مستحق ہوگا۔ اتنا ہی برائی بھی زیادہ معلوم ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ جو شخص واجب شرعی اور واجب مروت کو ادا کردے تو وہ بخل سے بری ہوگیا ہاں جو دوسخا کی صفت سے تب موصوف ہوگا۔ جب اس مقدار سے زیادہ خرچ کرے گا کہ فضیلت اور درجات اسی سے حاصل ہوتے ہیں جس جگہ کی شریعت کی رو سے اس پر کچھ واجب نہیں وہاں اپنا مال خرچ کرنے سے باقتضائے مروت اس کا دل چاہتا ہے اور عادت کی رو سے بھی اس کی ملامت نہیں آتی تو جس قدر کہ اس کے نفس میں گنجائش خرچ کی ہوگی۔ اسی قدر سخی ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس کے درجات بے شمار ہوسکتے ہیں۔ اسی لحاظ سے بعض لوگ دوسرے بعض سے زیادہ سخی ہوتے ہیں۔ بہرحال جود اس کا نام ہے کہ جس قدر سلوک عادت اور مروت کی وجہ سے ضروری ہو اس سے زیادہ ادا کیا جائے مگر اس میں یہ شرط ہے کہ دل کی خوشی سے ہو کسی طرح توقع خدمت یا تمنا و مکافات یا شکریہ و ثناء کے لیے نہ ہو کیونکہ جو شخص شکریۂ ثناء کی تمنا رکھتا

ہے۔ وہ سخی نہیں بلکہ اپنے مال سے اپنی ثنائے خسارہ کر رہا ہے۔ اس کو سوداگر کہنا چاہیے کہ مال کے خرچ سے اس کا مطمع نظر مدح ہے جس سے اسے مزہ آجاتا ہے اور جود اسی خرچ کو کہتے ہیں جو غرض کے بغیر ہو اور واقع میں اس طرح کی جود بجز ذات پاک اللہ کے اور کسی میں نہیں ہو سکتی۔ دوسروں پر اگر جود کا اطلاق کیا جاتا ہے تو مجازاً ہے اس لیے کہ کسی کا کوئی خرچ غرض سے خالی نہیں لیکن اس کی غرض صرف ثواب آخرت اور فضیلت جود کا حصول اور نفس کو آلودگی بخل سے پاک کرنا ہو تو جواد کہلائے گا۔

مسئلہ خرچ کا سبب ہجو کا خوف یا لوگوں کی ملامت کا ڈر یا جس کو دیتا ہے اس سے نفع کی توقع ہو تو یہ خرچ جود میں داخل نہیں کیونکہ یہ چیزیں سردست بطور عوض ہو جاتی ہیں اور انہیں کی وجہ سے خرچ بھی کرتا ہے۔ پس عوض لینے والا جواد نہ ہوا۔

حکایت: ایک عابدہ بی بی حضرت حبان بن حلال رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئی آپ اپنے مریدین کے جھرمٹ میں بیٹھے تھے۔ بی بی نے کہا کہ تم میں کوئی ایسا ہے جس سے میں مسئلہ پوچھوں آپ کی طرف اشارہ کر کے کہا گیا جو تیرا دل چاہے۔ ان سے پوچھ لے اس نے پوچھا کہ تمہارے نزدیک سخاوت کسے کہتے ہیں۔ آپ نے کہا مال خرچ کرنا ایثار کرنا۔ اس نے کہا یہ تو دنیا کی سخاوت ہوئی دین کی سخاوت کیا ہے کہا کہ دین کی سخاوت یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کھلے دل سے کی جائے اور وہ گراں نہ ہو اس نے کہا کہ اس سے ثواب کی نیت ہو یا نہ کہا ہاں ثواب کی امید ہے اس نے کہا کیوں انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ ایک نیکی کے بدلے دس ثواب دیا جائے گا۔ اس نے کہا کہ جب ایک دے کر دس لیے تو سخاوت کہاں ہوئی۔ انہوں نے پوچھا کہ پھر تمہارے نزدیک سخاوت کیا ہے۔ اس نے کہا کہ میری سمجھ میں سخاوت یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی عبادت اس طرح کی جائے اطاعت میں لذت اور مزہ حاصل ہو اور گراں نہ گزرے اس میں نیت اجر بھی نہ ہو۔ یہاں تک کہ ہرچہ مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ کا حال ہو جائے۔ کیا اس سے عابد کو شرم نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ کو دلوں کا حال معلوم ہوگا کہ یہ ایک عبادت کے بدلے میں کچھ اور چاہتا ہے اور یہ بہت بری بات ہے۔ مثلاً کسی کو معلوم ہو جائے کہ فلاں میرے ساتھ نیک سلوک اس لیے کرتا ہے کہ میں اس کو ایک کے بدلے زیادہ دوں تو وہ یقیناً اس دینے سے خوش نہ ہوگا۔

فائدہ: ایک دوسری خاتون عابدہ کا قول ہے کہ تم لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ سخاوت روپے پیسے سے ہی ہوتی ہے۔ لوگوں نے پوچھا پھر اور کون سی چیز سے ہے اس نے کہا کہ سخاوت میرے نزدیک جان سے کرنی چاہیے اور اس کی تفسیر محاسبی کے قول میں ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ سخاوت دین میں یہ ہے کہ محض اللہ کے لیے اپنے نفس پر کھیلا جائے اور جان دینا اور اپنے خون کا بہا دینا اللہ کی راہ میں بوجھ محسوس نہ ہو وہ فراخ دلی سے اس پر عمل کرے۔ نیت ثواب کی بھی نہ ہو گو ثواب کی حاجت بھی ہے مگر سخاوت کی خوبی دل پر ایسی جم جائے کہ ثواب کو اللہ ہی کے اختیار پر

چھوڑ دے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس سے وہ معاملہ کرے گا کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا۔

بخل کا علاج سابقہ اوراق میں دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ بخل کا سبب مال کی محبت ہے۔ اب یہ معلوم کرنا ہوگا کہ حب مال کے اسباب کیا ہیں تو یاد رہے کہ اس کے دو سبب ہیں۔ (1) شہوات کی محبت کہ مال کے بغیر وہ حاصل نہیں ہو سکتی۔ (2) طول امل یعنی عمر کی زیادتی کی امید بھی داخل ہے اس لیے کہ اگر انسان کو یقین ہو کہ میں کل مر جاؤں گا تو مال کا بخل نہ کرے گا کیونکہ جو مقدار کسی کو ایک دن ایک مہینہ یا ایک سال کے لیے کافی ہو وہ اس کے لیے قلیل مقدار ہے۔ اس سے زیادہ اپنے پاس رکھنا فضول ہے۔

فائدہ: بعض اوقات طول امل اس طرح ہوتا ہے کہ خود تو آدمی کو اپنی زندگی کی زیادہ توقع نہیں ہوتی مگر چونکہ صاحب اولاد ہوتا ہے اور اولاد کے لیے حضور ﷺ نے فرمایا الولد مبخلنہ مجھلنہ ترجمہ: اولاد بخل اور بزدلی اور جہالت کا موجب ہے جب اولاد کے لیے خوف فکر لاحق ہو جاتا ہے اور رزق پر اعتماد قوی نہیں رہتا تو خواہ مخواہ بخل بھی قوی ہو جاتا ہے۔ خود مال اچھا محسوس ہوتا ہے۔ مثلاً بعض لوگوں کے پاس اس قدر مال ہوتا ہے کہ اگر اپنے دستور کے مطابق اس کو خرچ کریں تو زندگی بھر کافی ہو بلکہ بہت زیادہ بچ بھی جائے گا اور بعض لوگ بوڑھے لاولد ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود زکوٰۃ نکالنے کو دل نہیں چاہتا بلکہ بیمار ہو جائیں تو علاج پر بھی خرچ کرنا اچھا نہیں سمجھتے کیونکہ یہ مال دولت کے ایسے عاشق ہیں کہ اس کا قبضہ میں رہنا اور اس پر قابو پانا بڑا لذیذ محسوس ہوتا ہے۔ اسی لیے بے وقوف اسے زمین میں دفن کر دیتے ہیں حالانکہ جانتے ہیں کہ مرنے کے بعد یہ مال ضائع ہو جائے گا یا دشمنوں کے ہاتھ لگ جائے گا پھر بھی اس کے کھانے کو یا اس میں سے ذرہ برابر خیرات کرنے پر ان کا جی نہیں چاہتا اور یہ دل کا مرض ایسا ہے کہ اس کا علاج بہت ہی مشکل ہے۔ خصوصاً بڑھاپے میں تو پرانے امراض کی طرح لاعلاج ہے اس مرض والے کی مثال ایسی ہی ہے۔

مال کے عاشق کی مثال: بوڑھے مال کے پجاری کی مثال یوں ہے جیسے کوئی کسی پر عاشق ہو تو اس کی وجہ سے اس کے پیغام رساں سے بھی محبت کرتا ہے اسی طرح مال دولت بھی ضروریات کا پیغام رساں ہے کہ دولت کے سبب سے ضروریات پورے ہوتے ہیں مگر بعض اوقات ضروریات کا خیال بھی دل میں نہیں رہتا۔ صرف دولت ہی محبوب ہو جاتی ہے اور یہ سخت گمراہی ہے جو آدمی زر اور پتھر میں فرق نہ سمجھے وہ جاہل ہے۔ یعنی زر سے ضروریات پوری ہوتی ہیں ہاں زائد از قدر حاجت زر اور پتھر میں کوئی فرق نہیں۔

علاج کا آغاز: جب بیماری کے اسباب معلوم ہو گئے تو بیماری کا علاج اس کے سبب کی ضد سے ہوتا ہے۔ پہلا سبب یعنی شہوات کی محبت کا علاج تو یہ ہے کہ تھوڑی سی چیز پر قناعت اور صبر کرے۔ دوسرا یعنی طول امل کا علاج یہ ہے کہ ہر وقت موت کو یاد کرے اور ہم عصروں کے مرنے سے عبرت کرے کہ مال جمع کرنے میں انہوں نے کیسے دکھ

اٹھائے اور مصیبتیں سہیں۔ آخر خالی ہاتھ چلے گئے اور جمع کردہ تمام تباہ ہوگیا۔ اولاد کے خیال کا علاج یہ ہے کہ یوں سمجھئے کہ جس خالق نے اولاد دی ہے اس نے اس کا رزق اس کے ساتھ اتارا ہے۔ بہت سی اولاد ایسی ہوتی ہے کہ باپ کی میراث اس کے پاس کچھ نہیں ہوتی مگر ان کا مال باپ کی میراث پانے والوں سے بہت ہوتا ہے اور یہ بھی جان لے کہ انسان اپنی اولاد کے لیے جمع کیا کرتا ہے۔ اس کی نیت یہی ہوتی ہے کہ ان کا حال اچھا رہے مگر کبھی اس کا برعکس ہو جاتا ہے کہ اگر لڑکا نیک صالح ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے اگر فاسق ہے تو مال میراث سے حاصل کرکے گناہوں میں ضائع کردے گا۔ اس کا وبال مورث کی گردن پر رہے گا۔

علاج قلب: اس کا علاج یہ ہے کہ جو احادیث بخل کی مذمت اور سخاوت کی تعریف میں وارد ہیں اور جو وعید و عتاب شدید اللہ تعالیٰ نے بخیل کے لیے فرمایا ہے۔ ان سب پر غور کرے۔

مفید علاج: ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ بخیلوں کے حالات پر زیادہ غور کرے اور ان سے نفرت کرے اور ان کو برا جانے کیونکہ ایسا بخیل نہیں جو دوسروں کے بخل کو برا سمجھے۔ پس یہی حال اپنا تصور کرے کہ اگر میں بخل کروں گا تو سب کی نظروں میں حقیر اور خراب ہوں گا جیسے میرے دل میں دوسرے بخلاء برے ہیں۔

اچھی تدبیر: مال کے مقصود کو سوچ کہ یہ کیوں پیدا ہوا ہے۔ جب یہ معلوم ہو جائے کہ مال صرف حاجت روائی کے لیے ہے تو بقدر ضرورت رکھے۔ باقی کو آخرت کے لیے جمع کرے۔ یعنی اسے خرچ کرکے ثواب کا ذخیرہ بنائے۔

فائدہ: یہ تدابیر بااعتبار معرفت اور علم کے ہیں۔ جب آدمی کو عقل کے ذریعہ معلوم ہوگا کہ خرچ کرنا بہ نسبت تنگی کے دنیا و آخرت میں بہتر ہے تو اگر عاقل ہوگا۔ اس کی رغبت خرچ کرنے کی طرف متحرک ہوگی۔ مگر ضروری ہے کہ جب یہ خیال دل میں آئے فوراً اس کی تعمیل کرے۔ ٹال مٹول نہ کرے۔ اس لیے کہ شیطان ہر وقت افلاس کا خوف دلاتا اور خرچ سے روکتا ہے۔

حکایت: ابوالحسن البو شبخی رحمتہ اللہ علیہ ایک دن بیت الخلاء میں تھے۔ ایک شاگرد کو بلا کر فرمایا کہ میرا کرتہ بدن سے اتار کر فلاں شخص کو دے دو۔ اس نے عرض کیا کہ آپ نے پاخانہ میں سے نکلتے تک صبر نہ فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ میرے دل میں آیا ہے کہ کرتہ دے ڈالوں اور اپنے نفس سے خوف ہوا کہ کہیں پھر دل پھر نہ جائے اسی لیے وقت تک صبر نہ کیا۔

فائدہ: صفت بخل یہ ہے کہ بتکلف مال خرچ کیا جائے۔ جیسے کہ عشق جب تک دل سے نہیں جاتا اس وقت تک معشوق پیش نظر رہتا ہے۔ ہاں اگر اس کے تصور سے علیحدگی اختیار کرے اور اس کی جدائی پر بتکلف ایک مدت تک صبر کرے تو آہستہ آہستہ ہٹ جاتا ہے۔ (۱) اسی طرح جو شخص بخل کا علاج کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ مال سے

بتکلف علیحدہ ہو جائے۔ یعنی اس کو بالکل خیرات کر دے بلکہ محبت کے ساتھ رکھ چھوڑنے سے بہتر ہے کہ سب کا سب راہ خدا میں لٹا دے۔

بخل سے بچاؤ کا حیلہ: بخل سے بچنے کا بڑا لطیف حیلہ یہ ہے کہ نفس کو دھوکہ دے کہ مال لٹانے سے تیرا نام نیک ہوگا تو سخی مشہور ہو جائے گا۔ اس بہانہ سے ریا سے خرچ کرے یہاں تک کہ نفس پر جود (خرچ کرنا) ناگوار گزرے اس بات میں صورت یہ ہوگی کہ بخل کو دور کر کے ریا میں مبتلا ہوگا مگر بعد کو پھر ریا کے دفع کرنے کی طرف متوجہ ہو کر اس کے علاج سے ریا کو دور کرنا چاہئے۔ غرضیکہ حصول نام شہرت نفس کے لیے مال کے جانے کے بعد تسکین کی چیز ہے جیسے شیر خوار بچے سے دودھ چھڑاتے ہیں تو مختلف حیلے بناتے ہیں تاکہ دودھ کو یاد نہ کرے۔ اس سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ اس کے ساتھ ہمیشہ اس طرح کیا جائے بلکہ جب دودھ بھول جاتا ہے تو ان خیالوں کو بھی اس سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ان صفات خبیثہ میں سے بھی بعض پر مسلط کر کے اس کی تیزی کم کی جاتی ہے۔ مثلاً کبھی غضب پر شہوت کو مسلط کر کے اس کی تیزی توڑی جاتی ہے اور کبھی غصے کو شہوت پر مسلط کر کے اس کی تیزی کم کی جاتی ہے مگر یہ علاج ایسے شخص کے حق میں مفید ہے جس پر جاہ اور ریا کی محبت کی نسبت سے صفت بخل غالب ہو کیونکہ اس صورت میں جو صفت اس میں قوی ہے اس کو گویا ضعیف سے بدل دیا۔ اگر دونوں برابر ہوں گی تو کچھ فائدہ نہیں اس لیے کہ ایک بلا سے نکلے گا تو دوسری میں مبتلا ہو جائے گا۔

حب بخل وریا کا موازنہ: ریاؤ بخل کے غلبہ کی پہچان یہ ہے کہ اگر خرچ کرنا ریا کے لیے اس پر گراں محسوس نہ ہو تو جان لینا چاہئے کہ صفت ریا کا غلبہ ہے۔ اگر ریا کے لیے بھی خرچ دشوار محسوس ہو تو بخل کا غلبہ ہے اس حال میں لازماً خرچ کرنا چاہئے۔

سوال: ایک صفت دوسری کے غلبہ سے کیسے مٹتی ہے۔

الجواب: اسے مثال سے سمجھنا چاہئے کہ بعض میت کے جسم کے تمام اجزاء پر کیڑے پڑ جاتے ہیں اور مشہور ہے کہ یہ کیڑے ایک دوسرے کو کھا جاتے ہیں اور بڑے ہو جاتے ہیں اور تعداد کم ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ان میں سے صرف دو زبردست باقی رہ جاتے ہیں۔ پھر وہ بھی آپس میں لڑتے ہی رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک غالب ہو کر دوسرے کو کھا کر موٹا ہو جاتا ہے مگر پھر خود بھی بھوکا رہ کر مر جاتا ہے اسی طرح ان صفات خبیثہ میں ممکن ہے کہ جو صفت ضعیف ہو اس کو قوی کی غذا کرتے جائیں یہاں تک کہ آخر کار ایک رہ جائے۔ پھر اس کو دور کرنے کا علاج یہ ہے کہ اس کی غذا روک دی جائے اور غذا کا روکنا ان صفات سے یہ ہے کہ ان کے تقاضا پر عمل نہ کیا جائے۔ یعنی جو باتیں کوئی صفت خبیثہ چاہتی ہو۔ اسے ہرگز نہ کرے جب اس طرح اس کا خلاف کیا جائے گا خواہ وہ صفت ذلیل

۱۔ جو لوگ عشق بازی مثلاً حسین لڑکوں اور بیگانی عورتوں کے عشق میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان کے لیے یہ بہترین علاج ہے۔

ہو کر مٹ جائے گی۔ مثلاً بخل کی صفت کا تقاضا یہ ہے کہ مال کو روک کر خرچ نہ کرے۔ جب اس کے خلاف کرے اور نفس پر مجاہدہ کرکے بار بار خرچ کرتا رہے تو بخل کی صفت مٹ جائے گی اور خرچ کرنے کی صفت طبعی ہو جائے گی۔ پھر اس میں دشواری نہ رہے گی۔

عالمانہ علاج: بخل کا علاج دو چیزوں سے ہوتا ہے۔ (۱) علم (عمل) علم سے مراد یہ ہے کہ آفت بخل اور جود و سخاوت کے فائدہ سے واقف ہو اور عمل سے یہ مراد یہ ہے کہ جودوعطا بتکلف کرے۔ یہاں تک کہ مقصود تک پہنچے لیکن صفت بخل بعض اوقات ایسی قوی ہوتی ہے کہ انسان کو اندھا کر دیتی ہے اسے اس کی آفت کچھ محسوس نہیں ہوتی کوئی جود کا فائدہ معلوم ہوتا ہے۔ جب ان دونوں کی معرفت نہ ہوئی تو شوق کہاں سے اٹھے گا۔ اسی لیے جود و عطا کا بھی عمل میسر نہ ہوگا۔ ایسی صورت میں یہ مرض ہمیشہ تک رہتا ہے جیسے وہ بیماری کہ جس میں دوا کی پہچان جاتی رہے اور نیز دوا کا بہتر استعمال ممکن نہ ہو تو بجز اس کی موت تک صبر کیا جائے اور کیا ہو سکتا ہے۔

صوفیانہ علاج: بخل کے علاج میں بعض صوفیہ کرام کا دستور علاج میں یہ تھا کہ اپنے مریدوں کو کسی خاص جگہ میں رہنے کا حکم نہیں کرتے تھے بلکہ جب کسی مرید کو دیکھا کہ اپنے گوشہ تنہائی سے نہایت خوش ہے تو اس کو دوسرے علاقے میں بھیج دیا جاتا اور اس کا مقام رہائش اور اس کی جملہ اشیاء کو دوسرے کے حوالے کیا جاتا۔ یعنی جو کچھ کسی مرید کی ملک میں ہوتا اور وہ اسے اس پر خوش پاتے فوراً اس کی ملک سے نکالتے مثلاً اگر کسی مرید کو دیکھا کہ وہ کپڑا نیا پہن کر یا مصلے عمدہ بچھا کر نماز پڑھنے میں خوش ہے تو وہ کپڑا یا مصلیٰ دوسروں کو دلوا دیتے اور کوئی ایسا پرانا مصلیٰ اسے دے دیتے کہ اس کا دل اس طرف راغب نہ ہو۔ اسی طرح دنیا کے سامان سے دل جدا ہو سکتا ہے جو شخص کہ یہ راہ نہ چلے وہ دنیا سے مانوس ہوگا اور اس سے پیار کرے گا۔ اگر بالفرض اس کے پاس ہزار چیزیں ہوں گی تو گویا ہزار چیزیں اس کی محبوب ہیں۔اسی لیے جب ایک بھی ان میں سے چوری ہو جائے گی تو جس قدر اس شخص کو اس شے سے محبت تھی اسی قدر مصیبت میں پڑے گی اور موت پر تو یکبارگی ہزار مصیبتیں ٹوٹ پڑیں گی کیونکہ سب کے ساتھ محبت تھی اور سب چھن گئیں بلکہ زندگی میں بھی سب کے تلف اور ضائع ہونے کا خوف بمنزلہ مصیبت کے رہتا ہے۔

کسی بادشاہ کے سامنے ایک فیروزہ کا پیالہ جواہر سے مرصع پیش ہوا جس کا نظیر روئے زمین پر کسی نے نہ دیکھا تھا۔ بادشاہ نہایت خوش ہوا۔ ایک حکیم سے (جو اس کے پاس موجود تھا) پوچھا کہ آپ کے نزدیک یہ کیسا ہے۔ اس نے کہا کہ میرے نزدیک تو یہ مصیبت ہے۔ بادشاہ نے کہا وہ کیسے حکیم نے کہا کہ اگر یہ ٹوٹ جائے تو ایسی مصیبت ہے کہ جس کا کوئی تدارک نہیں۔ اگر چوری ہو جائے اور پھر اس کی ضرورت ہو تو کبھی ایسا نہ ملے۔ جب یہ آپ کی خدمت میں نہیں آیا تھا آپ کو خوف مصیبت نہ تھا چنانچہ اتفاقاً" وہ پیالہ چند دنوں کے بعد ٹوٹ گیا یا چوری ہوگیا۔ بادشاہ کو نہایت رنج ہوا اور کہنے لگا کہ حکیم صاحب کا قول درست نکلا۔ یہی بہتر تھا کہ وہ میرے پاس نہ آتا۔

فائدہ: یہی حال دنیا کے تمام اسباب کا ہے۔ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی دشمن ہے کیونکہ انہیں دوزخ

کی طرف لے جاتی ہے اور اولیاء اللہ کی بھی دشمن ہے کہ ان کو اس پر صبر کرنے کا صدمہ رہتا ہے بلکہ خود اللہ کی بھی دشمن ہے کہ اس کے بندوں کو اس کا راستہ نہیں چلنے دیتی۔ ان پر رہزنی کرتی ہے بلکہ خود اپنی بھی دشمن ہے کہ اپنے نفس کو کھا جاتی ہے۔ مثلاً مال کی حفاظت خزانوں اور پاسبانوں سے ہوتی ہے اور خزانہ و پاسبان مال کے خرچ کرنے سے ہوتے ہیں۔ تو گویا دنیا کی حفاظت میں دنیا خرچ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ فنا ہو جائے اور کچھ بھی نہ رہے اور جو شخص مال کی آفت کو جانتا ہے اس سے مانوس اور خوش نہیں ہوتا اور نیز زائد از ضرورت بھی نہیں لیتا اور جو شخص مقدار ضرورت پر قانع رہتا ہے وہ بخل نہیں کرتا اس لیے کہ جس قدر اس نے اپنی ضرورت کے لیے رکھا ہے وہ تو داخل بخل نہیں اور زائد از ضرورت کی حفاظت کوئی از حاجت مشقت نہ جان کر کسی کو دے ڈالتا ہے بلکہ اس کا حال ایسا ہے جیسا کوئی ندی کے کنارے کھڑا ہو کر دوسروں کو پانی دینے میں کچھ افسوس نہیں ہوتا اور نہ ہی مقدار ضرورت کے دینے میں تامل کرتا ہے۔

ہدایات برائے مال: ہم نے پہلے تحقیق سے واضح کیا ہے کہ مال ایک وجہ سے خیر اور دوسری وجہ سے شر ہے۔ اس کی مثال سانپ کی ہے کہ منتر والا تو اس لیے پکڑتا ہے کہ اس میں سے زہر مہرہ نکالے اور غافل پکڑتا ہے تو اس کے زہر سے ایسے ہلاک ہو جاتا ہے کہ اسے خبر بھی نہیں ہوتی۔

مال کے زہر سے بچاؤ کی تدابیر: مال کے زہر سے کوئی نہیں بچ سکتا ہاں پانچ باتوں کو مد نظر رکھا جائے تو ممکن ہے (1) مال کے مقصود کو پہچانے کہ یہ کس لیے پیدا ہوا ہے اور اس کی حاجت کیوں ہوئی ہے۔ اس کے جاننے سے بقدر ضرورت ہی بسر اوقات کرے گا اور اتنا اور قدر کی حفاظت کرے گا اور ایسے لوگوں کو جو استحقاق سے زیادہ لینا چاہتے ہیں ان کو مال نہ دے گا۔ (2) آمدنی کی وجہ کا خیال رکھے کہ جو محض حرام ہو اس سے اجتناب کرے اور جس پر غلبہ حرام ہو اس سے اجتناب کرے اور جس پر غلبہ حرام ہو اور کوئی وجہ مکروہ ہو اس سے بھی پرہیز کرے مثلاً کسی رشوت دینے والے کا ہدیہ بوجہ مروت لے لینا یا سوال کر کے کوئی شے حاصل کرنا یا جو اس کے قائم مقام ہو وغیرہ وغیرہ (3) مقدار معیشت ملحوظ رہے کہ قدر واجب سے زیادہ نہ ہو نہ کم اور قدر واجب مقدار ضرورت کا نام ہے اور ضرورت تین چیزوں کی ہوتی ہے۔ خوراک' پوشاک' مکان اور ہر ایک تین درجے ہیں۔ ادنیٰ' اعلیٰ' اوسط پس جب تک کمی کی جانب مال نہ رہے گا۔ حد ضرورت کے قریب رہے گا تو ہلکا اور آسان راستہ سے نجات پائے گا اگر مقدار مذکور سے تجاوز کرے گا تو ایسے گڑھے میں گرے گا کہ جس کی گہرائی کی کوئی انتہا نہیں ہم نے ان درجات کی تفصیل باب زہد میں لکھی ہے۔ (4) مقامات خرچ کو مد نظر رکھے اور میانہ روی سے خرچ کرے نہ اسراف ہو نہ حد سے زیادہ تنگی جیسا کہ مذکور ہوا بلکہ جو کمائی وجہ حلال سے ہے اس کو اسی کے موقع پر خرچ کرے۔ بے موقع خرچ نہ کرے کیونکہ جیسے گناہ ناحق لینے میں ہے ویسے ہی ناحق خرچ کرنے میں بھی ہے۔ (5) مال کے لینے اور چھوڑنے اور خرچ تنگی میں نیت درست رکھے۔ یعنی جو مال حاصل کرے۔ اس میں عبادت پر استعانت کی نیت ہو اور جو مال ترک کرے اس

میں زہد اور مال کی حقارت کی نیت ہو۔ اگر ایسا کرے گا تو مال کا ہونا اسے نقصان نہ دیگا (ان شاء اللہ)

فائدہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر کوئی تمام زمین کی چیزوں کو حاصل کرکے اللہ عزوجل کی رضائیت دل میں رکھے تو بھی زاہد رہے گا اور تمام چیزیں زمین کی چھوڑ دے مگر نیت اللہ کی رضا نہ ہو تو وہ زاہد نہیں۔

درس امام غزالی قدس سرہ: سالک کو چاہئے کہ اپنی تمام حرکات وسکنات کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر منحصر کردے یعنی حرکات و سکنات وہی کرے جو عبادت ہوں یا عبادت پر معین و مددگار مثلاً عبادت میں سے زیادہ مخالف کھانا اور پاخانہ ہے مگر ان سے بھی عبادت پر اعانت ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی کھانا اور پاخانہ بہ نیت مدد عبادت کرے گا تو اس کے حق میں عبادت لکھا جائے گا۔ اسی طرح جس چیز کی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ مثلاً کرتا پاجامہ بچھونا برتن سب میں یہی نیت چاہئے کیونکہ دین میں کبھی ان چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اور جو چیز ضرورت سے زائد ہے۔ اس میں یہ نیت ہو کہ اس سے کسی اللہ کے بندے کا کام چلے گا۔ اسی بنا پر اگر کوئی بوقت ضرورت ایسی چیز چاہے تو انکار نہ کرے جو سالک ان باتوں کو دستور عمل رکھے گا وہ اندر سے اس کا جوہر اور تریاق نکلے گا اور زہر پھینک دیا جائے گا ایسے آدمی کو مال کی کثرت سے نقصان نہیں لیکن یہ بات اسے حاصل ہو سکتی ہے جو دین میں پختہ ہو اور علم دین سے مکمل طور پر آگاہ ہو جو جاہل مال جمع کرنے کو یہ خیال کرے کہ جیسے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم غنی تھے اور ان کے پاس بہت سی دولت تھی ویسے ہی مال جمع کرتا ہوں تو ایسے شخص کا حال ایسا ہے جیسے کوئی لڑکا کسی بڑے منتردان کامل کو دیکھے کہ اس نے سانپ پکڑ لیا اور اس کا جوہر نکال لیا اور دل میں یقین کیا کہ اس نے سانپ کو اس لیے پکڑ لیا کہ اس کی صورت و شکل اچھی اور جلد نرم ہے تو میں بھی ایسا کروں۔ تو جب یہ سانپ پکڑے گا۔ اسی وقت لقمہ اجل ہوگا۔

فائدہ: ان دونوں میں فرق یہی ہے کہ سانپ کا کاٹا ہوا معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ مر گیا مگر مال کا کاٹا ہوا مرتا ہوا معلوم نہیں ہوتا اسی لیے دنیا کو تشبیہ سانپ سے تشبیہ دیتے ہیں۔

ہی دنیا کحیتہ تنفث السم وانکانت المجسنہ لانت (ترجمہ) دنیا سانپ کی طرح زہر پھونکتی ہے اگرچہ بظاہر اس کا چمڑہ نرم ہے۔ جس طرح کہ پہاڑوں پر پھرنے اور دریاؤں کے کنارے پر چلنے اور خار دار راہوں میں گزرنے میں نابینا دیکھنے والے کی برابری نہیں کر سکتا اسی طرح مال کے لینے میں آدمی عامی عالم کی برابری نہیں کر سکتا۔

دولت مند کی مذمت اور فقیرو تنگ دستی کی فضیلت: اس میں اختلاف ہے کہ شاکر دولت مند کا مرتبہ اعلیٰ و افضل ہے یا صابر تنگدست کا ہم اسے باب فقر اور زہد میں لکھیں گے اور اس باب میں صرف اتنا لکھتے ہیں کہ دولت مندی سے مطلقاً فقر ہی افضل ہے اور تفصیل احوال کی طرف ہم متوجہ نہیں ہوتے اور اس موقع پر فقر کی فضیلت میں وہ بات نقل کرتے ہیں جس کو حارث محاسبی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ایک رسالہ میں بجواب کسی تونگر عالم کے کہ جس نے اپنے مال جمع کرنے کی حجت صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی تونگری اور حضرت عبدالرحمان بن عوف

رضی اللہ عنہ کی کثرت مال کی بیان کی تھی اور خود کو صحابہ رضی اللہ عنہ سے مشابہت دی۔

تقریر حارث محاسی رحمتہ اللہ علیہ: صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ حارث محاسبی رحمتہ اللہ علیہ عمل معاملات میں ان سے بڑھ کر کوئی عالم پیداء نہیں ہوا۔ عیوب نفس، آفات اعمال، کنہ عبادات جتنا آپ نے تحریر فرمایا ہے کسی کو ایسا لکھنا نصیب نہ ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بڑے علماء کے حق میں ارشاد فرمایا ہے کہ اے کبیر علماء تم نماز پڑھتے ہو اور روزہ رکھتے ہو صدقہ دیتے ہو مگر جس چیز کا حکم ہے۔ وہ نہیں کرتے اور جو خود نہیں کرتے وہ لوگوں کو سکھلاتے ہو۔ یہ نہایت برا عمل ہے جو تم کر رہے ہو، ظاہر میں تو منہ سے توبہ کرتے ہو اور باطن میں ہوائے نفس کے مطابق عمل کرتے ہو۔ یہ بات تمہارے کام نہ آئے گی کہ ظاہر کو پاک صاف رکھو اور دل ناپاک رہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ تم چھلنی کی طرح نہ بنو جس میں سے اچھا آٹا نکل جاتا ہے اور بھوسہ اس میں رہ جاتا ہے۔ اس طرح تم ہو کہ حکمت کی باتیں تمہارے منہ سے نکلتی ہیں مگر دلوں میں کدورت بھری رہتی ہے۔ اے دنیا کے بندو جب تک دنیا سے اپنی شہوت و رغبت منقطع نہ کرو گے آخرت کسی طرح نہ پاؤ گے۔ بخدا کہ تمہارے دل تمہارے اعمال سے روتے ہیں۔ دنیا کو تو تم نے اپنی زبانوں کے نیچے رکھا ہوا ہے اور اعمال کو پاؤں تلے دنیا کی بہتری آخرت کی بہتری سے تم کو زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے تم نے اپنی آخرت برباد کردی یقین کرلو کہ تم سے زیادہ نقصان والا کوئی نہیں ہوگا۔ تمہارا برا ہو کب تک اندھیرے میں چلنے والوں کو راستہ بتاؤ گے اور خود متحیروں کی طرح کھڑے رہو گے۔ ایسے معلوم ہوتا کہ تم دنیا داروں سے دنیا اسی لیے لیتے ہو کہ ساری دنیا تمہاری ہو جائے۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں کہ گھر کی چھت پر چراغ رکھا جائے اور اس کے اندر ویسا ہی اندھیرا رہے۔ اسی طرح اگر نور علم تمہارے منہ سے نکلے اور دل ویسے ہی اندھیرے میں بیکار پڑا رہے تو کیا فائدہ اے دنیا کے بندو تم پرہیز گار نہیں ہو نہ آزاد بزرگوں کی طرح ہو کیا بعید نہیں کہ دنیا جڑ سے اکھاڑ کر اوندھے منہ ڈال کر گھسیٹنا شروع کردے اور تمہارے گناہ اور تمہارے سر کے بال پکڑے ہوئے اور تمہیں علم پیچھے سے دھکے دیتا ہوا اس شان سے اللہ کے سپرد کردیں کہ نہ کوئی ساتھی ہو نہ غم خوار نہ بدن پر کپڑے پھر اس بادشاہ بے پروا کے یہاں سے تمہارے کردار کی سزا ملے گی۔

بے عمل علماء کو درس: حضرت حارث رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بھائی یہ بڑے علماء کا حال ہے۔ عوام میں شیطان اور باعث فتنہ یہی لوگ ہیں، دنیا کی طمع میں اور اس کی جاہ و رفعت میں آخرت کو چھوڑ دیا اور دین کو ذلیل کیا۔ یہ لوگ دنیا میں بھی عار و ننگ کے باعث ہیں اور آخرت میں تو خسارہ والوں میں یقیناً ہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے معاف کردے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ جو شخص دنیا میں غرق رہتا ہے اور دنیا کو دین پر ترجیح دیتا ہے۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی خوشی کدورت میں مل گئی ہے۔ طرح طرح کے رنج اور اقسام گناہ اس سے سرزد ہوتے ہیں اور انجام بغیر بربادی اور

تباہی کے اور کچھ نہیں ہوتا دنیادار کسی امید سے تو خوش ہوتا ہے۔ مگر پھر نہ دنیا ملتی ہے نہ دین سلامت رہا ہے۔ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ (الحج 11) ترجمہ کنزالایمان: دنیا و آخرت دونوں کا گھاٹا یہی ہے صریح نقصان۔ آہ اس سے بڑی مصیبت اور درد انگیز آفت اور کیا ہوگی۔

فائدہ: بھائیو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور شیطان کے فریب میں نہ آؤ اور نہ شیطان کے دوستوں کا دھوکا کھاؤ جو حجت باطل میں گرفتار اور دنیا حاصل کرنے میں گرفتار اور دنیا حاصل کرنے میں مستغرق ہیں اور پھر اس کے لیے یہ عذر اور حجت بیان کرتے ہیں کہ صحابہ رسول ﷺ کے پاس بھی تو بہت سا مال تھا ذکر صحابہ اس کرتے ہیں کہ مال جمع کرنے میں لوگ انہیں معذور سمجھیں حالانکہ یہ ایک شیطانی دھوکہ ہے جس کی انہیں خبر نہیں

ازالہ وہم: سیدنا حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کے مال سے دلیل پکڑنا صحیح نہیں یہ شیطان کے ہلاک کرنے کا حیلہ بہانہ ہے کیونکہ جب انسان کہتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے زینت اور اسراف اور کثرت کے لیے مال جمع کیا تھا اس طرح سے وہ صحابہ کی غیبت کرتا ہے اور ان کی ذمہ بری بات لگاتا ہے اور جب یہ کہا کہ حلال مال کا جمع کرنا اس کے ترک سے بہتر ہے تو گویا خطا و جہل کی نسبت حضور سرور عالم ﷺ اور انبیاء علیہم السلام کی طرف کی کہ انہوں نے ناحق زہد اختیار کیا یہ فضیلت اور رتبہ جو مال کے جمع سے بیان کیا جاتا ہے اس سے یہ نہ سمجھا کہ وہ عوام کی طرح مال جمع کرتے تھے (معاذ اللہ) اس قول سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اس جاہل کے نزدیک رسول اکرم ﷺ نے امت کی خیر خواہی نہ کی یعنی آپ نے مال کے جمع کرنے سے منع فرمایا حالانکہ جہلا کے خیال میں مال جمع ہونا امت کے حق میں زیادہ اچھا ہے۔ گویا حضور سرور عالم ﷺ نے امت کو دھوکا دیا (معاذ اللہ) کہ بہتر بات نہ سکھائی بخدا یہ قول سراسر بکواس ہے۔ حضور سرور عالم ﷺ تو امت کے خیر خواہ اور مشفق اور رؤف و رحیم تھے۔ علاوہ ازیں اگر کہو کہ مال جمع کرنا افضل ہے تو اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ جاہلوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کچھ توجہ نہ فرمائی کہ انسان کو مال کے جمع کرنے سے منع کر دیا (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کو معلوم نہ تھا کہ فضیلت مال کے جمع کرنے میں ہے اسی لیے لاعلمی میں نہی کردی اور جاہلوں کو مال کی خیر و بھلائی کا علم ہوگیا۔ اسی لیے ایسا بے وقوف دولت کو بڑھاتا چلا جاتا ہے گویا اللہ کی نسبت جاہل کو مواقع خیر و فضیلت کے پہچاننے کا زیادہ شعور ہے۔ (معاذ اللہ)

شیطان کے فریب کا علاج: صحابہ رضی اللہ عنہم کے مال سے دلیل لینا شیطان کا فریب ہے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مال سے حجت پیش کرنا بھی مفید نہیں ہے۔ قیامت میں وہ خود چاہیں گے کہ دنیا سے اگر بقدر ضرورت بسر اوقات مال ملتا تو خوب ہوتا۔

حکایت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ: جب عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو بعض

صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہمیں حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ پر بہت خوف ہے کہ انہوں نے بہت مال چھوڑا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سبحان اللہ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کے مال سے کیا خوف ہے۔ انہوں نے مال طیب کمایا اور حلال طریقہ پر خرچ کیا اور پاک کمائی چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا قول حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے کسی نے جا کر سنایا وہ غصہ کر کے ان کی تلاش میں نکلے اور بالوں کی رسی بھی ہاتھ میں لے رکھی تھی کہ اس سے وہ انہیں باندھیں گے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو وہ بھاگ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے اور ان سے تمام ماجرا بیان کر کے پناہ چاہی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بھی ان کے پیچھے پیچھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاں آئے ان کو دیکھتے ہی حضرت کعب رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھے گئے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے یہود یہ کہ بچے تیرا یہ قول کہ حضرت عبدالرحمان بن عوف نے جو مال چھوڑا اس کا کوئی حرج نہیں حالانکہ حضور ﷺ ایک دن جبل احد کی طرف نکلے میں بھی ساتھ تھا۔ مجھے پکار کر فرمایا اے ابوذر میں نے جواب دیا لبیک یا رسول اللہ ﷺ آپ نے ارشاد فرمایا

الاکثرون هم الاکثرون یوم القیامته الامن قال هکذا وعن لیمینه وشماله و قدامه و خلفه وهم قلیل

زیادہ مال والے زیادہ حساب دیں گے مگر جس نے ایسے ایسے کہا یعنی اپنے دائیں بائیں آگے پیچھے خرچ کیا لیکن یہ بہت تھوڑے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پکارا میں نے لبیک عرض کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میرے پاس کوہ احد کے برابر خزانہ ہو کہ اسے اللہ کے راستہ میں خرچ کروں لیکن اگر موت کے دن اسی قدر یعنی دو جو کے برابر بھی میرے بعد رہے گا تو مجھے اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا دو ڈھیر بچ رہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ دو جو بچ رہیں پھر فرمایا کہ میں کم کہتا ہوں اور تو بہت کہتا ہے۔ اس حدیث شریف سنانے کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ تو فرماتے ہیں اور اے یہودی کے بچے تو کہتا ہے کہ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کے مال چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں تو بھی جھوٹا ہے اور جو تیری طرح کہے وہ بھی جھوٹا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو کسی نے کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ وہ حضرت کعب کو ایسے سخت کلمات سنا کر چلے گئے۔ (حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا کہ زائد مال حرام ہے۔ اسی لیے وہ کسی کو معاف نہیں فرماتے تھے (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بلکہ تمام صحابہ سے اس مسئلہ پر سخت گیر تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے تو لڑائی پر تلے رہتے تھے (تفصیل فقیر کی کتب حالات ابو ذر میں پڑھیے) اویسی غفرلہ

حکایت : حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کے اونٹ یمن سے آئے۔ مدینہ منورہ میں یکبارگی دھوم مچ گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ کیا شور ہے۔ عرض کیا گیا حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کے اونٹ آئے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اللہ جل جلالہ و رسول اللہ ﷺ نے سچ کہا ہے۔ یہ خبر حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کو پہنچی انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث کا مطلب پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ میں نے جنت

میں دیکھا کہ مہاجرین اور مسلمانوں میں سے فقراء خوب دوڑتے جا رہے ہیں۔ اور دولت مندوں سے ان کے ساتھ کسی کو جنت میں جاتے نہیں دیکھا۔ صرف حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ جنت میں جارہا تھا مگر گھٹنوں کے بل چلتا ہے۔ حضرت عبدالرحمان نے یہ حدیث سن کر فرمایا کہ یہ اونٹ اور ان کا تمام مال اللہ کے لیے خیرات کرتا ہوں اور غلام جو ان اونٹوں کے نگران ہیں وہ بھی میں نے آزاد کیے۔ شاید فقراء کے ساتھ میں بھی دوڑ کر جنت میں جاؤں۔ نیز حضور ﷺ نے حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میری امت کے دولت مندوں اور تونگروں میں سے تم جنت میں پہلے جاؤ گے مگر گھٹنوں کے بل۔

فائدہ: حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے باوجود فضل و تقویٰ اور احسان اور بذل اموال براہ اللہ اور صحبت رسول اللہ ﷺ اور بشارت جنت کے قیامت کے میدان اور اس کے احوال (ہولناکیوں) میں مال کی وجہ سے رکے رہیں گے۔

فائدہ: حضرت عبدالرحمان بن عوف حلال مال کماتے اور لوگوں سے حسن سلوک کرتے رہے۔ اپنے تن بدن پر میانہ روی کے ساتھ خرچ کیا کرتے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت سا کچھ دیا۔ تو بھی جنت میں فقراء مہاجرین کے ساتھ دوڑ کر نہ جاسکیں گے بلکہ ان کے پیچھے گھٹنوں کے بل چلیں گے۔ جب یہ جلیل القدر صحابی کا حال ہے تو جو دنیا کے شغل میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ان کا کیا حال ہوگا اور زیادہ تعجب تو اس پر ہے جو ہمیشہ مال مشتبہ اور حرام پر گرتا ہے اور لوگوں کے ساتھ اس ہاتھ کی میل کے لیے سینہ زوری کرتا رہتا ہے اور شہوات اور زینت اور مباہات اور طرح طرح کے مکروہات میں پھنسا رہتا ہے اور الٹ پھیر کرتا رہتا ہے۔ اس کے باوجود وہ حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کے مال سے حجت پکڑتا ہے اور کہتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو مال جمع کیا تھا اس لیے میں نے بھی جمع کیا گویا وہ خود کو سلف صالحین کا ساتھی سمجھتا ہے۔ اسے معلوم نہیں کہ یہ قیاس شیطانی ہے وہ اپنے دوستوں کو ایسے احکام سمجھاتا ہے۔ (اسے کہا جاتا ہے طفل تسلیاں) اویسی غفرلہ

صحابہ کا مال باکمال اور عوام کے مال کا وبال: یاد رہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس جو مال تھا تو وہ سوال نہ کرنے اور اللہ کی راہ میں دینے کی غرض سے تھا۔ ان حضرات نے حلال طریقہ سے کمایا اور مال طیب ہی کھایا اور نفقہ درمیانہ درجے کا کرتے رہے۔ آخرت کے لیے اپنا سامان بنا گئے اور دنیا میں کسی کا حق نہیں مارا نہ مال سے بخل کیا بلکہ اپنے خرچ سے زیادہ مال اللہ کے لیے دے ڈالا اور بعض صحابہ نے بالکل ہی تمام مال راہ خدا عزوجل میں لٹایا۔ اکثر نے سختی کے وقت اپنے نفس پر اللہ کے لیے مال لٹانے کو ترجیع دی۔ اکثر عوام کا حال اس کے برعکس ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دستور: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دستور تھا کہ مسکینوں کے دوست تھے اور فقیرو محتاجی سے مامون اور رزق کے بارے میں اللہ پر متوکل اور تقدیر الٰہی سے خوش اور بلا پر راضی اور نعمت میں شاکر

اور ضرر میں صابر او راحت میں حمد کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کے لے تواضع کرتے اور فخر سے دور رہتے۔ دنیا میں بجز ضرورت کے اور کچھ نہ لیا دائما" قدر ضرورت پر راضی رہے۔ دنیاپر لات مار دی۔ اس کے مصائب پر صبر کیا اور اس کی تلخی کو زہر مار سمجھ کر نعمت کو ترک کردیا۔ بتاؤ ہم بھی ایسے ہیں۔ نیز ہمیشہ ان کا دستور تھا کہ جب دنیا ان کے پاس آتی تو غم زدہ ہو کر کہتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی گناہ کا عذاب ہم پر اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں بھیج دیا ہے۔ وہ دنیا کے مال کو وبال سمجھتے تھے اور جب فقر فاقہ دیکھتے تو کہتے کہ خوب ہوا کہ یہ شعار صلحا ہمیں ملا

حکایت: بعض اکابر اور صالحین جب صبح کو اپنے گھر میں کچھ دیکھتے تو رنجیدہ و غمگین ہوتے اور جب کچھ نہ ہوتا تو خوش ہوتے کسی نے ان سے پوچھا کہ عوام کا تو یہ دستور ہے کہ مال کے نہ ہونے میں غم کرتے اور ہونے میں خوشی کرتے ہیں اور تمہارا حال اس کے برعکس ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ وجہ یہ ہے کہ جب میں صبح اٹھ کر اپنے اہل و عیال کے پاس کچھ نہیں دیکھتا تو خوش ہوتا ہوں کہ آج سیرت رسول اللہ ﷺ نصیب ہوئی اور جب میرے عیال کے پاس کچھ ہوتا ہے تو مجھے رنج ہوتا ہے کہ اقتدائے آل محمد (رضی اللہ عنہم و صلی اللہ علیہ وسلم) نصیب نہ ہوئی۔

فائدہ: اسلاف کا دستور تھا کہ جب ان کو کوئی صورت رفاہ اور آسائش کی معلوم ہوتی تو غم اور خوف کرتے اور کہتے کہ ہمیں دنیا سے کیا سروکار ہے نہ معلوم اللہ تعالیٰ کو کیا منظور ہے اور جب ان پر کوئی مصیبت آتی تو خوش ہوتے کہ ہاں اب اللہ تعالیٰ نے ہماری خبر گیری کی

خلاصہ سلف صالحین کا حال اس طرح تھا۔ ہم نے تو تھوڑا لکھا ہے ورنہ ان کے فضائل بے حد و بے شمار ہیں

حال عوام: عوام کا یہ حال ہے کہ امیری کرتے ہیں خوش حالی کے وقت اکڑتے ہیں اور منعم حقیقی کے شکر سے غافل ہو جاتے ہیں۔ دولت مندی اور سرکشی کے وقت دولت ہڑپ کرتے ہیں اور مفلسی میں ناامید ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام پر راضی نہیں ہوتے بلکہ فقیری کو برا جانتے ہیں اور مسکینی سے تنگ ہوتے ہیں۔ مسکینی سے تمام پیغمبر اور مرسلین علیہم السلام فخر کیا کرتے تھے۔ عوام ان کا فخر اچھا نہیں سمجھتے۔ افلاس کے خوف سے مال جمع کرتے ہیں۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ پر انہیں بدگمانی ہوتی ہے حالانکہ اس نے جو روزی پہنچانے کی ضمانت کی ہے اس پر قلت یقینی آتی ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عوام مال اسی لیے جمع کرتے ہیں کہ دنیا کی لذات اور شہوات اور طمطراق حاصل ہوں حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے من شرار امتی الذین غدوا بالنعیم وربیت علیھم احسامھم میری امت میں برے وہ لوگ ہیں جو نعمت و آسائش پاتے ہیں اور اسی پر ان کے اجسام بوڑھے ہوتے ہیں (یعنی عیاشی میں زندگی بسر کی)

فائدہ: بعض اولیاء فرماتے ہیں کہ قیامت میں کچھ لوگ اپنی نیکیاں طلب کریں گے تو ان سے کہا جائے گا اَذْهَبْتُمْ

طَيِّبٰتِكُمْ فِیْ حَیَاتِكُمُ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا (الاحقاف 20) ترجمہ کنزالایمان: ان سے فرمایا جائے گا تم اپنے حصہ کی پاک چیزیں اپنی دنیا ہی کی زندگی میں فنا کر چکے اور انہیں برت چکے۔ اس سے زیادہ اور کون سی حسرت اور مصیبت ہوگی اور تعجب نہیں کہ عوام فخر و تکبر اور اظہار کثرت اور زینت کے لیے دولت جمع کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو مال تفاخر اور تکاثر کے لیے جمع کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے حال میں جاتا ہے کہ وہ اس پر غضبناک ہوتا ہے۔

فائدہ: جاہلوں کو اللہ تعالیٰ کے غضب کی کوئی پرواہ نہیں شاید اللہ تعالیٰ کے ہاں جانے سے دنیا میں رہنا انہیں بہتر معلوم ہوتا ہے کیا یہ دیدار الٰہی کو برا جانتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہے۔ اس سے دنیا کی اگر کوئی چیز فوت ہو جاتی ہے تو اس پر رنج کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے من اسف علی الدنیا فاتته اقترب من النار سیرة سنته ترجمہ: دنیا سے چلے جانے کا افسوس کرے وہ آگ سے ایک سال کی راہ نزدیک ہو جاتا ہے لیکن تمہیں اس کی پروا نہیں کہ اس پر افسوس کرنے سے قرب عذاب ہوگا بلکہ کیا تعجب ہے کہ دنیا کی توقیر کی وجہ سے کبھی تم دین سے بھی خارج ہو جاتے ہو۔ دنیا کے آنے سے ہشاش بشاش ہونے سے خبر نہیں کہ کیا ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے من احب الدنیا و سربها ذهب عوف الاخرة من قلبه جو دنیا سے محبت کرکے اس سے خوش ہوتا ہے تو اس سے آخرت کا خوف چلا جاتا ہے۔

فائدہ: بعض علماء کا قول ہے کہ دنیوی چیزوں کے چلے جانے پر افسوس کرنے اور ان کے آنے پر اظہار خوشی سے انسان سے قیامت میں حساب ہوگا کہ تمہارے دل سے خوف الٰہی جاتا رہا۔ دنیا پر کیسے خوش ہو اس کے لیے دین کی نسبت بہت زیادہ مشقت اٹھاتے ہو اور بعید نہیں کہ گناہوں کی مصیبت تم کو بہ نسبت دنیا کی کمی کے ہلکی معلوم ہوتی ہو۔ تمہیں مال کے چلے جانے کا خوف زیادہ ہے اور گناہوں کے ارتکاب سے تمہیں کوئی غم نہیں جو کچھ اس ہاتھ کی میل میں سے لوگوں کو دیتے ہو وہ بھی بقصد اپنی بڑائی اور برتری کے اس سے یہ چاہتے ہو کہ مخلوق راضی رہے اور لوگ تعظیم اور تکریم کریں گے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو یعنی قیامت میں اللہ تعالیٰ کی تحقیر بہ نسبت مخلوق کی تحقیر کے تمہیں آسان معلوم ہوتی ہے۔ اپنی خطائیں لوگوں سے چھپاتے ہو لیکن اس کی پروا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا علم ہے۔ گویا اللہ کے سامنے رسوا ہونا لوگوں کی رسوائی سے آسان ہے۔ لوگوں کی قدر تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر معلوم ہوتی ہے (معاذ اللہ) جب اتنے عیوب تم میں ہیں اور ایسی نجاسات میں ملوث ہو تو پھر کیسے دانشمندوں کے سامنے بولتے ہو اور کہتے ہو کہ ہمارا مال بھی صلحا کے مال جیسا ہے۔ (فرقیست از کجا تا کجا) تم کہاں وہ کہاں وہ لوگ حلال میں بھی اتنا زہد کرتے جتنا تم سے حرام میں بھی نہیں ہو سکتا۔ جس چیز کو تم جائز تصور کرتے ہو وہ ان کے نزدیک مہلکات میں سے تھی۔ ان سے اگر گناہ صغیرہ بھی ہو جاتا تو وہ اسے اتنا بڑا جانتے کہ تم کبیرہ کو بھی نہیں جانتے۔ اگر تمہارا مال حلال اور طیب ہے اور ان کے مال مشتبہ جیسا ہوتا تو کیا کہنا۔ کاش تم اپنی برائیوں سے اتنا

ڈرتے جتنا وہ حضرات اپنی بھلائیوں کے قبول نہ ہونے سے ڈرتے تھے یا تمہارا روزہ ان کے افطار کے مثل ہوتا یا تمہاری عبادات میں مشقت ان کی سستی اور خراب یعنی نیند کے برابر ہوتی یا تمہاری تمام نیکیاں ان کی ایک نیکی کے برابر ہوتیں۔

معمولات صحابہ علیہم الرضوان: بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ جس قدر دنیا صدیقین سے فوت ہو جاتی ہے اسی قدر ان کے حق میں غنیمت شمار ہوتی ہے تو جو شخص ایسا نہ ہو وہ ان جیسا نہ دنیا میں ہے نہ آخرت میں۔

سلف و خلف میں فرق: دونوں فریقوں میں کتنا فرق ہے ایک فریق تو صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ اسلاف سے یہی مراد ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بلند مرتبہ رکھتے ہیں اور ایک فریق ہم تم عوام ہیں۔ اگرچہ بلند درجہ رکھتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے معاف فرما دے تو زہے قسمت۔ ہم کہتے ہیں کہ اے مغرور یہ تیرا قول ہے کہ مال کے جمع کرنے سے ہماری غرض اقتدائے صحابہ ہے کہ گداگری نہ کرنی پڑے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ سو اس کا چکر جواب دو کیا جیسے ان حضرات (صحابہ رضی اللہ عنہم) کے وقت حلال میسر تھا۔ اس زمانہ میں بھی ہے۔

فائدہ: بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ہم رزق کے حلال کے وجوہ کے ستر راستے اس لیے چھوڑ دیتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم حرام مال حاصل نہ کرلیں کیا تم بھی اپنے نفس سے ایسی احتیاط کی طمع رکھتے ہو۔ مجھے اخلاف سے ہرگز یہ توقع نہیں کہ اتنا احتیاط کریں۔

انتباہ: جان لو کہ مال جمع کرنا سلوک و افعال نیک کے لیے شیطان کا ایک فریب ہے تاکہ سلوک اور احسان کے بہانے سے سالک کو شبہات مال میں ڈال دے۔ جن میں حرام مخلوط رہتا ہے۔

حدیث شریف: جو شخص شبہات پر جرات کرتا ہے۔ قریب ہے کہ وہ حرام میں تبدیل ہو جائے۔ اے مغرور کیا تجھے معلوم نہیں کہ شبہات کی چیزوں کا کما کر اللہ کے راستے میں دینے کی بہ نسبت یہ امر بہتر ہے کہ شبہات میں مبتلا ہونے سے ہمیشہ ڈرتا رہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے قدر و مرتبہ افضل اور بلند ہو۔

فائدہ: علماء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ایک روپیہ چھوڑ دے اس خوف سے کہ شاید حلال نہ ہو یہ بہ نسبت ہزار اشرفیوں کی خیرات سے بہتر ہے جو شبہ سے کمائی ہو۔

شیطانی دھوکہ: اگر کسی کے گمان میں ہو کہ میں بڑا متقی ہوں مجھے شیطان دھوکہ نہیں دے سکتا اور حلال وجہ سے مال جمع کرتا ہوں تاکہ اللہ کے راستے میں خرچ کروں۔ اے ہم کہتے ہیں کہ اگر بالفرض تو ایسا ہی متقی ہے تو بھی قیامت کا حساب اپنے اوپر لازم سمجھنا کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہ قیامت سے خوف کرتے تھے۔

حکایت: بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں ہزار اشرفیاں حلال وجہ سے روزانہ کما کر انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کروں اور اس خیرات سے میری نماز باجماعت میں بھی کمی نہ آئے تب بھی مجھے ایسی خیرات اچھی معلوم نہیں ہوتی۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ حالت ناداری میں قیامت کے سوال سے غنی ہوں۔ اغنیاء سے سوال ہوگا کہ اے میرے بندے کہاں سے تو نے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔

فائدہ: حقیقی متقی لوگ یہ تھے اسلام کے سبب سے ایسی دولتمندی انہیں حاصل تھی باوجودیکہ اس زمانہ میں حلال مال موجود تھا تاہم حساب کے خوف سے مال کو ترک کیا کہ کہیں نیکی سے برائی سرزد نہ ہو جائے۔ اے برادر تو تو ردی اور نکمے لوگوں میں سے ہے اور حلال کی کمائی سے اس زمانہ میں مفقود ہے ہر ایک حصول مال پر سینہ زوری کرتا ہے پھر کہتا ہے کہ میں مال حلال کمائی سے تو جمع کر رہا ہوں بتایئے حلال کہاں ہے جسے تو جمع کرتا ہے۔ مان لیا کہ مال حلال تیرے پاس موجود ہے تو کیا تجھے خوف نہیں کہ دولتمندی کی حالت میں تیرا دل شیطان کا ہو جائے۔

تقوائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم: صحابہ کرام کو مال وراثت حاصل ہوتا تو اسے نہ لیتے۔ اس خوف سے کہ کہیں دل میں تغیر اور فساد نہ آجائے۔

فائدہ: بتاؤ اے جاہلو کیا تم اپنے دل صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل سے بھی متقی تر سمجھتے ہو کہ کسی حال میں بھی تمہارا دل حق سے تجاوز نہ کرے گا۔ اگر یہ گمان ہے تو اپنے نفس لمارہ پر بے شک حسن ظن کرتے رہو لیکن ہم صرف از راہ نصیحت کہتے ہیں کہ تجھے صرف ضرورت کی مقدار پر قناعت کرنی چاہئے اور اعمال خیر کے لیے مال جمع کر کے حساب کے لیے دولت مند ہونا چاہئے

حدیث شریف: من قش فی الحساب عذب ترجمہ: جو حساب میں الجھایا گیا وہ عذاب میں مبتلا ہوگا۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ قیامت میں ایک شخص پیش کیا جائے گا جس نے مال حرام سے جمع کیا ہوگا اور حرام میں خرچ کیا ہوگا۔ اس کو حکم ہوگا کہ اسے دوزخ میں لے جاؤ۔ ایک شخص ایسا پیش کیا جائے گا کہ جس نے وجہ حلال سے مال کمایا لیکن حرام پر خرچ کیا تھا۔ اسے بھی دوزخ میں ڈالنے کا حکم ہوگا۔ ایک اور شخص ایسا لایا جائے گا جس نے وجہ حرام سے کمایا اور امور حلال میں خرچ کیا۔ وہ بھی دوزخ میں جانے کا حکم پائے گا۔ ایک اور شخص حاضر کیا جائے گا جس نے حلال سے کمایا اور حلال ہی میں خرچ کیا اس کے لیے اسے حکم ہوگا کہ ٹھہر جا ممکن ہے تو نے مال کی طلب میں کسی میرے اور فرائض میں قصور کیا ہو۔ مثلاً نماز کو ٹھیک وقت میں ادا نہ کیا ہو یا اس کے رکوع اور سجود اور وضو میں کوتاہی کی ہو۔ وہ عرض کرے گا الٰہی میں نے وجہ حلال سے کمایا اور وجہ حلال میں خرچ کیا اور تیرے فرائض میں سے بھی کوئی شے ضائع نہیں کی۔ حکم ہوگا کہ ممکن ہے تو نے مال کی وجہ سے تکبر کیا ہو۔ یا سواری اور کپڑے میں فخر ظاہر کیا ہو۔ عرض کرے گا الٰہی میں نے نہ تکبر کیا اور نہ فخر ظاہر کیا۔ حکم ہوگا ممکن ہے جن لوگوں کا حق میں نے

تیرے ذمہ کیا تھا ان کا حق تو نے ادا نہ کیا ہو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کو نہ دیا ہو۔ عرض کرے گا الٰہی میں نے وجہ حلال سے حاصل کیا اور اس میں خرچ کیا اور کوئی تیرا فرض ضائع نہیں کیا اور تکبرو فخر بھی نہ کیا اور نہ کسی کا حق دبایا۔ پھر وہ تمام لوگ یعنی رشتہ دار اور تمام مساکین اور مسافرین اس سے جھگڑا کریں گے کہ الٰہی تو نے اس کو مال دیا اور غنی بنایا اور ہمارے دین کا حکم فرمایا اور ہمارا مددگار کیا۔ باوجود اس کے فرائض میں بھی قصور نہیں اور نہ تکبر کیا پھر بھی حکم ہوگا کہ ٹھہر جا جو نعمت میں نے تجھے دی تھی کھانے یا پینے کی یا لقمہ یا لذت کی سب کا شکر پیش کر اس طرح سے پرسش ہوتی رہے گی۔

فائدہ: جب شخص مذکور جس نے وجہ حلال سے کمایا اور اسی میں خرچ کیا اور تمام حقوق فرائض کو بخوبی ادا کیا۔ اس سے اس قدر حساب لیا جائے گا تو ہم جیسے نکموں کا کیا حال ہوگا کہ رات دن دنیا کے فتنوں اور اس کے شبہات اور زینت اور شہوات میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

پند سود مند: اے بے خبران سوالات کی وجہ سے متقی لوگ دنیا میں جکڑے ہوئے نہیں ہوتے اور مقدار ضرورت پر راضی ہو کر قسم و قسم کے اعمال صالحہ بہتر کسب مال سے کرتے ہیں۔ تیرے لیے ان کی اقتدا موجود ہے۔ ان کی پیروی کرنی چاہئے اگر یہ منظور نہ ہو اور یہ خیال ہو کہ میں سب سے زیادہ متقی ہوں اور اپنی عقل میں مال بھی حلال سے حاصل کیا ہے۔ اسی مقصد پر کسی کا محتاج نہ رہوں اور اللہ کی راہ میں خرچ کروں اور خرچ میں کسی طرح کا حق ذمہ نہیں رہتا اور مال کے سبب دل پر تغیر نہیں آتا اللہ کی مرضی کے موافق کام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تیرے ظاہر اور باطن سے راضی ہے۔ اگرچہ اسی طرح کا ہونا ممکن نہیں تب بھی چاہے کہ مقدار ضرورت پر اکتفا کرے اور سوالات قیامت میں بچ رہے اور قافلے کے ساتھ زمرہ مصطفیٰ ﷺ میں داخل ہو۔ مال کی وجہ سے نہ قید ہو نہ سوال کی نوبت پہنچے نہ حساب دینا پڑے اور حساب میں یا تو نجات ہے یا بلیات

احادیث (فضائل فقراء حدیث (1) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ فقیر مہاجرین جنت میں اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے۔ حدیث (2) فقراء مومنین جنت میں اغنیاء سے پہلے داخل ہوں گے۔ مغزیات کھائیں گے اور مزے کریں گے اور اغنیاء کا یہ حال ہوگا کہ گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کو ارشاد فرمائے گا۔ میرا سوال ہے کہ تم لوگوں کے حاکم تھے اور بادشاہ تھے بتلاؤ کہ جو کچھ میں نے دیا اس سے تم نے کیا کیا۔

فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر میرے پاس عمدہ جانور ہوں مگر حضور ﷺ اور ان کی جماعت کے ساتھ میں پہلے قافلے میں نہ ہوں تو ایسا مال اچھا معلوم نہیں ہوتا (پند سود مند) عزیز و کوشش کرو زمرہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام میں شامل ہوں اور اس سے ڈرو کے کہیں حضور اکرم ﷺ سے علیحدہ ہو کر پیچھے رہ جاؤ جیسے متقی ڈرتے رہتے ہیں۔

حکایت: کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو پیاس لگی۔ انہوں نے پانی مانگا خدام ان کے لیے شہد کا شربت لائے جب آپ

نے اس کو چکھا تو گریہ سے ہچکی بندھ گئی۔ خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رلایا۔ پھر منہ سے آنسو پونچھ کر چاہا کہ بات کریں لیکن پھر رونا شروع کیا۔ جب بہت زیادہ روئے تو انہوں نے پوچھا کہ کیا آپ اسی شربت کی وجہ سے روتے ہیں۔ فرمایا کہ ہاں اس لیے کہ ایک دن میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا اور آپ کے حجرہ شریف میں سوائے میرے اور کوئی نہ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے الگ رہ میں نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں تو آپ کے سامنے کسی کو نہیں دیکھتا۔ آپ کس سے مخاطب ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا نے اس وقت میرے سامنے گردن اور سر بڑھا کر کہا کہ مجھے لے لو۔ میں نے کہا مجھ سے الگ ہو۔ اس نے جواب دیا کہ اے محمد ﷺ آپ تو بچ جاؤ گے لیکن آپ کے بعد والے مجھ سے نہیں بچ سکیں گے۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ اس شربت کے پینے سے کہیں میں رسول اللہ ﷺ سے علیحدہ نہ ہو جاؤں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ یہ حضرات تھے کہ اس خوف سے کہ شربت میٹھا اور حلال حضور ﷺ سے جدا نہ کردے (پند سود مند) اے جاہل تو ہر قسم کی نعمت اور شہوات نفسانیہ میں مبتلا ہے اور کمائی بھی خالی از مال حرام نہیں۔ تجھے حبیب خدا ﷺ سے علیحدگی کا خوف نہیں۔ تجھ پر افسوس ہے اور سخت افسوس ہے تو کتنا بڑا جاہل ہے کہ اگر قیامت میں حضور ﷺ سے پیچھے رہ گیا تو وہ ہولناکیاں دیکھے گا جن سے فرشتے اور انبیاء علیہ السلام پناہ مانگتے ہیں۔ اگر کوشش میں کوتاہی کرے گا تو پھر ان کی رفاقت مشکل ہے۔ اگر تجھے مال کی کثرت مدنظر ہے تو سخت حساب کے لیے صبر کرنا پڑے گا۔ اگر مقدار قلیل پر قانع ہوگا تو ایک مدت میدان قیامت میں ٹھہرنا اور آہ و فریاد کرنی پڑے گی۔ اگر پیچھے ہونے والوں کے احوال سے راضی ہوگا تو اصحاب یمین اور رسول اللہ ﷺ سے علیحدہ رہے گا اور درالنعیم و خلد بریں میں دیر سے پہنچے گا۔ متقیوں کے حال کے خلاف اگر کرے گا تو سوال حشر میں مرے گا (اسے خوب سوچ لے)

ایک اور خرابی کارد: اگر یہ خیال ہو کہ میں بھی مثل سلف صالحین کے ہوں کہ قدر قلیل پر قانع ہوں اور حلال کا طلب مال خرچ کرنے والا اپنے نفس پر ایثار کرنے والا فقر سے ڈرتا نہیں نہ کل کے لیے کچھ جوڑتا ہوں کثرت مال اور امیری کو برا جانتا ہوں اور فقر و فاقہ پر راضی قلت مال اور مسکینی سے خوش ہوں اور عاجزی و ذلت کو اچھا سمجھتا ہوں اور بلند مرتبہ و رفعت کو برا جانتا ہوں۔ اپنے کام میں مضبوط ہوں۔ راہ راست سے میرا دل پھرتا نہیں۔ اپنے نفس کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے روکے رہتا ہوں اور تمام کاموں میں مرضی حق کو مقدم جانتا ہوں اور مجھ جیسا متقی سوال و حساب کے جھگڑے میں توقف نہ کرے گا۔ میرا مال جمع کرنا صرف خرچ فی سبیل اللہ کے لیے ہے۔ اس خیال پر ہمارا سوال ہے کہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ مال کے شغل نہ رکھنے اور ذکر و فکر اور عبرت کے لیے دل کے فارغ رہنے سے دین زیادہ محفوظ رہتا ہے۔ پھر حساب میں آسانی ہوتی ہے۔ قیامت میں سوال آسان ہوتے ہیں۔ قیامت کی ہولناکیوں سے امن ہوگا اور ثواب بہت ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبہ بہت زیادہ حاصل ہوتا ہے۔

حدیث شریف: ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حدیث روایت فرمائی کہ اگر کوئی گود میں اشرفیاں لے کر تقسیم کرے۔

اور دوسرا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو ذاکر افضل ہوگا۔

فائدہ: بعض علماء سے کسی نے سوال کیا کہ ایک آدمی اعمال خیر کے لیے مال جمع کرتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ مال نہ جمع کرنے میں اس کے لیے زیادہ خیرو بھلائی ہے۔

فائدہ: نیز بعض تابعین سے کسی نے پوچھا کہ دو شخصوں میں سے ایک نے مال حلال طریقہ سے حاصل کیا اور اس سے صلہ رحمی کی۔ دوسرا دنیا سے بالکل کنارہ کش رہا۔ نہ اس نے مال دنیا طلب کی نہ اس کو دنیا حاصل ہوئی۔ ان دونوں میں افضل کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو دنیا سے کنارہ کش ہے۔ وہ افضل ہے:

پند سود مند اے جاہل تو اگر دنیا چھوڑ دے تو تجھے بھی یہ درجہ اہل دنیا سے بڑھ کر مل جائے گا۔

ترک دنیا کے فوائد: ترک دنیا میں بھی بہت سے فائدہ ہیں۔ بدن کو راحت ملتی ہے۔ زیادہ مشقت نہیں کرنا پڑتی۔ زندگی چین اور فارغ البالی میں گزرتی ہے۔ تردد کم کرنا پڑتا ہے۔ جب ترک مال سے تجھے طالب مال پر یہ فضیلت ہے تو اب کون سا عذر مال جمع کرنے میں باقی ہے بلکہ ذکر الٰہی میں مشغول ہونے اللہ کی راہ میں خیرات کرنے سے افضل ہے اور بار بار سوچئے کہ مال نہ جمع کرنے میں بڑی راحت ہے اور آخرت میں فضیلت سوا بالفرض اگر مال جمع کرنے میں کوئی فضیلت ہو تب بھی مکارم اخلاق کا تقاضا ہے کہ اپنے نبی کریم ﷺ کی اتباع کرو جن کی وجہ سے ہم سب کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی۔ جتنا دنیا سے کنارہ کشی انہوں نے فرمائی تم ان کی اتباع میں کنارہ کشی کرو۔

سعادت و فلاح کا صوفیانہ نسخہ: صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ سعادت و فلاح دنیا سے کنارہ کشی میں ہے۔ قیامت میں مصطفیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے جھنڈے تلے اور سب سے پہلے جنت الماویٰ میں جانے کا بہترین عمل ہے۔

حدیث شریف: حضور اکرم نور مجسم ﷺ نے فرمایا کہ ایمانداروں کے سردار وہ ہیں جن کو صبح کا کھانا ملے تو شام میں نہ مل سکے۔ اگر قرض لینا چاہیں تو کوئی قرض نہ دے اور ستر عورت سے زیادہ کپڑا نہ رکھے اور مقدار کفایت کے کھانے پر قدرت نہ ہو۔ اس کے باوجود صبح اور شام اپنے پروردگار سے راضی رہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا (النساء 69)

ترجمہ کنز الایمان: جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

فائدہ: انتباہ کے باوجود اگر تو مال جمع کرے گا اور دعویٰ کرے گا کہ میں اعمال خیر کے لیے جوڑتا ہوں تو تیرا دعویٰ سراسر لغو اور بے ہودہ ہے بلکہ تو فاقہ کے خوف سے اور عیاشی اور اظہار کثرت دنیا و زینت اور فخر اور بڑائی اور ریاؤ شہرت اور عظمت اور دوسروں سے بڑھ کر مال جمع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اعمال خیر کے لیے جمع کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تجھے حیا دے اور ایسے دعویٰ سے شرم کرنے کی توفیق بخش۔ (آمین)

جب دنیا تجھ پر غالب ہے تو اس کا اقرار کرو اور خیر و فضل ضروری پر راضی رہو اور فضول چیزوں سے علیحدہ رہو اور مال جمع کرتے وقت اپنے نفس کو حقیر جانو اور اپنی خطا کے قائل ہو قیامت کے حساب سے خائف رہو۔ یہ امر تیرے لیے موجب نجات اور قریب الی الفضل ہے۔ اس سے کہ تم مال جمع کرنے کے لیے جمجتیں جبش قائم کرو۔

تلقین غزالی قدس سرہ: صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں مال حلال موجود تھا اور وہ حضرات سب سے زیادہ متقی اور زاہد تھے۔ اشیاء مباحہ کو خوب جانتے تھے اور بعد کے ادوار میں وجہ حلال کی کمائی ہے۔ یہاں تک ایک دن کا لقمہ اور ستر عورت بھی حلال سے میسر نہیں ہو سکتی۔ ایسے زمانہ میں مال کے جمع کرنے سے اللہ تعالیٰ سب کو بچائے۔ (آمین)

علاوہ ازیں ہم لوگوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم جیسا تقویٰ اور ورع اور زہد اور احتیاط کہاں اور صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے قلوب اور ان جیسی نیات کہاں ہیں۔ ہم پر مرض نفس کی مصیبت چھاگئی اور اس کی خواہشوں میں ہم پھنس گئے۔ قیامت میں ہمارا کیا ہوگا۔ بڑے سعادت مند وہ ہیں جو اس روز ہلکے پھلکے رہیں گے اور جو لوگ دولت و زیادہ مالدار ہیں کہ حرام و حلال سب ملا کر کھا گئے۔ ان کو بڑا دکھ ہوگا۔ ہم نے نصیحت تم کو سنا دی۔ قبول کرنا تمہارا کام اور اس کے قبول کرنے والے کم ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحمت خاص سے ہم سب کو توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)

فائدہ: اس بیان سے فقیر کی امیری پر فضیلت بخوبی ثابت ہوگئی اور اتنا قدر کافی ہے اور اس سے زائد اور کیا ہوگا جو احادیث ہم نے باب ذم دنیا میں اور بابا فقر و زہد میں بیان کی ہیں وہ بھی اس کی شاہد ہیں۔

مذمت مال دنیا اور قصہ ثعلبہ: مذمت دنیا میں قصہ ثعلبہ کافی ہے۔ جسے حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔ (فقیر اویسی غفرلہ) احیاء العلوم کے مضمون کو اپنی تفسیر فیوض الرحمان کے مطابق پایا ہے۔ اسی لیے وہ واقعہ حاضر ہے۔ حضرت امام محمد اسماعیل حقی حنفی قدس سرہ تفسیر روح البیان پ نمبر 10 آیت وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ (الایتہ) کے شان نزول میں لکھتے ہیں کہ ثعلبہ بن بلتعہ مسجد نبوی میں حضور نبی پاک ﷺ کے ہاں عبادت میں بہت مشغول رہتا۔ اسے حمامتہ المسجد (مسجد کی کبوتری) لقب دیا گیا۔ کثرت سجود سے اس کے ماتھے پر نہ صرف داغ پڑھ گیا بلکہ ماتھا اونٹ کے گھٹنے کی طرح باہر کو نکل آیا لیکن وہ مسجد سے بہت جلد باہر نکل جاتا۔ ایک دن اس سے حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا' کیا وجہ ہے کہ تم نماز سے جلد چلے جاتے ہو۔ یہ تو منافقین کا کام ہے۔ کہ صبح کی نماز پڑھتے ہی بلاتاخیر گھر چلے جانا حالانکہ نماز کے بعد کچھ دیر دعاو استغفار کرنا چاہیے۔ اس نے عرض کی: میں نہایت ہی تنگ دست ہوں۔ یہاں تک کہ میرے ہاں صرف ایک کپڑا ہے جس سے نماز پڑھ کر جلدی گھر چلا جاتا ہوں۔ اس سے میری عورت نماز ادا کرتی ہے اور گھر میں ننگی بیٹھی ہے۔ جب تک میں نہیں جاتا وہ نماز نہیں پڑھ سکتی فلہذا اے نبی ﷺ میرے لیے دعا فرمایئے تاکہ میں مالدار ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا ویحک یا ثعلبہ تمہیں خرابی ہو اے

ثعلبہ

فائدہ: ویحک یہ کلمہ عذاب کا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ شفقت کا کلمہ ہے۔

اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے اسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اے ثعلبہ تھوڑا مال جس کا تو شکر ادا کرے اس سے بہت بہتر ہے جس کا شکر ادا نہ کر سکے۔ دوبارہ ثعلبہ نے حاضر ہو کر یہی درخواست کی اور کہا اسی کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا کہ اگر وہ مجھے مال دے گا تو میں ہر حق والے کا حق ادا کروں گا۔ حضور ﷺ نے دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بکریوں میں برکت فرمائی اور اتنی بڑھیں کہ مدینہ میں ان کی گنجائش نہ رہی تو ثعلبہ ان کو لے کر جنگل میں چلا گیا اور جمعہ و جماعت کی حاضری سے بھی محروم ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اس کا حال دریافت فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا کہ اس کا مال بہت کثیر ہو گیا ہے اور اب جنگل میں بھی اس کے مال کی گنجائش نہ رہی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ثعلبہ پر افسوس۔ پھر حضور ﷺ نے زکوٰۃ کی تحصیل کرنے والے بھیجے لوگوں نے انہیں اپنے اپنے صدقات دیئے۔ جب ثعلبہ سے جا کر انہوں نے صدقہ مانگا۔ اس نے کہا کہ یہ تو ٹیکس ہو گیا جاؤ میں سوچ لوں (ثعلبہ کی مذکورہ بالا حالت پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ پس جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں مال عطا فرمایا بخلوابہ انہوں نے اس کے ساتھ بخل کیا۔ یعنی مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکا وتولوا اور اللہ تعالیٰ کے معاہدہ اور اطاعت سے روگردانی کی وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ اور وہ روگردانی کرنے والے ہیں یعنی انہیں گردانی عارض ہوئی۔

جب زکوٰۃ جمع کرنے والے واپس آئے تو قبل اس کے کہ ثعلبہ کا حال سناتے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یاویح ثعلبہ یہ کلمہ آپ نے دوبارہ فرمایا۔ یعنی ثعلبہ پر افسوس۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضور ﷺ کا علم غیب: پھر ثعلبہ صدقہ لے کر حاضر ہوا تو سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے قبول فرمانے کی ممانعت فرما دی۔ وہ اپنے سر پر خاک ڈال کر واپس ہوا۔ پھر اس صدقہ کو خلافت [illegible] میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا۔ انہوں نے بھی اسے فرمایا۔ پھر خلافت فاروقی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لایا۔ انہوں نے بھی قبول نہ فرمایا اور خلافت عثمانی میں ہلاک ہو گیا۔

فائدہ: ایک روایت میں ہے کہ اسے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اطلاع دی کہ اے بدبخت تیرے حق میں آیت نازل ہوئی ہے۔ یہ سن کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ تجھے سزا ہے۔ تیرے اس قول کی جبکہ تو نے کہا کہ یہ زکوٰۃ چٹی ہے۔

احیاء العلوم کا دلچسپ مضمون: نفس مضمون تو روح البیان و احیاء العلوم کا ایک ہی ہے لیکن احیائے میں بعض باتیں ایسی ہیں جو روح البیان میں نہیں۔ علامہ عراقی رحمتہ اللہ علیہ اس روایت احیاء العلوم کے بارے میں لکھتے ہیں

که حدیث ابی امامہ بطولہ الطبرانی .سند ضعیف حاشیہ احیاء العلوم ص 262 جلد 3

(۱) نبی کریم ﷺ کی دعا کی برکت ہوئی کہ ثعلبہ کی بکریوں کے لیے روایت میں ہے غنمت کما ینمو الدود بکریاں ایسی بڑھیں جیسے کیڑے مکوڑے یعنی تھوڑی مدت میں بکریوں کی کثرت ہوگئی۔

(2) جیسے حضور ﷺ نے ثعلبہ کے لیے وحی میں اس کے بدانجام کا اشارہ فرمایا ایسے ہی جب معلوم ہوا کہ وہ بکریوں کی کثریت سے جمعہ و جماعات نماز سے محروم ہے۔ تب بھی آپ نے اس کے بدانجام ہونے کی خبر دی۔ اسے کہا جاتا ہے علم الغیب اور علم ما فی الغد

(3) زکوٰۃ کے عاملین کو جب روانہ کیا تو دو شخصوں سے زکوٰۃ کی وصولی کا خصوصیت سے نام لیا۔ (۱) ثعلبہ (2) سلیمی رضی اللہ عنہ۔ اس میں راز یہ تھا کہ پہلا مردود و مغضوب اور دوسرا محبوب ہے۔ اس میں بھی علم غیب کی جھلک ہے۔ جیسا کہ احیاء العلوم میں اضافہ ہے کہ ثعلبہ نے زکوٰۃ کو چٹی کہہ کر دفع وقتی کی لیکن حضرت سلیمی رضی اللہ عنہ کو جونہی رسول اللہ ﷺ کا گرامی نامہ ملا۔ اس نے اپنے بہترین اونٹ لاکر زکوٰۃ میں پیش کر دیئے۔ عاملین نے اگرچہ کہا کہ یہ زکوٰۃ حساب سے زائد ہیں لیکن حضرت سلیمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انہیں لے جاؤ میں برضاء و رغبت بلکہ خوشی سے دے رہا ہوں اور عاملین کی واپسی پر حضور ﷺ نے دونوں کا حال ان کے کہنے سے پہلے یوں بتایا کہ ثعلبہ کے لیے فرمایا ویح ثعلبہ پر افسوس اور حضرت سلیمی رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی۔

تبصرہ اویسی غفرلہ: واقعہ ہذا میں حب مال دنیا کی تباہی کو بیان ہے لیکن ثعلبہ کی توبہ اور عجز وزاری کے باوجود حضور ﷺ نے اسے دھتکار دیا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مارا گیا اسی لیے ہم کہتے ہیں

خدا جن کو پکڑے چھوڑاوے محمد ﷺ جے پکڑے محمد ﷺ چھڑا کوئی نئیں سکدا یہ عارف جامی قدس کے شعر کا ترجمہ ہے۔

محمد بخش گنہگار حق را ولے حق نہ بخشد خطائے محمد ﷺ (جامی رحمتہ اللہ علیہ)

فائدہ: اس شعر پر منکرین کمالات مصطفیٰ ﷺ نے اعتراضات اٹھائے ہیں۔ فقیر نے ان کے جواب میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ محمد بہ بخشد

فائدہ: دنیا کی زبوں حالی اور بدبختی اس روایت سے معلوم کریں اور یہ بھی سمجھ لیں کے فقر و فقیری میں برکت ہوتی ہے اور دنیا داری نحوست ہے۔ حضور نبی پاک ﷺ نے اپنے لیے اور اپنے اہل بیت کے لیے فقیری کو پسند کیا۔

خاتون جنت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہ کی عیادت: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے آپ ذی منزلت جانتے تھے۔ ایک بار مجھ سے فرمایا کہ اے عمران تو ہمارے نزدیک ذی مرتبہ و ذی جاہ ہے۔ مرضی ہو تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کو چلو میں نے عرض کیا کہ حاضر ہوں۔ پس آپ کھڑے ہوئے اور میں ساتھ تھا۔

یہاں تک کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر دستک دی اور فرمایا السلام علیکم۔ پھر فرمایا اے فاطمہ اندر گھر میں چلا آؤں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ تشریف لائیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اور میرا ساتھی دونوں آئیں۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ آپ نے فرمایا عمرآن بن حصین۔ انہوں نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا ہے۔ میرے پاس ایک عبا کے سوا اور کوئی کپڑا نہیں۔ آپ ﷺ نے دست مبارک سے ارشاد فرمایا کہ اسے اس طرح لپیٹ لو۔ انہوں نے عرض کیا کہ بدن تو میں نے چھپا لیا ہے مگر سر کیسے چھپاؤں۔ آپ ﷺ نے اپنی پرانی چادر پھینک دی اور فرمایا کہ اس سے اپنا سر باندھ لو۔ اس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ نے اجازت دی۔ آپ نے اندر جا کر فرمایا اے لخت جگر السلام علیکم آج تم کیسی ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ درد ہے۔ اس درد کے علاوہ ایک اور درد ہے۔ وہ یہ کہ میرے پاس کھانے کی کوئی شے نہیں۔ مجھے بھوک نے کمزور کر دیا ہے۔ آپ ﷺ رو پڑے اور فرمایا اے لخت جگر مت گھبرا۔ بخدا میں نے تین دن سے کھانا نہیں کھایا اور اللہ کے نزدیک میرا زیادہ رتبہ ہے۔ اگر میں اللہ سے مانگتا تو مجھے کھلا دیتا مگر میں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی ہے۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ ان کے کاندھے پر رکھ کر کہا کہ تجھے بشارت ہو کہ تو جنت کی عورتوں کی سردار ہے۔ انہوں نے عرض کیا آسیہ رضی اللہ عنہ فرعون کی بی بی اور مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد سے بھی آپ نے فرمایا وہ اپنے اپنے وقت کی عورتوں کی سردار تھیں اور تم اپنے وقت کی عورتوں کی سردار ہو تم سب ایسے مکانوں میں رہو گی جو زبرجد کے ہوں گے اور یاقوت سے جڑے ہوئے۔ ان میں کسی طرح ایذا اور شور و غل نہ ہوگا اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اپنے چچا زاد کے ساتھ قناعت کر۔ میں نے تیرا نکاح ایسے شخص سے کیا ہے کہ دنیا میں سردار اور آخرت میں بھی سردار ہوگا۔ (بمرتبہ خود جیسے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا)

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے سبق: رسول اکرم نور مجسم ﷺ کی جگرپارہ ہیں کیسی فقیری اختیار کی اور مال چھوڑ دیا اور جو کوئی احوال انبیاء اور اولیاء کو اور ان کے اقوال کے لحاظ اور ان کے اخبار و آثار کو دیکھے وہ یقیناً معلوم کرلے گا کہ مال کا نہ ہونا افضل ہے۔ اگرچہ خیرات ہی میں کیوں نہ خرچ ہو اس لیے کہ ادنیٰ بات مال میں باوجود ادائے حقوق اور اجتناب شبہات اور صرف خیرات کے یہ ہے کہ نیت اس کی اصلاح میں مصروف رہتی ہے اور ذکر الٰہی نہیں ہوتا کیونکہ فکر اللہ دل کے فارغ ہونے سے ہوتا ہے۔ صرف مال کے شغل کے ساتھ فراغ خاطر ممکن نہیں۔

حکایت: حضرت حبر بن لیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کی۔ مجھے اپنے پاس رکھیے۔ میں آپ کی خدمت کرتا رہوں گا۔ آپ نے اسے ساتھ لیا اور ایک ندی کے کنارے جا کر ناشتہ کیا۔ آپ کے ساتھ تین روٹیاں تھیں۔ دونوں کھالیں اور ایک باقی رہی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے اور نہر میں سے پانی پی کر واپس آگئے اور وہ روٹی نہ پائی۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ روٹی کس نے اٹھائی۔ اس نے عرض کیا کہ مجھے

معلوم نہیں۔ اپ اسے ساتھ لے کر چل پڑے۔ راستہ میں ایک ہرنی ملی جس کے ساتھ دو بچے تھے۔ آپ نے ایک کو بلایا اور وہ چلا آیا۔ اس کو ذبح کر کے بھونا اور آپ نے مع اس شخص کے تناول فرمایا۔ پھر اس بچے کو فرمایا قم باذن اللہ کے حکم سے کھڑا ہو جا وہ اٹھ کر چلا گیا۔ پھر آپ نے خادم سے کہا کہ تجھے قسم ہے اس ذات کی کہ جس نے تجھے یہ معجزہ دکھلایا بتا دے کہ وہ روٹی کس نے کھائی۔ اس نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا۔ پھر آپ اس کو ساتھ لے کر چل پڑے اور ایک چشمے پر پہنچے۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور پانی پر تیرتے چلے گئے۔ جب چشمہ پار کر لیا تو آپ نے پوچھا کہ تجھے قسم اس معجزہ دکھانے والے کی بتلا دے روٹی کس نے کھائی۔ اس نے بدستور سابق عرض کیا مجھے معلوم نہیں۔ پھر ایک جنگل میں گئے وہاں بیٹھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی جمع کرنا شروع کر دی اور ڈھیر بنا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سونا ہو جا وہ سونا ہو گیا۔ آپ نے اس کے تین حصے کیے اور فرمایا ایک میرا ہے اور ایک تیرا اور ایک اس شخص کا جس نے روٹی کھائی۔ یہ سنتے ہی وہ بول اٹھا کہ روٹی تو میں نے کھائی۔ آپ نے فرمایا یہ تمام سونا تو ہی رکھ لے اور خود اس سے علیحدہ ہو گئے۔ یہ شخص مال لے کر جنگل میں ہی تھا کہ دو شخص اس کے پاس آئے اور چاہا کے اسے قتل کر کے چھین لیں اس نے کہا کہ آپس میں تقسیم کریں گے۔ لڑنے کی ضرورت کیا ہے۔ تم میں سے ایک گاؤں سے کھانا لے آئے۔ ایک ان میں سے کھانا لینے گیا اور اس نے دل میں کہا کہ اگر میں اس کھانے میں زہر ملا دوں تو دونوں مر جائیں اور سارا مال مجھے ملے گا۔ اسی خیال سے کھانے میں زہر ملا دیا۔ ادھر ان دونوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اگر تیسرا مارا جائے گا تو مال آدھا آدھا ہمارے حصے میں آئے گا۔ جب وہ کھانا لے کر آئے تو اسے قتل کر دیا جائے چنانچہ جب وہ کھانا لے کر آیا تو ان دونوں نے اسے قتل کر کے کھانا کھایا۔ زہر کی وجہ سے خود بھی وہاں ڈھیر ہو گئے اور سونا جنگل میں جوں کا توں پڑا رہا اور یہ تینوں اس کے گرد ڈھیر پڑے تھے۔ اسی حال میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ان پر گزر ہوا اپنے دوستوں سے فرمایا کہ دیکھ لو دنیا کا یہ حال ہے۔ اس سے بچتے رہو۔ (انہیں ان کا واقعہ سنایا)

حکایت: حضرت ذوالقرنین علیہ السلام ایک قوم پر گزرے۔ ان کے پاس دنیا کی کوئی چیز نہ تھی۔ ان کی معاش کا طریقہ یہ تھا کہ قبریں کھود رکھی تھیں۔ صبح کو ان میں جھاڑو دے کر صاف کرتے اور ان کے پاس نماز پڑھتے اور جانوروں کی طرح ساگ کھاتے۔ اللہ کی شان کہ ہر طرح کا ساگ ان کے لیے وہاں موجود تھا۔ حضرت ذوالقرنین علیہ السلام نے ایلچی بھیج کر ان کے سردار کو بلایا جب ایلچی نے ان کے سردار کو پیغام دیا اس نے جواباً کہا کہ مجھے ذوالقرنین علیہ السلام سے غرض نہیں۔ اگر اسے کوئی مطلب ہو تو میرے ہاں آئے۔ حضرت ذوالقرنین علیہ السلام نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا کہ خود اس کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں نے تمہارے لیے ایلچی بھیجا تو نے انکار کیا۔ اب میں خود حاضر ہوا ہوں۔ اس نے عرض کیا اگر مجھے ضرورت ہوتی تو میں خود آتا۔ آپ نے فرمایا میں تمہارا حال دیکھتا ہوں۔ یہ تو برا حال ہے۔ کیا وجہ ہے کہ تمہارے پاس دنیا کی کوئی شے نہیں۔ تم نے سونا چاندی کیوں نہیں جمع کیا تاکہ دوسروں کی طرح آسائش میں

رہتے۔ اس نے جواب دیا کہ ہم نے سونا چاندی کو اس لیے برا سمجھا کہ جسے دنیا ملتی ہے اس کا نفس یہی چاہتا ہے کہ اس سے افضل کوئی اور شے ملے۔ آپ نے فرمایا کہ پھر قبریں تم نے کس لیے کھودی ہیں اور صبح ہی ان کو صاف کرکے اس کے پاس نماز پڑھتے ہو۔ اس نے کہا کہ ان سے ہماری یہ مراد ہے کہ اگر بالفرض دنیا کی طمع ہو بھی تو قبروں کے دیکھنے سے رک جائے اور تکبر دل سے جاتا رہے۔ آپ نے فرمایا پھر ساگ کس لیے کھاتے ہو جانوروں کو پال کر ان کا دودھ اور گوشت کیوں نہیں کھاتے۔ اور ان پر سوار کیوں نہیں ہوتے۔ اس نے کہا کہ ہم اپنے پیٹ کو جانوروں کی قبر نہیں بناتے۔ زمین کے ساگ وغیرہ میں سے ضرورت رفع ہو جاتی ہیں۔ انسان کی زندگی کو ادنیٰ چیز کافی ہے کیونکہ گلے سے نیچے جا کر تمام چیزیں ایک ہو جاتی ہے۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر ذوالقرنین کے پیچھے سے ایک کھوپڑی اٹھا کر پوچھا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس نے کہا کہ یہ ایک زمین کا بادشاہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین کا بادشاہ بنایا تھا۔ اس نے سرکشی اور ظلم و ستم کیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس کا ظلم و ستم دیکھا تو اس پر موت مسلط کردی۔ اب ڈھیلے کی طرح پڑا ہے اور اس کے تمام اعمال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں۔ قیامت میں ان کا بدلہ پائے گا۔ اس سردار نے ایک کھوپڑی اور اٹھا کر ذوالقرنین سے کہا کہ اسے جانتے ہو؟ فرمایا نہیں! اس نے کہا کہ یہ بھی بادشاہ کا سر ہے۔ جو اس کے بعد ہوا اور پہلے کا ظلم و ستم اسے معلوم تھا۔ اس نے لوگوں کے ساتھ تواضع اور عاجزی کی اور رعیت کے ساتھ عدل سے پیش آیا۔ اب اس حال میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اعمال بھی محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ ان کا ثواب قیامت میں پائے گا۔ پھر ذوالقرنین کی کھوپڑی کی طرف جھک کر کہا کہ اے ذوالقرنین یہ کھوپڑی بھی ان دونوں کی طرح ہو جائے گی۔ تم جو کام کیا کرو اس پر غور کیا کرو۔ ذوالقرنین نے فرمایا اگر تم میرے ساتھ چلو تو میں تجھے اپنا نائب یا وزیر یا مشیر خاص یا شریک سلطنت کروں گا۔ اس نے عرض کیا کہ میں اور آپ ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ آپ نے پوچھا کیوں؟ اس نے کہا اس لیے کہ لوگ تمہارے دشمن ہیں اور میرے دوست۔ آپ نے فرمایا وہ کیسے؟ کیوں اس نے کہا اس لیے کہ آپ کے پاس ملک و دنیا ہے اسی لیے آپ کے دشمن ہیں اور میں نے دنیا پر لات مار دی ہے۔ مجھ سے عداوت کی وجہ کوئی نہیں۔ میں چونکہ خود محتاج و مفلس ہوں۔ میرا دشمن کوئی نہیں۔ یہ سن کر ذوالقرنین واپس چلے آئے اور اس کی باتوں سے حیران تھے بلکہ ان سے عبرت و نصیحت حاصل کرتے رہے۔

فائدہ: مذکورہ حکایات سے بھی دولت مندی کی خرابیاں ثابت ہوتی ہیں اور پہلے بھی اس بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ الحمدللہ باب ذم بخل و مال ختم ہوا یہ اسی کریم کا فضل و کرم اور اس کی توفیق سے ہوا۔

باب 8

جاہ و ریا کی مذمت

دراصل یہ احیاء العلوم شریف سے مہلکات کا ربع، ریا کی احادیث مبارکہ (ا) حضور نبی پاک ﷺ فرمایا اخوف ماا خلاف علی امتی الریا و الشهوة الخفیته التی ہی اخفی من دبیب النمل اسوداء علی الصخرة العماء فی اللیتہ الظلما ترجمہ: بے شک مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خوف ان امور سے ہے۔ (ا) احیاء اور وہ پوشیدہ شہوت جو سیاہ چیونٹی کے سخت پتھر پر کالی رات کے وقت کے چلنے کی آواز سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے۔ ریا ایسی خفی شہوت ہے کہ اگر اندھیری رات میں سخت پتھر پر کالی چیونٹی چلے تو جس طرح اس کی چال کسی طرح معلوم نہیں ہوتی۔ اس طرح یہ شہوت بھی محسوس نہیں ہوتی اس لیے اس کے آفات بڑے بڑے علماء کو بھی معلوم نہیں۔ بے علم عابدوں اور متقیوں کا تو ذکر ہی کیا ہے اور یہ نفس کے آخری مہلکات اور خفیہ فریبوں میں سے وہ عالم دین اور عابدہ جو راہ آخرت کو طے کرنا چاہتا ہے۔ وہی ریا میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ یعنی وہ لوگ جو اپنے نفس کو مجاہدہ سے مغلوب کرکے شہوات سے دور ہو کر خود کو شبہات سے بچاتے ہیں۔ پھر بزور بازو نفس سے تمام عبادات کراتے ہیں تو ان کے نفوس اس سے تو عاجز ہو جاتے ہیں کہ کسی گناہ ظاہری کا طمع اعضاء ظاہری سے کریں اور مشقت مجاہدہ سے کوئی خلاصی کی صورت بھی نہیں دیکھتے تو استراحت اور اس مشقت کے عوض استراجت خواہاں رہتے ہیں۔ جب اہل دنیا ایسے حضرات کے متعقد اور ان کی تعظیم و توقیر کرنے لگتے ہیں تو نفس کو ایک لذت حاصل ہوتی ہے اسی سے اظہار علم و عمل و طاعت میں بڑی رغبت کرتا ہے صرف عبادت اچھا کرنے سے صابر نہیں ہوتا بلکہ اسے یقین ہو جاتا ہے کہ جب لوگوں میں یہ مشہور ہوگیا کہ فلاں تارک الشہوات بلکہ شبہات سے مجتنب اور سخت عبادات کا متحمل ہے تو میری تعریف بہت نے کی اور بہت سا اکرام اور احترام اور توقیر سے مجھ دیکھنے لگے میرے دیدار و ملاقات کو تبرک جانیں گے اور مجھ سے دعا منگوانے کی رغبت کرنے لگے اور میری رائے پر چلنے کے حریص ہوں گے اور جہاں مجھے دیکھیں گے پہلے سلام کرتے ہیں اور مجلسوں میں صدر مقام پر جگہ دیتے ہیں،اور خرید و فروخت میں بمروت پیش آتے ہیں اور مجھے طعام و لباس وغیرہ میں اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اور میرے سامنے تواضع اور سرنگوں رہتے اور میری خدمت واطاعت کرتے ہیں تو اسے امور نفس کو ایسی لذت و شہوت حاصل ہوتی ہے کہ تمام لذتوں سے بڑھ کر بلکہ تمام شہوات سے غالب ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اس لذت کی وجہ سے گناہوں کا ترک اسے گراں نہیں گزرتا۔

عبادت پر رغبت اس وقت آسان ہو جاتی ہے وہ یہ تصور کرتا ہے کہ میری زندگی اللہ کے لیے ہے اور اس کی مرضی کے موافق عبادت کرنا ہے۔ درحقیقت اس کی زندگی ان شہوات مخفی کی وجہ سے ہے جنہیں سوائے عقول سلیمہ کے اور کوئی نہیں جانتا بلکہ اس کا گمان ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طاعت میں اخلاص کرتا ہوں اور اس کے محارم سے بچتا ہوں حالانکہ نفس میں یہ شہوت عوام کے سامنے زینت و تکلف کے لیے پر ہے اور اسی خوشی کے لیے جو قدر و منزلت اور وقار سے اسے حاصل ہوتی ہے۔ اسی خیال سے ثواب و اطاعت کا اجر برباد ہوجاتا ہے اور وہ اس گمان میں ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ ہوں حالانکہ اس کا نام دفتر منافقین میں لکھا جاتا ہے۔

فائدہ: یاد رہے کہ یہ نفس کا ایسا مکر ہے کہ اس سے بغیر صدیقین و مقربین کے اور کوئی نہیں بچ سکتا۔ صوفیہ کرام کے نزدیک یہ قول مشہور ہے کہ صدیقین سے بھی یہ آخری منزل میں جب جاہ دور ہوتی ہے اور یہ مرض باطنی ہے۔ یہی شیطان کا بڑا جال ہے اسی لیے درحقیقت درجات و اقسام اور طریق علاج و حذر کرنا بیان کرنا ضروری ہے۔ اس باب کی دو فصلیں ہیں۔

(فصل نمبر1)

ریاؤ جاہ کے اسباب: جاہ درحقیقت شہرت اور مشہوری کی اشاعت کا نام ہے اسی لیے صوفیہ کرام کے نزدیک شہرت اچھی نہیں بلکہ گمنامی بہتر ہے دیگر یہ کہ اللہ تعالیٰ دین پھیلانے کی شہرت عنایت فرماتا ہے اور اس میں تکلیف و تصنع کو کوئی دخل نہ ہو تو ایسی بے تکلف شہرت کا کوئی حرج نہیں نہ ہر طرح کی شہرت بری ہے۔ **احادیث:** حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ حسب المومن لشر الناس اليه بالا صابع فی دینه و دنیا انسان کو اتنا کافی ہے کہ لوگ اس کے دین یا دنیا کی وجہ سے اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کریں۔ (2) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بھی اسی مضمون کو کچھ ایک الفاظ کے تغیر سے مع زائد یوں روایت فرمائی ہے کہ یحسب المومن الشر الا من عصمه اللّٰہ من السو ان یشیر الناس الیه بالا صابع فی دینه و دنیا ان اللّٰہ یا ینظر الی صورکم ولکن ینظر الٰی قلوبکم والٰی اعمالکم ترجمہ: مرد کو شر سے کافی ہے (مگر یہ کہ جسے اللہ تعالیٰ برائی سے بچائے) یہ کہ اس کے دین و دنیا کی وجہ سے اسے انگلیوں سے اشارہ کریں۔ یاد رہے کہ اللہ تمہاری صورتیں نہیں بلکہ تمہارے قلوب و ایمان دیکھتا ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جب یہ حدیث روایت کی تو لوگوں نے ان سے کہا کہ اے ابو سعید جب عوام آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کی طرف انگلیوں سے اشارہ کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس حدیث میں یہ مراد نہیں جو تم نے سمجھا بلکہ مراد یہ ہے کہ دین میں کوئی بدعت نکالے اور اس کے سبب اس کی طرف اشارے ہوں کہ یہ ایسا ویسا ہے یا دنیا کے فسوق و فجور کی وجہ سے اس کی طرف اشارے کیے جائیں۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کی ایسی تاویل فرمائی کہ جس کا کوئی حرج

نہیں۔

اقوال اسلاف رحمتہ اللہ علیہم: (1)حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ خرچ کرو لیکن اسے مشہور نہ کرو اور خود کو نہ بڑھاؤ تاکہ لوگ پہچانیں اور تمہارا ذکر کریں بلکہ اپنے آپ کو چھپاؤ اور خاموش رہو۔ اس میں نجات ہے۔ نیک بندے تمہارے سے خوش رہیں اور برے خون میں برا منائیں گے۔ (2)حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے شہرت کو اچھا سمجھا اس نے اللہ تعالیٰ کو نہ سمجھا۔ (3)حضرت ایوب سختیانی رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ جب تک سالک اس بات کو اچھا نہیں جانتا کہ میرے مکان کی کسی کو خبر نہ ہو تب تک اللہ تعالیٰ کی تصدیق نہیں ہوتی۔ (4)خالد بن معدان کے حلقہ میں جب لوگ بہت زیادہ ہو جاتے تو شہرت کے خوف سے حلقہ درس سے اٹھا جاتے۔ (5)ابو العالیہ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس جب تین سے زائد آدمی بیٹھتے تو آپ چلے جاتے۔ (6) حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے ساتھ دس چل رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ طمع کی مکھیاں ہیں اور دوزخ کے پروانے۔ (7)حضرت سلیمان بن حنظلہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیچھے پیچھے چل رہے تھے کہ اچانک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ ان پر پڑی آپ کوڑا لے کر ان کے لیے اٹھے۔ انہوں نے عرض کیا یا امیر المومنین آپ کیا کر رہے ہیں۔ فرمایئے کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جس کا آپ کو تصور ہے وہ تابعین کے حق میں مقام لغزش ہے۔ ہمارے لئے آزمائش (یعنی ایسے ٹھاٹھ سے نہ چلیں) (8) حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما ایک دن اپنے گھر سے نکلے۔ ان کے پیچھے بہت سے لوگ چل پڑے۔ آپ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم میرے پیچھے کیوں آ رہے ہو۔ بخدا جس وجہ سے میں اپنا دروازہ بند رکھتا ہوں اگر تم کو معلوم ہو جائے تو دو آدمی بھی میرے پاس نہ ہوں (9) حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ مردوں کے پیچھے جوانوں کی آواز ہوتی ہے اس راز سے احمقوں کے دل بے خبر ہیں یعنی بے وقوف تکبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ (10) ایک دن آپ نکلے لوگ پیچھے ہو لیے۔ آپ نے پوچھا کہ مجھ سے کوئی کام ہے تو بہتر ورنہ بعید نہیں تمہارا یہ ساتھ چلنا ایمانداروں کے دل میں کچھ باقی نہ چھوڑے۔ یعنی مشایعت سے سلب معرفت کا خطرہ ہے۔ (11) ایک شخص سفر میں ابن محیریز کے ساتھ تھا۔ جب ان سے جدا ہونے لگا تو عرض کیا مجھے وصیت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تجھ سے ہو سکے تو دوسرے کو پہچان لے لیکن دوسرا کوئی تجھے نہ پہچانے۔ چلتے وقت تیرے ساتھ کوئی نہ ہو تو دوسرے سے پوچھے اور تجھ سے کوئی نہ پوچھے۔ (12) حضرت ایوب سفر کے لیے نکلے تو بہت سے لوگ ان کے ساتھ ہو لیے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ علم نہ ہوتا کہ اللہ جانتا ہے کہ میں دل سے اس مشایعت کو برا جانتا ہوں تو مجھے غضب الٰہی کا خوف تھا۔ (13) معمر رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ایوب کو ایک دن بوجہ لمبی قمیض کے بھڑکا تو آپ نے فرمایا کہ سابقہ زمانہ میں قمیض کے لمبا ہونے میں شہرت تھی مگر اس زمانے میں اسے اوپر چڑھانا شہرت ہے فلہذا کوئی حرج نہیں۔ (14) بعض اکابر کا قول ہے کہ میں حضرت ابراہیم کے ساتھ تھا کہ ان کی خدمت

میں ایک شخص حاضر ہوا جس نے بہت کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اس گدھے سے بچے رہو۔ یعنی طلب شہرت طلب نہ کرو۔ (15) حضرت ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سابق دور کے بزرگان دین دو شہرتوں کو برا جانتے تھے۔ عمدہ کپڑے، پھٹے پرانے کپڑے۔ اسی لیے کہ عوام کی نگاہ دونوں پر یکساں پڑتی ہے۔ (16) کسی نے بشیر بن الحارث سے عرض کیا کہ مجھے کوئی وصیت فرمایئے۔ انہوں نے فرمایا کہ اپنا ذکر مٹا دے اور غذا حلال و طیب کھایا کر۔ (17) حضرت شعیب رحمتہ اللہ علیہ اس سے روتے رہتے کہ ان کا نام جامع مسجد تک پہنچ گیا۔

(18) بشیر رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں ایسا کوئی آدمی نہیں جانتا جس نے اپنا مشہور ہونا پسند کیا ہو اور اس کا دین تباہ اور وہ خود رسوا نہ ہوا ہو۔ (17) یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ جو اپنی شہرت چاہتا ہے وہ آخرت کا مزہ نہیں پائے گا۔

گمنامی کے فضائل: احادیث مبارکہ (1) حضور سرور عالم ﷺ فرماتے ہیں حب اشعت اغیر ذلے لمرین لا نیو بہ لو اقسم علی اللہ لا بره منهم البراء ترجمہ: بہت سے بکھرے بالوں والے اور غبار آلود اور دو چادروں والے ایسے ہیں کہ ان کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا کہ اگر اللہ کو قسم دلائیں تو وہ انہیں سچا کر دیتا ہے۔ انہی میں سے براء رضی اللہ عنہ ہیں۔

(2) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا رب ذی طمرین لا یوبہ لواقسم علی اللہ لا یره لو قال الھم انی اسئلک الجنته لا عطاه الجنته ولھم یعطه من الدنیا شیئا بہت دو پھٹی پرانی چادروں والے جس کا کوئی اعتبار نہ ہو وہ اگر اللہ کو قسم دلائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کرے گا۔ اگر کہے اے اللہ میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہو تو وہ اسے جنت دے۔ اسے دنیا کی کوئی شے نہ دے گا۔ (3) حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا الا دلکم علی اھل الجنته کل ضعیف مستصنف لواقسم علی اللہ لا یره اھل النار کل منکبر مسنکبر جواظا ترجمہ: کیا تمہیں اہل جنت کی رہبری نہ کروں۔ ہر ضعیف جسے لوگ بھی کمزور سمجھیں اگر اللہ کو قسم دلائیں تو وہ اس کی بات سچ کردے اور اہل نار وہ متکبر جو اکڑی گردن والے ہیں۔ (4) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل جنت وہ لوگ ہیں کہ ان کے بال پراگندا ہوں اور لباس دو چادریں۔ بے حقیقت اگر امراء کے پاس جانا چاہیں تو کوئی جانے نہ دے اور عورتوں سے نکاح چاہیں تو کوئی ان کے لیے راضی نہ ہو۔ جب بات کریں تو ان کی بات پر کوئی توجہ نہ دے۔ ان کی حاجات ان کے سینوں میں پھرتی ہیں۔ ان کا نور اگر قیامت میں بانٹا جائے تو تمام لوگوں کو کافی ہو (5) فرمایا کہ میری امت میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ اگر کسی سے ایک دینار، یا ایک درہم یا ایک پیسہ مانگیں تو کوئی نہ دے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے جنت کے طلب گار ہوں تو ان کو جنت ملے اگر وہ دنیا طلب کرے تو عنایت نہ ہو اور ان سے دنیا اس لیے نہیں رد کی جاتی ہے کہ وہ ذلیل ہیں۔ اگرچہ ان پر دو چادریں بے حقیقت ہوتی ہیں لیکن اگر کسی کام کے لیے اللہ کو قسم دیں تو اللہ تعالیٰ ان کو سچا کردے۔ (نمبر1)

1۔ معلوم ہوا کہ فقہاء کا یہ قاعدہ حق ہے کہ ۔تبدل الازمان بہ تبدل الاحکام۔ یہ قاعدہ دور حاضرہ میں بڑا کام دیتا ہے۔ (اویسی غفرلہ)

حکایت: ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ معاذ بن جبل حضور ﷺ کے مزار مقدس کے قریب رو رہے ہیں۔ آپ نے گریا کا سبب پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا۔ فرماتے تھے کہ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے چھپے ہوئے متقیوں کو دوست رکھتا ہے کہ اگر غائب ہو جائیں تو کوئی تلاش نہ کرے۔ اگر سامنے آئیں تو کوئی ان کو نہ پہچانے۔ ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں۔ وہ ہر زمین تاریک غبار آلود سے دوڑ آتے ہیں۔

حکایت: حضرت محمد بن سوید رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مدینہ منورہ میں خشک سالی ہوئی۔ ایک نیک مرد مسجد شریف ہی میں رہتا تھا۔ اور دعا مانگا کرتا تھا تمام لوگ دعا میں تھے کہ ایک شخص آیا وہ پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھا اس نے دو رکعتیں نماز پڑھیں اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی الٰہی میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ اسی وقت بارش عنایت فرما۔ ابھی اس نے ہاتھ نیچے نہ کیے تھے یعنی دعا سے فارغ نہیں ہوا تھا کہ آسمان بادلوں سے چھپ گیا اور اتنی بارش ہوئی کہ مدینے کے لوگ ڈوبنے کے خوف سے فریاد کرنے لگے۔ پھر اس نے عرض کیا کہ الٰہی تو جانتا ہے کہ اس قدر پانی ان کو کافی ہے تو روک دے۔ اسی وقت بارش تھم گئی۔ پھر مرد درویش اس مرد صالح کے پیچھے ہولیا اور اس کا گھر پوچھ کر صبح اس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میں اس غرض سے آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ اپنی دعاؤں میں مجھے بھی شریک کریں۔ اس مرد صالح نے فرمایا سبحان اللہ تم مجھے کہتے کہ میں اپنی دعاؤں میں آپ کو شریک کروں۔ تمہارا حال تو کل معلوم ہی ہوگیا۔ یہ بتائیے کہ یہ رتبہ آپ کو کیسے ملا۔ اس نے کہا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے امر و نہی فرمائی میں نے تسلیم کرکے اطاعت کی۔ اب میں نے اللہ تعالیٰ سے جو سوال کیا اس نے میرا سوال پورا فرمایا۔ (7) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگو علم کے چشمے اور چراغ ہدایت بنو۔ اپنے گھروں میں بیٹھے رہو۔ رات کے چراغ اور تازہ دل ہو جاؤ اور پرانے کپڑے پہنو کے آسمان کے لوگ تمہیں جانیں۔ اگرچہ زمین والے نہ پہچانیں۔ (8) حضرت ابوامامہ نے حضور سرور عالم ﷺ سے یہ حدیث قدسی یوں روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ ان المنبط اولیانی عبد مومن خفیف المحاز ذوحظ من صلوۃ احسن عبادۃ ربہ واطاعہ فی السر و کان غامفہ فی الناس لا یشار الیہ بالا صابع ثم صبر علی ذلک ترجمہ: زیادہ قابل رشک میرے دوستوں میں وہ بندہ مومن ہے جو کنبے کے لحاظ سے کم بوجھ والا ہے اور نماز سے بہرہ ور ہے۔ اپنے رب تعالیٰ کی عبادت و اطاعت پوشیدہ ہو کر کرتا ہے۔ لوگوں میں چھپا رہتا ہے۔ اس کی طرف انگلیاں نہیں اٹھتیں۔ پھر وہ اس پر صبر کرتا ہے۔

فائدہ: روایت کرکے پھر حضور ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کے پوروں کو دوسرے ہاتھ کے پوروں پر مار کر ارشاد فرمایا کہ عجلت منیتہ و قل تراثہ و قلت بواکیہ اس کی موت جلد آئے اور اس کا ترکہ تھوڑا ہو اور اس پر رونے والی کم

یہی اولیاء اللہ ہیں جن کے لیے ہمارا عقیدہ ہے۔ نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی   بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

ہوں۔ (یعنی غیر معروف) (9) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب غریب الوطن بندے ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ غریب الوطن یعنی مسافر سے آپ کی کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو لوگ اپنا دین لے کر لوگوں سے علیحدہ ہوگئے اور قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جمع ہوں گے۔

اقوال اسلاف صالحین رضی اللہ عنہم: (1) حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انعامات میں بندے کے سامنے یہ بھی ذکر فرمائے گا کہ میں نے تجھ پر انعام نہیں کیا تھا۔ تیری پردہ پوشی نہیں کی تھی' تیرا ذکر مخفی نہیں رکھا تھا۔ (2) حضرت خلیل بن احمد رحمۃ اللہ علیہ یوں دعا مانگتے ہیں کہ الٰہی تو مجھے اپنے نزدیک بلند مرتبہ والوں میں سے بنا دے اور میرے نزدیک مجھے تمام خلق سے کم رتبہ پائے اور لوگوں کے نزدیک متوسط درجہ عنایت فرما (3) حضرت ثوری فرماتے ہیں کہ میں اپنے دل کو ایسا پاتا ہوں کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے غرباء کی طرح صلاحیت پر آجائے۔ وہ لوگ معمولی اور تھوڑی غذا اور پھٹے پرانے کپڑوں پر بسر اوقات کرتے ہیں۔ (4) حضرت ابراہیم بن ادہم فرماتے ہیں کہ دنیا میں ایک دفعہ میری آنکھ ٹھنڈی ہوئی۔ وہ یہ کہ ایک رات میں ملک شام کے کسی گاؤں میں ایک مسجد میں سو رہا تھا کہ مسجد میں اچانک میرا پاخانہ نکل گیا۔ موذن نے میری ٹانگ پکڑ کر اتنا گھسیٹا کہ مجھے مسجد سے باہر نکال دیا۔ (5) حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تجھ سے ہو سکے کہ کوئی تجھے نہ جانے تو ایسا کر اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ تجھے کوئی نہ پہچانے اور نہ اس میں کوئی مضائقہ ہے کہ کوئی تیری تعریف نہ کرے اور نہ اس میں کوئی برائی ہے کہ تو لوگوں کے نزدیک برا ہو اور اللہ کے نزدیک اچھا ہو۔

فائدہ: ان احادیث و اقوال سے شہرت کی مذمت اور گمنامی کی فضیلت ظاہر ہے اور شہرت اور انتظار ذکر سے اصلی غرض جاہ ہے یعنی لوگوں کے دلوں میں بلند مقام پیدا ہو اور جاہ کی محبت ہر فساد کی جڑ ہے۔

سوال: انبیاء علیہم السلام اور خلفائے راشدین اور ائمہ و علماء تو سب سے زیادہ مشہور ہے ان کی شہرت سے بڑھ کر اور کوئی شہرت کیا ہوگی ان کو تو گمنامی کی فضیلت تو حاصل نہ ہوئی؟

الجواب: وہی شہرت مذموم ہے جو انسان کو طلب سے ہو اور وہ شہرت جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو وہ شہرت اچھی ہے۔ جواب نمبر 2: شہرت سے ضعیفوں کو نقصان ہوتا ہے۔ زبردستوں کو نہیں ہوتا اور ضعیفوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پانی میں معمولی تیرنا جانتا ہو اور اتفاق سے اس کے اردگرد بہت سے لوگ ڈوبتے ہوں۔ بہتر یہی ہے کہ اسے کوئی نہ جانے ورنہ ڈوبتے لوگ اس کو آکر چمٹیں گے اور یہ بھی ان کے ساتھ ڈوب مرے گا اور جو زبردست تیراک ہے اس کی شان کے مناسب یہی ہے کہ لوگ پہچانیں تاکہ اگر ڈوبتے لوگ اس سے التجا کریں تو وہ ان کو بچا کر ثواب پائے انبیاء علیہ السلام' اولیاء قوی اور طاقتور اور امت و عوام کو بچانے والے ہیں لہٰذا ان کی شہرت ان کو مفید ہے۔

مذمت حب جاہ: قرآن مجید آیت (1) تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا

فَسَادًا (القصص 83) ترجمہ کنزالایمان: یہ آخرت کا گھر ہم ان کے لئے کرتے ہیں جو زمین میں تکبر نہیں چاہتے اور نہ فساد اور عقبت پرہیزگاروں ہی کی

فائدہ: آیت میں دو ارادوں کو اکٹھا فرمایا ہے۔ یعنی ارادہ رفعت اور ارادۂ فساد پھر بیان فرمایا کہ دار آخرت اسی کے لیے ہے جو ان دونوں ارادوں سے خالی نہ ہو۔ آیت (2) مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

فائدہ: یہ آیت بھی اپنے عموم پر محبت جاہ کو شامل ہے اس لیے کہ یہ محبت تمام لذات دنیوی حیات سے بڑھ کر ہے بلکہ تمام زینتوں سے یہ زینت زیادہ ہے۔

احادیث مبارکہ (1): حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا حب المال والجاہ ینبتان النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل مال و جاہ کی محبت قلب میں نفاق کو ایسے اگاتی ہے جیسے پانی سبزی کو (2) حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا ماذیان خصارن ار سلافی زریبۃ غنم باسرع افساد من حب الشرف والمال فی دین الرجل المسلم (ترجمہ) دو بھیڑئے خونخوار بھیڑوں کے گلے میں چھوڑ دیئے جائیں وہ اتنا فساد نہ ڈالیں گے جتنا دنیا اور بزرگی کی محبت انسان کے دل اور اس کے دین میں نقصان کرتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا انما ہلاک الناس باتباع الھوٰی وحب الثنا پہلے لوگ اتباع شہوات و شہرت کی محبت سے تباہ ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے فضل و کرم اور احسان سے اس بلائے عظیم سے ہم سب کو عافیت سے رکھے۔

جاہ کیا ہے؟: مال اور جاہ دنیا کے دو رکن ہیں مال کا معنی تو یہ ہے کہ جن چیزوں سے نفع ہو ان کا مالک ہونا اور جاہ کا معنی یہ ہے کہ جن دلوں سے اپنی تعظیم اور اطاعت مطلوب ہے ان کا مالک ہو جانا اور جیسے مالدار اور غنی وہ کہلاتا ہے جو مال و دولت پر قدرت رکھتا ہو اور ان دونوں کے ذریعہ سے اپنے تمام مقاصد اور شہوات اور خطوط نفس پورا کر سکتا ہے اسی طرح صاحب جاہ وہ ہے جو لوگوں کے دلوں کو ایسے قابو میں رکھے کہ جو مطلب و ضرورت ان سے چاہئے وہ ان سے حاصل کر سکے اور جیسے مال مختلف پیشوں اور کاروبار سے حاصل کیا جاتا ہے ایسے ہی لوگوں کے دل بھی مختلف معاملات کی وجہ سے کسی کی طرف راجع ہوتے ہیں اور دل تابع تب ہوتے ہیں جب کسی کو کسی بات میں حسن اعتقاد پائیں۔ پس جس دل میں کسی کی نسبت وصف کمال کا اعتقاد ہوگا۔ وہ اسی اعتقاد کے موافق اس کا تابع ہو جائے گا اور یہ کوئی شرط نہیں کہ وہ وصف فی نفسہ باکمال ہو بلکہ یہی کافی ہے کہ اس کے خیال اور اعتقاد میں وہ کمال ہو۔ بعض اوقات وہ ایسی چیز کو بھی کمال اعتقاد کر لے گا جو واقع میں کمال نہ ہوگی اور معتقد علیہ میں اس کا دل

اس وصف کمالی کا یقین کرلیتا ہے۔ اسی وجہ سے دل لازماً قابو ہو جاتا ہے اس لیے کہ انقیاد دل کی ایک کیفیت کا نام ہے۔ اور دل کی کیفیات اس کے اعتقادات اور علوم اور تخیلات کے تابع ہوتے ہیں تو جیسا اعتقاد ہوگا ویسی کیفیت طاری ہوگی اور جیسے مال کی محبت رکھنے والا چاہتا ہے کہ میرے پاس لونڈی اور غلام ہوں ایسے ہی طالب جاہ چاہتا ہے کہ تمام لوگ میری غلامی کریں اور ان کے دلوں پر مجھے اختیار کلی حاصل ہو جائے گا بلکہ جوبات صاحب جاہ چاہتا ہے وہ اس سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ مالدار تو لونڈی غلاموں کا زبردستی مالک ہوتا ہے وہ لوگ اپنی طبیعت سے ہرگز نہیں چاہتے کہ ہم کسی کے زر خرید ہوں۔ اگر ان کو قوت و طاقت ہو تو وہ ہرگز کسی آقا کی تابعداری نہ کریں بخلاف صاحب جاہ کہ کے اسی کی اطاعت خوشی سے کرتے ہیں اور آزاد لوگ اپنی طبیعت کی خواہش سے اس کے غلام بنتے ہیں اور اس غلامی وطاعت کو فخر خوشی کا سبب سمجھتے ہیں۔

نتیجہ: اے سالک اب آپ ان دونوں میں فرق سمجھ گئے کہ صاحب جاہ کا مرتبہ مالک لونڈی غلام کے مالک سے کتنا زیادہ ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جاہ کے معنی یہی ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں مقام ہو یعنی کسی کی کسی وصف کمال کا دلوں میں اعتقاد آجانا تو جس قدر کہ اس کا کمال ہوگا۔ لوگوں میں اتنا اعتقاد ہوگا اور اسی قدر دل میں بھی تابع ہوں گے اور جس قدر دلوں کی انقیاد ہوگا۔ اسی قدر صاحب جاہ کے لوگوں کے دلوں پر قبضہ ہوگا اور جس قدر قبضہ ہوں گا۔ اتنا قدرے جاہ سے فرحت اور محبت ہوگی

جاہ کے ثمرات و نتائج: لوگوں کا تعریف کرنا' یاحد سے زیادہ بڑھانا یعنی جو شخص کسی کی طرف کسی کمال کا اعتقاد رکھتا ہے۔ اپنے اعتقاد کی وجہ سے چپ نہیں رہتا اور معتقد علیہ کی ثنا و صف کرتا رہتا ہے۔ بعض نتائج جاہ کے خدام و معاونین ہیں کہ اعتقاد کے موافق اپنے نفس کو معتقد علیہ کی خدمت و عانت میں مصروف رکھتا ہے اور غلاموں کی طرح اس کا تابع رہ کر کسی طرح دریغ نہیں کرتا۔ نتائج جاہ سے ایک یہ بھی ہے کہ معتقد کو سب سے مقدم سمجھا جاتا اور اس کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی ہے۔ ایسے ہی اس کی تعظیم کرنا اس کے مقصد کے لیے خود ہی سوال کرنا اور تمام مقاصد میں اسے مقدم سمجھنا اور محافل میں اسے اعلیٰ جگہ پر بٹھانا یہ امور اسی کے جاہ کے دل میں سما جانے سے پیدا ہوا کرتے ہیں۔ یعنی جب دلوں میں کسی کی صفات کمالیہ کا اعتقاد آجاتا ہے وہ صفات علمی ہوں یا عبادات یعنی حسن عبادات یا نسب و حسن صورت یا حکومت یا زور بدن یا کوئی اور چیز جسے عوام اچھا سمجھتے ہیں تو دلوں میں اس شخص کے لیے جاہ قائم ہونے کے اسباب یہی اوصاف ہوتے ہیں۔ اسی لیے آثار مذکورہ ظہور میں آتے ہیں۔

مرض جاہ کا علاج: یہ مرض سخت مجاہدہ کے بغیر دل سے نہیں نکلتا ایک قاعدہ یاد رکھیے چاندی سونے اور دوسرے مال کے محبوب ہونے کا جو سبب ہے۔ وہی بعینہٖ جاہ کا سبب ہے بلکہ حسن جاہ کا سبب جاہ اس کا متدعی ہے کہ جاہ کی

محبت جب مال سے بہت زیادہ ہو جیسے چاندی اور سونا اگرچہ وزن میں برابر ہوں تو بھی سونے کی محبت زیادہ ہوتی ہے۔ اسے یوں سمجھیں کہ روپیہ اشرفی بذات خود نہ کھانے کی چیز ہیں نہ پہنے کی نہ لباس اور نکاح کی بظاہر روپیہ اشرفی اور پتھر میں کوئی فرق نہیں ان کی محبت اس لیے ہوتی ہے کہ ان کے ذریعہ سے دوسری محبوب چیزیں حاصل ہو سکتی ہیں بلکہ تمام ضروریات پوری ہو سکتی ہیں۔ یہی حال جاہ کا ہے یعنی اسکا دلوں کے مالک ہونے کا یہی حال ہے کہ وہ بھی بذات خود کوئی کار آمد شے نہیں بلکہ وسیلہ حصول اغراض ہے تو چونکہ جاہ بہ نسبت مال کے ترجیح رکھتا ہے اسی لیے اس کی محبت بھی بہ نسبت مال کے زیادہ ہونی چاہیے۔

جاہ و مال میں فرق: یاد رہے کہ جاہ یعنی ملکیت قلوب کو ملکیت مالی پر تین طرح سے فوقیت حاصل ہے (1) جاہ سے مال کا ملنا بہت آسان ہے اور مال سے حصول جاہ دشوار مثلاً کوئی عالم یا زاہد جس کا تمام لوگوں کے دلوں پر قبضہ ہے اگر مال حاصل کرنا چاہے تو اسے کوئی دقت نہ ہوگی اسی لیے کہ جو لوگ اس میں صفت کمال کے معتقد ہیں ان کے دل اس کے قبضہ میں ہیں اور مال کا دینا دل سے متعلق ہے جس کی طرف دل ہوگا۔ اس کو مال دینا کوئی دریغ نہیں ہوگا۔ اگر کوئی حسین و جمیل جس میں اور کوئی وصف کمال نہیں وہ چاہے کہ اسے خزانہ حاصل ہو اور اسے کوئی جاہ نہ۔ ہو یا چاہے کہ مال کی حفاظت سے مجھے جاہ حاصل ہو جائے تو دشوار ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جاہ و مال کی زیادتی کا ذریعہ ہو سکتا ہے جو صاحب جاہ نہیں اسی لیے جاہ زیادہ تر محبوب تر ہے۔ (2) مال تلف بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً چوری ہو جائے یا چھن جائے یا حکام اور ظالم طمع کریں۔ علاوہ ازیں اس پر پہرے کی محتاجی اور خزانہ وغیرہ کی بھی محتاجی ہے اور مال پر بہت سی آفات آتی ہیں لیکن قلوب جب ملک میں آجاتے ہیں تو ان آفات میں سے کوئی آفت بھی اس ملکیت پر نہیں آتی تو واقع میں اصلی خزانہ یہی ہے کہ جسے نہ چور چوری کریں نہ غاصبوں کے ہاتھ لگیں۔ نیز مال میں سب سے زیادہ پائیدار اشیاء غیر متمول ہیں۔ ان میں بھی خطرہ غصب اور ظلم کا موجود ہے اور حفاظت اور نگہبانی سے خالی نہیں مگر دلوں کے خزانوں میں تمام امور مقصود ہیں بلکہ وہ خود بخود چوری وغیرہ سے محفوظ و مامون ہیں ہاں ایک آفت اس خزانہ میں پہنچتی ہے وہ یہ کہ کوئی صاحب جاہ کا گلہ و غیبت اور اس کی مذمت کر کے دلوں کو پھیر دے اور ان کے اعتقاد بدل دے تو ہو سکتا ہے لیکن دور حاضرہ میں تو عام ہے اور شاذ و نادر امر کا دفاع آسان ہے۔

(3) دلوں پر قبضہ بے رنج و مشقت بڑھتا چلا جاتا ہیں اور ایک سے دوسرے میں سرایت کرتا جاتا ہے اس لیے کہ جب قلوب کسی کے وصف کمال کے معتقد ہوتے ہیں کہ فلاں شخص بڑا عالم و فاضل ہے تو زبان خود بخود اس کی مدح و ثنا میں کھلتی ہے اور جس چیز کے خود معتقد ہوتے ہیں وہ دوسرے کے سامنے بیان کرتے ہیں اس سے دوسرے کا دل بھی فوراً اس کا گرفتار ہو جاتا ہے اور انسان کی طبیعت (جو کہ شہرت اور بلندی ذکر کو پسند کرتی ہے) اس میں بھی یہی خواہش ہے جو ذکر اطراف میں پھیلتا ہے تو اس میں دیگر قلوب معتقد ہو جاتے ہیں اور اس اہل کمال کو پسندیدہ اور

باکمال جاننے لگتے ہیں۔ اسی طرح ایک سے دوسرے تک پھیلتا رہتا اور آگے بڑھتا جاتا ہے کہ جس کی کوئی حد و حساب متعین نہیں بخلاف مال کے اگر وہ کسی کی ملکیت میں آجاتا ہے تو جب تک اس کو بڑھانے میں کلفت و مشقت و محنت و رنج اٹھائے گا وہ بڑھے گا ورنہ نہیں بخلاف جاہ کے کہ وہ خود بخود بڑھتا اور پھیلتا چلا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے جب کسی کا جاہ زیادہ اور مشہور خلق ہو جاتا ہے اور تمام لوگ اس کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے ہیں تو اس کے بالمقابل مال اس کی نظروں میں حقیر ہو جاتا ہے۔ ترجیحات جاہ کی مال پر محمل ہیں۔ اگر مفصل لکھا جائے تو ترجیحات بہت زیادہ ہوں گی۔

سوال: مال اور جاہ سے غرض صرف حصول اغراض اور دفع نقصان ہے۔ مثلاً حصول غذا اور مکان و پوشاک و دفع امراض و عقوبت کہ مال یا جاہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے تو اس وجہ سے مال و جاہ کی محبت تو لازماً ہونی چاہیے۔ اسی لیے کہ جو چیز ذریعہ محبوب اشیاء کے وصول کا ذریعہ و وسیلہ ہوتی ہے۔ اسے بھی انسان کی طبیعت محبوب سمجھتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ انسان کو کوئی حاجت نہ ہو تب بھی مال کے جمع کرنے اور خزانوں کے افراط اور دفینوں کی کثرت کی محبت ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کسی کے پاس سونے کے دو جنگل ہوں وہ تیسرے کا خواہشمند ہو گا حالانکہ اسے یقیناً معلوم ہے کہ اس کی کبھی ضرورت نہ پڑے گی۔ اسی طرح جاہ کے بارے میں انسان اپنا ذکر اور شہرت دور دراز ملکوں میں چاہتا ہے۔ اگرچہ یقیناً جانتا ہے کہ وہاں کبھی نہیں جائے گا اور نہ کبھی وہاں کے لوگوں سے ملاقات ہو گی کہ ان سے تعظیم یا حسن سلوک کی نوبت پہنچے یا کسی غرض میں مددگار و معاون ہوں باوجود اس کے ایسی جگہ میں بھی اپنے ذکر کی شہرت سے بھی اسے بہت خوشی ہوتی ہے اور اس کی محبت طبیعت میں پائی جاتی ہے۔ ظاہر میں یہ ایک جہالت بھی ہے کہ بے فائدہ شے کی محبت کرے کہ جس سے کوئی فائدہ نہ ہو دین کا نہ دنیا کا؟

جواب واقع میں یہ محبت ہر ایک عام انسان میں ہے اور اس کے دو سبب ہیں ایک سبب تو ظاہر ہے جو عوام بھی جانتے ہیں۔ دوسرا جو کہ اس سے بڑا ہے وہ نہایت پوشیدہ ہے بلکہ نہایت دقیق کہ ذکی اور سمجھدار لوگوں کے فہم سے بھی بعید ہے کیونکہ اسی سبب کو نفس کی رگ باطنی اور طبیعت کے اقتضائے خفیہ سے مدد پہنچتی ہے جسے نہایت کے تامل اور غور و خوص کے بغیر کوئی نہیں جان سکتا۔ سبب اول تو اس محبت کا یہ ہے کہ رنج اور خوف کا دور کرنا مدنظر ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ سوء ظن سے ڈرنے والا حریص ہوتا ہے اور عام انسان کا یہی حال ہے کہ اگرچہ اس کے پاس مال بقدر کفایت موجود ہے مگر چونکہ طویل الامل ہے۔ اس وجہ سے یہ خیال کرتا ہے یہ مال اگرچہ کافی ہے لیکن ممکن ہے ضائع ہو جائے پھر کسی دوسرے کا محتاج ہونا پڑے گا۔ جب یہ خطرہ دل میں گزرتا ہے تو اس کے دل میں سے خوف جوش مارتا ہے اور اس رنج خوف کا رنج اس وقت تک دور نہیں ہوتا جب تک دوسرا مال اس کے پاس نہ آجائے کہ جس سے اس کا اطمینان ہو کہ پہلے مال کو اگر کوئی آفت آجائے گی تو یہ دوسرا مال کام آئے گا اسی طرح ہمیشہ اپنے نفس پر خوف کرتا ہے اور زندگی کی محبت میں یہ بھی فرض کر لیتا ہے کہ بڑی مدت تک زندہ رہوں گا

اور یہ بھی فرض کرلیتا ہے کہ بہت سی ضروریات پیش آئیں گی اور یہ سمجھتا ہے کہ مال موجود پر بہت سی آفات آئیں گی۔ انہیں خیالات سے خوف اٹھتا رہاہے۔ پھر خوف کو دفع کرنے کے لیے مال کی کثرت کو سبب سمجھتا ہے کہ اگر بالفرض ایک مال پر آفت آئے گی تو دوسرا کام آئے گا اور یہ ایک ایسا خوف ہے کہ اس کے لیے مقدار مخصوص معلوم نہیں کہ وہاں تک پہنچ کر ٹھہرجائے۔ اسی لیے مال کی بھی کوئی حد نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ منہومان لا یشبعان منہوم العلم ومنہوم المال ترجمہ: دو حریص کبھی سیر نہیں ہوتے، علم و مال کے حریص

فائدہ: اس جیسا سبب جاہ میں بھی سمجھنا چاہئے یعنی جو شخص یہ چاہتا ہے کہ دور دراز ملکوں کے لوگوں کے دل میں میرا مقام ہو تو وہ یہ فرض کرلیتا ہے کہ شاید کوئی ایسا سبب ہو کہ میں اپنے وطن سے ان لوگوں میں پہنچ جاؤں یا وہ لوگ اس ملک میں آجائیں اور ان سے استعانت کی محتاجی ہو چونکہ یہ امر ممکن ہے اور دور کے ملک والوں سے ضرورت کا ہونا بظاہر محال نہیں تو ایسے لوگوں کے دلوں میں اپنی وقعت ہونے سے نفس کو کمال فرحت اور لذت ہوتی ہے کیونکہ اس میں خوف وہمی جاتا رہتا ہے۔ دوسرا ارادہ سبب جو زیادہ قوی ہے وہ یہ ہے کہ روح ایک امر ربانی ہے۔

تحقیق و روح: اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں ارشاد فرماتا ہے۔ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (بنی اسرائیل 85) ترجمہ کنزالایمان: اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔

فائدہ: اس کے ربانی ہونے کا یہ معنی ہے کہ وہ علوم مکاشفہ کے اسرار میں سے ہے اس کے اظہار کی اجازت نہیں اسی لیے اسے حضور ﷺ نے بھی ظاہر نہیں فرمایا مگر قبل اس امر کے پہچاننے کے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ سالک کے دل کو چار طریقوں سے صفات کی رغبت ہوتی ہے۔ (1) صفات بہیمی جیسے خورد نوش و جماع (2) صفات سبعی (درندگی) جیسے مارپیٹ اور ایذا (3) صفات شیطانی جیسے مکرو فریب اور بہکانا (4) صفات ربوبیت جیسے کبر اور عزت اور علو وغیرہ ان چاروں کی طرف مائل ہونا اس وجہ سے ہے کہ انسان چند اصول مختلفہ سے مرکب ہے جس کی تفصیل طویل ہے بہرحال انسان اس وجہ سے کہ اس میں امر ربانی بھی ہے اپنی طبیعت سے ربوبیت پسند کرتا ہے اور ربوبیت کا معنی ہے کہ کمال میں یکتا ہونا اور وجود مستقل میں یگانہ ہونا اور چونکہ کمال اوصاف الٰہی میں سے ہے اسی وجہ سے انسان کا بھی محبوب بالطبع ہے

فائدہ: کمال کا انحصار وجود پر ہے مثلاً آفتاب کا کمال اسی میں ہے کہ وہ یگانہ اور موجود ہے اگر اس کے ساتھ دوسرا آفتاب ہوتا تو اس کے حق میں نقصان ہوتا اسی لیے اس کے لیے یہ نہ کہہ سکتے کہ آفتاب کمال میں یگانہ ہے

تقریر وحدہ الوجود: یاد رہے کہ وجود میں یگانہ صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے ساتھ کوئی وجود نہیں بلکہ ماسوا کا اسی کے آثار قدرت کا ایک نشان ہے بذات خود اس کو قیام نہیں اللہ تعالیٰ ہی کے وجود سے قائم ہے اسی وجہ سے یہ نہیں

کہہ سکتے کہ ماسوا کا وجود اللہ تعالیٰ کے وجود کی معیت رکھتا ہے اس لیے کہ معیت یعنی ایک ساتھ ہونا چاہتا ہے کہ دونوں رتبہ میں مساوی ہوں اور مساوات ہونے سے کمال میں نقصان ہے کامل وہی ہے جس کا مثل رتبہ میں نہ پایا جائے جیسے آفتاب کے تمام جہان میں چمکنے سے اس میں کوئی نقصان نہیں بلکہ یہ امر اس کے کمال میں داخل ہے بلکہ آفتاب کا نقصان دوسرے آفتاب کے موجود ہونے سے ہے جو اس کے رتبہ کے مساوی ہو اور اس کی کچھ پروانہ رکھے اسی طرح وجود اشیاء ماسوائے اللہ کا سمجھنا چاہئے کہ یہ بھی آفتاب وجود حقیقی سے پرتو پاکر اپنے اپنے وقت پر جلوہ گر ہیں ان میں سے کوئی ان کا سہیم و شریک نہیں کہ اس سے مستغنی ہو۔ (یہی وحدۃ الوجود ہے اسی کو امام ابن العربی قدس سرہ نے واضح فرمایا) (اویسی غفرلہ)

خلاصہ: یہ کہ ربوبیت کے معنی ہیں یگانہ ہونا وجود میں یعنی کمال میں اور ہر ایک انسان اپنی طبیعت سے یہ امر پسند کرتا ہے کہ کمال کے ساتھ یگانہ میں ہی ہو جاؤں اس لحاظ سے بعض مشائخ صوفیہ کرام نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر انسان کے باطن میں یہ امر موجود ہے جس کی تصریح فرعون نے اپنے قول انا ربکم الاعلیٰ میں تمہارا رب ہوں سے کی تھی (نمبر۱) مگر یہ کہ اس کی اپنے آپ ہمت نہیں پاتا یعنی منفرد باکمال ہونے کو جی چاہتا ہے **فائدہ:** کسی بزرگ نے فرمایا ہے کہ یہ حق ہے اس لیے کہ بندہ ہونا نفس پر شاق ہے اور ربوبیت طبعاً" محبوب ہے کیونکہ رب کی طرف منسوب ہے جس کا اشارہ آیت کریمہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ میں ہے لیکن چونکہ نفس منتہائے کمال کو حاصل کرنے سے عاجز ہے اس کے باوجود اس کی آرزو کرتا رہتا ہے اور کمال کا متمنی اور محب ہے اور اس سے لذت پاتا رہتا ہے اور سوائے آرزوئے کمال کے اور کوئی وجہ لذت کی نہیں غرضیکہ جو موجود ہے وہ اپنی ذات کو اور اپنی ذات کے کمال کو پسند کرتا ہے اور مرنے کو یا جس سے فنائے ذات صفات کمال ذات سے متصور ہے ناپسند کرتا ہے اور اگر یگانہ ہونا وجود میں فرض کیا جائے

کو کمال اس طرح ہوگا کہ تمام موجودات پر غالب ہو اس لیے کہ زیادہ تر کمال انسان تو اس میں ہے کہ دوسرے کا وجود اس سے ہو اگر یہ نہ ہو تو اتنا تو ہو کہ یہ سب پر غالب ہو اسی لیے سب پر غالب ہونا انسان کو طبعاً" محبوب ہے کیونکہ اس میں بھی ایک وجہ کا کمال پایا جاتا ہے مگر یہ غلبہ اشیاء پر بہت ہوتا ہے جب ان میں تاثیر اور تغیر کی قدرت اپنے سے حاصل ہو کہ جس طرح چاہئے الٹ پھیر کر سکے تو انسان کو یہ بات محبوب ہوئی کہ جو چیزیں اس کے ساتھ موجود ہیں اس پر غلبہ اور تصرف کرے۔

موجودات کی اقسام: موجود تین قسم ہیں (۱) جن میں کسی طرح کا تغیر نہیں ہو سکتا جیسے ذات و صفات الٰہی (2) ان میں تغیر ہو سکتا ہے لیکن خلق کا تصرف ان پر نہیں ہو سکتا جیسے آسمان اور ستارے اور فرشتے اور جن شیاطین اور پہاڑ اور سمندر اور وہ چیزیں جو ان کے نیچے ہیں۔ (3) ایسی چیزیں جو انسان کے تصرف سے متغیر ہو سکتی ہیں جیسے زمین

اسی کو مولانا رومی قدس سرہ نے بیان فرمایا نفس مارا کمتر از فرعون نیست لیکن او را عون ما را عون نیست

کے اجزاء اور معاون اور نباتات اور حیوانات

فائدہ اسی قسم میں سے انسانوں کے دل بھی ہیں کہ قابل تاثیر اور تغیر ہیں یعنی جیسے اجسام قابل تغیر و تاثیر ہیں قلوب بھی ایسے ہیں

فائدہ: جب موجودات کو کمال اس طرح ہوگا کہ تمام موجودات میں یہ تقسیم ہوئی کہ بعض میں تصرف انسانی کا دخل ہے جیسے زمین کی اشیاء اور بعض اس کے تصرفات سے خارج ہیں جیسے ذات الٰہی اور آسمان اور فرشتے تو انسان کی خواہش ہے کہ فلکیات پر علم کی وجہ سے غلبہ پائے اور اس کے اسرار و حقائق کو جان لے اور یہ بھی ایک طرح کا غلبہ ہے اس لیے کہ وہ شے معلوم کہ جس پر علم محیط ہوتا ہے تو وہ گویا علم میں داخل ہو جاتی ہے اور عالم اس علم پر حاوی ہونے سے گویا غالب ہو جاتا ہے اسی وجہ سے انسان نے اسے پسند کیا کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور آسمانوں اور ستاروں کو معلوم کرے اور تمام عجائبات سماوی اور پہاڑوں اور سمندروں کو پہچانے کہ اس میں ایک طرح کا غلبہ پایا جاتا ہے جو کمال کی ایک شق ہے۔

مسئلہ مذکور کی مثال: کوئی اگر کسی صنعت عجیب سے عاجز ہو تو طریق صنعت ہی کا مشتاق ہوتا ہے کہ کسی طرح اس کا طریق معلوم ہو جائے مثلاً کسی کو شطرنج کا وضع کرنا نہ آتا ہو تو وہ اس کا مشتاق ہوگا کہ اس کی چالیں معلوم ہو جائیں یا کوئی صنعت عجیب مثلاً ہندسہ یا شعبدہ یا جر ثقیل وغیرہ کی صنعت دیکھی اور جان لیا کہ مجھ سے نہ ہو سکے گی مگر یہ چاہا کہ اس کی کیفیت معلوم ہو جائے کہ کیسی ہوتی ہے تو اپنی عاجزی کا اس صنعت سے اسے رنج ہوگا لیکن اسے اگر علم کیفیت حاصل ہو جائے گا تو کمال علم سے لذت پائے گا۔ ہاں دوسری قسم کہ جس پر انسان کے تصرف کو دخل ہے اس کی بحث ضروری ہے وہ یہ ہے۔

اشیائے زمین کی اقسام: زمین کی اشیاء تو انسان کو طبعاً" محبوب ہیں کہ اس پر تصرف اور قدرت سے غلبہ پایا جائے کہ جو چاہے کرے۔ اشیائے زمین کی دو قسمیں ہیں (۱) اجسام (2) ارواح اجسام جیسے روپیہ اشرفی اور اسباب وغیرہ ان چیزوں میں انسان کو یہ امر محبوب ہے کہ جہاں چاہے رکھے جسے چاہے دے اور جسے چاہے نہ دے وغیرہ وغیرہ غرضیکہ ان پر قدرت و تصرف کا خواہشمند ہوتا ہے اس لیے کہ یہ قدرت کمال میں گنا جاتا ہے اور یہ کمال صفت ربوبیت سے ہے جو انسان کو طبعاً" محبوب ہے اس وجہ سے مال و اسباب سے محبت کرتا ہے اگرچہ کھانے پینے اور لباس اور شہوات نفس کے لیے ان کا محتاج نہ ہو اس لیے عوام کو بھی اپنا غلام بنانا چاہتا ہے کہ اسے ان کے اجسام و اعضاء پر تصرف و قدرت ہو جائے اگرچہ جبراً قہراً ہی سہی اگرچہ دل کی ملکیت بھی حاصل نہ ہو اس لیے کہ دلوں کی تسخیر تو اعتقاد و کمال کے بغیر نہیں ہوتی کیونکہ ضروری نہیں کہ لونڈی غلاموں کے دل بھی آقا کے کمال کے معتقد ہوں مگر قہر و جبر کا خیال دل میں لازماً رہتا ہے اس سے اپنے اجسام سے اطاعت کرتے ہیں اور یہی دبدبہ اور غلبہ اور

مرنے کے بعد نور بنے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یشفی نورھم بین ایدیھم وبالیمانھم (الحدید 12) ترجمہ کنز الایمان: دیکھو گے کہ ان کا نور ہے ان کے آگے اور ان کے داہنے دوڑتا ہوا۔ یقولون ربنا اتمم لنا نور نا (التحریم 8) ترجمہ کنزالایمان: اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارا نور پورا کردے۔ یہ معرفت راس المال ہو جائے گی کہ اس کے ذریعہ سے جو چیز دنیا میں معلوم نہ ہوئی تھی وہ بھی معلوم ہو جائیں گی جیسے کسی کے پاس ایک دھندلا سا چراغ ہو تو ہو سکتا ہے کہ اس سے دوسرا چراغ روشن کرکے نور کو زیادہ اور کامل کرے اور جس کے پاس سرے سے چراغ ہی نہ ہو تو اسے یہ بات حاصل نہیں ہوسکتی اسی طرح جس کو اصل معرفت نہیں اسکو اس نور کی طمع نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (الانعام) بلکہ اس کی تاریکی کی مثال یوں ہوگی جسے اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمائی ہے کہ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ (النور) ترجمہ کنزالایمان: یا جیسے اندھیریاں کسی کنڈے کے دریا میں اس کے اوپر موج موج کے اوپر اور موج اس کے اوپر بادل۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ سعادت صرف معرفت الٰہی میں ہے ورنہ دوسری اشیاء کی معرفت کا یہ حال ہے کہ بعض میں تو کوئی فائدہ ہی نہیں جیسے شعر کی معرفت اور عرب کے نسب کا حال وغیرہ اور بعض ایسی ہیں کہ ان سے معرفت الٰہی میں اعانت ہوتی ہے جیسے لغت عربی کی معرفت اور تفسیر و فقہ و حدیث کی معرفت اس لیے کہ لغت کی معرفت سے قرآن مجید کی تفسیر کے علم پر اعانت ہوتی ہے اور علم تفسیر سے قرآن مجید کے مضامین اور کیفیت عبادات اور اعمال کی (جن سے تزکیہ نفس معلوم ہوتا ہے) معلوم ہوتی ہے اور طریق تزکیہ نفس کے جاننے سے لیاقت حصول معرفت الٰہی ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا (الشمس 9) ترجمہ کنزالایمان: بے شک مراد کو پہنچا جس نے اسے ستھرا کیا۔ اور فرمایا وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت 69) ترجمہ کنزالایمان: اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیں گے۔ یہ تمام چیزیں گویا کہ ثبوت معرفت الٰہی کا ذریعہ ہیں اگرچہ کمال معرفت الٰہی کی صفات و افعال میں ہے مگر اس میں یہ بھی شامل ہے کہ موجودات کی معرفت حاصل ہو اس لیے کہ موجودات سب کے سب اس کے افعال میں سے ہیں جو شخص کہ موجودات کو اس اعتبار سے معلوم کرے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے ہے اور اس کی قدرت اور ارادہ اور حکمت کے ساتھ مرتبط ہیں تو یہ جاننا بھی ضمیمہ معرفت الٰہی ہوگا یہ کمال علم کا حکم ہے جو ہم نے بیان کیا۔ اگرچہ مناسب احکام جاہ و ریا کے مناسب نہ تھا مگر چونکہ کلام کو مکمل طور پر ذکر کرنا مقصود ہے اس لیے بیان کیا گیا ہے فائدہ ہاں انسان کی کمال قدرت اس کا کمال حقیقی نہیں البتہ اسے علم علم حقیقت ہے۔ قدرت حقیقی نہیں قدرت حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور اشیاء میں اثر انسان کی قدرت و ارادہ کا ظاہر ہوتا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہے جیسا کہ ہم نے باب صبر و شکر اور باب توحید و توکل و دیگر مقامات احیاء العلوم جلد چہارم میں ثابت کیا ہے

خلاصہ: کمال علم انسان کے ساتھ بعد موت بھی باقی رہ کر اسے اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے مگر کمال قدرت میں ہم کوئی

کمال درجہ قدرت نہیں جانتے البتہ قویٰ کی قدرت کمال علم کا وسیلہ ہیں مثلاً تندرستی اور ہاتھ میں قوت گرفت اور پاؤں میں قوت رفتار اور حواس میں قوت ادارک یہ سب ذریعہ و وسیلہ ہیں کہ حقیقی علم کا کمال ان سے حاصل ہو سکے اور بعض اوقات ان قویٰ کی تکمیل کے لیے مال و جاہ کی قدرت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس کے سبب سے خوردونوش و لباس و مکان حاصل ہو سکے اور ظاہر ہے کہ ان اشیاء کے لیے ایک مقدار معین ہے۔ پس اگر مال کو معرفت الٰہی تک پہنچنے کے لیے خرچ نہ کرے گا تو اس میں یقیناً بھلائی نہیں ہوگی صرف اس کی لذت حاصل ہوگی جو پھر جلد تر فنا ہو جائے گی اور جو سالک اس لذت کو کمال جانتا ہے وہ جاہل ہے

فائدہ: عجیب تر یہ ہے کہ اکثر سالکین اسی جہالت کے دام میں گرفتار ہیں اور تصور کرتے ہیں کہ بہت سے اجسام پر قدرت و غلبہ حاصل ہونا اور اموال سے دولت مندی اور لوگوں کے دلوں میں جاہ کی وجہ سے عزت و عظمت ہونے کا نام کمال ہے بلکہ بعض سالکین یہی اعتقاد دل میں جما لیتے ہیں اسی لیے اسے محبوب سمجھتے ہیں اور اسی کے طالب ہوتے ہیں اور اس کی طلب میں ہمہ تن مشغول ہو کر تباہ ہو جاتے ہیں۔ کمال حقیقی جو موجب قرب الی اللہ ہے اس سے بالکل غافل ہیں

فائدہ: کمال حقیقی علم اور حریت ہے کمال علم تو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ معرفت الٰہی کا نام ہے اور حریت یعنی آزادی سے مراد قید شہوات اور دنیا کے ترددات سے آزاد ہونا ہے جس میں ملائکہ سے مشابہت پائی جاتی ہے کہ ان کو نہ شہوت گرا سکتی ہے نہ غضب۔

روحانی صوفیانہ نسخے: آثار شہوات و غضب کا نفس سے دور کرنا کمال ہے۔ یہ صفات ملائکہ میں داخل ہے

قاعدہ: یہ محال ہے کہ کوئی صفت کمال الٰہی سے متغیر ہو سکے یا اس پر کوئی شے اثر کر سکے جو شخص تغیر اور عوارض کے تاثیر سے بعید ہوگا وہی اللہ تعالیٰ سے قریب ہوگا اور فرشتوں کے مشابہ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلند مرتبہ بھی وہی ہوگا اور یہ کمال کمال علم قدرت سے علیحدہ شے ہے اور ہم نے اس کو اس طریقہ سے اوپر بیان نہیں کیا کہ واقع میں اس کا مال نقصان کے نہ ہونے کی طرف رجوع کرتا ہے اس لیے کہ تغیر بھی ایک نقصان ہے کیونکہ اس کو کہتے ہیں جو صفت پہلے سے موجود تھی وہ جاتی رہی کہ اس کا جاتا رہنا ذات کے لیے بھی نقصان ہے اور جو صفات کمال ذات حق کی ہیں ان کے لیے بھی نقصان ہے۔

کمال کی قسمیں: کمال تین قسم ہیں (1) کمال علم (2) کمال حریت یعنی شہوات کا تابع نہ ہونا اور اسباب دینی نہ چاہنا (3) کمال قدرت یہ سالک کو کمال علم اور کمال حریت کے حاصل کرنے کا طریقہ تو حاصل ہو سکتا ہے مگر تیسری قسم کمال قدرت کی تحصیل کا طریقہ حاصل نہیں ہو سکتا کہ یہ کمال بھی بعد موت باقی رہے۔ اس لحاظ سے کہ قدرت اموال یا اجسام پر جو قلوب پر ابدان کی تسخیر سے ہوتی ہے۔ موت کے بعد باقی ہے اور معرفت و آزادی موت سے فنا

نہیں ہوتیں بلکہ باقی رہتی ہیں بلکہ یہ وسیلہ قرب الٰہی ہوتی ہیں۔

انتباہ: بعض سالکین جہلا اندھے ہو کر معاملہ اس کے برعکس کرتے ہیں کہ مال و جاہ سے کمال قدرت کے طالب ہیں جو فانی شے ہے کسی طرح بھی اس کو بقا نہیں ایسے جاہلوں نے کمال علم اور کمال حریت سے بالکل روگردانی کرلی ہے حالانکہ یہ دونوں ایسے ہیں کہ اگر نصیب ہو جائیں تو دائما" منقطع نہ ہوں گے یہی جہلاء اس آیت کے مصداق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا بِالۡاٰخِرَۃِ فَلَا یُخَفَّفُ عَنۡہُمُ الۡعَذَابُ وَ لَا ہُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۸۶﴾ (البقرۃ 86) ترجمہ کنزالایمان: یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی مول لی تو نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہو اور نہ ان کی مدد کی جائے۔ ان جاہلوں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہ سمجھا اسی لیے فرماتا ہے حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الۡاَرۡضُ زُخۡرُفَہَا وَ ازَّیَّنَتۡ وَ ظَنَّ اَہۡلُہَاۤ اَنَّہُمۡ قٰدِرُوۡنَ عَلَیۡہَاۤ ۙ اَتٰىہَاۤ اَمۡرُنَا لَیۡلًا اَوۡ نَہَارًا فَجَعَلۡنٰہَا حَصِیۡدًا کَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ بِالۡاَمۡسِ ؕ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۲۴﴾ (11 یونس 24) ترجمہ کنزالایمان: یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا سنگھار لے لیا اور خوب آراستہ ہوگئی اور اس کے مالک سمجھے کہ یہ ہمارے بس میں آگئی۔ ہمارا حکم اس پر آیا رات میں یا دن میں تو ہم نے اسے کر دیا کاٹی ہوئی گویا کل تھی ہی نہیں ہم یوں ہی آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں غور کرنے والوں کے لئے۔

فائدہ: علم و حریت نفس میں ہمیشہ رہتے ہیں اور مال و جاہ تو چند روز کے بعد فنا ہو جاتے ہیں۔ ان کی مثال اس آیت میں مذکور ہے وَ اضۡرِبۡ لَہُمۡ مَّثَلَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا کَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰہُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِہٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ فَاَصۡبَحَ ہَشِیۡمًا تَذۡرُوۡہُ الرِّیٰحُ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ مُّقۡتَدِرًا (15 الکہف 45) ترجمہ کنزالایمان: اور ان کے سامنے زندگانی دنیا کی کہاوت بیان کرو جیسے ایک پانی ہم نے آسمان سے اتارا تو اس کے سبب زمین کا سبزہ گھنا ہو کر نکلا کہ سوکھی گھاس ہو گیا جسے ہوائیں اڑائیں اور اللہ ہر چیز پر قابو والا ہے۔

حدیث شریف: نبی اکرم نور مجسم ﷺ نے فرمایا الدنیا مزرعۃ الاخرۃ ترجمہ: دنیا آخرت کی کھیتی ہے

فائدہ: جو چیزیں موت سے فنا ہو جاتی ہیں وہ دنیویہ اشیاء جو صرف لذت و مزہ تک محدود تھیں اور وہ چیزیں جنہیں موت سے کوئی نقصان نہیں اور نہ اس سے فنا ہوتی ہیں وہ باقیات صالحات ہیں۔

درس عبرت: اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ مال و جاہ سے کمال قدرت کو کمال سمجھنا ایک امر ظنی اور بے اصل ہے اور سالک اس کی طلب میں اپنی عمر ضائع کرے اور اسی کو مقصود اصلی سمجھے وہ جاہل ہے۔

ابو الطیب نے کیا خوب فرمایا

ومن ینفق الساعات فی جمع مالہ مخافۃ فقر فالذی فعل الفقر

یعنی مال اس لیے جمع کیا تھا کہ مفلس نہ ہوں گے مگر بوقت مرگ خالی ہاتھ اور محتاج ہو جاتے ہیں ہاں جو شخص ان کو

بمقدار ضرورت جس سے کمال حقیقی تک پہنچنے کا ذریعہ ہوں حاصل کرے گا وہ چین سے رہے گا۔ (فائدہ) اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی توفیق اور ہدایت عطا فرمائے (آمین)

حب جاہ میں اچھے اور برے امور: جب یہ ثابت ہو چکا کہ جاہ کا معنی ہے دلوں پر حکومت اور ان پر قدرت پانا تو یقین کیجئے کہ اس کا حکم بھی ملکیت اموال جیسا ہے اس لیے کہ جاہ بھی دینوی اغراض میں سے ایک غرض ہے یہ بھی موت پر منقطع ہو جاتا ہے او چونکہ الدنیا مزرعۃ الاخرۃ حق ہے تو جو چیز دنیا میں پیدا ہوئی ہے اس سے زاد آخرت حاصل کرنا ممکن ہے پس جس طرح دنیا آخرت کی کھیتی ہے تھوڑا مال خورد نوش لباس کے لیے ضروری ہے اس طرح تھوڑا تھوڑا سا جاہ خلق اللہ کے ساتھ بسر اوقات کے لیے ضروری ہے اور جیسے کہ خوراک ایک امر ضروری ہے پھر جائز ہے کہ بمقدار ضرورت مال سے محبت کی جائے اس طرح ایک خادم کی ضرورت ہے جو خدمت کرے اور ایک رفیق کی جو اعانت کرے اور ایک استاد کی جو علم پڑھائے اور ایک حاکم کی جو اہل شر کی شرارت و ظلم سے بچائے پھر ان امور کے لوازمات کو جاننا مثلاً مالک کی محبت کہ خادم کے دل میں میری ایسی وقعت ہو کہ وہ خدمت گزاری کرے یا رفیق کے دل میں ایسی قدر و منزلت ہو کہ وہ اعانت سے رک نہ جائے یا استاد کے دل میں ایسی جگہ ہو جس سے وہ خوب پڑھائے یا حاکم عادل میں ایسی عزت کہ وہ شرارت کے دفاع ہر وقت تیار رہے یہ مذموم نہیں اس لیے کہ جاہ بھی ایک ذریعہ اغراض ہے اور مال کی طرح ہے دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں۔

فائدہ: تحقیق یہ ہے کہ مال اور جاہ کی محبت کو ایسے سمجھے جیسے گھر میں بیت الخلاء کوئی قضائے حاجت کی وجہ سے بیت الخلاء کا ہونا پسند کرتا ہو یہ چاہتا ہو کہ اگر مجھے حاجت بول براز کی نہ رہے تو بیت الخلاء سے بھی کچھ سروکار نہیں تو ایسا شخص بیت الخلاء سے محبت کرنے والا شمار نہ ہوگا بلکہ جو شے محبوب تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتی ہے وہاں محبت صرف مقصود اصلی ہی ہوتی ہے ذریعہ سے صرف ذریعہ ہونے کی وجہ سے محبت ہوتی ہے۔

حب جاہ مال کی مثال: کوئی اپنی منکوحہ سے اس وجہ سے محبت رکھتا ہے کہ اس سے محبت کرتا ہے جس طرح بیت الخلاء کو قضائے حاجت کے لیے اچھا سمجھتا ہے اگر اس کو ضرورت شہوت نہ ہو تو منکوحہ کو طلاق دے دے جیسے حاجت بول براز نہ ہونے سے بیت الخلاء میں نہ جانا اور بعض اوقات منکوحہ کو خود چاہتا ہے اور اس کی صورت پر فریفتہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ کبھی اتفاق صحبت نہ ہو تب بھی اس کی طلاق نہیں چاہتا۔ اسے دوسری قسم کی محبت کہا جاتا ہے۔ یہی جاہ و مال کا حال ہے کہ اگر ان کے ساتھ اس وجہ سے محبت ہو کہ ان سے اغراض بدن حاصل ہوتے ہیں تو کوئی حرج نہیں۔ اگر خود انہیں سے محبت ہے اس سے کوئی غرض نہیں کہ یہ ذریعہ اغراض ہیں یا نہیں یا مقدار ضرورت سے زائد کو محبوب جانے تو مذموم ہے

مسئلہ: ایسا شخص، جو خود مال و جاہ سے محبت رکھتا ہے فاسق اور عاصی ہوگا جب تک کہ اس محبت کی وجہ سے کسی گناہ

کا مرتکب نہ ہو یا مال و جاہ کے حصول کے لیے مکرو فریب اور جھوٹ کو ذریعہ نہ بنائے یا ان کے حصول کے لیے کسی عبادت سے مال و جاہ حاصل کرنا ہو گناہ او رحرام ہے ریا کا بھی یہی ہے جیسے کہ مذکورہ ہو گا

سوال: خدام اور دوست اور استاد اور حاکم کے دلوں میں مقام پیدا کرنے کی کوئی حد مقرر ہے یا جس قدر چاہے اعتقاد میں لائے؟

جواب: دوسرے کو معتقد کرنا تین طرح ہے دو صورتیں تو مباح ہیں اور ایک ممنوع وہ صورت جو ممنوع ہے یہ ہے کہ ان کو ایسی صفت کا معتقد کرے جو اپنے میں نہ ہو مثلاً اسے اس بات کا معتقد کرے کہ میں حاکم یا پرہیز گار یا سردار ہوں حالانکہ ایسا نہیں تو حرام ہے اس لیے کہ یہ جھوٹ اور دھوکہ ہے۔

مسئلہ: قول یا معاملہ اور مباح صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ جس صفت کے ساتھ خود موصوف ہو اسی رتبہ کا طالب ہو مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام نے حاکم معرف کو فرمایا تھا قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ (یوسف 55) ترجمہ کنزالایمان: یوسف نے کہا مجھے زمین کے خزانوں پر کردے بے شک میں حفاظت والا علم والا ہوں۔ یوسف علیہ السلام بادشاہ کے دل میں اس بات کے خواہاں ہوئے کہ آپ حفیظ و علیم ہیں اور ایسے شخص کی اسے ضرورت بھی تھی اور طریقہ اظہار آپ کا درست اور صحیح تھا دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے کسی عیب یا گناہ کو مخفی رکھے کہ جس سے دوسرے کی نظروں میں گر نہ جائے یہ مباح ہے کیونکہ گناہ کا مخفی رکھنا جائز ہے۔ پردہ فاش کرنا اور بری بات کا علانیہ کہنا جائز نہیں۔ علاوہ ازیں اس میں دھوکا دینا بھی نہیں بلکہ جس چیز کے جانے سے کچھ فائدہ نہ ہو اس کی اطلاع نہ کرنا بہتر مثلاً ایک شخص شراب خور ہے مگر حاکم سے نہیں کہتا کہ میں شراب پیتا ہوں اور نہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ میں پرہیز گار ہوں کیونکہ اگر پرہیز گاری ظاہر کرے گا تو صریح جھوٹ اور دھوکہ ہو گا اسے صرف شراب خواری علم نہ ہو گا۔

مسئلہ: یہ امر بھی منجملہ ممنوعات سے ہے کہ دوسرے کے سامنے نماز بہت اچھی طرح پڑھے تاکہ وہ معتقد ہو جائے اس لیے کہ یہ سراسر ریا اور دھوکہ ہے کہ دیکھنے والا سمجھے گا کہ حضرت صاحب اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص اور خشوع رکھتے ہیں حالانکہ ان کا فعل محض ریا ہے تو اس طریقہ سے طلب جاہ حرام ہے ایسے ہی حصول مال بھی ناجائز ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں

مسئلہ: جس طرح کہ دوسرے کا مال و فکرو فریب سے مفت یا کسی چیز کے عوض میں لینا ناجائز اسی طرح دوسرے کے دل کا بھی مکرو فریب سے مالک ہونا ناجائز ہے کیونکہ دلوں کی ملکیت مال کی ملکیت سے زیادہ ہے۔

نفس تعریف سے خوش کیوں اور مذمت سے متنفر کیوں: قلب کو مدح سے خوشی اور لذت کے چار اسباب

ہیں (1) یہ تمام اسباب میں سے زیادہ قوی ہے وہ یہ ہے کہ مدح کی وجہ سے نفس جانتا ہے کہ میں صاحب کمال ہوں اور چونکہ تمام مذکورہ بالا کمالات ایک محبوب شے ہیں تو جب نفس کو اپنے کمال کی واقفیت ہوتی ہے خواہ مخواہ خوشی اور لذت پاتا ہے اور مدح سے ممدوح کے نفس کو اپنے کمال کا شعور ہی ہو جاتا ہے اس لیے کہ جس وصف سے تعریف کی جاتی ہے وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو ظاہر ہوتا ہے یا مشکوک اگر وصف مذکور ظاہر اور محسوس ہے تو لذت کم ہوتی ہے جیسے کسی کی تعریف میں کہیں کہ قد کا اونچا اور رنگ کا سفید ہے تو اگرچہ یہ ایک طرح کا کمال ہے مگر نفس اس سے غافل ہے اس وجہ سے اسے اس سے چنداں لذت بھی نہیں مگر دوسرے کو آگاہ کرنے سے جب اس کا کمال کا شعور ہوتا ہے تو کچھ لذت حاصل ہوتی ہے۔ اگر وصف مذکور ایسی چیزوں سے جن میں شک کو دخل ہے تو اس سے بہت زیادہ لذت ہوتی ہے مثلاً کسی کی تعریف کمال علم اور کمال ورع یا حسن مطلق سے کی جائے کہ یہ اوصاف ایسے ہیں کہ انسان کو اکثر ان میں شک ہوتا ہے کہ میرا حسن یا علم یا ورع کامل ہے یا نہیں اور مشتاق رہتا ہے کہ کسی طرح یہ شک مٹ جائے اور یقیناً معلوم ہو جائے کہ میں اس وصف میں بے مثل ہوں تاکہ اطمینان ہو اور اس وصف کی تحصیل کی مشقت نہ کرنی پڑی جب دوسرے کی زبان سے اپنے کمالات سنتا ہے تو دل کی تسکین ہوتی ہے اور اپنے کمال پر اسے وثوق ہو جاتا ہے اور اسے نہایت لذت حاصل ہوتی ہے اور سب سے زیادہ تر لذت اس سبب سے اس وقت ہوتی ہے جب مدح وثنا ایسا شخص کرے جو اس طرح ایسی صفات سے واقف ہو اور اس کی گفتگو بھی بے تحقیق اور مذاق نہ ہو مثلاً استاد اپنے شاگرد کی تعریف کرے کہ تم بڑے ذکی اور دانا اور فاضل ہو تو اس سے شاگرد کو نہایت خوشی ہوتی ہے اگر کوئی بے ہودہ اور لغو گو اور مسخرہ مذاق کرے تو لذت کم ہوتی ہے۔

فائدہ: مذمت کو برا منانے کا بھی یہی سبب ہے کہ نفس کو اپنے نقصان کا شعور ہوتا ہے اور چونکہ نقصان کمال کی ضد ہے اور کمال محبوب ہوتا ہے تو لازماً نقصان برا محسوس ہوگا اور جب اس پر اطلاع ہوگی جب ہی رنج معلوم ہوگا۔ خصوصاً اس وقت جب کوئی دانا معتمد آدمی مذمت کرے جیسا کہ مدح میں بیان ہوا۔

(2) تعریف کرنے والے کا دل ممدوح کا غلام اور تابع اور معتقد ہو اور دل کی ملکیت بہرصورت آدمی کو پسند ہے جب یہ معلوم ہوگا کہ ممدوح میرا معتقد اور اس کا دل میری مشیت کے تابع ہے۔ اس وقت بھی لذت حاصل ہوگی خصوصاً جب ایسا شخص تعریف کرے کہ جسے زیادہ قدرت اور اس کے دل کے مسخر ہونے سے کام زیادہ حاصل ہو تو اور زیادہ خوشی ہوگی مثلاً حکام اور اکابر کی دل کی تسخیر سے لذت زیادہ ہوگی۔

(3) اس سے لذت کم ہوتی ہے جب کوئی ایسا شخص تعریف کرے جو بے قدر ہو اس کے لیے کہ اگر ایسے بے قدر کے دل کا مالک ہوا تو کیا ہے اگر حقیر چیز ملکیت میں آئی اور ایسے کی تعریف ممدوح میں قدرت ناقص کا اظہار کرتی ہے۔

فائدہ: یہی وجہ ہے کہ جو بھی برا جانتا ہے اور دل پر صدمہ ہوتا ہے اور جب کوئی اکابرین میں سے ہجو کرتا ہے تو اور

زیادہ رنج ہوتا ہے کہ اس صورت میں بڑا مطلب فوت ہو جاتا ہے کہ کسی دوسرے کا دل بھی اپنا معتقد ہو جائے۔ خصوصاً جب ایسا شخص تعریف کرے کہ جس کی بات پر تمام لوگ متوجہ ہوں اور اس پر اعتماد کرتے ہوں مگر اس میں یہ شرط ہے کہ تعریف عوام کے سامنے ہو تو دلجمعی زیادہ ہوگی اور تعریف کرنے والا لائق التفات زیادہ ہوگا۔ مثلاً صدر مجلس یا حاکم وقت تعریف کرے گا تو یہ تعریف نہایت لذیذ ہوگی اور اس کے برعکس برائی سخت شاق گزرے گی۔

(4) تعریف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ممدوح صاحب حشمت اور صاحب رعب ہے کہ مادح اس کی شان میں رطب اللسان ہونے کی مضطر ہے خواہ برغبت دل یا دباوئے اپنا دباؤ بھی آدمی کو اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ایک طرح کا غلبہ پایا جاتا ہے اور چونکہ مادح خواہ مخواہ تعریف کرنے پر مجبور ہے اور اسی کے اضطرار سے ایک طرح ممدوح کا غلبہ اور قدرت معلوم ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ممدوح کو اس تعریف سے لذت ہوتی ہے۔ اگرچہ تعریف کرنے والا دل میں ان اوصاف کا ممدوح کے لیے معتقد نہ ہو

فائدہ: صاف ظاہر ہے کہ جس قدر مادح قوی اور بطور تواضع اس کی تعریف کرنے سے منکر ہوگا۔ اسی قدر اس کی تعریف سے ممدوح کو لذت زیادہ ہوگی۔

فائدہ: یہ چاروں اسباب ایک ہی تعریف کرنے والے کی تعریف میں جمع ہو جائیں تو ظاہر ہے کہ نہایت درجہ کی لذت ہوگی اگر مختلف ہوں تو اسی قدر لذت بھی کم ہوگی پہلا سبب یعنی اپنے کمال پر واقف ہونا یہ تو اس طرح جاتا رہتا ہے کہ ممدوح جان لے کہ مادح اس قول میں سچا نہیں مثلاً کسی شخص نے کسی کی تعریف کی کہ تم بڑے شریف یا سخی یا عالم دین ہو یا پرہیز گار ہو اور ممدوح نے جان لیا کہ مجھ میں ان باتوں میں سے کوئی بھی نہیں تو وہ لذت جو نفس کو کام جاننے سے ہوتی ہے وہ جاتی رہے گی ہاں دُوسری لذت میں باقی رہیں گے اب اگر یہ جان لے کہ مادح صرف منافقت سے کہتا ہے اپنے قول کا معتقد نہیں اور اس صفت سے خالی ہو تو دوسرے سبب یعنی ملکیت دل سے جو لذت ہوتی وہ بھی نہ ہوگی۔ تیسرے سبب کی لذت تو اسی دوسرے کے تابع ہے وہ بطریق اولیٰ نہ ہوگی صرف چوتھی وجہ کی لذت یعنی بباعث حشمت ممدوح مجبور ہونا مادح کا مدح و ثنا میں باقی نہیں رہے گا۔ پھر اگر معلوم ہو جائے کہ تعریف کرنے والا میرے خوف سے تعریف نہیں کرتا بلکہ مجھے تابع بنانا چاہتا ہے تو اس کے بعد کوئی لذت باقی نہیں رہتی اس لیے کہ لذت کا کوئی سبب باقی نہیں رہتا۔ یہ بیان نفس کے خوش ہونے اور لذت پانے کا مدح سے اور صدمہ اٹھانے کا مذمت سے ہے اور ہم نے اس لیے ذکر کیا کہ سالک کو علاج جاہ اور مدح کی محبت اور مذمت رنج کا علم ہو جائے کیونکہ جس چیز کا سبب معلوم نہیں ہوتا اس کا علاج ممکن نہیں اس لیے کہ علاج اسی کا نام ہے کہ مرض کے تمام اسباب دفع ہو جائیں۔

مرض جاہ کا علاج: جس کے دل پر حب جاہ غلبہ پا جاتی ہے وہ اپنی تمام ہمت اس میں مصروف رکھتا ہے کہ خلق

خدا ہاتھ سے نہ جائے پھر چاہتا ہے کہ ان کی دوستی ہو۔ افعال و اقوال و اعمال میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ جس سے خلق خدا میں مرتبہ بڑھے اور واقع میں یہ امر منافقت کا بیج اور فساد کی جڑ ہے اس کے اضافہ سے عبادات میں سستی ہونے لگتی ہے اور ریا کو دخل ہو جاتا ہے اور دلوں کی تخریب کے لیے سالک منہیات میں مبتلا ہو جاتا ہے اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے شرف اور مال کی محبت کو ان سے دین چلے جانے کی وجہ سے دو بھیڑیئے نقصان کرنے والوں سے مشابہت دی ہے جیسا کہ اوپر گزرا اور نیز فرمایا کہ حب الشرف و المال ینبت النفاق کما ینبت المآء البقل ترجمہ: شرافت اور مال کی محبت نفاق دل میں ایسے اگاتا ہے جیسے سبزی کو پانی

منافقت کی تعریف: سالک کا ظاہر قول و فعل اس کے باطن کے خلاف ہو یہ نفاق ہے جو شخص عوام کے دلوں میں اپنے رتبہ کا طالب ہو وہ ان سے بنفاق پیش آئے اور بتکلف عمدہ خصلتیں ان کے سامنے ظاہر کرے۔ یہ منافق ہے کیونکہ وہ ان باتوں سے خالی ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ یہ حب جاہ کی مہلکات میں سے ہے۔ اسی لیے اس کا علاج بھی واجب ہے اور اس کا دل سے دور کرنا نہایت لازم ہے کیونکہ یہ امر یہا ہے کہ دل کے خطرات میں داخل ہے جیسا کہ مال کی محبت امر جبلی ہے تو حب جاہ کا علاج مرکب ہے۔ دو باتوں سے علم، عمل، علمی علاج تو یہ ہے کہ جس سبب سے جاہ کو محبوب جانتا ہے اسے معلوم کرے کہ وہ سبب کیا ہے کہ لوگوں کے اجسام او رقلوب پر کمال قدرت حاصل ہو اور ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اگر یہ بات انسان کو میسر بھی ہو جائے۔ تو اس کی انتہا موت ہے اور یہ باقیات صالحات سے نہیں بلکہ اگر مشرق سے مغرب تک تمام لوگ ایک شخص کو سجدہ کرنے لگیں (معاذ اللہ) اور پچاس برس تک روئے زمین کے لوگ اس کے لیے اسی حال پر رہیں تب بھی نہ سجدہ کرنے والے رہیں گے اور نہ وہ خود بلکہ اس کا حال ایسا ہو گا جیسے دیگر عظیم الشان صاحب جاہ کو زمین کھا گئی اور ان کے سامنے جو لوگ تابع رہتے تھے وہ بھی مٹ گئے تو ایسے امر فانی کے لیے لائق نہیں کہ اپنے دین کو (جس میں حیات ابدی ہے) کو چھوڑ دے اور جس شخص نے کمال حقیقی کو وہی سمجھ لیا اس کی نگاہ میں جاہ حقیر شے ہے مگر اس کے لیے اس کی نگاہ کام کرتی ہے جو آخرت کی پیشی پر یقین رکھتا ہے اور دنیا کو حقیر سمجھتا ہے اور موت کو جانتا ہے گویا اس کا حال حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جیسا ہوتا ہے کہ

مکتوب حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ: آپ نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا اس کا مضمون یہ ہے کہ بعد حمد و ثنا کے معلوم ہو کہ موت نے یہ لکھا دیا ہے کہ تم مر گئے مقام غور ہے کہ انہوں نے کیسے زمانہ آیندہ کو ماضی سمجھ لیا تھا اور یہی حال حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا تھا انہوں نے اس خط کا جواب لکھا بعد حمد و ثنا و صلوۃ کے یوں تصور کرنا چاہیے کہ گویا تم دنیا میں کبھی آئے ہی نہ تھے ہمیشہ آخرت میں رہے۔

فائدہ: ان حضرات کی توجہ آخرت پر تھی اور انہیں یقین تھا کہ آخرت تقویٰ والوں ہی کو ملے گی۔ اسی لیے انہوں

نے دنیا میں جاہ و مال کو حقیر سمجھا مگر عام لوگوں کی ایسی نگاہ کہاں اگر ہے تو ضعیف ہے ان کی نظر دنیا پر پڑتی ہے انجام کا خیال نہیں کرتے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا و الاخرۃ خیر وابقی (اعلیٰ 16 پ 30) ترجمہ کنزالایمان: بلکہ تم جیتی دنیا کو ترجیح دیتے ہو اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی۔ اور فرمایا کلا بل تحبون العاجلۃ وتذرون الاخرۃ (القیم ے 20 پ 29) ترجمہ کنزالایمان: ہمارے ذمہ ہی کوئی نہیں بلکہ اے کافرو! تم پاؤں تلے کی (دنیاوی فائدے کو) عزیز رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو۔

فائدہ: جس کلیہ حال ہو اسے چاہئے کہ اپنے دل کا علاج علمی مرض محبت جاہ سے یعنی اس کے آفات دینوی کو جانے اور وہ خطرات جو ارباب جاہ کو دنیا میں پیش ہوتے ہیں ان کو سوچے کہ ہر ایک صاحب جاہ محسود ہوتا ہے اکثر لوگ اس کی ایذا کے خواہاں رہتے ہیں، اور اسے ہمیشہ اپنے جاہ کا خوف رہتا ہے کہ کہیں یہ مرتبہ لوگوں کے دل سے گر نہ جائے اور دلوں کا حال بدلنے میں ہانڈی کے ابال سے بھی سخت ہے کبھی اس طرف ہوتے ہیں کبھی اس طرح فائدہ: لوگوں کے دلوں پر اعتمو کرتا ہے اور وہ سمجھو کہ سمندر کی موج پر گھر بنا رہا ہے۔ اس لیے کہ جیسے اس گھر کو قیام نہیں ایسے ہی اس کے اعتمو کو جو عوام کے دلوں کی رعایت میں لگا رہتا ہے اور اپنے جاہ کی حفاظت اور حاسدوں کے مکر اور دشمنوں کی ایذا کو دور کرتا رہتا غلط خیالی میں مبتلا ہے کیونکہ یہ تمام دینوی آفات ہیں کہ ان سے لذت جاہ مکدر رہتی ہے۔ دنیا ہی میں انسان جس قدر اس سے توقع کرتا ہے اس سے زیادہ آفات ہوتی ہیں اور آخرت کا فائدہ بھی مفقود ہو جاتا ہے۔

فائدہ: یہ علاج اس کے لیے جس کی نظر ضعیف ہے اور جو قوی بینائی والے ہیں۔ انہیں ایمان بھی قوی حاصل ہوتا ہے وہ اللہ کے فضل سے دنیا کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے کریں (یہ علاج تو باعتبار علم کے ہے)

مرض جاہ کا عملی علاج: ایسے کام کرے جس سے مستحق ملامت ہو اور لوگوں کے دل اور نظروں سے گر جائے اور اپنے مقبول ہونے میں جو مزہ پاتا ہے وہ اس سے چھوٹ جائے۔ اسے گمنامی اور خلق خدا کے نزدیک برا سمجھا جانے سے الفت ہو اور صرف اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہونے پر قناعت میسر ہو اور یہ طریق فرقہ ملامتیہ کا ہے کہ ارتکاب معاصی اور بری باتوں کا عمل یہاں تک کرتے ہیں کہ لوگوں کی نظروں سے ہی ساقط ہو جائیں اور آفت جاہ سے نجات پائیں (لیکن وہ بری باتیں یا دوسرے اعمال شرعی اصول کے خلاف نہیں ہوتے)

مسئلہ: یہ صورت ایسے شخص کے لیے جائز نہیں جو مقتدا اور پیشوا ہو کہ اس کی حرکت بد سے مسلمانوں کے دلوں میں دین کی سستی آجائے گی اور جو شخص مقتدا نہیں اس کو بھی خاص فعل حرام اس علاج کے لیے جائز نہیں ہاں یہ جائز ہے کہ مباحات میں سے ایسے افعال کرے کہ جن سے اس کی قدر لوگوں میں گھٹ جائے

حکایت: کسی بادشاہ نے کسی زاہد کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ جب زاہد نے سنا کہ بادشاہ قریب پہنچا ہے اپنا کھانا اور ساگ منگوا کر حریصوں کی طرح بڑے بڑے لقمے کھانا شروع کر دیئے۔ جب بادشاہ نے اسے کھانا کھاتے دیکھا تو اس

کے دل سے اس کا اعتقاد جاتا رہا۔ وہاں سے ہی لوٹ گیا۔ زاہد نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے تجھے مجھ سے دفع کیا فائدہ: بعض درویشوں نے ایسے رنگین پیالوں میں پانی پیا کہ دیکھنے والوں کو گمان ہو کہ یہ شراب خور ہے اور وہ اس سے دور رہیں

مسئلہ: اہل فقہ کے نزدیک یہ عمل محل تامل ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں مگر سا لکین اپنے نفسوں کا علاج ایسی باتوں سے کرتے ہیں اگرچہ فقیہ اس کے جواز کا فتویٰ نہیں دیتے مگر وہ لوگ اپنے قلب کی اصلاح سوائے اس کے اور کسی شے میں نہیں پاتے اسی لیے ایسا کرتے ہیں ہاں اپنے اس افراط اور تفریط کا تدارک بھی کرلیتے ہیں

حکایت: ایک بزرگ زہد میں مصروف ہوگئے اور لوگوں نے ان کے پاس آمدورفت شروع کردی اور وہ ایک دن حمام میں گئے اور دوسرے شخص کے کپڑے پہن کر باہر آئے اور کھلے راستہ پر کھڑے ہوگئے یہاں تک کہ لوگوں نے کپڑے پہچان لیے اور زدوکوب کرکے وہ کپڑے چھین لیے اور کہنے لگے کہ یہ شخص چور ہے پھر اس کے پاس آنا جانا بند کردیا۔

بہترین علاج: طریق جاہ کے قطع کرنے کا بہترین علاج عوام سے کنارہ کشی ہے اور ایسی جگہ چلا جائے جہاں کوئی نہ جانتا ہو اس لیے کہ اگر گھر میں بیٹھ رہے گا اور جس شہر میں مشہور ہے اسی میں رہے گا تو اس کی گوشہ نشینی سے لوگوں کے دلوں میں اور زیادہ اعتقاد پیدا ہوگا۔ علاوہ ازیں اس میں یہ بھی ہے کہ یہ شخص اپنے جی میں گمان کرے کہ مجھے حب جاہ نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ ایک دھوکا ہو اس لیے کہ جب نفس کو اس کا مقصود مل گیا تو اسے اطمینان ہوگا حالانکہ اگر لوگ اعتقاد نہ کریں اور اسے برا کہیں یا کسی امر نامناسب کو اس کی طرف منسوب کریں تو اس وقت نفس مضطرب ہو اور رنج ہوگا۔ یہ بعید بھی نہیں کہ کوئی حیلہ تلاش کرے کہ کسی عذر سے یہ غبار لوگوں کے دل سے دور ہو جائے اور اس کے لیے مکرو فریب و جھوٹ کا محتاج ہو اور اس کی پروا نہ کرے کہ گویا مال کو محبوب جانتا ہے بلکہ اس سے بھی برا اس لیے کہ جاہ کا فتنہ بہت زیادہ ہے اور جب تک سالک کو لوگوں سے طمع رہے گا اس وقت تک ممکن نہیں کہ یہ نہ چاہے کہ میرا رتبہ لوگوں کے دل میں ہو جائے۔ ہاں اگر اپنی کمائی سے یا اور طرح پر مقدار بسر اوقات حاصل کرکے لوگوں سے بالکل طمع منقطع کرے گا تو پھر تمام لوگ اس کے نزدیک تنکے محسوس ہوں گے اور اس بات کی پروا نہ ہوگی کہ ان لوگوں کے دلوں میں میرا مقام ہے یا نہیں جیسا ان لوگوں کے دلوں میں مقام نہ ہونے کی پروا نہیں ہوتی جو اس سے نہایت دور مشرق یا مغرب میں رہتے ہیں کہ نہ ان کو دیکھتا ہے اور نہ ان سے طمع رکھتا ہے بہرحال لوگوں سے طمع جب ہی منقطع ہوتا ہے جب قانع ہو جو قانع ہوگا وہ لوگوں سے بے پروا ہوگا۔ اس کا دل لوگوں میں مشغول نہ رہے گا اور نہ ان کے دلوں میں اپنی جگہ ہونے کا کچھ اس کے نزدیک وزن ہوگا اور ترک جاہ بغیر قناعت اور قطع کرنے طمع کے نہیں ہو سکتا اور جتنا احادیث جاہ کی مذمت اور گمنامی اور ذلت کی تعریف میں وارد ہیں

ان کا مطالعہ کرے مثلاً قول مشہور ہے المؤمن لا یخلو امن ذلتہ اوقلہ اوعلتہ کوئی ایماندر ذلت یا قلت یا علت سے خالی نہیں اور سلف صالحین کے احوال پڑھے یا سنے دیکھے کہ انہوں نے ذلت کو عزت پر اختیار کیا۔ صرف ثواب آخرت کے طلب گار ہوئے۔

علاج مدح: بہت سے سا لکین اسی سے ہلاک ہوئے کہ انہیں لوگوں کی برائی بیان کرنے کا خوف رہا اور اس خبط میں مبتلا رہے کہ عوام و خواص اس کی مدح کریں - یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں کو تمام حرکات میں یہ بات ضرور ہوتی ہے کہ کسی طرح وہ لوگوں کی مرضی کے موافق رہیں تاکہ تمام لوگ اچھا کہیں اور ان کی مذمت کا خوف نہ رہے۔ یہ خیال مہلکات میں سے ہے اسی لیے اس کا علاج واجب ہے اور طریق علاج یہ ہے کہ جن وجوہ سے مدح کی محبت اور مذمت کی کراہت ہوتی ہے ان پر نگاہ رکھے۔

مدح قاعدہ: مادح کی مدح سے اپنے کمال پر مطلع ہو اس میں ممدوح کو چاہئے کہ اپنی عقل کی طرف رجوع کرے اور دل میں سوچے کہ جس صفت سے اس نے میری تعریف کی ہے اس سے میں موصوف ہوں یا نہیں اگر موصوف ہوں تو وہ صفت قابل خوشی ہے جیسے صفت علم و زہد وغیرہ یا لائق فرحت نہیں ثروت و جاہ اور اسباب دنیوی اگر صفت مذکورہ اسباب دنیوی میں سے ہو تو اس پر خوشی کرنا ایسے ہے جیسے گھاس کہ تھوڑے دنوں کے بعد ہوا میں ماری ماری پھرے گی۔ اس طرح کی خوشی قلت عقل سے ہوتی ہے۔

عقلاء کا قول: جسے متنبی نے شعر میں بیان کیا ہے کہ اشد الغم عندی فی سرور تیق عنہ صاحبہ انتقالا ترجمہ میرے نزدیک اسی خوشی سے بہت زیادہ غم ہے جس کے لیے خوشی والا سمجھے کہ مجھ سے بہت جلد چلی جائے گی۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ سالک کو لائق نہیں کہ دنیوی اسباب میں خوشی کرے اس لیے کہ یہ خوشی مادح کی تعریف کرنے کی تو ہے نہیں بلکہ اس شے کے اپنے پاس ہونے کی ہے اور وہ چیز کچھ مدح کے سبب نہیں کہ مدح پر فرحت کی جائے

قاعدہ: اگر صفت ایسی ہو جو حکم کی وجہ سے مستحق فرحت ہو جیسے علم و زہد تب بھی خوشی نہیں ہونی چاہئے اس لیے کہ خاتمہ کا حال معلوم نہیں۔ علم و زہد اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فائدہ دیتے ہیں مگر خطرہ خاتمہ کا ضروری ہے۔ اگر کسی کو اپنے خاتمہ خراب ہونے کا خوف ہو گا تو کسی دنیوی چیز کی خوشی کے قریب بھی نہ بھٹکے گا بلکہ اسے یہ معلوم ہو گا کہ دنیا رنج و اندوہ کا مقام ہے خوشی کی جگہ نہیں

قاعدہ: اگر علم زہد سے اس لیے خوش ہوتا ہے کہ توقع حسن خاتمہ ہے تو چاہئے کہ اس طرح خوش ہو کہ اللہ

عزوجل نے بڑا فضل و کرم کیا۔ علم و زہد اور تقویٰ عنایت فرمایا مادح کی مدح پر خوشی کی کوئی وجہ نہیں جس سے کمال کے واقف ہوئے۔ سے یہ خوش ہوتا ہے جو شے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملے وہ مدح کا سبب نہیں۔ پھر مدح پر خوشی کی کیا ضرورت ہے۔ مدح سے کوئی فضیلت بڑھ نہیں جاتی۔ اگر صفت ایسی ہے جو ممدوح میں نہیں پائی جاتی تو ایسی صفت پر ممدوح کا خوش ہونا پاگل پن ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی کسی دوسرے سے بطریق ہنسی کہے کہ آپ کا پاخانہ کتنا معطر ہے اور جب آپ پاخانہ کرنے جاتے ہیں تو خوشبو مہکتی ہے حالانکہ ممدوح کو معلوم ہے کہ میرے پیٹ میں نجاست ہے اور اس میں نہایت بدبو ہوتی ہے اور باوجود اس کی تعریف سے خوش ہو تو جنون اور جہل کے سوا اور کیا کہا جائے گا۔ اسی طرح جب ممدوح کی کسی مداح نے ایسی تعریف کی جو اس میں وہ صفات نہیں اور باوجود اس کے وہ خوش ہو تو یہ خوشی بھی ایسی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

خلاصہ: مادح اگر سچ کہتا ہے تو چاہئے کہ فضل الٰہی سمجھ کر اظہار فرحت کرے۔ اگر جھوٹ کہتا ہے تو رنج سمجھنا چاہئے کسی صورت میں بھی اس کی مدح سے خوش نہیں ہونا چا؛

قاعدہ: ایک اور سبب مدح کا اور خوشی کا یہ ہوتا ہے کہ اس میں کوئی عمل پایا جاتا ہے کہ تعریف کرنے والے کا اپنا دل مسخر ہوگیا ہے۔ اس کی مدح سے اور دل بھی مسخر ہوں گے۔ اس کا نتیجہ اور جب حب جاہ کا نتیجہ ایک ہے۔ جس کا علاج اوپر گزرا یعنی عوام سے طمع قطع کر کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقام و مرتبہ کا طالب ہو اور جان لے کہ عوام کے دلوں میں مقام اور منزلت کا طالب ہونا یا اس پر خوش ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک رتبہ کم کر دیتا ہے تو پھر خوشی کا کیا مقام ہے

قاعدہ: مدح پر خوشی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ جس کے سبب سے تعریف کرنے پر مجبور ہوا تو یہ ایک قدرت عارضی ہے کہ جسے دوام نہیں یہ سب ناقابل خوشی ہے بلکہ مدح پر غم کرنا اور اس کو برا سمجھنا اور اس کے باعث غصہ کرنا چاہئے۔ اس لیے کہ تعریف کی آفات مدح کی وجہ سے بہت بڑی ہیں جیسا کہ باب آفات زبان میں مذکور ہوئیں

فائدہ: بعض اکابر کا قول ہے کہ جو شخص مدح سے خوش ہوتا ہے تو وہ شیطان کو اپنے دل میں گھسنے کا راستہ دیتا ہے اور بعض کا قول ہے کہ جب کوئی تجھے کہے کہ تو اچھا آدمی ہے اور یہ قول تجھے بہ نسبت اس قول کے کہ تو برا آدمی ہے اچھا معلوم ہو تو بخدا کہ تو برا ہے

حدیث: کسی نے حضور سرور عالم ﷺ کے سامنے کسی دوست کے متعلق کہا کہ وہ بہترین انسان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ موجود ہوتا اور جو تو کہتا ہے اور اس پر راضی ہوتا تو پھر وہ اس حال میں مرجاتا تو وہ دوزخی ہوتا (معاذ اللہ)

حدیث: روایت میں ہے کہ الا لاتما حوا واذار اینم العماؤحین فاحثو فی وجوھم انراب خبردار مدح نہ

کرو جب دیکھو کہ مدح کرنے

حدیث: ایک دفعہ حضور ﷺ نے کسی کی تعریف کرنے والے کو ارشاد فرمایا کہ تیرا برا ہو تو نے اپنے ممدوح کی کمر توڑ دی وہ قیامت تک فلاح نہ پائے گا۔

فائدہ: اسی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہ مدح سے بڑا خوف کرتے تھے اور اس کے فتنہ اور نقصان کی وجہ سے دل کو سرور ہوتا تو اور زیادہ ڈرتے۔

حدیث: بعض خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے کسی سے پوچھا تو اس نے عرض کیا کہ اے امیرالمومنین آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں کیونکہ آپ بڑے عالم ہیں آپ نے غصہ کرکے فرمایا کہ میں نے تمہیں یہ نہیں کہا کہ مجھے عالم و فاضل کہو۔

حدیث: کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو کسی نے عرض کیا کہ جب تک آپ لوگوں میں ہیں خیر و بھلائی رہے گی۔ آپ نے غصے سے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تو عراقی ہے۔ یعنی تم ہماری عادات سے ناواقف ہو۔

حدیث: کسی صحابی نے اپنی تعریف سن کر فرمایا کہ الٰہی تیرا بندہ میرے پاس تیرے غصہ کی چیز سے تقرب کرتا ہے میں تجھے گواہ کرتا کہ میں اس سے ناراض ہوں۔

فائدہ: جن لوگوں نے تعریف کو برا جانا تو اس کی یہی وجہ تھی کہ ایسا نہ ہو کہ اس خوشی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے اور چونکہ ان کے قلوب اس تصور میں مستغرق تھے کہ ہمارا حاصل اللہ کے نزدیک کیا ہوگا اسی لیے ان حضرات کو تعریف بری محسوس ہوتی تھی۔

فائدہ: حقیقت میں اچھا وہی وہ جو اللہ تعالیٰ کے قریب ہو اور وہ مذموم ہے جو اللہ تعالیٰ سے دور ہو کر اہل جہنم کے ساتھ دوزخ میں داخل ہوگا۔

مسئلہ: ممدوح دینوی وجہ سے اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دوزخی ہے تو پھر غیر کی مدح سے اس کا خوش ہونا کمال جہالت ہے۔ اگر اہل جنت سے ہے تب بھی اللہ کے فضل سے فرصت چاہیے۔ یہ کام مخلوق کے قبضہ میں نہیں اور جب کسی بندہ خدا کو یہ علم ہوگا کہ رزق اور موت قبضہ قدرت الٰہی میں ہے تو اس کی توجہ مخلوق کی مدح و ذم کی طرف نہیں ہوگی اور دل سے حب مدح دور ہو جائے گی اور ایسے امور میں مشغول ہوگا جو دین میں ضروری ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بہتری کی توفیق بخشنے والا ہے۔

مذمت سے نفرت کا علاج: پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مذمت کی نفرت کا سبب مدح کے سبب کی ضد ہے تو اس کا علاج بھی اس کے علاج جیسا ہوگا۔

قاعدہ: کوئی کسی کو برا کہتا ہے تو وہ تین حال سے خالی نہیں۔ وہ اپنے قول میں سچا ہے مگر صرف خیر خواہی کی وجہ سے برا کہتا ہے۔ سچا ہے لیکن اس کا مقصد محض ایذا اور رنج رسانی ہے۔ (3) جو بات کی حق میں کہی ہے اس میں جھوٹا ہے لیکن فی نفسہ اپنے قول میں سچا ہے وہ صرف ارادہ نصیحت برا کہتا ہے اس پر غصہ کرنا اور اس سے کینہ رکھنا اور برا بھلا نہیں کہنا چاہئے بلکہ اس کے قول کی اقتداء کرنی چاہئے اس لیے کہ جو شخص تمہارے عیب بتلاتا ہے وہ تمہاری ہلاکت کے مقام سے تمہیں آگاہ کرتا ہے کہ تم اس سے بچو اور ایسے شخص سے خوشی کا اظہار کرو اگر ہو سکے تو جو بری صفت اس نے بیان کی ہے اسے اپنے سے دور کرنے کی کوشش کرو اور اس کے اظہار سے اس کا منہ چڑانا اور ناصح کو برا جاننا اور اینٹ کا پتھر سے جواب دینا نہایت ہی برا عمل ہے۔ اگر اس کا ارادہ رنج دینا تھا تب بھی تم کو اس کی نصیحت سے نفع حاصل کرنا چاہئے کہ اس نے تمہارے وہ عیب بتائے جو تم نہ جانتے تھے یا وہ عیب یاد دلا دیئے جن سے تم غافل تھے یا تم انہیں اچھا سمجھتے تھے لیکن اس نے ان کو برا ثابت کر دیا تاکہ تم ان کو اپنے سے دور کرنے کی کوشش کرو۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں اسباب سعادت سے ہیں جب مذمت سننے سے (یعنی اس طرح کے اسباب سے) سعادت نصیب ہو تو چاہئے کہ طلب سعادت میں مشغول ہوں۔ اس کی مثال یوں ہے۔

ایک مثال: مذکورہ بالا تجویز کو یوں سمجھئے کہ تمہارا ارادہ کسی بادشاہ کی ملازمت کا ہو لیکن کپڑوں میں غلاظت لگی ہے جس کا تمہیں علم نہیں۔ اگر اسی طرح بادشاہ کے یہاں چلے جاؤ تو ممکن ہے قتل کیے جاؤ کیونکہ اس طرح سے تم بادشاہ کی مجلس خراب کرو گے۔ اسی حالت میں اگر کوئی کہے کہ جناب نجاست سے ملوث ہیں۔ اپنے آپ کو پاک و صاف کرو پھر بادشاہ کے پاس جاؤ تو چاہئے کہ کہنے والے سے خوش ہوں کیونکہ اس نے تمہیں بہت بڑی آفت سے بچا لیا۔ اس طرح جتنے برے اخلاق میں آخرت میں تمام انسانوں کے لیے مہلک ہیں لیکن کوئی انسان باتوں کو پہچان نہ سکا بہرحال عیب بیان کرنے والے کی باتوں کو غنیمت سمجھنا چاہئے

مسئلہ: مخالف کا مقصود جو ایذا رسانی ہو۔ وہ اپنے دین کی خرابی کرتا ہے مگر تمہارے حق میں اس کا قول نعمت ہے تو تمہیں اس پر غصہ کی کیا وجہ ہے۔ جس کے قول سے تم کو نفع ہوگا۔ تیسری صورت میں مخالف کا قول تمہارے حق میں افترائے محض ہے یعنی وہ عیب جس سے تمہیں آگاہ کرتا اللہ کے نزدیک تم اس سے بری ہو تو اس حال میں بھی برا ماننا نہ چاہئے اور نہ کہنے والے کو برا کہنا چاہئے۔ عیب سننے کے لیے تین باتوں پر نظر رکھنی چاہئے۔ (ا) اگرچہ تمہارے وہ عیب نہیں جو مخالف نے بیان کیا ہے تو بھی اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہئے کہ مخالف کو ان عیوب کی اطلاع نہ ہوئی اور وہ اس غلط بات کہنے میں لگ گیا جس سے تم بری ہو۔ (2) اس کا قول تمہارے باقی عیوب کا کفارہ ہے تو کیا اس نے ایک گناہ تمہارے ذمہ لگایا لیکن دوسرے گناہوں سے پاک کر دیا جن میں در حقیقت تم ملوث تھے۔ علاوہ ازیں جو تمہاری غیبت کرتا ہے وہ اپنی نیکیاں تمہارے لیے ہدیہ دیتا ہے اور جو مدح کرتا ہے وہ تمہاری کمر توڑتا ہے۔

پھر تم کمر ٹوٹنے سے خوش ہوتے ہو اور نیکیوں سے تو قرب الی اللہ نصیب ہوتا ہے۔ اسی کے تم طلب گار بھی ہو۔
(3) سوچنا چاہئے کہ اس بے چارے نے اپنے دین کی خرابی کی کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ شفقت سے گر گیا اور اس دفتر سے خود کو ہلاک کر دیا بلکہ مستحق عذاب الیم ہوا۔ ایسی صورت میں غضب الٰہی عزوجل کے ساتھ تمہیں اس پر غصہ نہیں چاہئے اور اسے بددعا بھی نہیں کرنی چاہئے ورنہ شیطان خوش ہوگا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ الٰہی اس کو صلاحیت دے اور اس پر رحم فرما اور اس کی توبہ قبول کر۔

سیرۃ نبوی علیہ الصلوۃ و السلام: جب کفار نے حضور ﷺ کے دندان مبارک شہید کیے اور سر مبارک کو مجروح کیا اور آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تو آپ ﷺ نے دعا کی الھم اھد قومی فانھم لا یعلمون ترجمہ: الٰہی میری قوم کو ہدایت دے اس لیے کہ یہ نہیں جانتے

حکایت: حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کے لیے دعائے خیر کی جس نے آپ کا سر مبارک مجروح کیا تھا۔ پوچھا گیا کہ دعائے خیر کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یقیناً معلوم ہے کہ اس کے سبب سے مجھے اجر ملے گا تو مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ مجھے اس کی وجہ سے ثواب ملے اور اس کو میری وجہ سے عذاب ہو

فائدہ: ان اشیاء میں جن کی وجہ سے مذمت کی نفرت شاق ہوتی ہے طمع قطع کرنا ہے تو جس شخص کی طرف تم کو کچھ طمع نیک و بد کا جمع نہ ہو۔ اگر وہ برائی کرے گا تو اس کا اثر دل پر زیادہ گراں محسوس ہوگا اور دین کی اصل قناعت ہے اسی ذریعہ سے طمع مال و جاہ کا طمع ہو جاتا رہتا ہے اور جب تک طمع رہے گا تو جس سے طمع رکھو گے یہی چاہو گے کہ اس کے دل میں میری قدر و منزلت ہو اور یہ میرا مدح رہے اور تمام ہمت اسی میں مصروف کرو گے اور استحصال دین کے بغیر یہ بات حاصل نہ ہوگی۔

خلاصہ: یہ کہ طالب مال و جاہ اور حب مدح اور برا جاننے والے یہ مذمت کو دین کے سلامت رہنے کی توقع نہیں چاہئے کہ ان امور کے ساتھ سلامتی دین بعید از قیاس ہے۔

مدح و مذمت میں سالکوں کا احوال اختلاف: ذم و مدح کے متعلق سالکوں کے چار احوال ہیں۔ (1) مدح سے خوش ہو کر شکر گزار ہوں اور مذمت سے ناخوش ہو کر مذمت کرنے والے سے کینہ رکھ کر اس سے انتقام لیں یا انتقام لینے کو اچھا سمجھیں۔ یہ اکثر لوگوں کا حال ہے۔ درجات معصیت جو اسی اعتبار سے ہوتے ہیں ان میں سے اعلیٰ درجہ یہی ہے۔ (2) مذمت باطن میں تو شاق محسوس ہوتی ہے اور وہ باطن میں بھی خوش ہوتا ہے مگر ظاہر کی حفاظت کرتا ہے کہ سرور بظاہر ظاہر نہ ہو یہ صورت بھی ناقص ہے۔ اگرچہ صورت اول کی بہ نسبت کمال مذمت میں داخل ہے۔ (3) جو درجات کمال میں سے اول و اعلیٰ ہے وہ یہ ہے کہ مدح و ذم مساوی معلوم ہوں نہ مدح سے سرور ہو نہ مذمت سے رنج اور اس صورت سے بعض سالکین اپنے گمان میں خود کو اس صفت سے موصوف جانتے ہیں لیکن

اگر اس کی علامات کا امتحان نہ کریں تو دھوکہ کھا جاتے ہیں اور اس کی علامت یہ ہیں۔ (1) مذمت والے کو اپنے پاس بٹھلانا گراں محسوس ہو (2) جتنا خوشی لور فرحت مادح کی حاجات کے پورا کرنے مں ہو اتنا ہی ہجو کرنے والے کی قضائے حاجات میں بھی ہو یا کم نہ ہو۔ (3) دونوں کا مجلس سے چلا جانا یکساں ہو (4) مادح کی موت کا زیادہ غم نہ ہو بہ نسبت ذم والے کی موت کے (5) مادح کے مصائب لور اس کے دشمنوں کی ایذا رسانی پر زیادہ رنج نہ ہو بہ نسبت دوسرے کے (6) مادح کی خطا بہ نسبت مذمت والے کے دل پر اور نظروں مں خفیف محسوس نہ ہو جب مذمت والا مادح کی طرف ہلکا محسوس نہ ہوگا اور ہر طرح سے دونوں مں مساوات محسوس ہوگی تب یہ رتبہ نصیب ہوگا مگر غوروخوض کے بعد معلوم ہوگا کہ یہ رتبہ نہایت سخت اور بہت بعید از قیاس ہے۔

فائدہ: اکثر سالک عوام کی مدح سرائی سے دل میں خوش ہوتے ہیں مگر چونکہ ان علامات سے اپنے دل کا امتحان نہیں کرتے اسی لیے انہیں اس خوشی کا حال معلوم نہیں ہوتا اور کبھی عابد کو اپنے دل کا میلان مدح کرنے والے کی طرف سے معلوم ہوجاتا ہے کہ مذمت والے کے متعلق اتنا زیادہ معلوم نہیں ہوتا اور اس کی تقویت اور خوبی شیطان اس طرح سمجھتا ہے کہ مذمت والے نے برائی بیان کی ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے اور مادح نے اس کے برعکس جو تعریف کی ہے وہ اس نے اللہ کی اطاعت کی ہے۔ اس اعتبار سے دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں تو جو مذمت کرانے کو برا جانتا ہے صرف دین کی وجہ سے ہے تو یہ شیطان کا دھوکا ہے کیونکہ اگر عابد مذکور غورو فکر کرے تو جان لے گا کہ مذمت کرنے والے سے خطا اس کی مذمت کی وجہ سے ہوئی۔ بعض لوگ تو اس سے بھی زیادہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں پھر ان کو برا کیوں نہیں جانتا اور ان سے نفرت کیوں نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں جس نے اس کی مدح کی ہے اس نے لازماً کسی دوسرے کی مذمت کی ہوگی تو اسے دوسرے کی مذمت معصیت کے اعتبار سے برابر ہے کہ مذموم وہ خود ہو یا دوسرا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ عابد کا غصہ مذمت والے پر اپنے نفس کی وجہ سے ہے اور یہ شیطانی فریب ہے جسے وہ سمجھا کہ یہ دینی بات ہے یہاں تک کہ ہوائے نفسانی کی وجہ سے اس کو نیکی جاننے لگا اور اسی وجہ سے وہ اللہ سے زیادہ بعید ہوگیا اور جس شخص کو شیطان کا فریب اور نفس کے آفات معلوم نہیں اس کی اکثر عبادات ضائع ہو جاتی ہیں۔ اسے نہ دنیا ملی اور اسے آخرت کا بھی خسارہ ہوا۔ انہیں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (کہف 104)
ترجمہ کنزالایمان: تم فرماؤ کیا ہم تمہیں بتا دیں گے کہ جو سب سے بڑھ کر ناقص عمل کن کے ہیں ان کے جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں گم گئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔ (4) آخری صورت جو صدق فی العبادۃ ہے وہ یہ ہے کہ مدح کو برا جانے اور مادح سے ناخوش ہو اس لیے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس کے حق میں مدح بہت بڑا فتنہ اور دین میں نقصان پہنچانے والا ہے اور مذمت کرنے والے کو دوست جانے کہ

اس نے اس کے عیب بتلائے۔ یہ ضروری تھا اس کی طرف اسے ہدایت کی اور اپنی نیکیاں اس کے لیے ہدیہ کیں یعنی غیبت کر کے اپنی نیکیاں اسے دے دیں۔

حدیث شریف: حضور ﷺ نے فرمایا تواضع کا اصل یہ ہے کہ تجھے اپنے تقویٰ و نیکی کے اظہار اور ذکر سے کراہت ہو۔ بعض احادیث میں ہے بشرطیکہ وہ حدیث صحیح ہو تو ہم جیسوں کے لیے خرابی ہے وہ یہ کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ دار اور شب بیدار گلیم پوش سب کے لیے خرابی ہے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ اس سے کون مراد ہے۔ آپ نے فرمایا وہ شخص جس کا نفس دنیا سے پاک لیکن مدح کو برا اور مذمت کو اچھا جانتا ہے۔

فائدہ: یہ مرتبہ نہایت سخت و دشوار ہے ہم جیسے لوگوں کا فائدہ صرف صورت دوم میں ہے کہ مذمت والے کی برائی اور مادح کی بھلائی دل میں ہو مگر اس کا اظہار قول اور عمل میں نہ ہو اور تیسری صورت یعنی مادح اور مذمت والے کو برابر جاننا تو اس کا طمع ہمیں نہیں ہو سکتا اگر ہم اپنے نفسوں میں دوسری صورت کی علامات تلاش کریں تو وہ بھی پوری نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ تو ضروری ہے کہ مادح کی تعظیم اور اس کی قضائے حاجات کے لیے جلدی کی جائے اور مذمت والے کی تعظیم اور قضائے حاجات اور اس کی تعریف گراں محسوس ہو تو پھر فعل ظاہری میں بھی دونوں میں برابری کرنے کے اوپر قادر نہیں باطن میں تو پہلے قادر نہ تھے۔

انتباہ: جو شخص کہ اس وقت میں مادح اور رذمت والے کو ظاہری افعال میں برابر کرے تو وقت کا پیشوا ہے کہ اگر کوئی ایسا سالک پایا جائے تو اس کا حکم کبریت احمر کا ہے اس سے عوام فیض یاب ہوں مگر ایسا انسان نظر نہیں آتا بلکہ دوسرے مرتبہ کا سالک بھی نہیں ملتا تو دو مرتبے جو اس کے اوپر ہیں ان کا ملنا کہاں سے ہوگا۔

فائدہ: ان مراتب میں سے بھی ہر مرتبہ میں بہت بڑے درجات ہیں مثلاً مدح میں بعض لوگ مدح اور ثنا اور اپنی شہرت کی تمنا رکھتے ہیں اور اس کے حاصل کرنے کے لیے جو کچھ ان سے بن سکتا ہے کرتے ہیں کہ عبادات بھی ظاہر داری کے لیے کرتے ہیں اور ممنوعات کے ارتکاب کی بھی پروا نہیں کرتے وہ یہی چاہتے ہیں کہ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل ہوں اور تعریف میں تمام لوگ اس کے لیے رطب اللسان ہو جائیں ایسے لوگ ہالکین میں سے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ اس مطلب کے فخر مباہات کے طلب گار ہوتے ہیں عبادات کے کرنے سے یا ممنوعات کے ارتکاب کے خواہاں نہیں تو ایسے لوگ گرتے کنارہ پر ہیں اس لیے کہ جن امور یا اعمال سے عوام کے قلوب کی طرف ہوتے ہیں۔ اس کی کوئی حد مقرر نہیں اور نہ ہی ان کا ضبط کرنا ممکن ہے یہ بھی بعید نہیں کہ انسان مدح و ثنا کے حصول کے لیے ایسا قول یا عمل کرے جو جائز نہ ہو اور اس کو اطلاع بھی نہ ہو ایسے لوگ پہلے قول یا عمل کرے جو جائز نہ ہو اور اس کو اطلاع بھی نہ ہو ایسے لوگ پہلے لوگوں کے قریب قریب ہیں یعنی یہ لوگ بھی تباہ کار ہیں۔ بعض

لوگ ہیں کہ وہ مدح و ثنا کے خواہاں تو نہیں نہ اس کے لیے کوشاں لیکن جب ان کی تعریف ہو تو ان کے دل پر سرور آجاتا ہے۔ اگر ایسے لوگ اس سرور کو محنت کر کے دل سے نہ ہٹائیں اور اس تعریف کو برا نہ سمجھیں تو بعید نہیں کہ فرط سرور انہیں اس درجہ تک پہنچا دے جو اس سے پہلے تھا اور اگر نفس پر زور دے کر اپنے دل میں بزور آفات مدح کو سوچ کر اس کی کراہت اور برائی دل میں ڈالیں تو ایسے لوگ مجاہدہ کے خطرہ میں رہتے ہیں۔ کبھی خود ہار جاتے ہیں۔ کبھی جیت جاتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب اپنی تعریف سنتے ہیں تو نہ خوش ہوتے ہیں اور نہ رنجیدہ لیکن تعریف ان میں تاثیر کی جاتی ہے۔ ایسے لوگ باوجودیکہ پورا اخلاص نہیں رکھتے تاہم اچھے ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب اپنی تعریف سنتے ہیں تو برا جانتے ہیں مگر ایسا نہیں ہوتا کہ مادح پر غصہ کریں یا اسے منع کریں۔

فائدہ: سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ تعریف کو برا جان کر غصہ کرے بلکہ مادح پر اظہار غضب کرے نہ یہ کہ ظاہر میں تو غصہ ہو اور دل میں اس کو اچھا جانتا ہو یہ صورت عین نفاق ہے۔ اس لیے کہ یوں چاہتا ہے کہ میں اخلاص اور صدق ظاہر کروں حالانکہ یہ دونوں باتیں اس میں نہیں۔

فائدہ: ذم کے متعلق بھی مختلف درجات ہیں ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ مذمت سننے پر اظہار غصہ نہ ہو اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مذمت پر خوشی اور فرحت ظاہر کرے۔

قاعدہ: اظہار فرحت اسی سے ہوگا جو اپنے نفس کی طرف سے دل میں غصہ اور کینہ رکھتا ہوگا کہ نفس بڑا سرکش اور بہت عیب دار اور نہایت درجہ کا وعدہ خلاف ہے۔ باطنی طور نفس بہت سے مکروفریب اور خبث رکھتا ہے اور اس وجہ سے اس سے ایسا بغض کرے جیسا دشمن سے ہوتا ہے اور چونکہ آدمی اپنے نفس کی مذمت سننے سے خوش ہوا کرتا ہے اور اس شخص کا دشمن اسی کا نفس ہے تو جب اس کی مذمت سنتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور مذمت والے کا شکر گزار ہوتا ہے اور اسے سمجھ دار اور ہوشیار سمجھتا ہے کہ اس نے نفس سرکش کے خوب عیوب پہچانے اور یہ مذمت ایسے شخص کے حق میں ایک تشفی سی ہوتی ہے بلکہ اس کے نزدیک غنیمت محسوس ہوتی ہے اس لئے کہ مذمت کی وجہ سے لوگوں کی نظروں سے ساقط ہو کر جاہ کے فتنہ سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں قسم و قسم کی حسنات میں تو انسان قائم نہیں رہ سکتا تو ممکن ہے کہ یہ مذمت اسے ایسے عیوب جب نقصان ہے کہ جن کا دور ہونا اس سے دشوار تھا۔

فائدہ: اگر کوئی سالک تمام عمر اپنے نفس پر اسی ایک خصلت کا مجاہدہ کرے کہ اس کے نزدیک مادح اور مذمت والا برابر ہو جائے تو اس کا یہ ایسا شغل ہو جائے گا کہ اسے دیگر مجاہدہ کی ضرورت نہ ہوگی۔

فائدہ: سالک اور سعادت کے درمیان بہت سی وادیاں ہیں ان میں ایک یہی حصول مساوات ہے اور ہر ایک گھاٹی کو طے کرنا مجاہدہ کے بغیر تمام عمر میں ناممکن ہے۔

مذمت ریا: ریا حرام ہے اور ریا کار اللہ کے نزدیک مغضوب ہے۔ بہت سی آیات و احادیث اور اقوال سلف صالحین سے ثابت ہے۔

قرآن مجید (آیت) (۱) فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ (ماعون 4) ترجمہ کنز الایمان : تو ان نمازیوں کی خرابی ہے جو اپنی نماز سے بھولے بیٹھے ہیں وہ جو دکھاوا کرتے ہیں۔ (2) وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ -(فاطر 10) ترجمہ کنزالایمان : اور وہ جو برے داؤں کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور انہی کا مکر برباد ہوگا۔

فائدہ: حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ لوگ ریاکار ہیں جو اس آیت میں مذکور ہوتے ہوئے۔ (3) اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا (الدھر 9) ترجمہ کنزالایمان : اور ان سے کہتے ہیں ہم تمہیں خاص اللہ کے لئے کھانا دیتے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکرگزاری نہیں مانگتے۔

فائدہ: اس میں اخلاص والوں کی مدح فرمائی ہے کہ سوائے رضائے الٰہی کے اور کوئی ارادہ نہیں کرتے اور ریا اس کی ضد ہے۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (الکہف 110) ترجمہ کنزالایمان : تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہئے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔**فائدہ:** یہ آیت ایسے لوگوں کی شان میں اتری ہے جو اپنی عبادات و اعمال پر اجر اور تعریف کے خواہاں تھے۔

احادیث مبارکہ: (۱) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کسی نے سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ نجات کس چیز میں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ان لا یعمل العبد بطاعتہ اللّٰہ یرید بھا الناس ترجمہ : انسان اللہ کی اطاعت کا کوئی عمل کرتے وقت لوگوں کا خیال دل میں نہ لائے۔

(2) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے (تین شخصوں شہید اور صدقہ دینے والے اور قاری کے احوال کی حدیث جو باب اخلاص میں مفصل مذکور ہے۔) مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے شہید کو ارشاد فرمائے گا کہ تو جھوٹا ہے تو اللہ کے لیے نہیں لڑا بلکہ اس لیے کہ لوگ کہیں تو بڑا بہادر ہے۔ صدقہ والے کو فرمائے گا تو نے اللہ کے لیے خیرات نہیں دی بلکہ سخی کہلانے کے لیے دی۔ قاری کو فرمائے گا تو نے اللہ کے لیے کلام اللہ نہیں پڑھا بلکہ قاری (عالم) مشہور ہونے کے لیے پڑھتا تھا۔

فائدہ: اس حدیث میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کو ثواب نہ ملا اور ان کے ریا نے تمام اعمال بے کار کر دیئے۔

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ من رای رای اللّٰہ به ومن سمیع اللّٰہ به جس نے دکھاوے سے عبادت کی اللہ عزوجل اسے عوام میں دکھائے گا جو شہرت کے لیے عبادت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مشہور کرے گا۔ (4) ایک حدیث طویل میں مذکور ہے کہ اللہ عزوجل فرشتوں کو ارشاد فرمائے گا کہ اس شخص نے اپنے عمل سے میرا ارادہ نہیں کیا۔ اس کو دوزخ میں ڈال دو۔ (5) حدیث شریف میں ہے ان اخون ما اخان علیکم الشرک الاصغر میں تمہارے بارے میں شرک اصغر (ریاء) سے بہت زیادہ خائف ہوں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ شرک اصغر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ الریا (ریاء) پھر فرمایا ان اللّٰہ عزوجل یوم القیامته اذا جاذی العبا دبا عما لهم یقول اذهبو الی الذین کنتم تراؤن فی الدنیا فانظرو اهل تجدون عندهم الجزا بے شک اللہ جب قیامت میں بندوں کو جزا دے گا تو ریا والوں کو فرمائے گا۔ ان سے جزا لو جنہیں تم دکھا کر عبادت کرتے تھے۔ کیا ان کے پاس تم جزا پاتے ہو۔

(6) فرمایا استعیذوا باللّٰہ عزوجل من جب الحزن اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو چاہ حزن سے صحابہ نے عرض کیا کہ وہ کیا ہے فرمایا وادنی جهنم اعدیت للقراء المر آئین ترجمہ: وہ جہنم میں ایک وادی ہے جو ریاء کار قراء (علماء) کے لیے تیار کی گئی ہے۔ حدیث قدسی میں ہے من عمل لی عملاً اشرک فیه غیری فهولا کله وانا منه بری و انا اغنی الاغنیاء ترجمہ: جو ایسا عمل کرتا ہے جس میں میرے ساتھ دوسرے کو شریک کرتا ہے تو سارا عمل اس کا اپنا ہے میں اس سے بیزار ہو اور میں غنیوں سے زیادہ غنی ہوں۔

حدیث 8: حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جب کوئی روزہ رکھے تو سر اور داڑھی میں تیل ڈال لے اور ہونٹوں پر بھی ہاتھ پھیر دے تاکہ لوگ نہ سمجھیں کہ یہ روزہ دار ہے اور جب کوئی داہنے ہاتھ سے دے تو بائیں کو خبر نہ ہو اور جب نماز پڑھے تو اپنے دروزاہ پر پردہ لٹکا دے کیونکہ اللہ تعالیٰ ثنا بھی اسی طرح تقسیم کرتا ہے جس طرح روزی بانٹتا ہے۔

حدیث 9: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسلم فرماتے ہیں لا یقبل اللّٰہ عزوجل عملاً فیه مثقال ذرة من ریا اللہ تعالیٰ اس عمل کو قبول نہیں کرتا جس میں ذرہ برابر ریا ہو۔

حدیث 10: ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو روتے دیکھ کر گریہ کا سبب پوچھا۔ انہوں نے کہا مجھے ایک حدیث رلاتی ہے جس کو میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا ان ادنی الریا شرک ریا کا ادنیٰ درجہ شرک ہے۔

حدیث 11: ارشاد فرمایا اخوف ما اخاف علیکم الریاء والشهوة الخفینه مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف ریاء اور خفیہ شہرت ہے۔

فائدہ: شہوت خفیہ کا انجام ریاء خفی پر پہنچتا ہے۔

حدیث 12: فرمایا کہ جس دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ عرش کے سایہ میں ایک ایسا شخص ہوگا جس نے داہنے ہاتھ سے دیا اور بائیں کو خبر نہ ہوئی یعنی خیرات چھپا کر دی۔

فائدہ: عمل خفیہ ظاہر کے عمل سے ستر گنا زائد فضیلت رکھتا ہے۔

حدیث 13: حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ریا کار تین ناموں سے پکارا جائے گا۔ اے فاجر اے غادر اے مرائی (ریا کار) تیرے اعمال ضائع ہوئے اور تیرا ثواب جاتا رہا جس کے لیے تو عمل کرتا تھا اس سے اپنی اجرت لے۔

حدیث 14: حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا آپ گریہ فرما رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا یارسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کیوں روتے ہیں۔ آپ نے فرمایا امر تخوفت علی امتی المشرک اما انھم لا یعبدون منھا ولا شمسنا ولا قمراً ولا حجراً ولکنھم یر آؤن باعمالھم میں اپنے امتی مشرک کے ایک امر سے خوفزدہ ہوں وہ سورج اور چاند کو پوجنے والا نہیں ہاں اپنے اعمال پر ریا کریں گے۔

حدیث 15: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو اوپر والی اشیاء کے ساتھ کانپنے لگی اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا کر کے زمین کے لیے میخیں بنا دیں۔ فرشتوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز پہاڑ سے زیادہ سخت نہیں بنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوہا پیدا کیا۔ اس نے پہاڑوں کو کاٹ ڈالا۔ پھر آگ پیدا کی۔ اس نے لوہے کو جلا دیا۔ پھر پانی کو حکم ہوا۔ اس نے آگ بجھا دی۔ پھر ہوا کو حکم ہوا اس نے پانی کو دبا دیا۔ فرشتوں نے یہ سب کچھ دیکھ کر اختلاف کیا کہ۔ ان سب میں سے زیادہ سخت کون سی شے ہے۔ پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ سے پوچھنا چاہئے۔ عرض کیا کہ الٰہی تو نے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ سخت کون سی چیز بنائی ہے۔ ارشاد ہوا کہ سب سے زیادہ سخت آدمی کا دل ہے کہ خیرات داہنے ہاتھ سے دیتا ہے اور بائیں ہاتھ سے چھپاتا ہے۔ اس سے زیادہ سخت کوئی مخلوق نہیں۔

حدیث 16: حضرت عبداللہ بن المبارک رحمتہ اللہ علیہ ایک شخص سے راوی ہیں۔ اس نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے کوئی حدیث بیان فرمائیے جو آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خود سنی ہو۔ حضرت معاذ اتنا روئے کہ سائل کو گمان ہوا کہ چپ نہ ہوں گے۔ جب چپ ہوئے تو کہا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے پکار کر فرمایا معاذ میں نے عرض کیا لبیک بابی انت وامی یا رسول اللہ آپ نے فرمایا میں تجھے ایک حدیث سناتا ہوں۔ اگر تو یاد کرے گا تو تجھے نفع ہوگا۔ اگر ضائع کردے گا تو تو قیامت میں

اللہ تعالیٰ کے سامنے تیری حجت نہ ہوگی۔ اے معاذ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان سے قبل سات فرشتوں کو پیدا کیا۔ پھر آسمانوں کو پیدا کرکے ہر آسمان پر ایک فرشتہ معین کردیا اور ہر آسمان کو بڑی عظمت عطا فرمائی۔ جب بندے کے صبح سے شام تک کے اعمال فرشتہ محافظ لے کر اوپر چڑھتا ہے اور اعمال میں آفتاب کا سا نور ہوتا ہے۔ فرشتے اپنے نزدیک اسے اچھا اور اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ مگر جب آسمان دنیا پر پہنچتے ہیں تو دربان آسمانی محافظوں سے کہتا ہے کہ ان اعمال کو عمل والے کے منہ پر مارو میں غیبت کا فرشتہ ہوں۔ میرے رب نے حکم دیا ہے کہ جس نے غیبت کی ہو اس کے اعمال آگے نہ جانے دوں وہ محافظین اور اعمال جن میں غیبت نہ ہو لے کر دربان اول سے گزر جاتے ہیں اور اس کے اعمال کو زیادہ پاک اور اعلیٰ سمجھتے ہیں - یہاں تک کہ دوسرے آسمان تک پہنچتے ہیں۔ وہاں کا دربان کہتا ہے کہ عمل کو اس کے مرتکب کے منہ پر مارو۔ اس نے اس عمل سے متاع دنیا مراد لی تھی۔ پروردگار کا حکم ہے۔ میں ایسے عمل کو آگے نہ جانے دوں گا وہ شخص مجلسوں میں بیٹھ کر فخر کیا کرتا تھا۔ پھر محافظین اعمال مثلاً صدقہ نماز روزہ (جن میں ایسا نور ہو کہ محافظین بھی حیران تھے) لے کر چڑھتے ہیں اور دونوں آسمانوں سے گزر جاتے ہیں۔ جب تیسرے آسمان پر پہنچتے ہیں تو جو فرشتہ اس پر موکل ہے وہ کہتا ہے کہ اس عمل کو اس بندے کے منہ پر مارو میں کبر کا فرشتہ کہتا ہے میرے مالک کا حکم ہے کہ جس عمل میں کبر ہو اسے آگے نہ جانے دوں۔ یہ شخص مجلسوں میں تکبر کیا کرتا تھا۔ پھر محافظین بندے کا کوئی اور عمل مثلاً حج اور عمرہ و نماز و روزہ لے کر اوپر جاتے ہیں۔ یہ عمل ستاروں کی طرح چمکتا اور آواز کرتا ہے۔ جب چوتھے آسمان پر پہنچتے ہیں ان کا دربان کہتا ہے کہ اس عمل کو اس کی پیٹھ اور پیٹ پر مارو میں فرشتہ عجب ہوں۔ میرے مالک کا حکم ہے کہ عجب کے عمل کو آگے نہ بڑھنے دوں - یہ شخص جب عمل کرتا تھا تو اپنے عمل میں عجب کو دخل دیتا تھا۔ پھر محافظین اور عمل لے کر پانچویں آسمان تک جاتے ہیں اور یہ عمل دلہن کی طرح آراستہ ہوتا ہے۔ اس آسمان کا موکل کہتا ہے کہ اس عمل کو عمل والے کے منہ پر مارو بلکہ اس کی گردن پر ڈال دو۔ میں فرشتہ حسد ہوں یہ لوگوں سے حسد کرتا تھا جو کوئی علم حاصل کرکے اس کے موافق کام کرتا یا کوئی نفل عبادت کرتا۔ یہ سب کے ساتھ حسد کرتا بلکہ انہیں برا کہتا۔ مجھے حکم الٰہی ہے کہ اس کا عمل آگے نہ جانے دوں۔ پھر محافظین اعمال نماز و زکوٰۃ و روزہ اور حج اوپر لے جاتے ہیں۔ جب چھٹے آسمان پر پہنچتے ہیں۔ وہاں کا موکل کہتا ہے کہ اس کے عمل کو عامل کے منہ پر مارو وہ کبھی کسی انسان پر رحم نہیں کرتا تھا بلکہ ہنستا رہتا تھا۔ میں فرشتہ رحمت ہوں۔ مجھے امر خداوندی ہے کہ ایسے عمل کو آگے نہ بڑھنے دوں۔ پھر محافظین بندے کا اور عمل لے کر چڑھتے ہیں اور اس کے اعمال مثلاً روزہ، نماز اور ورع و اجتہاد وغیرہ میں رعد کی سی گرج ہوتی ہے اور آفتاب کی چمک اور تین ہزار فرشتے اس کے ساتھ ہوتے ہیں اور چھٹوں آسمانوں سے گزر کر جب ساتویں آسمان پر پہنچتے ہیں تو اس کا دربان کہتا ہے کہ اس عمل کو عامل کے منہ پر مارو اور اس کے اعضا اور دل پر ڈال دو جس عمل کو کہ خاص خدا کے لیے نہیں کیا۔ اسے میں پروردگار کے سامنے نہ جانے دوں گا۔ یہ اپنے عمل سے غیر اللہ کو مد نظر رکھتا تھا۔ اس کی مراد یہ تھی کہ میں

فقہاء میں بلند قدر ہوں۔ علماء میں میرا ذکر ہو شہروں میں مشہور ہو جاؤں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس کا عمل آگے نہ جانے دو اور جو عمل کہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہو وہ ریا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ریا کا عمل قبول نہیں۔ فرمایا پھر محافظین بندے کا عمل نماز و روزہ و حج و عمرہ اور خلق اور حسن سلوک اور ذکر الٰہی جن میں کوئی عیوب مذکورہ بالا نہ ہوئے لے کر اوپر جاتے ہیں اور اس کے ساتھ تمام آسمانوں اور زمین کے فرشتے موجود ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ تمام پردوں کو قطع کر کے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس شخص کے لیے اس کے نیک ہونے کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تم میرے بندے کے عمل پر نگران تھے اور اس کے نفس کا نگران میں ہوں اس نے اس عمل سے میرے لیے ارادہ نہیں کیا۔ میرے سوا اس کی اور مراد تھی اس پر میری لعنت ہے۔ فرشتے کہیں گے کہ اس پر تیری لعنت اور ہماری لعنت اور آسمان کہیں گے اس پر اللہ کی لعنت اور ہماری لعنت پھر سب آسمان اور زمین اور جو چیزیں ان میں ہیں لعنت کریں گے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ تو رسول اللہ ہیں اور میں معاذ ہوں۔ میں کیا کروں۔ آپ نے فرمایا کہ میری اتباع کرو۔ اگرچہ تیری عمر تھوڑی سی ہو۔ اے معاذ جو لوگ قرآن خوان ہیں۔ ان کی غیبت نہ کرنا۔ اپنے گناہ خود اپنے اوپر رکھنا۔ دوسروں کے ذمہ نہ لگانا اور انہیں برا کہہ کر اپنی صفائی نہ دینا اور خود کو ان پر اونچا نہ کرنا اور عمل آخرت میں دنیا کے کام کو داخل نہ کرنا اور لوگوں پر تکبر نہ کرنا ورنہ لوگ تیری بدخلقی سے ڈریں گے اور جب کوئی دوسرا تیرے پاس بیٹھا ہو کسی سے سرگوشی نہ کرنا اور لوگوں سے اپنی عظمت ظاہر نہ کرنا ورنہ تیرے سے دنیا کی برکت جاتی رہے گی اور لوگوں کا نقصان نہ کرنا ورنہ قیامت میں تجھے دوزخ کے کتے چیر ڈالیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا (النازعات 2) ترجمہ کنزالایمان :اور نرمی سے بند کھولیں۔ اے معاذ تجھے معلوم ہے کہ ناشطات کیا ہیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ ارشاد فرمادیں کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ دوزخ کے کتے ہیں کہ گوشت اور ہڈی کو دانتوں سے نوچیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ پر میری ماں اور باپ فدا ہوں یہ خصائل جو ارشاد ہوئے ان کی بجاآوری کی کس کو طاقت ہے اور ان دوزخ کے کتوں سے کون بچے گا۔ آپ نے فرمایا کے اے معاذ جس پر اللہ آسان کرے اس کو یہ باتیں کوئی مشکل نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو کلام اللہ کی تلاوت کرتے نہیں دیکھا۔ وہ اس حدیث کے خوف سے اکثر تلاوت میں مصروف رہتے تھے۔

اقوال اسلاف صالحین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم: (1) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو گردن جھکائے دیکھ کر فرمایا کہ اونچی گردن والے اپنی گردن اٹھا خشوع گردنوں میں نہیں بلکہ دلوں میں ہے۔ (2) حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے کسی کو مسجد میں سجدے کے درمیان روتے دیکھ کر فرمایا کہ یہ اگر تو اپنے گھر میں کرتا تو بہتر تھا۔ (3) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ریا کار کی تین علامت ہیں۔ (1) جب اکیلا ہو تو سست ہو۔ (2)

جب مجمع میں تو خوش ہو (3) جب اس کی کوئی تعریف کرے تو عمل زیادہ کرے۔ اگر کوئی مذمت کرے تو کم۔ (3) کسی نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ اگر میں تلوار سے اللہ کی راہ میں لڑوں اور نیت رضائے الٰہی ہو لیکن لوگوں کی تعریف بھی ہو تو ثواب ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی ثواب نہ ملے گا اس نے تین بار پوچھا۔ آپ نے یہی جواب دیا۔ بالاخر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں شرک سے تمام غنیوں کا غنی ہوں۔ (4) ایک شخص نے حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ بعض لوگ نیکی کرکے چاہتے ہیں کہ لوگ بھی تعریف کریں اور ثواب بھی ملے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تم پر اللہ کا غضب ہو۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تو جب اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرو تو اسے اخلاص سے کرو (5) ضحاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ نہ کہنا چاہئے کہ یہ عمل رضائے الٰہی اور تمہاری رضا کے لیے ہے یا رضائے اہل قرابت کے لیے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔ (6) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی کو کوڑا مارا تھا۔ پھر اس سے فرمایا کہ تو مجھ سے بدلہ لے۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اور آپ کی خاطر معاف کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ غلط ہے کہ تو میری خاطر مجھے معاف کرے۔ یہ مجھ پر احسان ہوگا۔ تم صرف اللہ کے لیے مجھے چھوڑ دو۔ اس نے عرض کیا کہ میں صرف اللہ کے لیے چھوڑتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اب خوب ہوا۔ (7) حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایسے لوگوں کے ساتھ رہا ہوں کہ ان کے دل میں حکمت کی ایسی باتیں گزرتی تھیں کہ اگر ان کو زبان پر لاتے تو ان کو اور ان کے ساتھیوں کو مفید ہوتیں۔ مگر شہرت کے خطرہ سے نہیں کہتے تھے اور جب راستہ میں کوئی موذی دیکھتے تو اس کے مشہور ہو جانے کے خوف سے اسے علیحدہ نہ کرتے اور سنا ہے کہ ریاکار قیامت میں چار ناموں سے پکارا جائے گا۔ (1) اے ریاکار (2) اے زیان کار (3) اے مکار (4) اے بدکار جا جس کے لیے عمل کیا ہے اس سے اپنی اجرت لے۔ ہمارے پاس تیرے لیے کوئی اجرت نہیں۔ (8) حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے لوگ ریا ایسے اعمال میں کرتے تھے کہ انہیں بجالاتے تھے اور آج ریا ایسے اعمال سے کرتے ہیں کہ جن کے مرتکب بھی نہیں ہوتے۔ (9) حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ (1) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندے کی نیت پر اتنا عطا فرمائے گا کہ اتنا عمل پر نہ دیتا اس لیے کہ نیت میں ریا نہیں ہوتا۔ (10) حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ریاکار یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر غالب ہو جائے ریاکار غلط آدمی ہے یوں چاہتا ہے کہ لوگ اسے نیک بخت کہیں اور وہ اسے کس طرح کہہ سکتے ہیں وہ تو اللہ کے نزدیک نکمے لوگوں میں داخل ہے۔ ایمانداروں کو لازم ہے کہ اس کی پہچان رکھیں۔ (11) حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ جب بندہ ریا کرتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کو دیکھو مجھ سے مذاق کرتا ہے۔ (12) حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاری (علماء) تین قسم کے ہیں۔ اللہ کے قاری' دنیا کے قاری' بادشاہوں کے قاری۔ محمد بن واسع اللہ کے قاریوں میں سے ہیں۔ (13) محمد بن المبارک صوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اہل خیر کی وضع رات کو اختیار کرنی چاہئے۔ دن کو اہل خیر کی صورت اظہار کرنے

سے وہ اشرف ہے جو رات کو صورت اختیار کرتا ہے اس لیے کہ دن کا معاملہ مخلوق کے لیے اور رات کا خالق کے لیے ہے۔ (14) ابو سلیمان کا قول ہے کہ بہ نسبت عمل کے عمل کا بچانا بہت سخت ہے۔ (15) ابن المبارک نے فرمایا کہ ایک آدمی طواف کعبہ کرتا ہے مگر ہے خراسان میں لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیسے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی چاہے کہ اسے لوگ یوں کہیں تو یہ مکہ کا مجاور ہے۔ خلاصہ یہ کہ طواف حصول شہرت کے لیے ہے اس پر ثواب و اجر مرتب نہیں ہوتا۔ (16) حضرت ابراہیم بن ادھم فرماتے ہیں کہ جس نے مشہور ہونا چاہا اس نے اللہ تعالیٰ کی تصدیق نہیں کی۔

حقیقت الریاء: لغت میں ریاء رویت سے ہے۔ جس کا معنی دیکھنا ہے۔ اس طرح سمعہ معنی شہرت مستعمل ہے۔ وہ مشتق از سماع بمعنی سننا ہے اور ریاء کا شرعی معنی ہے لوگوں کو اچھی خصلتیں دکھلا کر ان کے دلوں میں قدر و منزلت حاصل کرنا لیکن چونکہ جاہ و منزلت کا دلوں میں حاصل ہونا سوائے عبادات کے اور اعمال سے بھی ہو سکتا ہے اور عبادات سے بھی تو بحکم عادات ریاء خاص اس صورت کا نام ہوگیا جس میں طلب منزلت عوام میں عبادات کی وجہ سے مقصود ہو ریا کی تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ عبادت اللہ سے بندوں کو مطمع نظر سمجھنا۔

ریاء کے لوازمات: یہ چار ہیں۔ (1) ریا کرنے والا یعنی عبادت گزار (2) جس کے لیے ریاء کرتا ہے وہ کوئی انسان مراد ہو گا کہ اسے عبادت دکھلانا مد نظر ہے اور ان دونوں میں قدر و منزلت مطلوب ہے۔ (3) جس چیز کو دکھلانا منظور ہے وہ ہیں عبادت جو ریاء کے طور پر ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ (4) خود ریاء یعنی ان فضائل کے اظہار کا قصد۔

فائدہ: جن چیزوں میں ریا کو دخل ہے وہ پانچ قسم ہیں۔ یعنی سالک لوگوں میں ریا پانچ چیزوں میں کر سکتا ہے۔ (1) بدن' (2) ہیئت' (3) قول' (4) عمل' (5) اشیاء خارجی۔

فائدہ: دنیا دار بھی انہیں پانچ قسموں سے ریا کرتے ہیں مگر جاہ کا طلب کرنا اور ریاء کا خواہاں ہونا ایسے اعمال سے ہوگا جو داخلی طاعت نہیں بہ نسبت طاعت کے ریا کے خفیف ہے۔ (1) بدن یعنی ریا دین کے بارے میں اس طرح ہے کہ جسم پر لاغری اور زرد ظاہر کرے تاکہ لوگوں کو گمان ہو کہ یہ دین میں بہت محنت کرتا ہے اور اس پر دین کا خوف غالب ہے اور اسے آخرت کا ڈر بہت ہے یا یہ کہ دبلا ہونے سے معلوم ہو کہ غذا بہت کم کھاتا ہے اور زرد رنگ سے وہم ہو کہ شب بیدار ہے۔ اس لیے بالوں کا بکھرا رہنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اسے دین کا فکر بہت ہے۔ اس لیے ہار سنگار کی فراغت بھی نہیں۔

فائدہ: یہ اسباب جن لوگوں میں ظاہر ہو جاتے ہیں تو وہ لوگ ان سے وہی مذکورہ باتیں سمجھتے ہیں اور نفس کو ان کے

ا۔ یہ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد اور تابعی تھے۔ ان سے عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل مراد نہیں آپ الحمدللہ مسلمان ہو کر جلیل القدر صحابی ہوئے۔ (اویسی غفرلہ)

معلوم ہونے کی بہت بڑی خوشی ہوتی ہے اسی لیے اس خوشی کی چادر میں ان باتوں کا اظہار چاہتا ہے۔

فائدہ: اس ریا سے آواز کی پستی اور آنکھوں کا اندر گڑ جانا اور لبوں کا خشک رہنا کہ ان سے یہ ثابت ہو گا کہ یہ شخص ہمیشہ روزہ دار ہے اور شرع کی تعظیم کی وجہ سے اس کی آواز پست ہوگئی یا بھوک کی کمی سے طاقت کم ہوگئی ہے۔ اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی روزہ رکھے تو چاہیے کہ سر میں تیل ڈالے اور کنگھی کرے اور سرمہ لگائے۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور یہ تمام معاملہ اسی لیے ہے کہ کہیں شیطان ریا کی طرف مائل نہ کردے۔

فائدہ: طریقہ بدن سے اہل دین ریا کرتے ہیں مگر دنیا دار اس کے برعکس کر کے ریاء کرتے ہیں مثلاً موٹا پن، صفائی رنگ اور راستی قد اور خوبصورتی اور بدن کی پاکیزگی اور اعضاء کی قوت اور ان کا مناسب ہونا وغیرہ(2) ہیئت اور لباس سے ریاء کرنا مثلاً سر کے بالوں کا پراگندہ رکھنا اور مونچھوں کا منڈانا اور گردن ڈال کر چلنا اور آہستہ آہستہ حرکت کرنا اور سجدہ کا نشان پیشانی پر باقی رکھنا اور موٹے کپڑے پہننا اور اونی عبا پہننا اور اس کے دامن پنڈلیوں کے قریب تک اونچے رکھنا اور آستین چھوٹی کرنا اور کپڑے نہ دھونا اور پھٹا ہوا رکھنا یہ تمام باتیں اس ریا کے لیے ہیں کہ یہ معلوم ہو کہ یہ شخص تابع سنت اور اللہ کے نیک بندوں کا متبع ہے۔

فائدہ: یہ بھی ریا میں داخل ہے کہ پیوند لگا کر کپڑا پہننا اور مصلی پر نماز پڑھنا اور صوفیوں کی طرح نیلے کپڑے باوجود ان میں مروج ہیں پہننا حالانکہ اس کے باطن میں حقیقت تصوف کچھ بھی نہیں اور عمامہ کے اوپر چادر پہننا اور اس کو آنکھوں پر لٹکانا بھی داخل ریا ہے کہ اس ارادہ سے لوگوں کی نگاہ اس پر پڑے گی یا اس کے لیے یہ تصور کریں گے کہ یہ صوفی صاحب بڑے محتاط ہیں کہ خود کو گردو غبار سے محفوظ رکھتے ہیں اسی ریاء میں یہ بھی شامل ہے کہ جاہل سے بے علم علماء جیسا لباس پہنے تاکہ لوگ اس کو عالم سمجھیں۔

لباس کا ریا: جو لوگ لباس سے ریا کرتے ہیں ان کے کئی طبقات ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ اہل اصلاح کے نزدیک زہد کے اظہار سے قدرومنزلت کے خواستگار ہوتے ہیں اسی لیے کپڑے پھٹے پرانے میلے کچیلے موٹے وغیرہ پہنتے ہیں تاکہ لوگ سمجھیں کہ اسے دنیا کی کوئی پرواہ نہیں ایسے لوگوں کو اگر کوئی جبراً متوسط درجہ کہ کپڑے پہنا دے جیسے اسلاف پہنتے تھے تو وہ ایسے سمجھے کہ اسے ذبح کر ڈالا اور یہ صرف اس خوف سے ہوتا ہے کہ لوگ یہ کہیں گے کہ پہلے زاہد تھے اب اس طریق سے پھر کر دنیا کی طرف راغب ہوگیا۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ اہل اصلاح اور اہل دنیا یعنی بادشاہوں اور امراء روسا اور بڑے تاجروں میں مقبول ہونا چاہتے ہیں۔ اگر نہایت عمدہ لباس پہنیں تو درویش ان کو برا سمجھیں گے۔ اگر حقیر لباس پہنیں تو بادشاہوں اور اہل دنیا کی نظروں سے گر جائیں کہ ان کا مطمع نظر یہ ہے کہ دونوں فریقوں (یعنی اہل صلاح و اہل دنیا) کے نزدیک مقبول ہوں اسی لیے نہایت باریک عبا اور اعلیٰ چادریں سلواریں

اور رنگین پیوند کار وغیرہ تلاش کر کے پہنتے ہیں۔

فائدہ: اکثر یہ ہے کہ ان کا لباس دولت مندوں کے لباس میں برابر ہوتا ہے مگر رنگ اور ہیئت صلحا کے کپڑوں کی سی ہوتی ہے۔ اگر ان کو کوئی موٹا یا میلا کپڑا بزور پہنا دے تو یہ اپنے لیے موت سمجھتے ہیں اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ بادشاہوں کی نظروں میں فائز نہ ہوں گے ایسا ہی اگر ریشمی یا ململ یا اطلس وغیرہ پہنا دیں تو اگرچہ یہ کپڑا بہ نسبت ان کی پوشاک کے کم قیمت ہو گا پھر بھی اس کا پہنا وا انہیں گراں گزرے گا۔ اس لیے کہ ان کا خیال ہے کہ درویش لوگ سمجھیں گے کہ انہوں نے دنیا داروں کا لباس پہن لیا ہے۔

خلاصہ: یہ کہ جو گروہ کسی خاص لباس میں قدر و منزلت جانتا ہے وہ اس سے نہ کم پہنتا ہے نہ زیادہ۔ اگرچہ کمی بیشی مباح ہو مگر وہ مذمت کے خوف سے نہ اس سے اعلیٰ پہنے نہ ادنیٰ

فائدہ: اہل دنیا کا ریا انہیں نفیس کپڑوں اور اعلیٰ سواریوں اور رنگین کپڑوں اور نفیس چادروں اور سواریوں اور بہترین قسم کے لباس اور مکان اور اثاثہ میں وفرت اور اپنا سنگار ظاہر کرتے ہیں اور یہ تمام انسانوں میں پائی جاتی ہے کہ گھر میں موٹے کپڑے پہنتے ہیں اگر اس طرح مجمع میں چلے جائیں تو بہت برا جانتے ہیں اسی لیے جب تک اچھی طرح زیبائش نہیں کرلیتے اس وقت تک باہر نہیں نکلتے۔ (3) اقوال میں ریا تو ہے کہ اہل دین کا ریاء سے وعظ و نصیحت کرنا اور حکمت و دانائی کی بات سنانا اور اخبار (احادیث) و آثار کا اس لیے یاد کرنا کہ روز مرہ کے محاورہ میں کام آئے (ایسے ہی ہمارے دور کے خوش الحان مقررین کا اشعار اور فصاحت کے موتی لٹانے والوں کا بہترین جملے و محاورہ کرنا (اویسی غفرلہ) اور لوگوں کو کثرت علم اور زیادتی توجہ احوال سلف پر معلوم ہو اور لوگوں کے سامنے ذکر کے لیے لب ہلاتے رہنا اور ہر ایک کے سامنے اچھی بات کا امر کرنا اور بری بات سے روکنا اور بری باتوں پر غصہ کا اظہار اگر لوگ معصیت کے مرتکب ہوں تو ان پر افسوس کرنا اور کلام کرنے میں آواز پست کرنا اور تلاوت قرآن مجید میں باریک آواز کرنا تاکہ معلوم ہو کہ اسے خوف اور غم بہت زیادہ ہے اور حفظ حدیث کا مدعی ہونا اور بہت سے محدثوں سے ملاقات ظاہر کرنا اور اگر کوئی حدیث بیان کرے تو اس میں جلدی سے خلل اور عیب بتلانا مثلاً کہہ دینا کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ محدث ہے اور کسی کے الزام دینے کو مجادلہ اور بے جا تقریر کر دینا تاکہ لوگ سمجھیں کہ علم دین میں اسے بڑی دسترس ہے۔ اسی طرح اہل دین کے اقوال سے ریا کرنے کے بہت سے اقسام ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

فائدہ: اہل دنیا اقوال سے ریا یوں کرتے ہیں کہ اشعار و امثال یاد کرلیتے ہیں اور فصیح عبارات اور شاذونادر جملے آپس میں بحث کے لیے اور اہل علم کے سامنے ایک عجیب فقرہ پیش کرنے کے لیے حفظ کرتے ہیں اور لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے اور اہل علم کے سامنے صرف ایک فقرہ یاد کرلیتے ہیں اور عوام کے دلوں کو اپنی طرف مائل

کرنے کے لیے ایسے ہی ہر ایک کو جملے پیش کرنے کے لیے دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ (4) عمل میں ریا مثلاً نماز میں قیام اور سجدہ اور رکوع میں طوالت اور گردن جھکانا اور التفات ترک کرنا اور سکون اور وقار ظاہر کرنا اور قدموں اور ہاتھوں کا برابر رکھنا وغیرہ۔

فائدہ: روزہ اور جہاد اور حج اور صدقہ اور کھانا کھلانے میں بھی ریا ہوتا ہے اور چلنے میں بھی اور ملاقات کے وقت عاجزی کرنے میں بھی مثلاً آنکھیں نیچی کرنا اور سر جھکانا اور گفتگو وقار کے ساتھ کرنا یہاں تک کہ ریاکار کبھی اپنے کام کے لیے تیز چلتا ہے مگر جب کوئی دیندار اس کے سامنے آجاتا ہے تو آہستہ چلنے لگتا ہے اور سر نیچے کرلیتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دیکھنے والا جلد باز اور کم وقار کہے۔ پھر جب وہ شخص غائب ہو جاتا ہے تو بدستور جلدی چلنے لگتا ہے۔ پھر کوئی دیکھ لیتا ہے تو پھر خشوع کرتا ہے۔ ایسا آدمی اللہ کو یاد کرکے خشوع نہیں کرتا بلکہ صرف انسان کی آگاہی سے خشوع کرتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ یہ سمجھے کہ یہ نیک نہیں

فائدہ: بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ علیحدگی میں اس چال کے مخالف ہوں جو لوگوں کے سامنے ہوتی ہے تو اس کا اس حال میں شرم آتی ہے اس لیے وہ تنہائی کی چال میں تکلف کرتے ہیں اور خود کو بنا سجا کر چلتے ہیں۔ اگر بالفرض تنہائی میں ان کو کوئی دیکھ لے تو چال میں تبدیلی نہ کرنی پڑے برابر وہی رفتار رہے۔ ایسے لوگوں کا گمان ہے کہ شاید اس حرکت سے ریا سے بچ جائیں حالانکہ اس میں کئی خرابیاں لازم کرتی ہیں اس لیے پہلے ریا لوگوں کے سامنے ہی تھا۔ اب خلوت میں بھی ہوا اس لیے کہ تنہائی میں جو اچھی رفتار اختیار کی تھی وہ مجمع میں بھی ویسی ہی ہونی چاہیے تھی۔ اب کی رفتار خوف خدا اور حیا سے اختیار نہیں کی اس لیے اب ریا کے علاوہ اللہ تعالیٰ سے دھوکہ کا ارتکاب بھی کر بیٹھا اور حیا سے اختیار نہیں کی۔

فائدہ: اہل دنیا کا ریا یوں ہے کہ ٹہلتے ہوئے تکبر کے ساتھ چلنا اور ہاتھوں کا ہلانا اور آہستہ آہستہ قدم رکھنا اور دامن تھامے رہنا اور دونوں پہلو پر ہاتھ دھرنا اور وہ امور جن سے جاہ و حشمت ظاہر ہو اس طرح کی چال چلنا یہ سب دنیا داروں کے ریا کے طریقے ہیں (اویسی غفرلہ) دوستوں کی مدد نہ کرنا مثلاً کوئی شخص بات کا بتکلف خواہشمند ہو کہ فلاں عالم یا عابد میری ملاقات کو آئے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ صاحب بڑا دیندار ہے کہ ایسے علماء اور عابدین اس کے پاس آمدورفت رکھتے ہیں یا کوئی بادشاہ یا افسر آنا چاہے تو بھی یہی خیال کہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس کا دین میں بڑا مرتبہ ہے کہ عرفاء کے علاوہ امراء بھی برکت حاصل کرنے کے لیے اس کے پاس آتے جاتے ہیں یا کوئی بہت سے مشائخ و اولیاء اور نیک لوگوں سے اپنی ملاقات کا ذکر کرے تاکہ معلوم ہو کہ اسکی ملاقات کو بہت سے اکابر آتے ہیں اور سب اس سے استفادہ کرتے ہیں اور ایسے شخص کا تفاخر اور ریاء اس کی باتوں سے مترشح ہوتا ہے۔ مثلاً گفتگو کے وقت کہنے لگتا ہے کہ تم نے کیا دیکھا ہے۔ میں نے اتنے مشائخ کو دیکھا اور اتنے شہروں میں پھرا اور اتنے لوگوں کی

خدمت کی وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ: جن چیزوں سے سالکین ریا کرتے ہیں وہ انہیں پانچ قسموں سے ہوتی ہیں اور ہر ایک کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں جاہ اور قدر و منزلت حاصل ہو۔ بعض سالکین کے حسن اعتقاد کو اپنے اوپر قیاس کرکے قانع ہوجاتے ہیں۔ مثلاً بہت سے عابدین اپنی عبادت گاہ سے برسوں تک نہیں نکلتے۔ ایسے ہی بہت سے عابدین پہاڑوں کی چوٹی پر مدتوں گوشہ نشین رہتے ہیں اور ان کی ایسی زندگی اسی اعتبار سے ہے کہ ان کی قدرومنزلت قائم رہے اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ عوام میں ان کی غلطی مشہور ہوگئی کہ وہ اس گوشہ نشینی میں فلاں فلاں خطاؤں کا ارتکاب کرتے ہیں تو گھبرائیں گے کہتے پھریں گے کہ اللہ تو جانتا ہے کہ میں اس خطا سے بری ہوں بلکہ وہ سخت سے سخت تر مغموم ہوگا اور عوام کے دلوں سے اس شک کے رفع کرنے کے لیے کئی حیلے تلاش کرے گا باوجودیکہ یہ شخص لوگوں کے مال کا طامع نہیں مگر قدر و منزلت و جاہ کی محبت ایسی مزے دار ہے کہ اس کا چسکا اس کے دل میں ہے اس لیے کہ جاہ ایک طرح کی قدرو منزلت اور کمال ہے۔ اگرچہ جلد زوال پانے والی ہے مگر اکثر جاہل سالک اس کے دھوکہ میں آجاتے ہیں اور بعض ریا کار ایسے ہوتے ہیں کہ صرف دلوں میں قدر ومنزلت پر قانع نہیں ہوتے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی چاہتے ہیں کہ عوام ان کی مدح کریں۔ بعض اپنا شہرہ دوسرے ممالک تک پھیلانا چاہتے ہیں تاکہ کسی کی اگر سفارش کریں تو قبول ہو جائے اور لوگوں کے کاروبار اس ذریعہ سے طے ہوں اور عوام میں بہت اقتدار مرتبہ حاصل ہو جائے۔ بعض سالکین ریا سے طالب مال و زر ہوتے ہیں گو مال وقف اور یتیموں کا مال یا اور کوئی حرام مال ہو یہ طبقات ریا کاروں کے ریاکار سب برے ہیں۔

ریا کا حکم: بعض ریا حرام ہیں اور بعض مکروہ اور بعض مباح۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ریا یعنی طلب جاہ یا عبادات سے ہوتا ہے۔ یا غیر عبادات سے۔ اگر غیر عبادات سے ہو تو اس کا حکم مال ہے۔ یعنی صرف قدر و منزلت لوگوں کے دلوں میں ہونے کی وجہ سے حرام نہیں لیکن جیسے مال کے حاصل کرنے میں دغا او رفریب اور دیگر ناجائز وجوہ ہو سکتی ہیں اور جس طرح تھوڑا مال بقدر ضرورت حاصل کرنا اچھا ہے اسی طرح تھوڑا جاہ یعنی جس کے باعث آفات سے محفوظ رہے اتنا قدر یہ بھی اچھا ہے اور یہ وہی جاہ ہے جو حضرت یوسف علیٰ نبیناء و علیہ الصلوۃ والسلام نے طلب کیا تھا اور فرمایا تھا انی حفیظ علیم بے شک میں حفاظت والا علم والا ہوں۔

فائدہ: جس طرح کے سالکین کے لیے کمال میں زہر اور تریاق دونوں ہیں۔ اسی طرح جاہ میں بھی ضرر اور نفع دونوں ہیں اسی طرح جاہ میں بھی مضر اور نافع دونوں ہیں اور طرح کے بہت سا مال دو طغیانوں میں ڈالتا ہے اور اللہ کی یاد اور آخرت سے غافل کرتا ہے اسی طرح بہت سے جاہ کا بھی یہی حال ہے بلکہ اس کا فتنہ مال کے فتنہ سے زیادہ سخت اور بہت برا ہے جس طرح ہم کہتے ہیں کہ بہت سے مال کا ملکیت میں آجانا حرام ہے۔ اسی طرح ہمارا یہ دعویٰ

بھی صحیح ہے کہ بہت سے دلوں کا قبضہ میں آنا حرام ہے جب کہ کثرت مال و کثرت جاہ ناجائز امر کا سبب نہ ہو۔ سب حرام ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ سالک اپنی ہمت مال و جاہ کی کثرت میں مصروف نہ رکھے۔ اس لیے کہ یہ تمام برائیوں کی اصل ہے اور مال و جاہ سے محبت کرنے والا دل اور زبان کے گناہوں کو چھوڑنے پر قادر نہیں اور بلا طلب اور حرص کے جاہ کا زیادہ ہو جانا اگر وہ جاتا رہے تو اس کا غم نہ ہونا تو ایسے جاہ کا کوئی حرج نہیں۔

فائدہ: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اور علماء دین کے جاہ سے بڑھ کر اور کیا ہوگا مگر ہماری غرض یہ ہے کہ مگر ہماری طرف سے اس میں ہمت کو مصروف کرنا دین کا نقصان ہے گو حرام نہیں۔

فائدہ: اس بنا پر ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ جب آدمی گھر سے باہر نکلتا ہے اور لوگوں کے دکھلانے کے لیے اچھے کپڑے پہنتا ہے یہ بھی حرام نہیں اس لیے کہ یہ عبادت میں ریا نہیں بلکہ عادت کی وجہ سے ریا ہے اسی طرح تمام ہار سنگار اور زینت اور تکلفات کو سمجھنا چاہیے۔

استدلال: اس کے حرام نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن صحابہ رضی اللہ عنہ کے پاس جانا چاہا تو آپ نے پانی کے مٹکے میں دیکھ کر اپنا عمامہ اور بال مبارک درست کیے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ ایسے کیوں کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کوئی اپنے بھائی کے پاس جانے کے وقت خود کو سنوار لیتا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھا ہے۔

فائدہ: یاد رہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایسا کرنا داخل عبادت ہے اس لیے کہ آپ کو دعوت خلق اور اتباع کی ترغیب اور دلوں کو مائل کرنے کا حکم تھا۔ اگر آپ عوام کی نظروں سے گرے ہوئے محسوس ہوں تو اتباع کی ترغیب نہ ہو سکتی تھی اس لیے آپ پر واجب تھا کہ اپنے اچھے احوال ان پر ظاہر کریں تاکہ ان کی نظروں میں آپ حقیر نہ سمجھے جائیں۔ عام لوگوں کی نظر ظاہر پر بہت پڑتی ہے۔ باطن کو نہیں دیکھتی اور حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد بھی یہی تھی۔

مسئلہ: اگر کوئی لوگوں کی نظروں میں خود کو اچھا کرنا چاہے اس خیال سے کہ ان کی مذمت سے بچ جائے اور ان کی توقیر و حرمت سے راحت پائے تو مباح ہے اس لیے کہ انسان کے لیے جائز ہے کہ مذمت سے بچے اور اپنے یاروں دوستوں سے انس و راحت پائے کیونکہ جب اسے حقیر سمجھیں گے تو انس کبھی حاصل نہ ہوگا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ جو چیزیں عبادت نہیں ان میں ریا کرنا کبھی مباح ہوتا ہے اور کبھی طاعت اور کبھی مذموم یعنی جیسے ریا سے غرض مد نظر ہوگی ویسے ہی ریا کا حکم ہوگا۔ اگر غرض مباح یا طاعت ہوگی تو ریاء بھی مباح ہوگا۔ مثلاً کوئی شخص اپنا مال دولت مندوں کو دیتا ہے نہ عبادت کے طور پر اور نہ صدقہ کے طور پر بلکہ اس لیے کہ عوام میں سخی سمجھا

جائے تو یہ ریا ہے لیکن حرام نہیں اس طرح اور بہت سی مثالیں ہیں۔

عبادت میں ریا کی قسمیں: عبادات میں ریا (مثلاً نماز، روزہ، حج، جہاد میں ریاء کار کے دو حال ہیں) (ا) اس کا ارادہ سوائے ریا کے اور کچھ نہیں اجرو ثواب سے اس کا کوئی مطلب نہیں تو ایسے شخص کی عبادات باطل ہے۔ اس لیے کہ اعمال کا ثواب نیت سے ہوتا ہے اور یہ عمل بہ نیت عبادت ادا نہیں ہوا نہ صرف عبادت باطل بلکہ ایسے طریقہ ریا سے بے فرمان اور گناہ گار بھی ہوا ہے جیسا کہ احادیث و آیات سے ثابت ہوتا ہے گناہ کی وجہ کے دو امر ہیں۔ (ا) بندوں سے متعلق یعنی فریب دینا' یعنی ریا کار نے عوام کو دھوکہ دیا کہ وہ شخص دیندار اور اللہ تعالیٰ کا مخلص ہے حالانکہ ایسا نہیں اور فریب دینا تو دنیا کے امور میں بھی حرام ہے چہ جائے کہ دین میں مثلاً اگر کوئی شخص چند لوگوں کا قرض ادا کرے اور تاثر دے کہ وہ ان کو خیرات دیتا ہے تاکہ لوگ سخی سمجھیں تو چونکہ اس میں فریب ہے اس لیے گناہ گار ہوگا۔ (2) اللہ تعالیٰ کے متعلق کہ جب اس نے اللہ کی عبادت سے مخلوق کے ریا کا ارادہ کیا تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ سے ہنسی اور مذاق کی۔

حدیث: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب بندہ ریا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ اسے دیکھو مجھ سے کیسے ٹھٹھا کرتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ کوئی کسی بادشاہ کی خدمت میں سارا دن حاضر رہے۔ (جیسے نوکروں کی عادت ہوتی ہے) مگر اس نیت سے کہ بادشاہ کی لونڈی یا غلام کو دیکھوں گا تو اس سے بادشاہ کے ساتھ ہنسی ہوگی کہ اس کی نوکری کے لیے نہیں بلکہ غلام اور لونڈی کے خیال میں حاضر رہا تو اس سے زیادہ بادشاہ کی اور کیا تحقیر ہوگی کہ بندہ اللہ کی عبادت اس کے ضعیف بندوں کو دکھائے جن سے نہ کوئی فائدہ نہ کوئی ضرر۔

فائدہ: ریا کار انسان کو اللہ کی بہ نسبت اپنی اغراض پورا کرنے میں زیادہ قادر جانتا ہے یا اس کے نزدیک مقرب ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقرب ہونے سے بہتر سمجھتا ہے ورنہ ایسے شہنشاہ پر دوسرے کو ترجیح کیوں دیتا اور اپنی عبادت کا مقصود اس کو کیوں بناتا اس سے زیادہ اور کیا خرابی ہوگی کہ ادنیٰ غلام کو شہنشاہ کے برابر کردیا غرضیکہ اس قسم کا ریا بڑا گناہ ہے اس لیے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے شرک اصغر فرمایا ورنہ ہر قسم کا ریا گناہ سے خالی نہیں کسی میں زیادہ کسی میں کم مگر بعض درجہ بہ نسبت دوسرے کے زیادہ سخت ہوتا چنانچہ آگے مفصل مذکور ہوگا۔

فائدہ: اگر ریا میں اور کچھ بھی نہ ہو یہ کیا کم ہے کہ ریا کار غیر اللہ کے لیے رکوع سجود کرتا ہے۔ اگرچہ اس کا مقصود اللہ تعالیٰ کا تقرب نہیں مگر غیر اللہ تو تصور میں ہے۔

نکتہ: غیر اللہ کی تعظیم سجدہ سے کرنا تو صریح کفر ہے اور اسے کافر تو نہیں ہو جاتا لیکن کفر خفی میں مبتلا ضرور ہو جاتا ہے اس لیے کہ ریا کار اپنے دل میں غیر کی تعظیم کرتا ہے اور یہی تعظیم اس کے رکوع و سجود کی متقی ہے تو من وجہ اس رکوع و سجدہ سے غیر اللہ کی تعظیم بھی ہوئی اور چونکہ نیت میں تعظیم الٰہی موجود نہیں اور تعظیم خلق من وجہ ہے

تو ایسی عبادت قریب بہ شرک ہوگئی مگر چونکہ اس کی نیت اس عبادت سے یہ تھی کہ اس کا رتبہ دیکھنے والے کی نظر میں زیادہ ہو جائے اور اپنی عظمت کے لیے وہ حرکات کیں جن سے اللہ تعالیٰ کی عظمت ہوا کرتی ہے اس لیے یہ شرک جلی نہ ہوا بلکہ شرک خفی رہا اور یہ نہایت جہالت و سفاہت ہے اس کا ارتکاب وہ کر سکتا ہے جسے شیطان دھوکہ دے کر یہ خیال ڈالے کہ نفع اور ضرر اور رزق و موت اور حال و مال کی مصلحت اللہ کی بہ نسبت بندوں کے اختیار میں زیادہ ہے (معاذ اللہ) اسی لیے وہ اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ کر ان کی طرف دل و جان سے متوجہ ہو جاتا ہے اور ان کا دل اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو دنیا و آخرت میں بندوں کے سپرد فرما دے تو اس کے فعل کا ایک ادنیٰ تدارک ہو جائے کیونکہ بندے اپنے لیے توضع اور ضرر کے مالک میں ہی نہیں دوسرے کے لیے کیسے ہو سکتے ہیں یہ حال تو دنیا میں ہے اس پر اس دن کا قیاس کرنا چاہیے کہ وہاں کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يَوْمًا لَّا يَجْزِي وَالِدٌ عَن وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَن وَالِدِهِ شَيْئًا (لقمان 33) ترجمہ کنزالایمان : کرو جس میں کوئی باپ اپنے بچہ کے کام نہ آئے گا اور نہ کوئی کامی بچہ اپنے باپ کو کچھ نفع دے۔ بلکہ وہاں تو انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نفسی نفسی کہیں گے (سوائے ہمارے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آپ امتی امتی بھی پکاریں گے۔ (اویسی غفرلہ)

فائدہ: ریاکار کتنا جاہل ہے اپنے ثواب آخرت اور قرب الی اللہ کو دنیا کی جھوٹی لالچ سے کیسے بدلتا ہے اسے یوں سمجھ لیں کہ وہ اپنے یقینی ثواب کو لوگوں پر وہمی توقع کے بدلے ضائع کر دیتا ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص عبادت سے ریا کا ارادہ کرتا ہے وہ عقلاً اور نقلاً" اللہ کے غضب میں ہے یہ اس صورت کا بیان ہے جس میں حصول ثواب نہ ہو مگر جس صورت میں کہ ثواب مع ریاء دونوں مراد ہوں مثلاً نماز روزہ سے مقصد حصول ثواب آخرت اور لوگوں کی ثنا دونوں مراد ہوں تو یہ وہ شرک ہے جو اخلاص کے بامقابل ہے اوراس کا حکم باب اخلاص میں آئے گا (ان شاء اللہ) یہاں اس قدر کافی ہے۔

مسئلہ: سعید بن اصامت کا فرمان ہے کہ ایسی صورت مذکورہ (ریاء) میں عبادت کا کوئی ثواب نہیں۔

درجات ریاء: ریاء کی بعض صورتیں بعض سے زیادہ سخت اور غلیظ تر ہیں اور ریاء کا اختلاف اس کے ارکان کے اختلاف پر منحصر ہے اور اس کے ارکان تین ہیں۔(1) قصد ریاء (2) جس شے سے ریا ہوتا ہے۔ (3) جس کے لئے ریاء کرتا ہے۔وہ یہ ہے کہ ارادہ ثواب مطلقاً نہ ہو مثلاً ایک شخص لوگوں کے سامنے نماز پڑھتا ہے اگر تنہا ہو تو نہیں پڑھتا بلکہ بعض اوقات بے وضو بھی لوگوں کے سامنے نماز میں کھڑا ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کا قصد صرف ریاء ہی ریاء ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سخت مغضوب ہے اسی طرح اگر کوئی شخص زکوۃ لوگوں کی مذمت کے خوف سے دیتا ہے اس میں نیت ثواب نہ ہو اگر تنہا ہو تو ادا نہ کرے اس کا بھی یہی حال ہے یہ صورت بہت بری ہے۔

(2)ارادہ ثواب تو ہو مگر ارادہ ضعیف ہو کہ اگر خلوت میں ہوتا تو یہ قصد ثواب نہ ہوتا تو قصد ریاء ایسا قوی تھا کہ اس کے سبب سے عمل ضرور کرتا تو ایسا شخص بھی پہلی صورت کے قریب قریب ہے۔اس لئے اگرچہ اسے ارادہ ثواب ہے مگر ایسا تو نہیں کہ اس کے سبب سے عمل کر سکے تو ایسے قصد کا ہونا نہ ہونا برابر ہے یہ شخص بھی غضب الٰہی اور گناہ سے خالی نہیں۔ (3) قصد ثواب اور قصد ریاء دونوں برابر ہوں مثلاً اگر دونوں قصد جمع ہوتے ہیں تو عمل کرتا ہے اگر ایک قصد ہو اور دوسرا نہ ہو تو عمل کی رغبت نہیں کرتا یا مثلاً اس قدر قصد اگر اکیلا ہو جائے تو باعث عمل نہ تھا اگرچہ کوئی ہوتا تو اس کا حال یہ ہے کہ جتنا اس نے بگاڑا اتنا ہی سنوارتا امید ہے کہ اسے نہ ثواب ہو نہ عذاب یا ثواب اسی قدر ہو جسقدرعذاب ہو۔ احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ریاء کار عذاب سے نہیں بچ سکے گاچنانچہ ہم نے باب اخلاص میں لکھا ہے۔ (4) قصد ریاء ضعیف ہو اور قصد ثواب قوی یعنی لوگوں کے آگاہ ہونے سے اس کو خوشی اور سرور کا غلبہ ہو جاتا ہے اور تنہائی میں بھی عبادت کا تارک نہیں ہوتا اگر صرف قصد ریاء اکیلا ہوتا تو اس عمل کا مرتکب نہ ہوتا تو ایسے شخص کا حال ہمارے خیال میں یہ ہے کہ ثواب باطل نہ ہو گا بلکہ اس میں کچھ کم ہو جائے گا یا ریاء کی مقدار پر عذاب ہو گا۔ اور بقدر قصد ثواب پائیگا۔

سوال: حدیث شریف قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔انا غنی الاغنیاء عن الشرک۔ میں شرک کے بارے میں تمام غنیوں سے غنی تر ہوں۔

جواب: اس سے مراد وہ صورت ہے جس میں قصد ریاء غالب ہو (2)دوسرا رکن ریاء کا جس سے ریاء ہوا ہے اور وہ طاعات و عبادات ہیں اور اس رکن کے لحاظ سے ریاء کی دو قسمیں ہیں۔ (1)اصول عبادات سے ریاء کرنا۔ (2)اوصاف عبادات سے ریاء کرنا اس کے تین درجات ہیں۔ (1)اصل ایمان ہی سے ریاء مد نظر ہو اور یہ صورت تمام صورتوں سے بری ہے اور ایسا ریاء کار ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور یہ وہ ہے کہ ظاہر میں کلمہ شہادت پڑھتا ہے اور باطن میں اس کی تکذیب کرتا ہے مگر ریاء کیوجہ سے ظاہراً مسلمان بنتا ہے ایسے لوگوں کا حال اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔

اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ۔ (المنفقون پ1) ترجمہ کنزالایمان: جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بے شک یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

فائدہ: ان کا قول ان کے باطن کے موافق نہیں۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُکَ قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا فِیْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ

لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (البقرۃ 204) ترجمہ کنزالایمان : اور بعض آدمی وہ ہیں کہ دنیا کی زندگی میں اس کی بات تجھے بھلی لگے اور اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ لائے اور وہ سب سے بڑا جھگڑالو ہے اور جب پیٹھ پھیرے تو زمین میں فساد ڈالتا پھرے اور کھیتی اور جانیں تباہ کرے اور اللہ فساد سے راضی نہیں۔ (3) وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ (آل عمران 119) ترجمہ کنزالایمان: اور وہ جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور اکیلے ہوں تو تم پر انگلیاں چبائیں غصہ سے (4) يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا مُذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ (النساء 142) ترجمہ کنزالایمان : لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا بیچ میں ڈگمگا رہے ہیں نہ ادھر کے نہ ادھر کے۔

اسی طرح کی بہت سی آیات ہیں۔

فائدہ : نفاق شروع اسلام میں بہت تھا کہ اس وقت بعض لوگ کسی مقصد کے لیے ظاہراً مسلمان بن جاتے تھے لیکن ہمارے دور میں وہ منافقت تو نہیں البتہ لفظی منافقت بہت ہے مثلاً بعض لوگ ملحد بے دینوں کے اقوال پر قائل ہو کر دوزخ اور جنت اور قیامت کا دل سے انکار کرتے ہیں یا شریعت و احکام شریعت کو (جاہل صوفیوں کے اقوال پر) بالائے طاق سمجھتے ہیں یا کسی اور کفروبدعت کے معتقد ہوتے ہیں حالانکہ ظاہر میں اس کا خلاف بیان کرتے ہیں تو اس قسم کے لوگ منافق و ریاء کار ہیں یہ لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور اس ریاء سے بڑھ کر اور کوئی ریاء نہیں یہ لوگ کھلے کافروں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ ظاہر میں بھی مخالف اور باطن میں بھی کافر ہیں لیکن یہ لوگ ظاہر میں موافق اور باطن میں مخالف ہیں اگرچہ اصل دین کی تصدیق کرتے ہیں مگر اصول عبادات سے انکا ریاء مد نظر ہے یہ درجہ بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت برا ہے ہاں پہلے درجہ کی بہ نسبت بہت کم ہے۔

ریاء کار کی مثالیں **مثال نمبر 1:** ایک شخص کا مال دوسرے کے قبضہ میں ہے وہ اسے کہے کہ میرے مال کی زکوٰۃ دیدو اس خوف سے کہیں وہ شخص اسے برا نہ کہے اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اگر یہ مال اسی شخص کے قبضہ میں ہوتا تو ہرگز زکوٰۃ نہ نکالتا۔

مثال نمبر 2: کوئی آدمی لوگوں میں موجود ہے اور نماز کا وقت ہو گیا تو نماز پڑھ لی حالانکہ اسکی عادت یہ تھی کہ خلوت میں نماز نہیں پڑھتا تھا یا رمضان میں روزہ رکھا مگر لوگوں سے علیحدگی چاہتا ہے کہ روزہ نہ رکھنا پڑے یا جمعہ کے لئے حاضر ہونا ہے لیکن اگر لوگوں کے خوف سے کہ یہ برا کہیں گے ورنہ وہ کبھی نہ آئے یا صلہ رحمی یا والدین سے حسن سلوک یا جہاد یا حج صرف لوگوں کے خوف سے کرتا ہے۔ دینی رغبت سے نہیں کرتا تو ایسے ریاکار کے ساتھ اصل ایمان تو قائم ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معبود نہیں جانتا۔ اگر کوئی اسے غیراللہ کی عبادت کا سجدہ کو کہے تو نہ کرے گا لیکن سستی کی وجہ سے عبادت چھوڑتا ہے اور لوگوں کے سامنے بجالانے سے خوش ہوتا ہے تو لوگوں کے

نزدیک اپنی قدرو منزلت باقی چاہتا ہے اور مخلوق کے برا کہنے کا خوف اللہ تعالیٰ کے عذاب کے ڈر سے اس کے نزدیک زیادہ ہے۔ لوگوں کی تعریف کی رغبت بہ نسبت ثواب الٰہی کی رغبت کے زیادہ سمجھتا ہے تو اس طرح کا اعتقاد نہایت جہالت ہے اور ایسا شخص اگرچہ اصل ایمان کا معتقد ہے مگر اللہ تعالیٰ کے غضب میں مبتلا ہونے کے زیادہ لائق ہے۔

(3) ایمان کے امور میں ریا نہ کرنے بلکہ فرائض بلکہ نوافل اور مستحبات میں بھی ریا کرے جن کے ترک سے گناہ نہیں ہوتا لیکن اگر تنہا ہو تو ان اشیاء کے ثواب کی ترجیح نہ دے مگر ریا کی وجہ سے بجا لائے مثلاً نماز جماعت میں شریک ہونا اور بیمار کی عیادت کرنا اور جنازہ میں شریک ہونا اور مردے کا غسل دینا اور تہجد پڑھنا اور عاشورہ کا روزہ رکھنا یا سوموار اور صفر کا روزہ رکھنا۔ یہ تمام باتیں عوام کی مذمت کے خوف اور ان کے اچھا کہنے کی غرض سے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اگر اکیلا ہوتا ہے تو فرائض سے زیادہ کچھ نہ کرتا۔ اگرچہ اس درجہ والا بھی برا ہے مگر پہلے سے کم ہے کیونکہ پہلے شخص نے مخلوق کی مدح کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر ترجیح دی۔ اس میں تو یہ بھی اس کا شریک ہے لیکن پہلے سے دوسری بات یہ کی کہ مخلوق کی مذمت سے خود کو بچایا تو گویا مخلوق کی مذمت اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بڑھ کر ہے اور چونکہ دوسرے شخص کو باعث نفل ہونے عمل کے چھوڑنے پر عذاب کا خوف نہ تھا اس لیے اس بات میں پہلے کا شریک نہیں اسی بنا پر اس کا عذاب بھی پہلے سے آدھا ہونا چاہیے۔

قسم 2: اوصاف عبادت سے ریا کرنا اس کے بھی تین درجات ہیں۔ (ا) ایسے فعل میں ریا کرے جس کے چھوڑنے سے نقصان عبادت ہو مثلاً کوئی ارادہ کرے کہ نماز جلد ادا کروں گا اسی لیے رکوع اور سجدہ اور قرات و قیام میں تخفیف کرے مگر جب لوگ دیکھتے ہوں تو رکوع و سجدہ اچھی طرح کرے۔

فائدہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو ایسا کرتا ہے اپنے رب تعالیٰ کی حقارت کرتا ہے۔ یعنی خلوت میں اللہ تعالیٰ کے مطلع ہونے کی کوئی پرواہ نہیں کرتا جب لوگ اس پر مطلع ہوتے ہیں تو نماز کو اچھی طرح ادا کرتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے سامنے پالتی لگا کر یا تکیہ پر ٹیک لگائے بیٹھا ہے کہ کسی کا غلام (نوکر آجائے تو یہ تکیہ پر سیدھا ہو کر بیٹھ جائے تو اس کی یہ حرکت دلالت کرتی ہے کہ اس نے غلام (نوکر) کو آقا پر ترجیح دے کر آقا کی تحقیر کی۔ اس طرح جو شخص زکوٰۃ میں خراب اور کھوٹا مال یا جنس دینے کا عادی ہے لیکن لوگوں کے خوف سے اچھا مال نکالتا ہے کہ کوئی برا نہ کہے یا روزہ دار مذمت کے خوف سے روزے میں غیبت اور فحش سے باز رہتی ہے تو اس طرح کا ریا بھی ممنوع ہے اس لیے کہ اس میں مخلوق کی خالق پر ترجیح پائی جاتی ہے مگر جیسا ریا اصل نوافل سے برا تھا ایسی برائی اس میں نہیں۔ اگر ریا کار یہ عذر کرے کہ میں ریا اسی وجہ سے کرتا ہوں کہ لوگوں کی زبان غیبت پر نہ کھلے کہ جب وہ مجھے جب دیکھیں گے کہ رکوع اور سجدہ بہت جلد کرتا ہے اور نماز میں ادھر ادھر دیکھتا ہے تو برائی اور غیبت کریں گے تو ان کو غیبت سے بچانے کے لیے میں ان کے سامنے آہستہ اور وقار کے ساتھ نماز پڑھتا ہوں تو اسے یوں کہنا چاہیے کہ یہ عذر شیطان کا فریب ہے اس لیے کہ نماز ادا کرنا اپنے آقا کی

خدمت گزاری ہے۔ اگر اس میں قصور کرے گا تو یہ نقصان غیبت کے نقصان سے بڑھ کر ہے۔ ہاں اگر ریاء دینداری سے ہوتا ہے تو چاہئے تھا کہ پہلے اپنے نفس کا خوف زیادہ ہوتا۔ اب اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی شخص بادشاہ کے پاس لونڈی پیش کرنا چاہے تاکہ اس کے بدلے میں انعام کا مستحق ہو یا کوئی جاگیر مل جائے مگر لونڈی اندھی بدصورت لنجی ہو اور اس پر طرہ یہ کہ اگر بادشاہ اکیلا ہو تب تو ان عیوب کی پروانہ کرے لیکن جب اس کے پاس اس کا غلام وغیرہ موجود ہو تو اس غلام کی مذمت کے خوف سے پیش نہ کرے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے بلکہ یوں چاہئے کہ جس شخص کو غلام کا اتنا پاس ہو وہ بادشاہ کا زیادہ پاس کرے۔

حالات ریاکار: ریا کی دو حالتیں ہیں۔ (1) ریا سے صرف قدر و منزلت اور تعریف کا خواہاں ہو۔ یہ قطعاً حرام ہے۔ (2) یوں کہے کہ اگر میں رکوع و سجدہ اچھی طرح ادا کرتا ہوں تو اخلاص کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اگر ان میں تخفیف کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز ناقص ہوتی ہے اور لوگ برائی اور غیبت سے ایذا دیتے ہیں تو اچھی صورت کرنے سے مجھے ثواب تو نہیں چاہئے مگر لوگوں کی مذمت سے نجات ہو جائے گی تو یہ اس سے بہتر ہے کہ نماز میں بھی نقصان ہو اور برائی بھی حاصل ہو تو اس میں غور کرنا چاہئے۔ مگر صواب یہی ہے کہ اس صورت میں اخلاص سے افعال کی درستی کرے۔ اگر اسے اخلاص نہ ہو تو چاہئے کہ تنہائی میں اس کی عادت ڈالے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ برائی دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ریا کرے کیونکہ اس میں مذکورہ بالا ہنسی مذاق پایا جاتا ہے۔ (2) ایسے فعل میں ریا کرے جس کے چھوڑنے سے عبادت میں نقصان نہ ہو مگر اس کے کرنے سے عبادت کا کمال ہونا مقصود ہو جیسے رکوع و سجدہ اور قیام طویل کرنا اور ہاتھ اٹھاتے وقت اچھی ہیئت بنانا اور تکبیر اولیٰ کے لیے سبقت کرنا اور قومہ خوب ادا کرنا اور سورت برخلاف عادت زیادہ پڑھنا یا رمضان کے دنوں میں خلوت میں زیادہ بیٹھنا اور زیادہ سکوت اختیار کرنا یا زکوٰۃ دینے میں سب سے بہتر مال دینا یا کفارہ میں زیادہ قیمتی غلام آزاد کرنا وغیرہ وغیرہ یہ باتیں تنہائی میں نہ ہوتیں تو بھی خالی از ریا نہیں۔

(3) ریاء ایسے افعال میں کرنا جو نوافل میں سے نہیں مثلاً جمعہ کے لیے سب سے پہلے آنا' پہلی صف کا ارادہ کرنا' امام کی دہنی جانب بیٹھنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ امور ہیں جن کی تنہائی میں پروانہ کرنا تو یہ اقسام میں امکان مذمت کے تصور پر ریاء ہو سکتا ہے۔ ان میں سے بعض صورتیں بہ نسبت بعض کے زیادہ بری ہیں لیکن ہیں سب کی سب بری۔

رکن 3: جس کے لیے ریا ہوتا ہے کیونکہ ریاکار کا کوئی مطلب ضرور ہوتا ہے۔ مال کی وجہ سے یا جاہ کے لیے یا کسی اور غرض کے لیے۔ اس کے بھی تین درجات ہیں۔ (1) یہ سب میں غلیظ اور بدتر ہے۔ وہ یہ ہے کہ ریاء سے غرض کسی معصیت پر قابو مدنظر ہو۔ مثلاً کوئی شخص عبادات اور تقویٰ اور ورع اور کثرت سے نوافل پڑھے اور مال مشتبہ نہ کھانے سے ریا اس لیے کرے کہ لوگوں میں امین مشہور ہو کر اوقاف یا وصیت و یتیمی کے اموال و زکوٰۃ و صدقہ کی تقسیم کے اداروں کا افسر ہو جائے تو جس شے پر قابو ہو اسے قبض کرلے یا کوئی امانت رکھے تو اسے ہضم کر جائے

یا حج کے لیے جو مال تقسیم ہوتا ہے وہ حوالہ ہو جائے تو اس کے کل یا بعض کو کھا جائے یا اس کے ذریعہ سے اپنے دیگر مطالب فاسدہ پورے کرلے جیسے بعض لوگ صوفیوں کا لباس پہنتے ہیں اور ظاہر میں بہت فقیر و مسکین بنے رہتے ہیں اور وعظ و حکمت و نصیحت کے سوا کوئی بات نہیں کرتے مگر مطمع نظر یہ ہوتا ہے کہ کوئی عورت یا لڑکا فریفتہ ہو جائے تو اس سے برائی کریں اور بعض اوقات علم اور وعظ و قرآن کی مجالس میں ایسے لوگ آتے ہیں وہ ظاہر میں بڑے راغب معلوم ہوتے ہیں۔ مگر اصل غرض ان کی عورتوں اور لڑکوں کو دیکھنا ہوتا ہے یا حج کو جاتے ہیں مگر مقصود یہ ہے کہ قافلہ میں کوئی عورت یا لڑکا مل جائے۔ اس طرح کے ریاء کا بہت ہی برے ہیں اس لیے کہ انہوں نے اللہ کی طاعت کو وسیلہ معصیت کا بنایا اور اس کی عبادت کو اپنا آلہ اور سامان فسق قرار دیا۔

فائدہ: اس گروہ کے قریب وہ لوگ بھی ہیں جو کسی گناہ کے مرتکب ہوئے۔ ان پر تہمت لگی تو باوجودیکہ وہ گناہ پر مصر ہیں مگر چاہتے ہیں کہ وہ تہمت ان سے دور ہو جائے۔ مثلاً کسی شخص نے کسی کی امانت لے کر انکار کر دیا اور لوگوں میں مشہور و متہم ہوگیا کہ یہ شخص امانت سے منکر ہوگیا ہے تو وہ اس عیب کو دور کرنے کے لیے مال خیرات کرتا ہے تاکہ لوگ یہ خیال کریں کہ جب یہ اپنا مال دیتا ہے تو دوسرے کا مال کس طرح کھالیا ہوگا۔ اس طرح اگر کوئی زنا اور لواطت میں متہم ہو جائے تو اس تہمت کو مسکینی و فقیری اور تقویٰ کے اظہار سے دور کرنا چاہتا ہے تو ایسے لوگ بھی پہلے فرقہ کی طرح ہیں۔ اگرچہ ان سے کچھ کم ہیں۔ ریا سے مقصود دنیا کی لذات میں سے کوئی شے مباح ہو مثلاً مال ملنا یا کسی عورت خوبصورت یا شریف عورت کا نکاح میں آجانا وغیرہ۔ جیسے بعض لوگ اپنا غم اور گریہ ظاہر کرتے ہیں اور وعظ اور نصیحت میں مشغول رہتے ہیں۔ اس لیے کہ کوئی کچھ خدمت کرے یا عورتوں کو نکاح کی رغبت ہو تو پھر یا کسی معین عورت سے نکاح کرلیں یا کوئی شریف ہزادی نکاح میں آجائے۔ یا جیسے کوئی اسباب کا طالب ہو کہ کسی عالم و عابد کی لڑکی سے نکاح کرے تو اس کے سامنے علم اور عبادت ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی لڑکی بیاہ دے تو اس طرح کی صورتیں بھی ممنوع ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طاعت سے لذائذ دنیاوی کا خواہاں ہوتا ہے مگر یہ درجہ پہلے سے کم ہے اس لیے کہ مذکورہ بالا اشیاء میں جس چیز کا طالب ہے وہ مباح تو ہے۔ ریاء سے نہ کوئی گناہ مد نظر ہے نہ حصول مال اور نہ نکاح کرتا لیکن یہ عبادت اس لیے ظاہر کرتا ہے کہ کوئی حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے اور یہ نہ سمجھے کہ یہ دوسروں کی طرح ہے بلکہ یہ تصور ہو کہ خاص لوگوں اور زاہدوں میں اس کا شمار ہو مثلاً کوئی شخص تیز چلتا ہے اور لوگ اسے دیکھتے ہیں تو رفتار کو اچھا کرلیتا ہے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ اہل وقار سے نہیں بلکہ عام آدمی ہے اس طرح اگر کسی کو ہنسی آجاتی ہے یا دوسرے سے ہنسی کرتا ہے۔ پھر اسے خوف ہوتا ہے کہ کہیں لوگ مجھے حقیر نہ سمجھیں تو لمبی لمبی سانس لے کر استغفار کرتا اور غم کر کے کہتا ہے کہ انسان کتنا غافل ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اگر یہ تنہا ہوتا تو اس بات کو برا نہ سمجھتا۔ صرف لوگوں میں عزت کی بحالی کے لیے اور حقارت کے ڈر سے ایسے کرتا ہے یا جیسے کوئی دوسروں کو تراویح یا تہجد پڑھتے یا سوموار و جمعرات کا روزہ رکھے یا صدقہ دیتے دیکھتا ہے تو وہ

ان کا ساتھ دیتا ہے تاکہ لوگ کاہل اور بیکار نہ کہیں۔ اگر اکیلا ہوتا تو کچھ بھی نہ کرتا مثلاً کوئی عرفہ کے دن یاعاشورہ کو یا مقدس مہینوں میں پیاسا ہو تو پانی نہیں پیتا اس خوف سے کہ کہیں لوگ یہ نہ سمجھیں کہ یہ روزہ دار نہیں۔ جب لوگوں کو اس کے روزہ کا گمان ہوتا ہے تو اس وجہ سے کھانا بھی نہیں کھاتا یا کوئی انہی ایام میں اسے کھانے کی دعوت دے تو نہیں کھاتا تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ روزہ دار ہے مگر زبان سے نہیں کہتا کہ میرا روزہ نہیں بلکہ کہتا ہے کہ بس کوئی وجہ ہے اور اس قول میں دو خباثتیں جمع ہیں۔ اس بات کا اظہار کہ روزہ دار ہے یہ کہ میں مخلص ہوں ریا کار نہیں اور مجھے اس بات سے احتراز ہے کہ اپنی عبادت لوگوں سے بیان کروں کیونکہ اس قول کا یہی منشا ہوتا ہے کہ لوگ یہ کہیں کہ اپنی عبادت کو مخفی رکھتا ہے۔ پھر بحالت اضطرار پانی پینے کی ضرورت ہو تو پھر خواہ مخواہ صراحتہ" یا کنایتہ" پیش کرتا ہے۔ مثلاً خود کو ایسا مریض بناتا ہے جس میں پیاس لگتی ہو اور وہ مانع روزہ ہے یا یہ کہتا کہ میں نے فلاح شخص کی خاطر روزہ توڑ دیا اور یہ عذر پانی پینے کے ساتھ بیان نہیں کرتا کہ شاید لوگ سمجھ جائیں کہ فقط ریا کی وجہ سے عذر کرتا ہے بلکہ کچھ توقف کرے اور باتوں میں یہ عذر بھی سنا دیتا ہے۔ مثلاً تھوڑی دیر بعد کہتا ہے کہ فلاں شخص بڑا دوست ہے۔ اس کی رغبت اس میں ہے کہ کوئی اس کا کھانا کھائے چنانچہ آج مجھ سے بھی اصرار کیا اور مجھے اس کی خاطر داری سے کھانا پڑا یا یوں کہے کہ میری والدہ نہایت رقیق القلب ہے۔ اسے خوف رہتا ہے کہ اگر میں ایک روز بھی روزہ رکھوں گا تو بیمار ہو جاؤں گا۔ اس لیے وہ مجھے روزہ نہیں رکھنے دیتی۔ اس طرح کی باتیں ریا کی علامات ہیں۔ اس طرح کا ذکر جب ہی زبان پر آتا ہے تو رگ ریا مزید مستحکم ہو جاتی ہے اور مخلص آدمی کو اس کی پروا نہیں ہوتی کہ لوگ کس طرح دیکھتے ہیں اگر اس کا دل روزہ پر راغب نہیں اور اللہ تعالیٰ کو بھی اس کا یہ حال معلوم ہے تو وہ یہ نہیں چاہتا کہ جو علم اللہ کو ہے۔ اس کے خلاف بندوں کو بھی ہو۔ اگرچہ مکرو فریب ہی سے ہو۔ اگر اسے روزہ کی رغبت ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کا علم اپنے روزہ دار ہونے پر کافی ہے وہ جانتا ہے اور اس پر قناعت کرکے دوسروں کو شریک نہیں کرتا۔

فائدہ: کبھی بعض عابدوں کے دل میں یہ خطرہ گزرتا ہے کہ اگر عبادت ظاہر کروں گا تو بعض اوقات لوگ میری اقتدا کریں گے اور اس طرف راغب ہوں گے۔ یہ بھی شیطان کا فریب اور دھوکہ ہے چنانچہ اس کا بیان مع شروط آگے آئے گا۔ (ان شاء اللہ)

فائدہ: یہ بیان درجات ریا اور ریاکاروں کا بیان تھا اور تمام اقسام کے ریا کار غضب الٰہی میں داخل ہیں اور ریا بڑے سخت مہلکات امور میں سے ہے اور اس کی زیادہ سخت ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں ایسی باتوں کی ملاوٹیں ہیں کہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ ہیں چنانچہ حدیث شریف سے ثابت ہے اسی لیے بڑے بڑے علماء اس میں لغزش کھا جاتے ہیں جو لوگ نفس کی آفات اور دل کے مہلکات سے ناواقف ہیں ان کا تو ذکر ہی کیا۔

ریاء کے اقسام: ریا دو قسم کے ہیں۔ (1) خفی (2) جلی۔ ریا جلی وہ ہے جو اس کے عمل کا باعث ہو ریا ہو اور ثواب

کا ارادہ بھی نہ ہو۔ ایسا ریا تمام اقسام سے زیادہ ظاہر ہے۔ یعنی یہ جلد سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ ریاء ہے خود ریا کار بھی جانتا ہے کہ میں نے ریاء کیا ہے۔ خفی اس سے تھوڑا پوشیدہ وہ ریا ہے کہ اگرچہ وہ موجب عمل تو نہ ہو لیکن جس عمل کو .بقصد ثواب کرتا ہے۔ وہ اس ریاء کے سبب سے آسان معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کسی کو روزانہ تہجد کی عادت ہے مگر سستی سے ادا کرتا ہے لیکن اگر گھر میں مہمان ہو تو ادائیگی تہجد سے خوش دل ہو اور پڑھنا آسان ہو اور یہ سمجھے کہ اگرچہ ثواب کی امید نہیں لیکن میں تو صرف اس مہمان کی وجہ سے پڑھتا ہوں تو یہ بہ نسبت سابق کے خفی ہے۔

فائدہ: اس سے زیادہ پوشیدہ اور ریا ہے کہ نہ موجب عمل ہو نہ عمل کو آسان کرے اور باوجود اس کے دل کے اندر چھپا ہوا ہو اور چونکہ عمل میں کوئی اثر نہیں اس لیے اس کا پہچاننا علامات کے بغیر ممکن نہیں۔ اس قسم کے واضح تر پہچان یہ ہے کہ عمل پر انسانوں کی آگاہی سے خوش ہو مثلاً بہت سے عابدین ایسے ہیں کہ عمل میں اخلاص کرتے ہیں اور ریاء کے معتقد نہیں بلکہ اسے برا جانتے ہیں بلکہ اس سے کنارہ کش رہتے ہیں۔ اس طرح خلوص سے عبادت کرتے ہیں لیکن جب اس عمل پر لوگ مطلع ہوتے ہیں تو ان کو سرور اور راحت محسوس ہوتی ہے اور عبادت کی محنت کا بوجھ دل سے اتر جاتا ہے تو یہ سرور ریائے خفی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ سرور اسی لیے حاصل ہوا ہے اس لیے کہ اگر دل کی توجہ لوگوں کی طرف نہ ہوتی تو ان کی آگاہی سے ہرگز سرور معلوم نہ ہوتا تو معلوم ہوا کہ جیسے آگ پتھر میں پوشیدہ ہے۔ اس طرح یہ ریا بھی دل میں پوشیدہ ہے کہ لوگوں کی اطلاع بمنزلہ چقماق کے ہوگئی اور اس سے یہی فرحت و سرور کا اثر ظاہر کر دیا۔ پھر اس اطلاع کی وجہ سے جو سرور ہوا۔ اگر اس کی لذت عابد کو محسوس ہوئی اور ان کا نفرت سے تدارک نہ کیا۔ یہی سرور ریا کی رگ خفی کے لیے قوت اور غذا بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ رگ خفیہ نفس کو متحرک کرنے لگتی ہے اور خفیہ تقاضا کرتی ہے کہ کس طرح کوئی ایسا سبب ہو جائے کہ اشاروں و کنایوں سے لوگوں کی اطلاع ہو جائے۔ اگرچہ تصریح کے ساتھ اطلاع کا طلب نہیں بعض اوقات یہ طلب ایسی خفیہ ہوتی ہے کہ اشارہ اور تصریح دونوں کی متقاضی نہیں بلکہ عادت و شمائل سے اطلاع کی خواہاں ہوتی ہے۔ مثلاً اظہار لاغری اور زردی رنگ اور پستی آواز اور خشکی لب اور تھوک اور آثار آنسوؤں اور غلبہ خواب کہ جن سے تہجد گزاری محسوس ہوتی ہے۔

فائدہ: اس سے زیادہ پوشیدہ وہ ریا ہے کہ جس میں اطلاع کی خواہش ظہور طاعت پر سرور نہ ہو لیکن اس کے باوجود اسے یہ اچھا معلوم ہوتا ہو کہ جب لوگوں کی نظر پڑے تو وہ سلام کریں اور بکشادہ پیشانی تکریم و تعظیم سے پیش آئیں اور مداح رہیں اور کام کرنے میں خوش اور معاملات بیع و شراؤ دیگر کاروبار میں رعایت کریں اور مجلس میں اعلیٰ جگہ دیں۔ اگر ان امور میں کسی سے کوتاہی ہو جائے تو دل پر گراں گزرے اور نفس کو نہایت برا محسوس ہو کہ ایسا کیوں ہوا تو اس صورت میں گویا اس کا نفس اپنی عزت و تعظیم اسی طاعت کی وجہ سے چاہتا ہے جسے خفیہ ادا کیا اور اطلاع

نہیں کی۔ اگر پہلے اس طاعت کو نہ کیا ہوتا تو پھر لوگوں کا اپنے حق میں کوتاہی کرنا بعید معلوم نہ ہوتا چونکہ اس طرح کی عبادت میں صرف اللہ تعالیٰ کے علم پر قناعت نہیں پائی گئی اس لیے اس میں لگاؤ ریائے خفی کا ہے جو چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ و مخفی ہے۔ یہ بھی بعید نہیں کہ ثواب کا خیال کرے لیکن اس سے بجز صدیقین کے اور کوئی نہیں بچ سکتا۔

فائدہ: ثواب کی اطلاع کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ قاریوں (علماء) کو ارشاد فرمائے گا کہ کیا تمہارے لیے لوگ نرخ ارزاں نہیں کرتے تھے کیا تمہیں پہلے سلام نہیں کرتے تھے۔ کیا تمہاری حاجات پوری نہیں کرتے تھے۔ لا اجر لکم قد استوفیتم اجرکم تمہارا کوئی اجر نہیں اس لیے کہ دنیا میں تم نے اجر پورا کیا۔

حکایت: حضرت عبداللہ بن مبارک (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) فرماتے ہیں کہ حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک سیاح درویش نے اپنے دوستوں سے کہا کہ ہم نے سرکشی کے خوف سے اپنا مال اور اہل و عیال تو چھوڑ دیا مگر ہمیں خوف ہے کہ جس قدر مالداروں کو مال سے گمراہی ہے کہیں اس سے زیادہ ہمیں دین میں نہ ہو۔ دیکھو ہم میں سے اگر کوئی کسی کو ملتا ہے تو چاہتا ہے کہ ہماری دینداری کی وجہ سے ہماری تعظیم کرے۔ اگر ہم کوئی کام کہیں تو ہماری دینداری کی وجہ سے اس پر لازم ہے کہ تعمیل کرے۔ اگر کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے تو یہ چاہتا ہے کہ ہماری دینداری کی وجہ سے نرخ میں رعایت کر کے سودا سستا دے۔ یہ حال وقت کے بادشاہوں کو معلوم ہوا تو لشکر کو لے کر درویش کی زیارت کو گیا۔ تمام جنگل اور پہاڑ آدمیوں سے بھر گیا۔ درویش نے پوچھا یہ ہجوم کیسا ہے؟ مریدوں نے کہا کہ بادشاہ وقت آپ کی زیارت کے لیے آیا ہے۔ درویش نے خادم سے کہا کہ کھانا لاؤ۔ وہ ساگ اور زیتون کا تیل اور خرما کے شگوفے لے آیا۔ درویش نے مٹھیوں سے خوب بھر بھر کر بڑے بڑے لقمے کھانے شروع کر دیئے۔ بادشاہ نے لوگوں سے پوچھا تمہارا مرشد کہاں ہے؟ مریدوں نے درویش کی طرف اشارہ کیا۔ بادشاہ نے پوچھا آپ کا کیا حال ہے۔ درویش نے کہا دوسرے عوام کی طرح ہوں۔ الحمد اللہ علی ذلک۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے جواب دیا کہ خیریت سے ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ اس شخص میں کوئی خیر و برکت نہیں یہ کہہ کر واپس لوٹ آیا۔ درویش نے کہا کہ الحمد اللہ کہ تو مجھے برا کہتا پھر یہی میرا مقصد تھا یعنی ریا سے بچ نکلنا۔

فائدہ: مخلص لوگ ہمیشہ ریائے خفی سے ڈرتے رہتے ہیں اور ان کے لیے بڑی کوشش کرتے ہیں اور لوگوں سے حیلے کر کے اپنے اعمال صالحہ سے ٹال دیتے ہیں اور جس قدر کہ عام لوگ اپنی برائیاں چھپانے کے حریص ہوتے ہیں اس سے زیادہ یہ لوگ اپنے اعمال صالحہ کو پوشیدہ کرنے میں حریص ہوتے ہیں کہ ان کے اعمال صالحہ اخلاص سے ہوں اور قیامت میں اللہ تعالیٰ اخلاص کے بدلے تمام مجمع کے سامنے انہیں ثواب عنایت فرمائے کیونکہ ان کو یقین ہے کہ

اللہ تعالیٰ قیامت میں خالص اعمال قبول فرمائے گا اور ہم لوگ اس دن سخت محتاج اور بھوکے ہوں گے اور اس دن ماں باپ اور اولاد بہن بھائی کوئی کام نہ آئے گا۔ صدیق لوگوں کو اپنی ہی پڑی ہوگی۔ نفسی نفسی کہہ رہے ہوں گے تو پھر اوروں کو کون پوچھتا ہے۔

منظر قیامت کی مثال: میدان حشر کو یوں سمجھئے جیسے حج کرنے والے جب مکہ مکرمہ کو جاتے ہیں تو اپنے ساتھ کھرا سکہ ہی لے جاتے ہیں کیونکہ وہاں کھوٹا مال رائج نہیں اور ضرورت ہر جگہ ہوتی ہے۔ اپنا وہاں وطن بھی نہیں نہ کوئی دوست اور آشنا ہے کہ جس کے پاس پناہ لیں۔ بجز اس کے کہ اپنے پاس زر خالص ہو اور کوئی صورت دفع ضرورت کی نہیں - یہی معاملہ انسان کو قیامت میں پیش آئے گا۔ ان کو توشہ جو اس دن کام آئے گا وہ تقویٰ اور اخلاص ہے۔

فائدہ: ریاء کے مخفی امور بے حد و بے شمار ہیں۔ جب تک سالک اپنے دل میں انسان اور حیوان کے مطلع ہونے میں عبادت پر فرق سمجھے گا اس وقت تک اس میں ایک گو نہ صورت ریا کی موجود ہے کیونکہ جب آدمی نے جانوروں سے قطع طمع کیا تو پھر اس کی پروا نہیں کرتا کہ وہ موجود ہیں یا غائب اس کے حال سے واقف ہیں یا ناواقف۔ اگر عمل میں مخلص ہے تو اللہ تعالیٰ کے علم پر قانع ہو۔ انسانوں میں سے عقلاء کو بھی حقیر سمجھیں گے بلکہ ان کی کوئی پروا نہ کرے گا۔ جیسے بچوں اور دیوانوں کی پروا نہیں کی جاتی اور یہ تصور کرے گا کہ میرا رزق اور موت بڑھانا اور عذاب کم کرنا بندوں کے اختیار میں تو نہیں ہے۔ جیسے کہ جانور اور بچے اور دیوانے کہ ان باتوں پر کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ ویسے ہی یہ اگر یوں نہ سمجھے گا تو ریائے خفی کی ملاوٹ سے خالی نہ ہوگا۔

فائدہ: یاد رہے کہ ہر طرح کی ملاوٹ سے ثواب باطل نہیں ہوتا بلکہ اس میں تفصیل ہے۔ اسے ہم سوال و جواب میں عرض کرتے ہیں۔

سوال: ہم تو کسی کو نہیں دیکھتے کہ اپنی طاعات کی اطلاع سے خوش نہ ہوتا ہو تو سرور کسی طرح کا ہو تمام مذموم اچھا ہے یا برا؟

جواب: سرور ہمہ قسم برا نہیں ہے بلکہ اس کی پانچ قسمیں ہیں۔ چار قسمیں تو اچھی ہیں اور ایک بری اچھی چار صورتیں یہ ہیں۔ (ا) عابد کو منظور تھا کہ طاعت مخفی اور بہ اخلاص ہو لیکن جب مخلوق کو اس پر اطلاع ہوگئی تو اس نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کو میرے حال پر نظر کرم اور حسن سلوک منظور ہے کہ میرے گناہوں کو چھپاتا ہے اور میری طاعات کو ظاہر فرماتا ہے حالانکہ میں تو اس خیال میں تھا کہ میری طاعت و گناہ دونوں پوشیدہ رہیں لیکن اس سے بڑھ کر اور کون سا لطف ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی کرکے میری اچھی بات ظاہر کردی۔ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے فضل و رحمت کی نظر سے دیکھا۔ اس سے عابد کو سرور ہوا۔ اس وجہ سے کہ لوگوں نے تعریف کی اور ان کے دلوں میں مقام پیدا ہوا۔

فائدہ: عبادت گزار کا ایسا سرور اچھا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا (یونس 58) ترجمہ کنزالایمان: تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہئے کہ خوشی کریں۔

فائدہ: گویا اس سرور کی وجہ یہ ہوئی کہ عابد کو خیال ہوا کہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہوں۔ یہ تصور کرکے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں میرے گناہ چھپائے اور نیکی ظاہر کی۔ اس طرح قیامت میں بھی کرے گا چنانچہ حدیث شریف میں ہے فاستر اللّٰہ علیٰ عبد ذنبا فی الدنیا الاستره علیه فی الاخرة ترجمہ: کسی بندے کا گناہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے چھپایا تو آخرت میں اس کا گناہ چھپائے گا تو یہ اسے سرور اس لیے ہوا کہ زمانہ مستقبل میں مقبول مقصود ہوگا۔ (3) طاعت کے ظاہر ہونے سے یہ گمان کرے کہ لوگ اس بات میں میری اقتدا کریں گے اور اس طرح کی طاعت بجا لائیں گے تو مجھے اس کا ثواب نصیب ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص کوئی نیک کام کرتا ہے اور لوگ اس کی اقتدا کرتے ہیں تو اسے ان کے برابر ثواب ملتا جاتا ہے اور ان کے ثواب میں کچھ کم نہیں کیا جاتا۔

فائدہ: ظاہر ہے کہ ثواب بڑھنے کی توقع قابل سرور ہے۔ نفع کا ہونا واقعی لذیذ اور موجب سرور ہوا کرتا ہے تو قصداً چھپانے کا بھی ثواب ملے گا۔ پھر ظاہر ہونے سے بھی ثواب کا مستحق ہوا۔ (4) جن لوگوں نے اس کی طاعت پر مطلع ہو کر اس کی تعریف کی تو یہ اس وجہ سے خوش ہوا کہ انہوں نے مدح کرنے میں اللہ کی مرضی کے موافق کام کیا کہ اس کے مطیع ہو کر محبوب جانا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ ان کے دل مائل بطاعت ہیں ورنہ بعض اہل ایمان ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جب اہل طاعت کو دیکھتے ہیں تو اس سے حسد اور اس کی مذمت کرتے ہیں بلکہ اس سے بغض رکھتے اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں بلکہ اسے ریاکار بتاتے ہیں اسے کبھی بھی اچھا نہیں کہتے تو اس کا سرور اسی وجہ سے ہے کہ تعریف کرنے سے لوگوں کا حال معلوم ہوا کہ ان کا ایمان درست ہے۔

علامت اخلاص: اگر لوگ کسی عابد کی تعریف کریں تو اس کی تعریف سے بھی سالک اتنا ہی خوش ہو جتنا اپنی تعریف سے خوش ہوتا ہے۔ (5) مذموم یعنی سرور کی پانچویں صورت یہ ہے کہ سرور اس خیال سے ہو کہ لوگوں کے دلوں میں قدر و منزلت ہوگئی کہ وہ اس کی تعریف اور تعظیم کرنے لگے اور نشست و برخاست میں اسے مقدم سمجھنے لگے اور اس کی ضروریات میں کام آنے لگے تو سرور کی یہ صورت مکروہ ہے بلکہ اسے مذموم تر (یاد رہے کہ آج کل اس مرض میں اکثر علماء و مشائخ اور حفاظ و قراء اور دین کے کام کرنے والے مبتلا ہیں۔ (الا ماشاء اللہ) خداوند قدوس ہمیں ایسی بیماریوں سے امان دے۔ (آمین) اضافہ اویسی غفرلہ

خفی و جلی ریاء کی باطل صورتیں: سالک جب کوئی عبادت اخلاص سے ادا کرتا ہے اور پھر اس میں ریاء آجاتا

ہے تو تین حال سے خالی نہیں۔ یا اس عمل سے فراغت ہونے کے بعد ریا آتا ہے یا قبل۔ فراغت کے ساتھ ہی اگر بعد فراغت صرف سرور اس عمل کے ظاہر ہونے کا ہے۔ بغیر خود ظاہر کرنے کے تو یہ سرور مفسد عمل نہیں اس لیے کہ عمل تو اخلاص کے بغیر ریاء کے مکمل ہو چکا ہے۔ اب وہ ریا جو بعد کو ہوگا تو امید ہے کہ اس کا اثر عمل پر نہ پہنچے گا۔ بالخصوص ایسی صورت میں کہ عامل نے اس کے ظاہر کرنے میں نہ تکلف کیا ہو نہ کسی سے کہا ہو نہ اس کی تمنا کی ہو بلکہ اتفاقاً اللہ تعالیٰ کے ظاہر کرنے سے ظاہر ہوگیا ہو اور اس سبب سے اس کے دل پر سوائے سرور محض کے اور کچھ اثر نہ ہوا ہو۔

مسئلہ : بلاقصد ریا عمل اخلاص پر مکمل ہوا لیکن پھر عابد کو اس کے اظہار کی رغبت ہوئی اور لوگوں کو کہہ دیا یا عام ظاہر کر دیا تو یہ صورت خوف ریا سے خالی نہیں بلکہ احادیث و اقوال اسلاف سے معلوم ہوتا ہے کہ باطل بھی ہے۔

احادیث مبارکہ : حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جب کسی کو کہتے سنا کہ میں نے کل رات سورۃ بقرہ پڑھی تھی تو فرمایا کہ اس شخص کا حصہ اس میں سے یہی تھا (یعنی ثواب نہ ملا)۔ جب حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا کہ میں نے تمام عمر روزہ رکھا ہے تو آپ نے فرمایا کہ تو نے نہ روزہ رکھا نہ افطار کیا۔

فائدہ : بعض شارحین اس ارشاد مقدسہ کی وجہ یہی بتاتے ہیں کہ اس نے ظاہر کر دیا۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ تمام عمر کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ بہرصورت کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان اس پر دلالت کرتا ہے کہ ایسے شخص کا دل عبادت کے وقت نیت ریاء سے خالی نہ تھا جس کی وجہ سے اس نے ظاہر کر دیا تھا۔ (یہ بھی ایک احتمال ہے)

فائدہ : یہ بھی بعید از قیاس نہیں کہ جو چیز عمل کے بعد پائی جائے۔ اس سے ثواب عمل جاتا رہے بلکہ قیاس کے رو سے یہ چاہئے کہ جو عمل کر چکا اس کا ثواب پائے اور بعد فراغت جو اس عمل سے ریا کیا۔ اس کا عذاب اسے ملے بخلاف اس صورت کے کہ نماز یا عمل فراغت سے پہلے ہی اس کی نیت ریاء کی طرف مائل ہوگئی کہ اس صورت میں ابطال نماز یا عمل ہو سکتا ہے۔

مسئلہ : عمل اخلاص سے کیا مگر ادائیگی کے درمیان کچھ ریاء بھی ہوگیا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ صرف سرور ہو۔ یہ عمل میں اثر انداز نہیں ہوتا ایسا ریا ہو کہ جس کی وجہ سے اس عمل کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ اگر ریاء دوسری قسم کا ہے تو ثواب باطل ہو جائے گا۔ (ورنہ نہیں) مثلاً ایک شخص نفل ادا کرتا ہے۔ اس وقت اس کے قریب چند لوگوں کا گزر ہوا یا کوئی بادشاہ وہاں آیا اور اس کی خواہش ہوئی کہ بادشاہ میری طرف دیکھے یا نماز میں کوئی چیز (مال وغیرہ) یاد آئی جسے وہ بھولا ہوا تھا اور اس اس کی تلاش تھی۔ اس وقت اگر آدمی نہ ہوتے تو نماز توڑ کر اس کو ڈھونڈتا لیکن ان

کی مذمت کے خوف سے نماز پوری کی تو ایسی صورت میں ثواب باطل ہو گیا۔

مسئلہ: اگر یہ خیال فرض میں واقع ہو تو ایسے فرض کو از سر نو ادا کرنا چاہیے۔ (یہ مسئلہ فقیہانہ نہ بلکہ صوفیانہ ہے۔ یعنی اس سے نماز وغیرہ کے اعادہ کا کوئی حکم شرعی نہیں' ہاں نفس کو بی اور حصول ثواب کی خاطر اعادہ کرے) اویسی غفرلہ

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ العمل کالوعاء اذا طاب اخرہ طاب اولہ عمل مثل برتن کی طرح ہے جب اس کا آخر اچھا ہو گا تو اول بھی اچھا ہو گا۔

فائدہ: موت کی آخری گھڑی تک اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

حدیث: روایت میں ہے کہ جو کوئی اپنے عمل سے لحہ بھر بھی ریا کرے گا اس کے پہلے عمل باطل ہو جائیں گے۔

مسئلہ: یہ روایت اس صورت میں نماز کے بارے میں وارد ہے۔ صدقہ اور قرات پر صادق نہیں آتی اس لیے کہ صدقہ اور قرات کی ہر ایک شے علیحدہ ہے جس حصہ پر ریا واقع ہو گا اس کا باقی حصہ خراب ہو جائے گا مگر گزشتہ حصہ باطل نہیں ہوتا ہاں روزہ اور حج نماز کی طرح ہے۔

مسئلہ: اگر ریا یوں آیا کہ ثواب کے عمل کے پورا کرنے کا مانع نہیں مثلاً نماز کے درمیان میں لوگ آئے اور یہ ان کے آنے سے خوش ہوا اور ان کے دیکھنے کی وجہ سے نماز کو بہتر سے بہتر ادا کرنے کا ارادہ کیا اگر لوگ نہ آتے تب بھی نماز کو پورا کرتا۔ اس صورت میں ریا نے عمل میں اثر کیا کہ باعث حسن حرکات نماز کا ہوا۔

فائدہ: یہ اثر اگر اتنا غالب ہو جائے کہ اس کے غلبہ میں اس عمل کا عبادت ہونا اور نیت ثواب پر ادا کرنا معلوم نہ ہو بلکہ قصد عبادت و ثواب اس قصد ریا میں چھپ جائے تو اس قسم کا ریا بھی مفسد عبادت ہے بشرطیکہ عبادت کا کوئی رکن اسی حال پر ادا ہو جائے اس لیے کہ نیت سابقہ جو شروع وقت میں تھی اس میں ہمارے نزدیک یہ شرط ہے کہ کوئی نیت ایسی نہ پیش آئے جو اس پر غالب ہو کر اسے چھپا دے۔

فائدہ: ایک احتمال یہ بھی ہے کہ عبادت فاسد نہ ہو اس لیے کہ پہلی نیت اور اصل قصہ ثواب باقی ہے۔ اگرچہ کسی دوسرے قصد کے غلبہ سے ضعیف ہو گیا ہو۔

مسئلہ صوفیانہ: حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عبادت کا ایسے امر میں فساد تجویز کرتے ہیں کہ وہ اس سے بھی سہل ہے۔ ان کا قول یہ ہے کہ جب عابد نے لوگوں کی اطلاع سے صرف سرور کا قصد کیا یعنی ایسا سرور جو مثل محبت جاہ منزلت کے ہوتا ہے اس میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ تو اس طرف ہے کہ اس سے عمل باطل

ہوگیا۔ اس لیے کہ اس نے پہلے قصد یعنی اخلاص کو توڑ کر مخلوق کی طرف میلان کیا اور عمل کو اخلاص پر مکمل نہ کیا۔ عمل کا مکمل ہونا خاتمے سے ہوتا ہے۔ پھر حضرت حارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نہ تو قطعی طور پر اس عمل کو باطل کہتا ہوں۔ لوگوں کا اختلاف مجھے پہلے سے معلوم ہے مگر میرے نزدیک ترجیح اسی کو ہے کہ اگر عمل کو ریاء پر کیا ہے تو عمل باطل ہے۔ یہ مسئلہ بھی فقیہانہ نہیں صوفیانہ ہے۔ اس کی تقریر وہی ہے جو اوپر بیان کردی ہے۔ (اضافہ اویسی غفرلہ)

سوال: حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ دو رکعتوں میں سے جب ایک اللہ کے لیے ہوگئی تو اب کوئی حرج نہیں کسی نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عمل کرتا ہوں اور میں یہ نہیں چاہتا کہ لوگوں کو اس کی اطلاع ہو مگر ان کو اطلاع ہو جاتی ہے تو میں خوش ہوتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تجھے دو ثواب ملیں گے۔ (خفیہ اور اعلانیہ کا)

جواب: حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی مراد یہ ہے کہ اس میں خطرہ مضر ہے لیکن مفسد عمل نہیں۔ جب کسی طریق سے خطرہ آجائے تو اس سے عمل ترک نہ کرے۔ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر عقد اخلاص کے بعد ریا ہوگا تب بھی نقصان نہ ہوگا۔ (حدیث مذکور کی تین تقریریں) یاد رہے کہ حضرت شیخ محاسبی قدس سرہ نے حدیث مذکور کی تین تقریریں بیان فرمائی ہیں۔ (ا) حدیث شریف میں یہ مذکور نہیں کہ عمل سے فارغ ہونے سے پہلے سائل کو سرور ہوتا تھا تو احتمال ہے کہ بعد فراغت سرور ہوتا ہے۔ سرور سے مراد وہ سرور ہے جو شرعاً محمود اور عمدہ ہے جس کا بیان اوپر ہوا۔ جب تعریف و منزلت کا سرور مراد نہیں اس لیے کہ سرور پر تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ثواب کا ارشاد فرمایا اور ریا کار کو دو ثواب ہوں۔ راوی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک متصل نہیں ہیں۔ اکثر ان میں سے اس حدیث کو ابو صالح (نمبرا) پر موقوف کہتے ہیں۔ اگرچہ بعض مرفوع بھی بتلاتے ہیں فلہذا وہ عام حدیثیں جو ریا میں وارد ہیں انہیں پر عمل کرنا بہتر ہے۔ (گویا حدیث ضعیف ہے دوسری روایات کے بالمقابل نہیں لائی جا سکتی) اویسی غفرلہ)

اسی لیے شیخ محاسبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے یقینی حکم نہیں لکھا بلکہ اپنا غلبہ ظن عمل کے بطلان پر ظاہر کیا ہے اور ہمارے نزدیک قرین قیاس یہ ہے کہ اس مقدار کا سرور کہ جس کی تاثیر عمل میں نہ ہو بلکہ عمل تو صرف دین ہی کی وجہ سے صادر ہو اور سرور محض اطلاع کی وجہ سے ہوگیا ہو۔ مفسد عمل نہیں کیونکہ ان کی وجہ سے اصل نیت معدوم نہیں ہوئی اور وہی نیت عمل کا سبب رہی اور اسی کے سبب عمل مکمل ہوا اور جو احادیث ریاء میں وارد ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ عمل سے صرف مخلوق ہی کا قصد ہو اور جو اس کے خلاف وارد ہیں۔ ان سے یہ مراد ہے کہ ریاء ثواب کا قصد برابر ہو یا اس سے زائد ہو مگر جس صورت میں کہ قصد ضعیف ہو تو قصد سے تمام اعمال کا ثواب

باطل نہیں ہو جاتا اور نہ نماز میں فساد آتا ہے۔

سوال: بندے پر نماز خالص لوجہ اللہ واجب ہوئی تھی اور خالص اسے کہتے ہیں جس میں کسی طرح کی آمیزش نہ ہو اور اس قسم میں ریا کی آمیزش ہوئی تو جو امر واجب تھا وہ ادا نہ ہو؟

جواب: واللہ اعلم اسی کتاب احیاء العلوم کے باب الاخلاص میں ہم نے بہترین اور طویل تقریر لکھی ہے جسے طویل بحث منظور ہو وہاں دیکھ لے۔

فائدہ: یہ وہ ریاء تھا جو بعد نیت عبادت یا قبل از فراغت یا بعد فراغت عارض ہو۔ جس میں نیت عین عبادت کے ساتھ ہی ریا کا ارادہ ہو۔ پس اگر سلام پھیرنے تک اسی قصد پر رہے تو اس نماز کا کوئی اعتبار نہیں۔ تمام صوفیہ کے نزدیک اسے قضا کرنی چاہیے۔

فائدہ: اگر عین نماز میں نماز مکمل ہونے سے پہلے نادم ہو کر استغفار کرے گا اور حالت اصلی پر رجوع کرے گا تو اس صورت میں تین اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ چونکہ اس شخص نے .قصد ریا نماز شروع کی تھی اس لیے وہ منعقد ہی نہیں ہوئی تھی تو از سر نو نیت کرنی چاہیے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایسے شخص کے افعال صحیح نہیں ہوئے نماز کی نیت باقی ہے اس لیے جتنے رکوع اور سجدے کیے ہیں انہیں دوبارہ ادا کرنا چاہیے کیونکہ نیت تحریمہ ایک عقد ہے اور ریاء ایک خاطر قلبی کا نام ہے کہ اس سے اصل نیت کا عقد ہونا معدوم نہیں ہوتا۔ بعض کہتے ہیں کہ اسے کوئی عمل کا دوبارہ ادا کرنا ضروری نہیں بلکہ دل میں استغفار کر کے عبادت کو اخلاص پر مکمل کرے اس لیے کہ اعتبار خاتمہ کا ہوتا ہے۔ اگر اخلاص سے شروع کرتا اور ریاء پر مکمل کرتا تو عمل باطل ہو جاتا اس طرح یہاں اس کا برعکس ہے کہ ریاء سے شروع کر کے اخلاص پر مکمل کیا تو باطل پر اختتام نہ ہوا۔

مثال: اس کی مثال یوں ہے کہ سفید کپڑے پر کوئی نجاست لگ جائے۔ جب وہ نجاست دور کی جائے گی تو کپڑے کی اصلی حالت عود کرے گی اور چونکہ نماز میں رکوع، سجدہ، غیر اللہ کے لیے نہیں ہوتا اس لیے کہ اگر غیر کے لیے سجدہ کرے گا تو کافر ہو جائے گا بلکہ اس لیے اسے ایک ریا عارضی آگیا تھا جو توبہ اور ندامت سے جاتا رہا اور یہ ایسے ہو گیا کہ اب لوگوں کی تعریف و ندامت کی کوئی پروا نہیں۔ اسی وجہ سے نماز درست ہو گئی۔

فائدہ: ہمارے نزدیک یہ دونوں اقوال قیاس فقہی کے بالکل مخالف ہیں۔ بالخصوص جو لوگ کہتے ہیں کہ صرف رکوع اور سجدوں کا اعادہ کرنا چاہیے تکبیر تحریمہ کی از سر نو کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے کہ اگر مثلاً رکوع اور سجدہ درست نہیں ہوا تو نماز میں افعال زائد ہو گئے جو مفسد نماز میں پھر نماز کا عدم فساد کس طرح ہو سکتا ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ اگر اخلاص پر نماز مکمل ہوئی تو بلحاظ خاتمہ کے نماز صحیح ہونی چاہیے۔ یہ بھی ضعیف ہے اس لیے کہ ریا نیت سے

خلل انداز ہے اور احکام نیت کی مرعات شروع نماز میں بطریق اولیٰ چاہیے۔

صحیح صورت: قیاس و فقہ کے مطابق یہ ہے کہ اگر عبادت کا سبب صرف ریا ہے اور طلب ثواب سے کوئی غرض نہیں نہ اطاعت امر الٰہی سے سرو کار تو اس صورت میں شروع تحریمہ سے نماز ٹھیک نہیں ہوئی۔ اس کے بعد جو افعال کرے گا وہ بھی درست نہ ہوں گے۔ مثلاً کوئی شخص اگر اکیلا ہوتا تو نماز نہ پڑھتا مگر جب لوگوں کو دیکھا تو نیت باندھ لی یا یہ کہ اس کے کپڑے نجس ہیں مگر لوگوں کے خوف سے نماز میں کھڑا ہو گیا تو یہ ایسی نماز ہے کہ اس میں نیت ہی نہیں کیونکہ نیت تو اس کا نام ہے کہ دین کی وجہ سے حکم کو ماننے یہاں نہ باعث ہے نہ حکم کا قبول کرنا پایا جاتا ہے۔ ہاں اگر ایسی صورت ہو کہ لوگ نہ ہوتے تب بھی نماز تو پڑھتا مگر ان کے ہونے پر ان کے اچھا کہنے کی بھی رغبت ہو گئی تو یہاں دو اسباب جمع ہوتے ہیں۔ پس اگر ایسی صورت صدقہ اور تلاوت دیگر امور میں ہو جن میں تحریم اور تحلیل نہیں تب تو اس نے ریا کی وجہ سے اطاعت میں نافرمانی کی اور ثواب کے ارادہ پر فرمانبرداری کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (الزلزال 30 8-7) ترجمہ کنز الایمان تو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرہ بھر برائی کرے اسے دیکھے گا۔ جس قدر اس کی نیت صحیح ہوگی اس قدر ثواب پائے گا اور جس قدر نیت فاسد ہوگی اسی قدر سزا پائے گا اور ایک کی موجودگی سے دوسری عبادت بے کار نہ ہوگی۔

فائدہ: ایسی صورت میں نماز میں واقع ہو جو نیت کے خلل سے فاسد ہو جاتی ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ نفل میں خلل ہوگا یا فرض میں۔ نفل کا حال تو صدقہ جیسا ہے کہ ایک وجہ سے اطاعت ہے اور ایک وجہ سے بے فرمانی ہے اس لیے کہ اس کے دل میں دو اسباب موجود ہیں اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کی نماز درست نہیں ہوئی اور نہ اس کی اقتداء درست ہے مثلاً کسی نے نماز تراویح ادا کی اور قرائن حال سے معلوم ہوا کہ اس کا ارادہ صرف حسن قرات ظاہر کرنے کے لیے تھا۔ اگر لوگ جمع نہ ہوتے اور یہ شخص اپنے گھر میں اکیلا ہوتا تو تراویح نہ پڑھتا تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایسے قاری کے پیچھے نماز درست نہیں اس کے اعتبار سے اس کی نماز بھی صحیح ہے اور اس کے پیچھے نماز بھی درست ہے اس لیے کہ ایسا گمان کرنا درست نہیں بلکہ مسلمان پر تو یہی گمان ہوگا کہ یہ نماز نفل سے ثواب کا ارادہ رکھتا ہے اور اسی ارادہ کے اعتبار سے اس کی نماز بھی صحیح ہے اور اس کے پیچھے نماز بھی درست ہے اگرچہ ثواب کے ساتھ کوئی اور قصد بھی ہو جس کے سبب سے اسے گناہ ہوا۔

مسئلہ: اگر دو اسباب نماز فرض میں جمع ہوں اور دونوں اسباب جدا جدا اور مستقل نہ ہوں بلکہ دونوں مل کر عبادت کا سبب ہوئے ہوں تو اس صورت میں اس کے ذمہ سے واجب ساقط نہ ہوگا کیونکہ وجوب کا سبب اس کے حق میں خالص اور مستقل نہیں پایا گیا اور اگر ہر ایک سبب سے مستقل ہو مثلاً اگر باعث ریا نہ ہوتا تب بھی فرض ادا کرتا اور

اگر باعث فرض نہ ہوتا تو ریا کے لیے نفل ادا کرتا۔ اس صورت میں تامل ہے بلکہ اس میں کئی احتمالات ہیں۔ ایک احتمال تو عدم جواز کا ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس کے ذمہ واجب نماز خالص لوجہ اللہ تھی لیکن واجب خالص کاارادہ نہیں کیا۔ دوسرے احتمال جواز کا یعنی یہ کہیں کہ واجب لمنتثل امر ایک سبب مستقل ہے اور وہ یہاں موجود ہے۔ دوسرے سبب کا اس میں بلحاظ اس کے ذمہ سے سقوط فرض کا مانع نہیں جیسے مغصوب گھر میں نماز پڑھائے کہ اس صورت میں صرف اس بات کا گناہ ہے کہ غصب کے گھر میں نماز پڑھی مگرچونکہ اصل نماز پڑھنے میں اطاعت پائی گئی اس لیے فرض ذمہ سے ساقط ہوا غرضیکہ اصلی نماز کے اگر اسباب مختلف ہوں گے تو اس میں احتمال بھی مختلف ہوں گے لیکن جس صورت میں کہ اصل نماز میں تو ریا نہ ہو صرف سرسری طور پر ہو مثلاً کوئی شخص نماز جماعت کے لیے سبقت کرے یہ اگر اکیلا ہوتا تو اول وقت میں پڑھتا بلکہ درمیانہ وقت تک تاخیر کرتا یا اگر نماز فرض نہ ہوتی تو صرف ریا کی وجہ سے نماز کی ابتدا نہ کرتا تو ایسی صورت میں یقیناً نماز صحیح ہے اور فرض ذمہ میں نہیں رہے گا کیونکہ جو اصل نماز کے ادا کا سبب ہے اس میں کوئی دوسری چیز مخالف نہیں بلکہ وقت تعین میں قصد ریا واقع ہوا۔ اس سے نیت اصل نماز میں خلل واضع ہونا بہت دور کی بات ہے۔

فائدہ: اس ریاء کا حکم ہے جو عمل کا سبب ہوا کرتا ہے لیکن لوگوں کے مطلع ہونے سے جب تک اس کی تاثیر عمل میں مکمل اثر انداز نہ ہو اس سے نماز کا فساد خلاف قیاس معلوم ہوتا ہے۔ یہ قاعدہ ہمارے نزدیک قانون فقہ کے موافق معلوم ہوتا ہے۔ دراصل یہ مسئلہ دقیق ہے۔ اس لیے کہ فقہاء نے اسے فقہ میں لکھا ہی نہیں اور جن حضرات صوفیہ کرام نے اس میں غور و خوض کرکے کچھ تعرض کیا پہلے تو انہوں نے نماز کی صحت و فساد میں فقہ و قواعد کا لحاظ نہیں کیا بلکہ صرف تصفیہ قلوب و اخلاص کے سبب سے ادنیٰ خطرات سے عبادات کا فاسد ہونا لکھ دیا اور ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ ہماری سمجھ پر قول فیصل ہے۔ (واللہ اعلم) تبصرہ اویسی غفرلہ چونکہ امام غزالی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ جامع الکملات ہیں یعنی فقہ کے بھی امام ہیں اور تصوف کے بھی مقتدا ہیں اس لیے ان کا قول فیصل ہزار آفرین و بے شمار تحسین کا مستحق ہے۔

بوقت ریا علاج قلب: ہم نے پہلے عرض کیا ہے کہ ریاء بڑا سخت اور مہلک مرض ہے اس سے اعمال باطل ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے غصہ کا سبب ہے تو جس کا حال یہ ہو اسے دور کرنے کے لیے مستعد ہونا مناسب بلکہ ضروری ہے۔ اگرچہ کتنا ہی مجاہدہ اور مشقت کرنا پڑے کیونکہ قاعدہ ہے کہ مرض کے ازالہ کے لیے کڑوی ادویات پینی ضروری ہیں کیونکہ بچہ شروع میں عقل و تمیز کم رکھتا ہے اس لیے وہ طمع رکھتا ہے کہ جیسے دوسرے لوگوں کو دیکھتا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے لیے تصنع اور بناوٹ کرتے ہیں تو اس کے دل میں اس تکلیف کی محبت غلبہ پا کر مستحکم ہو جاتی ہے۔ اس بناوٹ کا مہلک ہونا اسے تب معلوم ہوتا ہے جب عقل کمال کو پہنچتی ہے مگر اس وقت تک ریا اس کے دل میں ریشہ پورا اثر کر چکا ہے اس لیے بلا محنت شاقہ اور سخت مجاہدہ کے اس کا قلع قمع نہیں کر سکتا اور

اس مجاہدہ سے کوئی خالی نہیں سب کو اس کی محتاجی ہے اور یہ شاق معلوم ہوتا ہے اور بالآخر آسان ہو جاتا ہے۔

طریقہ علاج: اس کی دو صورتیں ہیں۔ ریا کے اصول کی جڑیں کاٹی جائیں جن سے وہ پیدا ہوتا ہے۔ ریا سے جو خطرہ ہوتا ہے اسے دور کیا جائے۔ بصورت اول اصول و اسباب کی بیخ کنی کی جائے۔ وہ اس پر موقوف ہے کہ اس کے اصول و اسباب معلوم ہوں۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ ریاء کی اصل محبت جاہ و منزلت ہے اور اگر اس کو مفصل بیان کیا جائے تو اس میں تین اصل جمع ہیں۔ لذت تعریف کی محبت۔ رنج مذمت کی نفرت۔ لوگوں کے قبضہ کی چیزوں کا طمع۔ یہی تین اصول سبب ریاء ہیں اور ریاکار کو ریاء پر ابھارتی ہیں۔

احادیث مبارکہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آدمی حمیت اور اپنے مرتبہ جتلانے اور شہرت کے لیے لڑتا ہے۔ حمیت کے معنی یہ ہیں کہ اس کو اس بات کی غیرت آتی ہے کہ مغلوب ہو جائے یا کوئی دوسرا مغلوب ہونے سے اسے برا کہے اور اپنا مرتبہ جتلانے کا یہ مطلب ہے کہ لذت جاہ اور دلوں میں مقام بن جانے کی طلب ہے اور ذکر سے مراد زبانی تعریف کی خواہش وہ بھی ان تین اغراض سے ہوتا ہے۔ اعرابی کا سوال سن کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا من قتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ ترجمہ: جو اس لیے جہاد کرے کہ کلمہ الٰہی بلند ہو وہی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے۔ (2) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب دونوں صفیں (ایمان و کفر) جہاد میں لڑتی ہیں فرشتے اترتے ہیں اور لوگوں کے اعمال ان کے مراتب کے بمطابق لکھتے ہیں کہ فلاں شخص شہرت کے لیے جہاد کرتا اور فلاں شخص ملک کے لیے لڑتا ہے ملک کے لڑنے میں طمع دنیوی کی طرف اشارہ ہے۔ (3) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شہید ہے شاید اس نے اپنی زمین کی دونوں تھیلیاں چاندی سے بھری ہوں۔ (4) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا من غزا یبتغی الا عقالا مانوی

فائدہ: جو جانوروں کے حصول کے لیے لڑتا ہے تو اسے وہی ملے گا جو اس کی نیت ہوگی۔

فائدہ: بعض اوقات انسان کو مدح اور طمع کی خواہش نہیں ہوتی مگر مذمت رنج سے بچتا ہے۔ مثلاً بخیل ایسے سخی لوگوں میں رہتا ہے جو بہت زیادہ مال خیرات کر رہے ہوں۔ وہ بھی کچھ تھوڑا سا دے دیتا ہے تاکہ کوئی بخیل نہ کہے۔ ایسے بخیل کو طمع نہیں اس لیے کہ اس سے بڑھ کر اور لوگ ہیں۔ ہاں مذمت کے خوف سے اتنا دیتا ہے یا کوئی بزدل بہادروں میں ہو تو جماعت سے نہیں بھاگتا تاکہ کوئی برا نہ کہے اور مدح کی طمع نہیں کرتا کیونکہ حملہ کرنے والے تو اور لوگ ہیں لیکن جب مدح سے مایوس ہوا تو مذمت کو برا سمجھا یا کوئی شخص ایسی جماعت میں ہے جو رات بھر نماز پڑھتے

ہیں تو وہ بھی چند رکعتیں پڑھ لیتا ہے تاکہ کوئی کاہل نہ کہے حالانکہ اسے مدح کی طمع نہیں۔

فائدہ: بعض اوقات انسان لذت مدح پر صبر کر سکتا ہے مگر مذمت کے رنج پر صبر نہیں کر سکتا۔ اس وجہ سے بعض لوگ لاعلمی میں فتویٰ دیتے ہیں اور بوجوہ ضرورت کے دوسرے سے نہیں پوچھتے اور ان کا دعویٰ حدیث دانی کا ہوتا ہے حالانکہ وہ مطلق جاہل ہوتے ہیں تو یہ سب کچھ اسی لیے ہے کہ کوئی جاہل نہ کہے اس کی برداشت ان سے نہیں ہو سکتی۔ غرضیکہ یہی تین مذکورہ بالا امور ریاء کار کے لیے ریاء کا سبب ہیں اور اس کا علاج اسی بات کے قسم اول میں مذکور ہو چکا ہے۔ انسان جب کسی شے کی خواہش کرتا ہے تو یہ گمان کرتا ہے کہ وہ شے اس کے لیے ابھی یا دیر کے بعد بہتر اور مفید و لذیذ ہے۔ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ اگرچہ اب اس شے میں لذت ہے مگر آیندہ نقصان ہو گا تو اس شے کی رغبت نہ کرنا آسان ہو جاتی ہے۔ مثلاً معلوم ہے کہ شہد خوب مزہ دار ہے تو اس کی رغبت ہوتی ہے مگر جب معلوم ہو جائے کہ اس میں زہر ملا ہے تو پھر اس کی طرف رغبت کے بجائے نفرت کرے گا۔ اسی طرح ریا کی رغبت سے نفرت کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ اس کا ضرر پہچاننا چاہیئے کہ جب سالک کو اس کا ضرر معلوم ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے دل کی صلاحیت ضائع ہو جاتی ہے اور دنیا میں توفیق خیر اور آخرت کے مراتب سے محروم ہوتا ہے بلکہ وہ سخت غصہ اور عذاب شدید کا مستحق ہو جاتا ہے اور قیامت میں اسے کھلی رسوائی ہوگی۔ جب پکارا جائے گا او بدکار اور مکار تجھے شرم نہ آئی کہ تو نے اطاعت کے بدلے دنیوی اسباب خریدا تو نے بندوں کو خوش کیا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے استہزا کیا۔ بندوں کا محبوب بنا اور اللہ کا مبغوض بندوں کے لیے آرائش میں لگا رہا اور اللہ تعالیٰ کے لیے گناہوں میں لتڑ پتڑ بندوں کے لیے قریب ہوا اور اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا گیا۔ بندوں کے نزدیک محمود بنا اور اللہ کے نزدیک مردود۔ ان کی رضا کا طالب ہوا اور اللہ کے غصہ کا خواستگار ہوا۔ تیرے نزدیک اللہ سے زیادہ حقیر اور کوئی نہ تھا (معاذ اللہ)

فائدہ: جب کبھی اس رسوائی پر غور کرے اور جو کچھ بندوں سے اسے حاصل ہوتا ہے اور نفع دنیوی بھی۔ اس نقصان کو بالمقابل کرے جو آخرت میں ہو گا ثواب عمل جاتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ریا نہایت حقیر ہو جائے گا۔ اعمال کے ثواب کا مٹ جانا معمولی نقصان نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک عمل خالص سے حسنات کا پلڑا جھک جائے لیکن تو نے تو ریا کی وجہ سے اسے فاسد کر دیا تھا تو وہ عمل بدی کے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا جس کی وجہ سے برائی کا پلڑا جھک جائے گا۔

فائدہ: اگر ریا سے ایک ہی عبادت بے کار ہو جاتی تو بھی نقصان بہت تھا۔ یہاں تو تمام نیکیاں ریا کی وجہ سے خطا ہو گئیں اگر نیکیوں سے پلڑا جھکا رہتا اور اگر ریا سے عبادت بے کار نہ ہوتی اور نیکی میں شمار ہوتی تو ایک نیکی سے اللہ کے نزدیک انبیاء و صدیقین کا رتبہ حاصل ہوتا۔ اگر ریا کی وجہ سے ان کے درجات گر کر اولیاء سے کم درجے میں جا

پڑا۔ یہ نقصان تو دینی ہوا اور دنیا میں رسوائی ہوئی۔ وہ یہ کہ پریشان رہا کہ لوگوں کی رعایت کرنی پڑی اور ان کی رضامندی کی کوئی حد نہیں کیونکہ ایک فریق خوش ہوا ہے تو دوسرا ناراض ہے۔ بعض لوگ راضی ہوتے ہیں تو دوسرے ناراض اور جو عوام کی رضا جوئی اللہ کے غضب پر اختیار کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ خود بھی ناراض ہو جاتا ہے اور لوگوں کو بھی اس پر ناراض کر دیتا ہے۔ پھر لوگوں کی مدح کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے کا کیا فائدہ۔ ان کی تعریف سے رزق اور زندگی نہیں بڑھتی نہ قیامت میں ان کی تعریف کام آئے گی اور لوگوں کی چیزوں پر طمع رکھنے کا یہ علاج ہے کہ یوں سمجھ لے کہ دینے اور نہ دینے پر دلوں کا قبضہ کرنا اللہ کے قبضے میں ہے۔ لوگ اس میں بے بس ہیں۔ رازق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں اور جو شخص خلق سے طمع رکھتا ہے وہ خالی از ذلت نہیں۔ اگر بالفرض مراد بھی حاصل کر لے تو احسان اٹھانا پڑتا ہے۔ دوسروں کی نظروں میں حقیر ہونا ہوگا۔ تو اجر الٰہی کو ایسی جھوٹی امید اور وہم فاسد کے بدلے میں کسی طرح چھوڑیں نامعلوم وہ ملے یا نہ اگر ملے تو ملنے کی خوشی اتنی نہ ہوگی جتنا احسان اٹھانے اور ذلت کا رنج ہوگا اور لوگوں کے برا کہنے کا خوف کرنا بھی بے سود ہے اور ان کی مذمت سے بھی نقصان نہ بڑھے گا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے وہی ہوگا نہ کوئی شے وقت سے پہلے آئے گی نہ رزق میں تاخیر ہوگی نہ دوزخی ہوگا۔ اگر پہلے سے بہشتی ہے تو اللہ کے نزدیک برا نہ ہوگا اگر پہلے سے نیک ہے تو اس پر اللہ کا غصہ نہ ہوگا۔ بندوں کا تو یہ حال ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا؟ لا یملکون لا نفسھم ضرا ولا نفعا لا یملکون موتا ولا حیوۃ ولا نشورا (الفرقان 3) ترجمہ کنزالایمان : اور خود اپنی جانوں کے برے بھلے کے مالک نہیں اور نہ مرنے کا اختیار نہ جینے کا نہ اٹھنے کا۔

فائدہ : جب اسباب زیادہ کا خطرہ دل میں اثر کر جائے گا تو ریا کی رغبت کمزور پڑ جائے گی اور دل متوجہ الی اللہ ہوگا اس لیے کہ دانشور ایسی چیزوں کی رغبت نہیں کرتا جن میں ضرر زیادہ ہو اور نفع کم۔

فائدہ : اگر لوگوں کو ریاء کار کے باطن کا حال معلوم ہو جائے کہ وہ دل میں ریا کرتا ہے اور ظاہر میں اخلاص تو ان کے نزدیک برا ٹھہرے گا اور یہ بات چھپی نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ کبھی اس کا برا کھول دے گا (جس سے وہ رسوا ہوگا) یعنی اس وقت لوگوں کے نزدیک بھی مبغوض ہو جاتا ہے۔ اللہ کے نزدیک تو پہلے مردود تھا۔

فائدہ : اگر اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے اخلاص کو لوگوں پر ظاہر فرما دے تو ان کی مدح سے نہ کوئی فائدہ ہے نہ ان کی برائی سے کوئی نقصان۔

حکایت : بنی تمیم کے ایک شاعر نے حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی ان مدحی زین وان ذمی شین میری تعریف زینت ہے اور برا کہنا عیب ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جھوٹ ہے۔ یہ شان اس ذات کی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اگر تعریف کرے تو زینت ہے اور اس کے برا

کہنے سے واقعی عیب ہے۔ انسان کی تعریف و مذمت سے کچھ نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر کوئی اللہ کے نزدیک برا اور دوزخی ہے تو اس کی تعریف سے کیا بہتری ہو جائے گی اگر اس کے نزدیک مقرب اور نیک ہے تو لوگوں کی ہجو سے کون سی برائی ہو جائے گی۔ غرضیکہ جو شخص اپنے دل میں آخرت کو حاضر جانے گا اور وہاں کی نعمتیں اور اللہ کے نزدیک بلند مراتب یاد کرے گا۔ اس کے نزدیک مخلوق کی اشیاء ہیچ محسوس ہوں گی۔ جن میں صدہا قسم کی خرابیوں کی ملاوٹ اور بہمہ وجوہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے گا اور ریا کی ذلت سے نجات پائے گا اور اس کے اخلاص سے دل میں ایسا نور پیدا ہوگا جس سے اس کا سینہ کھل جائے گا اور اس سے ایسے لطیف مکاشفات ظاہر ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس و محبت اور خلق کے ساتھ وحشت و نفرت بڑھے گی۔ دنیا کی حقارت اور آخرت کی عظمت نظروں میں پختہ ہوگی اور مخلوق کا خیال دل میں نہ رہے گا اور ریا کا سبب بالکل منقطع ہو جائے گا۔ پھر اخلاص کا راستہ طے کرنا آسان معلوم ہوگا۔

فائدہ: وہ امور جو اس باب میں ہم لکھ چکے ہیں۔

علمی علاج: جس سے ریا کی جڑ اکھڑ جاتی ہے وہ علمی علاج یہ ہے کہ اپنے نفس کو عبادت کے پوشیدہ ادا کرنے کا عادی بنائے اور ان کو ایسا چھپائے جیسے برائیوں کو چھپاتے ہیں۔ یہاں تک کہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطلاع و علم پر اکتفا کرے۔ غیر اللہ کی اطلاع کا خیال دل میں نہ رہے۔

حکایت: حضرت ابو حفص رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے ان کے مرید نے دنیا اور اہل دنیا کی مذمت کی۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے وہ بات ظاہر کی جس کو خفیہ رکھنا چاہئے تھا۔ آج کے بعد ہمارے پاس نہ بیٹھنا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ دنیا کو اتنا قدر ظاہر کرنے کی بھی اجازت نہیں اس لیے کہ دنیا کی مذمت کے ضمن میں زہد کا دعویٰ پایا جاتا ہے۔ بہرحال ریا کی دوا عبادات کو خفیہ رکھنے سے بڑھ کر اور کوئی نہیں اور شروع مجاہدہ میں مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن جب اس پر چند روز صبر کیا جائے۔ دشواری آسان ہو جاتی ہے اور اللہ کی عنایت اور حسن توفیق عطا ہوجاتی ہے۔ وہ خود فرماتا ہے ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ (سورۃ النساء 40 پ 5) ترجمہ: اللہ ایک ذرہ بھر ظلم نہیں فرماتا۔ وان تلک حسنتہ یضا عفھا ویوت من لدنہ اجراً عظیم (النساء 40) ترجمہ کنزالایمان: اور اگر کوئی نیک ہو تو اسے دونی کرتا ہے اور اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتا ہے۔

فائدہ: سالک کو مجاہدہ کرنا چاہئے' ہدایت اس کا کام ہے دروازے پر دستک دینا بندے کا کام ہے اور اس کا کھولنا اسی کا کام' اسی کا ہو رہنا چاہئے حتیٰ کہ سرادقات جلال سے آواز آئے کہ میرے قریب آجا۔

دوسرا علاج: جو خطرہ ریاء عبادت کے درمیان میں آئے اس کا دور کرنا سیکھنا چاہئے کیونکہ جو شخص نفس پر جلد

کر کے اپنے دل میں سے ریاء کا استیصال کرتا ہے اس طرح کہ طمع کو قطع کر کے قانع ہوتا ہے اور خود کو لوگوں کی نظروں سے گرا دیتا ہے اور ان کی تعریف و مذمت ہیچ سمجھنے لگتا ہے تو اس وقت شیطان اس کو عبادت میں خالی اور بے فکر نہیں چھوڑتا اسے ریا کے خطرات پیش کرتا ہے۔ اس طرح کے وسوسے اس سے علیحدہ نہیں ہوتے نہ خواہشات نفسانی بالکل نابود ہوتی ہیں اس لیے سالک کو ریا کے خطرات دور کرنے کے لیے مستعد ہونا ضروری ہے۔

خطرات ریاء: یہ تین ہیں۔ بعض اوقات تو سب کے سب ایک بارگی آتے ہیں۔ پھر وہ ایک خطرہ میں جاتے ہیں۔ بعض اوقات بتدریج آتے ہیں۔ (1) واقف ہونا لوگوں کی اطلاع پر ان کی اطلاع کی آرزو۔ (2) اس کے بعد ان کی مدح کے لیے نفس کی رغبت کہ ان کے ہاں مقام ملے گا۔ (3) اس کے بعد نفس کا اس کو قبول کرنا اور دل کا ریا پر پختہ ہو جانا انہیں پہلے کا نام تو معرفت ہے۔ دوسرے کا نام حالت ہے۔ جسے شہوت و رغبت بھی کہتے ہیں۔ تیسرے کا نام عزم و ارادہ ہے۔

فائدہ: ان سب میں سے خطرہ دل کے دفع کرنے کے لیے بڑی طاقت و قوت چاہیے۔

قاعدہ: دوسرے خطرے پیدا ہونے سے پہلے اس سے پہلا دور ہو جائے ورنہ اور مشکل ہو جائے گا۔ مثلاً جب سالک کو معرفت اطلاع مخلوق ہو یا ان کی اطلاع کی آرزو کا خطرہ ہو تو اس کو یوں کہہ کر دفع کرے کہ مجھے مخلوق سے کیا غرض وہ جانے یا نہ۔ اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے اوروں کے جاننے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا۔

علاج: اگر لذت حمد کی رغبت جوش کرے تو آفات دل کو یاد کرے کہ قیامت میں اللہ کے نزدیک مبغوض ہونا پڑے گا اور جب اعمال کی زیادہ ضرورت ہوگی۔ اس وقت ان سے محروم ہونا پڑے گا تو جس طرح مخلوق کی اطلاع سے شہوت و رغبت پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح آفت ریا کی معرفت سے کراہت و نفرت ہوتی ہے۔ رغبت تو چاہتی ہے کہ اسے قبول کرنا چاہیے اور نفرت چاہتی ہے کہ انکار کرنا چاہیے۔ پس جو ان میں سے زیادہ غالب اور قوی ہوگی نفس اس کی پیروی کرے گا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ خطرات ریاء دفع کرنے کے لیے تین امور ضروری ہیں۔ معرفت ریا' اس کی شہوت سے نفرت' انکار کرنا۔

ازالہ وہم: انسان کبھی عزم بالجزم کر کے اخلاص کے ساتھ کوئی کام شروع کرتا ہے۔ پھر اسے ریا کا خطرہ آتا ہے تو اس کو قبول کرلیتا ہے۔ اس وقت اس کو معرفت نفرت شہوت عبادت جو دل میں تھی کبھی یاد نہیں رہتی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ خوف مذمت اور حب مدح اور استیلائے مرض مدح دل میں اتنا بکثرت ہو جاتی ہے کہ دوسری چیز کی اس میں گنجائش نہیں رہتی۔ پہلے سے جو آفات ریا اور اس کے انجام بد ہونے کی معرفت تھی۔ وہ ایک طرف ہٹ جاتی

ہے اس لیے کہ دل میں کوئی جگہ رغبت حمد اور خوف مذمت سے خالی نہیں رہتی۔

مثال: اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی اپنے دل میں حوصلہ تو یاد رکھتا ہے اور غصے کو بھی برا جانتا ہے اور اسباب غضب کے وقت بھی قصد حلم بھی یاد کرتا ہے مگر بعض اوقات ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں۔ جن سے غضب بھڑک اٹھتا ہے کہ حوصلہ کا مقصد بھول جاتا ہے اور دل میں ایسا غصہ ابھرتا ہے کہ آفت غضب بھی یاد نہیں رہتی۔ غضب سارے دل میں پھیل جاتا ہے۔ اسی طرح شہوت کی حلاوت دل میں پر ہو کر نور معرفت حوصلہ کو نکال دیتی ہے۔

حدیث شریف: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شجرہ رضوان کے نیچے بیعت کی تھی کہ جہاد سے نہیں بھاگیں گے۔ مگر غزوہ حنین میں اس بیعت کو بھول کر ہم بھاگ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ آواز آئی اے شجرہ والو' یہ سن کر ہم سب لوٹ آئے۔

فائدہ: چونکہ دلوں میں خوف غالب ہو گیا تھا اس لیے پہلا عہد یاد نہ رہا جب یاد دلایا گیا تو یاد آیا۔

فائدہ: اکثر شہوات جو یکبارگی جوش زن ہوتی ہیں۔ ان کا حال یونہی ہوتا ہے۔ یعنی اس سے جو ایمان کا خود جوش شہوت میں پہنچاتا بھول جاتا ہے اور جب پہنچانا یاد رہی تو نفرت (جو اس کا نتیجہ تھی) وہ بھی ظہور میں آئی۔

فائدہ: کبھی یاد بھی کرلیتا ہے کہ یہ خطرہ اس ریا کا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا مگر اس پر شدت شہوت کی وجہ سے ارتکاب کرنے پر اصرار کیا جاتا ہے۔ خواہش نفسانی عقل پر غالب ہو جاتی ہے جو لذت اس وقت ملتی ہے اسے چھوڑ نہیں سکتا۔ توبہ میں ٹال مٹول کرتا ہے یا ایسے کام کرتا ہے کہ جس کے شغل میں یہ سوچ دل پر نہ آئے۔ بہت سے علماء ایسے ہیں کہ ان کی گفتگو خالی از ریا نہیں ہوتی اور وہ خود بھی جانتے ہیں مگر غلطی کے ارتکاب پر اصرار کرتے رہتے ہیں۔ یہ اصرار ان پر زیادہ حجت ہوگا اس لیے کہ انہیں علم تھا کہ ریا مہلک مرض ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی مذموم ہے لیکن پھر بھی انہوں نے کہا او رصرف ریاء کا پہچاننا کافی نہیں۔ جب تک پہچاننے کے ساتھ اس سے نفرت نہ ہو۔

فائدہ: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خطرہ ریاء کو پہچان بھی لیتا ہے اور اس سے نفرت بھی کرتا ہے۔ مگر اس کے باوجود ریا کے تقاضے قبول کرکے اس کے مطابق عمل کرتا ہے اس لیے کہ شہوت کی قوت بہ نسبت نفرت کے بہت قوی ہوتی ہے اور نفرت بہت کمزور تو ایسا شخص بھی اپنی اس نفرت سے کوئی فائدہ نہ اٹھائے گا۔ اس لیے کہ کراہت نہیں کرتا۔ غرض یہ ہے کہ خطا سے باز رکھے نہ یہ کہ اپنے جی کو خوش کرے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ تینوں اور مذکورہ سابق کے اجتماع سے کوئی فائدہ نہیں۔ یعنی (۱) معرفت ریا اور مکروہ سمجھنا اور اس سے انکار کرنا ثمرہ کراہت ہوتا ہے اور کراہت ثمرہ معرفت کی قوت بقدر قوت ایمانی اور نور علم ہوتی ہے اور اس

کا صفت بقدر غفلت اور حب دنیا اور فراموشی آخرت اور اللہ کے احکام سے لاپروائی اور کم توجہی آفات حیات دنیاوی اور انعامات آخرت سے ہوتا ہے اور یہ سب ایک دوسرے سے پیدا ہوتی ہیں اور ان سب کی اصل حب دنیا اور غلبہ شہوات ہے۔ یہی سب تمام برائیوں کی جڑ اور ہر گناہ کا اصل ہے کیونکہ حب جاہ و منزلت اور دنیاوی لذائذ و بلا ہے کہ آدمی کے دل کو لوٹ لیتی ہے اور فکر عاقبت اور انوار کتاب اللہ اور حدیث اور علوم سے اقتباس نہیں کرنے دیتی۔

سوال: کوئی شخص اپنے دل سے ریا کو مکرو جانتا ہے اور اس کراہت کی وجہ سے اس کا مرتکب بھی نہیں ہوتا لیکن باوجود اس کے اس کی طبیعت میں محبت ریا پائی جاتی ہے لیکن وہ اس میل و محبت کو بھی برا سمجھتا ہے اور اس کے مطابق عمل نہیں کرتا تو ایسا شخص بھی ریا کار ہے اور اللہ تعالیٰ بندے کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا اور یہ بندے کے اختیار میں نہیں کہ شیطان کو وسوسہ نہ کرنے ڈالنے دے یا طبیعت کو قابو کر سکے۔ کہ اس میں میلان شہوت بھی نہ رہے اس کے قبضہ میں صرف اتنا ہے کہ اپنی شہوات کا مقابلہ اس کراہت سے کرے جو اس کو انجام کی شناخت اور علم دین اور ایمان اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ہونے سے حاصل ہے جب یہ ایسا کرے گا تو جتنا اس کو حکم تھا اس کو ادا کرے گا۔

حدیث شریف: صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ ہمارے دلوں پر ایسے امور پیش ہوتے ہیں کہ اگر ہم آسمان سے گرائے جائیں اور پرندے اچک لیں یا ہمیں آندھی اٹھا کر کسی دور جگہ پھینک دے تو منظور ہے مگر ان امور کا زبان پر لانا گوارہ نہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان کو مکروہ بھی جانتے ہو عرض کی ہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی صریح ایمان ہے۔

فائدہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صرف وسوسہ اور کراہت دل پر گزرتی تھی۔ وسوسہ کو تو صریح ایمان نہیں کہہ سکتے اسی لیے ضروری ہوا کہ کہا جائے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کراہت کو صریح ایمان فرمایا جو صحابہ کرام کے دل پر وسوسہ کے ساتھ آئی تھی اور ریا اگرچہ برا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی ذات پر وسوسہ کرنے کی بہ نسبت کم ہے تو جب کراہت کی وجہ سے وسوسہ کا ضرر دفع ہوگیا تو ریا کار کو بطریق اولیٰ اس سے دور ہونا چاہئے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا الحمد اللہ الذی اکیدا الشیطان الی الوسنہ حمد اس ذات کو جس نے شیطان کا وسوسہ کی طرف رد کیا-12 ابو حازم فرماتے ہیں کہ وہ خطرہ جو نفس اپنے لیے برا سمجھے تو وہ اگر دشمن کی طرف سے ہوگا وہ مظر نہیں اور خطرہ جو نفس اپنے لیے اچھا جانے اس پر نفس کو عتاب کرو۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ شیطان کا وسوسہ اور نزاع مضر نہیں بشرطیکہ شیطان و نفس کی مراد انکار و کراہت سے نہ ہو۔

فائدہ: خواطر یعنی خیالات اور وہ اسباب کہ جن سے ریا جوش میں آئے۔ وہ شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور خواطر کے بعد رغبت اور میلان نفس کی طرف سے اور کراہت ایمان کے آثار میں سے ہے۔

انتباہ: یہاں شیطان ایک اور چال چلتا ہے وہ یہ کہ جب جانتا ہے کہ سالک قبول ریا کا منکر ہے اور خود آپ کو اس کے قبول کرنے سے عاجز تصور کرتا ہے تو اس کے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ تیری اصلاح و بہتری اس میں ہے کہ مجھ سے مجادلہ میں مشغول ہو اور جدل و جدال بہت دیر تک رہے اور اس سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اسے اخلاص اور حضور قلب کا ثواب نہ ملے کیونکہ شیطان کے مجادلہ اور مدافعت میں مشغول ہونا اللہ تعالیٰ کی مناجات سے باز رہنا ہے جس سے قرب الٰہی کی منزلت میں نقصان ہے۔

مراتب: خواطر کے دفع کرنے میں لوگ چار مراتب پر ہیں۔ (۱) وہ لوگ جن کو خطرہ پیش آیا تو اس کو شیطان کا وسوسہ خیال کرکے اسے جھٹلایا اور اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس کے ساتھ لڑائی شروع کی اور بہت دیر تک لڑائی برپا رکھی۔ اس گمان سے کہ یہ امر دل کے لیے اچھا ہے حالانکہ یہ نقصان ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی مناجات اور وہ خیر کہ جس کے درپے ہوں وہ جاتی رہی' راہزنوں سے لڑائی بہتر امر ہے اور ظاہر ہے کہ راہزنوں کی لڑائی کے لیے پیچھے ہٹنا سلوک کے لیے مضر ہے۔ وہ لوگ جن کو معلوم ہے کہ جدال و قتال سے سلوک میں نقصان ہوتا ہے اسی لیے صرف شیطان کی تکذیب اور دفع پر اکتفا کرکے اس کے مجادلہ میں مشغول نہیں ہوتے وہ لوگ کہ تکذیب میں بھی مشغول نہیں ہوتے کیونکہ ان میں بھی توقف ہوتا ہے گو تھوڑا سہی بلکہ اپنے دل میں ریا کی کراہت لے کر اسے شیطان کا جھوٹ تصور کرلیتے ہیں کہ جب اسباب ریا بروئے کار آئیں گے تو شیطان ہمارے ساتھ ضد کی وجہ سے ہمارے درپے نہیں ہوگا اس لیے عزم کرلیتے ہیں کہ جب شیطان وسوسہ کرے تو اخلاص اور مناجات اور اخفائے صدقہ اور عبادات اور زیادہ کرلیں شیطان کا دل جلے۔ اس مرتبہ کے لوگ شیطان کو غصہ دلاتے رہتے ہیں اور اس کی بیخ کنی کرکے اسے ایسا مایوس کردیتے ہیں کہ پھر ان کے پاس نہ بھٹکے۔

حکایت: حضرت فضیل بن غزوان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص آپ کو برا بھلا کہتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بخدا میں اسے جلاؤں گا جس نے ایسا اکسایا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ کون ہے فرمایا شیطان ہے۔ پھر فرمایا کہ الٰہی تو اس کی مغفرت کر جس نے مجھے برا بھلا کہا اور فرمایا کہ میری ان باتوں سے یقیناً شیطان جلتا ہوگا کہ میں نے اس برا بھلا کہنے والے کے لیے دعا کرکے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

فائدہ: جب شیطان کو سالک کی یہ عادت معلوم ہو جاتی ہے تو اس سے باز رہتا ہے کہ شاید اس کی نیکیاں اور زیادہ ہو جائیں۔

فائدہ: حضرت ابراہیم تیمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان سالک کو کسی گناہ کی طرف بلاتا ہے تو اگر وہ اس کی

اطاعت نہیں کرتا بلکہ اس کے بدلے کوئی اور نیکی کرتا ہے تو اسے ویسے ہی چھوڑ دیتا ہے۔ فرمایا کہ جب شیطان سالک کو متردد دیکھتا ہے تو اس میں طمع کرتا ہے اور جب کسی خیر کی مداومت کرتا پاتا ہے تو مغموم ہو کر بغض کرتا ہے۔

مثال: حضرت حارث محاسی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان چار مراتب کی بہت اچھی مثال لکھی ہے وہ یہ کہ فرض کرو کہ چار آدمی کسی مجلس علم یا حدیث میں جانا چاہتے ہیں تاکہ فائدہ حاصل کریں اور ہدایت و رشد پائیں اور ان پر کسی گمراہ بد مذہب نے حسد کرکے خوف کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کو راہ حق مل جائے اسی لیے وہ ایک کے پاس جاکر منع کرکے کسی اور گمراہی کی مجلس کی طرف چلنے کو کہا۔ اس نے انکار کیا جب ان سے ناامید ہو کر ان سے کنارہ کرتا ہے جیسے بوڑھے عابدوں کو شراب خوری اور زنا کی طرف بلانے سے ناامید ہو اسی طرح تمام دنیوی لذتیں اولیاء کرام کے نزدیک شراب و زنا کی طرح ہیں اور جب لذائذ دنیاوی کی محبت بالکل ان میں نہیں تو شیطان کو بھی کوئی راہ ان کے پاس آنے کی نہیں اسی لیے ان کو اس کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔

فائدہ: بعض اہل شام کا قول ہے کہ شیطان سے بچنے کے انتظار میں رہنا اس کے تصور میں جس کا یقین کم اور توکل ناقص ہو اور جو یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں اس کا کوئی شریک نہیں ایسا سالک کسی سے کیوں ڈرے گا۔ وہ جان لے گا شیطان اللہ کی ایک ذلیل مخلوق ہے۔ اس پر گمراہ ہونا موقوف نہیں۔ جو کچھ اللہ چاہتا ہے۔ وہی ہوتا ہے۔ ضرر اور نفع دینا اسی کا کام ہے۔ عارف کو شرم آتی ہے کہ غیر اللہ سے ڈرے اس لیے کہ وحدانیت کا یقین اس کو ڈر سے بے پروا کر دیتا ہے۔

فائدہ: بعض علماء کا قول ہے کہ شیطان سے ضرور ڈرنا چاہئے اور بصریوں کا وہ قول (1) کہ اولیاء کاملین جو دنیا کی محبت سے خالی ہوتے ہیں ان کو شیطان سے خوف کی ضرورت نہیں تو یہ قول شیطان کا وسیلہ ہے کیونکہ ممکن ہے کہ آدمی دھوکا کھا جائے کیونکہ انبیاء علیہم السلام تو وساوس شیطانی سے محفوظ نہیں تھے۔ (2) دوسرا کوئی اور کیسے محفوظ رہ سکتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جتنے وساوس شیطانی ہوں سب شہوات اور محبت دنیا کے متعلق ہوں تاکہ محبت دنیا و شہوات کے نہ ہونے سے وہ وساوس بھی نہ آئیں بلکہ وساوس اللہ تعالیٰ کے صفات و اسماء کے عقیدہ اور بدعت و گمراہی کے اعمال کو اچھا جاننے میں بھی ہوتے ہیں۔ بہرحال اس کے خطرے سے کوئی نہیں بچتا۔

قرآن مجید میں ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ (الحج 52) ترجمہ کنزالایمان : اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی

1۔ یعنی شیطان اپنی کارروائی جاری رکھتا ہے۔ اگرچہ آگے اثر ہو نہ ہو انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء محفوظ (اویسی غفرلہ)

2۔ اسی مضمون میں ابھی گزرا ہے۔ (اویسی غفرلہ)

بھیجے سب پر بھی یہ واقعہ گزرا ہے کہ جب انہوں نے پڑھا تو شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف سے ملا دیا تو مٹا دیتا ہے اللہ اس شیطان کے ڈالے ہوئے کو پھر اللہ اپنی آیتیں پکی کر دیتا ہے۔

حدیث شریف: نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انہ لیغان علی قلبی میرے قلب پر بھی زنگ آجاتا ہے۔ (1) باوجودیکہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شیطان مسلمان ہوگیا تھا اور سوائے خیر اور کچھ نہ کہتا تھا (2) تو جو خود کو محبت الٰہی میں بہ نسبت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام کے زیادہ مشغول سمجھے وہ دھوکے میں ہے اور محبت الٰہی میں انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر اور کون ہو گا وہ بھی مکر شیطانی سے مامون نہ تھے۔

فائدہ: حضرت آدم و حوا علیہما السلام جنت میں تھے جو امن و سرور کا مقام ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا تھا کہ فقلنا یآدم ان ھذا عدولک و لزوجک فلا یخرجنکما من الجنة فتشقٰی ○ ان لک ان لا تجوع فیھا ولا تعرٰی وانک لا تظمؤا فیھا ولا تضحٰی ○ (طٰہ 117) ترجمہ کنزالایمان: تو ہم نے فرمایا اے آدم! بے شک یہ تیرا اور تیری بی بی کا دشمن ہے تو ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکال دے پھر تو مشقت میں پڑے بے شک تیرے لئے جنت میں یہ ہے کہ نہ تو بھوکا ہو نہ ننگا ہو اور یہ کہ تجھے نہ اس میں پیاس لگے نہ دھوپ۔ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں صرف ایک درخت سے منع کیا تھا۔ باقی وہاں کی تمام نعمتوں کے لیے اجازت بخشی تھی۔ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت جیسے بلند مقام میں رہ کر مکر شیطان ملعون کے وسوسہ سے نہ بچے (3) تو غیر نبی اس دار ناپائیدار جو سرچشمہ فتن و محن اور معدن لذاید و شہوات ممنوعہ میں رہ کر کیسے بچے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے کہ ھذا من عمل الشیطٰن (قصص) اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ شیطان سے تمام مخلوق کو بچنے کا ارشاد فرماتا ہے۔ یٰبنی آدم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنة ینزع عنھما لباسھما لیریھما سواٰتھما انه یرٰکم ھو و قبیله من حیث لا ترونھم (الاعراف 27) ترجمہ کنزالایمان: اے آدم کی اولاد خبردار تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈالے جیسا تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکالا اتروا دیئے ان کے لباس کہ ان کی شرم کی چیزیں انہیں نظر پڑیں بے شک وہ اور اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم نہیں دیکھتے۔ (2) تمام قرآن مجید میں شیطان سے بچنے کے احکام مذکور ہیں تو اس سے مامون رہنے کا دعویٰ کس طرح ہو سکتا ہے۔

ازالہ وہم: جس سے اللہ تعالیٰ پر حذر رہنے کا ارشاد فرماتا ہے اس سے حذر کرنا منافی مشغولیت بہ محبت الٰہی کے نہیں اس لیے کہ اقتضائے محبت سے یہ بھی ہے کہ محبوب کا حکم مانے اور اس نے دشمن سے پر حذر رہنے کا ارشاد

یہ حدیث مفصل مع تشریح اسی جلد میں گزری ہے۔ (اویسی غفرلہ)

اس کی نفیس بحث فقیر کی تفسیر فیوض الرحمان یا تصنیف الشریہ التعلیم الامتہ میں پڑھیے۔ (اویسی غفرلہ)

فرمایا ہے جیسا کہ کفار سے پرحذر رہنے کا فرمایا خُذُوْا حِذْرَكُمْ اَسْلِحَتَهُمْ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ (انفال 60) ترجمہ کنزالایمان: اور ان کے لئے تیار رکھو جو قوت تمہیں بن پڑے اور جتنے گھوڑے باندھ سکو۔
بحکم اللہ تعالیٰ دشمن و کافر سے حذر کرنا اہل ایمان کو لازم ہے جبکہ یہ دشمن نظر آتے ہیں اور وہ دشمن جو ایمان والوں کو تو دیکھے اور خود نظر نہ آئے۔ اس سے ڈرنا بطریق اولیٰ ضروری ہے۔

مثال: ابن جریر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ شکار ایسا ہو کہ ہم اسے دیکھتے ہوں اور وہ ہمیں نہ دیکھتا ہو تو شاید ہاتھ آجائے اور وہ جو ایسا ہے کہ وہ ہمیں تو دیکھتا ہے اور ہم اسے نہیں دیکھتے تو بعید نہیں کہ وہ ہم پر غالب آجائے۔

فائدہ: اس سے ان کی مراد شیطان ہے۔ علاوہ اس کے اگر دشمن سے غفلت کی جائے تو اس میں بھی یہی نتیجہ ہے کہ وہ اگر مار ڈالے گا اس کے مار ڈالنے سے شہادت ملتی ہے لیکن اگر شیطان سے خوف نہ کیا جائے تو اپنے آپ کو دوزخ اور عذاب الیم میں ڈالنا پڑے گا۔ خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس چیز سے اس پے حذر ہونے کا حکم فرمایا اس سے اعراض کیا جائے۔

فائدہ: اس تقریر سے دوسرے گروہ (نمبر1) اہل شام کا مذہب باطل ہوا جو یہ گمان کرتے ہیں کہ حذر کرنا توکل کے خلاف ہے کیونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنگ کے وقت ڈھال اور ہتھیار بھی اٹھائے ہیں اور لشکر بھی جمع کیا۔ خندق بھی کھدوائی ہے۔ کسی امر سے آپ کے توکل میں خلل واقع نہیں ہوا تو جس چیز سے اللہ تعالیٰ خود خوف و حذر فرماتا ہے اس سے خوف و حذر کرنے سے کیسے توکل میں خلل واقع ہوگا اور جن صوفیوں کا یہ قول ہے کہ توکل تمام اسباب بے باطل علیحدہ ہونے کو کہا جاتا ہے۔ ان کی غلطی ہم نے باب توکل میں ثابت کی ہے۔

ازالہ وہم: ارشاد الٰہی وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ (انفال الخ) منافی توکل نہیں بشرطیکہ دل میں اعتقاد ہو کہ ضرور نفع و حیات و موت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اسی طرح شیطان خوف بھی اس کے ہاتھ میں اور یہ اعتقاد کہ ہدایت و گمراہی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اسباب کو صرف ذریعہ سمجھے جیسا کہ باب توکل میں ہم نے لکھا ہے۔ یہی قول حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے اور یہی صحیح ہے اور علم بھی اسی کا شاہد ہے اور پہلے دو اقوال ایسے صوفیہ کے ہیں کہ جن کو زیادہ علم نہیں اور ان کو یہ خیال ہے کہ بعض اوقات جوان پر جوش استغراق کا آجاتا ہے تو ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہوگا حالانکہ یہ بہت دشوار ہے (کیونکہ یہ دائمی نہیں)

1۔ اس کے جوابات فقیر کی تصنیف ازالہ وہم فی علوم الانبیاء علیہم السلام میں ہیں۔ (اویسی غفرلہ)
اس سے قبل امام غزالی قدس سرہ نے صوفیہ کرام کے گروہوں کا بیان فرمایا ہے ان میں ایک گروہ اہل شام بھی ہوا ہے۔ (اویسی غفرلہ)

فائدہ: جو صوفیہ شیطان سے خوف کے قائل ہیں وہ کیفیت حذر کے متعلق تین گروہ ہیں۔ (1) یہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمن سے ڈرایا ہے تو چاہئے کہ کوئی چیز ہمارے دلوں پر اس کے خوف سے زیادہ نہ ہو کیونکہ اگر ہم ایک لحہ بھی اس سے غافل رہیں گے تو عجب بڑی بات نہیں کہ دشمن ہلاک نہ کر ڈالے۔ (2) بعض کہتے ہیں کہ اگر شیطان کی یاد ہم اس درجہ تک کریں گے کہ اس سے ہر وقت ڈرتے رہیں تو ظاہر ہے کہ اللہ کی یاد سے دل خالی ہو جائے گا اور ساری ہمت اور فکر شیطان پر صرف ہوگی اور شیطان کا مقصود بھی یہی ہے کہ سا لکین سوائے اللہ کے کسی اور شکل میں مبتلا رہیں تو اس لیے مناسب یہ ہے کہ ہم عبادت میں مشغول رہیں اور شیطان اور اس کی عداوت کو کبھی نہ بھولیں۔ دونوں باتیں جمع کریں۔ اس لیے کہ اگر اس کو بالکل بھول جائیں تو شاید اسی طرح سامنے آئے کہ ہمیں گمان بھی نہ ہو اور اگر صرف اسی کا دھیان تصور و خیال رکھیں تو اللہ کی یاد جاتی رہے گی۔ اسی لیے دونوں باتوں کا جمع کرنا بہتر ہے۔ اہل تحقیق کا قول ہے کہ دونوں فریق غلطی پر ہیں پہلے گروہ کی غلطی صاف ظاہر ہے کہ اللہ کو بھول کر یاد شیطان کے ہو رہیں حالانکہ ہمیں شیطان سے حذر کرنے کا حکم اس لیے ہے کہ وہ یاد الٰہی سے نہ روکے تو اس کی یاد تمام چیزوں سے زیادہ دل پر کس طرح ہو سکتی ہے۔ اس میں تو سراسر ہمارا ضرر ہے کیونکہ اس کا مال یہ ہے کہ ذکر الٰہی کے نور سے دل خالی ہو جائے۔ جب شیطان ایسے دل کو دیکھے گا کہ وہ نور ذکر الٰہی اور قوت شغل سے خالی ہے تو بعید نہیں کہ وہ جلد اسے قابو کر لے کہ اس کے بعد سالک سے کچھ نہ بن سکے۔ علاوہ ازیں ہمیں ہمیشہ اس کی یاد کا حکم نہیں اور دوسرے فریق کی غلطی ہے کہ اس میں ذکر الٰہی اور ذکر شیطان کی یاد جاتی ہیں تو جس قدر آدمی شیطان کی یاد کرے گا اسی قدر یاد الٰہی میں نقصان ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے کہ یاد صرف اللہ تعالیٰ کی ہو اور اس کے ماسوا (وہ شیطان ہو یا کوئی اور) کو بھولنا ضروری ہے۔

قول فیصل: جب دونوں گروہوں کی غلطی معلوم ہو چکی تو اس بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ سالک کو چاہئے کہ پہلے شیطان کا خوف اپنے دل میں رکھے اور نفس پر اس کی دشمنی مضبوط کر لے۔ جب اس کا خوف پختہ ہو جائے بلکہ اس کی عداوت کا یقین ہو جائے جب خوف بھی اس کے اندر جاگزیں ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو اور تمام ہمت اس کی طرف لگا دے اور دل میں شیطان کا ذرا بھی خیال نہ کرے کیونکہ جب عداوت کے پہچاننے کے بعد ذکر میں مشغول ہوگا پھر اگر شیطان وسوسہ کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا اور وہ اسے دفع کر سکے گا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہونے سے یہ ضروری نہیں کہ وساوس شیطانی کے وقت اسے آگاہی نہ ہو دیکھا تو اسے لڑائی اور تقریر میں الجھا دیا اور وہ شخص اس خیال سے کہ اس کی گمراہی کا دفع کرنا اور اس سے صحبت کرنا مصلحت ہے اس سے لڑے گا اور گمراہ کا مقصد بھی یہی تھا کہ جتنا دیر سے میرے سے جھگڑے گا وہ مجلس سے فائدہ نہ اٹھا سکے گا اور محروم ہو جائے گا۔ جب دوسرا اس گمراہ کے قریب سے گزرا تو اسے بھی منع کیا وہ صرف ٹھہرا پھر اس گمراہ کو دھکا دے کر چلا گیا۔ لڑائی جھگڑا نہ کیا تو گمراہ اس کے قدر توقف سے بھی خوش ہوا۔ جب تیسرا گزرا اور اس بھی بہکایا تو اس

نے توجہ ہی نہ کی اور جس حال سے چلا جاتا تھا اسی طرح چلا گیا تو گمراہ کی آرزو اس سے بالکل منقطع ہو گئی اور جب چوتھا وہاں سے گزرا اس نے چاہا کہ گمراہ کو جلائے تو جس حال سے پہلے چلتا تھا اس سے اور تیز چلنا شروع کر دیا۔

نتیجہ: اگر اتفاقاً یہ چاروں پھر کبھی اس گمراہ کے پاس سے گزریں تو یہ اوروں کو حسب دستور دوبارہ چھیڑے گا مگر چوتھے کے پاس نہ بھٹکے گا کہ شاید میرے چھیڑنے سے اس کا فائدہ زیادہ ہو جائے گا۔ ا۔

سوال: جب شیطان کا یہ حال ہے کہ کوئی اس کے وسوسہ سے خالی نہیں تو قبل وسوسہ کے آنے کے اس کا انتظار کرنا چاہیے یا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے کہ وہی خود اس کو دور فرمائے گا یا عبادت میں مشغول ہو کر شیطان کو بھول جانا چاہیے؟

جواب: شیطان سے خطرہ اور خوف کے متعلق تین قول ہیں۔ بعض اہل بصرہ کہتے ہیں کہ قوی دل اولیاء کرام کو شیطان سے بچنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ حضرات بالکل اللہ تعالیٰ میں مستغرق ہوتے ہیں بلکہ اس کی محبت میں سخت مشغول رہتے ہیں۔

مثال: کسی کو کسی کام کے لیے یہ خطرہ ہو کہ اگر وہ جلدی سے اٹھ کر اس کام نہ جائے گا تو وہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اسی لیے وہ رات کو کئی بار چونک پڑتا ہے باوجودیکہ نیند بھی کرتا رہتا ہے مگر چونکہ کھٹکا دل میں رہتا ہے اس لیے چونکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہونے سے خواہش نفسانی مرجاتی ہے؟ اور شہوات کی ظلمات دور ہو کر نور علم و عقل کو فروغ ہوتا ہے۔ (اسی لیے پھر شیطان کے وساوس اور شرارتیں بے اثر ہو جاتی ہیں۔ (یہ اولیاء کاملین کا مرتبہ ہے) (اویسی غفرلہ)

خلاصہ: ارباب بصیرت شیطان کی عداوت اور اس کی شرارت سے قلوب کو آگاہ کرکے اس کا خوف لازم رکھتے ہیں مگر یاد شیطان میں مشغول نہیں رہتے بلکہ یاد الٰہی میں منہمک ہوتے ہیں اور اللہ کی یاد سے دشمن کی لڑائی کو دفع کرتے رہتے ہیں اور نور ذکر کی روشنی میں دشمن کے وساوس کو ایک مثال سمجھئے۔

مثال: وہ کنواں کہ جس کا پلید پانی سے خالی کرنا مطلوب ہوتا ہے تاکہ اس سے صاف پانی نصیب ہو تو جو شخص کہ فکر شیطان میں مشغول ہے اس نے تو نجس پانی کو کنویں میں چھوڑ دیا اور جس نے ذکر شیطان اور ذکر خدا کو جمع کیا اس نے ایک طرف سے تو نجس پانی نکالنا شروع کیا اور دوسری طرف اس کنویں کے اندر پانی جاری رکھا تو اس نے بے

ا۔ ہمارے دور میں یہی طریقہ ہمارے جلسوں میں دیوبندی کرتے ہیں کہ دوران تقریر پرچی دے دے یا کھڑے ہو کر سوال کر دیا تاکہ مقرر اس کے سوال میں الجھ جائے اور جلسہ خراب ہو۔ ہمارے سمجھدار مقررین ان کی اس علت پر اگر ان کا سخت رد کریں تو آئندہ ایسی حرکت نہیں کرتے تجربہ کرلیں۔ (اویسی غفرلہ)

فائدہ مشقت بھی کی اور نجس پانی سے کنواں خالی بھی نہ ہوا۔ اس لیے کہ ایک طرف سے پانی نکلتا جائے گا۔ دوسری طرف سے واپس جاتا جائے گا اور جو دانا و واقف کار دشمن کو جانتا ہے تو اس کی مثال یہ ہے کہ اس نے نجس پانی کے لیے آڑ بنادی اور کنویں میں صاف پانی بھرلیا جب نجس پانی آتا ہے ذرا سی دیر میں بلا مشقت و محنت کے اسی آڑ سے نجس پانی کو روک دیتا ہے اور پاک صاف پانی لیتا رہتا ہے۔

وہ مواقع جہاں عبادت کا اظہار جائز ہے: جیسے اعمال کو خفیہ رکھنے میں اخلاص اور ریا سے بچنے کا فائدہ ہے۔ ویسا ہی اعمال ظاہر کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ عوام پیروی کریں اور انہیں رغبت خیر ہو مگر اس میں ریا کا خطرہ ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسلمان کو معلوم ہے کہ عمل خفیہ میں بہت احتیاط ہے مگر اظہار میں بھی فائدہ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خفیہ اور ظاہر عمل دونوں کی تعریف فرمائی ہے اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ (البقرہ 271) ترجمہ کنزالایمان: اگر خیرات اعلانیہ دو تو وہ کیا ہی اچھی بات ہے اور اگر چھپا کر فقیروں کو دو تو یہ تمہارے لئے سب سے بہتر ہے۔

اظہار کے اقسام: یہ دو قسم ہے (1) نفس عمل ظاہر کرنا (2) عمل کرکے بیان کرنا۔ قسم اول جیسے صدقہ سب کے سامنے دینا تاکہ لوگوں کو اس میں ترغیب ہو۔

حدیث: مروی ہے کہ ایک انصاری نے سب سے پہلے ایک کیسہ زر دیا اس کے بعد اور لوگ لاتے گئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا من سن سنته فعمل کان له اجوها و اجر من اتبعه (ترجمہ جس نیک طریقہ کا اجرا کیا تو اسے اس کا اپنا اجر بھی ملے گا اور جو اس کی اتباع میں عمل کریں گے اس کا بھی) اسی طرح تمام اعمال میں مثلاً روزہ، نماز، حج و جہاد وغیرہ لیکن صدقہ میں اقتدا کرنا طبائع پر غالب ہے ہاں غازی جب جہاد پر نکلنے کا ارادہ کرے تو سب سے پہلے کمر باندھے اور سواری تیار کرے تاکہ لوگوں کو نکلنے کی ترغیب ہو تو یہ افضل ہے اس لیے کہ جنگ اصل میں اعمال ظاہرہ ہے اس کا خفیہ کرنا ممکن نہیں تو اس پر جلدی کرنا اظہار کی غرض نہیں بلکہ تحریص کی وجہ سے ہے اسی طرح سالک بسا اوقات تہجد کھلم کھلا پڑھتا ہے تاکہ اور گھر والے اور ہمسائے بیدار ہوں اور اس کی پیروی کریں۔ خلاصہ یہ کہ جس عمل کا خفیہ بجالانا ممکن نہیں جیسے حج اور جہاد اور جمعہ تو افضل سبقت کرنا اور اظہار رغبت اور دوسروں کی تحریضہ کے لیے بشرطیکہ ریا کی آمیزش نہ ہو اور جو اعمال کہ ان کا خفیہ ادا کرنا ممکن ہے مثلاً صدقہ اور نماز

مسئلہ: اگر صدقہ کے اظہار میں لوگوں کو ترغیب ہوتی ہے مگر مسکین کو ایذا ہو تو ادائے صدقہ خفیہ افضل ہے اس لیے کہ ایذا حرام ہے اگر ایذا نہ ہو تو بعض لوگوں کے نزدیک خفیہ ہی افضل ہے اگرچہ اظہار میں اقتداء ترغیب ہو۔

فائدہ: بعض کے نزدیک عمل خفیہ اس اظہار کی نسبت افضل ہے جس میں ترغیب و اقتداء نہ ہو۔ مگر جس اظہار میں

اور لوگوں کی اقتدا ہوتی ہو اس صورت میں اظہار ہی افضل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اظہار عمل کا ارشاد فرمایا ہے تاکہ لوگ ان کی اقتدا کریں اور پھر باوجود اس کے کہ انہیں منصب نبوت عطا فرمایا اور ان کی طرف یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ دونوں عمل سے جو افضل تھا اس سے محروم رہے (معاذ اللہ)۔ نیز حدیث شریف لہ اجرھا و اجر من عمل بھا سے بھی افضلیت اظہار پائی جاتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ عمل خفیہ کا ثواب بہ نسبت عمل ظاہر کے ستر گناہ زیادہ ہے لیکن جس عمل میں اور لوگ اقتدا کریں اس کا ثواب بہ نسبت اس خفیہ کے ستر گناہ زیادہ ہے۔

فائدہ: یہ دلیل ایسی ہے جس میں خلاف کی گنجائش نہیں اس لیے کہ جب دل آمیزش ریا سے خالی ہو اور خفیہ اور ظاہر بھی ایک ہی صورت کے اخلاص پر عمل تمام ہوا ہو تو جس عمل سے اقتدا حاصل ہوتی ہے وہ عمل افضل ہوگا۔ عمل کے ظاہر ہونے سے صرف خوف ریا ہی ہے۔ اگر ریا کی آمیزش ہوئی تو غیر کی اقتدا سے کیا فائدہ ہوگا۔ خود تباہ ہو جائے گا۔ اسی صورت میں بلا خوف اظہار خفیہ افضل ہے۔

فائدہ: جو سالک عمل کو ظاہر کرنا چاہے تو اسے دو باتیں سوچ لینی چاہیں۔ (ا) اظہار ایسی جگہ کرے جہاں لوگوں کی اقتدا کا یقین غالب ہو کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی اقتدا ان کے صرف گھر والے ہی کرتے ہیں۔ ہمسائے نہیں کرتے اور بعض کی اقتدا صرف ہمسائے کرتے ہیں۔ محلہ والے نہیں کرتے۔ بعض کی اقتدا محلے والے کرتے ہیں بازار والے نہیں کرتے مگر مشہور عالم دین کی اقتدا تمام لوگ کرتے ہیں۔ (ا) تو غیر عالم دین اگر بعض طاعات کو ظاہر کرے گا تو ممکن ہے کہ اس کو عوام ریاء و نفاق کی طرف منسوب کریں اور اس کی اقتدا نہ کریں تو اس کے حق میں اظہار عمل بے فائدہ ہے۔ اظہار بہ نیت اقتدا اس شخص کو چاہئے جو اقتدا کا رتبہ رکھتا ہو اور ایسے لوگوں میں ہو جو اس کی اقتدا کریں۔

اہم نصیحت: سالک کو چاہئے کہ ایسے امور میں اپنے دل کی نگہبانی کرے۔ ایسا نہ ہو کہ اس میں ریائے خفی کی محبت ہو جائے اور اس کی وجہ سے اقتدا کے بہانے سے اظہار عمل کرتا ہو اس سے مقصد یہ ہو کہ عمل سے آراستہ ہو کہ مقتدا بن جاؤں ہمارے دور میں اکثر صوفی طبیعت والوں اور بعض علماء کا یہی حال ہے مگر اولیاء اللہ کاملین مخلصین ایسے نہیں ہو لیکن ان کا وجود بہت کم ہے۔ تو چاہئے کہ کہیں نفس سرکش بے چارے ضعیف سالک کو فریب دے کر لاعلمی سے تباہ نہ کردے۔

یہی وجہ ہے دور حاضرہ میں فوٹو کا مرض عام ہے کہ اس میں مشاہیر علماء مبتلا ہیں اور بعض ظالم (عالم) فوٹو کے جواز پر دلائل کے انبار لگا دیتے ہیں اور وہ دلائل علمی نہیں ہوتے۔ عقلی ہوتے ہیں یا دلائل علمی کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے۔ تفصیل و تحقیق کے لیے دیکھئے فقیر کی تصنیف فی تصویر التصویر (اویسی غفرلہ)

مثال: ضعیف کا حال ایسے ہے جیسے کوئی پانی میں ڈوب جائے۔ وہ تھوڑا سا تیرنا جانتا ہو۔ پھر وہ لوگوں کو ڈوبتا دیکھ کر ان پر رحم کرے اور ان کو بچانا چاہے۔ جب وہ سب اس کو پکڑلیں تو خود بھی ڈوب جائے گا اور وہ دوسرے بھی۔

فائدہ: پانی میں ڈوبنے کی تکلیف تو لحہ دو لمحے ہے لیکن ریا سے تباہ ہونے کی تکلیف ایسی ہے کہ اس کا عذاب دائمی ہے یا مدتوں تک عذاب رہے گا۔

فائدہ: ریا ایسی بلا ہے کہ اس میں جاہل عابد اور عالم سب لغزش کھا جاتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ جیسے اولیاء اللہ اپنے اعمال کو ظاہر کرتے ہیں ویسے ہم بھی کریں حالانکہ انکے دلوں میں قوت اخلاص نہیں تو ریاء کی وجہ سے ان کے اعمال اپنے برباد ہو جاتے ہیں۔

فائدہ: ریاء کو سمجھنا بہت مشکل ہے اور اس کا امتحان یہ ہے کہ اپنے نفس پر یہ امر پیش کرے کہ اگر کوئی تجھ سے کہے کہ عمل خفیہ کر عوام اور کسی عابد کی اقتدا کریں گے تجھے ثواب خفیہ عمل اور ظاہر کا یکساں ہوگا۔ اگر اس سوال سے نفس اسی کو چاہے کہ اس عمل میں مقتداء بنوں گا اسی لیے عمل ظاہر کروں تو معلوم کرلینا چاہئے اس اظہار کا سبب ریا ہے اسے نہ طلب ثواب ہے اور نہ لوگوں کی اقتدا ترغیب مطلوب ہے کیونکہ لوگوں کو رغبت خیر تو دوسرے عابد سے بھی ہو سکتی ہے اور اس کا ثواب بھی اظہار کی بہ نسبت خفیہ میں زیادہ ہوگا پھر لوگوں کو دکھلانا بد نظر نہیں تو کیا۔ اس کے دل کو اظہار عمل کا میلان کیوں ہے۔

انتباہ: سالک کو نفس کے قریب سے پر حذر رہنا چاہئے نفس بڑا مکار ہے اور شیطان بھی۔ اس کا معاون ہے اور حب جاہ دل پر غالب ہے اور اعمال ظاہری کی آفتوں سے بہت کم لوگ بچتے ہیں اور سلامتی اعمال خفیہ ادا کرنے میں ہے۔ عمل کے سالم رہنے کے برابر کوئی چیز نہیں۔ ظاہر کرنے میں ایسے خطرے ہیں کہ ہمارے جیسے کمزور لوگوں کی برداشت اور طاقت نہیں تو ہمارے جیسے تمام ضعیفوں کے لیے اظہار عمل سے خوف اولیٰ ہے۔

قسم 2: عمل سے فارغ ہونے کے بعد اسے ظاہر کردے۔ اس کا حکم بھی قبل اظہار عمل جیسا اور خطرہ اس میں بھی بہت ہے اس لیے کہ زبان سے کہہ دینا بہت آسان ہے زبان کھولنے میں تو کوئی مشقت نہیں اور چونکہ سالک انسان کو زیادہ بولنا ہمیشہ لذیذ محسوس ہوتا ہے اس لیے بیان کرتے وقت کچھ زیادتی اور مبالغہ بھی ہو جاتا ہے مگر یہ اظہار قوی اگر ریا کے لیے ہوگا تو اتنا ضرور ہے کہ عبادت گزشتہ کے فاسد کرنے میں اثر نہیں کرے گا۔ اس اعتبار سے قسم اول کی بہ نسبت خفیف ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ جس شخص کا دل قوی اور اس کا اخلاص کامل ہو اور لوگ اس کی نظر میں حقیر اور ان کی مدح و ذم اس کے نزدیک برابر ہو اور اظہار بھی ایسے لوگوں میں کرے جن سے توقع اقتدا اور رغبت خیر کی معلوم ہوتی ہو تو اظہار جائز بلکہ مستحب ہے۔ بشرطیکہ نیت خالص اور تمام آفات سے محفوظ ہو اس لیے

کہ اظہار میں خیر و بھلائی کی ترغیب ہے اور ترغیب خیر بھی امر خیر ہے اور اکابر اسلاف رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم سے اس طرح کا اظہار منقول ہے۔

اقوال اسلاف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم: حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ میں نے شروع اسلام سے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی جس میں نماز کے سوا نفس میں کسی اور چیز کا خطرہ ہوا ہو اور کسی ایسے جنازہ کے پیچھے نہیں گیا جس میں اس کے سوال و جواب کے سوا اور کچھ خیال گزرا ہو اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی بات سنی تو اس پر یقین کرلیا کہ حق ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں ہے کہ میں تونگر ہوگیا یا مفلس اس لیے کہ مجھے معلوم ہی نہیں کہ تونگری و مفلسی میرے حق میں کون سی بہتر ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میرے اوپر کوئی ایسا حال نہیں گزرا کہ میں نے تمنا کی ہو کہ کوئی دوسرا حال ہوتا تو اچھا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جیسے میں نے حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ اس وقت سے کبھی زنا کیا نہ جھوٹ بولا' نہ داہنے ہاتھ سے اپنی شرم گاہ کو چھوا۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے شروع اسلام سے کوئی کلمہ غلط اور قابل گرفت منہ سے نہ نکلا سوائے اس کلمہ کو جو آج میرے منہ سے نکلا ہے۔ وہ یہ تھا کہ آپ نے اپنے غلام سے کہا تھا کہ دستر خوان لے آؤ اور اس کو بھیج دو اور صبح کا کھانا منگوا دو۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ بلا ضرورت کبھی فضول کلام زبان پر نہیں گزرا مگر آج اتفاق ہوگیا۔ حضرت ابو سفیان نے نزع کے وقت اپنے گھر والوں کو فرمایا کہ مجھ پر نہ رونا۔ اس لیے کہ میں نے شروع اسلام سے آج تک کوئی گناہ نہیں کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ سے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کوئی حکم جاری فرمایا ہو اور میں نے اس کو اچھا نہ جانا ہو۔ اللہ کا ہر امر خوب ہے اور مجھے خواہش نفسانی ہمیشہ ایسی جگہ پر ہوئی جو اللہ نے میرے مقدر میں لکھ دی تھی۔

فائدہ: ان روایات سے معلوم ہوا کہ یہ تمام باتیں عمدہ اموال کے ظاہر کرنے میں منقول ہیں اور ان میں نہایت اعلیٰ ترغیب ہے۔

قاعدہ: نیک بات کہنے والا اگر مقتدا ہو تو ایسی باتیں خوب ہیں ورنہ ریا کاری ہے۔ اگر کہنے والا ریا کار ہو۔

خلاصہ: اس قسم کی باتوں کا اظہار اللہ والوں کے لیے .مقصد ترغیب جائز ہے اور اس میں وہی شرطیں ہیں جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔

فائدہ: باب اظہار اعمال کو بالکل مسدود کرنا مناسب نہیں اس لیے کہ طبیعتیں نشہ اقتدا کو بہت چاہتی ہیں۔ یہ بات فطرت انسانی میں داخل ہے کہ ریاء کار بھی اگر اپنی عبادت ظاہر کرتا ہے اور دوسرے لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا کہ ریا کے لیے کرتا ہے تو اس سے بھی لوگوں کو بہت فائدہ ہو جاتا ہے۔ مگر اس کے حق میں مضر ہے۔ بہت سے مخلص ایسے

ہیں کہ ان کے اخلاص کا سبب یہی ہوا کہ انہوں نے اقتداء کسی ریا کار کی اگرچہ وہ اللہ کے نزدیک ریا کار تھا مگر اس کی اقتدا سے دوسروں کو فائدہ ہوگیا۔

عجوبہ: بصرہ شہر کی گلی کوچوں میں نماز صبح کے وقت اگر کوئی گزرتا تو گھروں میں تلاوت کی آواز سنائی دیتی تھی۔ مگر جب ایک عالم دین نے ایک کتاب دقائق ریا کے متعلق لکھی تو تمام لوگوں نے تلاوت قرآن ترک کردی پھر اس کی رغبت اوروں کو بھی نہ ہوئی۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کتاب نہ لکھی جاتی تو خوب تھا۔

مسئلہ: ریا کے اظہار سے بھی فائدہ ہوتا۔ بشرطیکہ یہ معلوم نہ ہو کہ ریاء کی وجہ سے عمل کرتا ہے۔

حدیث: ان اللہ یوید ھذا الذین بالرجل الفاجر باقوام الاخلاق لھم ترجمہ: بے شک اللہ اس دین فاسق و فاجر سے تائید کراتا ہے اور ایسے لوگوں سے کہ جن کے اخلاق اچھے نہیں۔

فائدہ: جن ریاء کاروں کو دیکھ کر لوگ اعمال خیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ اسی حدیث کے مصداق ہیں۔

گناہوں کے اظہار و اخفاء کی مذمت: اخلاص کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ باطن و ظاہر یکساں ہو جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی کو ارشاد فرمایا کہ ہمیشہ عمل کے اظہار کو اپنے اوپر لازم کرو۔ اس نے عرض کیا کہ عمل اظہار کا کیا مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ عمل کے اظہار سے کہ اگر کوئی دوسرا اس پر آگاہ ہو جائے تو اس سے شرم نہ کرے۔ ابو مسلم خولانی کا قول ہے کہ میں کوئی ایسا عمل نہیں کرتا جس پر لوگوں کا مطلع ہونا برا محسوس ہوتا ہو مگر اپنی منکوحہ سے ہم بستر ہونا اور بول و براز میں اطلاع بری معلوم ہوتی ہے۔

فائدہ: یہ درجہ بہت بڑا ہے اور ہر ایک کو نہیں مل سکتا۔ ورنہ عام انسان کا یہ حال ہے کہ دل اور اعضائے ظاہری سے گناہ کرکے چھپاتا ہے اور لوگوں کو اس پر مطلع ہونا برا جانتا ہے بالخصوص جب دل پر وساوس شہوات گزرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے۔

مسئلہ: کسی کا گناہ اگرچہ ہم جنس ہوا سے مخفی کرنا بظاہر اچھا معلوم ہوتا ہے کہ ریاء ممنوع میں داخل ہے مگر واقع میں ایسا نہیں بلکہ واقع میں ممنوع یہ ہے کہ اپنے عیب اس لیے چھپائے کہ لوگوں کو محسوس ہو کہ متقی اور پرہیز گار ہے حالانکہ وہ ایسا نہ ہو۔ ریاء کار کا عمل چھپانا اسی قسم کا ہوتا ہے۔

مسئلہ: جو شخص نیک بخت ریاء کار نہیں اسے بھی اپنے عیب چھپانے چاہیں۔ اگر ان پر کوئی مطلع ہو جائے تو اسے غم کرنا جائز ہے۔

پردہ پوشی اور غم کے وجوہ: پردہ پوشی اور غم کی آٹھ وجہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو انسان کا عیب چھپا رکھا تھا۔ یہ

اس سے خوش تھا۔ جب پردہ فاش فرمایا تو اس کو اس وجہ سے غم ہوا کہ قیامت میں بھی پردہ فاش ہوگا کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ من ستر اللّٰه علیه فی الدنیا ذنیا سنره اللّٰه علیه فی الاخرة ترجمہ: جس کے گناہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں چھپائے۔ آخرت میں بھی اس کے گناہ چھپائے گا۔ یہ غم قوت ایمان کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظاہر ہونا گناہوں کا اچھا نہیں ان کی پردہ پوشی محبوب ہے۔

حدیث شریف: من ارتکب شیئا من هذا القاذرت فلیسر بسنر اللّٰه ترجمہ: جو ان چیزوں یعنی پلید ہوں کا مرتکب ہوا اسے چاہئے وہ اللہ کے ستر میں چھپے اگر وہ گنا کی وجہ سے اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی مگر دل میں اسے اس کی محبت ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب تھی اور جو چیز اس کو بری محسوس ہوتی ہے وہ اس نے بھی بری سمجھی اور اس پر غم کیا۔ اس کا منشا یہی ہے کہ ظہور معاصی کو اللہ تعالیٰ کے برے جاننے پر ایمان قوی ہو اور اس کی علامت یہ ہے کہ اگر کسی دوسرے کا گناہ ظاہر ہو جائے تو ایسا ہی غم ہو جیسے اپنے گناہ کے ظہور گناہ کی وجہ سے لوگوں کی مذمت سے رنج کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مذمت کی وجہ سے دل اور عقل کو غم ہوتا ہے اور اسی غم کی وجہ سے دونوں طاعت الٰہی سے باز رہتے ہیں کیونکہ طبیعت مذمت سے ایذا پاتی ہے اور عقل سے نزاع کر کے اس کو طاعت سے روک دیتی ہے۔ اس اعتبار سے چاہئے کہ جس تعریف کہ دل اللہ کے یاد سے روگردان ہو اس تعریف کو برا سمجھ کر رنج کرے کیونکہ جو علت مذمت میں ہے وہی یہاں ہے بلکہ اور مزید قوت ایمان اس لیے کہ ادائے طاعت کے لیے فراغ دل کی طرف رغبت کا دوست ہونا ایمان ہی تو ہے۔ یہیں سے ثابت ہوتی ہے اور گناہوں کے چھپانے کی رغبت اس لیے ہوتی ہے کہ عوام کی مذمت سخت معلوم ہوتی ہے۔ اسی اعتبار سے رنج بھی ہوتا ہے اور دل کو ایذا پہنچتی ہے اس لیے کہ مذمت سے دل کو ایسا صدمہ دیتی ہے جیسے مارنے سے بدن کو دکھ پہنچتا ہے۔

فائدہ: رنج کرنا دل کا مذمت سے حرام نہیں نہ انسان اس کی وجہ سے گناہ گار ہوگا البتہ گناہ گار اس صورت میں ہوتا ہے کہ مذمت سے نفس مجبور ہو کر اس کے ڈر سے کسی امر ممنوع کا مرتکب ہو۔

مسئلہ: انسان کو ضروری نہیں کہ مخلوق کی مذمت سے رنج و الم نہ کرے ہاں کمال صدق یہ ہے کہ اس سے عادت ریا مٹ جائے اور اس کے نزدیک برا کہنے والا اور تعریف کرنے والا برابر ہوں کیونکہ اسے معلوم ہے کہ نفع اور نقصان دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور بندے تو عاجز ہیں مگر اس خیال کے لوگ بہت کم ہوتے ہیں اکثر طبیعتوں کو مذمت سے ایذا ہوتی ہے کیونکہ مذمت کی وجہ سے وہ اپنی کمی سے آگاہ ہوتے ہیں اور بعض اوقات مذمت سے رنج ہونا اچھا بھی ہوتا ہے خصوصاً جب کہ برا کہنے والا دین کا خیر خواہ اور صاحب بصیرت ہو کیونکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے گواہ ہوتے ہیں۔ ان کی مذمت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک بھی مذموم ہے اور دین میں ناقص بھی تو کس طرح غم نہ ہوگا یہ بات تو رنج غم کی ہے۔

غم غلط کی نشانی: وہ یہ ہے کہ لوگ کسی کے متقی ہونے کی تعریف نہیں کرتے تو وہ مغموم ہو جائے تو تعریف نہیں کرتے گویا وہ اپنے تقویٰ پر تعریف چاہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت پر حمد کا کرنا پھر اس پر خوش ہونا جائز ہے۔ اس لیے کہ طاعت اللہ پر ثواب دوسرے سے ثواب طلب کرنا تو نہیں۔ اگر ایسا خطرہ دل میں آئے تو واجب ہے کہ اس کو مکروہ جان کر رد کرے لیکن گناہ پر لوگوں کے برا کہنے سے کراہت کرنا فطرتی امر ہے اور وہ مذموم نہیں اس لیے گناہ کو پوشیدہ رکھا۔ اس خوف سے کہ لوگ برا نہ کہیں' جائز ہے یہ بھی ممکن ہے کیونکہ انسان مدح کی امید نہ رکھتا ہو مگر مذمت کو برا جانتا ہو اور اس سے اس کا مقصد یہ ہو کہ لوگ مجھے نہ اچھا کہیں نہ برا مثلاً اکثر لوگ لذت حمد سے الم مذمت پر صبر نہیں کرتے اس لیے کہ حمد لذت کے لیے مطلوب ہوتی ہے اور لذت نہ ہونے سے کوئی درد نہیں ہوتا مگر مذمت درد کا سبب ہے۔

فائدہ: طاعت پر حمد کی خواہش کرنا اس طاعت کا ثواب اسی وقت لے لینا ہے۔ آخرت میں اس کا ثواب ملے گا۔

فائدہ: گناہ پر مذمت کو برا جاننے میں کوئی حرج نہیں مگر یہ خیال رکھنا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگوں کے مطلع ہونے کے رنج میں اللہ کا مطلع ہونا بھول جائیں۔ یہ نہایت درجہ کا دین میں نقصان ہے بلکہ یوں مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مطلع ہونے اور اس کی مذمت کا زیادہ غم ہو۔

نکتہ: مذمت کو تو اس وجہ سے برا جانے کہ مذمت کرنے والے نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور یہ بات بھی ایمان کی وجہ سے پیش آتی ہے۔

علامت ایمان: اس کی علامت یہ ہے کہ اگر لوگ دوسرے کی مذمت کرتے تو بھی اسے اتنا رنج ہو جتنا اپنی مذمت سے ہوا ہے کیونکہ علت رنج دونوں صورتوں میں برا ہے۔

فائدہ: گناہ کو اس لیے پوشیدہ کرتا ہے تاکہ اطلاع ہونے پر کوئی کسی طرح برائی نہ پہنچادے اور یہ صدمہ مذمت کے علاوہ ہے۔ مذمت کا صدمہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ انسان کے دل کو اپنے نقصان و خست کا شعور ہوتا ہے اگرچہ ایسا شخص مذمت کرے جس کے شر سے بے خوف ہو مگر بعض اوقات خوف ہوتا ہے کہ اگر گناہ پر کسی کو اطلاع ہوگی تو وہ کسی اور سبب سے شرارت کرے گا۔ اس صورت میں جائز ہے کہ اس شرارت کے خوف سے گناہ خفیہ رکھے۔ (وجہ نمبر7) حیا کا ہونا گرچہ یہ بھی ایک طرح کا درد دل ہے اور یہ درد مذمت اور شرارت کی تکلیف کے علاوہ ہے لیکن حیا ایک اعلیٰ عادت ہے جو شروع بچپن میں سن تمیز کے وقت (جب نور عقل چمکتا ہے) پیدا ہوتی ہے اس وجہ سے اگر اس کی بری باتوں کو دیکھ لیا ہے تو شرم کرتا ہے اور ایک وصف محمود ہے۔

احادیث رسول عربی ﷺ: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا الحیا خیر کلہ ترجمہ: حیا ہر

طرح خیر ہے۔ الحیا شعبتہ من الایمان ترجمہ: حیاء ایمان کی شاخ ہے۔ الحیا لا یاتی الابخیر ترجمہ: حیاء بھلائی لاتا ہے۔ فرمایا کہ ان اللہ یحب الحی الحلیم ترجمہ: اللہ تعالیٰ حیاء و حوصلہ والے بندے کو پسند کرتا ہے۔

فائدہ: جو فسق کرتا ہے اور اس کی کچھ پروا نہیں کرتا کہ لوگوں کو اس کا فسق معلوم ہو جائے گا وہ فسق کے ساتھ اپنی پردہ دری اور بے شرمی زیادہ کرتا ہے۔ یہ اس شخص کی بہ نسبت برا ہے جو فسق کو چھپا کر شرم کرتا ہے۔

مسئلہ: حیاء ریاء کے بہت مشابہ ہے۔ بہت کم لوگ اس کی تمیز کرتے ہیں۔ ہر ایک ریاء کار یہی دعویٰ کرتا ہے کہ میں حیا دار ہوں اور عبادات کو اچھی طرح ادا کرتا ہوں۔ اس کا سبب یہی حیاء ہے کہ لوگوں سے شرم آتی ہے۔ یہ ریاء کار کا جھوٹ ہے بلکہ حیاء ایک اچھی عادت ہے جو اچھی طبیعت سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے بعد سبب ریا اور سبب اخلاص جوش میں آتے ہیں۔

فائدہ: حیا سے دو متضاد عادتیں پیدا ہوئیں تو ممکن ہے کہ انسان کے حیا کی وجہ سے اخلاص پیدا ہو یا ریاء

مثال: فرض کرو کہ ایک شخص اپنے دوست سے قرض مانگتا ہے اور اس کا دل قرض دینے کو نہیں چاہتا مگر اسے قرض دینے کے انکار سے حیاء کرتا ہے اور جانتا ہے کہ وہ شخص کسی دوسرے کی زبانی قرض کے لیے کہلا بھیجتا تو شرم نہ آتی اور قرض دیتا نہ ریاء کی وجہ سے اور نہ ثواب کے سبب سے تو اس قرض دینے والے کے کئی احوال ہیں۔ (۱) صاف جواب دے دے اور قلب حیاء کی پروا نہ کرے تو یہ بے حیاؤں کا کام ہے۔ حیاء دار بہانہ کرتے ہیں یا قرض دیتے ہیں۔ (2) دینے کی صورت میں تین حال ہیں۔ (۱) ریاء کے ساتھ حیاء کی آمیزش ہو مثلاً اول حیاء آئی کہ جواب دینا برا ہے۔ (2) پھر ریاء کا محرک ہوا اور دل میں کہنے لگا کہ دینا ہی چاہئے تاکہ قرض خواہ میری تعریف کرے اور وہ سخاوت میں مشہور ہو۔ (3) اس لیے قرض دینا مناسب ہے کہ وہ برا نہ کہے اور بخل کی طرف منسوب نہ کرے۔ اس صورت میں اگر دے گا تو ریاء کی وجہ سے دے گا مگر یہ ریاء کے جوش و تحرک سے پیدا ہوتا ہے۔ (2) حیاء کے سبب صاف جواب نہیں دے سکتا اور نفس کے بخل کی وجہ سے قرض بھی نہیں دیتا۔ اس حالت میں اس پر سبب اخلاص کا غلبہ ہوا اور دل میں کہے گا کہ صدقہ دینے کا تو ایک ہی ثواب ہے اور قرض کا اٹھارہ گناہ ثواب ہے یعنی اس میں بہت زیادہ ثواب ہے اور دوست کا دل خوش کرنا اس پر علاوہ ثواب اور اللہ کے نزدیک بہت اچھا عمل ہے۔ یعنی اس ترغیب پر اس کا نفس قرض دینے پر راضی ہوگیا تو وہ شخص مخلص ہے اور اس کا اخلاص حیاء کے سبب پیدا ہوا ہے۔ (3) دینے والے کو نہ رغبت ثواب ہے نہ قرض خواہ کو مذمت کا خوف نہ اس کی تعریف کا خیال اس لیے کہ ان سے اگر کوئی بات ہوتی تو غیر کی زبانی کہلا بھیجنے پر بھی قرض دے دیتا اور خیال یہ ہے کہ اگر کوئی مانگنے آتا تو دیتا تو اس صورت میں صرف قرض خواہ سے شرم کرکے قرض دے دیا اگر اس کی شرم نہ ہوتی تو جواب دے دیتا یا کوئی ایسا شخص آتا جس کا لحاظ نہ کرنا پڑتا مثلاً کوئی اجنبی یا نکما آدمی مانگتا تو اس کو ہٹا دیتا قرض نہ دیتا غرضیکہ اس طرح کا دینا

صرف حیاء کی وجہ سے ہے اور یہ صورت حیاء کی بری باتوں میں پیش آتی ہے۔ جیسے بخل اور ارتکاب گناہ وغیرہ۔

فائدہ: ریاء کار مباحات میں بھی شرماتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر دوڑا جاتا ہو تو لوگوں کے دیکھنے سے ٹھہر جاتا ہے یا ہنس رہا ہو تو چپ ہو جاتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ میں حیاء کرتا ہوں حالانکہ یہ حیاء نہیں عین ریاء ہے۔

لطیفہ: مشہور ہے کہ بعض حیاء اچھی نہیں ہوتی یہ درست ہے اس حیاء سے وہ حیاء مراد ہے جو ایسی چیزوں میں ہو عمل کرنے کے لائق ہیں۔ مثلاً لوگوں کو نصیحت کرنے سے حیاء کرنا یا نماز پڑھانے سے حیاء کرنا اس قسم کی حیاء اگر عورتوں اور بچوں میں ہو تو اچھی ہے اور مردوں میں اچھی نہیں۔

فائدہ: کبھی انسان کسی بوڑھے کو کسی معصیت کا مرتکب دیکھتا ہے مگر اس کو بوڑھا ہونے کی وجہ سے منع کرتے شرم آتی ہے اس لیے کہ بوڑھے کی تعظیم ثواب ہے۔ یہ حیاء اچھی ہے مگر اس سے بہتر یہ ہے کہ اللہ سے شرم کرکے بوڑھے کو برائی سے روکے۔ اس سے امر بالمعروف کا ترک نہ کرے۔

بری عادت: ایک عام بری عادت پھیلی ہوئی ہے کہ اللہ کی شرم کو لوگوں کی شرم پر ترجیح دیتے ہیں۔

نکتہ صوفیانہ: عوام میں یہ عادت نہیں کہ گناہ کے ظاہر ہونے سے یہ خوف ہو کہ کوئی دوسرا شخص اس کی پیروی میں ایسا کرے گا ہاں یہ وجہ کہ اظہار طاعت میں جاری ہے۔ یعنی اظہار خیر اس وجہ سے جائز ہے کہ اس ترغیب و اقتدا ہوگی لیکن یہ وجہ ائمہ اور مقتداء و علماء سے مخصوص ہے۔

فائدہ: گناہ کے چھپانے میں یہ علت خاص نہ رہنی چاہئے۔ عوام کو بھی اس کا پابند ہونا چاہئے۔ ان کو لائق نہیں کہ اپنا گناہ اپنی زن و فرزند پر ظاہر کرے ورنہ وہ بھی اس کی اقتدا کرکے ویسے ہی ہو جائیں گے۔

فائدہ: گناہ کے چھپانے میں یہ آٹھ اعذار و اسباب ہیں اور ظاہر طاعت میں بجز ائیں آٹھ عذر کے اور کوئی سبب نہیں۔

مسئلہ: معصیت کو چھپانے سے یہ مقصد ہے کہ لوگوں کے خیال میں متقی ہے تو ریاء کار ہوگا جیسا کہ اظہار طاعت اس سے غرض ہو تو وہ بھی ریاء ہے۔

سوال: اگر ایسے ہے تو پھر ہر ایک کو جائز ہے کہ اپنے صالح ہونے کی وجہ سے لوگوں کی مدح کو محبوب جانے اور لوگ اس کو اسی وجہ سے محبوب سمجھیں۔ حدیث شریف میں ہے کسی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے ایسا عمل ارشاد فرمایئے جس سے اللہ تعالیٰ مجھے محبوب بنائے اور مخلوق بھی محبوب سمجھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں زہد کر اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرے گا اور اس بیکار مال کو لوگوں کی طرف پھینک دے وہ تیرے ساتھ

محبت کریں گے۔

جواب: لوگوں کی محبت اپنے لیے محبوب جاننا کبھی مباح ہے اور وہ کبھی اچھی ہوتی ہے اور کبھی بری اچھی تو اس لیے کہ لوگوں کی محبت کو اس لیے محبوب سمجھے کہ اس کی وجہ سے محبت الٰہی کا تصور بڑھے اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو بندوں کے دلوں میں اس کو محبوب بنا دیتا ہے اور مذموم وہ صورت ہے کہ یہ چاہئے کہ نماز روزہ اور حج و جہاد یا کسی اور طاعت معین پر لوگ اس کی مدح و ثناء کریں اور یہ اس لیے مذموم ہے کہ طاعت الٰہی پر اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے سے عوض کا خواستگار ہوتا ہے۔

صورت مباح: صورت مباح یہ ہے کہ لوگوں کی محبت سوائے طاعات اور صفات محمودہ کے سبب خواہاں ہو اس محبت کا حکم محبت مال کے حکم جیسا ہے کیونکہ عوام کی دلوں کا مالک ہوتا ہے اغراض کے حصول کا وہی ذریعہ ہے جو مال کے مالک نے میں ہے۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

ریاء کے خطرہ سے کار خیر کا ترک: بعض لوگ ریاء کے خطرہ سے عمل خیر ترک کر دیتے ہیں۔ یہ ان کی غلطی اور شیطان کی مدد کرنی ہے۔ ریاء کے خوف سے عمل کرنے اور نہ کرنے کی تفصیل ہے وہ یہ کہ طاعات دو قسم ہیں۔ (1) وہ جن میں ذاتی طور کوئی لذت نہیں۔ جیسے نماز' روزہ و حج و جہاد کہ ان میں محنت و مجاہدہ ہی ہے اور لذیذ اس وجہ سے ہو جاتی ہیں کہ عوام کی تعریف کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں اور وہ لذیذ کام ہے وہ لوگوں کے مطلع ہونے سے ہوتی ہے۔ (2) یہ خود ذاتی طور پر لذیذ ہے۔ وہ ایسی طاعات ہیں۔ اپنے اوپر موقوف نہیں بلکہ مخلوق سے متعلق ہیں جیسے خلافت اور قضاء اور حکومت اور محتسب ہونا (ممبر بنا) امامت نماز وعظ و تدریس اور لوگوں کا مال تقسیم کرنا وغیرہ (عشر و زکوٰۃ کا چیئرمین اور ممبر بنا وغیرہ وغیرہ) ان میں مخلوق کے تعلق اور لذت ہونے کی وجہ سے زیادہ آفت ہے۔ قسم اول۔

تفصیل قسم اول: وہ طاعات جو انسان کے اپنے سے متعلق ہیں اور ذاتی طور پر ان میں لذت بھی نہیں جیسے نماز روزہ اور حج خطرات ریاء ان میں تین طرح ہیں اور وہ عمل سے پہلے لوگوں کے دکھلانے کو ابتدائے عمل کا سبب ہو اور کوئی دینی سبب اس کے ساتھ نہ ہو تو ایسے عمل کو چھوڑ دینا چاہئے۔

علاج: ایسے عمل کا ترک ضروری ہے اس لیے کہ وہ سرا سر گناہ ہے۔ اس میں کوئی طاعات نہیں بلکہ یہ لباس طاعت میں جاہ و منزلت کی خواہش ہے۔ پھر اگر کسی سے یہ ہو سکے تو اپنے اپنے نفس سے سبب ریاء کو دور کرے اور خود سمجھائے۔ تجھے اللہ سے شرم نہیں آتی ہے کہ اس کے بندوں کے لیے عمل کرتا ہے اور اللہ کے لیے نہیں کرتا اور اس نمائش سے اگر نفس اللہ کی رضا کے لیے عمل کرنے کو تیار ہو کر تدراک مافات کرے تو چاہئے کہ عمل میں مشغول ہو۔ (2) عمل کرنے کے لیے تو اللہ کی رضا پر آمادہ تھا لیکن درمیان میں عبادت کے ساتھ یا اس کے ابتدا میں

پیش ہوگیا تو اس صورت میں عمل نہ چھوڑنا چاہیے اس لیے دینی سبب کہ باعث پایا گیا تو چاہیے کہ عمل شروع کردے اور اپنے نفس پر زور دے کہ ریاء کو دفع کر کے اخلاص سے عبادت جاری رکھے اور وہ علاج بھی ساتھ ہو جسے ہم نے ذکر کیا ہے۔ یعنی کراہت ریاء اور اس کے ماننے سے انکار اور یہ اپنے نفس پر لازم کرے۔ تیسرے یہ کہ نیت عبادت اخلاص پر ہو مگر پھر ریاء اور اس کے اسباب درمیان عبادت میں طاری ہو جائیں اس صورت میں بھی دفع ریاء کے لیے مجاہدہ ضروری ہے اور عمل چھوڑنا مناسب نہیں بلکہ اپنے نفس کو اخلاص کی طرف راجع کرے اور اختتام عمل تک اسی پر مداومت کرے۔

نکتہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان پہلے تو یہی چاہتا ہے کہ انسان عمل صالح نہ کرے اگر نہ مانا اور اس نے عمل شروع کیا تو ریاء کی طرف کھینچتا ہے۔ اگر اس کو بھی نہ مانا اور اس نے کام جاری کیے رکھا تو کہتا ہے کہ یہ عمل خاص اللہ عزوجل کیلئے نہیں جو ریاء کار ہے اور محنت تیری برباد ہے اس لئے کہ جس عمل میں اخلاص نہ ہو اس سے تو کوئی فائدہ نہیں۔ شیطان یہی کہے جائے گا یہاں تک کہ سالک عمل صالح چھوڑ دے اور یہی اس کا مقصد ہوتا ہے۔

مثال: جو سالک نیک عمل ریاء کے خوف سے چھوڑ دے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کسی کے آقا نے ایسے گیہوں دیئے جن میں کچھ ملاوٹ تھی اور کہا کہ ان کو ایسا صاف کر کے اس میں تنکا وغیرہ نہ رہے تو یہ غلام اس ڈر سے کہ اگر میں صاف کروں گا تو اچھی طرح نہ ہوں گے تو بالکل وہ خدمت بجا نہ لائے بلکہ انکار کر دے تو باغی غلام ہوگا۔ یہی حال ہے کہ اخلاص کے نہ ہونے کی وجہ سے اصل عمل بھی چھوڑ دیا جائے۔

مسئلہ: اگر عمل کو اس خوف سے چھوڑ دے کہ لوگ مجھے ریاء کار کہنے سے گناہ گار ہوں گے اس کا وبال مجھ پر رہے گا تو یہ بھی شیطان کا دھوکہ ہے اس لیے کہ اس نے مسلمان پر بدظنی کی جو اس کے شایان شان نہ تھی۔ نیز ان کا قول اس کے لیے مضر نہیں جب ان کا قول اسے مضر نہیں تو ثواب کیوں ضائع کرتا ہے اور یہ بھی ہے کہ اعمال صالح اس لیے چھوڑنا کہ لوگ ریاء کار کہیں گے یہ خود ریاء ہے کیونکہ اگر اسے عوام کی مدح و مذمت کا خطرہ نہ ہوتا تو ان کے قول کی پروا نہ کرتا وہ ریاء کار کہیں یا مخلص۔ (۱)

فائدہ: عمل کو اس خوف سے چھوڑ دینا کہ لوگ ریاء کار کہیں گے یا اس سبب سے اچھی طرح بجالانا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ غافل اور سست ہے ان دونوں میں کیا فرق ہوا بلکہ عمل چھوڑنا ہی خود بہت برا ہے۔

علاج: یہ سب شیطان کے فریب ہیں۔ وہ جاہل عبادت گزار اور صوفیوں کے ساتھ ایسے کیا کرتا ہے۔ پھر عمل چھوڑنے سے یہ کیسے معلوم ہوا کہ شیطان سے بچ جاؤں گا۔ وہ تو پیچھا نہیں چھوڑے گا بلکہ ترک عمل کے بعد یوں کہے گا کہ اب لوگ تجھ کو تارک عمل کہیں گے کہ یہ شخص شہرت کا طالب نہیں۔ بڑا مخلص ہے ایسی باتوں سے اسے

سلوک کی اس منزل کو امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ نے بیان فرمایا ہے۔ اویسی غفرلہ

شہر چھوڑ کر بھاگنا پڑے گا۔ پھر اگر بھاگ کر کسی بل (غار) میں گھس جائے گا تو شیطان دل میں خیال ڈالے گا کہ کسی طرح لوگوں میں مشہور ہو کہ فلاں شخص زاہد ہو کر بھاگ گیا اور کنارہ کشی کرلی ہے تاکہ اس طریقہ سے ان کے دلوں میں عظمت ہو جائے۔ شیطان کے فریبوں سے کوئی صورت نجات کی نہیں بجز اس کے کہ آفت ریاء کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ اس کی وجہ سے آخرت میں نقصان ہے اور دنیا کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ برا ہی جاننا چاہئے اور دل میں اس کا انکار ہی رہے اس طرح ہمیشہ عمل نیک کام ہے اور وساوس کی پروا نہ کرے۔ اگر دشمن سے نزاع کرے گا تو کچھ کوئی انتہا نہیں اور اس کے لیے عمل چھوڑنا اپنے آپ کو بیکار کرنا اور نیکیوں سے محروم رکھنا ہے۔

قاعدہ: جب تک عمل کا باعث دینی ہو تب تک نیک عمل نہ چھوڑے بلکہ ریاء کے خیال کو ہٹائے اور دل میں اللہ تعالیٰ سے شرم کرے کہ نفس یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طاعت کے عوض میں مخلوق کی طاعت کو اختیار کرے تو کیا اللہ تعالیٰ کی حمد کم ہے وہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔

مسئلہ: اگر لوگوں کو دل کا حال معلوم ہو جائے کہ ہمارے اچھا کہنے کے سبب سے عمل کرتا ہے تو وہ اس سے بے شک بغض کریں گے اس صورت میں اگر سالک سے ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ سے شرم کرکے اپنے نفس کو سزا دینے کے لیے عمل زیادہ کرے تو کرنا چاہئے۔

مسئلہ: اگر شیطان سالک کہے کہ تو ریاء کار ہے تو جان لینا چاہئے کہ وہ جھوٹا ہے بشرطیکہ دل میں ریاء کی اور اس کے قبول کرنے کی برائی موجود ہو اور اسے خوف اور شرم اللہ تعالیٰ سے حاصل ہو اور اگر نہ دل میں برائی ریاء کی نہ ہو اور نہ خوف' نہ شرم اور نہ عمل کا کوئی باعث دینی بلکہ صرف ریاء کا تصور ہو تو عمل نہ کرنا چاہئے مگر یہ امر نہایت بعید ہے اس شخص سے جو اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرتا ہے اس لیے کہ اس کے ساتھ اصل قصد ثواب تو رہتا ہے۔ (فلہذا ریاء میں بھی نیک عمل ترک نہ کرے)

سوال: شہرت کے خوف سے نیک عمل ترک کرنا اکابر و اسلاف سے منقول ہے۔ (1) مروی ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ تلاوت کر رہے تھے کہ آپ کے ہاں کوئی ملاقاتی آیا۔ آپ نے کلام اللہ بند کرکے تلاوت ترک کردی اور کہا کہ اسے معلوم نہ ہو کہ ہم ہروقت تلاوت کرتے ہیں۔ (2) حضرت ابراہیم تیمی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی کو اپنا بولنا اچھا معلوم ہو تو چپ ہو جائے اور سکوت اچھا معلوم ہو تو گفتگو کرے۔ (3) حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض اکابر راستہ کی ایذا کی چیزیں دیکھتے تھے مگر شہرت کے خطرہ سے انہیں نہیں اٹھاتے تھے اور بعض کو رونا آتا تھا مگر شہرت کے خوف سے اسے ہنسی سے بدل دیتے تھے۔ اس طرح کی بے شمار آثار منقول ہیں۔

جواب جمالی: شہرت کے خوف سے تو ترک عمل کی صرف چند روایات ہیں اور اس کے مقابل اظہار طاعت کے بے شمار مضامین منقول ہیں۔ علاوہ ازیں جس قدر خوف شہرت رونے اور راستے کی ایذا دور کرنے میں ہے اس سے

زیادہ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس کلام کے وعظ میں ظاہر کرنے میں ہے۔ باوجود اس کے کہ خود بہت اور خوب وعظ فرماتے تھے۔ آپ نے کبھی ان امور کو ترک نہیں فرمایا۔ خلاصہ یہ کہ ترک نوافل کا جائز اور ہمارا کلام افضل ہے اور افضل پر اولیاء کرام قادر ہوتے ہیں۔ عوام کا کام نہیں۔ افضل یہی ہے کہ عمل کو مکمل کریں اور اخلاص پر کوشش کریں اور انہیں ترک نہ کریں اور ارباب اعمال شدت خوف کی وجہ سے کبھی نفسوں کا علاج افضل کے خلاف کرنے سے کرلیا کرتے۔ اسی لیے اقتدائے اولیاء کرام ضروری ہے۔

جوابات تفصیلی: وہ جو حضرت ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے تو شاید اس خیال سے ہو کہ اس ملاقاتی کے آنے پر تلاوت بند کرنی پڑیگی اور اس کے چلے جانے کے بعد پھر شروع کرنا ہوگا کیونکہ اس سے باتیں کرنی ہوں گی تو یہ خیال کیا ہوگا کہ اس کی دلداری کے لیے باتیں تو کرنی پڑیں گی اگر تلاوت بھی ایسی طرح موقوف کی جائے تو حرج نہیں۔ نیز اس میں ریا سے بھی بچاؤ ہے۔ اس طرح حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ ظاہر ہوتا ہے۔ (اویسی غفرلہ)
راستے کی اشیاء نہ اٹھانا ان لوگوں سے سرزد ہوتا ہے جو اپنے نفس پر آفت شہرت سے ڈرتے ہیں اور یہ خوف کرتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس عوام کا ہجوم ہوگا تو عبادتیں و ایذا کے دور کرنے سے عظیم ہیں۔ ان کے مانع ہوں گے اس امر کا چھوڑنا ان عبادت کی محافظت کی وجہ سے تھا نہ صرف خوف ریا سے۔ حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ جب کلام کرنا اچھا معلوم ہو تو چپ رہنا چاہیے۔ اس سے شاید ان کی مراد کلام مباح ہو جیسے فصاحت و خوش بیانی کی حکایات وغیرہ جس سے عجب پیدا ہوتا تو اسی طرح سکوت مباح سے بھی عجب ممنوع ہے تو اس کا مال یہ ہے کہ ایک مباح چھوڑ کر بخوف عجب دوسرے مباح کو اختیار کرنا چاہیئے اور کلام حق میں مستحب کی تفریح نہیں کہ اسے بھی نہ کہنا چاہیئے۔ علاوہ ازیں آفت جو کلام میں زیادہ ہوتی ہے وہ قسم ثانی میں ہے اور ہم ان عبادات کا بیان کر رہے ہیں جو خاص بدن انسان سے ہوتی ہوں اور اس میں مخلوق کا تعلق نہ ہو اس قسم میں آفات زیادہ نہیں ہیں۔ حضرت حسن بصری کا قول جو ترک گریہ اور دفع ایذا کا فرمایا تو وہ بخوف شہرت کے ہو سکتا ہے کہ وہ حال ان عوام کا ہو جو افضل شے کو نہیں جانتے اور نہ ان باریکیوں کو پہچانتے ہیں۔ آپ نے صرف آفت شہرت سے لوگوں کو ڈرانے کے لیے فرمایا ہو کہ یہ سن کر شہرت کی طلب سے باز رہیں۔

قسم نمبر2: وہ عبادات جن کا تعلق مخلوق سے ہے اس میں خطرات و آفات بہت زیادہ ہیں۔ سب سے زیادہ خطرہ خلافت اور امامت میں ہے۔ پھر حکومت قضا پھر وعظ و تقریر اور تدریس و فتویٰ پھر مال کا تقسیم کرنا وغیرہ (جیسے آج کل ممبر بننا اور حکومتی امور میں حصہ لینا جن پر حقوق کی ادائیگی میں قدرت نہ ہو (اویسی غفرلہ)

تفصیل اعمال: خلافت یعنی اہل اسلام پر سرداری کرنا اگر عدل و اخلاص کے ساتھ ہو تو افضل عبادت ہے (لیکن اس کے لیے مردان خدا چاہیں۔) حدیث شریف میں ہے الیوم امام عادل خیر من عبادۃ الرجل وحدہ ستین

عاما امام عادل کا ایک دن عام آدمی کی ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

فائدہ: اس سے بڑھ کر اور کون سی عبادت ہوگی جس کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہو۔ اول من یدخل الجننہ ثلا ثتہ الا مام القسط احدھم سب سے پہلے بہشت میں تین شخص داخل ہوں گے ان کا ایک امام عادل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے ثلثۃ لا تردد عونھم الا مام العادل احدھم تین ایسے خوش نصیب ہیں جن کی دعا رد نہیں۔ ان کا ایک امام عادل ہے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اقترب الناس منی مجلسا یوم القیامنہ امام عادل قیامت میں میری مجلس میں میرے قریب امام عادل ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے ثلثنہ لا تردد عونھم الا مام العادل احدھم ترجمہ : تین ایسے خوش نصیب ہیں جن کی دعا رد نہیں ان کاایک امام عادل ہے۔ حضرت ابو سعید قاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا فترب الناس منی مجلسا یوم القیامنہ امام عادل۔ قیامت میں میری مجلس میں میرے قریب امام عادل ہوگا۔ غرضیکہ امامت اور خلافت اعلیٰ عبادت ہے چونکہ اس میں خطرہ بہت زیادہ ہے اس لیے متقی اس سے ہمیشہ کنارہ کرتے رہے کیونکہ اس کی وجہ سے صفات باطنی متحرک ہوتے ہیں اور نفس پر حب جاہ اور لذت مرشیہ اور اجرائے حکومت جو (لذائذ دنیوی میں سے بڑھ کر ہیں) غالب ہو جاتے ہیں جب ولایت کی محبت ہوتی ہے تو حاکم اپنے طور نفسانیات کی کوشش کرتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ خواہش ہوائے نفسانی کی پیروی میں جو امر کہ بخل جاہ ولایت ہوں) اس سے درگزر کرے اور جس چیز سے کہ منزلت زیادہ ہو اگرچہ باطل ہوں اسے بجا لا کر تباہ ہو جائے۔

فائدہ: اسی بڑے خطرے کی وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جب اس عہدے میں اتنی مصیبت ہے تو اسے کون لے سکتا ہے آپ کا ارشاد صحیح ہے (شیعہ نے اس حدیث پر فاروق اعظم کی نااہلی کا سوال اٹھایا فقیر اویسی نے یہی جواب لکھا۔(1)

حدیث شریف: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مامن وال عشرۃ الاجاء یوم القیامۃ مغلولۃ یدہ الی عنقہ اطلقہ عدلہ اور بقہ کوئی حاکم اگرچہ صرف دس آدمیوں پر حکومت کرتا ہے۔ کل قیامت میں آئے گا تو اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن کے پیچھے باندھے ہوئے ہوں گے پھر یا تو اس کا عدل اسے چھڑائے گا یا دوزخ میں لے جا کر تباہ کرے گا۔ (اس سے ممبر بننے والے اور آفیسر جو دفتروں میں کلرکوں اور ماتحتوں پر ظلم کرتے ہیں۔ عبرت پکڑیں (اویسی غفرلہ)

فائدہ: یہ روایت حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کو

کسی جگہ کا والی مقرر کرنا چاہا تو عرض کیا کہ اے امیر المومنین آپ اس معاملہ میں مجھے مشورہ دیجئے کہ قبول کروں یا نہیں آپ نے فرمایا کہ اگر میرا مشورہ چاہتے ہو تو گھر بیٹھو۔ میرے مشورہ کا ذکر اور کسی سے نہ کرنا۔

حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی شخص کو والی بنانا چاہا تو اس نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایئے کہ یہ میرے لیے بہتر ہے آپ نے ارشاد فرمایا نہیں۔

حضرت عبدالرحمان بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کے اے عبدالرحمان حکومت لینے کی درخواست نہ کرنا اس لیے اگر وہ بلاطلب ملے گی تو اس کے لیے تجھے غیبی مدد ہوگی۔ اگر درخواست سے ملے گی تو اسی میں جکڑا ہوگا۔ (آج کل تو یہی ہو رہا ہے کہ درخواست کے ساتھ رشوت دے کر افسری حاصل کی جاتی ہے۔ (اویسی غفرلہ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت رافع بن عمر رضی اللہ عنہما کو فرمایا کہ دو شخصوں پر بھی حکومت نہ کرنا جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ خود خلیفہ ہوئے تو حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ نے مجھے ارشاد فرمایا تھا کہ دو پر بھی حکومت نہ کرنا آپ کو تو تمام امت کی حکومت سپرد ہوئی آپ نے فرمایا کہ وہ قول میرا اب بھی ہے کہ جو شخص حکومت میں عدل نہ کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

سوال کا جواب: شاید بعض لوگ وہ احادیث جو فضیلت حکومت سے وارد ہیں اور جو احادیث کہ اس سے منع کے باب میں وارد ہیں ان کو ایک دوسری کے مخالف سمجھیں حالانکہ ایسا نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ خواص جو دین میں مضبوط ہیں انہیں حکومت نہیں چاہئے کہ حکومت سے انکار کریں اور ضعیفوں پر لازم ہے کہ ان کے گرد نہ پھریں ورنہ ہلاک ہو جائیں گے۔

فائدہ: دین میں مضبوط وہ خوش قسمت ہے جسے دنیا کی طرف نہ پھیرے اور اس پر طمع غالب نہ آسکے اور اللہ تعالیٰ کے کام میں کسی ملامت گر کی علامت سے نہ ڈرے اور یہ وہ لوگ ہیں کہ دنیا میں زہد کرتے ہیں اور مخلوق ان کی نگاہوں سے ساقط ہوتی ہے۔ دنیاؤ مخلوق سے بیزار ہو کر اپنے نفسوں پر بزور قابض ہیں اور شیطان کے مکر کو بالکل جڑ سے اکھاڑ دیتے ہیں حتیٰ کہ وہ ان سے ناامید ہو جاتا ہے (جیسے خلفائے راشدین اور ان کے بعد ان جیسے خلفاء بادشاہ رضی اللہ عنہم) تو اس طرح کے لوگوں کی حرکات و سکنات سب حق پر ہوتی ہیں۔ اگرچہ حق میں ان کی جان چلی جائے۔ پس حکومت و خلافت میں ان ہی لوگوں کو فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

مسئلہ: جسے معلوم ہے کہ میں اس کام کا نہیں ہوں اس پر حکومت اختیار کرنا حرام ہے اور وہ اپنا امتحان کرلے جب

ا۔ دیکھئے فقیر کی تصنیف ذکر اویس (اویسی غفرلہ)

اسے یقین ہو کہ میرا نفس امر حق پر صابر ہے اور شہوات سے ممتنع تو پھر حکومت کرنا اور (افسر بننا جائز ہے)

مسئلہ: جب تک یہ بات ہے کہ ولایت پر مقرر نہ ہو اگر ولایت و حکومت کا مزہ چکھے گا اور جاہ کا ذائقہ اور اجرائے حکم کی حلاوت پائے گا تو اس کے بگڑ جانے کا خوف ہے اور ان امور کے بعد معطل ہونا گوارہ نہ کرے گا بلکہ معطل ہونے کے خوف سے دین میں سستی کرنے لگے تو ایسے شخص کے حق میں علماء کا اختلاف ہے۔ اس کو ولایت کے اختیار کرنے سے گریز کرنا لازم ہے یا نہیں۔ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ ولایت سے احتراز واجب نہیں۔ وجہ یہ فرماتے ہیں کہ اس کو نفس کی طرف سے خوف کا ہونا ایک امر مستقبل ہے اور سردست وہ بجا آوری امر حق میں پکا ہے۔ صحیح و تحقیق یہ ہے کہ احتراز واجب ہے اس لیے کہ نفس مکار ہے۔ خیر و حق کا دعوٰی اور وعدہ کرتا ہے اس کے وفائے وعدہ مشکل ہے۔ اگر بالفرض وعدہ غیر یقینی کرے تب بھی حکومت کے وقت اس کے بدلنے کا خوف رہتا ہے اور اس صورت میں تو پہلے۔ ہی سے متردد ہے۔ علاوہ ازیں عہدہ سے انکار کر دینا تو امر سہل ہے مگر مقرر ہو کر چھوڑنا مشکل ہے۔ اس لیے کہ حکومت ترک کرنے سے صدمہ ہوتا ہے۔ اس لیے کہ عہدہ کی بجا آوری کے بعد ترک کرنے پر دل راضی نہیں ہوتا بلکہ روا داری اور امر حق کے باطل کرنے کی طرف دل میل کرنے لگتا ہے اور اس کی وجہ سے قعر جہنم میں گرتا ہے۔ اس کے باوجود مرتے دم تک اس عہدے کو چھوڑنے کا دل نہیں چاہتا اگر زبردستی سے متروک ہو جائے تو پھر جسے حکومت سے محبت ہوتی ہے تو حکومت چھن جانے پر کتنا پریشانی ہوتی ہے۔ نتیجہ اگر کوئی خود حکومت کا مائل ہو کر کسی کو اس کی جستجو پر برانگیختہ کرے جیسے دور حاضرہ میں ہے کہ درخواست دی جاتی ہے۔ سفارشیں کرائی جاتی ہے۔ رشوت دے کر حکومت لی جاتی ہے۔ تو یہ شر کی علامت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا انا لا نولی من سالنا ہم اسے حاکم ہرگز نہیں بنائیں گے جو اس کا خواہش مند ہے۔

فائدہ: حکم قوی اور ضعیف کے معلوم ہونے سے اختلاف واضح ہوگیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حضرت رافع رضی اللہ عنہ کو حکومت سے منع فرمایا پھر اسے خود اختیار فرمایا ایک دوسرے کے اتناقض نہیں۔

مسئلہ: عہدہ قضا اگرچہ سلطنت سے کم ہے۔ مگر حکم ویسا ہی ہے اس لیے کہ اس میں بھی حکومت پائی جاتی ہے جو تبعاً محبوب ہے اور اس میں اگر اتباع حق ہو تو ثواب ہے اور اگر عدول حق پایا جائے تو عذاب بھی بڑا ہے۔ (اسی طرح ہر حکومت) حدیث شریف میں ہے کہ قاضی تین قسم کے ہیں جن میں سے ایک جنت میں ہے اور دو دوزخ میں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو حکومت کی درخواست کرتا ہے چھری کے بغیر ذبح ہوتا ہے۔

خلاصہ: قضا اور حکومت کا ایک حکم ہے جو لوگ ضعیف اور دنیا و مافیہا ان کی نظروں میں کچھ قدر ہے وہ اس سے احتراز کریں اور جو لوگ کہ قوی ہیں کہ امر الٰہی میں کسی کے طعن سے نہیں ڈرتے وہ لوگ اس عہدے کو اختیار

کریں۔

مسئلہ: جب بادشاہ (نمبر1) ظالم ہوں اور یہ معلوم ہو کہ جو قاضی ہوگا اس کو اپنے کام کی بجا آوری میں ان کی خاطر طے کرنی پڑے گی اور بعض حقوق کو ان سے خواہ ان کے متعلقین سے درگزر ہو گا۔

یعنی یہ خوف ہو کہ اگر ان کو حق کہا جائے گا تو عہدہ جاتا رہے گا۔ یا وہ کوئی بات نہ مانیں گے تو ایسی صورت میں عہدہ قضا کو ہرگز اختیار نہ کرنا چاہئے۔ اگر کوئی اختیار کرے تو اس سے چاہئے کہ حقوق کا مطالبہ سلاطین اور ان کے متعلقین سے اوروں کی طرح ہو یہ عذر کر کے حکومت (ملازمت) اختیار کرنا کہ اگر نہ مانئیں گے تو ملازمت چھوڑ دوں گا۔ یہ عذر اس میں کار آمد نہیں کہ اپنے عہدہ چھوڑنے کے ڈر سے حقوق چھوڑ دے گا بلکہ اگر امر حق کی بجا آوری میں برطرف بھی ہو جائے تو خوش ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے بلا ٹلی اگر نفس پر ترک حکومت بھی شاق گزرے اور اہمال حق ضائع ہو جائے تو کوئی حرج نہ جانے تو یہ خواہش نفس اور شیطان کا تابع ہے۔ پھر ثواب کی توقع تو کیا ہوگی زمرہ ظالموں میں دوزخ کے طبقہ اسفل میں جائے گا۔ (اللہ تعالیٰ بچائے)

مسئلہ: وعظ و تدریس اور روایت حدیث اور مسندات عالی کا بھی یہی حال ہے۔ یعنی جن چیزوں سے کہ جاہ اور قدر بڑھتی ہے ان کی آفت بھی آفت حکومت کی طرح بڑی ہے۔ سلف صالحین جب تک اس سے نقصان دیکھتے تھے اس وقت تک فتویٰ کو ٹالتے اور یہ فرماتے کہ حدثنا منہ سے نکالنا دنیا کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جو اس لفظ کو منہ سے کہتا ہے وہ یہ کہتا ہے اے لوگو میری تعظیم توقیر کرو۔

حکایت: حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ نے کئی الماریاں حدیث کی دفن کردیں اور فرمایا کہ میں روایت حدیث اس لیے نہیں کرتا کہ میرا دل حدیث کے بیان کی تمنا کرتا ہے۔ اگر تمنا یہ ہوتی کہ میں حدیث نہ کہوں تو میں بیان کرتا۔

فائدہ: واعظ اپنے وعظ سے جو لوگوں کے دلوں کے توجہ اپنی طرف پاتا ہے تو اس سے اسے ایسی لذت محسوس ہوتی ہے کہ زندگی بھر یاد رہے۔ جب یہ لذت اس پر غلبہ کرتی ہے تو طبیعت میں یہ خیال ہوتا ہے کہ کلام گفتگو ایسی کرنی چاہئے کہ عوام کو اچھی محسوس ہو۔ اگرچہ غلط ہو اور جس کلام کو عوام مکروہ جانیں اگرچہ حق ہو اس سے احتراز اولیٰ ہے (نمبر1) تو ہر طرح کی گفتگو میں مصروف ہوتا ہے کہ عوام کے قلوب کی خوش کن باتیں کرے۔ (نمبر2) ان کے دلوں میں عزت ہو اور جو حدیث و حکمت کی باتیں ہوں ان سے یوں خوش ہوتا ہے کہ انہیں وعظ میں منبر پر بیان کروں گا حالانکہ خوشی اس بات کی ہونی چاہئے تھی کہ طریقہ سعادت اور راہ سلوک معلوم ہو پہلے خود عمل کروں پھر اس انعام رب العزت کو جس سے مجھے نفع ہوا اوروں تک پہنچاؤں تاکہ مسلمانوں کو بھی اس سے فائدہ ہو۔

اضافہ اویسی غفرلہ سے دور حاضرہ ہمارے سربراہ ایسے ہی ہیں لہٰذا ان کی ملازمت سے دور رہنا چاہئے۔ (اویسی غفرلہ)

1۔ ہمارے دور کے اکثر واعظین و مقررین کا یہی حال ہے۔ اللہ ہدایت دے (آمین) (اویسی غفرلہ)

فائدہ: وعظ و تدریس ایسی مصیبت ہے جس میں خوف اور فتنہ بہت زیادہ ہے اور اس کا حکم بھی حکومت جیسا ہے۔ یعنی جو اس امر کو صرف طلب جاہ و عزت اور تفاخر اور تکاثر کی وجہ سے اختیار کرتا ہو (جیسے ہمارے دور میں اکثر واعظین و مقررین کا طریقہ ہے۔ (اویسی غفرلہ) اور دین کے عوض دنیا کی کمائی منظور ہو تو اسے چاہئے کہ خواہش نفسانی کے خلاف کرکے وعظ کرنا بھی چھوڑ دے۔ جب تک کہ نفس ریاضت کش ہو کر دین میں پختہ ہو جائے۔ اس میں فتنہ کا خوف بہت زیادہ ہے۔ جب یہ حال حاصل ہو تو پھر خود اہل علم پر سوال کرے کہ جب یہ حکم ہوا تو تمام علوم بے کار ہو جائیں گے اور علم کا چرچہ جاتا رہے گا۔ تمام مخلوق پر جہالت چھا جائے گی۔ (مذکورہ بالا عبارت میں ضمنی سوال کا جواب (اویسی غفرلہ)

جواب: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طلب حکومت سے منع فرما کر اس پر وعید فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ یہ ارشاد فرمایا وانا کم تحرصون علی الامارۃ وانها ندامته یوم القیامته الا من اخذ ھا بحقها تم حکومت کے لیے حرص کرو گے حالانکہ وہ قیامت میں ندامت کا موجب سوائے اس کے جس نے اسے حق کے طور حاصل کیا اور نعمت المرضعة وبئست الفاطمة دنیا کیسی بہتر دودھ پلانے والی ہے اور کیسی بری دودھ چھڑانے والی ہے۔

فائدہ: ظاہر ہے کہ سلطنت اور حکومت اگر نہ ہو تو دین و دنیا کے تمام کام بند ہو جائیں۔ مخلوق میں کشت و خون پھیل جائے، امن جاتا رہے ملک اجڑ جائیں، معشتیں خراب ہو جائیں پھر ایسی چیز سے آپ نے کیوں منع فرمایا (بلکہ منع فرمانے کا اصل سبب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا (اویسی غفرلہ)

فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ابی بن کعب رضی اللہ عنہا کے پیچھے بہت سے آدمی چلتے دیکھے تو ان کو چابک مارا حالانکہ خود فرمایا کرتے تھے کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہا مسلمانوں کے سردار ہیں اور انہیں کلام مجید سنایا کرتے تھے لیکن لوگوں کے پیچھے چلنے سے منع فرمایا کہ اس میں متبوع کے لیے فتنہ ہے اور تابع کی ذلت (حضرت عمر کی تادیب سبحان اللہ حضرت ابی بن کعب کا صبر واہ واہ)

حکایت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ پڑھتے اور وعظ فرماتے۔ اس وعظ کرنے سے انکار بھی نہ کرتے لیکن جب ایک شخص نے آپ سے اجازت چاہی کہ اگر آپ فرمائیں تو میں بعد نماز صبح لوگوں کو وعظ سنایا کروں تو آپ نے اسے منع کیا۔ اس نے عرض کی کہ آپ ہمیں وعظ کرنے سے کیوں روکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں پھول کر آسمان پر نہ پہنچ جاؤ (یعنی تکبر نہ کرو)

فائدہ: یہ اس لیے فرمایا کہ آپ نے اس میں رغبت جاہ و عزت اور مخلوق میں مقبول بننے کی رغبت دیکھی اور

بلکہ بعض ظالم (واعظ مقرر) جب دیکھتے ہیں کہ عوام متوجہ نہیں ہو رہے تو پھر قصہ کربلا چھیڑ کر غلط ملط کہانیاں سنا کر عوام سے داد لیتے ہیں۔ (اویسی غفرلہ)

حکومت و خلافت و قضا کی لوگوں کو دین میں حاجت ہوتی ہے جیسے وعظ و تدریس و فتوئی سے کام پڑتا ہے لیکن ان ہر ایک میں فتنہ لذت ہے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

ازالہ وہم: یہ وہم کہ اس کے منع کرنے سے علم کا چرچا جاتا رہے گا تو یہ ایک غلطی ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکومت سے منع فرمایا تو اس سے حکومت جاتی نہیں رہتی حکومت اور اس کی محبت تو ایسی ہے کہ خود لوگ ہزار تدابیر سے اس کی طلب و جستجو کرتے ہیں حکومت کی محبت کی طرح علوم کا چرچا بھی ضائع نہیں ہونے کا بلکہ اگر بالفرض تمام مخلوق قید کی جائے اور انہیں بیڑیاں اور طوق ڈال دیئے جائیں کہ وہ علوم جن سے قبول عامہ اور عزت حکومت حاصل ہوتی ہے نہ سیکھیں۔ تب بھی لوگ زنجیریں توڑ کر قید سے بھاگ کر ان علوم کے طلب گار ہوں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ دین کو ایسے لوگوں سے تائید کرے گا جن کو دین میں بہرہ نہ ہوگا کسی کو اس کی فکر نہیں کرنا چاہئے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ضائع نہ کرے گا بلکہ ہر ایک کو اپنے نفس کا خیال کرنا چاہئے۔

جواب نمبر2: جب کسی شہر میں بہت سے واعظ و مقرر تقریر کرتے ہیں تو منع سے صرف چند لوگ باز رہیں گے تمام واعظین نہ مانگیں گے اور لذت حکومت کو نہ چھوڑیں گے۔ ہاں اگر شہر بھر میں ایک ہی واعظ ہو اور اس کا وعظ لوگوں کو مفید ہو اس لیے کہ وہ خوش بیان اور خوش اخلاق ہے اور لوگوں کا یہ خیال ہو کہ یہ شخص صرف اللہ تعالیٰ کے لیے وعظ کرتا ہے اور تارک دنیا ہے تو ایسے شخص کو ہم منع نہیں کرتے بلکہ اسے کہتے ہیں کہ خوب وعظ بیان کرو لیکن نفس کو قابو میں رکھو اگر وہ کہے کہ میرا نفس قابو میں نہیں تب بھی ہم کہیں گے کہ وعظ کہو اس لیے کہ ہم جانتے ہیں کہ اگر وہ وعظ چھوڑ دے گا تو لوگ تباہ ہو جائیں گے کوئی اس کا قائم مقام نہیں جو عوام کو صحیح راستہ بتائے بالفرض اگر وہ شخص وعظ اسی خیال سے کرتا ہے کہ عزت حاصل ہو تو اس کا وبال خود اسی پر ہے کیونکہ عوام کے دین کی سلامتی اس کے دین کی سلامتی پر منحصر ہے شاید ایسے آدمی کے حق میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان اللہ یوید ھذا الدین بقوم لا خلاق لھم ترجمہ: اللہ اس دین کی ایسے لوگوں سے تائید کراتا ہے جن کے اخلاق اور اعادات اچھے نہیں۔

حقیقی واعظ مقرر: واعظ اسے کہتے ہیں جو اپنی گفتگو اور ظاہر صورت سے زاہد ہو اور عوام کو آخرت کی رغبت دلائے اور جو امور کہ اس زمانے کے واعظوں اور مقرروں نے ایجاد کیے ہیں۔ مثلاً لچھے دار تقریر مسجع الفاظ بولنا کہ جن سے نہ دین کی تعظیم مدنظر ہے نہ مسلمانوں کو خوف دلانا مطلوب ہے بلکہ ان سے جرات اور گناہوں کی آرزو حاصل ہوتی ہیں تو ایسے واعظوں و مقرروں کو شہربدر کرنا واجب ہے اس لیے کہ یہ لوگ دجال اور شیطان کے قائم مقام ہیں (فقیر اویسی غفرلہ اپنے دور کے واعظین و مقررین کے لیے کیا کہے !!!

فائدہ: ہم ایسے واعظوں و مقرروں کا ذکر کرتے ہیں جن کا وعظ اچھا ہو خود بظاہر اچھے ہوں مگر دل میں محبت جاہ کے سوا کوئی اور مقصود نہ ہو اور جو وعیدات جو ہم نے باب العلم میں بڑے علماء کرام کے لیے لکھی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کے فتنوں سے ڈرنا ضروری ہے۔

پند حضرت عیسیٰ علیہ السلام: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ اے بڑے عالمو تم روزہ نماز صدقہ بجالاتے ہو اور جو کام تم عوام کو کہتے ہو خود نہیں کرتے۔ عوام کو وعظ کرتے ہو خود اس پر عمل نہیں کرتے۔ یہ بہت بری عادت ہے۔ زبان سے توبہ کرتے ہو اور خود خواہش نفسانی کے مطابق اس کے عامل ہو۔ بتاؤ اس سے کیا کام نکلے گا۔ بدن کو صاف کرتے ہو اور دل ناپاک رہا سچ کہتا ہوں کہ تم چھلنی کی طرح ہو کہ اچھا آٹا نیچے گرا دیتا اور بھوسا اس کے اندر رہ جاتا ہے۔ یہی تمہارا حال ہے کہ منہ سے حکمت کی باتیں نکالتے ہو اور سینوں میں غلاظت بھری ہے۔ اے دنیا کے بندو بھلا وہ شخص کیسے آخرت میں جائے گا جس سے دنیا کی شہوات منقطع نہ ہو بلکہ اس کی رغبت میں ہو سچ کہتا ہوں کہ تمہارے دل تمہارے اعمال سے روتے ہیں۔ دنیا کو تم نے اپنی زبان پر رکھا ہے اور عمل کو پاؤں تلے روند دیا۔ دنیا کی بہتری سے آخرت کو بگاڑا تمہارے نزدیک دنیا کا سنورنا آخرت کے سنورنے سے بہتر ہے۔ اگر غور کرو تو تم سے زیادہ کوئی کم بخت نہیں۔ تمہارا برا ہو کب تک اندھیرے میں چلنے والوں کو راستہ بتاؤ گے اور خود حیرت والوں کے محلے میں کھڑے رہو گے۔ گویا دنیا داروں سے تمہارا مقصد ہے کہ وہ تمام دنیا تمہارے لیے چھوڑ دیں باز آجاؤ تم نہیں جانتے کہ اگر چراغ چھت پر رکھ دیا جائے تو گھر کے اندھیر کے لیے کیا فائدہ۔ اسی طرح اگر نور علم تمہارے منہ میں ہو اور دل ویسے ہی ویران رہیں تو تم کو ایسے علوم سے کیا فائدہ۔ اے دنیا کے بندو تم متقی بندے نہیں ہو نہ کریم آزادوں کی طرح ہو بعید نہیں کہ دنیا تم کو جڑ سے کاٹ کر منہ کے بل گرا دے۔ پھر نتھنوں کے بل اوندھے ہو جاؤ اور تمہارے گناہ تمہاری پیشانی اور بال پکڑیں اور پیچھے سے تمہیں علم دھکا دے اور اسی حالت سے تم کو ننگے سر اور پاؤں بادشاہ حقیقی کے سامنے لے جائیں اور وہ بے نیاز تم کو خطاؤں پر آگاہ کر کے تمہارے برے اعمال کی سزا دے۔

فائدہ: اس پند حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں لکھا کہ بڑے علماء (مولویوں) کا یہ حال ہے کہ یہ لوگ انسانوں میں شیطان ہیں اور لوگوں کے حق میں فتنہ متاع دنیوی اور رفعت شان میں رغبت کر کے اسی کو آخرت اور دین کو ذلیل کیا ہے۔ یہ لوگ دنیا میں بھی باعث ننگ و عیب ہیں اور آخرت میں زیادہ تر ذلیل یہی لوگ ہوں گے۔

سوال: آفات تو ظاہر ہیں مگر علم اور وعظ کے بارے میں بھی تو بہت سی ترغیبیں وارد ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لان یھدی اللہ بک رجلا خیر لک من الدنیا وما فیھا صرف ایک بندے کو تمہارے ذریعے

ہدایت مل جائے وہ دنیا وما فیا سے بہتر ہے۔ ایما داع دعا الی ھدی واتبع علیه کان له اجره واجر من تبع من تبعه جس داعی نے ہدایت کی طرف دعوت دی اور لوگوں نے اس کی پیروی کی تو اسے اپنا اجر بھی ملے گا اور ان کا بھی جو اس کی پیروی کریں گے۔

فائدہ: اس کے علاوہ اور بھی بہت سے علم کے فضائل ہیں تو عالم کو یوں کہنا چاہئے کہ علم میں مشغول ہو اور مخلوق سے ریاء کو ترک کرے جیساکہ اگر کسی شخص کو نماز میں ریا آجاتا ہے تو اس کو کہا جاتا ہے کہ عمل کو ترک نہ کر بلکہ اس کو تمام کر اور نفس سے جہاد کر۔

جواب: علم کی فضیلت بھی بہت سہی لیکن اس کا خطرہ بھی بہت بڑا ہے۔ جیسے حکومت کرنے کا حال ہے کسی اللہ کے بندے کو یوں نہ کہنا چاہئے کہ علم ترک کردے۔ اس لیے کہ نفس علم میں تو کوئی خرابی نہیں۔ خرابی تو اس میں ہے کہ وعظ و تدریس و روایات حدیث کے درپے اظہار ہو لیکن وہ عالم امر دینی ریا سے مخلوط کردے لیکن جب اس کا محرک سوائے ریا کے اور کچھ نہ ہو اس کے حق میں ترک اظہار مفید اور سالم تر ہو جس طرح نفل نمازوں میں اگر محرک صرف ریا ہو تو ان کا ترک واجب ہے۔

مسئلہ: اگر ایسی صورت ہو کہ اثنائے نماز میں ریاء کے وساوس آتے ہوں اور وہ ان کو برا جانتا ہے تو عبادت کو ترک نہ کرنا چاہئے اس لیے کہ ریاء کی خرابی عبادت میں کمزور ہوتی ہے اور حکومت علم کے باعث مراتب عالیہ کے درپے ہونے میں بہت قوی ہے۔

خرابی کے مراتب: ان اشیاء میں خرابی کے تین مرتبے ہیں۔ (1) حکومت اس میں بہت بڑی آفات ہیں اور سلف صالحین میں بہت سے بزرگوں نے بخوف آفت ترک کردیا۔ (2) نماز و روزہ حج و جہاد ان کو سلف صالحین کے قوی و ضعیف سب ادا کرتے رہے۔ کسی سے ترک کرنا خرابی کے خوف کی وجہ سے منقول نہیں اس لیے کہ ان میں آفات ضعیف ہیں اور بڑی قوت سے دور ہو سکتے ہیں اور عمل صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو سکتا ہے۔ (3) ان دونوں مراتب کے درمیان ایک مرتبہ اور یعنی وعظ و فتویٰ اور روایت حدیث و تدریس کے درپے ہوتے ہیں جو بڑی آفات میں وہ اول مرتبہ کی بہ نسبت کم ہیں اور دوسرے کی بہ نسبت زیادہ نماز وغیرہ جن میں آفات کمزور ہیں اس کو تو چاہئے کہ نہ قوی لوگ ترک کریں نہ ضعیف بلکہ ریاء کے وساوس کو دفع کریں اور حکومت کا خیال ضعیف کو بالکل ترک کرنا چاہئے نہ کہ قوی لوگوں کو۔

فائدہ: مناصب علم دونوں فرقوں میں مشترک ہونے چاہئیں تاہم جس شخص نے منصب علم کو آزمایا ہے وہ جانتا ہے کہ عالم اور حاکم ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور منصب علم سے خطرہ کرنا ضعیف کے حق میں بہت بہتر ہے۔

فائدہ: ایک چوتھا مرتبہ بھی ہے یعنی مال جمع کرکے مستحقین پر تقسیم کرنا اس واد و دواہش اور اظہار جود سخا سے بھی

لوگ مداح ہوتے ہیں اور لوگوں کے دل خوش کرنے سے نفس کو مزہ حاصل ہوتا ہے اس میں بھی بہت خرابیاں ہیں اس لیے جب حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ ایک آدمی تو مقدار ضرورت مال حاصل کر کے بیٹھ جاتا ہے اور دوسرا مقدار ضرورت سے زیادہ مال تلاش کرتا ہے۔ پھر جس قدر ضرورت سے بچتا ہے خیرات کر دیتا ہے ان دونوں میں افضل کون ہے آپ نے فرمایا پہلا افضل ہے کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ دنیا میں پھنس کر بہت کم لوگ بچتے ہیں اور زہد اسی کا نام ہے کہ دنیا کو تقرب الی اللہ کے لیے ترک کر دے۔

فائدہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے پچاس ہزار دینار روزانہ آمدنی ہو اور ان کو میں دمشق کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑا ہو کر تقسیم کردوں تو یہ کام مجھے اچھا معلوم نہیں ہوتا کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں بیع و شرا کو حرام کرتا ہوں بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ میں انہیں لوگوں میں ہوں جن کی شان میں ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور 37) ترجمہ کنزالایمان: وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے

مسئلہ: علماء کا اختلاف ہے ایک گروہ فرماتا ہے کہ جب دنیا کسب حلال سے کمائے اس سے بچت کو فی سبیل اللہ خرچ کرے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ عبادت و نوافل میں مشغول ہو دوسرے گروہ کا قول ہے کہ ذکر اللہ کی مداومت صدقہ سے افضل ہے اس لیے کہ لینے دینے میں اللہ تعالیٰ کا تصور نہیں رہتا اس کی تائید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول سے ہوتی ہے۔ فرمایا اے طالب دنیا سلوک و نیکی کے لیے تیرا ترک دنیا زیادہ اچھا ہے اور شغل مال کی بہتری اس میں ہے کہ اس کی اصلاح میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کا شغل نہیں رہتا حالانکہ ذکر الٰہی سب سے بڑا اور افضل ہے یہ تو اس شخص کے حق میں ہے جو آفات سے محفوظ ہے اور جس شخص کو ریا چمٹا ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے لیے ترک مال افضل اور عمدہ ہے او ربلا خلاف ایسے شخص کو ذکر میں مشغول ہونا بہتر ہے۔

مسئلہ: جو چیزیں مخلوق سے متعلق ہیں اور اس میں نفس کو لذت ہوتی ہے اور ان سے آفات کا ہجوم ہے ایسی صورتوں میں مستحب یہ ہے کہ عمل کرے اور آفات کو دفع کرے۔ اگر دفع نہ کریں گے تو چاہئے کہ غور و فکر اور اپنے دل سے فتوئی لے اور دل میں جستجو خیر اور جس قدر شر ہو دونوں کا موازنہ کرے پھر نور علم سے جو کچھ سمجھ میں آئے اس پر عمل کرے میلان طبیعت کے موافق عمل نہ کرے۔

فائدہ: اکثر تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ جو چیزوں کو آسان معلوم ہوتی ہے اس میں ضرر ہوتا ہے اس لئے کہ نفس شریر سوائے شر کے اور کوئی مشورہ نہیں دیتا اور خیر سے وہ لذت نہیں پاتا بلکہ خیر کی طرف رغبت کرتا ہی نہیں۔ بسا اوقات یہ بھی ممکن ہے کہ یہ باتیں ایسی ہیں کہ ان پر حکم نفی اور اثبات علیحدہ نہیں ہو سکتا اسی لئے ان کو قلب کے اجتہاد کیا جاتا ہے تاکہ جو بات دین کے لیے مناسب سمجھے اسے بجالائے اور مشکوک سے باز رہے۔

فائدہ: بعض اوقات جاہل کو اس کے بیان سے دھوکا ہو جاتا ہے تو مال تو جمع کرتا ہے مگر بخوف آفت خرچ نہیں کرتا اس کا نام بخل ہے اور اس میں ہے جسے کمائی کی ضرورت ہو اس کے متعلق کون سی بات بہتر ہے کسب اور انفاق کا ترک کر کے ذکر اللہ کرنا یا کسب حلال کر کے خیرات میں خرچ کرنا اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ کسب مال میں بہت سی آفات ہیں لیکن جو مال وجہ حلال سے حاصل ہوا ہے اس کو خرچ کرنا امساک سے بہر حاصل افضل ہے۔

علامات اخلاص علماء: ہمارے اس بیان سے واضح ہوگا کہ علماء کا لوگوں کے لیے ریا مد نظر نہیں بلکہ صدق و اخلاص کی وجہ سے وعظ کرنا ہے۔ ان کی چند علامات ہیں۔ وہ یہ ہیں (1) اگر کوئی شخص اس سے اچھا وعظ کہنے والا زیادہ علم والا معلوم ہو اور لوگ اس کو زیادہ تر مانیں تو یہ حسد نہ کرے بلکہ خوش ہو اگر غلبہ چاہے چاہیے یعنی یہ چاہئے کہ جیسا علم اسے ہے ویسا اسے نصیب ہو جائے تو کوئی حرج نہیں (کیونکہ حسد نہیں رشک ہے) (2) اگر بڑے لوگ اس کی مجلس میں آجائیں تو جیسے پہلے وعظ کر رہا تھا ویسے ہی کہے گفتگو میں کوئی تبدیلی نہ کرے تمام لوگوں کو ایک نظر سے وعظ سنائے۔ (3) اس بات کو اچھا نہ سمجھے کہ بہت سے لوگ میرے ساتھ ہوں اور چلتے وقت کوئی مجھ سے آگے نہ بڑھے ان کے علاوہ اور بہت سی علامات ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

حکایت: سعید بن ابی مروان سے مروی ہے کہ میں حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا تھا اور آپ مسجد میں وعظ فرما رہے تھے اسی دوران حجاج بن یوسف مع اپنے لاؤ لشکر کے زرد خچر پر سوار ہو کر آیا اور مسجد کی ہر طرف کو دیکھنے لگا اجتماع میں تل بھر جگہ نہ تھی جب قریب پہنچا تو سواری سے اتر کر حضرت حسن رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرح چلا آپ نے اسے اپنی طرف متوجہ دیکھا تو تھوڑی سی جگہ اس کے بیٹھنے کے لیے چھوڑ دی۔ سعید کہتے ہیں کہ میں نے بھی تھوڑی جگہ اپنی نشست میں چھوڑ دی تو مجھ میں اور حضرت حسن بصری میں تھوڑا فاصلہ ہو تو وہاں حجاج آکر بیٹھ گیا اور حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ جیسے گفتگو روزانہ کرتے تھے ویسے ہی فرماتے ہیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ آج حجاج کے بیٹھنے سے کوئی کلام ایسا کریں جس سے حجاج کے رعب کا اثر ظاہر ہو یعنی اس کے رعب میں آکر کچھ کلام کم کریں گے لیکن حضرت حسن بصری نے پہلے کی طرح گفتگو کی یہاں تک کہ کلام تمام کیا اور حجاج کی کوئی پروا نہ کی۔ جب آپ کلام سے فارغ ہوئے تو حجاج نے آپ کو مونڈھے پر ہاتھ مار کر کہا کہ آپ نے سچ کہا اور خوب کہا عوام ایسی مجالس میں بیٹھا کریں اور جو کچھ سنیں اس پر عمل کریں۔

حدیث شریف: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ان مجالس الذکر ریاض الجنتہ ذکر کی مجلسیں جنت کی کیاریاں ہیں۔ ہم لوگ کاروبار اور نظام مملکت میں مبتلا ہو گئے ورنہ ان مجالس میں ہم سے زیادہ تم نہ بیٹھتے کیونکہ ہمیں ان مجالس کی خوبیاں زیادہ معلوم ہیں یہ باتیں حجاج نے ہنستے ہوئے کہیں حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ اور حاضرین جلسہ سب اس کی فصاحت سے متعجب ہوئے۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

حکایت: حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک بزرگ آیا اور جس جگہ حجاج کھڑا تھا۔ وہاں کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے مسلمانو اے اللہ کے بندو تمہیں تعجب نہیں آتا کہ میں ایک نہایت بوڑھا آدمی ہوں اس وقت میں بھی جہاد کرتا ہوں گھوڑے اور خچر اور خیمہ کی مجھے تکلیف ہے اور میرے پاس صرف ایک سو درہم ہیں وہ بھی عوام نے دیئے ہیں اور میرے گھر میں چھوٹی بچیاں ہیں اس طرح اپنی تنگ دستی کی ایسی شکایت کی کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے تمام ساتھی اس پر رحم کرنے لگے اور حضرت حسن رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سر نیچے جھکائے تھے جب وہ شخص گفتگو سے فارغ ہوا تو آپ نے سر اٹھا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان امرا کو ہدایت دے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اپنا غلام بنا رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کے مال کو اپنا مال سمجھ لیا ہے اور دنیا اور درم کے لیے لڑتے ہیں جب دشمن سر پر کو آجاتا ہے تو خود خیموں میں رہتے ہیں اور تیز سواریوں پر سوار ہوتے ہیں اور اگر دوسرے کسی مسلمان کو جہاد پر بھیجتے ہیں تو بھوکا پیاسا پیادہ بھیج دیتے ہیں اس طرح امراء کی بری عادات بیان فرمائیں۔ ان کے عیوب کے اظہار میں کوئی عیب نہ چھوڑا۔ وہاں سے ایک شامی (چغل خور) نے آپ کی چغلی حجاج سے جا کر کھائی تھوڑی دیر کے بعد حجاج کا ایلچی آیا اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ کو امیر نے یاد کیا ہے حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ ساتھ ہو پڑے۔ ہمیں خطرہ ہوا کہ آپ کی حق گوئی کی وجہ سے آپ کو حجاج اذیت و تکلیف نہ پہنچائے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ تبسم فرماتے ہوئے واپس آئے میں نے بہت کم آپ کو ہنستے دیکھا آپ کا دستور مسکرانا تھا جب تشریف لا کر اپنی جگہ بیٹھے تو امانت کی عظمت بیان فرمائی اور فرمایا کہ کسی کے پاس مجلس میں بیٹھنے کی بھی امانت ہے شاید تم کو بھی خیال ہو گا کہ خیانت درہم و دینار کے سوا اور کسی چیز میں نہیں حالانکہ اشد خیانت یہ ہے کہ تم لوگ ہمارے پاس بیٹھتے ہو ہم تم پر اعتماد کر کے کچھ ذکر کرتے ہیں۔ پھر تم اسے آگ کے شعلہ میں پھینک دیتے ہو یعنی جس شامی نے شکایت کی لیکن حجاج نے سن کر بجائے متاثر ہونے کے الٹا اس شخص کو ڈانٹا اس طرح وہ بلا جو اس نے مجھ پر کھڑی کی مجھ سے دفع ہو گئی۔

حکایت: ایک دفعہ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے بہت بڑی پبلک آپ کو گھر پہنچانے کے لیے آپ کے پیچھے چلی آپ ٹھہر گئے اور فرمایا کیا تم کو مجھ سے کوئی ضرورت ہے یا کچھ پوچھنا چاہتے ہو جتنا میرے ساتھ آتے ہو ہٹ جاؤ اور اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔

فائدہ: ان علامات اور اس طرح کی اور نشانیوں سے کسی کے قلب کا حال باطن معلوم ہو جاتا ہے اور جن علماء کا یہ حال ہو کہ ایک دوسرے سے حسد کرتے ہوں اور انہیں انس و اعانت کا باہم نام تک نہ ہو تو معلوم کر لو کہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے زندگی دنیا کو آخرت کے عوض خرید لیا وہی نقصان میں ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم پر رحم کرے۔

عبادت کے دوران کسی کے دیکھنے سے خوشی ہو: بعض اوقات انسان ایسے لوگوں میں شب باش ہوتا ہے جو عام لوگ تہجد کے لیے اٹھتے ہیں یا ان میں سے بعض تمام رات یا تھوڑی رات نماز پڑھتے ہیں اور ان کا دستور اپنے گھر میں صرف ایک پل جاگنے کا ہے جب ان کو دیکھا تو اس کا شوق بھی موافقت کے لیے ابھرا اور جتنی عادت اس کو پہلے سے تھی اس سے زیادہ ادا کی یا پہلے بالکل نہ پڑھتا تھا اسی دن صرف دیکھنے سے شریک نماز ہوا۔ اسی طرح کبھی ایسی جگہ میں جاتا ہے کہ وہاں کے تمام لوگ روزہ دار ہوتے ہیں۔ تو اسے بھی روزہ کا شوق پیدا ہوتا ہے اگر وہ نہ ہوتے تو اسے یہ شوق نہ ہوتا اس صورت شوق و نشاط سے غالبا ریا معلوم ہوتی ہے اس میں ضروری ہے کہ موافقت نہ کرے حالانکہ یہ حکم مطلق نہیں بلکہ اس کی تفصیل اس لیے کہ ہر مومن کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور شب بیداری اور روزہ کی رغبت ہوتی ہے مگر کسی مانع کی وجہ سے اسے ادا نہیں کر سکتا یا غلبہ شہوات یا کثرت کاروبار یا غفلت کی وجہ سے بھولا رہتا ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جہاں دوسرے کو وہ کام کرتے دیکھا پردہ غفلت دور اور موانع ہٹ گئے یا دوسرے جگہ میں کاروبار کی کثرت نہیں اسی وجہ سے وہ رغبت و شوق ابھر آتا ہے۔ مثلاً کبھی اپنے گھر میں رہتا ہے اور بعض اسباب سے تہجد نہیں پڑھ سکتا مثلاً نرم گرم بستر بچھانے سے نیند کا غلبہ ہے یا بیوی کے ساتھ آرام کرنے سے مزے لوٹ رہا ہے یا اہل و عیال اور اقارب سے باتیں کر رہا ہے یا عزیز بچوں میں مصروف ہے یا کسی لین دین کی حساب کی پڑتال کر رہا ہے تو ایسا شخص جب کسی جگہ جائے گا تو تمام اشغال اس سے ہٹ جائیں گے جن سے اس کی رغبت الی الخیر ناقص تھی اور بعض اسباب خیر کے پیدا ہو جائیں گے۔ جب بھی دوسرے لوگوں کو متوجہ الی اللہ دیکھے گا تو دنیا سے منہ پھیر لے گا اور ان کو دیکھ کر رغبت کرے گا اور اس پر نہایت شاق گزرے گا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں یہ لوگ مجھ سے زائد ہوں اسی بنا پر وہ بھی حرکت میں آجائے گا وہ ریا کی وجہ سے آمادہ طاعت نہ ہوگا بعض اوقات اجنبی جگہ میں جاکر آدمی کو نیند نہیں آتی تو اسی جگہ نیند نہ آنا ہی غنیمت جانتا ہے اور گھر غلبہ خواب کی وجہ سے کچھ نہیں کر سکتا اور بعض اوقات گھر پر ہمیشہ رہنے کی وجہ سے ہمیشہ تہجد پڑھنا نفس پر گوارا نہیں ہوتا اور کبھی کبھی پڑھ لے تو ہو سکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی گھر میں بعض لوگوں پر روزہ رکھنا مشکل ہوتا ہے کیونکہ ہر طرح کی لذیذ چیزیں اور کھانے کی عمدہ اشیاء موجود رہتی ہیں ان کے چھوڑنے کو جی نہیں کرتا پھر جس جگہ وہ چیزیں نہیں ملتیں وہاں روزہ رکھنا مشکل نہیں ہوتا اس لیے ایسی جگہ روزہ رکھوانا آسان ہو جاتا ہے کیونکہ شہوات موانع روزہ ہوتی ہیں اور دینی اسباب سب پر شہوانی اسباب غالب رہتے ہیں جب انسان ان سے محفوظ رہا تو پھر دینی سب غالب ہو جاتا ہے۔

فائدہ: اسی طرح کے اسباب کا وقوع ناممکن ہے اور تمام لوگوں کو دیکھنے اور ان کے ساتھ موافقت کرنے سے ہوتے ہیں اور کبھی ایسے وقت بھی عمل سے روک دیتا ہے اور کہتا ہے کہ عمل نہ کرو ورنہ ریا کار ہو گا بشرطیکہ کوئی گھر پر عمل نہ کرتا ہو اور نہ عادت سے زیادہ نماز ادا کرتا ہو اور کبھی انسان کو لوگوں کے دیکھنے سے اس لیے زیادہ رغبت ہوتی

ہے کہ وہ برا نہ کہیں اور نہ ہی ست سمجھیں بالخصوص ایسی صورت میں کہ لوگوں کو یہ گمان ہو کہ یہ شخص شب بیدار ہے تو انسان کا دل نہیں چاہتا ہے کہ وہ عقیدہ جو اس کے متعلق ہے اس کے خلاف ہو کہ نظروں سے گر نہ جائے اسی لیے اپنی عزت کی حفاظت ضروری سمجھ کر ایسے حال میں شیطان اور ابھارتا ہے کہ نماز پڑھ لے تو مخلص ہے تو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھتا ہے تو لوگوں کے ریاء کے لیے نہیں پڑھتا اور گھر پر ہر شب میں نماز نہیں پڑھتا تو کثرت موانع کی وجہ سے یہاں عوائق کا دفع ہونا تیرے عمل کرنے کا سبب ہے نہ کہ لوگوں کا دکھاوا۔

فائدہ: یہ امر ارباب بصائر پر بھی مشتبہ رہتا ہے لیکن جب معلوم ہو جائے کہ محرک ریا ہے تو زائد از عبادت عبادت ادا نہیں کرنی چاہئے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر لوگوں کی تعریف کی خواہش سے گناہ گار ہوتا ہے۔

مسئلہ: اگر سبب عمل دور ہوتا عوائق کا اور غبطہ اور اعمال میں رغبت کسی کے نیک عمل کرنے کا سبب ہو تو عمل میں موافقت کرنے کا حرج نہیں۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ دل میں سوچے کہ اگر بالفرض اسی طرح ان کو نماز پڑھتے دیکھتا کہ یہ لوگ اسے نہ دیکھتے۔ مثلاً حجاب کی آڑ سے تو ایسی صورت میں بھی نماز پڑھنے کو جی چاہتا یا نہ چاہتا اگر ایسے حال میں بھی لوگوں کی نظروں سے غائب ہونے میں نماز کی رغبت پائی جائے تو ان لوگوں کی موافقت کرنی چاہئے اس لیے کے یہ عمل ریا کا سبب نہیں بلکہ امر حق ہے۔

مسئلہ: اگر خود آڑ میں رہ کر نماز کا پڑھنا بمشکل سمجھے تو لوگوں کے سامنے بھی نماز ترک کرنی چاہئے اس لیے کہ اس عمل کا سبب ریا ہے۔ اس طرح کبھی کوئی جمعہ کے دن مسجد جامع کا بے حد شوق کرتا ہے تو ریاء کے لیے اسباب معلوم کرنے ہوں گے۔ اس کا باعث یا لوگوں کی تعریف ہوگی یا ان کا شوق اور توجہ الی اللہ سے اس کی غفلت دور ہو جائے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں کی دیکھا دیکھی باعث ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی نفل میں لوگوں کی تعریف بھی مدنظر ہوتی ہے تو ایسی صورت میں اگر یہ سمجھے کہ دل پر غالب ارادہ دینی ہے تو اتنی محبت مدح سے عمل کو نہ چھوڑنا چاہئے بلکہ محبت مدح کو برا جان کر عبادت میں مشغول ہو۔

مسئلہ: کبھی لوگ روتے ہیں اور کوئی شخص ان کو دیکھ کر رونے لگتا ہے یہ رونا ریا سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہوتا ہے۔ وہ اگر اکیلا بات سنتا تو نہ روتا مگر لوگوں کے رونے کی وجہ سے دل پر نرمی آجاتی ہے۔ بعض دفعہ رونا نہیں آتا تو روتی صورت بنا لیتا ہے۔ کبھی تو ریا کی وجہ سے اور کبھی واقعی اور حقیقی وجہ سے یعنی جب لوگوں کو روتا دیکھتا ہے اور اس کے آنسو بھی نہیں نکلتے تو اپنے نفس پر سنگ دل ہونے کا خوف کرتا ہے تو جبراً منہ بگاڑنے لگتا ہے۔ یہ اچھی بات ہے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ غور کرے کہ لوگوں کا رونا ایسی جگہ سے سنتا کہ لوگ مجھے نہ دیکھتے تب بھی اپنے دل کی سختی کا خوف کر کے رونے کی صورت بناتا یا اگر لوگوں سے پوشیدہ رہنے کی صورت میں یہ بات نہ ہو تو معلوم ہوگا کہ یہ منہ بگاڑنا صرف اس خوف سے ہے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ بڑا سنگ دل ہے تو ایسا منہ بگاڑنا

ترک کرنے کے لائق ہے۔

فائدہ : حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے کو فرمایا کہ خوف خدا کی وجہ سے اس ارادہ پر لوگوں کو منہ دکھلا کر وہ تیری تعظیم کریں حالانکہ تیرا دل غلط کار ہو اس طرح چیخنا اور لمبی سانس نکالنا یا ذکر اور تلاوت کے وقت یا اور کسی عبادت کے وقت بوجہ صدق اور غم اور خوف و ندامت و حسرت کے وقت رونا اور کبھی دوسرے کا غم واندوہ دیکھ کر رونا اور اپنی سنگدلی خیال کر کے بتکلیف سانس بھرنا اور آہ آہ کرنا یہ تمام امور بہتر ہیں مگر کبھی اس کے ساتھ یہ خواہش بھی ہوتی ہے کہ لوگ جانیں کہ یہ شخص ہمیشہ غم میں رہتا ہے اگر محض یہی باعث ہے تو اس کا نام ریا ہے اور اگر واقع میں حزن و ملال بھی ہے اور یہ باعث بھی تو اگر سبب ریا کو برا جانے گا اور انکار کر کے قبول نہ کرے تو اس کا رونا او رونے کے لیے منہ بگاڑنا درست ہے۔ اگر دل سے ریا کی جانب میلان ریا ہوگا تو اجر باطل اور کوشش لاحاصل ہوگی بلکہ غضب الٰہی میں گرفتار ہوگا۔

مسئلہ : کبھی آہ! آہ! کرنا اصل میں غم کے باعث ہوتا ہے لیکن ان کو بڑھا بڑھا کر بلند آواز سے کرتا ہے تو یہی زیادتی ریا و ممنوع ہے کیونکہ ابتداء صرف ریا سے ہوئی۔

مسئلہ : کبھی کسی پر خوف اتنا ہوتا ہے کہ اس سے اپنا نفس قابو میں نہیں رہتا اور اس وقت وسوسہ ریا بھی پیش ہوتا ہے تو اسے قبول کرلیتا ہے اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آواز کو زیادہ دردناک یا بلند کرتا ہے یا آنسوؤں کو منہ پر رہنے دیتا ہے کہ کوئی دیکھے آنسو خوف الٰہی سے نکلے تھے مگر اس کا نشان جو منہ پر قائم رکھا تو صرف ریا کی وجہ سے اس طرح کبھی ذکر سنتا ہے اور خوف کی وجہ سے قوی ضعیف ہو جاتے ہیں حتی کہ گر پڑتا ہے پھر شرم کرتا ہے کہ کوئی یوں نہ کہے کہ زوال عقل اور حالت شدید کے بغیر کیسے گر گیا۔ اس خیال سے تھرانے لگتا ہے اور بہ تکلیف وجد کرتا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ غشی کی وجہ سے گرا تھا حالانکہ گرنے کی ابتدا درست تھی اور کبھی عقل جاتی رہتی ہے تو گر پڑتا ہے مگر جلد افاقہ ہو جاتا ہے اس وقت دل پر خیال گزرتا ہے کہ لوگ یہ کہیں گے کہ یہ کیوں ہوا۔ اس خیال سے بہت دیر تک تڑپتا رہتا ہے تاکہ اپنا حال دیر پا ظاہر کرے اس طرح کبھی ضعف کے بعد جلد افاقہ ہو جاتا ہے اور ضعف بھی جلد جاتا رہتا ہے خوف کرتا ہے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ بے ہوشی ہے اور اس کا حال ٹھیک نہ تھا ورنہ ضعف کے سبب کھڑا نہیں ہو سکتا کہیں چلنے میں لڑکھڑاتا ہے اور قدم آہستہ آہستہ رکھتا ہے تاکہ ظاہر ہو کہ تیز نہیں چل سکتا تو یہ سب باتیں شیطان کے فریب اور نفس کے وساوس میں داخل ہیں۔

علاج : ایسے خطرات ہوں تو ان کا علاج یہ ہے کہ خیال کرے کہ اگر لوگ میرے اس نفاق پر مطلع ہو جائیں تو بہت غصہ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ تو ہر وقت آگاہ ہے اور اس کا غصہ بھی بڑا سخت ہے۔

حکایت : حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ کھڑے تھرانے لگے ایک اور صاحب آپ کے ساتھ کھڑے ہوئے کہ ان

میں تکلف کا نشان محسوس ہوتا تھا۔ حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یا شیخ الذی یراک حین تقوم اے شیخ اللہ تمہارے اس قیام کو دیکھتا ہے۔ پھر تکلف کی کیا ضرورت ہے سن کر وہ شیخ بیٹھ گیا۔

فائدہ: اسی طرح کے اسباب منافقوں کے اعمال میں ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ نعوذ باللہ من خشوع النفاق ہم منافقت کے خشوع سے پناہ مانگتے ہیں۔

فائدہ: نفاق کا خشوع یہ ہے کہ اعضا تو خشوع کریں لیکن دل میں خشوع نہ ہو۔

مسئلہ: اسی نفاق میں داخل ہے وہ استغفار اور استعاذہ کے زبان پر خوف کا اظہار ہو لیکن دل خالی ہو کیونکہ یہ بھی کبھی تو دل میں خوف اور گناہ یاد کرنے اور اس پر ندامت کرنے سے ہوتا ہے اور کبھی ریا کی وجہ سے ہوتا ہے تو ایسے وساوس دل پر قریب قریب ایک دوسرے کے بعد وارد ہونا نیک کام سے روکتے ہیں اور ایک دوسرے سے مشابہ بھی ہیں اس لیے مناسب ہے کہ جب کسی کو خطرہ ہو تو سوچے کہ یہ کیا ہے اور کہاں سے آیا اگر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تو بے شک وہ کرے جیسا دل میں گزرا ہے مگر اس کے ساتھ ہی ڈرنا بھی چاہئے کہ شاید اس میں ریا پوشیدہ ہو جس کی اسے اطلاع نہ ہوئی ہو۔

فائدہ: عبادت کے قبول اور عدم قبول سے بھی ترساں و خوفزدہ رہنا چاہئے کہ اخلاص اس میں ہوا ہے یا نہیں اور جب اخلاص سے عمل شروع کیا تو اس بات سے بھی احتراز چاہئے کہ لوگوں کی تعریف کا وسوسہ نہ آئے۔ اس لیے کہ یہ بہت زیادہ آتا ہے جب کبھی آئے تو دل میں سوچے کہ اللہ تعالیٰ میرے حال کو جانتا ہے۔ اگر میں اس کی اطاعت سے لوگوں کی تعریف چاہوں گا تو اس کے غضب میں مبتلا ہو جاؤں گا۔

حکایت: (نمبر۱) تین آدمیوں میں سے ایک نے حضرت ایوب علیہ السلام کی خدمت اقدس میں عرض کی کہ اے ایوب علیہ السلام آپ کو معلوم نہیں کہ بندہ کا عمل ظاہر جس سے نفس کی طرف سے قریب کر دیا کرتا ہے ختم ہو جائے گا انسان امر باطن پر جزا دیا جائے گا۔

فائدہ: بعض اکابر یوں دعا مانگتے کہ الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ لوگ مجھے جانیں کہ میں تجھ سے ڈرتا ہوں حالانکہ تو مجھ سے ناراض ہو۔

فائدہ: حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ یوں دعا مانگتے کہ الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس امر سے کہ لوگوں کی نظروں میں تو میرا ظاہر اچھا ہو لیکن تیرے لیے میرا باطن برا ہو اپنے دل میں لوگوں کے دکھلاوے کی تو مخالفت کروں اور تو جو میرے حال سے مطلع ہے اس کو برباد کروں لوگوں کے لیے تو اچھے عمل ظاہر کروں اور تیرے لیے برے عمل پیش کروں نیکیوں سے تو لوگوں کا تقرب چاہوں اور تیری طرف برائیاں لے کر آؤں اور تیرے غصہ اور ناراضگی کا باعث

بنوں اے پروردگار ان تمام باتوں سے مجھے پناہ دے۔

فائدہ: حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس جو تین آدمی آئے تھے ان میں سے ایک نے کہا کہ اے ایوب علیہ السلام جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ضرورت مانگتے وقت اپنے ظاہر کی حفاظت اور باطن کی بربادی کرتے ہیں ان کے منہ سیاہ ہوں گے۔

فائدہ: یہ ریا کی آفات ہیں ان سے دل کی خوب حفاظت کرے تاکہ آفات پر مطلع ہو جایا کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ریا کے ستر دروازے ہیں۔ ان میں سے بعض بہت زیادہ پوشیدہ تر ہیں۔ یہاں تک کہ چیونٹی کی چال کی طرح ہیں اور بعض اس سے کم پوشیدہ ہیں۔ بعض ظاہر ہیں۔

فائدہ: ریا خفی امر ہے اسے شدت تلاش اور حفاظت کے بغیر معلوم نہیں کیا سکتا اور کوشش کے بعد بھی اگر معلوم ہو جائے تو غنیمت ہے۔ تلاش و جستجو دل اور امتحان نفس اور تفتیش کے بغیر ریا کے فریبوں پر مطلع ہونے کی توقع رکھنا دشوار ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے کرم و احسان سے ان آفات سے بچائے۔

عمل کے قبل و بعد اور دوران سالک کا لائحہ عمل: سالک راہ ہدیٰ کے حق میں بہتر یہ ہے کہ تمام اوقات میں اپنی طاعات پر اللہ تعالیٰ کے علم پر قناعت کرے اور علم الٰہی پر اسے قناعت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ ہی سے خوف کرتا ہے اور اسی سے توقع رکھتا ہے اور غیر سے خوف اور توقع رکھے گا وہ اس کی اطلاع کا بھی خواہاں ہو گا کہ اپنے اعلیٰ احوال کی اسے اطلاع ہو۔ جب کسی کی یہ صورت ہو تو چاہئے کہ دل میں عقل و ایمان کی وجہ سے اس امر کی برائی کو لازم کرے۔ اس لیے کہ اس کی وجہ سے یہ خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے اور جب ایسی طاعات بڑی اور سخت سے سخت بجالائے جو اور دن سے نہ ہو سکیں اس وقت اپنے نفس کی حفاظت ضروری ہے اس لیے کہ ایسے حال میں نفس کو ان کے افشا کی کمال حرص ہوتی ہے اور وہ کہتا ہے کہ تیرے اس برے عمل یا ایسے عظیم خوف مخلوق یا اس جیسے رونے پر اگر مخلوق کی اطلاع ہوگی تو تجھے سجدہ کرنے لگیں گے اس لیے کہ مخلوق میں اور کون ہے جو ایسا کر سکے تو ایسے عمل کے چھپانے پر کیسے راضی ہے۔ لوگوں کو تیرا مقام کیسے کھلے گا اور قدر کس طرح معلوم ہوگی اقتدار سے محروم رہیں گے۔

علاج: جب ایسی صورت پیش ہو تو سالک کو چاہئے کہ ثابت قدم رہے اور اپنے عمل کی برائی کے مقابلے میں عظمت ملک آخرت اور لذائذ جنت جو ابدالاباد رہیں گے کو یاد کرے اور یہ بھی سوچے کہ اللہ تعالیٰ کی طاعت پر بندوں سے ثواب لینے میں کیسا بڑا غصہ اور عذاب الٰہی ہوگا۔

مسئلہ: عمل کا ظاہر کرنا دوسرے پر اگرچہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ مگر اللہ کے نزدیک موجب سزا ہے ثواب عمل کا

ا۔ تفصیلی حکایت دوسرے مقام پہ لکھ دی گئی ہے۔ یہاں صرف مقصد کا ایک حصہ لکھا گیا ہے۔ (اویسی غفرلہ)

بالکل ضائع کردیتا ہے اور پھر نفس کو یوں سمجھائے کہ ایسے عمل کو میں لوگوں کی تعریف کے بدلے میں کس طرح ضائع کروں وہ لوگ تو خود عاجز ہیں نہ میرے رزق پر قدرت رکھتے ہیں نہ موت پر اسی بات کو دل میں جمائے ایسا نہ ہو کہ نا امیدی غالب آجائے اور کہنے لگے کہ اخلاص تو اولیاء کا کام ہے لوگ خلط ملط کر دیتے ہیں۔ ان کی شان ایسی کہاں ہو سکتی ہے اور اس وجہ سے اخلاص میں مجاہدہ نہ کرے بلکہ یہ جان لینا چاہئے کہ متقیوں کی بہ نسبت غیر متقیوں کو اخلاص کی حاجت زیادہ ہے اس لیے کہ متقیوں کے اگر نوافل جاتے رہیں گے تو فرائض رہیں گے۔ غیر متقی کے تو فرائض میں بھی نقصان ہے اور ان کا نقصان نوافل ہی سے بھرا جائے گا اگر نوافل درست نہ ہوئیں تو فرائض کے نقصان کی وجہ سے تباہ ہو جائے گا۔

فائدہ : غیر متقی کو اخلاص کی زیادہ ضرورت ہے۔ حدیث : حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کو بندہ کے حساب کے وقت اگر فرضوں میں کمی ہوگی تو حکم ہوگا کہ دیکھو اس کی نفل بھی ہے یا نہیں اگر نفل ہوگی - تو اس سے فرض کا نقصان پورا کیا جائے گا ورنہ اس کے ہاتھ پاؤں پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

فائدہ : قیامت میں جو عمل میں خلط ملط عمل کرتا ہے اسے فرضوں کے پورا کرنے کی ضرورت ہوگی کہ اس کے فرض ناقص ہوں گے اور گناہ کثرت سے اور گناہوں کے کفارہ کی بھی ضرورت ہوگی اور جب نقصان فرض اور کفارہ گناہ نوافل میں اخلاص کیے بغیر نہیں ہو سکتا وہ اور متقی جو نوافل میں اخلاص کرتا ہے تو وہ ترقی درجات کا طالب ہے۔ ورنہ اگر نفل اس کے پاس نہ ہوگی تب بھی اتنی نیکیاں ضرور رہیں گے جن سے جنت مل جائے۔

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ خوف اطلاع اللہ تعالیٰ کا ہر وقت دل میں رہنا ضروری ہے تاکہ نوافل صحیح ہوں نیز عمل کے بعد بھی یہ خوف رہنا چاہئے تاکہ اس عمل کو ظاہر نہ کرے اور لوگوں سے نہ کہے

درس عبرت : جب یہ تمام طے کرلے تب بھی اسے خوف ہونا چاہئے کہ اس میں ریا پوشید طور پر اس کے عمل میں داخل نہ ہوگیا ہو اور اسے اطلاع بھی نہ ہو اسی لیے اپنے عمل کے قبول اور عدم قبول میں شک کرنا ضروری ہے۔ یعنی یہ سوچ کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری نیت خفیہ لکھ لی ہو اور اس کے سبب مجھ سے ناراض ہو کر میرا عمل میرے منہ پر مارے اور یہ شک اور خوف عمل کے وقت اور بعد عمل بھی چاہے ابتدائے نیت عمل میں نہیں چاہئے۔ بلکہ ابتدا میں تو اس بات کا یقین کرے کہ میں مخلص ہوں سوائے رضائے اللہ کے اور کچھ نہیں چاہتا تاکہ میرا عمل درست ہو اور جب عمل شروع کرنے پر اتنا وقت گزر جائے جس میں غفلت اور نسیان ہو سکتا ہو تو اس بات کا خوف مناسب حال ہے کہ اس غفلت میں شاید کوئی شائبہ ریا یا عجب کا آگیا ہو جس سے عمل باطل ہوگیا ہو مگر توقع قبول کی اغلب رہے۔ اس لیے کہ عمل کے اندر بالاخلاص یقیناً داخل ہوا ہے صرف اس بات میں شک ہے کہ ریا کے سبب سے عمل فاسد ہوگیا یا نہیں تو یقینی بات کی طرف گمان غالب ہے۔ اس بات کے معلوم کرنے سے مناجات

وطاعات میں بڑی لذت ہوتی ہے اس لیے کہ اخلاص تو یقینی ہے اور ریا میں شک ہے۔

مسئلہ: یہ جو اس شک سے بھی خوف کرتا ہے تو اس کا خوف اس قابل ہے کہ اگر وسوسہ ریا غفلت میں بھی ہو گیا تو اس کو دور کر دے۔

مسئلہ: لوگوں کی کارروائی اور طلبہ کی تعلیم سے تقرب الی اللہ چاہے اس کو بھی چاہئے کہ وہ بھی ثواب کی کرے۔ اس خیال سے کہ جس کا کام نکل جائے گا اس کے دل کو سرور ہو گا اور جو علم سیکھے اس کے مطابق جو کام کرے گا یہ دونوں صورتیں ثواب کی ہیں مگر صرف توقع ثواب رکھنی چاہئے شکر اور مکافات اور مدح کا خواہاں نہ ہو نہ طالب علم سے نہ جس کی ضرورت پوری کی ورنہ عمل جاتا رہے گا مثلاً اگر طالب علم سے توقع رکھے کہ پڑھانے کے عوض یہ میری خدمت کرے گا یا راہ میں میرے ساتھ چلے گا تاکہ میرا حلقہ زیادہ ہو اور کسی کام میں میرا ساتھ دے گا تو یہ استاد اپنی اجرت لے چکا۔ اس کے سوا اسے اور ثواب نہ ملے گا۔

مسئلہ: اگر اس نے نیت نہ کی تھی صرف یہ ارادہ کیا تھا کہ جب یہ پڑھ کر علم کے مطابق عمل کرے گا تو مجھے بھی اتنا ثواب ملا کرے گا لیکن شاگرد نے خود بخود خدمت کی اور اس نے اس کو قبول کیا تھا اس صورت میں توقع ہے کہ اس کا ثواب باطل نہ ہو گا بشرطیکہ استاد کو نہ انتظار خدمت ہو نہ ارادہ یہاں تک کہ اگر شاگرد خدمت نہ کرتا تو برا نہ جانتا۔

اساتذہ کی حکایات: گزشتہ زمانہ میں اساتذہ شاگردوں کی خدمت کے متعلق چند حکایات ملاحظہ ہوں۔

حکایت: ایک عالم دین کسی کنویں میں گر پڑے لوگ انہیں نکالنے آئے اور رسی اندر ڈالی تو انہوں نے اندر سے قسم دلائی کہ جس نے مجھ سے ایک آیت قرآن مجید بھی پڑھی ہو یا حدیث سنی ہو وہ اس رسی کو ہاتھ نہ لگائے۔

فائدہ: یہ حق ہے کہ اتنا خدمت لینے سے ثواب جاتا رہے۔

حکایت: حضرت شفیق بلخی رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک کپڑا حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس بطور ہدیہ بھیجا۔ انہوں نے مجھے واپس کر دیا۔ میں نے عرض کی یا حضرت میں نے آپ سے حدیث نہیں پڑھی۔ آپ ضرور قبول فرما لیں۔ فرمایا کہ یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ آپ میرے ہاں نہیں پڑھے لیکن آپ کا بھائی میرے پاس حدیث پڑھتا ہے لہٰذا مجھے خوف ہے کہ میں بہ نسبت دوسرے مجرموں کے زیادہ مجرم ٹھہروں۔

حکایت: ایک دفعہ کوئی آپ کی خدمت میں ایک تھیلی یا دو تھیلیاں اشرفیوں کی لایا اور اس شخص کا باپ آپ کا بڑا دوست تھا۔ آپ اکثر اس کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ اس شخص نے عرض کی کہ آپ کے دل میں میرے باپ کی طرف سے کوئی بات ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ اسے بخشے وہ بڑا نیک تھا۔ اس کی تعریف کی اس نے عرض کی کہ

آپ تو جانتے ہی ہیں کہ یہ مال میرے قبضے میں اس کی وراثت سے آیا ہے تو میں نذر لایا ہوں۔ آپ اس سے اپنے عیال کی ضروریات پوری کریں۔ یہ ہدیہ حضرت سفیان رضی اللہ عنہ نے قبول کرلیا لیکن جب وہ شخص چلا گیا تو اپنے بیٹے مبارک سے کہا کہ اس شخص کو بلا جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ اب میرا خیال یہ ہے کہ اپنا مال لے جاؤ۔ اس نے بہت اصرار کیا مگر آپ نے نہ مانا اور واپس کر دیا۔

فائدہ: اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس کے باپ سے محبت اللہ کے لیے تھی تو برا جانا کہ اس کے مال میں سے کچھ لیں۔ آپ کے صاحبزادہ مبارک کہتے ہیں کہ جب وہ مال لے کر چلا گیا میں نہ رہ سکا آپ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ کو کیا ہوا ہے۔ یہ چند گنتی کے پتھر تھے ان کو واپس کیوں کر دیا کیا آپ کے یہاں کنبہ نہیں مجھ پر رحم نہیں آیا۔ اپنے بھائیوں پر رحم نہیں کرتے نہ ہمارے عیال پر رحم کرتے ہو۔ جتنا کہا گیا خوب کہا۔ آپ نے فرمایا کہ مبارک اللہ سے ڈرو' کھاؤ' اڑاؤ تو تم اس کی بازپرس ہو مجھ سے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ عالم دین سے اگر کسی کو فیض ہو تو اس کے ثواب کا طالب صرف اللہ سے ہو۔

شاگردوں کو ہدایات: شاگردوں پر بھی واجب ہے کہ وہ بھی ہمیشہ اجر و ثواب کے طلب گار رہیں استاد اور عوام کی نظروں میں عزیز ہونے کا خیال دل سے دور رکھیں۔

فائدہ: کبھی شاگرد کو یہ خیال گزرتا ہے کہ اگر ظاہر میں طاعت الٰہی کروں گا تو اس کی نظروں میں مرتبہ حاصل کروں گا اور اچھی طرح پڑھوں گا یہ خیال غلط ہے اس لیے کہ طاعت الٰہی سے ارادہ غیر اللہ کا کرنے سے نقصان تو نقد ہوتا ہے اور علم کا مفید اور غیر مفید ہونا موہوم ہے۔ پس عمل نقد کو دائمی فائدہ کے عوض ضائع کر کے کیوں نقصان اٹھائے۔ یہ امر تو سراسر ناجائز ہے بلکہ یوں چاہئے کہ اللہ کے لیے پڑھے اور اسی کے لیے عبادت کرے اور اس کے لیے استاد کی خدمت کرے کہ استاد کے دل میں عزت ہوگی اگر یہ منظور ہو کہ تحصیل علم طاعت میں متصور ہو اس لیے کہ بندوں کو یہی حکم ہے کہ سوائے اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اپنی طاعت سے غیر اللہ کو چاہیں۔ اس طرح جو والدین کی خدمت کرے۔ وہ اس قصد سے کرے کہ ماں باپ کی رضامندی میں اللہ کی رضامندی ہے۔ اس لیے نہ کرے کہ خدمت کرنے سے میری عزت ان کے دل میں ہو جائے اور اسے جائز نہیں کہ طاعت اللہ سے ریا اس لیے کرے کہ ماں باپ کے دل میں عزت پیدا ہو کیونکہ یہ گناہ ہے اور یہ بھی دور نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا ریا دفع کردے اور والدین کی نظروں میں گر جائے۔

مسئلہ: وہ زاہد جو خلق اللہ سے کنارہ کش ہو تو اس کو ہمیشہ خیال ذکر الٰہی کا دل کے ساتھ رہنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کی آگاہی پر قناعت کرنی چاہئے۔ اس کے دل میں یہ بات نہ گزرے کہ میرے زہد کا حال لوگوں کو معلوم ہو جائے اور وہ میری عزت کریں اس لئے کہ اس سے تخم ریا سینہ میں بویا جاتا ہے یہاں تک کہ عبادت کا کرنا تنہائی میں آسان ہو جاتا

ہے اور چونکہ لوگ اس کی تکریم کرتے ہیں اور اس کی گوشہ نشینی سے واقف ہیں اس لیے بڑے اطمینان سے بیٹھا رہتا ہے اور اس کو خبر نہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پر ہلکے معلوم ہوتے ہیں۔

حکایت: حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے معرفت ایک راہب سے سیکھی ہے جس کا نام سمعان تھا۔ اس کے پاس اس کے گرجا میں گیا اس سے پوچھا کہ آپ اس جگہ کب سے مقیم ہو اس نے کہا کہ ستر سال سے۔ میں نے پوچھا کہ آپ کی غذا کیا ہے۔ اس نے کہا کہ اس سے تمہارا مطلب۔ میں نے کہا ویسے پوچھتا ہوں اس نے کہا کہ ہر رات صرف ایک چنا کھاتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ تمہارے دل میں ایسی کیا بات ہے کہ ایک چنا کافی ہو جاتا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ لوگ جو تمہاری نظروں کے سامنے ہر سال میں ایک روز میرے پاس آتے ہیں اور اس عبادت خانہ کو آراستہ کرتے ہیں اور اس کے گرد طواف کرتے ہیں اور میری بڑی تعظیم کرتے ہیں پھر جب کبھی میرا نفس عبادت کرتا ہے تو میں اس کو اسی ساعت کی عزت یاد دلاتا ہوں تو ایک ساعت کی تعظیم توقیر کے لیے سال بھر مشقت اٹھاتا ہوں۔

سبق: اے سالک تو ایک ساعت کی مشقت سے دائمی عزت حاصل کر اس کی اس بات سے میرے دل میں معرفت الٰہی کی وقعت ہوئی پھر راہب نے کہا کہ یہ عذر کافی ہے یا اور زیادہ چاہتے ہو۔ میں نے کہا کہ بہتر کہا کہ اس عبادت خانہ سے نیچے جاؤ۔ جب میں نیچے گیا تو اس نے ایک پڑیا میں بیس چنے لٹکا کر مجھے دیئے اور کہا کہ دیر میں چلے جاؤ۔ وہاں کے لوگوں نے مجھے چنے کھاتے دیکھ لیا ہے میں دیر میں گیا تو تمام نصاریٰ میرے پاس جمع ہو گئے اور کہا کے اے مسلم ہمارے پادری نے تمہیں کیا دیا ہے میں نے کہا کہ اپنی غذا دی ہے۔ انہوں نے کہا کہ تم اس کو کیا کرو گے۔ اس کے مستحق تو ہم لوگ ہیں۔ ہمارے ہاتھ بیچ ڈالو۔ میں نے کہا میں اسے بیس اشرفی میں بیچتا ہوں۔ انہوں نے بیس اشرفیاں دے کر چنے لے لیے۔ میں پھر اس راہب کے پاس آیا اس نے پوچھا چنے کہاں ہیں میں نے کہا کہ ان لوگوں کے ہاتھ بیچ دیئے۔ اس نے پوچھا کتنے کو میں نے کہا بیس اشرفیوں کو۔ اس نے کہا کہ تم نے غلطی کی اگر بیس ہزار اشرفیاں مانگتے تو وہ دے دیتے۔ اے مسلمان یہ عزت اس کی ہے جو اس کی عبادت نہیں کرتا اور جو صرف اس کی عبادت کرتا ہے اس کا کیا کہنا۔ اب تم رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور چلنا پھرنا چھوڑ دو۔

فائدہ: مقصود یہ ہے کہ نفس کو جب اپنی عزت لوگوں کے دلوں میں محسوس ہوتی ہے تو تنہائی میں بھی مجاہدہ کا سبب ہوتی ہے مگر کبھی سالک کو اس کی اطلاع نہیں ہوتی اس لیے ضروری ہے کہ اس پر حذر رہنا چاہئے۔

علاج: اس میں سلامتی کا نشان یہ ہے کہ سالک کی نگاہ میں انسان و حیوان ایک جیسے ہوں بالفرض اگر عوام اس سے منہ پھیرلیں تو نہ دل تنگ ہو اور نہ شور مچائے۔ اگر معمولی طور دل میں کراہت محسوس کرے تو فوراً اسے دفع کرے حتیٰ کہ اگر یہ شخص عبادت میں ہو اور لوگ اس پر مطلع ہو جائیں تو ان کی اطلاع سے نہ تو خشوع زیادہ ہو اور نہ دل

پر سرور میں اضافہ۔ اگر کسی سے اسے کچھ حاصل ہو تو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ابھی ضعیف ہے لیکن اگر اس کے رد کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور دفع کی طرف عجلت کر کے کہے کہ میں مانتا ہی نہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سعی ضائع ہو جائے گی اگر لوگوں کے دیکھنے کے وقت خشوع اس نظریہ سے زیادہ کرے کہ لوگ زیادہ نہ آئیں اور نہ تضیع اوقات کریں تو اس کا کوئی حرج نہیں لیکن اس صورت میں دھوکا بھی ہے اس لیے کہ اظہار خشوع کے لیے نفس کی خواہش بعض اوقات پوشیدہ ہوتی ہے مگر اس کے اظہار کے لیے نفس بہانہ یہ بنالیتا ہے کہ مجھے لوگوں کے ساتھ زیادہ اختلاط مقصود نہیں اس کے اس دعویٰ کا آزمانا سہل ہے بایں طور کہ تامل کرے کہ لوگوں کی بندش تو اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ دوڑ کر چلنے لگے یا بہت ہنسا کرے یا بہت کھانے لگے اگر نفس بندش کے لیے ان باتوں کو گوارا کرے تو سچا ہے۔ اگر بندش کے لیے عبادت کا جی چاہے تو اس سے غالباً اس کی مراد یہی معلوم ہوتی ہے کہ اپنی عزت لوگوں کے دلوں میں چاہتا ہے اور اس سے وہی بچے گا جن کے دل میں تصور مضبوط ہے کہ سوائے اللہ کے اور کوئی معبود نہیں اور عبادت یوں کرے کہ گویا زمین پر وہ اکیلا ہے۔ اسے کوئی دیکھنے والا نہیں تو ایسے شخص کے دل میں عوام کا خطرہ پہلے تو ہوتا نہیں اگر ہوتا بھی ہے تو بہت ضعیف ہوتا ہے کہ اس کا دور کرنا کوئی مشکل نہیں۔

فائدہ: جب کوئی آدمی اس حال پر ہوتا ہے تو لوگوں کے دیکھنے سے کچھ تبدیل نہیں ہوتا اور اس حال کے نہ ہونے کی پہچان یہ ہے کہ اگر بالفرض اس کے دو دوست ہوں ایک تونگر دوسرا مفلس تو دولت مند کے آنے کے وقت نفس میں زیادہ خوشی اس کی تعظیم کی بہ نسبت فقیر کے نہ ہو بشرطیکہ اور کوئی وجہ تعظیم سوائے تونگری کے نہ ہو مثلاً اگر وہ دولت مند عالم ہو یا متقی ہو تو اس وقت اس کی تعظیم اس وصف خاص کی وجہ سے کر سکتا ہے۔ دولت مند کو اس میں دخل نہیں۔

فائدہ: جو شخص کہ اغنیا کے دیکھنے سے زیادہ راحت پاتا ہو بہ نسبت فقیر کے تو وہ ریاکار اور لالچی ہے ورنہ فقیروں کے دیکھنے سے تو رغبت آخرت زیادہ ہوتی ہے۔ دل پر مساکین کی محبت ہوتی ہے اور اغنیا کا دیکھنا اس کے برعکس ہے تو کس طرح تو دولت مندوں کی ملاقات سے زیادہ راحت بہ نسبت فقراء کے ہو سکتی ہے۔

فائدہ: جیسی ذلت دولت مندوں کی حضرت سفیان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس میں ہوتی تھی ایسی اور جگہ نہیں ہوتی تھی۔

حکایت: آپ کا دستور تھا کہ دولت مندوں کو آخری صف میں بٹھاتے تھے اور پہلی صف میں فقراء ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ دولت مند آپ کی مجلس میں تمنا کرتے کہ کاش ہم فقیر ہوتے۔

فائدہ: دولت مند کی تعظیم کی ایک اور صورت ہے وہ یہ کہ اس سے رشتہ داری ہو یا پہلے سے دوستی ہو مگر اس صورت میں بھی یہ شرط ہے کہ اگر یہی تعلق کسی فقیر میں بھی پایا جائے تو پھر غنی کو فقیر پر ترجیح نہ دی جائے اس لیے

کہ فقیر کا مرتبہ اللہ کے نزدیک غنی سے زیادہ ہے۔ اب اگر کوئی غنی ہی کو ترجیح دینے لگے تو معلوم ہوگا کہ وہ مال کی لالچ سے اس کے ساتھ ریا کرتا ہے۔ پھر اگر پاس بٹھلانے میں مساوات غنی اور فقیر کی سمجھے تو یہ خوف ہے کہ کہیں حکمت و خشوع غنی کے سامنے بہ نسبت فقیر کے زیادہ ظاہر نہ کرے۔ یہ امر ریا خفی اور طمع خفی سے سرزد ہوا کرتا ہے۔ جیسا کہ

حکایت: ابن سماک نے اپنی لونڈی سے کہا تھا کہ واللہ عالم کیا سبب ہے کہ جب میں بغداد میں آتا ہوں تو مجھ پر حکمت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ (یعنی کلام حکمت آمیز بہت کہتا ہوں) اس نے جواب دیا کہ لالچ سے آپ کی زبان تیز ہو جاتی ہے۔

فائدہ: واقعی اس نے درست کہا کہ توانگر دولت مند کے سامنے زبان ایسی کھلتی ہے کہ ایسی فقیر کے سامنے نہیں کھلتی۔ اس طرح خشوع بھی تونگر کے سامنے اتنا ہوتا ہے کہ فقیر کے سامنے نہیں ہوتا۔

انتباہ: شیطان کے خفیہ مکرو فن اس بارے میں ہر طرح ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا اور انسان کو ان سے تب نجات ملتی ہے جب ماسوائے اللہ کو دل سے نکال دے اور نفس سے زندگی بھر خوف کرے۔

علاج: نفس کی شہوات آگ ہیں۔ یہ آہستہ آہستہ نکلنے کے بعد کلی طور پر سکون ملتا ہے۔

مثال: دنیا میں یوں گزارے جیسے کوئی بادشاہ کہ شہوتوں نے اسے گھیر رکھا ہو اور اسے ہر طرح کی لذات آس پاس ہوں مگر اس کے بدن میں ایسا مرض ہو کہ اگر ذرا بھی شہوات میں قدم بڑھائے۔ تو مرجانے کا خوف ہو اور وہ جانتا ہو کہ اگر میں پرہیز کروں گا اور ان شہوات سے بچوں گا تو زندگی بچ جائے گی اور سلطنت بھی قائم رہے گی اور اس خیال سے طبیبوں اور ڈاکٹروں کی صحبت اختیار کرے اور نفس کو کڑوی اور بد مزہ دواؤں کے پینے کا عادی کرکے تمام لذات کو ترک کرے تو قلت غذا کی وجہ سے اس کا بدن ہمیشہ لاغر ہوتا جائے گا لیکن بیماری بھی روز بروز شدت پرہیز کی وجہ سے کم ہوتی جائے گی پس جب کبھی نفس اس کا کسی شہوت کی تمنا کرے گا تو تمام درد تکلیفیں مرض کے خیال میں پھر جائیں گی جن کا انجام موت ہے اور موت کے سبب سلطنت بھی جاتی رہے گی۔ دشمن خدا خوش ہوں گے اور اگر دوا کی تختی نفس پر ناگوار ہوگی تو اس سے جو شفا اور تندرستی نصیب ہوتی ہے۔ وہ خیال میں آئے گی کہ تندرست ہو کہ سلطنت میں چین کریں گے اور فارغ البالی سے حکومت کرتے رہیں گے۔ اس چکر سے لذتوں کا چھوڑنا اور مکروہ بات پر صبر کرنا آسان معلوم ہوگا یہی حال مومن سالک کا ہے جو سلطنت آخرت کی تمنا رکھتا ہے وہ بھی ایسی چیزوں سے جو آخرت میں مہلک ہوں یعنی لذات دنیاوی سے احتراز کرتا ہے اور ان میں قدر قلیل پر اکتفا کرتا ہے اور لاغری اور عاجزی اور وحشت اور حزن و خوف اور ترک و نست مخلوق سے اس لیے پسند کرتا ہے کہ اسے ڈر ہے کہ کہیں اللہ کا غضب نازل ہو کر تباہ نہ کردے اور یہ توقع ہوتی ہے کہ عذاب الٰہی سے نجات پاؤں اس

(5) لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيْرًا ہ اپنے جی میں بہت تکبر کرتے ہیں اور شرارت میں بہت سر چڑھ رہے ہیں۔

(6) اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ (المومن 60) بے شک وہ جو میری عبادت سے اونچے کھینچتے ہیں عنقریب جہنم میں جائیں گے، ذلیل ہو کر (کنزالایمان)

قرآن حکیم میں تکبر کی مذمت بہت زیادہ بیان ہوئی۔

احادیث مبارکہ: (1) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لا یدخل الجنته من کان قلبه شقال جنه من خردل من کبر ولا یدخل النار ترجمہ: وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ برابر بھی تکبر ہے اور وہ شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا۔
من کان فی قلبه مثقال جنه من خردل من ایمان

(2) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث قدسی شریف مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہبند ہے ان کے بارے میں جو بھی مجھ سے جھگڑے گا تو میں اسے جہنم میں ڈال دوں گا اور میں اس کی ذرہ بھر بھی پروا نہیں کروں گا۔ (مسلم شریف)

(3) حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مروہ پہ ملے اور وہاں کچھ دیر رکے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ تو چلے گئے مگر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وہاں کھڑے کھڑے روتے رہے۔ آپ سے لوگوں نے رونے کی وجہ پوچھی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے یوں ارشاد فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا جس کے دل میں رائی کے دانہ برابر بھی تکبر ہوگا اسے اللہ تعالیٰ اوندھے منہ جہنم میں پھینک دے گا۔

(4) ایک حدیث شریف میں اس طرح بھی آیا ہے کہ بندہ اپنے آپ کو (تکبر کرکے) اتنا بلند کرلیتا ہے کہ بالآخر وہ جباروں کی لسٹ میں لکھ دیا جاتا ہے۔ جو عذاب جباروں کو پہنچتا ہے۔ اسے بھی وہی عذاب ہوتا ہے۔

حکایت: ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام نے انسانوں اور جنوں کو کہا کہ باہر چلوں۔ دو لاکھ انسان اور دو لاکھ جن نکلے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اتنے بلند کیے گئے کہ آپ نے فرشتوں کی تسبیح کی آواز آسمانوں سے سنی۔ پھر آپ کو نیچے اتارا گیا کہ آپ کے پاؤں مبارک سمندر تک جا پہنچے آپ نے وہاں بھی ایک آواز سنی کہ اگر تمہارے آقا حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں ذرہ کے برابر بھی تکبر ہوا تو اتنے بلند مقام پر نہ پہنچتے ورنہ اسے سے بھی زیادہ زمین میں اتار دوں۔

(5) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک گردن دوزخ میں سے نکلے گی جس میں سننے والے کان،

دیکھتی ہوئی دو آنکھیں اور بولتی ہوئی ایک زبان ہوگی وہ گردن کہے گی کہ میرے حوالے تین قسم کے لوگ ہوئے ہیں۔ (1) جبار عنید (2) مشرک (3) مصور (فوٹو گرافر)

(6) حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ بخیل نہ متکبر نہ بڑائی کرنے والا اپنے ماتحتوں سے۔

(7) حدیث شریف میں ہے کہ جنت اور دوزخ کی آپس میں گفتگو ہوئی۔ دوزخ نے کہا مجھے متکبرین اور جبار ملیں گے۔ جنت نے کہا کہ پھر میں نے کیا (قصور) کیا ہے کہ مجھے کمزور، افتادے اور عاجز قسم کے لوگ ملیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کو فرمایا (اے جنت) تو تو میری رحمت ہے تجھ سے میں جس پہ چاہوں گا اس پہ رحمت کروں گا اور دوزخ کو ارشاد فرمایا (اے دوزخ) تو میرا عذاب ہے۔ تجھ سے جسے چاہوں گا عذاب دوں گا۔ لوگوں سے تم دونوں کو بھر دوں گا۔

(8) حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ بندہ برا ہے جو جبر اور تعدی کرے اور سب سے بڑے جبار (حقیقی) کو بھول جائے اور وہ بھی برا آدمی ہے جو جبر کرے اور اترائے اور کبیر متعال کا خیال نہ کرے۔ وہ بھی برا آدمی ہے جو لہو ولعب میں تو مشغول رہے مگر قبروں اور مٹی میں جانے کو بھلا بیٹھے، وہ بھی برا آدمی ہے جو سرکشی میں اتنا بڑھ جائے کہ مبتداء اور منتہا اسے یاد ہی نہ آئے۔

(9) حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ حق میں عرض کیا کہ فلاں شخص بڑا متکبر ہے یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا اس کے پیچھے موت نہیں ہے۔

(10) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت جب قریب آگیا تو آپ نے اپنے دونوں صاحبزادوں کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں دو چیزوں سے روکتا ہوں اور دو چیزوں کے کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ شرک اور تکبر کرنے سے تو روکتا ہوں اور لاالہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں) کا حکم دیتا ہوں کیونکہ زمین و آسمان اور جو کچھ زمین و آسمان میں ہے۔ ایک پلے میں رکھ دیا جائے جبکہ دوسرے پلے میں یہ کلمہ طیب رکھ دیا جائے تو اسی کلمہ کا پلہ بھاری ہوگا اور اگر زمین و آسمان اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے ان سب کا ایک حلقہ ہو اور اس حلقے پر لا الہ الا اللہ رکھ دیا جائے تو یہ کلمہ حلقہ توڑ ڈالے گا اور دوسری بات کہ جس کا حکم دیتا ہوں وہ سبحان اللہ وبحمدہ ہے کہ یہ ہر ایک چیز کی نماز ہے اور ہر چیز کو اسی سے ہی رزق عطا فرمایا جاتا ہے۔

فائدہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ خوش حال اس کا جسے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب سکھائے اور جبار ہو کر نہ مرے۔

(11) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ تمام دوزخی لوگ درشت خو تکبر کرنے والے بہت جوڑنے والے اور کچھ بھی نہ دینے والے ہیں اور جنتی کمزور مغلوب ہیں۔

(12) حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخرت میں تم میں سے ہمارا زیادہ محبوب اور قریبی وہ شخص ہوگا جس کے اخلاق تم میں سے سب سے زیادہ عمدہ ہوں اور مبغوض ترین اور سب سے زیادہ (رحمت حق) سے دور وہ شخص ہوگا جو فضول (باتیں) کرنے والا اور (اپنی) فصاحت اور بلاغت (کے چرچے) کے لے باچھیں پھاڑ پھاڑ کر باتیں کرے اور متکبر ہو۔

(13) ایک حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن متکبر آدمیوں جیسی چیونٹیاں بن کر (اپنی قبروں) سے اٹھیں گے اور ان پر پاؤں رکھ کر لوگ چلیں گے۔ ان پر ہر قسم کی ذلت سوار ہوگی۔ بعد ازاں جہنم کے قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا جسے بولس کہا جاتا ہے اور تمام آگوں کی آگ انہیں لگ جائے گی اور انہیں پینے کے لیے دوزخیوں کا نچوڑ اور پیپ گارہ ملے گا۔

(14) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبار اور متکبر چیونٹیوں کی حالت میں اٹھائے جائیں گے اور انہیں دوسرے لوگ پاؤں تلے روند ڈالیں گے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو انہوں نے (معاذ اللہ)

(15) حضرت محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں حضرت بلال بن ابی بردہ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ کے والد گرامی نے مجھے ایک حدیث شریف اپنے والد گرامی کی زبانی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل کی تھی کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک جنگل دوزخ میں ہے جسے مہیب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو صرف یہی منظور ہے کہ وہاں صرف جبار لوگ ہی رہیں اس لیے اے بلال تو اپنے آپ کو اس سے بچائے رکھنا۔

(16) ایک حدیث شریف میں اس طرح بھی آتا ہے کہ دوزخ میں ایک ایسا مکان بھی ہے جس میں تکبر کرنے والوں کو بند کر دیا جائے گا۔

(17) ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللھم انی اعوذ بک من نفخة الکبریا ترجمہ: یا اللہ میں پناہ مانگتا ہوں، تجھ سے پھونک کبریا سے۔

(18) فرمایا جو شخص (ان) تین باتوں سے بری ہو کر فوت ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (1) کبر (2) قرض (3) خیانت

اقوال سلف صالحین رحمتہ اللہ علیہم: تکبر کی مذمت میں آثار میں منقول ہیں۔

(1) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کوئی مسلمان بھی کسی دوسرے مسلمان کو حقیر نہ سمجھے کیونکہ جو مسلمان مسلمانوں میں صغیر ہے وہی اصل میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک (مقام و مرتبے کے لحاظ سے) بڑا ہے۔

(2) حضرت وھب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب جنت عدن پیدا کی تو اس کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ تو تکبر کرنے والے پہ حرام ہے۔

(3) حضرت احنف بن قیس رحمتہ اللہ علیہ حضرت مصعب بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کے برابر ہی تخت پہ بیٹھتے۔ ایک دن جب آپ تشریف لائے تو وہ پاؤں پھیلا کر بیٹھا ہوا تھا اور اپنا پاؤں اکٹھا نہ کیا۔ ان کے بیٹھنے سے اس کا پاؤں دب گیا۔ اس کے چہرے سے ہی آپ نے معلوم کر لیا کہ پاؤں کا دبنا اسے برا محسوس ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا عجیب بات ہے کہ آدم زاد ہو کر تکبر کرے حالانکہ (اس کی حقیقت یہ ہے کہ) وہ دو مرتبہ پیشاب والی جگہ سے نکلا ہے یعنی پہلی بار جبکہ وہ نطفے کی شکل میں تھا دوسری مرتبہ پیدائش کے وقت۔

(4) حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عجیب بات ہے کہ آدمی روزانہ ایک یا دو مرتبہ اپنے ہی ہاتھ سے پاخانہ بھی دھوتا ہے اور پھر تکبر بھی کرتا ہے اور زمین و آسمان کے جبار (حقیقی) کا مقابلہ بھی کرتا ہے۔

فائدہ: اس آیت مبارکہ میں وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ. ترجمہ اور خود تم میں تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں (کنزالایمان)، الذریت آیت 21) بعض مفسرین کرام نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہاں بول و براز کے راستوں کی طرف اشارہ ہے۔

(5) حضرت محمد بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ جس کسی کے دل میں جتنا بھی تکبر آجاتا ہے اس کی عقل اتنی ہی کم ہو جاتی ہے۔ اگر تکبر کم ہوگا تو اس کی عقل کا نقصان بھی کم ہوگا۔ یونہی اگر تکبر زیادہ ہو تو اس کی عقل کا نقصان بھی کم ہوگا۔ یونہی اگر تکبر زیادہ ہو تو اس کی عقل کا نقصان بھی زیادہ ہوگا۔

(6) حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا کہ ایسی کون سی بدی ہے جس کے ہوتے ہوئے کوئی بھی نیکی فائدہ مند نہ ہو؟ آپ نے ارشاد فرمایا وہ بدی تکبر ہے!

(7) حضرت نعمان بن بشیر رحمتہ اللہ علیہ نے منبر شریف پہ ارشاد فرمایا کہ شیطان کے پاس پھندے اور جال بہت زیادہ ہیں ان پھندوں اور جالوں میں سے اللہ کی نعمتوں پر اترانا، اس کی عطا پہ فخر کرنا، اس کے بندہ پہ تکبر کرنا، حق تعالیٰ کی ذات کے علاوہ دوسری چیزوں میں آرزو کی اتباع کرنا اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے دین و دنیا میں بچائے۔ آمین ثم آمین

احادیث مبارکہ

کپڑا لٹکا کر اور اترا کر چلنے کی مذمت: (1) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لا ینظر اللہ الی رجل یجر ازارہ بطراً ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف (نظر رحمت) سے نہیں دیکھتا جو اتراتے ہوئے اپنی چادر گھسٹ کر چلے

(2) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بینما رجل اذا عجبتہ نفسہ وفخسف اللہ بہ الارض فھو فھو

ینخلخلها الی یوم القیامۃ ترجمہ: بندہ دو چادروں میں اترا اترا کر چل رہا ہو۔ اپنا نفس اسے اچھا معلوم ہو۔ پس اللہ تعالیٰ اسے زمین میں دھنسا دیتا ہے کہ وہ اس میں قیامت تک دھنستا چلا جاتا ہے۔

(3) نیز فرمایا جر ثوبہ خیلاء لم ینظرہ اللہ یوم القیامۃ ترجمہ: جو شخص تکبر سے اپنا کپڑا گھسٹتا ہے اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (نظر رحمت) سے نہیں دیکھے گا۔

(4) حضرت زید بن اسلم رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس گیا۔ اس وقت، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نئے کپڑے پہنے ہوئے۔ آپ کے پاس سے گزرے تو آپ نے اسے فرمایا کہ ارے بیٹا اپنی ازار اونچی کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے میں نے سنا ہے کہ جو کوئی بھی آزار کو اترائے ہوئے کھینچے گا اس کی طرف (رحمت کی) نظر سے اللہ تعالیٰ نہیں دیکھے گا۔

(5) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن اپنی ہتھیلی پہ تھوکا اور اس پہ اپنی انگلی مبارک رکھ کر فرمایا کہ اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ اے اولاد آدم کیا تو مجھ سے بچ جائے گا۔ (حالانکہ) میں نے تو تجھے اس جیسی ہی چیز سے بنایا ہے۔ مگر جب تجھے میں نے جوان بنا دیا تو تو اب لباس میں ملبوس ہو کر) یوں چلتا ہے کہ زمین بھی فریاد کرنے لگتی ہے۔ تو نے مال جمع تو کیا مگر کسی کو بھی نہ دیا۔ جب تیری روح (نکلتے ہوئے) گردن میں پہنچ چکی تو اس وقت کہنے لگا۔ اب میں صدقہ کروں گا۔ مگر وہ وقت (جان کنی کا وقت) صدقے کا وقت تو نہیں ہے۔

(6) ایک حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت میری امت تکبر سے چلنا شروع کرے گی اور فارس و روم کے رہنے والے ان کی خدمت کرنے لگیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض لوگوں کو بعض لوگوں پہ مسلط کردے گا۔

(7) ایک حدیث مبارکہ میں اس طرح بھی ارشاد گرامی ہوا ہے کہ جو شخص اپنے جی میں بڑا بنتا ہے۔ یعنی تکبر کرتا، ہے اور چلتے وقت اتراتا ہے وہ اللہ کے سامنے اس حال میں حاضر ہوگا کہ اس پہ اللہ تعالیٰ غصہ ہو۔

اقوال اسلاف رحمتہ اللہ علیہم: آثار ابوبکر ہذلی رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے تھے کہ وہاں سے ابن ہتیم کا گزر ہوا۔ وہ اس وقت پاخانہ پھرنے جا رہا تھا اس نے کئی ریشمی کرتے پہنے ہوئے تھے۔ وہ تمام کرتے ایک دوسرے کے اوپر تہ بہ تہ پہنے ہوئے تھے اور قبا ان میں سے کھل رہی تھی اس کی چال میں تکبر کا اظہار ہوتا تھا۔ اسے حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک نظر دیکھ کر فرمایا لعنت ہے اس ناک پھیلائے، کمر لچکائے اور گردن موڑنے پر اپنے دونوں جانب دیکھتا بھی جاتا ہے۔ ارے بے وقوف اپنے دونوں جانب کس لیے دیکھتا ہے۔ تیرے دونوں جانب تو اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمتیں ہیں جن کا تو نے شکر بھی ادا نہیں کیا نہ ہی انہیں زبان پہ لایا ہے۔ ان کے بارے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے حکم دیا ہے اسے بھی نہیں مانا۔ ان کے بارے میں جو کچھ تجھ پر اللہ تعالیٰ کے حقوق تھے تو نے انہیں بھی ادا نہیں کیا بخدا کہ کچھ لوگ یوں چلتے ہیں کہ

طبیعت ان کی تو یہ چاہتی ہے کہ پاگلوں کی مانند جھک جائے حالانکہ یہ معلوم نہیں ہے کہ اس کے اعضاء میں ہر عضو میں اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت موجود ہے اور اسے شیطان ایک کھیل بنانے کے لیے تیار ہے۔ یہ سن کر ابن ہتیم واپس آیا۔ آپ کے پاس عذر کرنے لگا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے عذر کیوں کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے (سچے دل سے) توبہ کرو۔ تو نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی نہیں سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا (بنی اسرائیل پ 37) اور زمین میں اترا تا نہ چل بے شک ہرگز زمین نہ چیر ڈالے گا اور ہرگز بلندی میں پہاڑوں کو نہ پہنچے گا۔

حاشیہ اویسی غفرلہ: تواضع اخلاقیات میں ایک اعلیٰ علامت ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ انسان ملکوتی اور بہیمی طاقتوں کا مجموعہ ہے۔ اس کو اگر ایک طرف ملکوتی محاسن ودیعت کیے گئے ہیں تو دوسری جانب اس کا رشتہ بہیمی مخلوقات سے وابستہ ہے۔ الغرض صانع عالم نے اس کی تقویم میں متضاد و متبائن اشیاء کو مجتمع کر دیا ہے۔ اگر انسان اپنی امتیازی خصوصیت عقل و دانش سے کام لے کر اپنی ہستی کی حلت العل اور وفی انفسکم افلا ینصرون کے اسرار اور رموز سے بہرہ مند ہو کر اپنی متضاد و متبائن قوتوں کو حد اعتدال میں نہ رکھے تو یا تو اس کا ناسوتی مقصد حیاتت فوت ہو جائے گا اور پھر لاہوتی غرض تخلیق کالعدم اور اسی طرح وہ صحیح معنوں میں انسان کہلانے کا مستحق نہ رہے گا۔

ومی زادہ طرز معجونیست' از فرشتہ سرشتہ وازحیواں سرکند میل ایں شود کم ازیں درکند قصد آں شود بہ از آں ایک وقت تھا کہ جبکہ نفسانی خواہشوں اور شہواتی رغبتوں میں ڈوب کر متبائن تقویم کا پیکر نور مجسمہ نار بن رہا تھا کہ حقانیت کے آسمان (یہاں پر سہو چھپا ہوا ہے) چاک ہوگیا۔ مشکوات مبہوت اور نور آسمانی و قرآن حکیم نے اپنی آیات بنیات کے ذریعہ افراط و تفریط کرنے والوں کی ملامت کی اور ان کی دنیا و آخرت کی بدانجامی سے ترہیب و تخویف دلائی اور قوانین فطرت کی وساطت سے اعتدال کے اصول کو مستحکم کر دیا۔

قرآن حکیم نے جو انسانی رشد و ہدایت کے لیے نازل ہوا تھا۔ ہمیں مختلف اسالیب سے بتلایا کہ اعتدا و میانہ روی کی شاہراہ پر چل کر عقل و دانائی سے کام لیتے ہوئے ہم نفسانی کمال اور روحانی ترفع کے اس درجہ تک رسائل حاصل کریں جو ہماری پیدائش و تخلیق کی غایت انعایات ہے۔ حتی کہ عبادات میں بھی جو مذہب اسلام کا منصرہ چار ہیں ہے۔ افراط و تفریط کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا بلکہ جس قدر جسمانی و قلبی عبادات کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ ان سے صرف یہی مقصود ہے جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ کما قال اللہ تعالی مایرد اللہ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اللہ تم پر کسی طرح کی تنگی کرنا نہیں چاہتا لیکن تم کو صاف ستھرا رکھنا چاہتا ہے کہ تم پر اپنا احسان پورا کرے تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔ حضرت سید الوجود صاحب المقام المحمود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایاکم و انعلوفی الدین فانما ہلک من کان قبلکم بالغو فی الدین مذہبی غلو سے بچتے رہو کیونکہ تم سے پیشتر بہت سی قومیں اس کی بدولت ہلاک ہو چکی ہیں۔ انفاق اموال کی اسلام کے مقدس صحیفہ میں جا بجا تاکید آئی ہے۔ سخاوت اسلام کی نظر میں ایک خصلت محمودہ ہے اور اسے عبادت کے ہم پلہ ٹھہرایا گیا ہے لیکن سخاوت بھی اسلام میں اس وقت تک افضل سمجھی جاتی

حکایت: ایک دفعہ ایک جوان عمدہ لباس پہنے ہوئے آپ کے پاس سے گزرا تو آپ نے اسے بلا کر ارشاد فرمایا کہ بندہ اپنے جوانی اور حسن پر اکڑتا ہے حالانکہ سمجھنا اس طرح چاہئے کہ میرے اس بدن کو قبر نے چھپایا ہوا ہے اور عمل سامنے آئے۔ جا اپنے دل کا علاج کر۔ اللہ کی غرض بندوں سے صرف اتنی ہی ہے کہ ان کے دل درست ہونے چاہئیں۔

حکایت: مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے خلافت سے پہلے حج کیا۔ انہیں حضرت لاؤس رحمتہ اللہ علیہ نے دیکھا کہ چال ڈھال میں تکبر ہے تو انہوں نے انگلی مبارک آپ کے پہلو میں ماری اور فرمایا کہ جس کے پیٹ میں غلاظت بھری ہوئی ہو اس کی چال ڈھال ایسی نہیں ہونی چاہئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز

بقیہ حاشیہ: ہے جب تک اس میں علاوات کو ملحوظ خاطر رکھا جائے ورنہ یہ خصلت بھی مذموم شمار کی گئی اور گناہ سمجھی جائے گی۔ جس کی بابت انسان کو جوابدہی کرنی پڑی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (1) وات ذالقربٰی حقه والمسکین وابن السبیل ولا بتذر بتذیر ان المبذرین کانو اخوان الشیاطین وکان الشیطٰن لربه کفور (2) ولا تجعل یدک مغلولة الٰی عنقک ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملومًا محسورا (1) اور رشتہ دار و غریب اور مسافر ہر ایک کو اس کا حق پہنچاتے رہو اور دولت کو یوں مت اڑاؤ کہ بے جا اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور پروردگار کا بڑا شکر ہے۔

(2) اور اپنا ہاتھ نہ تو اتنا سکیڑو کہ گویا گردن میں بند رہا اور نہ اس کو بالکل پھیلا ہی دو۔ اگر ایسا کرو گے تو تم ایسے رہ جاؤ گے کہ تم کو ملامت بھی کریں گے اور تم تہی دست بھی ہو گے۔

اسی طرح تواضع ایک اچھی خصلت ہے جو انسانی مداوا عزوت شرف کو بلند کرتی ہے اور اسلام نے ہمیں اس کے اختیار کرنے کی ترغیب و تحریص دلائی ہے۔ سرور کائنات علیہ الصلوۃ التحیات فرماتے ہیں۔ لوکان المتواضع فی قائع بئر بعث اللہ ریحا ترفعه اگر کوئی متواضع شخص بالفرض کنویں کے اندر ہو تو اللہ ایسی ہوا کو بھیجتا ہے جو اس کو بلندی پر لے آتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی حضور اقدس نے ہمیں آگاہ کر دیا ہے کہ اس میں کبھی اس درجہ تفریط نہ ہونی چاہئے جو یہ ذلت رسوائی کی حد تک پہنچ جائے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہم افراط و تفریط سے محترز رہیں اور اعتدال و میانہ روی کے ساتھ بسر کریں لیکن بعض اشخاص کے سامنے تواضع و فروتنی اختیار کریں اور بعض کے ساتھ ترفع اور خود داری سے پیش آئیں تاکہ ہر شخص جس طرح اپنی زبان سے ناصح ہو رہا ہے۔ اپنی طرز زندگی سے بھی ناصح ہو۔ قال علیہ الصلوۃ والسلام (1) ومن لا یوجب لک لا توجب لہ ولا کسی امد (2) لا تصاحب من لا یدی لک من الفضل کمثل ما تری له (3) اذا رایتم المتوضعین من امتی فتواضعوالهم واذا رایتم المتکبرین (1) جو شخص تمہارے لیے واجب نہیں سمجھتا تو تم اس کے لیے بھی واجب نہ سمجھو۔ (2) جو شخص تمہاری اس قدر تعظیم نہیں کرتا جس قدر کہ تم اس کی کرتے ہو تو تم اس کے ساتھ مت رہو۔ (3) اگر تم میری امت میں تواضع کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے ساتھ تواضع اور فروتنی کے ساتھ پیش آیا کرو ان کو دیکھو تو ان سے تکبر کے ساتھ پیش آیا کرو۔ مزید احادیث احیاء العلوم شریف میں مفصل ہیں۔

رحمتہ اللہ علیہ نے ان سے معذرت کرتے ہوئے فرمایا چچا جان میرے جسم کا ایک ایک عضو اس حال پر پیٹا گیا تب کہیں میں نے اسے سیکھا ہے۔

حکایت: حضرت محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے کو اترا اترا کر چلتے دیکھ کر بلا کر فرمایا کہ تو جانتا ہے کہ تو کون ہے؟ حالانکہ تیری ماں تو وہ تھی جسے میں نے دو سو درہم میں خریدا تھا اور باپ تیرا ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جیسے زیادہ نہ کرے۔

حکایت: حضرت مطرف بن عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ نے مہلب کو ملاحظہ فرمایا کہ وہ حریر کا جبہ پہنے ہوئے فخر کر رہا ہے تو آپ نے اسے فرمایا اے اللہ کے بندے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس چال ڈھال کو برا جانتے ہیں اس نے جواباً کہا کیا تم مجھے جانتے ہو۔ آپ نے فرمایا ہاں میں تجھے جانتا ہوں۔ پہلے پہل تو خراب نطفہ تھا اور آخر کار ایک ناپاک سوار ہوگا اور اب گندگی کو سوار کیے ہوئے پھر رہا ہے۔ یہ سن کر مہلب چلا گیا اور وہ چال ڈھال ترک کردی۔

فائدہ: حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے تمیطے کے معنی اس آیت مبارکہ میں ثم ذھب الی اھلہ تمطیبی ہی فرمائے ہیں کہ تکبر کرتا ہے۔ یہاں ہم نے تکبر اور اترانے کی مذمت تحریر کی ہے تو یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب تواضع کی فضیلت بیان کریں۔

تواضع کی فضیلت: (1) نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ بندے کو معاف کرنے کی وجہ سے زیادہ عزت والا کرتا ہے اور جس نے بھی تواضع اختیار کی اللہ تعالیٰ نے اسے بلند مقام عطا فرمایا۔

(2) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر آدمی کے ساتھ دو فرشتے رہتے ہیں اور اسے روکتے رہتے ہیں پھر بھی وہ اپنے نفس کو بلند کرتا ہے تو وہ فرشتے لگام کھینچ کر کہتے ہیں کہ یا اللہ تو اسے پست کردے اور وہ شخص عاجزی اختیار کرتا ہے تو وہ فرشتے اسے دعا دیتے ہیں کہ یا اللہ تو اسے بلند درجات سے نواز دے۔

(3) آپ نے فرمایا وہ شخص خوشحال ہے جو مسکینی کی حالت میں نہ ہوتے ہوئے بھی تواضع اختیار کرے اور بعض کسی قسم کا گناہ کیے مال اسباب اکٹھا کیا ہو اسے خرچ کرے اور اہل ذلت و مسکینوں پر رحم کرے۔ فقہ جاننے والوں اور حکمت والوں سے ملاقات کا شرف حاصل کرے۔

(4) حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد قبا شریف میں ہمارے پاس تشریف فرما تھے۔ اس وقت آپ کا روزہ تھا۔ جب روزہ افطار کرنے کا وقت آیا تو ہم دودھ میں تھوڑا سا شہد ملا کر لے آئے تو آپ نے جب اسے چکھا تو ذائقہ شہد کا معلوم ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا چیز ہے تو ہم نے عرض کیا اس دودھ میں تھوڑا سا شہد بھی ملا دیا گیا ہے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہیں

پیالہ رکھ دیا اور ارشاد فرمایا کہ میں اسے حرام نہیں کرتا بعد ازاں یہ کلمات طیبات کہے من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ ومن تکبر وضعہ اللّٰہ ومن اقتصد اغناہ ومن بذر افقرہ اللّٰہ ومن ذکر اللّٰہ احبہ اللّٰہ جس نے اللہ کی رضا کے لیے تواضع اختیار کی اللہ تعالیٰ اسے بلند مقام عطا فرماتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پست کر دیتا ہے اور جو میانہ روی اختیار کرے اسے غنی کرتا ہے اور جو بلا ضرورت خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے فقیر کرتا ہے اور جس نے اللہ کا ذکر بہت کیا اللہ تعالیٰ اسے محبوب رکھتا ہے۔

(5) نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چند صحابہ کرام کے ساتھ مل کر اپنے گھر مبارک میں کھانا تناول فرما رہے تھے کہ اسی حال میں تھے کہ دروازے میں ایک سوالی آیا۔ اسے ایک ایسا مرض لگا ہوا تھا جس سے دیکھنے والوں کو گھن آتی تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے اندر آنے کی اجازت عطا فرمائی۔ وہ سوالی اندر آیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے اپنے سامنے بٹھا کر فرمایا کہ کھانا کھاؤ۔ ایک قریش شخص اس کے ساتھ کھانا کھانے سے رک گیا اور گھن کی تو وہ قریشی اس وقت تک نہ فوت ہوا جب تک وہ اسی جیسا اپاہج نہ ہو گیا تھا۔

(6) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے پروردگار نے مجھے ارشاد فرمایا کہ میں دو باتوں میں سے جو چاہوں اپنے لیے پسند کرلوں (1) یا بندہ اور رسول بن جاؤں (2) یا بادشاہ اور نبی بن جاؤں۔ مجھے (اپنے طور پر) یہ معلوم نہیں تھا کہ میں کسے پسند کروں، فرشتوں میں سے میرے دوست حضرت جبریل علیہ السلام تھے میں نے اپنا سر جب ان کی طرف بلند کیا تھا تو جبریل (حضرت علیہ السلام) نے کہا کہ آپ اللہ کے سامنے تواضع فرمائیں تو میں نے بارگاہ حق میں عرض کیا کہ میں تو بندہ او رسول رہوں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں تو ایسے شخص کی نماز قبول فرماتا ہوں جو میری عظمت کے مقابلے میں فروتنی اختیار کرے اور میرے بندوں میں یہ بڑا نہ بنتا پھرے۔ میرا خوف اپنے دل میں رکھے اور سارا دن میرے ہی ذکر میں رہے۔ اپنے نفس کو محض میری خاطر شہوتوں سے روکے۔ (7) ایک حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ الکرم التقویٰ الشرف التواضع والیقین الغنیٰ (ترجمہ) بڑائی تقویٰ، شرف تواضع اور یقین تونگری ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول مبارک: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تواضع اختیار کرنے والوں کو خوشخبری ہو کہ وہ قیامت کے دن منبروں پہ بیٹھیں گے اور دنیا میں لوگوں کے مابین صلح کروانے والوں کو بھی خوشخبری ہو کہ وہ قیامت کے دن جنت الفردوس کے مالک ہوں گے۔ دنیا میں اپنے دل پاک کرنے والوں کو بھی بشارت ہو کہ انہیں حق تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔

(8) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو اسلام کی ہدایت عطا فرماتا ہے تو پہلے تو اس کی شکل و صورت اچھی بناتا ہے اور پھر اسے ایسے مقام پہ رکھتا ہے جو اسے نازیبا نہیں ہوتا اس کے باوجود کہ

اسے تواضع کی صفت بھی عطا فرماتا ہے تو ایسا شخص حق تعالیٰ کے خاص بندوں میں سے ہی ہوتا ہے۔
(9) حدیث شریف میں ہے کہ چار ایسی چیزیں ہیں کہ وہ صرف اسے ہی ملتی ہیں جسے اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے۔ (1) خاموشی ہی عبادت کی ابتدا ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ پہ توکل (3) تواضع (4) دنیا میں زہد۔ (10) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ساتویں آسمان تک بلند کر دیتا ہے۔
(11) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندے کو تواضع برتر ہی کرتی ہے اس لیے تواضع اختیار کرو کہ اللہ تعالیٰ تم پہ رحم فرمائے گا۔
(12) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھانا کھا رہے تھے کہ ایک سیاہ رنگت والا شخص آگیا۔ اسے چیچک نکلی تھی۔ اس کے چیچک کے زخموں سے پانی نکلتا تھا۔ پس وہ شخص جس کے پاس بھی بیٹھتا وہی وہاں سے کھڑا ہو جاتا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے اپنے قریب بٹھایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ مجھے اچھا لگتا ہے۔ کہ آدمی ایسے چیز اٹھائے جو اس کے گھر والوں کے کام کی ہو۔ اس سے مقصود یہ ہو کہ نفس کا کبر دور کرنا چاہتا ہو۔
(13) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے صحابہ کرام رضوان علیہ اجمعین کو ارشاد فرمایا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ میں تم میں عبادت کی شرینی نہیں پاتا؟ تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ عبادت کی شرینی کیا چیز ہوتی ہے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فروتنی
(14) ایک حدیث مبارکہ میں اسی طرح بھی ارشاد گرامی ہے کہ جب تم میری امت کے تواضع کرنے والوں کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ جب تم منکرین کو دیکھو تو ان پہ تکبر اختیار کرو کہ منکرین پہ تکبر کرنا ان کے حق میں ذلت ہے۔

اقوال اسلاف رحمہم اللہ: (1) حضرت عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی اختیار کرتا ہے اس کی حکمت کو اللہ تعالیٰ بلند کرتا ہے۔
(2) یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بلند ہو تجھے اللہ تعالیٰ نے ہی بلند فرمایا ہے۔ جب کوئی غرور اور تعدی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے زمین میں دھنساتا ہے اور حکم مبارک ہوتا ہے کہ دور ہو جا اللہ تعالیٰ نے تجھے دور کر دیا ہے۔ پس ایسا آدمی اپنے خیال کے مطابق تو بڑا ہے مگر لوگوں کی نگاہوں میں معمولی ہے۔ یعنی لوگوں کی نظروں میں اس کی کوئی وقعت نہیں یہاں تک کہ لوگ اسے خنزیر سے بھی زیادہ حقیر سمجھتے ہیں۔
(3) حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں ایک درخت کے نیچے گیا تو کیا دیکھا کہ اس درخت کے نیچے ایک شخص سویا ہوا ہے۔ اس نے چمڑے کا سایہ اپنے اوپر کیا ہوا تھا چونکہ سورج چمڑے سے پرے ہٹ گیا تھا اس لیے میں نے اسے درست کر دیا۔ اتنے میں سونے والا جاگ پڑا تو پتہ چلا کہ سونے والے بزرگ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے۔ اس وقت میں نے جو کچھ کیا تھا وہ سب پ[illegible]ن و عن کہہ دیا تو آپ نے

مجھے یہ نصیحت فرمائی اے جریر اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے لیے فروتنی اختیار کر کیونکہ اس دنیا میں جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن بلند مقام عطا فرمائے گا۔ اے جریر تجھے معلوم ہے کہ قیامت کے دن دوزخ کا اندھیرا کیا ہوگا؟ تو میں نے عرض کیا کہ میں تو نہیں جانتا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس دنیا میں جو لوگ ایک دوسرے پہ ظلم و ستم اور اندھیر کرتے ہیں قیامت کے دن یہی کچھ اندھیرا (اندھیرے کا سبب) ہوگا۔

(4) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ بہترین عبادت سے تو تم غافل ہو اور وہ افضل عبادت تواضع ہے۔

(5) حضرت یوسف بن اسباط رحمتہ اللہ علیہ کا قول مبارک ہے کہ زیادہ اعمال کرنے سے ورع تو تھوڑا ہی کافی ہے اور بہت زیادہ جدوجہد اور مجاہدہ سے تھوڑی سے تواضع ہی کافی ہے۔

(6) جب تواضع کے بارے میں کسی نے حضرت فضیل رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ تواضع کیا چیز ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ امر حق کی خاطر خضوع کرنا اور منقاد کرنا خواہ وہ کسی بچے یا جاہل سے ہی کیوں نہ سنے۔

(7) حضرت ابن مبارک رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اصل تواضع تو یہ ہے کہ اپنے نفس کو اس شخص سے بھی کم سمجھنا چاہئے جو دنیوی نعمتوں سے تجھ سے کم ہو۔ یہاں تک کہ اس طرح جاننا کہ ہمیں دنیوی راہ سے اس پہ کچھ بھی زیادتی نہیں اور جو دنیوی نعمتوں کے لحاظ سے تم سے زیادہ ہو اپنے نفس کو اس سے اعلیٰ سمجھنا چاہئے یہاں تک کہ دنیوی راہ سے اسے کوئی فضیلت نہ سمجھے۔

(8) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جسے مال یا جمال بیان یا علم عطا ہو اور وہ شخص اس بارے میں تواضع اختیار نہ کرے تو قیامت کے دن اس پر یہ چیزیں وبال جان ہوں گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی کا مضمون: ایک روایت مبارکہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ میں جب تمہیں اپنی کسی نعمت سے نوازوں تو اسے تواضع کے ساتھ قبول کرلو تو میں اسے تم پہ پورا کروں گا۔

(9) حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا قول مبارک ہے کہ دنیا میں جو نعمت اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو عطا فرماتا ہے اگر وہ بندہ اس نعمت کے بدلے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوتا ہے اور اللہ کے لیے اس نعمت سے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں بھی اس نعمت کا نفع عطا فرماتا ہے اور اسی وجہ سے آخرت میں بھی رتبہ بلند فرماتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت سے نوازا تو اس نے نہ تو اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور نہ ہی تواضع اختیار کی تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کا فائدہ دنیا میں بھی روک لیتا ہے اور آخرت میں بھی طبقہ جہنم اس کے لیے کھول دیتا ہے۔ اسے چاہئے تو عذاب دے یا درگزر کرے۔

(10) حضرت مالک بن مروان رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ مردوں میں سے سب سے بہتر کون ہے؟ تو

آپ نے ارشاد فرمایا وہ شخص بہتر ہے جو قدرت کے باوجود تواضع اختیار کرے۔ رغبت کے باوجود زہد اختیار کرے۔ قابو پانے کے باوجود انتقام نہ لے۔

(11) ہارون الرشید کے پاس حضرت ابن سماک رحمتہ اللہ علیہ گئے اور ارشاد فرمایا کہ اس بزرگی و شرف کے ساتھ تیرا تواضع اختیار کرنا تیرے لیے خود شرف سے بھی اعلیٰ ہے۔ یہ سن کر ہارون الرشید نے کہا خوب پھر ابن سماک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اے امیر المومنین اگر اللہ تعالیٰ کسی کو جمال' شرافت' اور مال عطا فرمائے تو وہ شخص اپنے مال میں عفیف ہے اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال سے لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اعلیٰ حسب میں تواضع اختیار کرے تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں اولیاء اللہ میں لکھا جائے گا۔ ہارون الرشید نے کاغذ' قلم' دوات منگوائی اور ان کا یہ قول مبارک خود اپنے ہاتھ سے تحریر کیا۔

(12) حضرت سلیمان ابن داؤد علیہ السلام کا یہ دستور مبارک تھا کہ جب صبح کا وقت ہوتا تو انیس توانگروں اور شرفاء کو دیکھتے۔ جب ان سے فراغت پاتے تو مسکینوں میں تشریف لاتے۔ ان مسکینوں میں بیٹھ جاتے اور ارشاد فرماتے کہ مسکین کا گزر مساکین میں ہی ہوتا ہے۔

(13) بعض اکابرین کا قول مبارک ہے کہ جیسے بندے کو یہ بات اچھی معلوم نہیں لگتی کہ کسی توانگر کو کسی گندے کپڑے میں دیکھے۔ یونہی وہ یہ بات بھی بری سمجھے۔ کہ درویش لوگ اسے بہترین لباس میں دیکھیں۔

(14) مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت یونس علیہ الرحمتہ حضرت ایوب علیہ الرحمتہ اور حسن رحمتہ اللہ علیہ باہر نکلے اسی اثنا میں تواضع کا ذکر چل نکلا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تواضع کیا ہے؟ تواضع یہ ہے کہ جب بندہ اپنے گھر سے باہر نکلے تو راستے میں جو مسلمان بھی اسے ملے اسے سمجھنا چاہئے کہ یہ شخص مجھ سے زیادہ اچھا ہے۔

(15) حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں جب قوم نوح کو غرق کیا گیا تو اس وقت ہر پہاڑ ایک دوسرے سے زیادہ اونچا ہونے لگا۔ ان سب سے زیادہ فروتنی جودی پہاڑ ۔نے اختیار کی تو اسے اللہ تعالیٰ نے بلند مقام سے نوازا۔ اسی پہاڑ پر کشتی نوح ٹھہری۔

(16) حضرت ابو سلیمان رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل جلالہ نے لوگوں کے دلوں کے احوال معلوم کیے تو کسی نے بھی حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے دل سے زیادہ تواضع نہ پائی اسی لیے آپ کو دوسرے تمام آدمیوں میں سے اپنے خاص کلام کے ساتھ امتیاز بخشا۔

(17) حضرت یونس بن عبید رحمتہ اللہ علیہ جب عرفات سے واپس پھرنے لگے تو کہا میں ان لوگوں میں اگر نہ موجود ہوتا تو یقیناً ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی۔ اب مجھے یہ خوف (ستا رہا) ہے کہ کہیں میری وجہ سے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم نہ ہو رہے ہیں۔

(18) متقدمین بزرگوں میں یہ قول مبارک بیان ہوتا آرہا ہے کہ ایماندار بندہ جتنی فروتنی اپنے نفس میں پیدا کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اتنا ہی بلند مقام سے نوازتا ہے اور جتنا اپنے آپ کو بلند کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی نسبت سے پست ہوتا ہے۔

(19) زیاد نمیری کا قول مبارک ہے کہ جس زاہد میں تواضع کی صفت موجود نہ ہو وہ بے پھل درخت ہے۔

(20) حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ مسجد کے دروازے پہ کھڑا ہو کر اگر کوئی کہے کہ تم میں سے جو برا شخص ہے وہ باہر آئے تو کوئی بھی مجھ سے پہلے نہ جا سکے گا سب سے پہلے میں ہی بھاگ اٹھوں گا۔ ہاں البتہ (دوڑ کے لحاظ سے) جس میں مجھ سے زیادہ دوڑنے کی طاقت ہوگی صرف وہی مجھ سے بڑھ سکے گا۔ راوی کا قول ہے کہ حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ کا یہ قول مبارک' ابن مبارک رحمتہ اللہ علیہ کو پہنچا تو حضرت ابن مبارک رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا اسی وجہ سے ہی مالک مالک ہوا ہے۔

(21) حضرت فضیل رحمتہ اللہ علیہ کا قول مبارک ہے کہ ریاست کی محبت جو شخص رکھتا ہے اسے فلاح کبھی بھی حاصل نہیں ہوتی۔

(22) ہمارے ہاں ایک دفعہ زلزلہ اور سرخ آندھی آئی تو میں حضرت محمد بن المقاتل رحمتہ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے ابو عبداللہ آپ ہمارے امام ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے تو آپ رونے لگے اور ارشاد فرمایا کہ اگر تم میری وجہ سے تباہ نہ ہوئے تو میں تو اسی کو ہی غنیمت سمجھوں گا۔ بعدازیں میں خواب میں مدنی تاجدار احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا محمد بن مقاتل کی دعا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تم پر سے آندھی وغیرہ کو دور فرما دیا ہے۔

(23) حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تو کیا چیز ہے؟ یوں پوچھنا آپ کی ہمیشہ کی عادت کریمہ تھی۔ اس شخص نے جواباً کہا کہ حرف ب کے نیچے والا نقطہ میں ہوں۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے نفس کو بھی اس کے موافق کرنا چاہیئے نہیں تو یہ تیری حجت تجھے اللہ تعالیٰ سے دور کردے گی اور ان کا یہ قول مبارک بھی بعض کلاموں میں منقول ہے۔ میری ذلت نے تو یہودیوں کی ذلت کو بھی ملت کر دیا ہے۔

(24) اکابرین سے یہ جملہ مبارک بھی نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص اپنے نفس کی تھوڑی سی بھی قدر کرتا ہے تو اسے تواضع سے کوئی فائدہ نہیں ملتا۔

(25) حضرت فتح بن شنجرف رحمتہ اللہ علیہ روایت بیان فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو میں نے خواب میں دیکھا تو عرض کی کہ آپ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ مجلس فقراء میں اگر توانگر اللہ تعالیٰ سے ثواب کی غرض سے تواضع کرے تو کتنی اچھی بات ہے اور اس بات سے بھی زیادہ اچھی بات یہ

ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتے ہوئے فقراء تونگروں پر تکبر اختیار کریں۔

(26) حضرت ابو سلیمان رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کو بندہ اس وقت تک ہرگز نہیں پہچانتا جب تک کہ وہ تواضع اختیار نہیں کرتا۔

(27) حضرت ابو یزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تک بندے کو یہ گمان رہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کوئی بھی مجھ سے زیادہ برا ہے تو اس وقت تک وہ شخص متکبر ہے۔ آپ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ پھر بندہ متواضع کس وقت بنتا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا جس وقت بندہ اپنے نفس کے لیے نہ تو کوئی مقام جانے اور نہ ہی کوئی حال اور بندہ جتنا اللہ تعالیٰ کو اور اپنے نفس کو پہچانتا ہے اتنی ہی اس شخص میں تواضع ہوتی ہے۔

(28) حضرت ابو سلیمان رحمتہ اللہ علیہ کا قول مبارک ہے کہ اپنے جی کے مطابق جتنا میں گھٹیا رتبے والا ہوں اگر ساری مخلوق بھی مجھے اتنا کم رتبے والا کرنا چاہئے تو ساری مخلوق بھی ایسا نہ کر سکے گی۔

(29) حضرت عروہ بن الورد رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تواضع شرف یاب ہونے کا ایک جال ہے اور بندہ تواضع کے علاوہ باقی سب نعمتوں پر حسد کیا جاتا ہے۔

(30) حضرت یحییٰ بن خالد برمکی رحمتہ اللہ علیہ کا قول مبارک ہے کہ جب کوئی شریف عابد بن جاتا ہے تو وہ تواضع کرنے لگتا ہے جبکہ احمق کا حال یہ ہے کہ جب وہ عابد بنتا ہے تو وہ اپنے آپ کو بزرگ سمجھنے لگ جاتا ہے۔

(31) حضرت یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے مال کی وجہ سے جو شخص تجھ پر تکبر کرے تو اس پر تکبر کرنا ہی تیرا تواضع اختیار کرنا ہے۔

(32) اکابرین کا ایک قول مبارک یہ بھی ہے کہ تواضع ہر قسم کے لوگوں میں اچھی ہے اور تمام سے بہتر تونگروں میں اور تمام مخلوق میں تکبر برا ہے اور فقراء میں تو تمام سے برا۔

(33) اکابرین کا ایک قول مبارک یہ بھی ہے کہ جو اللہ کے لیے ذلیل و رسوا ہوا اسے کے لیے عزت ہے۔ جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرے اس کے لیے برتری ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے وہی مامون ہے اور جو شخص اللہ کے ہاتھوں اپنے نفس کو فروخت کر ڈالے اسی کے لیے ہی نفع ہے۔

(34) حضرت ابو علی جرجانی رحمتہ اللہ علیہ کا قول مبارک ہے کہ کبر' حرص اور حسد سے نفس کا خمیر ہے پس جسے اللہ تعالیٰ تباہ کرنا چاہتا ہے اسے تواضع' خیر خواہی اور قناعت جیسی صفات اختیار کرنے ہی نہیں دیتا اور جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے۔ اسے یہ صفات عطا فرماتا ہے۔ اس کے باوجود جب کبھی اس کے دل میں تکبر کی آگ کا شعلہ اٹھتا ہے تو توفیق ایزدی سے اس شعلے کو خیر خواہی بجھا دیتی ہے۔ اگر حسد کی آگ پیدا ہوتی ہے تو توفیق ایزدی سے خیر خواہی سے اس کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ یونہی اگر حرص کی آگ شعلے پیدا کرتی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قناعت ختم کر دیتی ہے۔

(35) حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ جمعہ کے دن اپنی مجلس مبارک میں فرماتے ہیں کہ اگر یہ حدیث شریف روایت نہ ہوتی کہ اخیری زمانہ میں قوم کا سردار سب سے زیادہ ذلیل ہوگا تو میں تمہیں کچھ بھی نہ سناتا۔

(36) یہ قول مبارک بھی انہی کا ہے کہ اہل توحید کے نزدیک تواضع بھی تکبر ہے۔ اس قول میں ان کی مراد شاید یہ ہے کہ تواضع کرنے والا پہلے نفس کو ٹھہرا لیتا ہے اس کے بعد اسے پست خیال کرتا ہے جبکہ موجد اپنے نفس کو کچھ بھی مقام نہیں دیتا یعنی نفس کچھ بھی نہیں جب نفس کا وجود ہی نہیں تو پستی اور بلندی ثابت کس کے لیے کرے۔

(37) حضرت عمرو بن شیعبہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں صفا و مروہ کے درمیان مکہ مکرمہ میں تھا کیا دیکھا کہ ایک شخص خچر پر سوار ہے۔ اس کے آگے آگے بہت سے غلام کچھ لوگوں کو دھکیلتے اور سختی کرتے چلے جا رہے ہیں۔ اس کے کچھ دن بعد میرا پھر بغداد میں گزر ہوا۔ میں پل کے اوپر کھڑا ہو رہا تھا کہ اچانک میرے سامنے ایک شخص ننگے پاؤں، ننگے سر، لمبے لمبے بالوں والا آیا۔ اسے میں نے غور سے دیکھنا شروع کر دیا۔ اس شخص نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم کیا دیکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے ایک شخص تیری صورت جیسا مکہ مکرمہ میں دیکھا تھا۔ تمام احوال اسے بتائے۔ اس شخص نے کہا وہ شخص میں ہی ہوں۔ میں نے کہا تیرا یہ کیا حال ہوگیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جہاں لوگ انکساری اختیار کرتے ہیں میں نے وہاں بلندی ظاہر کی تھی کہ ہم ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے ایسی جگہ پست کیا جہاں لوگ رتبہ ظاہر کرتے ہیں۔

(38) حضرت مغیرہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ سے اتنا خوف کیا کرتے تھے کہ جس طرح بادشاہ کا خوف ہوا کرتا ہے جبکہ وہ یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں جس دور میں کوفے کا فقیہہ ہوا ہوں یہ بڑا برا دور ہے کہ میرے جیسا شخص فقیہہ شمار کیا جائے۔

(39) حضرت عطائے سلمیٰ رحمتہ اللہ علیہ جب رعد کی کڑکی سنتے تو اٹھ بیٹھے اور دردزہ والی عورت کی مانند اپنا پیٹ مبارک پکڑتے اور فرماتے یہ مصیبت میری ہی وجہ سے تم پر آئے گی۔ اگر میں مر جاؤں تو پھر تجھے راحت و سکون میسر آئے۔

(40) حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے کہ دنیا داروں کو سلام نہ کرنا ہی ان کے لیے سلام ہے۔

(41) حضرت عبداللہ بن المبارک رحمتہ اللہ علیہ کو دعا دی کہ جس کی تمہیں توقع ہو اللہ تعالیٰ تجھے عطا فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا توقع تو معرفت کے بعد ہوا کرتی ہے جبکہ معرفت میرے پاس ہے ہی نہیں۔

(42) ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک دن قریش حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سامنے فخر کرنے لگے تو آپ نے ارشاد فرمایا تم اگر میرا حال پوچھتے ہو تو سنو! میں پلید نطفے سے پیدا ہوا ہوں بالاخر مردار اور بدبودار ہو جاؤں گا۔ پھر میزان کے وقت میرا نیکیوں والا پلہ بھاری رہا تو پھر تو میں اچھا ہوں اور اگر نیکیوں والا میرا پلہ ہلکا رہا تو پھر میں برا ہوں۔

(43) حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کرم تقویٰ میں پایا یقین میں غنا اور تواضع میں شرف کو پایا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تواضع عطا فرمائے۔

تکبر کے نقصانات: تکبر کی دو قسمیں ہیں۔ (1) ظاہر اور (2) باطن کسب باطن باطنی تکبر نفس کی عادات کا نام ہے۔

کبر ظاہر ظاہری اعمال ہیں جو کہ انسانی اعضاء سے ظاہر ہوتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ باطنی عادات کو ہی کبر کہنا مناسب ہے جبکہ ظاہری اعضاء سے جو اعمال سرزد ہوتے ہیں وہ عادت اعمال کا سبب بنتی ہے اس لیے جب اس کے آثار اعضاء ظاہری پر ظاہر ہوتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ تکبر کیا ہے اور جب تک اعمال ظاہر نہیں ہوتے تو اس وقت کہا جاتا ہے کہ کبر اس کے نفس میں ہے۔ مختصر یہ کہ وہی کبر ہے جو کہ نفس کے اخلاق میں سے ایک خلق کا ہی نام ہے اور وہ یہی ہے کہ نفس اپنے ذات کو کسی دوسرے کے مقام میں بلند مقام پہ دیکھ کر خوشی حاصل کرتا ہے اور اس طرف ہی جھک جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ کبر ایک اضافی امر ہے اس لیے کئی چیزیں مطلوب ہیں۔ (1) تکبر کرنے والا (2) جس پہ تکبر کرتا ہے۔ صبر کرتا ہے۔ جس سے تکبر کرتا ہے۔

تکبر اور عجب کا فرق: کبر و عجب میں صرف یہ فرق ہے کہ عجب یہ ہے کہ عجب میں صرف ایک ہی فرد عجب کرنے والا ہوتا ہے جیسے آیندہ ذکر کیا جائے گا۔ فرض کریں کہ کوئی انسان صرف تنہا ہی پیدا ہو تو ممکن ہے وہ عجب تو کرے مگر تکبر کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ جس وقت تک کہ وہ کسی دوسرے کے ساتھ نہ ہو اور وہ اپنے آپ کو کمال صفتوں میں اس دوسرے سے اعلیٰ نہ جانے۔

فائدہ: تکبر میں محض اپنی ذات کو ہی برا سمجھنا کافی نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات انسان اپنے نفس کو تو برا جانتا ہے مگر دوسرے افراد کو اپنی ذات سے اعلیٰ یا برابر سمجھتا ہے۔ اس پہ وہ تکبر نہیں کرتا اور غیر کو معمولی جاننا کافی نہیں ہے اس لیے وہ بعض اوقات غیر کو معمولی جانتا ہے اور اپنے نفس کو اس غیر سے بھی زیادہ معمولی جانتا ہے تو یہ تکبر نہیں ہوگا۔ علاوہ ازیں اگر وہ غیر کو اپنے جیسا ہی سمجھے تو پھر بھی تکبر نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تکبر کے لیے ضروری یہ ہے کہ پہلے تو وہ اپنے نفس کا ایک خاص مقام سمجھے اور ایک (اس سے گھٹیا) مقام کسی دوسرے کا بعد ازاں اپنے مقام کو دوسرے کے مرتبہ و مقام سے اعلیٰ سمجھے یہ تین باتیں جب اس کے عقیدہ میں ظاہر ہونگی تب اس میں کبر پیدا ہوگا۔ محض اپنے مقام سمجھنے کا نام کبر نہیں ہے بلکہ اس سمجھنے اور عقیدہ کی وجہ سے ایک ایسی پھونک پڑ جاتی ہے جس کی وجہ اس کے دل میں سامان حرکت' خوشی اور میلان اپنے عقیدے کی جانب پیدا ہوتا ہے اس لیے نفس میں ایک عزت اپنے نفس کے لیے پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی عزت' حرکت اور میلان کو ہی کبر کا پیدا ہونا کہا جاتا ہے۔

حدیث پاک: (1) اسی پھونک کا تذکرہ ایک حدیث مبارک میں بھی پایا جاتا ہے جیسا کہ نبی کریم رؤف الرحیم صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اعوذبک من نفحۃ الکبریاء ترجمہ: یا اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کبریائی کی پھونک سے۔

حدیث نمبر2: جس شخص نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نماز فجر کے بعد وعظ کہنے کی اجازت طلب کی تھی اسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یونہی ارشاد فرمایا تھا کہ مجھے تیرے بارے میں خوف ہے کہ کہیں تو بڑائی میں آکر ثریا تک نہ پہنچ جائے۔

نتیجہ: اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ جب انسان اپنے نفس کو اس نظر سے ملاحظہ کرتا ہے تو پھر وہ غور کرتا ہے۔ یوں وہ پھول جاتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ان اعتقادات سے نفس میں جو حالت ہو جاتی ہے اسے کبر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ عزت و عظمت بھی اسی کو کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی آیت مبارکہ اِنْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِیْهِ (المومن 56) ان کے دلوں میں نہیں مگر ایک بڑائی کی ہوس جسے نہ پہنچیں گے۔ (کنز الایمان) کی تفسیر کے سلسلے میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس آیت مبارکہ میں اس سے مراد عظمت ہے کہ انہیں نہ ملی۔ آپ نے کبر کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اسی عظمت کو ہی بیان فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں ظاہری اعمال اور باطنی اعمال کا سبب یہی عظمت ہوا کرتی ہے۔ یہ اعمال ظاہری اس کے ثمرات کے نام سے موسوم کیے جاتے ہیں اور انہیں ہی تکبر کہتے ہیں۔ اس کے نزدیک اپنا مقام جب دوسرے کے مقام سے اعلیٰ ٹھہرا تو وہ بھی اپنے مقام سے کمتر مقام والے کو حقیر ہی سمجھے گا اور اس سے بعد ہی کا طالب ہوگا۔ اس کے ساتھ اکٹھے بیٹھنے اور یکجا کھانے میں شامل ہونے کو پسند نہیں کرے گا اور اگر یہی کبر زیادہ ہوگا تو پھر وہ شخص چاہے گا کہ اس شخص کو میرے سامنے جھک کر کھڑا ہونا چاہیے اور اگر کبر اس سے بھی زیادہ ہوا تو پھر اس کی حالت کبر کی وجہ سے یہ ہوگی کہ وہ اس سے خدمت لینے کو بھی معیوب جانے گا نہ اپنے سامنے کھڑا ہونے کے قابل سمجھے گا حتیٰ کہ ڈیوڑھی کی خدمت لینے کے قابل بھی اسے نہیں سمجھے گا کبر ذرا کم ہوا تو پھر اس سے برابری کو تنگ راستوں پر آگے چلنے اور محافل میں بلند مقام پہ بیٹھنے کو باعث عار سمجھے گا اور اس انتظار میں رہے گا کہ وہ پہلے مجھے سلام کرے۔ علاوہ ازیں اس کے کام کرنے میں اگر کوتاہی کر بیٹھے تو اسے بعد از قیاس اور تعجب انگیز بات سمجھے گا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اگر وہ کچھ بحث و مباحثہ کر بیٹھے تو اس کے جواب میں کچھ کہنے کو برا جانے گا۔ اس کبر کے مریض کو اگر کوئی نصیحت کر بیٹھے تو پھر یہ نصیحت کو نہیں مانے گا اور اگر دوسرے لوگوں کو خود نصیحت کرے تو نصیحت کرتے ہوئے سخت مزاجی سے کام لے گا۔ اگر اس کی نصیحت یا بات کو نہ مانے تو پھر اس پر غصہ سوار ہو جائے گا۔ اگر کسی کو پڑھائے تو متعلم پر نرمی اختیار نہیں کرے گا بلکہ متعلم کو ذلیل سمجھے گا۔ علاوہ ازیں الٹا شاگرد پہ اپنا احسان جتلائے گا۔ متعلم سے اپنی خدمت لے گا۔ عوام کو گدھے کی مثل جانے اور انہیں جاہل اور حقیر تصور کرے گا۔ مختصر یہ کہ کبر کی وجہ سے ظاہر ہونے والے اعمال ان گنت ہیں اور انہیں شمار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ایسے کام مشہور و معروف ہیں۔ اس کا نام کبر ہے

اس کی آفت بڑی تباہی پھیلانے والی ہے۔ اس کی وجہ سے بڑے بڑے خواص لوگ بھی تباہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ عابد' زاہد اور علماء میں بہت ہی کم ایسے لوگ ہوں گے جو اس آفت سے بچے ہوں۔ عوام کا تو ذکر ہی کیا اس کی آفت کیوں نہ بڑی ہوگی جبکہ اس کی مذمت میں نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

حدیث شریف: لا یدخل الجنة فی قلبه مثقال ذرة من کبر ترجمہ: جس کے دل میں ذرہ بھر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

جنت سے حجاب ہونے کی وجہ ہے کہ جنت کے دروازے مومنوں کے اخلاق ہیں جبکہ کبروعزت کی وجہ سے یہ تمام جنتی دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے بندے کو کوئی بھی ایمان کا خلق حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً بندے میں جب تک عزت و کبر کا کچھ حصہ موجود رہے گا اس وقت تک وہ دوسرے مومنین کے لیے وہی چیز پسند نہیں کرے گا جسے اپنے لیے محبوب رکھتا ہے۔ اسی کی وجہ سے وہ تواضع اختیار نہ کر سکے گا جو کہ پرہیزگاروں کے اخلاق کی جڑ ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ کینہ بھی نہ چھوڑ سکے گا۔ صدق و راستی پر مدامت اختیار نہیں کر سکے گا۔ غضب اور غصے کو پینے پہ قدرت نہ رکھ سکے گا۔ نہ تو حسد چھوڑ سکے گا اور نہ ہی کسی کو نرمی سے بہترین طریقے سے نصیحت کر سکے گا نہ کسی کی نصیحت سنے گا اور نہ ہی لوگوں کی غیبت و حقارت سے بچے گا۔

خلاصہ: خلاصہ کلام یہ کہ کوئی بھی بری عادت ایسی نہیں ہے کہ جو کبرو عزت والا اپنی عزت کو محفوظ رکھنے کے لیے اس کی طرف مضطر نہ ہو اور کوئی بھی اعلیٰ صفت ایسی نہیں ہے جسے تکبر کرنے والا اپنی عزت جانے کے ڈر کی وجہ سے نہ چھوڑ دے اس لیے جس کے دل میں ذرہ بھر بھی کبر کی بری عادت ہوگی وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ •

برے اخلاق کی حالت: برے اخلاق کی حالت تو یہ ہے کہ یہ برائیاں ایک دوسرے کے ساتھ موجود رہتی ہیں اگر ایک بری عادت ہو تو وہ اپنے ساتھ دوسری برائی کا بھی تقاضا کرے گی۔ کبر میں کبر کی تمام برائیوں میں سے سب سے زیادہ بری وہ قسم ہے جو بندے کو علم سے استفادہ حاصل نہ کرنے دے' حق کو تسلیم نہ کرنے دے اور نہ ہی اس کا منقاد حاصل ہونے دے۔ یونہی کبرو تکبر کی مذمت میں آیات آئی ہیں جیسا کہ رب کریم جل جلالہ ارشاد فرماتا ہے۔

مذمت کبرو تکبر: (۱) وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ (الانعام 93) ترجمہ کنزالایمان: اور فرشتے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں آج تمہیں خواری کا عذاب دیا جائے گا بدلہ اس کا کہ اللہ پر جھوٹ لگاتے تھے اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے۔ اور ارشاد فرماتا ہے (۲) قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ (الزمر 72) ترجمہ کنزالایمان: فرمایا جائے گا جاؤ جہنم کے دروازوں میں اس میں ہمیشہ رہنے تو کیا ہی برا ٹھکانہ متکبروں کا۔ نیز دوزخیوں

میں سے اسے عذاب ملے گا جو سرکشی میں زیادہ اکڑتے تھے۔ (3) ایھم اشد علی الرحمٰن عتیا (مریم 69'پ 16) (ترجمہ کنزالایمان: جو ان میں رحمٰن پر سب سے زیادہ بے باک ہوگا۔ (4) فالذین لا یومنون بالاخرۃ قلوبھم منکرۃ وھم مستکبرون (النحل 22) ترجمہ کنزالایمان: تو وہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل منکر ہیں اور وہ مغرور ہیں۔ (5) و یقولون الذین استغعفو للذین استکبروا لولا انتھم لکنا مومنین (6) ان الذین یستکبرون عن عبادتی سید خلون جھنم واخرین

تفسیر: بعض مفسرین نے اس کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ یہ ارشاد گرامی اس طرح ہے کہ ہم ان کے دلوں سے فہم قرآن اٹھالیں اور بعض تفسیروں میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ ان کے قلوب کو ملکوت سے روک دیں گے۔ ابن جریج سے روایت ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ انہیں تامل کرنا اور عبرت حاصل کرنا نصیب نہیں ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی حیثیت سے فرماتے ہیں کہ کھیتی نرم زمین میں ہی پیدا ہوتی ہے پتھر پہ نہیں۔ یونہی تواضع اختیار کرنے والے کے دل میں ہی حکمت اپنا اثر دکھاتی ہے کسی متکبر کے دل میں نہیں مثلاً دیکھئے کہ جو شخص اپنا سر اتنا بلند کرے کہ چھت سے جا لگے تو اسی کا سر تکلیف اٹھائے جبکہ اسی چھت سے جھکنے والا آرام اور سایہ حاصل کرے گا۔ پس متکبرین کی یہ مثال اس لیے بیان ہوئی ہے کہ متکبرین کیسے حکمت سے محروم رہتے ہیں۔

حدیث: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبر کی تعریف کے بارے میں انکار فرمانا امر حق کو ذکر فرمایا کہ وہ شخص کبر والا ہے جو حق سے غافل ہو اور دوسرے لوگوں کے عیوب بیان کرے۔

اقسام تکبر: انسان اپنی سرشت کے اعتبار سے ظالم و جاہل ہے۔ اسی حیثیت سے یہ کبھی تو خالق پہ تکبر کرتا ہے اور کبھی مخلوق پہ۔

(1) اللہ پہ تکبر کرنا: یہ کبر کی سب سے زیادہ بری قسم ہے۔ محض جہالت اور سرکشی ہی اس کا سبب بنتی ہے۔ جس طرح کہ نمرود لعین نے کہا کہ اپنے دل میں پختہ ارادہ کرلیا کہ آسمان کے رب سے مقابلہ کروں گا اور جہاں کی حکایات اسی نوعیت کی ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو بھی خدائی کا دعویٰ کرے جیسا کہ فرعون لعین وغیرہ نے ایسا ہی کلمہ کفر بکا۔ لوگوں سے اس نے کہا تھا کہ میں ہی تمہارا پالنہار اعلیٰ ہوں۔ اللہ کے بندہ ہونے سے کراہت کا اظہار کیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ (1) لن یستنکف المسیح ان یکون عبداً للہ ولا الملئکۃ المقربون ومن یستنکف عن عباتہ (النساء 172' پ 6) ایک دوسرے مقام پہ ارشاد فرمایا کہ واذا قیل لھم اسجدوالرحمٰن (تا) وما زادھم نفور

(2) رسول کرام علیٰ نبینا و علیہم السلام پر تکبر کرنا: اپنے نفس کو اتنا زیادہ معزز اور بلند مقام سمجھتے ہوئے بظاہر اپنے جیسے کسی شخص کا تبع ہونا نہیں چاہتا۔ یہ امر کبھی فکر تامل کو روکنے والا ہوتا یعنی مقام رسالت وغیرہ کو سوچ

میں لاتا ہی نہیں اس لیے(نمبر ۱) یہ کہ ہیشگی کی بنا پہ جہالت میں مستغرق ہونے کی وجہ سے اطاعت نبی اختیار نہیں کرتا کیونکہ وہ اپنے باطل گمان میں ڈوبے ہوئے ہونے کی وجہ سے خود کو حق پہ سمجھتا ہے۔ کبھی پس و پیش بھی کرتا ہے۔ اس کے باوجود اس کا نفس امر حق اور رسولوں کی اطاعت نہیں کرتا جیسے اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں کفار کے اقوال نقل فرمائے ہیں۔

نقول اقوال الکفار قرآنی آیات: دور حاضرہ میں بشر بشر کی رٹ لگانے والے کون ہیں یہ ناظرین خود بتائیں (اویسی غفرلہ)

(1) انومن بشرین مثلنا کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پہ ایمان لائیں۔ (مومن آیت 47)

(2) ان انتم الا بشر مثلنا تم بھی تو ہماری مثل بشر ہو۔

(3) لئن اطعتم بشرا مثلکم انکم اذا لخاسرون اگر تم اپنے جیسے آدمی کے کہنے پہ چلے تو پھر تم بے شک خراب ہو گے۔

(4) وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ (الفرقان 21) ترجمہ کنزالایمان: اور بولے وہ جو ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے ہم پر فرشتے کیوں نہ اتارے یا ہم اپنے رب کو دیکھتے بے شک اپنے جی میں بہت ہی اونچی کھینچی اور بڑی سرکشی پر آئے (5) وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ (الانعام 8) ترجمہ کنزالایمان: اور بولے ان پر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا۔ (6) اور فرعون کا قول اس طرح نقل فرمایا کہ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ (زخرف۔ آیت 53) ترجمہ کنزالایمان: یا اس کے ساتھ فرشتے آتے کہ اس کے پاس رہتے۔

(7) بعدازاں ارشاد فرمایا کہ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (قصص 39) ترجمہ از کنز الایمان: اور اس نے اور اس کے لشکریوں نے زمین میں بے جا بڑائی چاہی۔

کلام کلیم اللہ علیہ السلام: حضرت وہب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اسے ارشاد فرمایا تھا کہ تو ایمان قبول کرلے تیری بادشاہی تیرے پاس ہی رہے گی تو فرعون نے کہا تھا کہ میں ہامان سے مشورہ کرلوں۔ اس نے جب ہامان سے مشورہ کیا تھا اس وقت تو تو خود ہی پروردگار ہے۔ اس وقت تیری عبادت لوگ کرتے ہیں مگر جب ایمان قبول کر کے خود ہی بندہ بن جائے گا تو تو کسی دوسرے کی عبادت کرے گا۔ پھر فرعون نے اللہ کا بندہ ہونے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کا قول یوں نقل فرمایا ہے کہ (8) وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (زخرف 31) ترجمہ کنزالایمان: اور بولے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ان دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر۔

ا۔ معلوم ہوا کہ مقام نبوت کو اپنے سے کم سمجھنا یا اپنے برابر سمجھنا منکرین کا طریقہ ہے۔ جیسے ہمارے دور میں دیو بندیوں وہابیوں کا طریقہ ہے اور ان کی مذہبی کتاب تقویۃ الایمان اور فتاوی رشیدیہ وغیرہ میں تصریحات موجود ہیں۔ (اویسی غفرلہ)

فائدہ: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ قول ولید بن مغیرہ اور ابو مسعود ثقفی کا تھا کہ انہوں نے ہی کہا تھا کہ آپ تو ایک یتیم لڑکے تھے انہیں اللہ نے ہمارے اوپر کیسے نبی بنا دیا ہے۔ ان کے علاوہ کوئی دوسرا رئیس نبی کیوں نہ بنا؟

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ (زخرف آیت 32) ترجمہ کنزالایمان: کیا تمہارے رب کی رحمت وہ بانٹتے ہیں۔ اور ایک دوسرے مقام پر ان کا قول یوں نقل فرمایا کہ لیقولوا آھم لاء من اللہ علیم بیننا

یعنی مومنوں کو حقیر جانتے تھے۔ ان کا مرتبہ زیادہ ہو جانے کے بعد از قیاس معلوم ہوتا تھا۔ قریش نے بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا کہ ہم آپ کے پاس کیسے بیٹھیں اس مقام پہ تو یہ لوگ رہا کرتے ہیں۔ یعنی آپ کے پاس مسلمان فقراء رہا کرتے ہیں۔ ان مومنوں کو قریشوں نے حقیر ہی سمجھا اور ان غریب مومنوں کے پاس بیٹھنے سے تکبر اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (9) وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (انعام آیت 52) ترجمہ کنزالایمان: اور دور نہ کرو انہیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح اور شام اس کی رضا چاہتے۔ (10) وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ (کہف 28) ترجمہ کنزالایمان: اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے ہیں اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں۔

فائدہ: کافروں کے تکبر کی حالت تو یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کی حیرانگی کی خبر ان کے دوزخ میں داخلے کے بعد بھی دیتا ہے یعنی وہ کافر جب ان لوگوں کو اپنے سامنے پائیں گے جنہیں وہ دنیا میں معمولی سمجھتے تھے تو کہیں گے (11) وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ (ص 62) ترجمہ کنزالایمان اور بولے ہمیں کیا ہوا ہم ان مردوں کو نہیں دیکھتے جنہیں برا سمجھتے تھے۔

فائدہ: ان کی ان سے مراد حضرت عمار بن یاسر، حضرت بلال، حضرت صہیب اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم ہیں۔ بہرحال کافر قریشیوں میں سے کچھ تو ایسے تھے جو کہ محض کبر کی وجہ سے ہی فکر و معرفت سے گریز کیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برحق ہونے سے جاہل رہے۔ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جنہیں آپ کا برحق ہونا تو معلوم تھا یعنی آپ کو برحق سمجھتے بھی تھے مگر محض کبر کی وجہ سے اقرار نہیں کرتے تھے چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ (12) فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا (بقرہ 89) ترجمہ کنزالایمان: تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے ایک اور مقام پہ ارشاد فرمایا کہ امجدوابھا و استیفرقا انفسھم ظلما وعلوا تکبر کی یہ قسم اگرچہ تکبر کی پہلی قسم سے کم ہے مگر پھر بھی اس کے قریب قریب ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان نہ ماننے پہ اور اللہ کے رسول کے منقاد نہ ہونے کے لیے ہے۔ تیسری قسم تکبر کی یہ ہے کہ بندوں پہ تکبر اس طرح کرنا کہ دوسرے

کو معمولی جانے اور اپنے نفس کو بڑا سمجھے۔ اسی بنا پر کسی کی اتباع نہ کرے بلکہ ان سے بھی بلندی اختیار کرنے کو جی چاہے اور انہیں معمولی جانتے ہوئے برابری سے بھی تنگی محسوس ہو۔ اگرچہ تکبر کی یہ قسم پہلی اور دوسری تکبر کی دونوں اقسام سے کم ہے مگر پھر بھی دو وجوہات کی بنا پہ یہ بھی بہت بڑی ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ کبر اور عظمت و عزت تو حقیقتاً اللہ تعالیٰ کو ہی زیبا ہے جبکہ بندہ جو مملوک' کمزور اور عاجز ہے کسی چیز کی بھی طاقت نہیں رکھتا اور اسے کبر کیا چاہیے۔ اس لیے جب بھی بندہ کبر اختیار کرے گا تو گویا جو صفت خاص اللہ تعالیٰ کے لیے تھی اسی صفت میں اللہ تعالیٰ کا شریک ہونا چاہتا ہے۔ اس قسم کی مثال یہ ہے کہ سلطان کا کوئی غلام اپنے آقا کا تاج پہن کر اس کے تخت پہ بیٹھ جائے تو خیال کیجئے کہ بادشاہ اس پہ کتنا غصہ کرے گا۔ اسی طرح وہ غلام کس کس قسم کی ذلت و رسوائی سے دوچار ہوگا کیونکہ اس کی یہ حرکت بڑی جرات' گستاخی اور برائی والی حرکت ہے۔ جس کا اس نے ارتکاب کیا ہے۔

حدیث قدسی شریف: اس لیے ایک حدیث قدسی شریف ہے کہ عظمت میری ازار' کبریائی میری چادر ہے اس بارے میں جو مجھ سے جھگڑے گا تو میں اسے توڑ دوں گا اس سے یہی مراد ہے کہ یہ میری وہ خاص صفت ہے جو میرے سوا کسی دوسرے کو جچتی نہیں (پھر بھی) جو اس کے بارے میں مجھ سے جھگڑے گا وہ میری صفت کے بارے میں جھگڑے گا۔ اس لیے بندوں پہ بڑائی اختیار کرنا اسی کو ہی زیب دیتی ہے پھر بھی کوئی اس کے بندوں پہ کبر اختیار کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا گناہ گار ہوگا کیونکہ جو بھی بادشاہی غلاموں اور خواصوں کو معمولی جانے اور ان سے خدمت کروائے ان سے اپنی ذات کو بلند مقام جانے اور ان سے بادشاہ جو معاملہ کیا کرتا تھا یہ شخص بھی وہی کچھ کرے تو یہ شخص بھی بعض امور میں بادشاہ سے نزع کرتا ہے گو یہ شخص اس جیسا کہ وہ تھا جب بادشاہ کے تخت پر بیٹھنا چاہتا تھا اور اکیلا ہی حکومت کرنے کا خواہشمند تھا مگر چونکہ سبھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ ان پہ کبرو عظمت اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے اس کے باوجود اگر پھر بھی کوئی شخص کسی پہ تکبر کرے گا تو یہ اس کا تکبر کرنا اللہ تعالیٰ سے نزاع کے زمرے میں آئے گا۔ ہاں البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس نزع اور نمرود اور فرعون کے نزاع میں اتنا فرق ضرور ہے جس طرح ان دو اشخاص کے نزاع میں فرق تھا کہ ایک تو شاہی خواص اور غلاموں کو اپنے زیر تسلط کرنا چاہتا تھا جبکہ دوسرا اصل بادشاہی پر ہی قابض ہونا چاہتا تھا۔

دوسری وجہ: جس سے کبر کی برائی زیادہ بری ہے وہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت ہوتی ہے کیونکہ تکبر کرنے والا جب کسی سے حق بھی سنتا ہے تو تکبر کی وجہ سے حق بات کو بھی تسلیم نہیں کرتا بلکہ انکار کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

فائدہ: دینی مسائل میں مناظرہ کرنے والے بھی دعوئی یہی کرتے ہیں کہ یہ مناظرہ بحث محض استحقاق حق اور حق

واضح طور پر معلوم کرنے کی خاطر ہے مگر اس کے باوجود متکبروں کی طرح انکار کر جاتے ہیں۔ مخالف کی زبان سے حق بھی جاری ہو تو پھر بھی دوسرا تسلیم نہیں کرتا بلکہ اسی حق بات کہنے والے کو جھٹلانے اور رد کرنے کا بہانہ ڈھونڈتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح دھوکہ دے کر اسے مقابل پہ مشتبہ کر دینا چاہئے۔ کافروں اور منافقین کی یہی عادت تھی۔ ان کی اسی عادت کا بیان قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ (حٰمٓ سجدہ 26) ترجمہ کنزالایمان: اور کافر بولے یہ قرآن نہ سنو اور اس میں بے ہودہ غل کرو شاید یونہی تم غالب آؤ۔

فائدہ: غلبہ کی خاطر یا دوسرے کے الزام یا دوسرے کو خاموش کرنے کی غرض سے جو شخص مناظرہ کرے اور اسے حق کی تحقیق مطلوب نہ ہو کہ اس پہ حقیقت واضح ہو جائے تو اس قسم کا مناظرہ اس عادت پر عمل میں منافقین کے ساتھ شامل ہے۔ یونہی کبر، غیرت، وعظ اور نصیحت کو بھی تسلیم نہیں کرنے دیتے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ (13) وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ (البقرۃ 206) ترجمہ کنزالایمان: اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو اسے اور ضد چڑھے گناہ کی۔

حکایت: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے اسی آیت مبارکہ کو تلاوت کیا اور بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ایک آدمی اچھی بات کہنے کی غرض سے کھڑا ہوا۔ اچھی بات بیان کرنے لگا وہ شہید کر دیا گیا۔ ایک دوسرا شخص یہ بیان کرنے کی غرض سے کھڑا ہوا کہ اچھی بات کا امر کرنے والوں کو کیوں شہید کرتے ہو؟ متکبر نے اسے بھی شہید کر دیا۔ یعنی جس شخص نے اچھی بات بتائی اسے بھی شہید کر دیا اور جس نے بری بات سے روکا اسے بھی شہید کر دیا یہ محض کبر کی وجہ سے کیا۔

فائدہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ بندے کے لیے محض یہی گناہ بہت بڑا ہے کہ جب کوئی اسے کہے کہ اللہ سے ڈرو تو وہ جواباً کہے کہ تم اپنے نفس کی حفاظت تو کرو۔

کن کی کنجی زبان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ارشاد فرمایا کہ کھانا دائیں ہاتھ سے کھا تو اس نے تکبرانہ انداز میں کہا میں دائیں ہاتھ سے کھا نہیں سکتا۔ آپ نے ارشاد فرمایا یونہی ہوگا۔ راوی فرماتے ہیں کہ دایاں ہاتھ اسے پھر کبھی بھی اٹھانا نصیب نہ ہو سکا۔ کسی بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ (نمبر ا)

خلاصہ: مخلوق پہ تکبر کرنا بری بات ہے۔ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکام پہ تکبر ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ابلیس لعین کا حال جو بیان ہوا ہے۔ وہ تکبر میں اسی لیے ہی مشہور و معروف ہے کہ تاکہ اس کے حال سے لوگ

ا۔ اسی قسم کے واقعات اور دلائل قرآن و حدیث فقیر کے رسالہ کن کی کنجی حصہ اول و دوم میں پڑھئے۔ اویسی غفرلہ

عبرت پکڑیں۔ اس نے یہی کہا تھا کہ میں انسان سے اچھا ہوں۔ یوں اس نے اپنے نسب کا کبر کیا تھا کہ مجھے آگ سے پیدا کیا گیا جبکہ انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ مگر اس کبر کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سجدہ کرنے کا جو حکم دیا اس نے سجدہ نہ کیا۔ پہلے پہل کبر و حسد حضرت آدم علیہ السلام پر تھا مگر آخر میں اللہ کے امر پر کبر ہو گیا اسی لیے ہمیشہ کے لیے ہلاکت میں پڑا۔ پس اللہ تعالیٰ کے بندوں پر تکبر کرنے کی وجہ سے یہ آفت جو اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ماننے کی وجہ سے نازل ہوئی ہے وہ بہت بڑی آفت ہے۔

حدیث شریف: اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب اس نے یہ سوال کیا تھا کہ آپ جانتے ہیں کہ نفاست مجھے محبوب ہے تو یہ کبر تو نہیں ہے بلکہ کبر تو یہ ہے کہ امر حق سے سرکشی اختیار کرے اور لوگوں کی عیب جوئی اور تحقیر بیان کرتا پھرے۔

کبر کی دو خرابیاں: (۱) لوگوں کی حقارت کرنا جو کہ کبر کرنے والے کے برابر ہوں بلکہ خواہ اس سے بہتر ہی ہوں۔ (2) امر حق کو رد کرنا۔ پس جو یہ تصور کرے کہ میں دوسرے سے اچھا ہوں اور دوسرے مسلمان بھائی کو حقیر و ناچیز جانے اس کی طرف حقارت بھری نظروں سے دیکھے۔ امر حق جاننے کے باوجود انکار کرے تو مخلوق خدا کے معاملات میں وہ متکبر ہو گا اور جسے اس بات کی غیرت ہو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے خضوع اختیار کرے اور اس کی اطاعت کرے رسولوں کی اتباع کر کے عاجزی کا اظہار کرے تو ایسا اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسولوں کے معاملات میں متکبر کہلائے گا۔

اسباب تکبر: تجربہ ہے کہ تکبر وہی کرتا ہے جو خود کو بڑا سمجھے اور اپنی ذات کو وہ شخص بڑا جانتا ہے کہ اس میں صفات کمال میں سے کوئی صفت موجود ہے۔ یہ کمال دینی یا دنیوی ہوتا ہے۔ دینی کمال کی دو اقسام ہیں۔ (۱) علم (2) کمال

دنیوی کمال دنیوی کمال پانچ قسم کا ہوتا ہے۔ (۱) نسبت (2) جمال (3) قوت (4) مال (5) دوستوں اور ساتھیوں کی کثرت۔

تکبر کے سات اسباب ہیں ہم ان سب کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔

علم سے تکبر: تکبر کی پہلی قسم علم ہے۔ علماء کو تکبر جلدی آتا ہے اس لیے حدیث شریف میں بیان ہوا ہے کہ آفتہ العلم الخیلاء علم کی آفت تکبر ہے۔ علم کی حیثیت سے عالم جلد ہی مغرور بن جاتا ہے۔ جمال اور علمی کمال سے واقفیت حاصل کر کے اپنے جی میں وہ اپنے آپ کو بڑا اور باقی لوگوں کو معمولی اور جاہل سمجھتا ہے۔ ان کی طرف یوں دیکھتا ہے اور اس بات کی توقع رکھتا ہے کہ مجھے لوگ سلام کریں اور اگر اتفاقی طور پر کسی کو پہلے سلام کر لیا کسی کے سلام کا بخوشی جواب دے دیا یا تعظیماً" کھڑا ہو گیا یا کسی کی دعوت منظور کر لی۔ پھر ان باتوں کو دوسرے شخص پر

احسان سمجھتا ہے اور لازم جانتا ہے کہ وہ اس کا شکر گزار ہو یا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ میں نے اسے سرفراز کیا ہے۔ یا میں نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے جس کا وہ مستحق نہیں تھا۔ اس کے بدلے میں اس پہ لازم ہے کہ وہ میری عزت اور خدمت کرے بلکہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ عام لوگ تو عالم کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں جبکہ وہ خود دوسرے لوگوں کے ساتھ ویسا سلوک نہیں کرتا۔ عالم کے پاس دوسرے لوگ تو آتے ہیں جبکہ وہ کسی کے پاس نہیں جاتا۔ جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی تیمار داری کے لیے تو لوگ حاضر ہوتے ہیں جبکہ وہ کسی کی تیمار داری نہیں کرتا۔ اگر کوئی اس کے ساتھ زیادہ راہ و رسم رکھتا ہے تو وہ اس سے اپنا کاروبار کیا کرتا ہے۔ اگر اس ساتھی سے کوئی سرزد ہو جائے تو اسے برا خیال کرتا ہے۔ جیسے سبھی اس کے غلام یا مزدور ہیں۔ لوگوں کو تعلیم دینا ایک احسان کرتا ہے جس کی وجہ سے ان پہ اس کا حق ہے یہ تو اس کا حال دنیوی کاروبار کے بارے ہیں ہے۔

عالم کا تکبر دین میں: دین کے سلسلے میں عالم کا تکبر دوسرے لوگوں پہ یوں ہے کہ دوسرے لوگوں کی نسبت اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعلیٰ اور افضل جانتا ہے۔ دوسرے لوگوں کا اسے زیادہ خوف ہوتا ہے جبکہ وہ اپنے لیے اتنا خوف نہیں کرتا۔ دوسرے لوگوں سے اپنی نجات کی زیادہ توقع رکھتا ہے تو ایسے عالم کو جاہل کہنا زیادہ مناسب ہے۔ اسے کس نے عالم کیا ہے؟

علم حقیقی: ایسے علم کو حقیقی علم کہا جاتا ہے جس سے بندہ اللہ کو پہچانے' اپنے نفس کو بھی پہچانے' خاتمے کے خطرے کو بھی جانے۔ یہ بھی سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کا مواخذہ زیادہ تر علمائے کرام سے ہی ہوگا۔ مختصر یہ کہ خطرہ علم بہت بڑا خطرہ ہے اس لیے کبر کے علاج میں اسے بیان کیا جائے گا۔ ہاں البتہ خوف' تواضع اور خشوع و خضوع اس علم سے زیادہ ہوتا ہے۔ یہ علم اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ تمام انسانوں کو اپنے سے بہتر جانے کیونکہ علم کی وجہ سے مواخذہ حق بھی زیادہ ہے جبکہ عالم سے نعمت علم کا شکر کم ادا ہوتا ہے۔

فائدہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص علمی لحاظ سے افضل ہوتا ہے اسے درد بھی زیادہ ہوتا ہے۔ حقیقتاً انہوں نے صحیح کہا ہے۔

علم سے تکبر کیوں؟: علم کے باوجود علمائے کرام میں اپنی عظمت کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر دریافت کیا جائے کہ بعض لوگوں میں علم کی وجہ سے تکبر اور بے خوفی کی بری عادت کیوں پیدا ہو جاتی ہے تو جواب یہ ہے کہ اس عادت کے پیدا ہونے کی بڑی دو وجہیں ہیں۔ (ا) جس میں یہ عادت پیدا ہوتی ہے وہ کسی ایسے علم کے حصول میں لگ جائے جو کہ برائے نام ہی علم ہو۔ حقیقی علم نہ ہو۔ یعنی وہ ایسا علم ہو ہی نہیں جس سے اپنے نفس کو اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت کے خطرہ اور اس سے محجوب ہونے کو جان سکے کیونکہ ایسے علم سے تو اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے اور بے خوف اور متکبر ہونا تو علم کی شان ہے ہی نہیں جیسا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے انما یخشی اللہ من

عبادہ العلمآؤا (فاطر 28) ترجمہ کنزالایمان : اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ اس علم کے علاوہ جتنے بھی علوم ہیں جیسے طب، حساب، لغت، شعر، نحو، جھگڑوں کا فیصلہ کرنا اور طریق مناظرہ وغیرہ جب آدمی محض ان علوم کو ہی سیکھتا ہے تو وہ نفاق اور کبر سے بھر جاتا ہے۔ حقیقتاً ان علوم کو علم کے نام سے موسوم ہی نہیں کرنا چاہئے بلکہ انہیں تو فنون اور صنعتیں کہنا ہی مناسب ہے جبکہ حقیقی علم تو وہی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور عبادت کرنے کا طریقہ معلوم ہو ایسے علم سے اکثرو بیشتر تواضع ہی پیدا ہوتی ہے۔ (2) جب کوئی بندہ علم حاصل کرنا شروع کرتا ہے تو اس وقت اس کا باطن صحیح نہیں ہوتا۔ اس کے نفس میں برے اخلاق ہوتے ہیں جس کی وجہ سے اس کا نفس تہذیب کا اور قلبی تزکیہ کی طرف توجہ نہیں دیتا اور نہ ہی عبادت حق میں مجاہدہ و ریاضت کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ اس کا نفس ابتداً برا ہوتا ہے۔ بعدازاں جب اس کے برے نفس میں علم کا جوہر شامل ہوتا ہے۔ علم خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اس کے دل میں اسے اچھی جگہ نہیں ملتی۔ اس خباثت بھری جگہ میں علم بھی جب رہتا ہے تو اسی لیے اس علم کا پھل بھی اچھا ظاہر نہ ہوا اور نہ ہی خیر میں اس کا اثر ظاہر ہوا۔

علم کی مثال: حضرت وہب رحمتہ اللہ علیہ نے علم کی مثال بیان فرمائی ہے کہ علم کا حال تو ایسا ہی ہے جیسا کہ آسمانی پانی (بارش) کہ وہ پانی صاف ستھرا اور میٹھا ہوتا ہے۔ اسی پانی کو جب درخت اپنی رگوں میں جذب کرتا ہے تو جیسا درخت اس پانی کو اپنے اندر جذب کرے گا ویسا ہی ذائقہ اس پانی کلوہ درخت بدل لیتے ہیں۔ اس میٹھے پانی سے تلخ درخت کی تلخی میں اضافہ ہو جاتا ہے اور شیریں درخت کی مٹھاس میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ علم کا بھی یہی حال ہے کہ علم حاصل کرنے والوں کی جیسی ہمت اور خواہش ہوتی ہے۔ یہ علم اسی طرح ان کے لیے ہو جاتا ہے۔ یعنی اس سے تکبر کرنے والے کے تکبر میں اضافہ ہو جاتا ہے اور متواضع کی تواضع میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جس نے کبر کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش کی وہ تو جاہل ہے جب علم حاصل کیا تو اس کے ہاں کبر کا سبب آگیا۔ اسی لیے وہ کبر میں اور آگے نکل گیا۔ حصول علم سے قبل وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا تھا تو اس نے علم حاصل کرلیا تو اس کے خوف حق میں مزید اضافہ ہوگیا کیونکہ خوف خدا کی جہت اس علم کی وجہ سے مزید مضبوطی اختیار کرگئی ہے۔ بہرحال کبر کے بڑے بڑے اسباب میں سے علم بھی ایک بڑا سبب ہے اسی لیے حق تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (شعراء 214) ترجمہ کنزالایمان : اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ اپنے پیرو مسلمانوں کے لئے۔ ایک اور مقام پر یوں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران 159) ترجمہ کنزالایمان : اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے۔ اور اپنے اولیائے کرام کی صفت ان الفاظ میں بیان فرمائی اذلتہ علی المومنین اعزة علیہ لکافرین)

حدیث شریف: اسی جہت سے یہ حدیث مبارکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعض ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن پاک تلاوت تو کریں گے مگر وہ ان کے گلوں سے تجاوز نہیں کریں گے۔ (قرآن مجید ان پہ اثر نہیں کرے گا) اور دعویٰ کریں گے کہ ہم نے قرآن حکیم کی تلاوت کی ہے کون عالم ہم سے زیادہ پڑھا ہوا ہے۔ بعدازاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا کہ اے میری امت کے لوگو تمہیں میں سے وہ لوگ بھی ہوں گے اور وہ سبھی دوزخ کے کندے ہوں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا اے لوگو جابر عالم نہ بننا کہ تمہارے تمام اعمال پہاڑ کے برابر نہ ہوں۔

حکایت: ایک شخص نے آپ سے نماز فجر کے بعد وعظ کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے ارشاد فرمایا مجھے تیرے بارے میں اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں (کبر کی وجہ سے) تو پھول کر بہت بلندی نہ اختیار کرلے۔

حکایت: ایک قوم کو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی نماز سے فارغ ہو کر جب سلام پھیرا تو ارشاد فرمایا کہ میرے علاوہ کوئی دوسرا امام ڈھونڈو یا اکیلے اکیلے ہی نماز پڑھ لیا کرو کیونکہ تمہاری امامت کروانے کی وجہ سے میرے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ ان میں سے کوئی مجھ سے افضل نہیں ہے۔

دولت غور و فکر: جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ معاملہ پیش آرہا ہے تو اس معاملہ سے کمزور آخری زمانہ کے لوگ کیسے محفوظ رہیں گے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس دنیا فانی پر ایسے شخص کا وجود مسعود کمیاب ہے کہ اسے لوگ عالم کے نام سے پکاریں اور اس عالم صاحب کی رگ عزت میں جوش پیدا نہ ہو۔ اگر اس کے باوجود اس زمانہ میں کوئی شخص ایسا ہے تو پھر وہ شخص اس عہد کا صدیق ہے۔ اسے ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اس سے استفادہ کرنا تو کجا محض اس کی زیارت کرنا بھی عبادت میں داخل ہے۔ ہمیں (امام غزالی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ) تو اگر ایسا شخص چین میں سنائی دے وہاں بھی اس کے پاس حاضری دیں تاکہ اس کی برکت' سیرت مبارکہ اور خصلت مبارکہ سے فوائد حاصل کریں۔ افسوس کہ اس آخری دور میں ایسا عالم کہاں؟ وہ لوگ بڑے قسمت کے سکندر تھے جو قرن اول و ثانی میں وصال فرما چکے۔ ہمارے اس دور میں تو اس خصلت کے نہ ہونے پہ افسوس کا اظہار کرنے والے بھی بہت کم لوگ ہیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اس بشارت پہ مبنی قول مبارک میں بشارت نہ دے جاتے کہ

حدیث مبارکہ اسیاتی علی الناس زمان من تمسک فیہ بعشر ما عننم علیہ نجاۃ ترجمہ: عنقریب لوگوں پہ وہ زمانہ آنے والا ہے۔ کہ اگر اس وقت کوئی تمہارے عمل و اعتقاد کے دسویں حصے جتنا بھی اختیار کرے تو وہ نجات پائے گا۔ (ترمذی شریف) ہمارے اعمال بد کا تو یہ تقاضا تھا کہ ہم ناامیدی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں گم ہو جاتے اور اب بھی اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اعمال مبارک کا دسواں حصہ اس گئے گزرے دور میں بھی کون کرتا

ہے۔ کاش ہم سے دسواں حصہ ہی ادا ہو جاتا تو غنیمت ہوتا (یعنی ہم سے یہ بھی نہیں ہو سکتا)

عمل اور عبادت: تکبر کا دوسرا بڑا سبب عمل اور عبادت ہے۔ زاہد اور عابد تکبر اور عزت نیز لوگوں کے قلوب اپنی طرف مائل دنیا میں کبر کرنے سے محفوظ نہیں ہوتے۔ دنیا میں کبر ان سے بھی دنیا و دین (ان) دونوں میں تکبر کی بیماری ظاہر ہوتی ہے۔ دنیا میں یوں کہ دوسروں کی آمدورفت اپنے پاس انہیں بہت مرغوب ہوتی ہے اس کی نسبت کہ وہ دوسرے لوگوں کے پاس جائیں۔ وہ دوسرے لوگوں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہماری ضرورتیں بھی پوری کریں اور ہماری عزت بھی کریں۔ جب ہم ان کے پاس جائیں تو ہمیں تعظیماً مجلس میں صدارت کی جگہ پر بیٹھائیں اور ہمیں ورع و تقویٰ کی صفت سے موصوف سمجھیں۔ تمام امور میں ہمیں اولیت دیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ ہم نے جو باتیں کبر کی دینوی امور میں علماء کے حال میں بیان کی ہیں وہ سبھی ان میں پائی جاتی ہیں۔ وہ عبادت کرتے ہیں عبادت کر کے مخلوق خدا پہ احسان کرتے ہیں۔

دین میں تکبر ان کے دین میں کبر کی بیماری اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اپنے نفس کو ناجی تصور کرتے ہے جبکہ دوسرے لوگوں کو تباہ کار اور ہلاک شدہ جبکہ حقیقتاً تباہ کار اور ہلاک شدہ تو وہی ہے۔

حدیث شریف: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی کو لوگوں سے یوں کہتا ہوا سنو کہ سبھی تباہ و برباد ہو گئے تو جان لینا کہ وہی سب سے زیادہ ہلاکت میں پڑے گا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد گرامی اسی لیے ارشاد فرمایا کہ اس کا یہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کیا اس کے ذمے اللہ کی مخلوق کو حقیر جاننے کی برائی کم ہے۔ یہی کچھ اس کی ہلاکت کے لیے کافی ہے۔

حدیث شریف: کسی بندے کے لیے اتنا شر ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔

فائدہ: جو شخص عبادت کرنے والے کو محض اللہ تعالیٰ کے لیے ہی محبوب سمجھے اور اس کی تعظیم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی وجہ سے کرے، بڑا سمجھے اور اس کے لیے ایسے اعلیٰ درجات کی توقع کرے جن کے لیے اپنے نفس کی توقع نہ کرے تو ایسے شخص اور عابد کے مابین بہت فرق ہے کیونکہ ایسا شخص تو محض اللہ کے لیے عابد کی تعظیم کرنے کی بنا پر نجات پائے گا اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے گا۔ عابد لوگوں سے محترز رہنے اور ان کے پاس بیٹھنے سے نفرت کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ٹھہرے گا۔ پس یہ کیسی عجیب بات ہے کہ عابد کی محبت کی وجہ سے دوسرے لوگ عابد کے عمل کا درجہ حاصل کریں جبکہ وہ خود عام لوگوں سے حقارت کا سلوک کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی حاصل کرے جیسے اس نے کوئی عمل کیا ہی نہیں۔

حکایت: بنی اسرائیل میں سے ایک ایسا شخص تھا کہ بکثرت دنگا فساد کی وجہ سے فسادی مشہور ہوگیا اور بنی اسرائیل

میں سے ہی ایک شخص بکثرت عبادت کرنے کی وجہ سے عابد مشہور ہوگیا۔ اتنی عبادت کی کہ اس پر ایک بادل کا ٹکڑا سایہ کیے رہتا۔ فسادی ایک دن عابد کے پاس سے گزرا تو اس نے دل میں سوچا کہ یہ شخص عبادت میں مشہور ہے اور میں فساد کی وجہ سے مشہور ہوں۔ اس عبادت گزار کے پاس اگر میں کچھ دیر بیٹھ جاؤں تو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم کردے وہ عابد کے پاس یہ سوچ کر بیٹھ گیا اب عابد نے یہ سوچا کہ یہ فسادی ہے جبکہ میں عابد ہوں (یہ اس قابل نہیں ہے کہ میرے پاس بیٹھے) یہ میرے پاس کیوں بیٹھ گیا ہے؟ اس نے اس وجہ سے شرم محسوس کی اور اسے کہا یہاں سے چلتا بن۔

اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے نبی علیہ السلام کو وحی فرمائی۔ آپ ان دونوں کو ارشاد فرمادیجئے کہ عمل دوبارہ نئے سرے سے کریں۔ ان کے پہلے اعمال کا تو حال یہ ہے کہ فسادی کو میں نے بخش دیا ہے اور عابد کی تمام عبادات ختم کر دی ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ عابد کے سر سے بادل کا سایہ بھی جاتا رہا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں سے محض دل کا ارادہ ہی مراد ہے اس لیے جب جاہل گناہ گار اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے تواضع اختیار کرے گا وہ اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار ہے وہ شخص متکبر عالم و عابد سے زیادہ مطیع و فرمانبردار ہوگا۔

حکایت: بنی اسرائیل میں سے ایک شخص ایک عابد کے پاس آیا۔ اس وقت وہ مسجد میں تھا اس نے عابد کی گردن پہ پاؤں رکھ دیا۔ عابد نے اسے کہا کہ میری گردن سے اپنا پاؤں اٹھالے۔ اللہ کی قسم اللہ تجھے ہرگز نہیں بخشے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اسکی طرف پیغام بھیجا کہ میری قسم کھانے والے اسکی نہیں بلکہ بخشش تیری نہیں ہوگی۔

نکتہ: حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کبر میں سادہ کپڑے پہننے والا حریر پہننے والے سے زیادہ ملوث ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ حریر پہننے والا گلیم پہننے والے کے سامنے عاجزی اختیار کرتا ہے اور اسے ہی اپنے سے افضل جانتا ہے جبکہ گلیم پہننے والا اپنی ذات کو اس دوسرے سے افضل جانتا ہے۔ یہ بھی ایسی بلا ہے جس سے بہت ہی کم عابد بچے ہوئے ہوں گے۔ یعنی کسی نے اگر عابد کو تکلیف پہنچائی یا رسوائی کا سبب بنا تو عابد اس کی بخشش مشکل سمجھتا ہے۔ اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مغضوب ٹھہرا۔ وہ شخص اگر کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف دے تو اسے اتنا برا معلوم نہ ہو۔ اس کی محض یہی وجہ ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں سے اپنی قدرو منزلت زیادہ جانتا ہے حالانکہ اس معاملہ میں کئی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ جہالت' کبر' عجب' اللہ پر مغرور ہونا۔ علاوہ ازیں ان لوگوں کی کبھی تو بے وقوفی اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ یہ کہنے لگتے ہیں کہ اب اس کا حال دیکھئے کہ اس کا کیا حال ہوگیا ہے۔ اگر کبھی وہ دکھ اور مصیبت میں گرفتار ہو جائے تو اسے عابد صاحب اپنی کرامت گردانتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا بدلہ لیا ہے حالانکہ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ کافروں کے بہت سے گروہ اللہ تعالیٰ اور رسول کو گالیاں بکتے تھے۔

بہت سے کافروں نے انبیاء کرام کو تکلیفیں دیں مگر اللہ تعالیٰ نے پھر بھی انہیں مہلت دی اور فوراً عذاب نہ فرمایا۔ بعدازاں انہیں کفار میں سے بعض مسلمان بھی ہوگئے۔ انہیں نہ تو دنیا میں کوئی تکلیف ہوئی اور نہ ہی آخرت میں پس یہ جاہل تکبر کرنے والے جو سمجھتے ہیں کہ مقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاء کرام سے بھی زیادہ ہمارا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کا بدلہ تو نہیں لیا جبکہ ہمارا بدلہ لے لیا ہے اور یہ معلوم نہیں کہ ہو سکتا ہے اسی کبرو عجب کی حیثیت سے ہی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مغضوب ہوں اور وہ اپنی ہلاکت کی خبر نہ رکھتے ہوں۔ یہ تو ہے کبر والوں کا اعتقاد جبکہ سمجھدار عابد اس طرح کہا کرتے ہیں۔

فائدہ: حضرت عطاء سلمی رحمتہ اللہ علیہ آندھی چلنے کے وقت اور بجلی گرتے وقت ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میری وجہ سے ہی ساری مخلوق کو مصیبت پہنچتی ہے۔ اگر عطاء سلمی رحمتہ اللہ علیہ مرجائے تو لوگ میری وجہ سے آئی مصیبت سے نجات پالیں۔
عرفات سے واپسی پر ایک شخص نے فرمایا تھا کہ مجھے توقع تھی کہ اگر میں اس وقت ساتھ نہ ہوتا تو سب پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی۔

فائدہ: اب دونوں قسم کے اقوال میں فرق ملاحظہ فرمانا چاہئے کہ دانا تو ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ اسے اپنے نفس پہ خوف ہے۔ اپنے عمل کو کچھ بھی نہیں سمجھتا جبکہ بے وقوف اپنے دل میں ریا' کبر' حسد اور دشمنی اتنا زیادہ رکھتا ہے کہ شیطان اسے بے وقوف بنائے رکھتا ہے۔ مزید براں یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ پہ اپنے عمل کا احسان رکھتا ہے۔

خلاصہ: اس بات پہ جس کا پختہ یقین ہو کہ میں اللہ کے کسی بندے سے بہتر ہوں تو اس نے اس وجہ سے اپنے تمام اعمال کو برباد کر ڈالا کیونکہ سب سے بڑا گناہ جہالت ہے اور اللہ تعالیٰ سے دوری کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اپنے آپ پہ بہتری کا حکم کرنا دوسرے سے محض جہالت اور حق تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہونا ہے۔ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ کسی شخص کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ہوا۔ ایک دن وہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے آیا تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہی وہ شخص ہے جس کا ذکر ہم نے آپ کے سامنے کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تو اس کے چہرے میں شیطانی نشان معلوم ہوتا ہے۔ جب اس نے آکر سلام کیا وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ آپ نے اسے ارشاد فرمایا میں تجھ سے بہ قسم دریافت کرتا ہوں کہ کیا تیرے دل میں یہ بات ہے یا نہیں کہ قوم میں مجھ سے افضل کوئی بھی نہیں ہے۔ اس شخص نے

عرض کیا بلاشبہ میرے دل میں یہ بات ہے۔

فائدہ: نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے چہرے پہ شیطانی آثار کی شکل میں اپنے نور نبوت سے ملاحظہ فرما لیا۔ (ا) بہرحال یہ ایسی آفت ہے کہ جس سے کوئی بھی عابد بچا ہوا نہیں ہوتا۔ ہاں جسے اللہ تعالیٰ بچائے وہ اس آفت سے خالی ہوتا ہے معلوم کیجئے کہ آفت کبر کے لحاظ سے عالم اور عابد تین مرتبوں پہ ہیں۔

(ا) کبر دل میں ہے کہ دوسرے سے اپنی ذات کو اچھا سمجھتا ہے مگر پھر بھی کوشش کرکے تواضع اختیار کرتا ہے ایسے کام نہیں کرتا جیسے وہ دوسرے لوگ کام کرتے ہیں جو اپنی ذات سے دوسروں کو اچھا سمجھتے ہیں تو ایسے شخص کے دل میں کبر کا درخت پیدا تو ہو چکا ہے مگر ابھی تک اس نے اس شجر کبر کی شاخیں کاٹی ہوئی ہیں۔

(2) دوسرا درجہ یہ ہے کہ کبر کو اپنے کاموں میں بھی ظاہر کرے۔ جیسے دوسرے لوگوں سے بلند بیٹھے۔ اپنے جیسوں سے سبقت لے جانا چاہے۔ اس کے بارے میں اگر کوئی غلطی کرے تو اسے برا جانے۔ عالم میں کبر کی کم سے کم بات یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنا رخ ایسے بدلتا ہے جیسے اس نے اپنا چہرہ چھپا لیا ہے جبکہ عابد کی معمولی بات یہ ہے کہ عابد ترش رو ہو جاتا ہے۔ پیشانی پہ بل ڈالتا ہے۔ گویا دوسرے لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے اور انہیں معمولی جانتا ہے۔ ہاں ان پہ غصہ جھاڑتا ہے۔ حالانکہ اس بیچارے کو یہ علم نہیں کہ تقویٰ و پرہیز گاری پیشانی پہ بل ڈالنے میں نہیں ہے اور نہ ہی چہرے میں تقویٰ و پرہیز گاری ہے کہ چہرے کو ترش بنایا جائے نہ ہی رخسار میں تقویٰ ہے کہ چہرہ عام لوگوں سے پھیر لیا جائے۔ تقویٰ گردن میں بھی ہرگز نہیں کہ گردن جھکا لی جائے۔ نہ ہی دامن میں تقویٰ ہے کہ اپنے دامن کو سمیٹ لیا جائے۔ تقویٰ تو دراصل دلوں میں ہے جیسے

حدیث شریف: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سینے کی طرف اشارہ کرکے ارشاد فرمایا التقویٰ ھٰھنا ترجمہ: تقویٰ یہاں ہے۔

یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مخلوق میں سب سے زیادہ بزرگ اور پرہیز گار تھے۔ اس کے باوجود تمام لوگوں سے سب سے زیادہ خلیق، بہت زیادہ کشادہ پیشانی، تبسم فرمانے والے اور ملنسار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابی رسول وارث بن جرزز بیدی ارشاد فرماتے ہیں مجھے آپ سب سے زیادہ کشادہ و خندہ پیشانی والے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود جو لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ انہیں کشادہ پیشانی سے ملیں تو وہ ناک بھوں چڑھا کر ملتے ہیں۔ وہ اپنے عملوں کا آپ پہ احسان کریں تو ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ ایمان کا دعویٰ کرنے والوں میں کثرت نہ کرے۔ حق تعالیٰ کو اگر یہی بات پسند ہوتی تو پھر اپنے پیغمبر کو یہ ارشاد مبارک کیوں فرماتا کہ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (شعراء 214) اور اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ اپنے پیرو مسلمانوں کے

ا۔ اسے ہم علم غیب سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ روایت ابو نعیم و دیگر محدثین نے نقل فرمائی ہے اور مفصل ہے۔ تفصیل فقیر کی کتاب وہابی دیوبندی کی نشانی میں پڑھیے۔ (اویسی غفرلہ)

لیے (کنز الایمان)

(3) تیسرا درجہ ان لوگوں کا ہے کہ ان کی زبان پر کبر اتنا زیادہ ظاہر ہوتا ہے کہ کبر کی وجہ سے دعویٰ' مفاخرت' و مباہات' تزکیہ نفس 'حالات و مقامات کا ذکر اور علم و عمل میں دوسرے لوگوں پہ غلبہ حاصل کرے۔ دوسرے درجات کے لوگوں میں اس درجہ تک پہنچے ہوئے لوگوں میں کبر کی برائی زیادہ ہوتی ہے جبکہ دوسرے درجات والے لوگوں کی عادات و اطوار میں کبر کا اثر کم ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً ایک عابد دوسرے عابد کو فخر کے طور پہ کہتا ہے کہ تو کون ہے؟ اور تیرا عمل کیا ہے؟ اس کا زہد کیا ہے۔ اپنے مدمقابل کے بہت سے عیوب بیان کرنے کے بعد اپنی تعریف بیان کرتا ہے کہ (میرے زہد کا تو یہ حال ہے کہ) اتنے عرصہ سے میں نے کبھی روزہ افطار نہیں کیا۔ رات کے وقت سوتا نہیں ہوں بلکہ ساری رات عبادت میں گزار دیتا ہوں۔ روزانہ ایک قرآن شریف ختم کرتا ہوں جبکہ فلاں شخص تو صبح سو جاتا ہے۔ تلاوت قرآن پاک تو کرتا ہی نہیں یا اسی نوعیت کے دوسری باتیں بیان کرتا ہے۔ کبھی اپنے تزکیہ نفس کا دعویٰ کرتا ہے یا کبھی اور کلام اپنی عظمت پہ مبنی کرتا ہے جیسے کہتا ہے کہ فلاں نے مجھے تکلیف دینے کا ارادہ کیا تو اس کا بیٹا فوت ہوگیا یا اس کا مال لوٹ لیا گیا یا وہ بیماری میں مبتلا ہوگیا وغیرہ۔ اس طرح وہ اپنی کرامات کا دعویٰ کرنے لگتا ہے کہ میں ایسا پہنچا ہوا بزرگ ہوں اور مباہات یوں کہ یہی عابد اگر کسی ایسی قوم میں چلا جائے جہاں تہجد گزار ہوں تو وہ شب بیداری کرے۔ اس سے قبل جتنی نمازیں (نوافل وغیرہ) ادا کرتا تھا اس سے زیادہ پڑھے۔ اگر وہاں کے لوگ بھوک کے عادی ہوں تو یہ عابد بھی بھوک برداشت کرے۔ یہاں تک کہ ان پر غالب آجائے اور انہیں معلوم ہو جائے کہ یہ تو ہم سے بھی زیادہ قوی ہے کہ ہم تو اتنا صبر کرنے کے باوجود عاجز آگئے ہیں۔ یونہی اس قسم کے خوف کی وجہ سے عبادت بھی زیادہ کرتا ہے کہ یہ لوگ کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ فلاں آدمی تو اس سے زیادہ عبادت کرنے والا ہے اور دین میں زیادہ مضبوط ہے۔

عالم کا تفاخر: عالم تفاخر یوں اختیار کرتا ہے کہ وہ اپنے مخاطب سے یوں گویا ہوتا ہے کہ میں علم کے ہر فن سے واقفیت رکھتا ہوں۔ علم کے حقائق کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اساتذہ علم میں سے فلاں فلاں اساتذہ کی میں نے زیارت کی ہے۔ بتاؤ تم میں سے کون ایسا ہے؟ بتاؤ تم میں سے کوئی ایسی فضیلت والا ہے۔ حدیث میں کیا کچھ سنا ہے؟ یہ تمام باتیں اس لیے بیان کرتا ہے کہ اس سے اپنی بڑائی اور مدمقابل دوسرے لوگوں کا اس سے کم ہونا ظاہر ہو جائے۔ مباہات یوں کہ جب مناظرہ ہو جائے تو کوشش کرے کہ مدمقابل کو شکست دے دوں اور خود نہ ہاروں' مجلس میں کام آنے والے علوم کو حاصل کرنے میں دن رات گزارتا ہے۔ مثلاً مناظرہ' مجادلہ' انشا پردازی' سجع طرازی' فنون عجیبہ کا یاد کرنا' الفاظ احادیث اور اسناد احادیث یاد کرتا ہے تاکہ مدمقابل پہ عزت و عظمت حاصل ہو۔ بحث کرتے ہوئے اگر کسی سے اسناد یا الفاظ حدیث میں غلطی ہو جائے تو فوراً اس کی سخت گرفت کرے۔ اس لیے کہ مدمقابل کا نقص ظاہر ہو جائے وہ اس غلطی کی وجہ سے خوش ہوتا ہے۔ کہ (اسے پچھاڑنے کا اچھا موقع ہاتھ آیا) کہ مجھے اس کی غلطی بتانے

کا موقع ہاتھ آگیا اور اگر کوئی صحیح بیان کردے تو اسے برا معلوم ہوتا ہے اسی ڈر کی وجہ سے کہ کہیں لوگ اس مدمقابل کو مجھ سے بڑا عالم نہ سمجھنے لگ جائیں حالانکہ یہ تمام باتیں اخلاق اور کبر کے آثار ہیں جو علم و عمل کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور ایسا شخص (فی زمانہ) کہاں ہے جو ان تمام باتوں سے یا بعض سے بچا ہوا ہو۔ اب بھلا کوئی یہ تو بتائے کہ جو شخص ایسی بری عادت کا عادی ہو اور اسے یہ حدیث شریف بھی معلوم ہو کہ ایسا شخص جنت میں نہ جا سکے گا جس کے دل میں رائی کے دانے جتنا بھی کبر ہو وہ اپنے نفس کو پھر کیسے بڑا جانتا ہے اور دوسرے پہ تکبر اختیار کرتا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو اسے جنمی بتلایا ہے۔ حقیقتاً بڑا وہ ہے جس میں تکبر کی صفت نہ پائی جائے جس میں کبر کی صفت نہیں ہوگی اس میں جاہ پسندی اور تکبر نہیں ہوگا۔

حقیقی عالم: حقیقتاً عالم کہنا ہی اسے چاہئے جو یہ سمجھے کہ بندے کو حق تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ ہمارے نزدیک تیری قدر اس وقت ہی ہے جب تک کہ تو اپنے نفس کی قدر نہ سمجھے گا اور اگر تو اپنے نفس کی کچھ قدر سمجھ بیٹھے گا تو ہمارے نزدیک تیری کوئی قدرو منزلت نہ ہوگی جو عالم اس حقیقت سے واقفیت نہ رکھتا ہو اسے عالم کہنا جھوٹ پہ مبنی ہے۔ اسے اپنے علم کی بنا پر اس پہ تکبر نہیں کرنا چاہئے۔ اپنے آپ کو حقیرو ناچیز سمجھنا لازم ہے علم و عمل کی وجہ سے جو تکبر ہو یہ اس کا بیان ہے۔

حسب و نسب میں تکبر: اعلیٰ حسب و نسب والا اپنے سے کم نسب والے کو حقیرو ناچیز تصور کرتا ہے۔ خواہ وہ علم و عمل میں اس سے بڑھ کر ہی کیوں نہ ہو۔ نسب کا تکبر بعض لوگ اتنا زیادہ کرتے ہیں جیسے دوسرے لوگ تو اس کے غلام ہیں۔ ان کا میل جول کرنے اور ان کے پاس بیٹھنے سے بھی نفرت کرتے ہیں۔ موقع بے موقع بھی تفاخر ان کی زبان پہ جاری رہتا ہے۔ دوسرے لوگوں کے بارے میں کہتا پھرتا ہے کہ ان کی کیا اصل ہے۔ تیرا باپ کون ہے؟ میں فلاں کا صاحبزادہ اور فلاں کا پوتا۔ تیرے جیسے کی کیا مجال کہ میرے سامنے بات بھی کر سکے یا میری طرف نگاہ بلند کرکے دیکھ سکے تو میرے جیسے (عظیم نسب والوں سے) بولتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ نفس میں نسب ایک ایسی چھپی ہوئی رگ ہے کہ اس سے اعلیٰ نسب والے خالی نہیں ہوتے خواہ وہ نیک بخت اور عقلمند ہی کیوں نہ ہوں۔ اعتدال حالت میں تو یہ اسے ظاہر نہیں کرتے مگر غضب کے غلبے کے وقت ان کا نور عقل تاریک ہو جاتا ہے۔ ان سے بھی یہ بات ظاہر ہو جایا کرتی ہے۔ جیسے

حدیث شریف: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کی مجھ سے تکرار ہوئی تو میں نے اسے کہہ دیا او سیاہ فام عورت کے بچے تو رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوذر رضی اللہ عنہ طف الصاع طف الصاع لیس لا بن البیضآء علی ابن اسوداء فضل ترجمہ: دونوں پلڑے برابر ہیں، گورے رنگ کی عورت کو سیاہ فام عورت کے بچے پہ کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ حضرت ابو ذر

رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے یہ سنا تو لیٹ گیا اور اس شخص سے کہا کہ تو میرے رخسار کو روند ڈال۔

فائدہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذر رضی اللہ کو کیسے آگاہ فرمایا۔ جب سمجھے کہ یہ اپنے آپ کو اس نقطہ نظر سے افضل سمجھئے کہ یہ گورے رنگ کی عورت سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ ان کی غلطی اور نادانی ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ملاحظہ فرمائیے تو حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے اس عقیدہ سے کیسے توبہ کی۔ اپنے نفس سے تکبر کی جڑ کیسے اکھاڑ پھینکی کہ جس پہ تکبر کا اظہار کیا اس سے فرمایا کہ اپنے پاؤں تلے میرے رخساروں کو روند ڈال کیونکہ آپ اس حقیقت سے روشناس ہو گئے تھے کہ عزت و عظمت کی جڑ ذلت کے بغیر نہیں۔ یہ حدیث شریف بھی اس کے متعلق ہے (جو آگے مذکور ہے)

حدیث شریف: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے دو اشخاص نے ایک دوسرے پہ تکبر اختیار کیا۔ ان میں سے ایک شخص نے دوسرے کو کہا کہ فلاں شخص تو فلاں کا لخت جگر ہے اب تو بتلا کہ تو کون ہے؟ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یونہی دو اشخاص نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے سامنے ایک دوسرے پہ فخر و تکبر کا اظہار کیا۔ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ میں تو فلاں کا بیٹا اور فلاں کا پوتا ہوں اور فلاں کا پرپوتا ہوں۔ یونہی نو پشتوں تک شمار کر گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام پہ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ جو شخص فخر کر رہا ہے اسے فرما دیجئے کہ وہ نو کے نو سارے ہی دوزخ میں پڑے ہوئے ہیں اور تو دسواں بھی دوزخی ہے۔

حدیث شریف: ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگ اپنے آباؤ اجداد کا تذکرہ فخریہ طور پر بیان کرتے ہیں حالانکہ وہ تو جہنم کے کوئلے بن گئے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گبروٹے سے بھی زیادہ ذلیل ہیں۔ جو سارا دن اپنی ناک سے غلاظت کریدنے میں لگا رہتا ہے۔

حسن و جمال سے تکبر: یہ سبب اکثر و بیشتر عورتوں میں پایا جاتا ہے۔ اس سبب کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ دوسروں کے نقصان، عیوب اور غیبت زبان پہ جاری رہتی ہے۔

حدیث شریف: ایک حدیث شریف ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو میں نے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ یہ بونی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو نے اس کی غیبت کی۔ مقصد اس کا بھی پوشیدہ کبر تھا کیونکہ اگر قد چھوٹا ہوتا تو اسے بونی نہ کہتیں یوں سمجھئے کہ اپنے قد کو اچھا سمجھا جبکہ مدمقابل کے چھوٹا قد عیب سمجھ کر اس وجہ سے اسے بونی کہہ دیا۔

مال سے تکبر: تکبر کا یہ سبب بادشاہوں میں خزانے کی وجہ ہوتا ہے سوداگروں میں تجارتی مال کی وجہ سے دیہاتیوں

میں اراضی کی وجہ سے زیب و زینت پسند کرنے والوں میں لباس اور سواری کی وجہ اس لیے غنی فقر پہ تکبر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تو بھکاری اور مسکین ہے۔ پس اگر چاہوں تو تیرے جیسے کو خرید لوں اور تجھ سے بھی اچھے اور اعلیٰ لوگوں کو خدمت کے لیے رکھ لوں۔ تیری میرے سامنے کیا حقیقت ہے؟ میرا صرف گھریلو سامان ہی تیرے سارے مال سے بھی کہیں زیادہ، تیری سال بھر کی کمائی جتنا تو میں صرف ایک ہی دن میں کمالیتا ہوں۔ مختصر یہ کہ اس قسم کی تمام باتیں محض اس لیے کرتا ہے کہ وہ دولت مندی کو بڑا اور غریبی کو معمولی جانتا ہے مگر یہ صرف اس لیے کہ وہ دولتمندی کی آفت اور مفلسی کی فضیلت سے بے خبر ہے۔ جس کی طرف اس آیت مبارکہ میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔ فقال لصاحبه وهو يحاوره انا اكثر منك مالًا و اعز نفرا (الکہف 34، پ 15) ترجمہ کنزالایمان: تو اپنے ساتھی سے بولا اور وہ اس سے ردوبدل کرتا تھا۔ میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں اور آدمیوں کا زیادہ زور رکھتا ہوں۔ جواباً دوسرے نے کہا ان ترن انا اقل منك مالًا وولدًا ○ فعسىٰ ربي ان يوتين خيراً من جنتك و يرسل عليها حسبانًا من السماء فتصبح صعيداً زلقًا ○ او يصبح ماؤها غوراً فلن تستطيع له طلبًا (الکہف 42، پ 15) ترجمہ کنزالایمان: اگر تو مجھے اپنے سے مال و اولاد میں کم دیکھتا تھا تو قریب ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے اچھا دے اور تیرے باغ پر آسمان سے بجلیاں اتارے تو وہ پٹ پر میدان (سفید زمین) ہو کر رہ جائے۔ پہلے شخص کا قول و مال و لولاد کے تکبر کی حیثیت سے تھا بعدازاں نتیجہ یہ نکلا کہ وہ کہنے لگا کہ يا ليتني لم اشرك بربي احداً (کہف 43) ترجمہ کنزالایمان: اے کاش! میں نے اپنے رب کا کسی کو شریک نہ کیا ہوتا۔ قارون کا تکبر بھی ایسا ہی تھا کہ وہ جب اپنی قوم میں بن سنور کے نکلا تو اسے دیکھ کر لوگ کہنے لگے کاش کہ ہمیں بھی قارون جیسا مال حاصل ہو جائے۔

قوت بازو سے تکبر: جس قوت کی وجہ سے اپنے سے کمزور لوگوں پہ تکبر کرتے ہیں اتباع کرنے والوں، مریدوں، معتقدوں، مددگاروں، شاگردوں، غلاموں، کنبے اور رشتہ داروں، مداحوں کی کثرت اور کثرت سپاہ کی وجہ سے بادشاہ اور کثرت شاگردوں کی وجہ سے علماء تکبر کرتے ہیں۔

خلاصہ: ان تمام اسباب کا نتیجہ یہ نکلا کہ جس نعمت کا بھی کمال ہونا تصور میں لایا جاسکے۔ خواہ وہ حقیقتاً کمال نہ بھی ہو تو اس سے تکبر کرنا ممکن ہے۔ حتیٰ کہ مخنث شخص اپنے برابر والوں پر بھی تکبر کرنے لگ جاتا ہے کہ میں اس کاری گری میں ان سب سے زیادہ ماہر ہوں تو وہ اسے کمال تصور کرنے کی وجہ سے تکبر کرتا ہے۔ حالانکہ یہ کام بربادی اور عذاب کا سبب ہی کیوں نہ ہو۔ یونہی کبھی کبھی فاسق بھی شراب نوشی، کثرت جماع اور اغلام بازی کی وجہ سے فخر کرتا ہے کیونکہ ان امور کو اپنے گمان کے لحاظ سے کمال سمجھتا ہے حالانکہ اس کے کمال سمجھنے کی وجہ سے وہ غلطی پہ ہے۔ ان اسباب کی وجہ سے آدمی ایک دوسرے پہ تکبر کرتے ہیں۔ جسے جو کچھ حاصل ہے وہ اس کی وجہ سے اس شخص پہ تکبر اختیار کرتا ہے۔ جسے وہ چیز حاصل نہیں یا اس کے گمان میں اس سے کم ہے۔ خواہ وہ شخص بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے مساوی ہو یا اس سے بھی زیادہ قرب سے مستفیض ہو۔ مثلاً کوئی عالم اپنے علم کی وجہ سے

ایسے شخص پہ تکبر کرے جو اس سے بھی زیادہ جانتا ہو اس کے باوجود وہ تکبر اس لیے کرتا ہے کہ وہ اپنے خیال کے مطابق اس سے زیادہ فاضل اپنے آپ کو شمار کرتا ہے۔

معرفت تکبر کے اسباب: یہ معلوم ہو چکا ہے کہ خلق باطن کا نام کبر ہے اور اس سے جو اخلاق و افعال ظاہر ہوتے ہیں وہ اس کبر کا ثمر اور نتیجہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہیں اخلاق و اعمال کو تکبر کے نام سے موسوم کرنا مناسب ترین ہے۔ کبر محض امر باطن کا نام ہے۔ یعنی اپنے نفس کو بڑا خیال کرنا اور اس کی قدر دوسرے کے نفس سے زیادہ جاننا۔ اس امر باطن کا سبب صرف ایک ہی ہے جسے عجب کہتے ہیں۔ اس کے معنی آگے آتے ہیں کیونکہ جب کوئی آدمی اپنے نفس میں عمل یا کسی دوسری وجہ سے عجب کرے گا تو اپنے نفس کو بڑا سمجھ کر ہی کبر کرے گا۔

ظاہری تکبر کے اسباب: ظاہری تکبر کے تین اسباب ہیں۔ (1) تکبر کرنے والے میں ہوتا (2) دوسرا سبب اس میں ہوتا ہے جس پہ تکبر کیا جاتا ہے۔ (3) جو سبب ان دونوں اسباب کے علاوہ کسی اور کے متعلق ہو۔ (1) تکبر کرنے والے میں جو تکبر کا سبب ہوتا ہے وہ سبب وہی ہوتا ہے جو باطنی کبر کا سبب ہوتا ہے۔ (2) جو اس شخص کے متعلق ہے جس پہ کبر کیا جاتا ہے۔ وہ حقد اور حسد ہے۔ (3) جو کسی دوسرے کے بارے میں سبب ہے وہ ریا ہے پس اس لحاظ سے اس کے چار اسباب ہوتے ہیں۔ (1) عجب (2 کینہ (3) حسد اور (4) ریا۔

یہ بات تو ظاہر ہے کہ عجب سے باطنی کبر پیدا ہوتا ہے۔ باطنی کبر سے تکبر ظاہری اعمال' اقوال اور احوال میں سرایت کر جاتا ہے اور بعض اوقات عجب کے بغیر بھی کینہ تکبر پہ لے ڈالتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اپنے برابر یا اپنے سے زیادہ سمجھتا ہے مگر اس کے باوجود کسی وجہ سے اس پہ غصے بھی ہو گیا تو اسی غصے کی وجہ سے دل میں دشمنی کا بیج پیدا ہو گیا اس لیے اس کا نفس اس بات کو چاہتا ہی نہیں کہ اب اس شخص کے سامنے تواضع اختیار کی جائے خواہ وہ شخص ایسا ہو کہ اس کے سامنے تواضع اختیار کی جائے۔ جیسے عموماً اکثر و بیشتر رزیل آدمی حقد کی وجہ سے کسی خاص بزرگ کے لیے تواضع اختیار نہیں کرتا اور اسی دشمنی کی وجہ سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ اگر صحیح امر بھی اس بزرگ کی طرف سے آئے تو پھر بھی اسے تسلیم نہیں کرتا یا وہ بزرگ اگر نصیحت بھی کرے وہ اس نصیحت کو سنتا بھی نہیں اور اس کوشش میں ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس سے آگے بڑھ جاؤں۔ خواہ وہ اس بات کو جانتا بھی ہو کہ مجھے یہ استحقاق حاصل بھی نہیں اور اگر بزرگ پہ کچھ ظلم و ستم بھی ڈھالے تب بھی نہ تو اس کے پاس معافی کے لے جائے اور نہ ہی وہ اس کا کچھ عذر پیش کرے جو کچھ وہ جانتا نہیں اسے جاننے کے لیے بھی اس بزرگ کے پاس نہ جائے اور یہی حال اس کے حسد کا بھی ہے۔ اس بنا پر بھی جس کے ساتھ حسد ہوتا ہے اس کے ساتھ دشمنی بھی ہوتی ہے۔ خواہ اس کی جانب سے اسے کسی قسم کی تکلیف نہ بھی پہنچی ہو اور نہ ہی کوئی ایسی خاص وجہ پیدا ہوئی ہو جس سبب سے غصہ اور رد دشمنی تک نوبت پہنچے۔ حسد کی وجہ سے بھی امر حق کا منکر ہو جاتا ہے۔ نصیحت کو تسلیم نہ کرتا اور علم حاصل نہیں کرتا اور ایسے بھی بہت جاہل ہیں کہ وہ مشتاقان علم بھی ہیں مگر اس کے

باوجود جاہل ہی رہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے شہر کے عالم سے خواہ وہ اس کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو حسد کی وجہ سے اس عالم دین سے علم حاصل نہیں کرتے۔ اس سے روگردانی اختیار کرتے ہیں نیز اس پہ تکبر کی راہ اختیار کرتے ہیں حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ علمی حیثیت سے تواضع کا مستحق ہے مگر پھر بھی انہیں حسد اس بات پہ اکساتا ہے کہ اس کے ساتھ متکبرین جیسا معاملہ کرتے ہیں خواہ اسے اپنے نفس سے باطنی طور پر زیادہ ہی سمجھتے ہوں۔

تکبر میں ریا: ریا بھی منکرین کے اخلاق کی متقاضی ہے۔ یہاں تک کہ آدمی ایسے آدمی سے مناظرانہ طور طریقے اختیار کرتا ہے جسے اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ ہر حیثیت سے مجھ سے بہتر ہے حالانکہ اس سے قبل کچھ معرفت یا حسد یا دشمنی بھی نہیں ہوتی مگر پھر بھی اس کی حق بات کو محض اس لیے تسلیم نہیں کرتا' استفادہ بھی اس سے اسی لیے نہیں کرتا کہیں دوسرے لوگ یہ نہ کہیں کہ دوسرا شخص اس پہ فضیلت رکھتا ہے۔ اس صورت میں محض ریا ہی تکبر کا سبب ہے اور اگر تنہائی میں اس کے پاس ہوتا تو پھر وہ ہرگز تکبر اختیار نہ کرتا بخلاف اس تکبر کے جو کہ عجب' حسد اور دشمنی کی وجہ سے ہوتا ہے کہ وخہ تو تنہائی میں بھی ویسا ہی ہوتا ہے۔ اور اگر حاسد و محسود کے ساتھ کوئی اور سبب نہ بھی ہو تو پھر بھی اس پہ حاسد کو تکبر ضرور ہوگا۔ یونہی بعض لوگ ریا کی خاطر اپنا نسب شریف کرلیا کرتے ہیں۔ اس بارے میں اچھی طرح واقفیت رکھتے ہیں کہ اس شریف نسب والے دعویٰ کے لحاظ سے ہم جھوٹے ہیں۔ پھر بھی دوسرے لوگوں پہ اس جھوٹے نسب کی وجہ سے تکبر اختیار کرتے ہیں جو کہ اس نسب کے نہ ہوں' مجلسوں میں ان سے بلند مقام پر بیٹھنے کی خواہش کرتے ہیں اور راستہ میں چلتے ہوئے ان سے آگے چلنے کے متمنی ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی تعظیم ان کے برابر کر بیٹھے تو اس سے ناراض ہو جاتے ہیں حالانکہ باطنی طور پر خوب واقف ہیں کہ ہم تو اتنی تعظیم و توقیر کے بھی مستحق نہیں ہیں اور نہ ان کے باطن میں شجر کبر ہے کیونکہ انہیں علم ہے کہ ہم دعویٰ نسب کے لحاظ سے تو جھوٹے ہیں پس متکبرین کے ان افعال کو جو لوگ ارتکاب کرتے ہیں وہ محض ریا کی جہت سے ہی کرتے ہیں۔

متکبر کون ہے؟ اکثرو بیشتر متکبر کا لفظ ان لوگوں پہ بولا جاتا ہے جو اس جہت سے ان کاموں کا ارتکاب کرے کہ ان کے باطن میں کبر و عجب ہوتا ہے اور وہ دوسرے لوگوں کو حقیر دیکھنا چاہتے ہیں ایسے ریاکار کو اس لیے متکبر کہتے ہیں کہ کبر کے مشابہ اس کے افعال ہیں۔

تواضع کرنے والوں کے اخلاق و عادات سے تواضع و تکبر کے آثار کا ظہور: تکبر آدمی کے حلیہ میں ہوتا ہے مثلاً چہرہ کا بھولا ہونا' ترچھی نظروں سے دیکھنا اونچی گردن رکھنا چار زانو یا بلاوجہ تکیہ لگا کر بیٹھنا تکبر آدمی کی گفتگو میں بھی ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ آواز میں' رنگ بیان میں بھی پایا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں چال ڈھال' نشست و برخاست مختلف کام کرتے وقت کی حرکات و سکنات میں بھی تکبر پایا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ جب بندہ کسی حال سے

دوسرے میں بدلتا ہے۔ ہر حالت میں اس کا اظہار ہوتا ہے۔ پس بعض متکبرین تو ان تمام باتوں میں تکبر کیا کرتے ہیں اور بعض درج بالا بیان کردہ کچھ چیزوں میں تکبر اختیار کرتے ہیں اور کچھ میں تواضع کا اظہار کرتے ہیں۔ مثلاً بعض لوگوں کی تو یہ عادت ہوتی ہے کہ لوگ ہمارے سامنے کھڑے رہیں یا ہماری تعظیم کی خاطر کھڑے ہو جائیں یہ عادت بدمتکبرین کی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول مبارک: حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو کسی دوزخی کو دیکھنے کا خواہشمند ہو تو وہ کسی ایسے شخص کو دیکھ لے جو خود تو بیٹھا ہوا ہو اور دوسرے لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا فرمان: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے نزدیک پیارے آقا ﷺ سے زیادہ معزز کوئی بھی نہیں تھا اس کے باوجود صحابہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھتے تو وہ آپ کی خاطر تعظیماً" کھڑے نہیں ہوا کرتے تھے۔ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ کو یہ (تعظیماً") کھڑا ہونا پسند نہیں تھا۔ (نمبر1)

بعض متکبرین کی یہ بری عادت ہوتی ہے کہ وہ اس وقت تک چلتے ہی نہیں جب تک ان کا کوئی ساتھی ان کے پیچھے پیچھے نہ چلے۔

حضرت ابو دردا رضی اللہ عنہ کا فرمان: حضرت ابو دردا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بندہ اس وقت تک حق تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے جب تک کہ لوگ اس کے پیچھے چلتے ہیں۔ (نمبر2)

فائدہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنے غلاموں میں پہچانے ہی نہیں جاتے تھے کیونکہ صورت ظاہری یعنی لباس وغیرہ کے لحاظ سے آپ کے لباس وغیرہ اور آپ کے غلاموں کے لباس وغیرہ میں فرق نہیں ہوتا تھا۔ آقا و غلام سبھی ایک حال میں ہوتے تھے۔

حکایت: حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہما کے پیچھے پیچھے کچھ لوگ چلے تو آپ نے انہیں منع کر دیا اور فرمایا کہ اس سے بندے کے دل میں کچھ رہتا نہیں۔

سیرت رسول عربی ﷺ: بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ چلتے تو آپ انہیں آگے چلنے کیلئے ارشاد فرمایا کرتے۔ اسی طرح آپ صحابہ کرام کے درمیان چلا کرتے۔ یہ امر یا تو دوسرے لوگوں کی تعظیم کی خاطر تھا یا پھر نفس سے شیطانی وسوسوں کبر و عجب کو دفع کرنے کے لیے (نمبر1) جیسے نماز کی حالت میں بدن مبارک سے نئے کپڑے اتار کر پرانے کپڑے ان وجوہ سے زیب تن فرمائے۔ ایک عادت یہ ہے

کہ دوسرے کو ملنے کے لیے نہ جائے خواہ اس ملنے میں دوسرے کو ہی خیرو برکت دینی ہوتی ہے۔ تواضع کے یہ بھی خلاف ہے۔

حکایت: روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ رملہ میں تشریف لائے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کے پاس ایک شخص اس لیے بھیجا کہ آپ میرے پاس تشریف لائیں اور چند احادیث مبارکہ سنائیں۔ حضرت سفیان رحمتہ اللہ علیہ تشریف لے آئے۔ حضرت ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے کہا کہ آپ ان جیسے بزرگوں کو اپنے پاس بلاتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توخود تمہیں جانا چاہیے۔ آپ نے جواباً فرمایا کہ میں تو ان کی تواضع کی آزمائش کرنا چاہتا تھا۔

دوسری علامت: ایک علامت یہ بھی ہے کہ کوئی دوسرا آدمی آکر پاس بیٹھ جائے تو برا محسوس ہو وہ اگر سامنے بیٹھ جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ تواضع اس کے بھی برعکس ہے۔

حکایت: حضرت ابن وہب رحمتہ اللہ علیہ روایت بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت عبدالعزیز بن ابی رواحہ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس اس طرح بیٹھا کہ ان کے زانو سے میرا زانو لگ گیا۔ میں ذرا ایک کنارے کی طرف ہوگیا تو انہوں نے میرے کپڑے کو اپنی طرف کھینچ لیا اور ارشاد فرمایا کہ تم میرے ساتھ وہ معاملہ کیوں کرتے ہو جو جابروں کے ساتھ لوگ کیا کرتے ہیں حالانکہ میں تم میں سے کسی کو بھی اپنی ذات سے برا نہیں جانتا (میں تو تم سب میں سب سے زیادہ برا ہوں)۔

حدیث شریف: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی لونڈیوں میں سے جو لونڈی بھی چاہتی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دست انور پکڑ کر جہاں چاہتی لے پھرتی آپ اس سے اپنا دست انور ہرگز نہ چھڑاتے۔

تیسری علامت: ایک علامت یہ بھی بری ہے کہ مریضوں کے پاس نہ بیٹھے اور ان سے پرہیز کرے یہ علامت بھی تکبر میں داخل ہے۔

حدیث شریف: ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اس حال میں حاضر ہوا کہ اسے چیچک نکلی ہوئی تھی کہ پانی چیچک کا بہتا تھا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہمراہ کھانا تناول فرما رہے تھے وہ شخص جس کے پاس بھی بیٹھا وہ شخص اس سے جدا ہو جاتا ہے۔

ﷺ کا ہر فعل تعلیم امت کے لیے ہوتا ہے ورنہ کہاں رحمتہ اللعالمین اور کہاں وسواس شیطانی اور کبر و عجب وغیرہ (توبہ توبہ)

کی تصنیف 'البشریۃ تعلیم الامتہ' کا مطالعہ فرمائیے ہیں۔ (اولیسی غفرلہ)

رسول اللہ ﷺ نے یہ حال دیکھ کر اسے اپنے پاس بلا کر بٹھلیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل شریف: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے کھانے سے کوڑھی برص والے اور مریض کو نہیں روکتے تھے بلکہ اپنے ساتھ ہی اپنے دستر خوان پہ بٹھالیا کرتے تھے۔

چوتھی عادت: گھر میں اپنے ہاتھ سے کوئی بھی کام نہ کرے۔ اس کے بھی تواضع خلاف ہے۔

حکایت: ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک مہمان آیا اس وقت آپ کچھ لکھ رہے تھے۔ چراغ میں تیل ختم ہو چکا تھا۔ چراغ بجھنے لگا تو مہمان نے کہا کہ خادم کو جگا دوں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ابھی کچی نیند میں ہے۔ یہ کہہ کر آپ اٹھے۔ کپی لے کر چراغ تیل سے بھر دیا۔ پھر مہمان نے کہا کہ یا امیر المؤمنین یہ تکلیف آپ نے کی۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب میں تیل لینے کے لیے گیا میں اس وقت بھی عمر تھا اور اب جبکہ واپس پلٹا ہوں۔ پھر بھی عمر ہی ہوں۔ مجھ میں کچھ بھی کم نہیں ہوا اور لوگوں میں سے سب سے بہتر وہی شخص ہے جو حق تعالیٰ کے نزدیک متواضع ہو۔

پانچویں عادت: ایک عادت یہ بھی ہے کہ اپنے گھر کی کوئی چیز بھی اپنے ہاتھ میں اٹھا کر نہ لائے حالانکہ متواضع شخص اس طرح نہیں کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اکثر و بیشتر بذات خود چیزیں لے آیا کرتے تھے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے اہل عیال کے لیے کوئی چیز اٹھا لائے تو اس کے کمال میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب امیر لشکر کے عہدے پر فائز تھے۔ آپ اپنے لیے پانی کا گھڑا خود ہی حمام میں لے جایا کرتے تھے۔

حکایت: حضرت ثابت بن ابی مالک رحمتہ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروان کے خلیفہ کی حیثیت سے تھے۔ اس وقت ایک دن میں نے دیکھا کہ آپ بازار سے لکڑیوں کا گھٹا اٹھا کر لا رہے تھے اور ارشاد فرمایا کہ امیر کو راستہ دو۔

حکایت: حضرت رامبع بن نبانہ تابعی رحمتہ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ ابھی تک میری آنکھوں میں جیسے تصویر بندھ رہی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے بائیں ہاتھ میں گوشت اور دائیں ہاتھ میں درہ لیے ہوئے بازار میں گشت کرتے ہوئے اپنے گھر میں داخل ہوئے۔

حکایت: بعض تابعین سے مروی ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک درہم کا گوشت لے کر اپنی چادر مبارک میں رکھ لیا۔ میں نے آپ سے عرض کیا میری طرف لائیے میں لے کر چلتا ہوں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ عیال دار کو ہی اسے لے کر چلنا زیادہ مناسب ہے۔

چھٹی عادت: لباس پہننے کے بارے میں یہ عادت ہے کہ اس عادت کی وجہ سے تکبر اور تواضع دونوں ہی ظاہر ہوتے ہیں۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ البذاذة من الایمان حدیث شریف کے راوی ہارون فرماتے ہیں کہ حضرت معن رضی اللہ عنہ نے بد ذات کے معنی پوچھے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس سے مراد گھٹیا لباس ہے۔

حکایت: حضرت زید بن وہب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو میں نے دیکھا کہ آپ بازار میں درہ لے کر نکلے آپ نے اس وقت جو چادر پہن رکھی تھی اس میں چودہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے کچھ پیوند چمڑے کے بھی تھے۔

حکایت: جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ لوگوں نے پیوند لگی ہوئی چادر کی وجہ سے اعتراض کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس سے دل میں خشوع و خضوع پیدا ہوتا ہے اور لوگ اقتداء کرتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان: حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ کپڑوں کا بہترین ہونا دل کے لیے تکبر و غرور کرنے کا سامان ہے۔ حضرت طاؤس رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ میں اپنے ان دو کپڑوں کو ہی دھو کر پہن لیتا ہوں پھر بھی یہ جب صاف ستھرے رہتے ہیں اس وقت تک میں اپنے دل کو نہیں پہچانتا۔

حکایت: مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کے لیے لباس خلافت سے پہلے ہزار دینار کا خریدا جاتا تھا تو آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس میں سختی نہ ہوتی تو یہ لباس بڑا بہترین تھا۔ خلافت کے بعد آپ کا لباس پانچ درہم کا خریدا جاتا تو ارشاد فرمایا کرتے کہ اس میں یہی تو نقص ہے کہ یہ کپڑا نرم ہے۔ اگر یہ کپڑا نرم نہ ہوتا تو پھر بہت عمدہ تھا۔ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا۔ حضرت خلافت سے پہلے والا آپ کا لباس سواری اور بہترین عطر کہاں گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نفس زینت پسند اور شوقین عطا فرمایا ہے۔ دنیا میں جو مرتبہ بھی آتا گیا اس سے بھی اعلیٰ مقام و مرتبہ کی خواہش کرتا گیا۔ یہ خواہش اتنی بڑھی کہ جب اس نے لذت سلطنت چکھی جو کہ دنیوی مراتب میں سے سب سے اعلیٰ ہے تو اب یہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے مراتب کا خواہشمند ہوا ہے۔

حکایت: حضرت سعید بن سوید رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے ہمیں نماز جمعہ پڑھائی اور بیٹھ گئے۔ اس وقت آپ نے ایک ایسا کرتہ زیب تن کیے ہوئے تھا۔ جس کے سامنے اور پیچھے کی طرف سے پیوند لگے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے آپ سے عرض کیا اے امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب کچھ

عطا فرمایا ہے اس کے باوجود آپ بہترین لباس کیوں نہیں پہنتے؟ کافی دیر تک آپ نے سر جھکا کر بیٹھنے کے بعد سر اٹھا کر ارشاد فرمایا کہ بہترین میانہ روی تونگری میں ہی ہوتی ہے۔ عضو میں بہتر اور افضل وہی ہے جو قدرت کے وقت ہوتا ہے۔

حدیث شریف: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حق تعالیٰ کے لیے (زینت کا سامان) چھوڑ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر ہی راہ تواضع اختیار کرتے ہوئے بہترین لباس پہننا چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ضرور سب سے عمدہ لباس جنت میں اکٹھا کردے گا۔

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو ارشاد فرماتے ہیں اچھا لباس دلی تکبر کا سامان ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ بات دریافت کی گئی کہ نفیس قسم کے کپڑے رکھنا کبر میں داخل ہے یا نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کبر نہیں بلکہ کبر تو اس کا نام ہے کہ امر حق سے جہالت کی تاریکی میں پڑا رہے اور دوسرے لوگوں میں عیوب نکالتا پھرے تو ظاہراً آپ دونوں روایت ایک دوسرے کے خلاف معلوم ہوتی ہیں۔ انہیں تطبیق کیسے دیا جا سکتا ہے۔

جواب: ضروری نہیں کہ ہر ایک کے حق میں ہر حال میں عمدہ کپڑے تکبر میں داخل ہوں۔ حدیث شریف میں اسی طرف اشارہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے قول سے یہی بات سمجھی یعنی جب حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ میں ایک نظافت پسند آدمی ہوں تو آپ سمجھ گئے کہ ان کا یہ میلان نظافت اچھا لباس پہننے کی طرف ہے۔ ان کا یہ میلان اس لیے کہ دوسرے لوگوں پہ تکبر اختیار کریں کیونکہ یہ لازم نہیں ہے کہ لباس کا اعلیٰ ہونا ضرور ہی کبر میں ہے خواہ یہ کبھی کبھار کبر کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ یہ کبر کے لیے اعلیٰ لباس ہی خاص نہیں ہے ادنیٰ لباس سے بھی کبر پیدا ہو سکتا ہے اور تواضع بھی۔

لباس میں متکبر کی پہچان: لباس میں متکبر کو پہچاننے کے لے خاص علامت یہ ہے کہ لوگوں کو دیکھنے کے وقت تو وہ پرتکلف بنے تنہائی کی حالت میں اسے کوئی پرواہ نہ ہو کہ میں کیسے ہوں۔

طالب نفاست کی پہچان: نفاست پسند شخص کے پہچاننے کے لیے یہ خاص نشانی ہے کہ اسے ہر شے میں خوبصورت پسند ہو خواہ خلوت میں ہی کیوں نہ ہو یہاں تک کہ اگر گھر کے پردوں میں بھی ہو تو اپنی خوش وضعی کا خیال رکھے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ احوال مختلف تھیں لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان مبارک بھی صحیح ہے کہ بعض احوال کے لحاظ سے خوش وضعی اور خوش لباسی واقعی علامت تکبر ہوتی ہے اور حدیث شریف بھی صحیح ہے کیونکہ کبر کے لیے خوش لباسی لازم نہیں ہے اور نہ ہی خوش لباسی ہمیشہ کبر کا سبب بنتی ہے۔

نتیجہ: اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اس بارے میں مختلف احوال ہیں اور پوشاکوں میں سے بہترین پوشاک

درمیانے درجے کی ہے جس میں نہ تو عمدگی کی مشہوری پائی جائے اور نہ یہ گھٹیا پن کے زمرے میں آئے۔

حدیث شریف: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کھاؤ' پیو' پہنو اور صدقہ نہ تو اسراف کے ساتھ دو اور نہ ہی تکبرانہ روش اختیار کرتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی نعمت کا اثر اپنے بندوں پہ اچھا لگتا ہے۔ یعنی پسند ہے۔

فائدہ: حضرت بکر بن عبداللہ مزنی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لباس خواہ بادشاہوں جیسے ہی پہن لیا کرو مگر اپنے دلوں کو اللہ تعالیٰ کے خوف سے نرم رکھئے اور یہ ان لوگوں کے لیے فرمایا ہے کہ جو بزرگوں جیسا لباس پہن کر تکبر کے طلب گار ہوتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان: حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ راہبوں جیسا لباس پہن کر میرے پاس آتے ہو جبکہ دل تمہارے بھیڑیوں جیسے ہیں۔ لباس خواہ بادشاہوں جیسا پہنو مگر اپنے دلوں کو خوف خدا عزوجل سے نرم کیجئے۔

ساتویں عادت: جب کوئی گالی دے یا تکلیف پہنچائے یا حق چھین لے تو اسے برداشت کرے یہ تو اصل حقیقت ہے۔ باب غضب و حسد میں ہم نے سلف صالحین کی ایذا کی برداشت کرنے کے بارے میں حکایات بیان کردی ہیں۔ اس مقام پہ صرف اتنا کچھ معلوم کرلینا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ حسن اخلاق اور تواضع کا مجموعہ ہے۔ اسے اپنے دستور العمل کی حیثیت سے اپنانا چاہئے اور سب کچھ سیرت طیبہ سے ہی سیکھنا چاہئے۔

اہمیت سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: حضرت ابن ابی سلمہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ لوگوں نے جو (اب) کھانا پینا اور سواری کے انداز و اطوار نئے طریقے نکالے ہیں ان کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے بھتیجے اپنا کھانا' پینا اور لباس وغیرہ سبھی کچھ اللہ کی رضا کے لیے کر ان اشیاء میں سے جس چیز سے بھی کبر یا مباہات یا ریا اور شہرت میسر آئے گی وہی گناہ اور اسراف ہے۔ صرف وہی (اسی قسم کا) کلام ہی اپنے گھر میں کر جو نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دستور مبارک تو یہ تھا کہ آپ اونٹ کو گھاس بھی خود ڈالتے اور اپنے ہی ہاتھ سے آپ اسے باندھا بھی کرتے۔ آپ اپنے ہاتھ مبارک سے گھر میں جھاڑو بھی دیتے اور دودھ بھی دوہ لیا کرتے تھے۔ اپنا جوتا گانٹھ لیتے۔ کپڑوں میں پیوند لگا لیا کرتے۔ کھانا اپنے خادم کے ساتھ مل کر تناول فرماتے۔ خادم اگر تھک جاتے تو آپ خود اس کے بدلے چلتے اور بازار سے چیز خرید لاتے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس بات سے عار بالکل نہ کرتے کہ سودا سلف ہاتھ میں لٹکا کر یا کپڑے کے کونے میں باندھ کرلے آئیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امیر غریب' چھوٹے اور بڑے سب سے مصافحہ کرتے

جو بھی نمازی ادنیٰ یا اعلیٰ سامنے آجاتا اس سے پہلے سلام کرتے خواہ وہ کالا ہوتا یا گورا ہوتا' غلام ہوتا یا آزاد۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر اور باہر کے لیے علیحدہ علیحدہ لباس نہیں پہنا کرتے تھے۔ اب اس بات سے بھی حیا نہیں کیا کرتے تھے کہ اگر کوئی دعوت کرے تو اسے قبول کریں خواہ کتنا ہی پریشان حال کیوں نہ ہو۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعوت کی چیز کو کبھی بھی برا نہ کہتے۔ اگرچہ وہ خراب چھوہارا ہی کیوں نہ ہوتا صبح کا کھانا' شام کے لیے نہ رکھتے اور نہ ہی شام کا کھانا صبح کے لے رکھتے۔ آپ نرم خلق، کریم الطبیعت' ملنسار اور کشادہ پیشانی تھے۔ آپ بغیر ہنسے مسکرایا کرتے ترش رو نہ ہوتے۔ شدت اختیار کرتے تو بہت زیادہ سختی اختیار نہ فرماتے تھے بلکہ تواضع بے ذات کے اور بغیر اسراف کے سخاوت کرتے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر رشتہ دار اور مسلمان پر رحم کرتے۔ آپ نرم دل تھے' آپ ہمیشہ اپنی گردن جھکا کر رکھتے۔ خوب پیٹ بھر کر کھانا کھانے سے کبھی بھی بدہضمی کی نوبت نہ آنے دیتے اور اپنے ہاتھ مبارک طمع کی طرف لمبے نہ کرتے تھے۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے جو بیان کیا وہ سبھی کچھ میں نے بیان کر دیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ ابو سعید نے ان باتوں میں سے کسی بات میں غلطی نہیں کی ہاں البتہ اتنی بات مزید کہنی چاہئے تھی کہ جو تمہیں نہ بتائی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیٹ بھر کر کھانا کبھی بھی تناول نہیں فرمایا اور نہ ہی اس بارے میں کسی کے سامنے شکوہ کیا بلکہ آپ کو تونگری سے فاقہ زیادہ محبوب تھا۔ کبھی کبھی آپ بھوکے رہ کر ساری رات گزار دیتے۔ بعدازاں صبح پھر روزہ رکھ لیا کرتے حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ عزوجل سے زمین کے خزانے طلب کرتے' پھل اور تمام مشرق و مغرب کی عیش و عشرت میسر آجائے تو اسی طرح ہو جاتا۔ عموماً آپ کی بھوک کی حالت پہ رحم کر کے رویا کرتی۔ آپ کے شکم اطہر پر ہاتھ پھیر کر کہا کرتی کہ میری جان آپ پہ قربان ہو جائے آپ دنیا سے کم از کم اتنا تو نفع اٹھایئے کہ آپ کی غذا آپ کے لیے کافی ہو اور حالت بھوک میں نہ رہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جواباً ارشاد فرمایا کرتے کہ اے عائشہ (رضی اللہ عنہا) میرے بھائی اولعزم رسول تو اس سے بھی زیادہ سختیاں برداشت کر کے اسی حال میں گزر گئے جب وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو ان کی خاطر تواضع اور عزت و تکریم بہت ہوئی انہیں بہت ثواب ملا۔ مجھے اس بات کی شرم آتی ہے کہ اگر میں زندگی آرام میں گزاروں تو میں ان سے مقام و مرتبے کے لحاظ سے کہیں پیچھے رہ جاؤں اس لیے مجھے تھوڑے دن صبر کرنا اچھا معلوم ہوتا ہے اس سے کہ میرا درجہ آخرت میں ناقص ہو اور تمام باتوں سے بہتر مجھے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ میں اپنے بھائیوں اور دوستوں سے ملاقات کروں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قسم کا اظہار کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ ایک ہفتہ ہی اس کلام کو کیے ہوئے گزار تھا کہ آپ وصال فرما گئے۔ پس جو کچھ احوال نقل ہوئے ان میں تمام عادات و اطوار متواضع لوگوں کے جمع تھیں جسے تواضع کی طلب ہو اسے چاہئے کہ وہ آپ کی اقتداء کرے۔

فائدہ: اور جو شخص اپنا مقام و مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ سمجھتے ہوئے ان اعمال پہ جو رسول

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پسند تھے ان پہ راضی نہ ہو تو سمجھ لیجئے کہ وہ بخدا جاہل ہے۔ آپ کو دین و دنیا کا منصب تمام خلق خدا سے زیادہ تھا اسی لیے عزت اور رفعت سوائے آپ کی اقتدا کے ممکن نہیں۔ اسی جہت کے لحاظ سے حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم تو وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین اسلام سے عزت بخشی ہے۔ ہم اسلام کے علاوہ کسی دوسری چیز کی عزت کے طلب گار نہیں ہیں۔ فاروق اعظم نے یہ قول مبارک اس وقت ارشاد فرمایا تھا جب آپ ملک شام میں فاتحانہ شان سے داخل ہوئے تو آپ کی ظاہری حالت دیکھ کر کسی نے اعتراض کیا تھا۔

ابدال کی شان: حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جنہیں ابدال کہا جاتا ہے وہ بزرگ انبیاء کرام کے خلیفہ زمین کے قطب ہیں۔ جب دروازہ نبوت بند ہوا تو اللہ نے امت مصطفیٰ سے ایک گروہ کو ان کے قائم مقام بنا دیا ہے۔ وہ لوگ بظاہر دوسرے لوگوں سے نماز و روزہ میں زیادہ نہیں ہوتے اور نہ ہی ظاہری خوبصورتی کے لحاظ سے زیادہ خوبصورت ہوتے ہیں بلکہ صدق ورع' نیک نیتی اور قلبی سلامتی ہر مسلمان کے ر تہ اور ہر مسلمان کی بھلائی محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کرتے ہیں۔ حالت صبر میں بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرتے' تواضع اختیار کرتے ہیں اور وہ بھی ذلت و خواری کے ساتھ نہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں دوسرے لوگوں میں سے چھانٹ کر اپنا بنالیا ہے۔ وہ لوگ گنتی کے لحاظ سے تیس یا چالیس ہوتے ہیں۔ ان کے دلوں میں یقین کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل مبارک میں یقین کی حالت تھی۔ ان میں سے جب کوئی وصال فرما جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کسی کو ان کا نائب بنا دیتا ہے۔ یاد رکھیں یہ بزرگ کسی چیز کو برا نہیں کہتے نہ تو کسی کو تکلیف دیتے ہیں اور نہ ہی کسی کی حقارت کا سامان پیدا کرتے ہیں نہ کسی سے لڑتے جھگڑتے ہیں اور نہ ہی دنیوی حسد و حرص کا شکار ہوتے ہیں۔ باقی لوگوں میں سے سب سے زیادہ تجربہ کار نرم طبع اور سخی ہوتے ہیں۔ ان کی پہچان سخاوت' خوش' خوش رہنا ان کی علامت' راست روی ان کی صفت ہوتی ہے۔ یوں نہیں کہ ایک دن تو وہ خوف خدا کا مظاہرہ کریں جبکہ دوسرے دن غفلت کا شکار ہو جائیں بلکہ ظاہرو باطن ہر حال میں ان کی حالت یکساں ہوتی ہے جو معاملہ ان کا اللہ تعالیٰ سے ہے اس میں نہ تو انہیں ہوائے گندپا سکتی ہے اور نہ ہی تیزی قدموئے کی۔ ہمیشہ ان کے قلوب اشتیاق حق اور حق تعالیٰ کے پاس والی راحب کی طلب گاری میں ترقی کرتے رہتے ہیں۔ نیکی و بھلائی کی طرف ان کے قدم اٹھتے ہی رہتے ہیں الغرض ان کا حال مبارک تو یہ ہو جاتا ہے کہ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (مجادلہ 22) ترجمہ کنزالایمان: یہ اللہ کی جماعت ہے سنتا ہے اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔

ابدال کے متعلق فقیر اویسی غفرلہ کے دو رسالے ہیں (۱) ظہور الکمال فی وجود الابدال (عربی جامع الکمال فی احوال الابدال (اردو) ان کا مطالعہ ضروری ہے۔

محبت آخرت: ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے یہ حال مبارک سنا تو عرض کیا مجھے جو اس بیان میں فرمایا ہے آج تک میں نے تو کوئی بھی ایسا حال نہیں سنا۔ اس وصف تک میں کیسے پہنچوں تو حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تو اس وصف کو حاصل کرنے کا متمنی ہے تو صرف دنیا سے دشمنی اختیار کرنی پڑے گی کیونکہ جب تک دنیا کو برا نہ سمجھے گا اس وقت تک محبت آخرت پیدا نہیں ہو سکتی۔ جتنی زیادہ آخرت کی محبت ہوگی اتنا ہی زیادہ زہد اختیار کرے گا اور اتنی ہی باتیں تیرے کام آنے والے خیال میں پیدا ہوں گی۔ جب اللہ تعالیٰ کو حسن طلب بندے کی طرف سے معلوم ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ خود ہی راستی اور درستی اس بندے کے ساتھ کر دیتا ہے اور کنار عصمت و عفت میں خاص مقام عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ بے شک اللہ ان کے ساتھ ہے جو پرہیز گار ہیں اور نیکی کرتے ہیں۔

فائدہ: حضرت یحییٰ بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات میں جب میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ لذت حاصل کرنے والوں کو جو لذت حق تعالیٰ محبت اور رضا جوئی میں حاصل ہوتی ہے وہ کسی ایسی چیز میں نہیں پائی جاتی جو کچھ ہم اللہ تعالیٰ سے چاہتے ہیں کہ ہمیں اپنے دوستوں کی محبت عطا فرمائے۔

تکبر کا علاج: معلوم ہو چکا ہے کہ کبر تباہ و برباد کرنے والی چیزوں میں سے ہے۔ اس سے کوئی بھی خالی نہیں حالانکہ اسے اپنے سے دور کرنا فرض عین ہے۔ یہ محض چھوڑنے کی تمنا کرتے رہنے سے نہیں جایا کرتا بلکہ اس کا علاج کرنے اور اس کی جڑیں اکھاڑ دینے والی ادویہ سے یہ جاتا ہے۔

علاج کبر کی دو صورتیں: کبر کا علاج کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ (1) تو یہ کہ اس کی جو جڑ دل میں ہے اسے باہر نکال دینا چاہئے۔ (2) بندہ جن اسباب کی وجہ سے کسی دوسرے پہ تکبر اختیار کرتا ہے ان اسباب کو دور کر دینا چاہئے۔

(1) کبر کی جڑ دل سے اکھاڑنا: کبر کے علاج کی پہلی صورت کبر کی جڑ دل سے اکھاڑ دینی ہے۔ اس کا علاج دو طریقے سے ہے۔ (1) علمی (2) عملی۔ ان دونوں قسم کے علاج کے بغیر شفائے کاملہ نصیب نہیں ہوتی۔

علمی علاج: کبر کا علمی علاج تو یہ ہے کہ بندہ اپنے نفس اور اللہ تعالیٰ کو پہچانے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ کبر اسی سے ہی ختم ہو جائے گا کیونکہ بندہ اپنے نفس کی حقیقت جب پہچانے گا تو یقین کرلے گا کہ نفس تمام ذلیل ترین چیزوں میں سے سب سے زیادہ ذلیل اور حقیر ترین چیزوں میں سے گھٹیا ترین ہے۔ حقیقتاً نفس کے لیے حال کے مطابق مناسب تواضع، ذلت اور خواری کے کوئی چیز بھی نہیں ہے۔

حق تعالیٰ کی پہچان: جب بندہ اللہ تعالیٰ کو پہچانے گا تو اس کی سمجھ میں بات آجائے گی کہ کبریائی اور عظمت اللہ

تعالیٰ کے سوا کسی کو زیب نہیں دیتی۔ پھر اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اسکی عظمت کی کثرت بحث طلب ہے کیونکہ وہی علم مکاشفہ کی انتہا ہے۔ گو نفس کی معرفت بھی بڑا وسیع ہے۔ اس کے باوجود ہم اسے اتنا بیان کر دیتے ہیں جو کہ تواضع اختیار کرنے میں مفید ثابت ہو اور اس سلسلے میں یہی کچھ کافی ہے کہ بندہ قرآن مجید کی صرف ایک ہی آیت مبارکہ کا مطلب سمجھ لے۔ قرآن مجید میں اولین آخرین موجود ہے مگر انہیں سمجھنے کے لیے بندے میں بصیرت باطنی کا ہونا ضروری ہے۔ آیت مبارکہ ہے کہ قتل الانسان ما اکفرہ من ای شی خلقہ من نطفۃ خلقہ فقدرہ ثم السبیل یسرہ ○ ثم اماتہ فاقبرہ ○ ثم اذا شاء انشرہ ○ (عبس 22) ترجمہ کنزالایمان: آدمی مارا جائیو کیا ناشکرا ہے اسے کاہے سے بنایا پانی کی بوند سے اسے پیدا فرمایا پھر اسے طرح طرح کے اندازوں پر رکھا پھر اسے راستہ آسان کیا پھر اسے موت دی پھر قبر میں رکھوایا پھر جب چاہا اسے باہر نکالا۔

فائدہ: اس آیت مبارکہ میں بندے کی پیدائش، انجام اور اس دوران کا بیان فرمایا گیا ہے۔ اگر بندہ ان حالات میں غور و فکر کرے تو آیت کا مفہوم سمجھ میں آجائے گا جیسے پیدائش سے قبل اس کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ وہ نیستی کے پردے میں چھپا ہوا تھا۔ عرصہ دراز اسی حالت میں رہا۔ نیستی کی ابتدا کا بھی کوئی علم نہیں کہ یہ نیستی کا دور کب سے شروع ہوا۔ اب غور فرمائیں کہ معدوم اور نابود سے زیادہ کمتر اور حقیر ترین چیز اور کیا ہو سکتی ہے۔ بندے کی حالت پیدائش سے پہلے ایسی ہی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ایک رزیل چیز سے بنایا ہے پھر ایک پلید چیز سے پیدا فرمایا کیونکہ پہلے مٹی سے تخلیق کیا۔ بعد ازاں نطفے سے خون بنایا۔ خون سے لوتھڑا تیار کیا۔ پھر ہڈیاں بنائیں پھر ان ہڈیوں پہ گوشت اور چڑا چڑھا دیا پس بندے کی ابتدائی کا تو یہ حال ہے جس سے اس دنیا میں اس کا ذکر ہوا پھر پیدائش کے بعد بھی اس میں وہی گندی خوبیاں اس میں شامل رہیں۔ یعنی وہ پیدا ہوتے ہی خدا رسیدہ نہیں بلکہ لولا تو اسے پتھر جیسا پیدا کیا گیا کہ نہ سنے، نہ دیکھے، نہ سمجھے، نہ ہلے، نہ بولے، نہ کسی چیز کو پکڑ سکتا ہے، نہ کچھ جانے، نہ کچھ بوجھے، تو یوں سمجھئے کہ زندگی سے قبل موت کی شکل موجود تھی۔ اس کی قوت سے قبل کمزوری کہ علم سے قبل جہل کی، بینائی سے قبل نابینائی کی، شنوائی سے قبل بہرہ پن کی، قوت گویائی سے قبل گونگا پن کی، ہدایت سے قبل گمراہی کی کیفیت موجود تھی۔ وہ دولت مندی سے قبل غربت کی حالت میں تھا۔ یہ مطلب ہوا اتنی ہی آیت کا کہ من ای شئی خلقہ من نطفہ خلقہ فقدرہ الخ۔ ایک دوسرے مقام پہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرماتا ہے کہ انا خلقنا الانسان من نطفہ امشاج نبتلیہ فجعلناہ سمیعا بصیراً انا ھدیناہ السبیل اما شکراً واما کفوراً (سورہ دہر) اس آیت مبارکہ کا مطلب بھی یہی ہے۔ پیدا فرمانے کے بعد اس پہ احسان فرمایا کہ ثمہ السبیل یسرہ اسی آیت مبارکہ میں ارشاد ہے ان چیزوں کی طرف جو بندے کو زندگی کی مدت کے دوران موت تک حاصل ہوتی ہیں اسی لیے ارشاد فرمایا ہے کہ انا خلقنا الانسان من نطفہ امشاج نبیتلیہ فجعلناہ سمیعًا بصیراً انا ہدیناہ السبیل اما شکراً (سورہ دہر 2) اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندہ فرمایا اس سے قبل وہ مردہ اور پتھر تھا یعنی سب سے پہلے حالت مٹی میں تھا پھر نطفہ زندگی کے بعد اسے بہرہ پن سے قوت شنوائی سے مزین کیا، اندھے پن سے بینائی والا کیا، کمزوری کے بعد قوی کیا، جاہل سے عالم بنایا اور اسے ایسے ایسے اعضا عطا فرمائے کہ جن میں عجائبات و آیات حق تعالیٰ ہیں۔ پہلے اسے یہ

کب میسر تھے۔ مفلس سے دولت مند اور بھوکے سے شکم سیری عطا کی۔ ننگ دھڑنگ سے لباس جیسی نعمت سے نوازا۔ گمراہ سے ہدایت یاب کیا۔ اب دیکھئے اللہ نے تو کیسے کیسے طریقوں کے ذریعے اسے بنا کر اس کے لیے تمام راستے کس طرح آسان کر دیئے اب انسان کی سرکشی بھی ملاحظہ فرمایئے کہ انسان کتنا بڑا ناشکرا بن گیا ہے اور کتنا بڑا واضح طور پر جہالت کا ثبوت فراہم کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اولم یرا الانسان انا خلقنه من نطفة فاذا ھو خصیم مبین (یٰسین 77' پ 23) ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا کہ من آیاته ان خلقنکم من تراب ثمه اذا انتم بشر تننشرون یعنی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت جو انسان پہ ہوئی وہ دیکھنے کے قابل ہے کہ حق تعالیٰ نے اسے ذلت' کمینگی اور پلیدی سے اسے اس مقام عظیم اور بلندی پہ پہنچایا کہ اسے نیست سے منزل ھست پہ پہنچایا۔ مردے سے زندہ' گونگے سے بولنے والا' وغیرہ کیا۔ حالانکہ پہلے کچھ نہ تھا۔ ایسی کوئی شے نہیں جو حقیقتاً لاشے سے بھی قلیل ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے پردہ عدم سے وجود عطا فرمایا۔ اس طرح اسے گندی مٹی اور پلید نطفے سے اسے بنایا تاکہ اسے اپنے نفس کی خساست کا علم ہو جائے۔ اسی طرح وہ اپنی ذات کو پہچان لے اور جو نعمتیں اسے عطا فرمائی ہیں وہ نعمتیں اس لیے اسے عطا فرمائی ہیں تاکہ ان نعمتوں کے ذریعے وہ اپنے رب کو پہچان لے اور اس کی بزرگی و شان و شوکت معلوم کر سکے کہ صرف اسے ہی بڑائی اور کبریائی زیب دیتی ہے اس لئے ان نعمتوں کا ذکر مقام احسان میں موجود ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ الم نجعل له عینین ولسانا و شفیقین وھدینا النجدین (پ 30' بلد 8 تا 10) ترجمہ کنزالایمان: کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہ بنائیں اور زبان اور دو ہونٹ اور اسے دو ابھری چیزوں کی راہ بتائی۔ اور ایک دوسرے پر مقام ابتدا اسی خساست کے بارے میں ہی ارشاد فرمایا کہ وانه خلق الزوجین الذکر والانثی (نجم 45) ترجمہ کنزالایمان: اور یہ کہ اسی نے دو جوڑے بنائے نر اور مادہ۔ اس کے بعد اپنا احسان فرمایا کہ الزوجین الذکر والانثی (پ 27 نجم 45 الخ) تاکہ ہمیشہ ہی تناسل سے اس کا وجود قائم رہے جیسے پہلی دفعہ محض ایجاد کرنے سے ہی موجود ہوگیا تھا پس جس کا یہ حال ہو اور پیدائش کی ابتدا اسی طرح ہوئی ہو اسے گھمنڈ اختیار کرنا' کبریائی' فخر اور تکبر کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ حقیقتاً وہ تو تمام چیزوں میں سب سے حقیر ترین چیز اور کمزوریوں میں سے سب سے زیادہ کمزور ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ انسان کو اگر کامل بنایا گیا ہوتا اور اس کے تمام کام صرف اسی کے سپرد کر دیئے گئے ہوتے اور ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہتا تو پھر بھی اس میں کوئی قباحت نہ تھی کہ یہ سرکشی اختیار کرلیتا۔ اپنی ابتدا اور انتہاء کو طاق نسیان میں رکھ بیٹھتا لیکن یہاں تو معاملہ ہی اس کے سراسر خلاف ہے کہ اتنی قلیل زندگی میں تباہ و برباد کرنے والی بڑی بڑی بیماریاں اور مختلف قسم کی بلائیں اس پہ مسلط کر دی ہیں۔

چار اجزاء: اس کے چار اجزا ہیں۔ (1) صفرا (2) بلغم (3) سودا (4) خون یہ چاروں ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ ان چاروں کو ایک دوسرے سے سخت نقصان پہنچتا ہے۔ اس قدر نقصان کہ انسان چاہے نہ چاہے۔ اس سے بندہ راضی

ہو یا نہ خوش ہو جیسے بھوک' پیاس' مرض اور موت یہ تمام خواہ مخواہ ہی لاحق ہوتے ہیں اور اسی طرح ہی بندے کو اپنے نفس کے نفع و نقصان کا بھی اختیار حاصل نہیں ہے۔ یونہی خیرو شر کا بھی اختیار حاصل نہیں۔ بہت سی اشیاء کو معلوم کرنے کا خواہشمند ہے۔ مگر چاہنے کے باوجود ان چیزوں کو جان نہیں سکتا۔ کسی چیز کو اپنے حافظے میں محفوظ رکھنا چاہتا ہے مگر بھول جاتا ہے حالانکہ بعض اشیاء کو بھول جانا چاہتا ہے تو وہ ان چیزوں کو بھول نہیں سکتا اور اگر اپنے دل کو کسی اور مہم میں مشغول رکھنا چاہتا ہے تو وسواس اور فکر کے میدان میں بے اختیار پھرتی دکھاتا ہے۔

خلاصہ: خلاصہ کلام یہ کہ انسانی دل خود اپنی ذات پہ بھی اختیار نہیں رکھتا اور نہ ہی اس کا اپنا نفس اپنے کنٹرول میں ہے۔ ایسی چیز کی آرزو رکھتا ہے کہ اس میں تباہ و برباد ہو جائے۔ بعض چیزوں کو برا سمجھتا ہے لیکن اس کے باوجود ان چیزوں میں حیات ہوتی ہے۔ کھانوں کو مزیدار جانتا ہے حالانکہ وہی لذیذ کھانے بدہضمی ہو کر ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ دوائی کو بدمزہ خیال کرتا ہے حالانکہ وہی بدمزہ خیال میں آنے والی دوائی نفع بخش ہوتی ہے اور وجود انسانی کو زندہ رکھتی ہے۔ رات اور دن میں کوئی لمحہ بھی اس بات کا امن نہیں ہے کہ کان آنکھ چھین لیے جائیں یا اعضا پہ فالج کا حملہ کردے یا عقل جاتی رہے۔ جان نکل جائے اور تمام کی تمام آرزوئیں پوری نہ ہوں اس لیے ثابت ہوا کہ بندہ بیچارہ تو مجبور ہے۔ اگر کوئی اسے چھوڑ دے تو رہ جائے گا اور اگر کوئی چھین لے تو جاتا رہے۔ یہ تو غلام مملوک ہے کہ نہ تو اسے اپنی ذات پہ کنٹرول حاصل ہے اور نہ ہی کسی دوسرے پر اگر وہ اپنے نفس کو پہچان لے تو پھر پتہ چلے گا کہ انسان سے زیادہ ذلیل کون سی چیز ہو سکتی ہے ان حالات میں کبر اختیار کرنا جہالت ہے۔ یہ تو درمیان کا حال ہے اس لیے اسے غورو فکر کرنا چاہیے۔ اس کا انجام اور فرودگاہ آخری موت ہے۔ ان کلمات میں اسی طرف اشارہ ہے۔

مرنے کے بعد کیا ہوگا: بندے سے اس کی روح چھین لی جائے گی۔ سننا' دیکھنا' علم' قدرت' حسن ادارک' حرکت تمام کی تمام ہی چھین لی جائیں گے۔ پس جیسے ابتدا تھا انتہا پہ بھی اسی طرح ہو جائے گا۔ محض اعضائے جسمانی کی شکل و صورت کے علاوہ کسی بھی قسم کی حس و حرکت باقی نہیں رہے گی۔ بعدازاں اسے مٹی میں رکھ دیا جائے گا۔ اس کے بعد وہی ایک مردار بدبودار اور پلید ہو جائے گا۔ جیسے ابتدا میں پلید نطفہ تھا۔ نطفے کے بعد دوسرے اعضاء گل جائیں گے اور جدا جدا ہو جائیں گے۔ پھر ہڈیاں بھی گل سڑ کر ٹوٹ جائیں گی۔ بدن کو کیڑے کھا جائیں گے۔ کیڑے ڈھیلے سے آنکھیں کھانا شروع کردیں گے۔ وہی کیڑے آنکھوں کے بعد رخسار چاٹ چاٹ کر کھا جائیں گے۔ یونہی سارا جسم وہ کھا جائیں گے۔ سارا جسم کیڑوں کے پیٹ میں چلا جائے گا۔ اس وقت مردے کی یہ حالت ہو جائے گی کہ کوئی بھی حیوان اس کے پاس نہ جائے۔ اسے آدمی بھی پلید تصور کرے گا۔ شدت بدبو کی وجہ سے آدمی اس سے دور بھاگے گا۔ مردے کے حالات میں سے سب سے بہتر حال یہ ہے کہ وہ ابتدائی حالت کی طرف لوٹ جائے گا۔ یعنی گلنے سڑنے کے بعد خاک بن جائے گا۔ وہی خاک کہ جس سے برتن بھی بنیں گے۔ اسی خاک سے عمارت بھی تعمیر کی جائے گی اور موجود ہونے کے بعد پھر نابودیت کی صفت میں موصوف ہوگا۔ جیسے پہلے کبھی موجود ہی نہیں رہا۔

عرصہ دراز سے تھا ہی نہیں۔ نابود ہی رہا۔ یہ بات کتنی اچھی تھی اس خاک کی حالت ہی سے جان بخشی ہو جاتی بلکہ یہاں تو دوبارہ زندہ کیے جانے کی مصیبت ابھی باقی ہے۔ پھر وہ دوبارہ زندہ ہو گا۔ تمام متفرق اجزاء یکجا ہو کر قبر سے باہر نکلے گا تو وہ دیکھے گا کہ قیامت قائم ہو چکی ہے۔ سر پہ مصیبت ٹوٹ پڑی ہے۔ آسمان ٹوٹے ہوئے زمین کو بدل دیا گیا ہے۔ پہاڑ ادھر ادھر اڑتے پھر رہے ہیں۔ ستاروں کی روشنیاں مانند پڑ چکی ہیں۔ سورج گہن چکا ہے۔ ہر جگہ پہ اندھیرے کا راج ہے۔ سخت فرشتوں نے گھیر رکھا ہے۔ دوزخ اپنی جگہ پکار رہی ہے۔ مجرمین جنت کو دیکھ کر حسرت کی آگ میں جلنے لگتے ہیں۔ نامہ اعمال سب کے کھلے ہوئے ہیں۔ حکم ربی ہے کہ اپنا اعمالنامہ پڑھ لے۔ اس وقت دریافت کیا جائے گا۔

اعمالنامہ کے متعلق سوالات: یہ کیسا اعمال نامہ ہے؟ کہا جائے گا یہ وہی عمل نامہ ہے جس پہ تو دنیا میں رہتے ہوئے راضی تھا جس پہ تو ناز اور تکبر کیا کرتا تھا۔ دو فرشتے تجھ پر مقرر تھے تو جو کچھ بولتا اور عمل کرتا تھا وہ فرشتے اسے تحریر کرلیتے۔ اس میں تیرا چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا ہر عمل لکھا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ کھانا پینا' اٹھنا اور بیٹھنا سب کچھ تیرے اس عمل نامے میں درج ہے تو اپنا کیا بھول گیا ہے تو پھر کیا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے تو تجھے دکھانے کے لیے لکھا ہوا ہے۔ اب چلو اپنا حساب دے اور جو کچھ زندگی میں تو کرتا رہا ہے اس کے بارے میں جواب دے نہیں تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے لیے تیار ہو جا۔ یہ خطاب سنتے ہی اس کا دل بے قرار ہو جائے گا۔ مارے خوف کے حوصلہ جواب دے جائے گا حالانکہ ابھی تک اسے اپنا اعمالنامہ دیکھنا نصیب بھی نہیں ہوا ہو گا۔ جب اسے دیکھ لے گا تو افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہے گا ہائے افسوس کہ میں تو چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا حساب سب کچھ لکھا ہوا ہے۔ پس ہر انسان کی اخیر یہی ہے۔ جو اس آیت مبارکہ میں مراد ہے۔ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنشَرَهُ (عبس ب۳۰ ۲۲)

ترجمہ: پھر جب چاہا اسے باہر نکالا۔

درس عبرت: اب غور و فکر کرنے کا مقام ہے۔ ایسے حال والے کو تکبر سے کیا کام حالانکہ اسے تو لمحہ بھر بھی خوش نہیں ہونا چاہئے۔ گھمنڈ کرنا اور ظلم و ستم کے پہاڑ گرانا تو درکنار ہے۔ انسان پر اول اور درمیان کا حال تو واضع ہے۔ اگر آخری حال بھی معاذ اللہ کھل جائے تو یہ حیران ہونے کی بات ہرگز نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو کتا یا سور تک بن جانے کو پسند کرے کہ ان کے ساتھ خاک ہو جائے گا اور ایسا خطاب تو نہ سننا پڑے گا اور نہ ہی عذاب سہنا پڑے گا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دوزخ کا مستحق ہے تو اس سے کہیں زیادہ اشراف و اطیب ہے کیونکہ وہ پہلے بھی خاک ہی تھا پھر بھی خاک ہو جائے گا۔ اس سے حساب نہ لیا جائے گا اور نہ ہی اسے عذاب ہو گا۔ اس کے علاوہ کتے اور سور کو دیکھ کر لوگ بھاگتے نہیں ہیں مگر گناہ گار و دنیا دار دوزخی کی حالت کو ہیبت ناک صورت اور وحشت دیکھ کر چیخ اٹھیں گے۔ اگر انہیں اس کی ہوا بھی لگ جائے تو اس کی بدبو کی وجہ سے ہلاکت میں

یہ ناصحانہ رنگ ہے ورنہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ موت کے بعد روح بھی مٹ جائے گی۔ اس کی تفصیل فقیر کی تصنیف روح نہیں مرتی کا مطالعہ کیجئے۔ (اویسی غفرلہ)

پڑ جائیں۔ دنیا کے سمندروں میں دوزخی کے پینے والے پانی کا ایک قطرہ بھی گر جائے تو مردار سے بھی زیادہ جل جائیں۔ پس جس کا ایسا انجام ہو وہ تکبر کیسے کرتا ہے۔ اپنے نفس کو بہت کچھ فرض کرتے ہوئے وہ فضیلت کا کیسے معتقد ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے کہ ایسی حالت نہ ہو یہ الگ بات ہے پھر بھی معافی والے معاملے میں تو شک ہے جبکہ گناہ گاری یقینی ہے۔

مثال: ایسا کون سا بندہ ہے جس نے کوئی بھی گناہ نہیں کیا ہوگا کہ اس کی وجہ سے عذاب کا مستحق نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ مہربانی فرماتے ہوئے معافی سے سرفراز کرے۔ اس کے فضل و کرم پہ حسن ظن اسی بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنی رحمت و مغفرت کی وجہ سے معافی سے نوازے۔ فرض کیجئے کہ کسی نے بادشاہ وقت کا ایسا جرم کیا ہو کہ جس کی وجہ سے وہ ہزار کوڑوں کا مستحق ٹھہرے۔ اسے شاہی قید خانے میں قید کر دیا گیا ہو وہ قیدی اب اسی انتظار میں ہوگا کہ اب میرے مقدمے کی پیشی ہوگی سب کے سامنے مجھے سزا دی جائے گی اور اس بات کے بارے میں یقین نہیں بلکہ شک ہے کہ میری خطا بخش دی جائے گی یا نہیں۔ اب ہم دریافت کرتے ہیں کیا ایسا شخص دوسرے قیدیوں میں تکبر کر سکتا ہے حالانکہ وہ تو ذلت کی حالت میں اپنی جان کی فکر میں مستغرق رہے گا کہ گناہ گار اور عذاب کے مستحق تو سبھی ہیں ان کے لیے دنیا قید خانہ او حوالات کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ معلوم نہیں ہے کہ روز محشر اس کا کیا حال ہوگا تو اس نقطہ نظر سے جو شخص غور و فکر کرے گا اس کے لیے تو یہی دکھ' خوف اور ذلت و خواری بہت ہے۔ یہ علمی علاج ایسا بہترین ہے کہ اس سے کبر کی جڑ اکھڑ جاتی ہے۔

عملی علاج: کبر کا علمی علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اعلانیہ طور پر تواضع اختیار کرے اور تمام لوگوں کے ساتھ متواضعین جیسے اخلاق کا مظاہرہ کرے جیسے ہم نے صالحین کا طریقہ بیان کر دیا ہے یا جیسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ مبارک تھا اس سلسلے میں روایت تو یہاں تک بیان کی جاتی ہے کہ آپ کھانا زمین پہ بیٹھ کر تناول فرماتے اور ارشاد فرماتے ہیں کہ میں بندہ ہوں اور بندوں کی طرح ہی کھانا کھاتا ہوں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ نیا لباس کیوں نہیں پہنتے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا میں تو غلام ہوں جس دن اس غلامی سے آزاد ہو جاؤں گا اس دن نیا لباس پہنوں گا۔

فائدہ: اس آزادی سے مراد قیامت کے دن کی آزادی ہے۔

حکمت: تواضع کی حقیقت سے جب روشناسی میسر آجاتی ہے تو اس کا اختتام تواضع کو عملی جامہ پہنانے سے ہوتا ہے۔ اسی جہت سے عرب قوم اللہ و رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہ تکبر کرتی تھی۔ انہیں ایمان اور نماز دونوں کے بارے میں حکم ملا کیونکہ انہیں تواضع اور فروتنی کا اختیار کرنا بہت گراں محسوس ہوتا یہاں تک کہ کسی کے ہاتھ سے کوڑا نیچے گر پڑتا تو وہ کوڑا اٹھانے کے لیے بھی نیچے نہ جھکتا اور اگر کسی کے جوتے کا تسمہ کھل جاتا تو اسے بھی نہ

باندھنا کیونکہ اسے باندھنے کے لیے جھکنا پڑے گا۔ حضرت حکیم بن حازم رضی اللہ عنہ نے پہلے پہل بیعت کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ شرط کی تھی کہ میں رکوع و سجود کھڑے کھڑے ہی کیا کروں گا جسے آپ نے منظور فرمالیا تھا۔ بعدازاں حضرت حکیم رضی اللہ عنہ سمجھ گئے تو آپ بڑے زبردست کامل عابد ہوگئے غرضیکہ سجدہ کرنا اور جھکنا عربوں کے نزدیک بہت ذلت اور پستی کی علامت سمجھی جاتی تھی اس لیے نماز کا حکم ہوا تاکہ نماز پڑھنے سے ان کا تکبر ختم ہو اور ان کے قلوب میں تواضع پیدا ہو جائے کیونکہ نماز میں تواضع بہت پائی جاتی ہے کہ نماز میں رکوع و سجود اور قیام یہ سبھی اعمال فروتنی کے آثار ہیں۔

نماز دین کا ستون: نماز کو دین کا ستون کہنے کی کئی وجوہات ہیں۔

(1) ان میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تواضع نماز میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے تمام مخلوق کو نماز کے ادا کرنے کا حکم بھی اس لیے ہوا ہے کہ نماز کے افعال تواضع کے مقتضی ہیں۔

فائدہ: بندے کو چاہئے کہ جب وہ حقیقت نفس کی پہچان حاصل کرلے تو پھر کبر جن کاموں کا تقاضا کرے۔ ہمیشہ ان افعال کے خلاف ہی کام کرے۔ یہاں تک کہ تواضع کا عادی بن جائے۔ اس لیے کہ بندے کے دل میں اچھے اخلاق پیدا ہی اس وقت ہوتے ہیں جب اس میں علم و عمل دونوں موجود ہوں اور چونکہ بندے کے اعضائے جسمانی ظاہری عالم سے ہیں جبکہ دل کا تعلق عالم ملوکت سے ہے۔ ان دونوں میں ایک تعلق پوشیدہ ہے اس لیے ظاہری اعضاء کے عمل کرنے کی وجہ سے اسی عمل کی تاثیر دل میں بھی پیدا ہوتی ہے۔

(2) اس تکبر کا بیان جو سات اسباب مندرجہ بالا سے ہوتا ہے جو باب ذم جاہ میں ہم بیان کرچکے ہیں کہ علم و عمل کا نام ہی کمال حقیقی ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے اور وہ موت آنے کے بعد فنا ہونے والی ہے وہ کمال وہی تو ہے کمال حقیقی نہیں۔ اس لحاظ کی بنا پر عالم کو تکبر اختیار نہ کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ اس لیے فی الجملہ کمال حقیقی اسے علم کا موجود ہے مگر ہم یہاں علمی و عملی علاج کے ساتوں طریقے بیان کردیتے ہیں۔

علمی و عملی علاج کے سات طریقے: پہلا طریقہ: تکبر نسبی: جسے تکبر نسب کی وجہ سے ہو اسے دو باتیں ضرور ذہن نشین کرلینی چاہئیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ نسب پہ فخر کرنا محض جہالت ہے کیونکہ کسی دوسرے کے کمال کی وجہ سے اپنی عزت ہونے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اس لیے جو شخص بس فخر کرتا ہے۔ اگر تو وہ خود بری صفات کا حامل ہے تو ان بری صفات کی برائی کو کسی دوسرے کا کمال کیسے اور کرے گا بلکہ جس شخص کے نسب کی وجہ سے وہ تکبر اختیار کرتا ہے۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو وہ یہ کہتا کہ فضیلت تو مجھ میں ہے جبکہ (تیری حقیقت ہے کہ) تو تو میرے پیشاب کا کیڑا ہے تو صاحب فضیلت و شرف کہاں سے آٹپکا اب ہم یہ دریافت کرتے ہیں کہ انسان کے پیشاب سے ایک کیڑا پیدا ہوا جبکہ دوسرا کیڑا گھوڑے کے پیشاب سے پیدا ہوا تو انسان کے پیشاب کا کیڑا گھوڑے کے پیشاب کے

کیڑے سے بہتر نہیں کہلا سکتا بلکہ یہ دونوں کیڑے ہی (حقیقت میں) برابر ہیں۔ یہ شرف و فضیلت تو انسان کو حاصل ہے جبکہ انسان کے پیشاب کے کیڑے کو دوسرے کیڑوں سے زیادہ کوئی شرف حاصل نہیں ہے جبکہ

دوسری بات: دوسری بات یہ ہے کہ اپنے نسب حقیقی کو پہچانے اور اپنے باپ دادا کی حقیقت کو خیال میں لائے کہ اس کا باپ تو ایک پلید نطفہ ہے اور دادا بھی مٹی اور ذلیل خاک ہے چنانچہ اسی نسب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم کتاب قرآن مجید میں یوں ارشاد فرمایا ہے کہ اَلَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَہٗ وَ بَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِیۡنٍ ۚ﴿۷﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَہٗ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّہِیۡنٍ (سجدہ 7تا8) ترجمہ کنزالایمان: وہ جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی اور پیدائش انسان کی ابتداء سے مٹی سے فرمائی پھر اس کی نسل رکھی ایک بے قدر پانی کے خلاصہ سے۔ پس گندی مٹی جس کی اصل ہو اور وہ گندی مٹی جو پامال ہوئی رہتی ہو اسی مٹی کا خمیر تیار کیا گیا ہو۔ یہاں تک کہ سیاہ اور بدبودار ہو گئی ہو ایسی بدبودار گندی مٹی سے بننے والا تکبر کس طرح کرتا ہے۔ اس کی نسبت جس کی طرف سے وہ تو تمام چیزوں سے زیادہ ذلیل ہے جس طرح کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں تو خاک سے زیادہ ذلیل اور سیاہ کیچڑ سے زیادہ بدبودار ہے اور پیشاب سے زیادہ پلید ہے۔ پس آدمی کی نسبت خاک سے اگر بعید ہے تو پھر قریب کی چیز کی نسبت دیکھنی چاہئے اور قریبی چیز نطفہ یا مضغہ ہے۔ اس نطفے والی نسبت کے لحاظ سے بھی اپنے آپ کو حقیر ہی سمجھنا چاہئے اگر اسی نسبت کے لحاظ سے رفعت بھی میسر آتی تو پھر بھی اس کی اصل تو پھر بھی خاک ہی ہے۔ اسے بھی رفعت نہیں جب باپ یا دادا کسی میں بھی رفعت نہیں ہے تو ان نسبتوں کی وجہ سے اولاد میں رفعت کہاں سے آگئی ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوگیا کہ جب خاک سے آدمی کی اصل ٹھہری اور الگ نطفے سے ہوا تو یہ نسبت بہت برا ہے کیونکہ جو چیز اس کی اصل ہے وہ تو پاؤں تلے روندی جا رہی ہے اور جس سے علیحدگی میسر آئی وہ چیز (منی) اگر جسم پر لگ جائے تو جسم کو دھو لیا جاتا ہے۔ پس جو حقیقی اس اصل کی پہچان اور حقیقی راز کھلنے کی وجہ سے نسب کی وجہ سے تکبر کرنے والے کی مثال اسی طرح ہوگی جیسا کہ ایک شخص اپنے آپ کو ہمیشہ سید سمجھتا ہے اور اس کے باپ نے اسے کہہ دیا تھا کہ بیٹا ہم سید ہیں اس جہت کی بنا پر اسے تکبر شرافت نسب کا تھا اسی حال میں کچھ سچے لوگوں نے کہ جن کے قول میں کسی قسم کے جھوٹ کا شک و شبہ نہیں۔ انہوں نے بیان فرمایا کہ یہ تو ایک حجام کا بیٹا ہے اور اپنے اس دعویٰ کی پکی دلیل اور بحث و تکرار کے ذریعے اسے اچھی طرح سمجھا دیا کہ اس بارے میں اس کے دل میں ذرہ بھر بھی شک و شبہ نہ رہا اور جان لیا کہ یہ لوگ اپنے قول کے لحاظ سے بالکل سچ کہہ رہے ہیں تو اس کے بعد اسے اس نسب کی وجہ سے کسی قسم کا تکبر نہ رہے گا بلکہ اپنے خیال کے مطابق وہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ حقیر ہو جائے گا۔ اس کے دل میں اپنی ذات کے بارے میں ایسا تصور قائم ہو جائے گا کہ دوسروں پہ تکبر اختیار کرنے کی عادت بالکل ختم ہو جائے گی۔ سمجھدار اور صاحب بصیرت شخص کا یہی حال ہے کہ وہ جب اپنی اصلیت کو سوچتا ہے اور جان لیتا ہے کہ میں تو مٹی اور پلید نطفے سے بنا ہوا ہوں اس لیے وہ تکبر اختیار نہیں کرتا جیسے اگر اس کا باپ بھنگی،

حجام یا ان کاموں میں جیسا کوئی اور حقیر کام کرنے والا ہوتا تو یہ شخص اپنے آپ کو کمینہ تصور کرتا۔ اس لیے کہ اگر اس کا باپ کوڑا کرکٹ اور مٹی اٹھایا کرتا تھا یا اپنے ہاتھ خون میں تر رکھا کرتا تھا یہ حقیقت جب معلوم ہو جائے گی کہ میری اپنی حالت یہ ہے کہ مٹی اور خون سے بنا ہوا ہوں تو بدرجہ اولیٰ اپنے آپ کو کمینہ سمجھے گا۔

تکبر کے دوسرے سبب کا علاج: حسن و جمال تکبر کا دوسرا سبب ہے اور اس سبب کا یہ علاج ہے کہ عقلمندوں کی طرح اپنی باطنی کیفیات کا جائزہ لے۔ جانوروں کی طرح ظاہری احوال کو نہ دیکھے جب باطن کو دیکھے گا تو ایسی ایسی رسوائیاں معلوم ہو جائیں گی جن کی وجہ سے سارا کبر خاک میں مل جائے گا۔ مثلاً بندے کے تمام اعضاء میں پلیدی بھری ہوئی ہے۔ پیٹ میں پاخانہ' مثانہ میں پیشاب' ناک میں رینٹھ' منہ میں تھوک کانوں میں میل کچیل' رگوں میں خون' جلد میں پیپ اور بغل میں بدبو پائی جاتی ہے۔ اس کے باوجود ایک یا دو مرتبہ دن میں اپنے ہاتھ سے پاخانہ کو دھوتا ہے۔ روزانہ ایک یا دو مرتبہ پیٹ کی بلا سے پیچھا چھڑانے کے لیے لیٹرین میں جاتا ہے۔ یہ بلا ایسی چیز ہے کہ جسے دیکھنا بھی برا معلوم ہوتا ہے اسے مس کرنا یا سونگھنا تو دور کی بات ہے۔ یہ سب کچھ محض اس لیے ہے کہ اسے ہر وقت اپنی ناپاکی اور ذلت کا دھیان مدنظر رہے۔ یہ تو اس کی زندگی کا حال ہے۔ اس کی تخلیق کی ابتدا جس چیز سے ہوئی ہے۔ وہ ہم جانتے ہی ہیں کہ وہ نطفہ اور حیض سے تخلیق ہوئی ہے۔ وہ پیشاب کے راستہ سے دو بار آیا ہے۔ پہلی مرتبہ اپنے باپ کی پشت سے جب اپنی ماں کے شکم میں گیا وہاں بھی رحم مادر میں خون حیض کی جگہ پہ رہا ہے اور دوسری مرتبہ جب اس دنیا میں ماں کے شکم سے باہر نکلا۔

نفوس کی ناپاکی: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہمیں خطبے میں ہمارے نفوس کی پلیدی ظاہر کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کرتے کہ تم پیشاب کے مقام سے دوبار نکلے ہو۔

(2) اس لیے حضرت طاؤس رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کو فرمایا تھا کہ یہ اس شخص کی چال ہرگز نہیں جس کے پیٹ میں غلاظت بھری ہوئی ہو جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ یہ حال تو ابتدا اور درمیان کا حال ہے۔ اگر زندگی میں ایک دن بھی اپنے جسم کی صفائی ستھرائی اور غسل نہ کرے تو اس وجہ سے بدبو اور پلیدی اسی طرح کہ اس طرح کے جانوروں میں ہوا کرتی ہے کہ وہ اپنی صفائی کے کفیل خود کبھی نہیں ہوتے۔ پس جب بندہ غور کرے کہ میں تو پیدا بھی پلیدیوں سے ہوا ہوں اور زندگی بھر رہا بھی پلیدیوں میں اور مرنے کے بعد بھی مردار یعنی پلید ہی ہو جاؤں گا جب اس حقیقت کو سمجھ لیا جائے تو پھر بندہ بھی اپنے حسن و جمال کو فخر کا سبب نہ سمجھے گا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ گندگی کے ڈھیر پر سبزہ ہے کہ ظاہری طور پر تو سرسبز معلوم ہوتا ہے حقیقتاً پلید ہے یا جنگلی گلشن ہے کہ اب تو دیدہ زیب معلوم ہو رہا ہے چند دنوں بعد تنکا تنکا اڑتا پھرے گا۔ بالفرض محال اگر خوبصورت بندے کا حسن و جمال پائیدار بھی ہوتا تو پھر بھی ان تمام خرابیوں سے پاک نہ ہوتا۔ اس لئے اس پر لازم تھا کہ اپنے حسن و جمال کی وجہ سے اپنے سے کسی بدصورت پہ تکبر نہ کرتا کیونکہ بدصورت کی بدصورتی اس کے اپنے اختیار میں

نہیں تھی کہ وہ اس سے بچ سکتا اور اسی طرح خوبصورتی بھی خوبصورت کے اختیار میں نہیں ہے کہ اس خوبصورتی کی وجہ سے اس کی تعریف بیان کی جائے۔ حسن و جمال کے قائم رہنے کیلئے کوئی گارنٹی بھی نہیں۔ بلکہ ہر وقت حسن کے ختم ہونے کا دھڑکا لگا ہوا ہے۔ معمولی سی بیماری یا چیچک کا زخم یا کسی دوسری وجہ سے یہ ختم ہو جاتا ہے اکثر ایسا ہوا ہے کہ خوبصورت ان وجوہات کی بنا پر بدصورتی کا شکار ہوگئے تو باتوں کو جانتا اور اکثر و بیشتر انہیں سوچتے رہنا حسن و جمال کے تکبر کو دل سے اکھیڑ پھینکتا ہے۔

تکبر کے تیسرے سبب زور و قوت کا علاج: زور اور قوت تکبر کا تیسرا سبب ہے تکبر کا علاج۔ یہ ہے کہ بندے پہ جو امراض مسلط ہیں ان پر غور و فکر کرے کہ اگر کسی ایک رگ میں بھی درد شروع ہو جائے تو تمام عاجزوں میں سے زیادہ عاجز بن جاتا ہے اور ذلیل ترین بن جاتا ہے۔ ذرا غور فرمایئے کہ اگر مکھی کوئی چیز چھین لے تو وہ اپنی ہی چیز مکھی سے واپس نہیں لے سکتا۔ اس کے ناک میں مچھر گھس جائے یا کان میں چیونٹی داخل ہو جائے تو یہ معمولی سی چیزیں اس کے لیے ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے معمولی سا کانٹا پاؤں میں چبھ جائے تو وہی عاجز کر دیتا ہے۔ اگر ایک دن بخار ہو جائے عرصہ دراز کی قوت جواب دے جاتی ہے۔ پس جسے کانٹے چبھنے کی برداشت اور طاقت نہ ہو جو مچھر اور چیونٹی کی تاب نہ لا سکے۔ اپنے جسم سے مکھی کو دور نہ کر سکے اسے اپنی قوت پہ ناز نہیں کرنا چاہئے۔ پھر بھی اگر بالفرض محال انسان جتنا بھی طاقتور ہو پھر بھی گدھے، گائے، ہاتھی اور گھوڑے سے تو زیادہ طاقتور نہیں ہوگا۔ پھر ایسی صفت پہ ناز کیا رہا کہ جس وجہ سے جانور بھی اس سے بڑھ کر ہوں۔

تکبر کے چوتھے سبب کا علاج: تکبر کا چوتھا سبب دولت مندی ہے۔ دوستوں اور مددگاروں کی کثرت اور بادشاہوں کی طرف سے حکومت حاصل ہونے پر جو تکبر اختیار کیا جاتا ہے۔ وہ بھی اسی میں شامل ہے۔ ان میں سے ہر چیز پہ تکبر اختیار کرنا جمال اور قوت وغیرہ کے تکبر جیسا نہیں ہے اس لیے کہ جمال وغیرہ تو انسان کی ذات ہی میں داخل تھا جبکہ یہ چیزیں تو اس کی ذات سے بھی خارج ہیں۔ تکبر کی تمام اقسام میں سے یہ سب سے بری ہے اس لیے کہ اپنے مال کا جو تکبر کرتا ہے وہ اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص اپنے گھوڑے یا گھر کا تکبر کرتا ہے اگر گھوڑا مر جائے یا گھر گر جائے تو وہ ذلیل ہو جائے گا۔ یونہی جو شخص بادشاہی کی جانب سے حکومت میسر آنے پر تکبر کرتا ہے۔ اس کی اپنی ذات میں کوئی وصف نہیں ہے تو اس نے اپنے متکبرانہ کلام کی بنیاد ہنڈیا سے بھی زیادہ جوشیلے دل پہ رکھی ہے۔ یعنی بادشاہوں کا دل ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ کبھی تو سلام سے بھی ناراض ہو جاتے ہیں اور کبھی گالی سے بھی خلعت سے نواز دیتے ہیں۔ اگر معمولی سی بات پہ بگڑ جائیں تو معزز کہلانے والے سب سے زیادہ ذلیل و رسوا ہو جاتے ہیں جو شخص ایسی کسی چیز کی وجہ سے تکبر اختیار کرے کہ وہ چیز اس کی اپنی ذات میں نہ ہو تو وہ جاہل ہے۔ مثلاً دولت مند کی وجہ سے تکبر کرنے والے غور کریں تو ان سے کہیں زیادہ کافروں میں دولت مندی ملیں گے پس ایسے شرف پہ لعنت ہے کہ جس شرف میں کفار اس سے بھی بڑھے ہوئے ہوں اور ایسی فضیلت پہ بھی لعنت ہے جسے چور منٹوں

میں چوری کرلے اور دولت کا مالک ذلیل اور قلاش رہ جائے۔ مختصر یہ کہ یہ ایسے اسباب ہیں جو کہ بندے کی ذات میں نہیں پائے جاتے اور جو کچھ بندے کی ذات میں موجود نہیں ہوتے۔ انہیں قائم رکھنا بندے کے اختیار میں نہیں ہوتا نیز آخرت میں بھی عذاب اور مصیبت کا سبب ہوں گے اس لیے ان اسباب پہ تکبر کرنا عین جہالت ہے۔ نیز یہ بات بھی غورو فکر کرنے کے قابل ہے کہ جس چیز پہ بندے کا اختیار نہیں ہوتا۔ وہ اس کی ملک نہیں بن سکتی اور یہ تمام چیزیں اسی نوعیت کی ہیں کہ یہ بندے کے اختیار میں نہیں ہیں بلکہ مالک حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا ہو جس کے لیے محض اس کے پاس ہی رہ سکتی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی رضا نہ ہو تو یہ چیزیں بندے کے پاس نہیں رہ سکتیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بندہ تو خود ہی ایک مملوک غلام ہے۔ اس کا اختیار کسی چیز پہ نہیں ہے جسے اس جمال کا علم حاصل ہو جائے اس کا تکبر لازماً ختم ہو جائے گا۔ مثلاً کوئی عقلمند اپنی قوت جمال' دولت مندی' حریت' استقلال' کثرت مکانات اور شان و شوکت کو فخریہ رنگ میں پیش کر رہا کہ اسی دوران میں دو عادل گواہوں نے انصاف کرنے والے حاکم کے روبرو یہ گواہی دی کہ یہ تو فلاح شخص کا غلام ہے کیونکہ اس کے والدین اس شخص کے مملوک غلام تھے۔ اس انصاف کے کرنے والے حاکم نے ان گواہوں کی گواہی سن کر غور کرنے کے بعد اس مالک کو اطلاع کردی۔ مالک نے آکر اس پہ قبضہ کرلیا اس کا تمام مال بھی لے لیا۔ سارا مال چلا جانے کے باوجود پھر بھی اسے یہ خوف لاحق ہے کہ ان اموال میں کمی بیشی کرنے اور اصلی مالک کو خبر نہ دینے کی وجہ سے کہیں سزا بھی نہ مل جائے کہ مالک کو تلاش کرنے میں کوتاہی کیوں کی۔ اس سے بڑھ کر مزید اس مصیبت کا شکار ہو جائے کہ اسے ایک ایسے گھر میں قید کر دیا جائے کہ جس گھر میں سانپ' بچھو اور کیڑے مکوڑے بہت زیادہ ہوں کہ جن میں سے ہر وقت ہر ایک ڈراتا رہے۔ اب اس کی یہ حالت ہوگئی کہ وہ نہ تو اپنی جان کا مالک رہا ہے اور نہ ہی کسی مال کے علاوہ ازیں نجات کی تدبیر بھی نہیں جانتا بھلا ایسا شخص اپنی قدرت' دولت مندی اور اپنی قوت و کمال پہ ناز کرے گا یا اپنے دل میں شرمسار اور ذلیل ہوگا۔ ایک عقلمند اور صاحب بصیرت شخص کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنے نفس کو ایسا ہی سمجھتا ہے کہ میں اپنی جان کا بھی مالک نہیں ہوں اور بدن کا بھی' نہ بدن کا مالک ہوں اور نہ ہی مال و اسباب کا اس کے باوجود آفتوں' شہوتوں اور مریضوں کو اپنے لیے سانپ' بچھو ہی سمجھتا ہے۔ اسے ہر وقت ہلاکت کا خوف ہلاکت میں ڈالے رکھتا ہے۔ پس جس کا حال یہ ہو وہ اپنی قوت اور طاقت سے ناز نہیں کرتا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ نہ تو میرے پاس کوئی قدرت ہے اور نہ ہی میرے پاس کوئی طاقت' جو تکبر کے اسباب بندے کی ذات سے باہر ہوں۔ ان کے علاج کا طریقہ کار یہی ہے۔ یہ طریقہ علم و عمل پہ تکبر کرنے کے علاج سے ذرا آسان علاج ہے کیونکہ علم و عمل تو نفس کے دو کمال ہیں ان کی وجہ سے نفس کا خوش ہونا نفس کو زیب دیتا ہے۔ مگر ان دو کملات کی وجہ سے تکبر کرنے میں ایک طرح سے جہل ہے۔ جسے ہم بیان کرتے ہیں۔

تکبر کے چھٹے سبب علم کا علاج: علم تکبر کا چھٹا سبب ہے۔ یہ بھی ایک بہت بڑی آفت اور بڑی بڑی امراض

میں سے ایک مرض ہے کہ جن کا علاج کرنا آسان کام نہیں ہے بلکہ ان کا علاج بڑی محنت اور مشکل سے ہوتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے نزدیک علم کا بڑا مقام ہے۔ اس کی شان مال و اسباب اور تمام چیزوں سے زیادہ ہے بلکہ مال اور جمال اگر علم و عمل کے ساتھ نہ ہوں تو ان کا کوئی مقام و مرتبہ نہیں ہے۔

فائدہ: حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ علم کی طغیانی مال کی طغیانی کی مانند ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب عالم خطا کرتا ہے تو اس کی خطا کی وجہ سے ایک عالم خطا کا شکار ہو جاتا ہے چونکہ شریعت مطہرہ میں علم کے فضائل بکثرت وارد ہیں اس لیے کہ ایک عالم دین سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے آپ کو جاہل سے اعلیٰ نہ جانے' علم کے اسی کبر کو دور کرنے کے لیے اسے دو باتوں کو معلوم کرنا چاہئے۔

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حجت علم والوں پہ زیادہ مضبوط ہے جتنا کچھ ایک جاہل سے برداشت کیا جا سکتا ہے ایک عالم سے جاہل کے دسویں حصہ کے برابر بھی برداشت نہیں کیا جاتا کیونکہ جو بندہ جاننے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اختیار کرے۔ علم جیسی نعمت کا حق ادا نہ کرے تو اس سے بڑھ کر اور کیا گناہ ہو سکتا ہے۔ اسی لحاظ سے حدیث شریف میں ہے۔

حدیث شریف: ایک عالم دین کو قیامت کے دن بلایا جائے گا اور دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ اس کی انتڑیاں اس کے پیٹ سے باہر نکل پڑیں گے۔ وہی انتڑیاں اسے ایسا چکر دیں گی جیسے گدھا چکی پھراتا ہے اور اس کے اردگرد دوزخی اکٹھے ہو کر اس سے پوچھیں گے کہ یہ تیرا کیا حال ہے؟ وہ جواب دے گا کہ میں نیکی کا حکم دوسروں کو تو کرتا تھا مگر وہ نیکی میں خود نہیں کیا کرتا تھا اور بدی سے دوسرے لوگوں کو تو روکتا تھا مگر میں خود اس کا مرتکب تھا اور اللہ تعالیٰ نے بے عمل عالم کو گدھے اور کتے سے تشبیہ دی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ (آیت مبارکہ) مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ترجمہ: ان کی کہاوت ہے جن پہ توریت لادی گئی تو پھر انہوں نے اٹھائی جیسے گدھا پیٹھ پر کتابیں لے کر چلتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے مراد یہودیوں کے علماء اور اللہ تعالیٰ نے بلعم بن باعورا کے متعلق ارشاد فرمایا کہ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْۤ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا (اعراف پ ۹: 175) اور اے محبوب انہیں اس کا احوال سناؤ جسے ہم نے اپنی آیتیں دیں تو وہ ان سے صاف نکل گیا۔(کنزالایمان) یہاں تک کہ ارشاد فرمایا كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ (پ 9 اعراف 176) تو اس کا حال کتے کی طرح ہے تو اس پر حملہ کرے تو زبان نکالے اور چھوڑ دے تو زبان نکالے۔ (کنزالایمان) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ (نمبر۱) بلعم کو ایک کتاب عطا کی گئی تھی اس نے زمینی شہوتوں کو پسند کرتے ہوئے اس پہ رہنا پسند کیا۔ حکمت کا عطا ہونا یا نہ عطا ہونا اس کے لیے برابر ہے وہ کسی طرح بھی شہوتوں کو ترک نہیں کرے گا۔ پس عالم کے لیے تو یہی ایک خطرہ کافی ہے۔ ایسا کون سا عالم ہے کہ جس نے شہوتوں کی اتباع نہ کی ہو۔ ایسا کون سا عالم ہے جس نے ایسی نیکی کا حکم نہ دیا ہو جو وہ خود نہیں کرتا۔ جس عالم

کے دل میں اپنی قدر جاہل کی نسبت زیادہ معلوم ہو تو اسے یہ بات ضرور سوچنی چاہئے جس طرح دوسرے لوگوں کی نسبت میری قدر زیادہ ہے اسی طرح مجھے کھٹکا بھی بہت زیادہ ہے۔ اسی طرح تو دونوں باتیں ایک دوسری کی متبادل ہوگئیں۔

عالم کی مثال: عالم دین کی مثال ایسی ہے جس طرح کہ بادشاہ کو اپنی جان کا خطرہ دشمنوں کی کثرت سے ہو۔ اگر ایسا شخص گرفتار کرلیا جائے' نیز سیاست کیا جائے تو وہ اس وقت یہی خواہش کرتا ہے کہ اگر میں فقیر ہوتا تو بہتر تھا۔ یونہی بہت سے علماء بروز قیامت اس بات کی آرزو کریں گے کہ کسی نہ کسی طرح جہلاء کی طرح نجات حاصل کرلیں۔ (معاذاللہ) مختصر یہ کہ یہ خطرہ ایسا ہے جو مانع تکبر ہے کیونکہ اگر تو دوزخی ہے تو پھر اس سے تو سور بھی بہتر ہے تو پھر تکبر کس بات کی وجہ سے کرتا ہے۔ تکبر عالم کو ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔ عالم کو یہ بھی نہیں چاہئے کہ اپنے جی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بڑھ کر ہو۔ دیکھئے صحابہ کرام ایک گھاس کے تنکے کو اٹھا کر ارشاد فرماتے ہیں کیا ہی خوب ہوتا اگر میں یہ گھاس کا تنکا ہوتا بعض صحابہ کرام ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ کیا ہی اچھا ہوتا۔ اگر میں پرندہ ہوتا اور لوگ مجھے کھا جاتے۔ بعض صحابہ کرام خوف کی وجہ سے فرمایا کرتے تھے۔ یہ بات کتنی اچھی ہوتی کہ اس دنیا میں میرا ذکر ہی نہیں ہوتا۔ یہ تمام صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کے اقوال محض خوف کی وجہ سے تھے۔ اپنی ذات کو برا سمجھا کرتے۔ جب عالم خوف آخرت کا فکر زیادہ کرے گا تو کبر باطل ہو جائے گا تمام مخلوق سے زیادہ برا اپنے آپ کو سمجھے گا۔ پھر اس عالم کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے کسی غلام کو آقا نے چند باتوں کے بارے میں حکم دیا تو اس نے ان پر عمل کرنا شروع کر دیا مگر ان میں سے بعض کاموں کو چھوڑا دیا۔ بعض امور میں عمل کرنے کے سلسلے میں کمی کردی۔ بعض امور میں اسے شک پیدا ہوگیا کہ پتہ نہیں آقا کی مرضی کے مطابق ادا ہوئے ہیں یا نہیں پھر اسے کسی نے یہ خبردی کہ تیرے آقا نے تیری طرف ایک قاصد بھیجا ہے اور تجھے اس مال و اسباب قلاش اور ذلت و رسوائی کے ساتھ بلایا ہے کہ تجھے اپنے دروازے کے سامنے تیز دھوپ میں کافی دیر ڈالے رکھے جب تو اچھی طرح تنگ ہو جائے تو پھر تیرا حساب کتاب دیکھے اور تمام تھوڑے کاموں کی پوچھ گچھ بہت زیادہ ہوگی۔ بعدازاں تجھے ایک قید خانے میں پھینک دیا جائے گا کہ ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں پڑا رہے۔ لمحہ بھر بھی سکون حاصل نہ کر سکے۔ یہ غلام اس حقیقت سے باخبر ہے کہ میرے آقا نے بہت سے غلاموں کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے جبکہ بعض غلاموں کو معافی کے انعام سے نواز بھی دیا ہے۔ پتہ نہیں میں کون سے گروہ میں ہوں پس جب یہ خطرہ لاحق ہوگا تو پھر اس کا نفس مرجھایا ہوا اور خوار ہو جائے گا۔ وہ غم اور خوف سے دوچار ہوگا۔ اس کے نفس سے جاہ پسندی اور کبر کا صفایا ہو جائے گا۔ کسی پہ تکبر کرنا تو کجا بلکہ ہر ایک کے ساتھ تواضع سے پیش آئے گا۔ شاید تکلیف کے وقت یہ میری سفارش کردے۔ عالم کا یہی حال ہے کہ جب غور و فکر کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کے کتنے احکام ضائع کر بیٹھا ظاہری اعضائے

بلعم بن باعوراء کے متعلق تفصیلی حالات فقیر کی تفسیر فیوض الرحمان پارہ نمبر 9 میں پڑھئے۔ (اویسی غفرلہ)

جسمانی سے بھی گناہ کیے۔ حسد' ریا' خود بینی اور نفاق وغیرہ بھی میرے باطنی طور پر مجھ میں رہے۔ پتہ نہیں اب میرا انجام کیا ہوگا۔ محاسبے کے وقت میری جان کیسے چھوٹے گی۔ اس طرح بے شک کبر کا خاتمہ ہو جائے گا۔

عالم دین کو دعوت عبرت: عالم دین کی عبرت کا مقام یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کبر اختیار کرنا کسی کو زیب نہیں دیتا اس لیے اگر میں کبر اختیار کروں گا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے غضب کا مستحق ٹھہروں گا جبکہ اللہ تعالیٰ میری تواضع کو محبوب جانتا ہے۔

حدیث قدسی شریف: اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی حدیث قدسی شریف میں ہے کہ میرے نزدیک بندے کی قدر اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ اپنے نفس کو قدر کی نگاہ سے نہ دیکھے اگر بندہ اپنے نفس کی قدر و منزلت جانے گا تو میرے نزدیک اس کا کوئی مقام نہیں۔

فائدہ: پس لازم ہوا کہ اپنے نفس کے ساتھ وہی سلوک اختیار کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو اور اس بات پہ سوچنا تکبر کو ختم کردے گا خواہ اسے یقین ہو کہ میں نے کسی بھی قسم کی کوئی غلطی نہیں کی مثلاً اگر ہو سکے کہ بندہ گناہ نہ کرے تو پھر بھی یہ سوچنا تکبر کا خاتمہ کر دے گا۔

فائدہ: اسی سوچ سے انبیاء کرام علیہم السلام کا تکبر ختم ہوا کیونکہ انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی میں جو اس سے جھگڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ذیشان ہے کہ اپنے نفسوں کو معمولی سمجھو تو ہمارے ہاں تمہاری عزت ہو غرضیکہ یہ سوچ بھی بندے کے لیے تواضع کا سبب بنتی ہے۔

سوال: ایک عالم یا عابد کسی فاسق و بدعتی کے لیے تواضع کیسے اختیار کرے۔ نیز اپنے نفس کو فاسق و بدعتی سے حقیر کیسے سمجھے اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو مقام علم اور عبادت کا ہے اس مقام و مرتبہ کا انکار کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خطرہ علم تو اس کے دل پہ گزرے جبکہ فسق و بدعت قطعی طور پر زیادہ ہونے کے باوجود دل پہ نہ گزرے؟

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ خاتمے کی فکر کرنے سے اس کا امکان ہو سکتا ہے۔ اس لحاظ سے کافر کو اگر دیکھے تو پھر بھی اس پہ تکبر نہیں ہو سکتا کیونکہ ہو سکتا ہے وہ کبھی ایمان سے مالامال ہو جائے اور اس کا خاتمہ بالایمان ہو اور عالم صاحب گمراہی کے گڑھے میں گر کر کافر مرے جبکہ حقیقتاً وہی بڑا ہے جو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا ہو اور جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک دوزخی اور اسے یہ معلوم نہ ہو تو پھر اس سے کتا اور سور بہتر ہیں۔ دیکھئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بہت سے مسلمان قبل اسلام کے حقیر سمجھتے تھے اور ان سے کفر کی وجہ سے نفرت کرتے تھے مگر آخر میں حق تعالیٰ نے انہیں ایسا اسلام عطا فرمایا کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی تمام (غیرانبیاء)

سے بہتر ہوئے۔ پس عام بندوں کی نظر انجام پہ نہیں ہوتی جبکہ سمجھدار اور دانا بندے ہمیشہ خاتمہ کا لحاظ کرتے ہیں اور تمام فضائل دینوی خاتمے ہی کے لیے مطلوب ہوتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ بندے کے لیے شایان شان یہی ہے کہ وہ کسی پہ تکبر نہ کرے بلکہ اگر کسی جاہل کو بھی دیکھے تو اپنے دل میں یہی کہے کہ اس نے تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی جہالت کی وجہ سے کی ہے بلکہ میں نے نافرمانی جان بوجھ کر کی ہے تو یہ شخص مجھ سے کہیں زیادہ معذور ہے اور اگر عالم کو دیکھے تو اس طرح کہنا چاہئے کہ یہ شخص تو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے۔ میں اس کے برابر کس طرح ہو سکتا ہوں۔ اگر عمر کے لحاظ سے اپنے سے کسی بڑے کو دیکھے تو دل میں یہ خیال کرے کہ اس نے مجھ سے پہلے حق تعالیٰ کی اطاعت کی ہے اس لیے میں اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اگر اپنے سے کسی چھوٹے کو دیکھے تو دل میں یہ تصور اجاگر کرے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اس سے پہلے کی ہے اس لیے میں اس کے برابر کیسے ہو سکتا ہوں۔ اگر کسی بدعتی یا کافر کو دیکھے تو پھر یہ ذہن میں لائے کہ میں خاتمے کو جانتا نہیں ہوں۔ شاید اس کی زندگی کا اختتام اسلام پہ ہو اور میرا خاتمہ کفر و بدعت پہ ہو کیونکہ ہمیشہ کی ہدایت میرے اختیار میں تو ہے نہیں جس طرح شروع میں ہدایت میرے قبضے میں نہیں تھی۔ الغرض اختتام زندگی کی فکر سے نفس کا دور کرنا چاہئے۔ یعنی یہ جان لیجئے کہ بندے کا کمال اس میں ہے کہ آخرت کی بھلائی اور اللہ تعالیٰ کے قرب سے مستفیذ ہو۔ یہ جو دنیا میں چیزیں پائی جاتی ہیں جنہیں کچھ بھی قیام نہیں اور نہ ہی ان میں کسی قسم کا کمال ہے۔ خاتمے کا زیادہ خطرہ تکبر کرنے والوں اور جن پہ تکبر کیا جاتا ہے اس میں دونوں ہی مشترک ہیں مگر پھر بھی ہر ایک پہ یہ لازم ہے۔ اپنی قوت بھر جتنا ہو سکے نفس کی جانب مصروفیت اختیار کرنی چاہئے کیونکہ ڈرا ہوا آدمی بہت زیادہ بدگمانی کا شکار ہوتا ہے اور ہر ایک کو اپنی جان کا زیادہ ڈر ہوتا ہے۔ مثلاً بہت سے لوگ اگر قید میں پڑے ہوئے ہوں ان تمام سے کوئی ایسی خطا سرزد ہوئی ہو کہ جس کی وجہ سے تمام کو قتل کر دینے کا حکم صادر ہوا ہو تو انہیں اس بات کی فرصت ہی نہیں میسر آئے گی کہ وہ ایک دوسرے پہ تکبر کریں۔ ہر چند وہ تردد میں سبھی برابر ہیں۔ ہر ایک کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ یہی فکر انہیں ایک دوسرے کی طرف دھیان ہی نہیں کرنے دیتی جیسے یہ ساری مصیبت اور خطرہ ہی ایک کے سر ہے۔ پھر اگر یہی کہے کہ تمہیں حکم ہوا ہے کہ محض اللہ کی خاطر بدعتی اور فاسق سے بغض رکھیے۔ تمہاری اس تقریر سے مخالبین کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ ان دونوں باتوں کا یکجا ہونا دو ضدوں (ایک دوسری کے مخالف بات) کا اکٹھے ہونا ہے۔ پس یہ بات جاننی چاہئے کہ یہ بات ایک ایسی بات ہے کہ اکثر لوگوں پہ مشتبہ ہو جاتی ہے کیونکہ بدعت اور فسق پہ اللہ تعالیٰ کے لیے غصہ کرنے میں نفسانی تکبر، علم اور پرہیز گاری کا غرور بھی اس میں شامل ہو جاتا ہے۔ اکثر عابد جاہل اور متکبر عالم ایسے ہی ہوا کرتے ہیں جہاں کہیں ان کے برابر اگر کوئی فاسق بیٹھ جائے تو اسے اپنے پاس سے اٹھا دیتے ہیں اور ان سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔ وہ اپنے طور پر اس گمان میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ یہ غصہ ہم نے محض اللہ کے لیے کیا ہے حالانکہ حقیقت میں (ایسا نہیں ہے بلکہ) یہ امر باطنی کبر کی جہت سے واقع ہوا جیسا کہ قصہ بنی اسرائیل کے

عابد اور فسادی کا ابھی گزرا ہے۔ مشتبہ ہونے کی صرف یہی وجہ ہے کہ مطیع و فرمانبردار پہ تکبر کرنا تو صاف ظاہر ہے کہ یہ تکبر برا ہے۔ اس سے بچنا ممکن اور آسان ہے مگر بدعتی و فاسق پہ تکبر کرنا ایسا معلوم ہوا کہ جیسے اللہ کے لیے یہ غصہ کیا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے غصہ کرنا اچھا کام ہے اس لیے بدعتی اور فاسق پہ تکبر اختیار کرنا سرسری نظر سے دیکھنے میں اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ جس پہ غصہ کرتا ہے اس پہ تکبر بھی کرتا ہے۔

فائدہ: پس کبر اور غضب ایک دوسرے کا سبب ہوتے ہیں اس طرح کے ایک دوسرے میں ملے جلے ہوتے ہیں کہ ان میں امتیاز توفیق یا فتوں کے سوا کسی دوسرے سے نہیں ہوسکتی۔ پس اس جھنجھٹ سے چھٹکارے کی تدبیر یہ ہے کہ جب آدمی کسی بدعتی یا فاسق کو دیکھے یا انہیں امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کرنا چاہے تو اس وقت اس کے دل میں یہ تین باتیں ضرور ہونی چاہئیں۔

(1) اپنے آپ سے جو خطائیں ہو چکی ہوں وہ مدنظر ہوں تاکہ اپنا نفس اپنی نظروں میں بے وقعت ہو جائے۔ ان باتوں کے بارے میں اپنی ذات کو جس بات کی فضیلت حاصل ہے یعنی علم یا عمل صالح یا امر حق کا عادی ہونا وغیرہ

(2) میں یہ بات ذہن میں ہو اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان سے ہی یہ باتیں مجھ میں ہیں ورنہ میرے اختیار اور قدرت سے نہیں ہیں کہ انہیں برا سمجھوں اور دوسرے پر تکبر اختیار کروں۔

(3) اپنا اور دوسرے کی حیات کے خاتمے کا حال معلوم نہیں ہو سکتا کہ پتہ نہیں میرا خاتمہ زندگی برا ہوا اور ان کا خاتمہ اچھا ہو۔ ان تین باتوں کے مدنظر رہنے کی وجہ سے آدمی تکبر سے بچا رہے گا۔

سوال: ان تینوں باتوں کی موجودگی کے باوجود غصہ کیسے ہو سکتا ہے؟

جواب: جاننا چاہئے کہ غصہ تو اپنے آقا و مولا کے لیے کرنا چاہئے اپنے نفس کے لیے نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کا فرمان ذیشان ہے کہ غصہ میرے لیے کرو اپنے نفسوں کے لیے نہ کرو۔ پر غصہ میں یہ نہ سمجھے کہ میں تو بچ جاؤں گا اور یہ بدعتی ہلاکت میں پڑے گا بلکہ اپنے نفس پہ پوشیدہ گناہوں کا کرنا چاہئے جو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں۔ دوسرے کی نسبت اپنے لیے خوف زیادہ کرنا چاہئے۔ جبکہ خاتمہ کا حال بھی معلوم نہیں ہے۔

مثال: اب ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں کہ جس سے یہ بات معلوم ہوگی کہ یہ لازم نہیں ہے کہ جو شخص محض اللہ تعالیٰ کے لیے غصہ کرے وہ لازمی اس پہ تکبر بھی اختیار کرے یا اپنا مقام اس کے مقام سے زیادہ ہی سمجھے۔ فرض کیجئے کہ ایک بادشاہ کا ایک بیٹا اور ایک غلام ہے۔ بادشاہ نے غلام کو اپنے بیٹے پر اس لیے مقرر کر دیا کہ اس کی حفاظت کرنا' خلاف ادب حرکت کرنے پر اسے مارنا اور اسے نامناسب حرکات پر جھڑک دینا پس اپنے آقا کی محبت و اطاعت اگر غلام کو منظور ہوگی تو پھر لازم ہے کہ جب بھی بادشاہ کا صاحبزادہ بے ادبی یا نالائق کام کرے گا تو غلام اس پہ غصہ ہوگا اور اس کام سے روکے گا بھی اور سزا بھی دے گا۔ غلام کا یہ غصہ کرنا اپنے آقا کی جہت سے ہے کہ آقا

نے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس کی فرمانبرادری فلاح و تقرب کا سبب ہے۔ یہ آقا کو بری لگنے والی بات کی وجہ سے غصہ کیا۔ اس مثال میں یہ سب کچھ موجود ہے مگر پھر بھی وہ غلام اس پہ تکبر نہیں کرتا بلکہ تواضع ہی اختیار کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا جو مقام آقا کے سامنے ہے وہ مقام میرا نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ غصہ کرنا اور چیز ہے جبکہ تکبردوسری چیز ہے۔ غصے کے لیے تکبراور تواضع کا چھوڑنا لازم نہیں ہے۔ یونہی آدمی جب کسی بدعتی یا فاسق کو دیکھے تو یہ خیال دل میں لائے کہ شاید ان کی قدر بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ ہو اگر ان کا خاتمہ تقدیر میں اچھالکھا ہے اور میرا خاتمہ تقدیر میں برا ہے کہ جس کا مجھے علم نہیں۔

فائدہ: ہاں اس نقطہ نظر سے غصہ کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی محبت کا تقاضا ہے کہ جو کام اس کی مرضی کے خلاف جس سے بھی صادر ہو اس پہ غصہ کرے اور چونکہ ان اشخاص کی محبت کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بروز قیامت اپنے آپ سے زیادہ قریب ہونا ممکن ہے تو اس نقطہ نظر سے ان کے ساتھ تواضع اختیار کرے۔ سمجھدار علماء کرام کا بعض یونہی ہوتا ہے کہ اس میں خوف و تواضع دونوں ہی ملے جلے رہتے ہیں۔

فائدہ: متکبرین اس کے خلاف ہیں۔ وہ اپنے نفس کے لیے دوسروں کی نسبت زیادہ امید رکھتے ہیں جبکہ خاتمے کا حال جانتے نہیں۔ حقیقت میں انہیں بڑی زبردست غلطی ہوئی ہے تو جو لوگ گناہ گار یا بدعتی ہیں ان سے تواضع کرنی اور غصے ہونے اور جدا رہنے کا یہ طریق ہے۔

تکبر کے ساتویں سبب عبادت اور پرہیز گاری پہ تکبر کا علاج: عبادت اور پرہیز گاری پہ سبب کرنا پہ بھی بندوں پہ بڑی بھاری امتحان میں مبتلا کرنے والی چیز ہے۔ اس کا یہ علاج ہے کہ اپنے دل میں تمام مخلوق کے ساتھ متواضع ہونا ضروری کرے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ سے جس شخص کا علم زیادہ ہو اس پہ تو کسی بھی حالت میں تکبر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ علم کی بہت زیادہ فضیلت ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فضیلت عالم: هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ کیا جاننے اور نہ جاننے والے برابر ہوتے ہیں۔

حدیث شریف: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادنی رجل من اصحابی (ترمذی شریف) عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے جیسی میری فضیلت میرے صحابہ میں سے ادنیٰ شخص پر۔ یونہی بہت سی روایتیں اس بارے میں ہیں پس اگر کوئی عابد کہے کہ اس حدیث مبارکہ میں باعمل علمائے کرام کی فضیلت مراد ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمہیں معلوم نہیں۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (ھود 114) بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔ جیسے یہ ہو سکتا ہے کہ عالم سے علم کی وجہ سے پوچھ گچھ ہو۔ یونہی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عالم کی نجات کا وسیلہ علم بن جائے اور کفارہ سئیات بھی بن جائے۔ ان دونوں باتوں کا ثبوت اخبار سے ثابت ہے۔ عابد سے چونکہ امر پوشیدہ ہے اسے معلوم نہیں ہو سکتا کہ علم عالم کے حق میں کیسا ہوگا

اس لیے عالم کی حقارت نہیں کرنی چاہئے بلکہ عالم دین کے سامنے تواضع ہی اختیار کرنی چاہئے۔

فائدہ: اس تقریر کی وجہ سے کسی عالم کو عابد سے اپنے نفس کو اچھا نہیں سمجھ بیٹھنا چاہئے کیونکہ حدیث مبارکہ کے اعتبار سے تو اسے فضیلت میسر ہے مگر پھر بھی خاتمے کا حال تو مشکوک ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مرنے کے وقت کوئی ایسا کام اس سے سرزد ہو جائے جو اللہ کے نزدیک جاہل فاسق سے بھی برا ہو اور یہ عالم صاحب اسے معمولی سمجھتا ہو مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ گناہ بہت بڑا ہو۔ جب یہ ہو سکتا ہے تو عالم کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے نفس کے بارے میں خوف کرتا رہے۔

فائدہ: غرضیکہ کہ کوئی عالم ہو یا عابد ہر ایک کے لیے لازم ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے نفس کا خوف ضرور کرے اور اسی کا ہی انہیں حکم ہے جبکہ کسی دوسرے کے نفس پہ خوف کرنے کے لیے مامور نہیں کیا گیا۔ محض اپنے ہی نفس پہ ہمیشہ خوف کرتا رہے اور کسی دوسرے کے لیے رجا اور ان باتوں کے سبب تکبر سے محفوظ رہے گا۔ یہ حال تو عابد کا کسی عالم کے ساتھ ہے۔

غیر عالم پہ عابد کا تکبر: غیر عالم کی دو اقسام ہیں۔ (1) مستور الحال (2) ظاہر حال۔

(1) مستور الحال: جن لوگوں کے حال سے واقفیت حاصل نہیں ہے ان پہ بھی تکبر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ہو سکتا ہے وہ عابد سے کم گناہ گار ہوں اور اس سے عبادت گزار بھی زیادہ ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت بھی زیادہ رکھتے ہوں۔

(2) ظاہر حال: عابد پہ جن لوگوں کا حال ظاہر ہو ان پہ بھی تکبر اس وقت ہی کر سکتا ہے کہ جب اسے پتہ چل جائے کہ اس نے ساری عمر میں ان سے کم گناہ کیے ہیں چونکہ ساری زندگی اپنے گناہوں کی بھی تعداد معلوم نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کسی غیر کے گناہوں کی تعداد معلوم ہو سکتی ہے تو یہ معلوم ہونا بھی ناممکن ہے کہ ہمارے گناہ دوسرے کے گناہوں سے کم ہیں اسی لیے کسی دوسرے پہ تکبر کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ ہاں یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ فلاں شخص نے گناہ کبیرہ مجھ سے زیادہ کیے ہیں مثلاً اگر کسی کو دیکھا کہ اس نے ناحق قتل کر دیا یا زنا کیا یا شراب پی تو پتہ چل گیا کہ اس کا گناہ زیادہ سخت ہے۔ پھر بھی اس کے باوجود تکبر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ دل کے گناہ مثلاً کبر' حسد' ریا' خیانت' باطل' اعتقاد اور وسوسہ یا اس جیسی بری صفتیں تمام ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت سخت ہیں تو اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ عابد صاحب سے کوئی ایسا ہی گناہ باطن میں سرزد ہو جائے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غضب حق تعالیٰ کا مستحق ٹھہر گیا ہو اور فاسق سے کوئی ایسی قلبی اطاعت' اخلاص یا محبت الٰہی یا خوف یا تعظیم جیسی ہو گئی ہو جو عابد میں نہ پائی جاتی ہو اللہ تعالیٰ محض اسی اطاعت کے بدلے اس کے تمام گناہ معاف کر دے اور قیامت کے دن اس کا حال کھلے جبکہ عابد اس فاسق کی نسبت اپنے نفس کو اعلیٰ سمجھے۔ بہر حال فاسق کا حال بہتر ہونے کا امکان

پایا جاتا ہے جبکہ عابد کا برا ہو جانے کا ایک ضعیف و بعید احتمال بھی موجود ہے لیکن یاد رکھئے بعیدی احتمالات جو اپنے لیے نقصان دہ ہوں انہیں قریب ہی سمجھنا چاہئے بشرطیکہ اپنے نفس کا خوف ہو اس لیے کسی دوسرے کی فکر نہیں کرنی چاہئے بلکہ جو چیز اپنی ذات کے لیے خوفناک ہے صرف اسی کی فکر کرنی چاہئے کیونکہ اپنا گناہ دوسرا تو کوئی نہیں اٹھائے گا اور نہ ہی کسی دوسرے کے عذاب اپنا کم نہیں ہوگا اس قسم کی باتوں پہ غور کرنے کی وجہ سے طبیعت تکبر کی طرف سے ہٹتی ہے اور اپنی ذات کو دوسرے سے بہتر نہیں سمجھتی۔

فائدہ: حضرت وھب بن منبہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب بندے کی عقل کامل ہوتی ہے تو اس میں دس خصلتیں پیدا ہو جاتی ہیں تو ان میں سے نو بیان کرنے کے بعد دسویں خصلت یہ بیان فرمائی کہ دسویں خصلت سے بزرگی کی حفاظت ہو جاتی ہے اور ترقی ہوتی ہے اور وہ خصلت مبارک یہ ہے ہر ایک کو اپنے سے بہتر سمجھنا چاہئے اس کے نزدیک آدمی دو قسم کے ہیں۔ ایک قسم تو ان کی ہے جو اس سے افضل و اعلیٰ ہیں اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو اس سے گھٹیا درجے کے ہیں تو اسے ان دونوں اقسام کے آدمیوں کے ساتھ تواضع اختیار کرنی چاہئے۔

فائدہ: اگر کسی کو اپنے سے بہتر دیکھے تو خوش ہو کر خواہش کرنی چاہئے کہ اللہ کرے میں بھی ایسا ہی بن جاؤں اور اگر اپنے سے برے کو دیکھ لے تو کہنا چاہئے کہ ہو سکتا ہے یہ نجات حاصل کرلے اور میں کہیں ہلاک نہ ہو جاؤں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اپنے باطن میں کوئی خیر کرتا ہو جو اس کے حق میں بہتر ہو اور اسے میں نہ جانتا ہوں یا اس کے علاوہ کوئی اور اچھی عادت اس میں پائی جاتی ہو کہ جس کی وجہ سے اس پہ اللہ تعالیٰ رحم فرمادے اور اس کی توبہ قبول فرمالے اور اس کا خاتمہ بالخیر ہو جبکہ میری نیکی تو ظاہری ہے ہو سکتا ہے کہ یہ میرے حق میں بہتر نہ ہو اور ظاہری طور پر جو طاعت میں نے کی ہے ہو سکتا ہے اس میں کوئی برائی پیدا ہو گئی ہو جس کی وجہ سے اس کا ثواب باطل ہو گیا ہو جب یہ دونوں قسم کے لوگوں سے اس انداز فکر سے پیش آئے گا تو پھر اس کی عقل کامل ہوگی اور اپنے وقت میں سرداری کے مقام پہ فائز ہو گا۔

فائدہ: پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو شخص بد بخت ہو سکتا ہے اور اس پہ تقدیر کا قلم بھی اپنا رنگ دکھا چکا ہے تو اسے تو کسی بھی حال میں تکبر نہیں کرنا چاہئے۔ اگر کسی پہ خوف غالب ہوتا تو وہی شخص ہر شخص کو اپنی ذات سے بہتر جانتا ہے اور اس کا نام ہی فضیلت ہے۔

حکایت: روایت ہے کہ کسی پہاڑ پہ ایک عابد جا رہا تھا۔ سوتے ہوئے خواب میں اسے حکم دیا گیا کہ اپنے لیے فلاں موچی سے دعا کراؤ۔ وہ عابد اس موچی کے پاس حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ ایسا تیرا کون سا عمل ہے؟ اس نے جواب دیا کہ دن کے وقت روزہ رکھ کر میں مزدوری کرتا ہوں اس مزدوری میں سے کچھ صدقہ خیرات کر دیتا ہوں اور کچھ اپنے بال بچوں کو کھلاتا ہوں۔ عابد کہنے لگا یہ عمل تو واقعی اچھا ہے مگر ایسا نہیں ہے جیسا کہ صرف حق تعالیٰ کی اطاعت

کے علاوہ کوئی اور عمل نہ کرے۔ دوسری بار پھر اسے خواب میں حکم ہوا کہ موچی کے پاس جا کر اس سے پوچھ کہ تیرا رنگ زرد کیوں ہے؟ پھر اس نے آکر جب موچی سے دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ مجھے جو آدمی بھی نظر آتا ہے۔ میں یہی تصور کرتا ہوں کہ یہ تو نجات حاصل کرلے گا میں ہلاکت میں پڑ جاؤں گا۔ تب اس عابد نے کہا یہ شخص اس وجہ سے مقبول ہے۔

فضیلت خوف: اس فضیلت مبارک یعنی خوف کی فضیلت قرآن مجید سے بھی ثابت ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے۔

"(1) وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ (پ 18 مومنون 60) اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیں اور ان کے دل ڈر رہے ہیں یوں کہ ان کو اپنے رب کی طرف پھرنا ہے۔ طاعات تو بجا لاتے ہیں مگر پھر بھی ان طاعات کے قبول ہونے کا بڑا خوف رکھتے ہیں۔ مزید اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ (2) اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ (مومنون 57) بے شک وہ جو اپنے رب کے ڈر سے سہمے ہوئے ہیں۔ اور فرمایا کہ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ (پ 27 طور 26) بولے بے شک اس سے پہلے ہم اپنے گھر میں ڈرتے رہتے تھے۔ اور اس کے باوجود کے ملائکہ کرام گناہوں سے پاک اور ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے ہیں مگر پھر بھی ان کا کمال بھی خوف ہی کہا جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے کہ یسجون الیل والنھار لا یفترون ھم من خشیتہ ربھم مشفقون دن رات یاد کرتے نہیں تھکتے وہ اس کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں۔

پس جب خوف اور احتیاط ختم ہو جاتی ہے تو پھر ہی کبر ذہن میں آتا ہے۔ خاتمے کے وقت بے خوفی کا غلبہ خود بخود ہی نکل جاتا ہے۔ کبر اختیار کرنا ہی اصل میں بے خوفی کی دلیل ہے۔ کبر اور بے خوفی دونوں ہی ہلاک کرنے والی ہیں جبکہ تواضع خوف کی دلیل ہے یہی نجات کا سبب ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا ہے کہ جو عابد اپنے دل میں کبر رکھتا ہو اور دوسرے لوگوں کی حقیر نظروں سے دیکھتا ہو ظاہری طور پر اعمال صالح کا عامل بھی ہو تو پھر جتنی برائی کبر کی وجہ سے پیدا ہوگی صالح اعمال کی وجہ سے اتنی بھلائی حاصل نہیں ہوگی۔ یہ تمام ایسی باتیں ہیں کہ انہیں جاننا کبر کی بیماری کو دل سے دور بھگا دیتا ہے۔ ان کے علاوہ کسی بھی چیز سے کبر نہیں ختم ہوتا مگر یہ کہ اس معرفت کے بعد نفس اپنے اندر پوشیدہ طور پر تواضع رکھتا ہے۔ برات کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے مگر جب کوئی بلا سر پہ آپڑتی ہے تو پھر اپنی اصلیت پر آجاتا ہے اور اپنے وعدے کو طاق نسیان میں رکھ چھوڑتا ہے۔

فائدہ: اس بحث سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ کبر کو صرف پہچان لینا ہی علاج کے لیے کافی نہیں بلکہ اسے بذریعہ عمل پورا کرنا چاہئے کبر کی پہچان تواضع میں متواضعین کے فعلوں سے نفس کا امتحان لینا چاہئے اس کے امتحان تو کافی ہیں۔

باطنی احوال جانچنے کے امتحانات: نفس کا امتحان لینے کے لیے طریقے تو بہت پائے جاتے ہیں مگر پانچ امتحانات سے باطنی حال معلوم ہو جاتا ہے۔

امتحان نمبر1: باطنی احوال جانچنے کے لیے پہلا امتحان یہ ہے کہ کسی اپنے ہم مرتبے سے کسی مسئلہ کے بارے میں مناظرہ ہوا اس وقت فریق مقابل کے منہ سے امر حق جاری ہوا تو اگر اس امر حق کو تسلیم کرنا' مد مقابل کا شکر ادا کرنا اور بیان حق پہ مدمقابل کی شان بیان کرنا بھاری محسوس ہو تو جاننا چاہئے کہ ابھی تک میرے وجود میں کبر پوشیدہ ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کا خوف کرنا چاہئے اوراس کبر کے علاج میں مشغول ہو جانا چاہئے۔ پہلے علمی علاج اختیار کرے کہ اپنے نفس کو اس کا ذلیل ہونا یاد دلائے اور خاتمے کا تردد یاد کریں۔ نیز یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے لیے بھی شایان شان نہیں۔ اس کا علمی علاج یوں کرے کہ حق کا قبول کرنا جو نفس پہ بھاری ہے اسے جبراً قبول کرے اور بتکلف اپنی زبان پہ مدمقابل کی تعریف بیان کرے۔ نیز اس کا شکریہ بھی ادا کرے کہ آپ نے بہت اچھی بات بتائی ہے -میں اس سے غافل تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے جب اسی طرح چند بار مسلسل کرے گا تو یہ بات اس کی فطرت بن جائے گی۔ امر حق کا قبول کرنا اس کے دل پہ مشکل نہیں ہوگا جب تک آدمی کے لیے اپنے ہمسروں کی تعریف کرنا گراں محسوس ہو تو اس وقت اس میں کبر موجود ہے اور اگر تنہائی میں گراں محسوس ہو جبکہ اجتماع میں تعریف و توصیف بیان کرنا ناگوار معلوم ہوتا ہے تو پھر کبر تو نہیں ہے مگر ریا پھر بھی ہے۔ پھر ریا کا علاج کرنا چاہئے۔ جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ لوگوں سے لالچ ختم کردے اور یہ بات دل کو یاد دلائی جائے کہ اس کا اسی میں فائدہ ہے کہ خود اس میں کوئی نہ کوئی ایسا کمال ہونا چاہئے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہو نہ کہ مخلوق کے نزدیک اس جیسی دوسری باتیں بھی ہم نے ریا کے علاج کے تحت بیان کردی ہیں سوچوں میں لائے اور اگر خلوت اور مجمع دونوں مقام پہ گراں گزرے تو کبرو ریا دونوں موجود ہوں گے۔ اس صورت میں صرف ایک چیز سے نجات ملنے کی صورت میں کوئی فائدہ نہیں جب تک کہ دوسری بیماری سے بھی نہ بچے اس لیے ان دونوں کا علاج کرنا چاہئے کیونکہ دونوں امراض ہی مہلک ہیں۔

امتحان نمبر2: اس سلسلے میں دوسرا امتحان یہ ہے کہ اپنے ہمسروں کے ساتھ محافل میں اکٹھا اور انہیں اپنی ذات پہ ترجیح دے۔ چلتے وقت ان کے پیچھے پیچھے ہی چلے۔ صدر جگہ پہ بھی ان کے پیچھے ہی بیٹھے۔ نفس پہ یہ بات اگر گراں گزرے تو سمجھ لینا چاہئے کہ متکبر ہے۔ اس پہ بتکلف ہمیشگی اختیار کرے۔ یہاں تک کہ یہ گرانی دل سے ختم ہو جائے۔ اس کے ساتھ ہی کبر بھی بھاگ جائے گا۔ ایسی صورت میں ایک شیطانی دھوکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ آدمی جوتیوں کے پاس بیٹھتا ہے یا اپنے ہمسروں اور اپنے مابین کسی نیچ قوم کو بٹھا دیتا ہے کہ میں نے تواضع اختیار کی ہے مگر درحقیقت اس میں کبر ہوتا ہے کیونکہ متکبرین کے نفس پہ یہ بات سہل معلوم ہوتی ہے۔ نیز یہ وہم کرتے ہیں کہ ہم

نے استحقاق کے باوجود اپنی جگہ چھوڑ دی ہے تو حقیقت میں پھر بھی تکبر اختیار کرتے ہیں کہ اس طرح تواضع کا اظہار کر کے تکبر اختیار کرتے ہیں بلکہ کرنا تو اس طرح چاہئے کہ اپنے ہمسروں کے پاس ہی بیٹھے مگر پھر بھی ان سے دب کر بیٹھے۔ اس طرح دب کر بیٹھنا تکبر کی برائی دل سے نکال پھینکتا ہے۔

امتحان نمبر 3: اس کا تیسرا امتحان یہ ہے کہ اگر کوئی فقیر دعوت کرے تو اسے قبول کرے۔ دوستوں اور عزیزو اقارب کی ضرورتوں کے لیے بازار میں بھی جائے۔ یہ امر اگر گراں گزرے تو پھر کبر ہے کیونکہ یہ کام مکارم اخلاق میں سے ہے۔ ان کے کرنے پہ بہت عظیم ثواب ہے۔ پھر جو نفس ان افعل مبارکہ سے نفرت کا اظہار کرے تو خبث باطنی کے علاوہ کوئی بھی وجہ نہیں ہے۔ اگر یہی حال تو پھر اسے دور کرنے میں مشغول ہو جانا چاہئے۔ کبر کی مرض دور کرنے کے ضمن میں جو معارف ہم نے بیان کئے ہیں ان تمام کو یاد کرلیں۔

امتحان نمبر 4: اپنے، اپنے اہل و عیال اور دوستوں کے کام کی چیز بازار سے گھر لائے۔ اگر یہ کام کرنے کو نفس تسلیم نہ کرے تو سمجھ لیجئے کہ یہ مرض کبر ہے۔ پھر اگر تنہائی میں گراں نہ گزرے تو پھر یہ ریا ہے۔ بہرحال کبر اور ریا یہ ترک کردیا اور بدن کا علاج کرتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ بدن کا علاج کریں یا نہ کریں۔ انہیں بلاشبہ موت آئے گی اور سلامتی کے بغیر دلوں کو سعادت مل سکتی ہی نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ مگر جو کوئی اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آیا۔ (کنز الایمان: الشعراء ۸۹)

حکایت: حضرت عبداللہ سلام رضی اللہ عنہ نے ایک بار ایک لکڑیوں کا گٹھا اٹھایا تو لوگوں نے آپ کی خدمت عالیہ میں عرض کیا کہ آپ کے پاس تو نوکر چاکر تھے جو یہ کام کرتے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اس طرح میں نے اپنے نفس کا امتحان لیا ہے کہ اسے برا تو نہیں جانتا۔

فائدہ: آپ کی ہمت ملاحظہ فرمائیں کہ صرف اپنے نفس کے عزم پہ ہی کفایت نہ فرمائی بلکہ امتحان بھی کرلیا کہ یہ سچا بھی ہے یا جھوٹا ہے۔

حدیث شریف: ایک حدیث شریف میں بھی ہے کہ خود بخود جو کوئی میوہ یا انجیر وغیرہ لے آئے وہ کبر سے بری ہے۔

امتحان نمبر 5: گھٹیا قسم کے کپڑے پہنے، خلوت میں اگر ان کپڑوں کے پہننے کی وجہ سے خوش نہ ہو تو پھر یہ کبر ہوگا اور اگر مجمع میں ایسے کپڑے پہننے سے نفرت کرے تو یہ ریا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ رات کے وقت ٹاٹ کا لباس پہنتے تھے۔

حدیث شریف: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اونٹ باندھے اور اون کا لباس پہنے

تو وہ کبر سے بری ہے۔

حدیث شریف: آپ نے فرمایا میں بھی بندہ ہوں' کھانا کھاتا' اون کا لباس پہنتا' اونٹ کو باندھتا اور کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹتا اور غلام کی دعوت منظور کرتا ہوں میرے (اس) طریقے سے جو پھر گیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔ روایت ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کسی نے عرض کیا کہ جمعتہ المبارک میں بعض لوگ اس لیے حاضر نہیں ہوتے کہ ان کے پاس کپڑے نہیں تو آپ نے صرف ایک ہی عبا پہن کر لوگوں کو نماز پڑھائی۔

ریا اور کبر: مختصر یہ کہ یہ ایسے مقامات ہوتے ہیں کہ ان میں ریا اور کبر دونوں ہی جمع ہو جاتے ہیں جو خاص مجمع سے ہے اسے ریا کہتے ہیں اور جو خلوت میں ہو اسے کبر کہا جاتا ہے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کیونکہ جو شر کو نہیں جان سکے گا اس سے بچ نہیں سکے گا اور جو مرض تلاش نہ کر سکے گا وہ اس کا علاج بھی نہیں کر سکے گا۔

تواضع کی حد: دوسرے اخلاق کی طرح تواضع کے بھی تین درجات ہیں۔
درجہ نمبر ا پہلا درجہ زیادتی کی طرف زیادہ جھکا ہوا ہے' اس کا نام تکبر ہے۔
درجہ نمبر 2 یہ درجہ کمی کی طرف جھکا ہوا ہے' خست و ذلت اس کا نام ہے۔
درجہ نمبر 3 یہ درجہ ان دونوں کے درمیان ہے یعنی اوسط کا درجہ اس کا نام تواضع ہے۔
اچھی بات یہی ہے کہ درمیانے درجے کو اپنانا چاہئے کہ جس میں نہ تو ذلت و خست کی نوبت آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اوسط امور محبوب ہیں۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ ہمسروں سے جو بڑھنا چاہے وہ متکبر ہے اور جو ہمسروں سے پیچھے رہنا چاہے وہ شخص تواضع اختیار کرنے والا ہے۔ مشتق وضع رکھنے کے معنی ہیں یعنی جتنی قدر کا مستحق ہے اس سے بھی کمی کو اختیار کرنے والا اور اگر کوئی عالم کسی موچی کے لیے اپنی جگہ چھوڑ دے۔ بعد ازاں اٹھنے کے وقت اس کی جوتی کو سیدھا کر کے رکھے اور اسے پہنچانے کی غرض سے دروازے تک جائے تو یہ کام اس کے لیے ذلت و رسوائی والا ہے۔ یہ کام بھی اچھا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک میانہ روی عمدہ بات ہے۔ ہر حق والے کو اس کا حق دینا چاہئے۔ ایسی تواضع اختیار کرنا تو ہمسروں کے لیے مناسب ہے یا جو شخص اپنے مقام کے نزدیک ہو اور عام بازاری کے لیے تو عالم کی تواضع اتنی ہی چاہئے کہ عام شخص سے خندہ پیشانی سے مل کر بات نرم مزاجی سے دریافت کرے۔ اگر وہ شخص اس کی دعوت کرے تو اس کی یہ دعوت قبول کرنی چاہئے جتنا ہو سکے اس کی حاجت پوری کرنے کے لیے کوشش کرے۔ اس کی خاطر کھڑا ہو جائے۔ اس سے اپنے آپ کو بہتر نہ سمجھے۔ اپنی ذات پہ اس کی نسبت زیادہ ڈرتا رہے۔ اسے حقیر نظروں سے نہ دیکھے کیونکہ اپنے اور اس کے خاتمے کا کوئی پتہ نہیں۔

خلاصہ کلام: اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے ہمسروں اور کم رتبہ والے لوگوں سے تواضع کرے تاکہ

اس کے لیے اعلیٰ تواضع کا عادی ہونا آسان ہو جائے اور اگر یہ کام مشکل معلوم ہو تو تکلفانہ طور پر ان امور کو سرانجام دے۔ پھر متکلف کہلائے گا متواضع نہیں کیونکہ خلق وہی ہوتا کہ جس کی وجہ سے وہ کام آسانی سے سرانجام پائے اور اگر سہولت بھی اس درجے کو پہنچ جائے کہ اپنی قدر کی رعایت مشکل ہو جائے اور خوشامد اور ذلت تک معاملہ پہنچ جائے تو حالت بھی حد سے بڑھنا ہے۔ جب یہ صورتحال پیدا ہو جائے تو پھر اپنے نفس کو کچھ قدرے برتری سے نوازنا چاہیے یہاں تک کہ میانہ روی حاصل ہو جائے اس لیے کہ مومن کو اپنے نفس کا ذلیل و رسوا رکھنا صحیح نہیں ہے اور اوسط درجہ جسے صراط مستقیم سمجھنا چاہیے اس خلق اور دوسرے اخلاق میں بہت کم ہی فرق ہے مگر بخل کی نسبت دوسرے لوگوں کے نزدیک ہونا زیادہ بہتر ہے۔ حد سے زیادہ اسراف اور حد سے زیادہ بخل یہ دونوں صفتیں ہی بری ہیں۔ دونوں ہی ایک دوسری سے بڑھ کر برائی ہیں۔ اسی طرح ہی بہت زیادہ تکبر اور بہت ہی زیادہ ذلت یہ دونوں بھی بری صفتیں ہیں۔ یہ دونوں ہی ایک دوسری سے زیادہ بری صفتیں ہیں اور بہترین صفت میانہ روی ہے یعنی تمام امور کو ان کے مستحق مقام پہ رکھنا جسے شریعت اور عرف حکم دے۔ اب اخلاق کبر اور تواضع کے بارے میں اتنی تفصیلات پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

خودپسندی

مذمت خود پسندی: خود پسندی کی مذمت قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا (پ 10 توبہ 25) ترجمہ کنزالایمان: اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی۔ اسے انکار کی حیثیت سے ذکر فرمایا ہے کہ یہ خود پسندی اچھی نہیں تھی۔ وَظَنُّوا أَنَّهُم مَّانِعَتُهُمْ حُصُونُهُم مِّنَ اللَّهِ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا (پ 28 حشر 2) تمہیں گمان نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ سمجھتے تھے کہ ان کے قلع انہیں اللہ سے بچالیں گے تو اللہ کا حکم ان کے پاس آیا جہاں سے ان کا گمان بھی نہ تھا۔ (کنز الایمان)

اس آیت مبارکہ میں کافروں پہ قلعوں اور شان و شوکت کی وجہ سے خود پسندی کرنے کا انکار بیان ہوا ہے۔ وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (کہف 104) اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں (کنز الایمان) اس آیت کریمہ کا نتیجہ بھی خود پسندی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بندہ گناہ والے پہ بھی خودپسندی کا شکار ہو جاتا ہے۔ جس طرح کہ نیکی کے کام میں خود پسندی کرتا ہے۔

احادیث مبارکہ: (۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ثلث مهلكات شح مطاع هوى متبع واعجاب المرء بنفسه تین چیز ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں۔ بخل جس کا آدمی مطیع ہو۔ خواہش نفس کہ جس

کا وہ پیروکار ہو اور اپنے نفس کو بڑا جاننا۔

(2) حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے امت کے آخر کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تو جب بخل کی پیروی اختیار کرے خواہشات نفسانی کی اتباع اور دانشمند سمجھے جانے والوں کی خودسری کو ملاحظہ کرے تو خود بخود علیحدگی اختیار کرلینا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہمانے ارشاد فرمایا کہ دو باتوں میں ہلاکت ہے۔ ایک ناامیدی ہے اور دوسری بات عجب ہے۔ نیز یہ بات اس لیے ارشاد فرمائی کہ سعادت دو باتوں میں پائی جاتی ہے۔ طلب اور کوشش، مستعد ہونا۔ ناامیدی کا شکار بندہ کوشش اور طلب کرتا ہی نہیں۔ یونہی عجب کا شکار بندے کا عقیدہ بن جاتا ہے کہ میں خوش بخت ہوں اور اپنی منزل سعادت حاصل کرچکا ہوں اور تحصیل حاصل اور امر محال کو کوئی بھی طلب نہیں کرتا۔ عجب والا سمجھتا ہے کہ مجھے سعادت میسر ہو چکی ہے اس لیے سعادت کے حاصل کرنے سے محروم رہتا ہے۔ ناامید سمجھتا ہے کہ مجھے سعادت مل سکتی ہی نہیں اس لیے عاجز ہے۔ اسی بنا پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے ان دونوں باتوں کو یکجا کرکے مہلک کہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ فَلَا تُزَكُّوٓا اَنْفُسَكُمْ (النجم 32) تو آپ اپنی جانوں کو ستھرا نہ بتاؤ۔ (کنزالایمان)

فائدہ: حضرت ابن جریج رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت مبارکہ کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ جب بندہ کوئی نیک کام کرے تو اس طرح نہ کہے کہ یہ میں نے کیا ہے۔ حضرت زید بن اسلم رحمتہ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ اپنے نفسوں کے بارے میں یہ خیال نہ کیجئے کہ یہ نیکوکار ہیں اور عجب کا یہی مطلب ہے۔

حکایت: نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بچانے کے لیے آپ پر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ گر پڑے تاکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محفوظ رہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچنے والی تکلیف مجھے پہنچے۔ اس طرح حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی ہتھیلی مبارک زخمی ہوگئی چونکہ آپ سے یہ کام بڑا بہترین ہوا تھا کہ آپ نے اپنی جان بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہ نثار کردی تھی۔ اسی بنا پر ان کی نظروں میں اس کام کی بہت عظمت تھی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے اس عجب کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی فراست کے ذریعے معلوم کرکے ارشاد فرمایا کہ طلحہ رضی اللہ عنہ کی انگلی جب سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ زخمی ہوئی ہے اس وقت سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ میں عجب کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہمانے شورے کے وقت حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا ذکر فاروق اعظم سے کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا نخوت کی بو اس میں ہے۔

فائدہ: غور و فکر کرنے کا مقام ہے جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جیسے بزرگوں کے بارے میں (صحابہ کرام کی احتیاط

اور عمل کا) یہ حال ہے تو ہم جیسے ضعیفوں کا کیا حال ہو گا۔ حضرت مطرف رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ساری رات سوتا رہوں اور صبح اس غفلت کی نیند کی وجہ سے یہ بات بہتر سمجھتا ہوں کہ تہجد بھی پڑھوں اور اس وجہ سے صبح عجب اختیار کروں۔

حدیث پاک: حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لولم تزنبو الخشیت علیکم ماھو الکبر من ذالک العجب العجب اگر تم گناہ نہ کرو تو مجھے تم پر اس سے بھی بڑی چیز کا خوف ہے وہ عجب ہے
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک حدیث مبارکہ میں تمام گناہوں سے بڑا گناہ عجب کو کہا ہے تھا کہ آپ کو دیکھنے سے اللہ اور قیامت کا دن یاد آجاتا تھا۔ آپ نے ایک دن نماز بڑی لمبی ادا کی۔ اس دن ایک آدمی آپ کو پیچھے سے دیکھتا رہا۔ سلام پھیر کر آپ نے اسے فرمایا کہ تو نے جو حال میرا دیکھا ہے اس سے حیران نہ ہوجانا کیونکہ ابلیس نے تو فرشتوں کے ساتھ عرصہ دراز عبادت کی تھی مگر اس کا انجام جو ہوا سو ہوا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے دریافت کیا کہ آدمی کب برا ہوتا ہے تو جواباً آپ نے ارشاد فرمایا جب وہ بندہ خود گمان کرنے لگے کہ میں اچھا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى اپنے صدقات احسان رکھ کر اور ستا کر ضائع نہ کرو۔ یعنی صدقے کو بڑا جاننے کا ہی نتیجہ احسان جتانا ہے اور کسی عمل کو بڑا جاننا ہی عجب ہے اس سے واضح ہوگیا کہ عجب اختیار کرنا قطعاً برا فعل ہے۔

عجب (خود پسندی) کے نقصانات: کبر کے اسباب میں سے عجب یعنی خود پسندی بھی ایک سبب ہے اس لیے خود پسندی سے کبر پیدا ہوتا ہے اور اس سے کافی آفتیں معرض وجود میں آتی ہیں اور یہ تو بندوں کے ساتھ ہیں یہی اگر اللہ کے ساتھ دیکھے تو پھر اس سے اتنی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں کہ شمار سے باہر کے گناہوں کو طاق نسیان میں پھینک دینا کہ بعض کو یاد اور تلاش بھی نہیں کرتا۔ اس گمان کی وجہ سے کہ مجھے اب کوئی پروا نہیں کہ اسے تلاش کرتا پھروں۔ اسے فراموش کر دیتا ہے اور کسی گناہ کو یاد کر بھی لے (بھولے سے تو) اسے گناہ صغیر کے کھاتے میں ڈال دیتا ہے۔ اسے بخشوانے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ اس کے بارے میں یہ گمان کرتا ہے کہ یہ تو معاف ہو ہی جائے گا۔ عبادت اور اعمال کو بڑا سمجھنا' ان پہ خوش ہونا' ان کے کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پہ احسان کرنا' حق تعالیٰ کی نعمتوں کو بھول جانا کہ میں نے یہ عمل مبارک تو محض اس کی توفیق اور قدرت سے ہی کیا ہے۔ پھر جب بندہ اپنے اعمال پہ عجب اختیار کرتا ہے تو پھر وہ اس کی آفتوں سے آنکھیں بند کرلیتا ہے۔ جو بندہ اپنے اعمال کی آفتوں کو نہ جانے تو ایسے شخص کی اکثر و بیشتر سعی ضائع ہو جاتی ہے۔ مثلاً اگر ظاہری اعمال پاک' صاف' خالص اور ملاوٹ سے پاک نہ ہوں تو پھر ایسے اعمال نفع بہت کم دیں گے۔ آفتوں کی جستجو اسی کی ہوا کرتی ہے جس پہ خوف کا غلبہ ہو۔ خود پسندی اختیار کرنے والا تو اپنے نفس اور اللہ پہ مغرور ہوتا ہے۔ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ سمجھتا

ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میرا خاص مقام ہے۔ گویا جسے سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر میرا حق اور احسان ہے۔ یعنی وہ عمل کہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمتوں اور عطاؤں میں سے ہے۔ ان کے کرنے کی بنا پر وہ اپنے آپ کو ایسا سمجھتا ہے اس لیے اپنے نفس کی تعریف بیان کرتا ہے۔ جب اپنی رائے، عمل اور عقل و دانش پہ عجب واقع ہوتا ہے تو ایسا شخص کسی سے استفادہ کرنے، مشورہ لینے اور پوچھنے سے محروم رہتا ہے اس لیے وہ اپنی ہی رائے پہ اصرار کرتا رہتا ہے اپنے سے بڑے عالم سے پوچھنے کو بھی برا خیال کرتا ہے اور اس کی اکثر و بیشتر رائے مبنی بر خطا پر عجب کرکے اسی لیے خوش ہوتا ہے کہ یہ بات میرے دل میں گزری ہے حالانکہ یہی بات کسی دوسرے کے دل میں پیدا ہوتی تو پھر اس پر بھی خوش نہ ہوتا۔ اس پر اصرار محض اس لیے کرتا ہے یہ رائے اگر تو کسی دنیوی امر میں ہوتی ہے تو پھر مقصد کے حصول سے محروم رہتا ہے اور اگر دینی امر میں خصوصاً عقائد میں ہو تو پھر اس کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور اگر یہ اپنی رائے پہ اندھا اعتماد نہ کرتا اور قرآنی نور سے اقتباس کے لیے علمائے دین متعین کی مدد حاصل کرتا اور درس علم پر مواظبت اختیار کرتا، اہل بصیرت بزرگوں سے متواتر پوچھتا رہتا تو حق تک پہنچ جاتا۔ خلاصہ کلام یہ کہ اس جیسی برائیاں عجب یعنی خود پسندی سے پیدا ہو جاتی ہے اس لیے عجب کو مہلکات میں شمار کرتے ہیں اور عجب کی سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ بندہ اس گمان کی وجہ سے بے پروا ہو جائے کہ میں اپنی منزل مقصود تک پہنچ گیا ہوں اور سعی میں سستی اختیار کرتا ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ امر تو عین تباہی و بربادی ہے۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔ آمین۔

خود پسندی کی تعریف: کمال یقینی میں ہی عجب ہوتا ہے۔ اپنے نفس کا کمال کسی علم، عمل یا مال میں جو شخص جانتا ہے ایسے شخص کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ (1) وہ کمال ختم ہونے یا چھین لیے جانے یا بدل جانے کا اسے ڈر لگا ہوا ہو تو پھر ایسی حالت میں بندہ عجب والا نہیں کہلائے گا۔

(2) اس کمال کو زوال آنے کا خوف تو نہیں مگر چونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ کمال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے اس لیے خوش ہوتا ہے اس حیثیت سے نہیں کہ یہ کمال میری طرف منسوب ہے تو ایسا شخص بھی عجب کی بیماری کا مریض نہیں۔

(3) ان دو حالتوں کے علاوہ ایک اور حالت ہوتی ہے اس کا نام عجب ہے۔

عجب: عجب یہ ہے کہ کمال کے زوال کا خوف بھی نہ ہو اور اسے خوشی اس وجہ سے ہو کہ یہ کمال اور بلندی اللہ تعالیٰ کی نعمت اور عطا ہے بلکہ وہ مطمئن اور خوش اس لیے ہو کہ یہ کمال میری اپنی ذات کی طرف منسوب ہے اور یہ کمال میرا ذاتی وصف ہے اور اسے میں نے ہی پیدا کیا ہے۔ ایسی حالت میں اس کے دل پر جب یہ بات غالب ہو جائے کہ یہ کمال تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا مجھ سے چھین لے گا تو اس کا عجب ختم ہو جائے گا۔ معلوم ہوا کہ عجب یہ ہے کہ کمال نعمت کو بڑا جانتے ہوئے اس پر مطمئن ہو اور اسے نعمت عطا کرنے والے

کی طرف اس نعمت کے منسوب ہونے کو یاد ہی نہ رکھے۔ اس عجب پہ اگر انہی سے بات کا اگر میرا اتنا بڑا مقام ہے کہ اپنے اتنے عظیم مقام کی وجہ سے ہی میں نے دنیا میں بڑائی کی توقع کی ہے اور یہ بات بھی بعید ہے کہ مجھے دوسرے بدکاروں کی طرح کوئی تکلیف پہنچے تو اس کا نام ادلال بالعمل یعنی اپنے عمل پہ فخر کرنا کہلاتا ہے۔ گویا یوں سمجھیں کہ یہ اچھا عمل کیا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے نفس کا نازبردار سمجھتا ہے۔ یہ صورت دنیا میں بھی ہوتی ہے کہ بندہ کسی کو کوئی چیز دے کر اسے بڑا کام سمجھتا ہے اور اس پر یہ احسان سمجھتا ہے۔ یہ صورت دنیا میں بھی ہوتی ہے کہ بندہ کسی کو کوئی چیز دے کر اسے بڑا کام سمجھتا ہے اور اس پر یہ احسان جانتا ہے اس بات کی وجہ سے عجب کرتا ہے لیکن اگر اس کے بدلے خدمت چاہے یا اس سے کوئی سوال کرے یا اگر اس کی ضرورت کے وقت وہ سخت محنت نہ کرتے تو اسے بعید جانے تو اسے ناز کہتے ہیں۔

تفسیر: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں کہ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (پ 29 سورہ مدثر آیت 4) اور زیادہ لینے کی نیت سے کسی پر احسان نہ کرو (کنز الایمان) فرمایا کہ اپنے عمل پہ ناز نہ کر۔

حدیث شریف: ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ ناز کرنے والے کی نماز اس کے سر سے بلند نہیں ہوتی اور اگر ہنسے تو اپنی ہی خطا کا مقر ہو تو اس سے بہتر یہ ہے کہ رو دے اور عمل پہ بے جا ناز کرے۔

فائدہ: عجب کے بعد ادلال کا مقام ہے جو عجب اختیار کرے گا وہی ادلال کا حامل بھی ہوگا۔ عجب کرنے والوں میں سے بھی بعض ناز نہیں کرتے کیونکہ نعمت کو بڑا جاننے اور نعمت دینے والے کے بھولنے سے عجب ہوتا ہے۔ اس میں جزا کی توقع شرط نہیں ہے جبکہ جزا کی توقع کے بغیر ادلال نہیں ہوتا پس اگر اپنی دعا کے قبول ہونے کی توقع کی۔ اگر دعا قبول نہ ہوتی تو اسے دل میں برا جانے اور تعجب اس پہ کرے تو ایسا شخص اپنے عمل پر ادلال کے عاملوں میں سے ہوگا کیونکہ دعا قبول نہ ہونے کی وجہ سے فاسق تعجب نہیں کرتا جبکہ ادلال کرنے والا اپنی دعا قبول نہ ہونے سے تعجب کرتا ہے۔ یہ عجب و ادلال کا بیان ہے۔ یہی کبر کا مقدمہ اور سبب ہے۔

خود پسندی کیا ہے؟: ہر مرض کا یہی علاج ہے کہ جو مرض کا سبب ہو اس کے مدمقابل اس کی ضد کردی جائے چونکہ خود پسندی محض جہالت ہے اس لیے اس کا علاج جہالت کی ضد ہی ہوگی۔ یہ خود پسندی یا تو کسی ایسے فعل سے معرض وجود میں آتی ہے جو بندے کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے جس طرح کی عبادت، صدقہ، جہاد اور مخلوق کی سیاست و اصلاح یا کسی ایسی چیز کی وجہ سے خود پسندی پیدا ہوتی ہے جن چیزوں میں انہیں کسی بھی قسم کا اختیار حاصل نہیں ہوتا جس طرح کہ جمال، قوت اور نسب وغیرہ۔ پہلی صورت میں خود پسندی اپنا جوبن زیادہ دکھاتی ہے کیونکہ ہم اس کی جانب توجہ کرتے ہیں۔

فائدہ: جو آدمی تقویٰ و پرہیزگاری، عبادت اور دوسرے اعمال کی بنا پر خود پسندی اختیار کرتا ہے تو ایسی خود پسندی دو

حیثیت سے ہی ہو سکتی ہے۔ (1) خود پسندی میں مبتلا شخص خود اس عبادت وغیرہ محل ہے۔ (2) اس نے وہ عمل کیا ہے اور اس کی قدرت اور اختیار کی وجہ سے ظاہر ہوا ہے۔ (1) اگر پہلی وجہ کی بنا پر خود پسندی ہے تو پھر جہالت کے سوا کچھ نہیں کیونکہ محل و مکان کو عمل کی ایجاد و تحصیل میں ذرہ بھر بھی دخل نہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ محل تو محض ایک مسخر چیز ہے جو کہ کسی اور کے قبضہ و اختیار میں ہے جس چیز سے اپنا قبضہ و اختیار ہی نہیں اس پہ خود پسندی کا شکار ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔(2) اگر دوسری حیثیت سے خود پسندی میں مبتلا ہے کہ اس کا عمل کا انحصار میرے ہی ارادے پہ ہے۔ اس عمل نے میرے ہی اختیار کی وجہ سے مقام کمال حاصل کیا ہے تو پھر سوچنے کا مقام یہ ہے کہ قدرت' اختیار' ارادہ' اعضاء اور وہ تمام اسباب جن کی وجہ سے یہ عمل نقطہ عروج کو پہنچا وہ تمام اسباب میرے پاس کہاں آئے؟ یہ حقیقت ہے کہ یہ تمام اسباب اللہ تعالیٰ کے انعامات کی بنا پر ہیں جو کسی سابقہ حق اور وسیلہ کے عطا ہوئے اس لیے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور بخشش پہ تعجب کرنا چاہیے۔ جس انعام کا تو مستحق ہی نہ تھا۔ بغیر کسی ذریعہ و وسیلہ سابقہ کے تجھے دوسرے بندوں پہ ترجیح دیتے ہوئے اپنی نعمت سے نواز مثلاً کوئی بادشاہ اپنے غلاموں میں سے کسی ایک کو خلعت عطا فرمائے حالانکہ اس غلام میں خلعت کے حاصل کرنے والا کوئی بھی وصف نہ پایا جاتا ہو وہ خوبصورت بھی نہ ہو' نہ خدمات ہوں اور نہ ہی کوئی وسیلہ اس کے پاس ہو پھر اس غلام کو متعجب ہونا چاہیے کہ دوسرے غلاموں پہ ترجیح دیتے ہوئے مجھے بادشاہ نے خلعت سے نوازا ہے۔ بغیر کسی حق کے خلعت سے نواز کر کمال بندہ پروری فرمائی ہے۔

فائدہ: اس لیے اپنے نفس پہ خود پسندی کا جال پھینک کر خود ہی اس کا شکار ہونا کیا معنی رکھتا ہے اس لیے ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ ہاں یہ تو ممکن ہے کہ ایسا غلام عجب کا شکار ہو جائے اور کہے کہ بادشاہ سلامت بڑے عادل ہیں۔ کسی پہ بھی ظلم نہیں کرتے۔ تقدیر و تاخیر کسی کی بلا سبب کرتا ہے۔ اگر بادشاہ نے مجھے خلعت سے نوازا ہے تو ضروری مجھ میں کوئی اچھی صفت سمجھی ہے۔ تبھی مجھے نوازا حالانکہ اسے اسی طرح کہنا چاہیے کہ مجھ میں جو کوئی صفت ہے وہ تو محض بادشاہ کی عطا کے سبب سے ہے کہ بادشاہ نے مجھے عطا فرمائی کسی دوسرے شخص کو نہیں نوازا یا کسی دوسرے شخص کی جانب سے ہے۔ اگر بادشاہ کی طرف سے ہی ہو تو پھر بھی تجھے خود پسندی اختیار نہیں کرنی چاہیے بلکہ تمہارا خود پسندی اختیار کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے پہلے تجھے گھوڑا عطا ہوا تو پھر تو نے عجب نہ کیا اور جب بادشاہ نے تجھے غلام دیا تو تو خود پسندی کا شکار ہوگیا اور گویا ہوا کہ چونکہ میرے پاس گھوڑا تھا اس لیے بادشاہ نے مجھے غلام دے دیا جبکہ دوسرے لوگوں کے پاس گھوڑا ہی نہیں تھا اس لیے انہیں غلام نہیں دیا تو پھر تجھے کہا جائے گا کہ تجھے گھوڑا بھی تو بادشاہ نے ہی دیا تھا۔ اگر دونوں چیزیں اکٹھی ہی دے دیتا یا پہلے ایک دیا پھر دوسرا جب یہ دونوں ہی اس نے دی ہیں تو تجھے چاہیے کہ محض اس کے فضل و کرم پہ ہی متعجب ہو نہ کہ اپنے نفس پہ۔

فائدہ: اگر وہ وصف کسی دوسرے نے عطا کیا ہے تو پھر ہو سکتا ہے کہ اس بات کی بنا پر عجب کرے کیونکہ وہ چیز اسی

بادشاہ کی عطا کردہ نہیں ہے مگر یاد رکھئے یہ معاملہ دنیا کے بادشاہوں میں تو ممکن ہے مگر حقیقی بادشاہ (اللہ تعالیٰ) کے مدمقابل نہیں ہو سکتی وہ تمام چیزیں پیدا کرنے والا ہے' موصوف اور صفت سبھی کو اس نے تخلیق کیا مثلاً اگر کوئی بندہ اس لیے اس مرض لاعلاج کا شکار ہے کہ محبت الٰہی مجھ میں ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے توفیق عبادت سے مجھے نوازا تو پھر ہم یہ دریافت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا دیا تیرے دل میں کس نے جلایا تو پھر یقیناً یہی جواب دے گا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس نعمت خاص سے نوازا۔ ہم کہیں گے کہ محب حق اور عبادت یہ دونوں چیزیں ہی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جو تجھے بغیر کسی حق و وسیلہ کے عطا فرمائیں تو عجب تو اس کی ان نعمتوں پہ کرنا چاہئے کہ پہلے تجھے اپنے فضل و کرم سے وجود عطا فرمایا پھر اس وجود میں صفتیں اور اس کے اسباب پیدا فرمائے۔

فائدہ: عابد کو اپنی عبادت پر' عالم کو علم پر' خوبصورت کو اپنے جمال پر' مالدار کو اپنے مال پہ عجب کرنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا کیونکہ یہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں جبکہ اس کا وجود تو ان نعمتوں کا محض محل ہے جبکہ اس کا وجود بھی محض اس کے فضل و کرم سے ہے۔

سوال؟: کام ہم کرتے ہیں ہم اس پہ ثواب کی توقع رکھتے ہیں۔ وہ کام اگر بر سبیل اختراع اللہ تعالیٰ کا ہی تخلیق کردہ ہے تو پھر ہمیں اس کا ثواب کیوں ملتا ہے؟ اور وہی کام اگر ہمارا ہے اور ہماری ہی قدرت سے عمل کی دنیا میں رونما ہوا ہے پھر ہم اس پہ عجب کیوں نہ کریں؟ ایسے کام کو ہم کیسے طاق نسیان پہ پھینک دیں؟

جواب: اس سوال کا جواب دو طرح سے ہے۔ پہلا جواب تو حق صریح ہے اور دوسرے میں کچھ مسامحت پائی جاتی ہے۔ صریح حق تو یہ ہے کہ بندہ' بندے کی قدرت و حرکت' ارادہ اور تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور پیدا کردہ ہیں تو جب بھی جو کوئی عمل کرتا ہے نماز ادا کرتا ہے یا مٹی پھینکتا ہے تو وہ عمل وہ نہیں کرتا بلکہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے اس عقیدہ کی تصدیق وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (سورہ انفال آیت 17) اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی۔ (کنز الایمان) میں موجود ہے اور صحیح بھی ہے۔ اہل دل کو بھی ایسا ہی مشاہدہ ہوا ہے جو کہ اپنی آنکھ کے ذریعے دیکھنے سے بھی زیادہ ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے بندے کو پیدا فرمایا بعد ازاں اس کے اعضا میں قوت' قدرت اور صحت کو پیدا فرمایا پھر اس کے لیے عقل و عمل پیدا فرمائے اور ارادہ پیدا فرمایا۔ کوئی ان میں سے کسی چیز کو خود اپنی ذات سے جدا کرنا بھی چاہئے تو دور نہیں کر سکتا پھر اعضائے جسمانی میں جو حرکات پیدا فرمائیں۔ وہ تمام اپنے اختراع سے ہی بنائی ہیں ان کے پیدا کرنے میں بھی انسان کی کوئی شرکت نہیں ہے۔ مگر اتنی بات ہے کہ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ترتیب سے پیدا فرمایا مثلاً حرکت اس وقت پیدا فرمائی جب اس نے پہلے عضو میں قدرت پیدا کردی۔ دل میں ارادہ اس وقت پیدا کیا کہ جب اس سے پہلے ہی مراد کا علم پیدا کر دیا۔ علم اس وقت پیدا کیا کہ جب اس علم کا محل یعنی دل پیدا کر چکا۔ اللہ تعالیٰ نے خود پیدائش کے بارے میں یہ ترتیب رکھی۔

ایک چیز کو دوسری کے بعد تخلیق کیا۔ اسی وجہ سے بندے کو وہم ہوتا ہے کہ اپنے فعل کا میں خود ہی موجد ہوں۔ یہ بات غلط ہے پھر اللہ تعالیٰ پیدا کردہ عمل کا ثواب بندے کو کیسے ملتا ہے؟ اس کی توضیح ہم نے باب الشکر (احیاء العلوم کا باب) میں بیان کردی ہے کیونکہ یہ مضمون اس بات کے مناسب تھا جسے شوق ہو اس باب میں ملاحظہ فرمائیے۔

جواب نمبر2 : اب ہم دوسرا جواب بیان کرتے ہیں جس میں تھوڑی سی مسامحت ہے۔ بندہ اگر خیال کرے کہ میری قدرت سے عمل ہوا ہے تو پھر ذرا اس طرف بھی توجہ فرمائے عمل کرنے کی قدرت کہاں سے آئی حالانکہ عامل کے وجود' عمل' ارادہ' قدرت اور دوسرے عمل کے لوازم کے بغیر تو عمل ہو نہیں سکتا اور یہ تمام چیزیں حق تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہیں۔ بندے کی طرف سے تو ہیں نہیں۔ اگر یہ بات تسلیم بھی کرلی جائے کہ قدرت سے ہی عمل معرض وجود میں آیا ہے تو پھر یاد رکھیں۔ یہ قدرت تو محض چابی کی حیثیت سے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے جب تک چابی میسر نہیں آئے گی۔ انسان عمل کیسے کر سکتا ہے۔ کیونکہ عبادتیں سعادت کے خزانے ہیں اور ان کی چابیاں قدرت' ارادہ اور علم ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ فرض کیجئے کہ تمہیں ایک مضبوط قلعہ میں تمام دنیا کے خزانے نظر آجائیں۔ اس قلعے کی چابی کسی محافظ کے پاس ہے۔ پس یاد رکھئے اگر اس قلعے کے دروازے پہ یا دیوار کے ارد گرد ہزار سال بھی پڑے رہو گے تو پھر خزانے کا حاصل کرنا تو دور کی بات ہے اشرفی وغیرہ کا دیکھنا بھی نصیبوں میں نہیں ہو سکتا۔ ہاں البتہ اگر محافظ خود تمہیں چابی دے دے تو پھر آسانی سے اشرفیاں حاصل کر سکتے ہو کہ تالہ کھولتے ہی ہاتھ بڑھا کر اشرفیاں وغیرہ حاصل کر سکتے ہو۔ اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ محافظ نے جو چابی تمہارے حوالے کردی اور تالے پہ مسلط کر دیا اور تمہارے اختیار میں چھوڑ دیا پھر اپنا ہاتھ بڑھا کر دولت حاصل کرلی تو پھر بتائیے تم عجب محافظ کے چابی عطا کرنے پر کرو گے یا اپنا ہاتھ بڑھا کر دولت حاصل کرنے پر۔ تو بے شک محافظ کے احسان مند ہو گے کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ہاتھ ہلانا کوئی محنت نہیں بلکہ دولت تک چابی ملنے کی وجہ سے پہنچے۔ یونہی جب قدرت عطا کی گئی' پختہ ارادہ مسلط کیا گیا' تمام دواعی عمل کے حرکت کرنے لگے' رکاوٹیں اور عوائق دور ہوئے۔ یہاں تک کہ تمام رکاوٹیں دور ہوگئیں کوئی بھی سبب چھوڑا نہیں گیا۔ پھر کہیں جا کر بندے پہ عمل کرنا آسان ہوا' اسباب کا متحرک ہونا' رکاوٹوں کا دور ہونا یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوا ہے۔ اس میں سے اپنا اختیار میں کوئی چیز بھی نہیں تھی اس لیے بندے کے اپنے نفس پہ عجب کرنے کی وجہ سے تعجب ہے کہ جس کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا اس کے فضل و کرم پہ تو عجب نہ کرے کہ حق تعالیٰ نے اسے فاسقین پہ ترجیح جیسے دی؟ کہ فاسقین پہ فساد کا سامان غالب کر دیا اور اس نیک کام کے قریب بھی نہ آنے دیا۔ ان کے لیے دوست اور ملنے جلنے والے بڑے بڑے ٹھہرائے اور انہیں اس سے دور کر دیا۔ ان کے لیے شہوتوں اور لذتوں کے اسباب پیدا کر دیئے اور یہ چیزیں اس سے جدا رکھیں جبکہ ان سے نیکی کے اسباب دور رکھے جبکہ اس کے لیے پیدا کر دیئے یہاں تک کہ انہیں شر کی دھن لگی اور اسے خیر کی۔

فائدہ: یہ تمام جو باتیں کی گئی ہیں تو کوئی بھی سابقہ وسیلہ اس کی طرف سے نہیں ہے اور نہ ہی کوئی پہلا جرم فاسقین کی طرف سے تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ فرمانبردار کو جو ترجیح اور تقدم عطا ہوا ہے وہ بھی محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا ہی ثمرہ ہے جبکہ گناہ گار کو جو دوری اور بدبختی میسر ہوئی وہ بھی محض اللہ تعالیٰ کے عدل سے ہی تھی اس لیے یہ سب کچھ سمجھنے اور جاننے کے باوجود پھر بھی جو شخص خود پسندی کے جال میں پھنس جائے تو یہ اس کا پھنسنا بڑی حیران کن بات ہے۔ علاوہ ازیں بندے کی قدرت جس عمل پہ موثر ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک ایسا شوق پیدا فرما دیتا ہے کہ اس وجہ سے بندہ اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ اگر بندہ واقعتاً اس فعل کو کرنے والا ہے تو پھر بھی یہ اضطراری طور پر اس فعل کو سرانجام دیتا ہے۔ اس حیثیت سے اللہ تعالیٰ کا ہی شکر و احسان بجا لانا واجب ہے۔ جس نے اس فعل کا شوق بندے میں پیدا کیا۔ اس فعل کے کرنے میں بندے نے اپنے طور پر کیا کیا ہے جو خود پسندی اختیار کرے اور باب توحید و توکل میں اسباب اور سبب مسلسل ہونے کے بارے میں بیان کیا جائے گا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ فاعل حقیقی اور خالق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے عقل سے نوازا اور مفلس و نادار رکھا وہ بے علم دولت مند کی چال ڈھال دیکھ کر حیرانی سے کہتا ہے کہ میرے عقلمند اور عالم فاضل ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مجھے اچھی طرح ایک دن کی بھی خوراک نہیں عطا فرمائی جبکہ اس شخص کے غافل و جاہل ہونے کے باوجود اسے اتنی زیادہ دنیوی نعمتوں سے نوازا ہے اس کا یہ تعجب اسباب کے قریب پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فعل مبارک کو ظلم سے تعبیر کرے جبکہ اس مغرور کو یہ حقیقت معلوم نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے عقل اور مال دونوں ہی چیزیں عطا فرما دیتا تو یہ کام ظاہراً ظلم کے زیادہ مشابہ ہوتا کیونکہ جاہل فقیر بھی کہتا کہ یا اللہ اسے تو دونوں چیزوں سے نوازا ہے جبکہ مجھے ان دونوں سے ہی محروم رکھا مجھے بھی یہ دونوں یا کم از کم ان دو میں سے ایک ہی عطا کر دیتا۔

فائدہ: یہ ارشاد اسی طرف ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہ کے قول مبارک میں کہ جب کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ (عموماً) عقلمند غریب رہتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا عقل بھی رزق میں شمار ہو جاتی ہے۔ زیادہ تر خود پسندی یہ ہے کہ عاقل فقیر جو کسی جاہل کو اپنے حال سے بہتر حال میں دیکھتا ہے۔ اگر اسے کہا جائے کہ اگر تو چاہتا ہے تو اپنی عقل اور غریبی کے بدلے اس کی جہالت اور دولت مندی حاصل کر لے تو وہ اسے بالکل نہیں لے گا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ اسی پر اللہ تعالیٰ کا زیادہ انعام ہے۔ پھر حیران کیوں ہوتا ہے۔ یونہی جو عورت خوبصورت ہو مگر ہو غریب وہ جب بدصورت عورت کو زیورات سے آراستہ دیکھتی ہے تو از راہ تعجب کہتی ہے کہ میری خوبصورتی تو زیب و زینت کے بغیر رہے اور یہ بھونڈی صورت اس طرح زیورات سے سجی ہوئی ہو حالانکہ اسے یہ معلوم نہیں کہ اسے

مال کے بدلے خوبصورتی میسر آئی ہے۔ اگر اسے کہا جائے کہ خواہ خوبصورتی اور غربت اختیار کر یا بدصورتی اور دولت مندی اختیار کر لو تو پھر یہ خوبصورتی کو ہی پسند کرے گی۔

فائدہ: معلوم ہو گیا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا انعام زیادہ ہے۔ غریب دانا اور عقلمند اپنے دل میں کہے کہ یا اللہ تو نے مجھے دنیا سے مجھے کیوں محروم رکھا ہے جبکہ جہلاء کو تو نے بہت عطا فرمائی ہے تو اس کا یہ شکوہ اسی طرح ہی ہے جیسے کسی کو بادشاہ گھوڑا عطا فرمائے تو وہ کہنا شروع کردے کہ بادشاہ سلامت آپ مجھے غلام کیوں نہیں دیتے جبکہ گھوڑا میرے پاس موجود ہے۔ بادشاہ اسے جواب دے کہ اگر میں تجھے گھوڑا نہ دیتا پھر تو غلام کے ملنے کی وجہ سے تعجب نہ کرتا۔ فرض کرلے کہ تجھے میں نے گھوڑا نہ دیا۔ کیا تو ایک نعمت انعام کو دوسری کا سبب سمجھتا ہے کہ میری عطا کردہ نعمت کو کسی دوسرے کے واسطے محبت سمجھتا ہے یونہی جہلا کے وہم ہوتے ہیں ان تمام کا منشا محض جہالت ہے۔

حکایت: جب حضرت داؤد علیہ الصلوۃ والسلام نے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں فخر سے عرض کیا کہ الٰہی ایسی کوئی بھی رات نہیں آئی کہ آل داؤد میں سے کوئی نہ کوئی بندہ شب بیداری اختیار نہ کرتا ہو اور نہ ہی کوئی ایسا دن آتا ہے کہ آل داؤد میں سے کوئی روزہ دار نہ ہو۔ اس طرح بھی ایک روایت میں آیا ہے۔ دن رات میں کوئی لمحہ بھی ایسا نہیں آتا کہ آل داؤد کا کوئی عابد تیری عبادت نماز یا روزہ یا ذکر میں مشغول نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پہ وحی نازل فرمائی کہ یہ تمام باتیں ان میں کہاں سے ہیں یہ تو محض میرے سبب سے ہی ہیں۔ اگر تجھ پہ میری مدد نہ ہوتی تو پھر کوئی طاقت نہ ملتی اور دیکھ میں تجھے تیرے نفس پہ چھوڑوں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ جو معاملہ ہوا وہ عمل پہ عجب کرنے کی حیثیت سے تھا کیونکہ آل داؤد کی طرف سے عمل کو فخریہ طور پر بیان کیا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے انہیں ان کے نفس پہ چھوڑ دیا تو انہوں نے ایسا گناہ کیا جو کہ غم و ندامت کا سبب ہو۔ ایک دوسری روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں عرض کیا کہ یا اللہ جب بنی اسرائیل تجھ سے دعا مانگتے ہیں تو حضرت ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے طفیل کیوں کہتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کیونکہ جب میں نے انہیں آزمایا تو انہوں نے میری آزمائش پر صبر اختیار کیا اور عرض کیا کہ مولا کریم اگر تو مجھے بھی آزمائے تو میں بھی صبر اختیار کروں گا۔ اس میں ضمنی طور پر ادلال قبل از وقت پایا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ جب میں نے انہیں آزمایا تھا تو قبل از وقت نہیں تھا کہ میں کس چیز میں تجھے آزماؤں گا اور نہ ہی ارشاد فرمایا تھا کہ کس ماہ اور کس دن تجھے آزماؤں گا اور تجھے بتا دیتا ہوں کہ اسی سال اور اسی ماہ میں کل کو تجھے ایک عورت کے بارے میں آزماؤں گا۔ بچ جانا پھر اس بارے میں تجھ سے جو کچھ ہوا وہ تمہیں معلوم ہی ہے۔

فائدہ: جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی قوت اور کثرت فوج پر بھروسہ کیا، حق تعالیٰ کی طرف سے

جونہی توجہ ہٹی تو کہنے لگے کہ آج کمی فوج کی شکایت کی وجہ سے تو ہم مغلوب نہیں ہو سکتے تو وہ اپنے نفسوں پر چھوڑ دیئے گئے تو ان کا انجام کیسا ہوا اس کا بیان کلام پاک میں بھی ہے۔ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ (التوبہ 25) اور حنین کے دن، جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اتنی وسیع ہو کر تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ دے کر پھر گئے۔ (کنز الایمان)

حکایت: روایت ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے بارگاہ حق میں عرض کیا کہ الٰہی تو نے مجھے اس بلا سے آزمایا ہے مجھ پہ جب بھی کوئی (سخت) واقعہ گزرا ہے تو میں نے ہر مقام پہ تیری رضا کو اپنی خواہش سے اولیت دی ہے۔ پس مجھے ایک بادل سے دس ہزار آوازیں سننے میں آئیں کہ تجھے یہ بات کہاں سے حاصل ہوئی ہے؟ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے سرانور پہ خاک ڈالی اور عرض کیا کہ الٰہی تجھی سے حاصل ہوئی ہے۔ پہلے بھول چکے تھے بعد ازاں رجوع کر کے اپنا صبر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا اسی لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَىٰ مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا (النور 21) اور اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں کوئی بھی کبھی ستھرا نہ ہو سکتا۔ (کنز الایمان)

حدیث شریف: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے اس کا عمل بچائے تو لوگوں نے عرض کیا کہ آپ ایسے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہ ہی میں ہوں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت خاص سے مجھے ڈھانپ لے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صفائے اعمال و قلوب کے باوجود یہ حدیث مبارک سننے کے بعد تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش ہم مٹی یا گھاس یا پرندے ہوتے تو بہتر تھا۔

خلاصہ کلام: صاحب بصیرت سے اپنے عمل پہ خود پسندی اختیار کرنا اور اپنے نفس پہ خوف طاری نہ کرنا بعید ہے۔

علاج: خود پسندی کا علاج جس سے خود پسندی ہی بیخ دین سے بھی اکھڑ جاتی ہے جب دل میں یہ بات غالب ہو جاتی ہے تو نعمت کے چھن جانے کا خوف خود پسندی کا شکار نہیں ہونے دیتا بلکہ جب وہ کفار و فاسقین کو ملاحظہ کرتا ہے کہ بغیر کسی گناہ کے ان سے ایمان و اطاعت کی نعمت عظمیٰ چھین لی گئی ہے تو وہ اپنے نفس پہ بھی خوف کھانے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ جب ذات کو اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ وہ کسی بے گناہ کو محروم کر دے تو کر دے اور اگر بغیر کسی قسم کے وسیلہ جلیلہ کے عطا فرما دے تو اسے کوئی پروا نہیں ہے کہ عطا فرمانے کے بعد واپس لے لے۔ ایسا بھی اکثر ہوا ہے کہ مومن مرتد ہو گیا اور مطیع و فرمانبردار شخص فاسق ہو کر مرے۔ اس قسم کے خیالات اس کے دل میں خود

پسندی کا شکار نہیں ہونے دیتے۔ (واللہ اعلم)

خود پسندی۔کے اسباب اور علاج: تکبر جن اسباب سے پیدا ہوتا ہے انہیں اسباب سے خود پسندی بھی پیدا ہوتی ہے۔ جیسے پہلے بیان کیا جا چکا ہے اور کبھی کبھی تکبر کے اسباب کے علاوہ سبب سے بھی خود پسندی پیدا ہو جاتی ہے جیسے اپنی رائے سے بھی خود پسندی کا شکار ہوجانا جو محض جہالت کی وجہ سے بہتر رائے معلوم ہوتی ہے اس لحاظ سے آٹھ چیزوں کی وجہ سے خود پسندی پیدا ہوتی ہے۔

(1) جمال: پہلی قسم یہ ہے کہ اپنی خوبصورتی' صورت' صحت' قوت' تناسب اعضاء اور بدن کے دوسرے متعلقات کی وجہ سے خود پسندی کرے۔ محض اپنے حسن و جمال پہ دھیان کرکے یہ بات بھول جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور مومن زوال میں ہے اس کا بھی وہی علاج ہے جو ہم نے جمال کی وجہ سے پیدا ہونے والے کبر کے سلسلے میں بیان کیا ہے۔یعنی اپنی ابتدا اور انتہا کی پلیدگیوں کو ذہن میں لائے اور سمجھے کہ مجھ سے پہلے کیسے کیسے حسین و جمال خاک میں جا ملے اور قبر میں ان کے بدن بدبودار ہوگئے کہ انہیں دیکھنے سے طبیعت کو نفرت ہوگئی۔

(2) طاقت: خود پسندی کا دوسرا سبب طاقت جسمانی ہے جسے قوم عاد نے کہا جن کا حال قرآن پاک نے یوں بیان فرمایا ہے۔ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ہم سے زیادہ قوت کے لحاظ سے کون ہے؟

حکایت: جیسے فوج نے اپنی قوت پہ بھروسہ کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر پہ رکھنے کے لیے ایک پہاڑ اٹھایا تاکہ تمام مسلمان تباہ و برباد ہو جائیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے چند ہدہدوں نے اس پہاڑ میں اس طرح سوراخ کردیا کہ وہی پہاڑ فوج کی گردن کا طوق بن گیا۔ کبھی کبھار مومن بھی اپنی طاقت پہ بھروسہ کر بیٹھتا ہے۔

حکایت: روایت ہے کہ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ایک ہی رات میں اپنی بیویوں کے پاس جاؤں گا اور لفظ ان شاء اللہ نہ فرمایا اس وجہ سے جو آپ کا ارادہ مبارک تھا یعنی بیٹوں کا پیدا ہونا۔ بیٹے پیدا نہ ہوئے۔ یونہی حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ قول مبارک بھی تھا کہ یا اللہ اگر تو میرا امتحان لے گا تو میں صبر کروں گا۔ اپنی قوت کی وجہ سے تھا' اپنی قوت پہ خود پسندی کی وجہ سے بندہ لڑائیوں میں گھس جاتا ہے۔ اپنی جان میں مشکل میں پھنساتا ہے کہ اسے تکلیف پہنچانا چاہتا ہے۔ اس سے بھی مار پیٹ میں بڑھ جاتا ہے۔ ایسے شخص کی خود پسندی کا وہی علاج ہے جو مذکور ہوا۔ یعنی اسے سمجھنا چاہئے کہ محض ایک دن کے بخار چڑھنے کی وجہ سے بندے کی قوت کمزور پڑ جاتی ہے۔اس میں کیا تعجب کہ اللہ تعالیٰ خود پسندی کی وجہ سے کوئی معمولی سی تکلیف مجھ پہ غالب نہ کردے جس کی وجہ سے میری تمام قوت ختم کردے۔

(3) عقل و قیاس: اپنی عقل و قیاس کی وجہ سے خود پسندی اختیار کرے کہ بہت دقائق سمجھنے والی اور دین و دنیا کی

مصلحتوں کو اچھی طرح سمجھ لیتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اپنے کو برتر ثابت کرنے کے لیے اصرار کرنے لگتا ہے۔ اپنی رائے کے خلاف کو جاہل سمجھتا ہے۔ اپنی رائے کی وجہ سے کسی سے مشورہ بھی نہیں لیتا۔ علماء کرام کی بات پہ بھی کم ہی کان دھرتا ہے کیونکہ اپنی رائے کے مقابلے میں ان کی رائے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا بلکہ ان کی رائے کو حقیر سمجھتا ہے۔ خود پسندی کی اس حالت کا علاج یہ ہے کہ اسے جو کچھ اللہ تعالیٰ کی ذات سے عقل میسر آئی ہے اس پہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور یہ بات سوچے کہ اگر میرے دماغ میں معمولی سے تکلیف پیدا ہو جائے تو وسواس اور پاگل پن کی وجہ سے حالت یہ ہو جائے گی کہ جس کی وجہ سے معمولی لڑکے بھی ہنسی اڑائیں گے اگر میں اپنی عقل کی وجہ سے خود پسندی کے جال میں پھنس کر عجب کرنے لگوں اور حق تعالیٰ کا شکر ادا نہ کروں تو کچھ بھی بعید نہیں کہ میری عقل سلب ہو جائے اس لیے اپنی عقل و علم کم ہی سمجھے کہ میں تو کم ہی جانتا ہوں۔ خواہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو اور یہ بھی جانے کہ جتنا کچھ لوگ جانتے ہیں اتنا میں نہیں جانتا اور جتنا کچھ دوسرے لوگوں کو معلوم نہیں اس سے تو میں بدرجہ اولیٰ نہیں جانتا اور اپنی عقلمندی کو کم عقلی اور نقصان کی تہمت لگائے اور بے وقوفوں کی حالت دیکھے کہ اپنی ایسی عقلوں پہ کیسے خود پسندی کرتے ہیں۔ لوگ ان پہ ہنستے ہیں تو خوف کرے کہ کہیں میری حالت بھی ان بے وقوفوں جیسی نہ ہو جائے جبکہ مجھے نہ معلوم ہو کیونکہ جس شخص کی عقل میں فتور ہوتا ہے اسے اپنی غلطی کا احساس نہیں ہوتا اس لیے لازمی ہے کہ اپنی عقل کی مقدار کو پہچاننا چاہئے جبکہ یہ بات دوسرے لوگوں کے کہنے سے معلوم ہوگی خود بخود معلوم نہیں ہو سکتی جبکہ صحیح طور پر دشمنوں سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ اپنے دوستوں سے نہیں کیونکہ جو لوگ خوشامد کرتے ہیں وہ تو محض تعریفوں کے پل باندھیں گے۔ اسی طرح خود پسندی کا مرض مزید بڑھے گا۔ اس کے اپنے گمان کے لحاظ سے یہ بات اس نفس کے لیے بہتر ہوگی۔ اپنے نفس کی جہالت خود پسندی کی وجہ سے سمجھ نہیں سکے گا۔

(4) **حسب و نسب:** نسب کی وجہ سے خود پسندی کا شکار ہو جیسے بعض سادات کرام خود پسندی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ ہماری بخشش محض نسبی شرافت اور آباؤاجداد کی وجہ سے ہو جائے گی۔ بعض خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تمام خلق ہمارے لونڈی اور غلام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس حالت خود پسندی کا یہ علاج ہے کہ یہ تصور کرے کہ جب میں نے آباؤ اجداد کی افعال و اخلاق کے لیے سے مخالفت کی ہے اور تصور کر بیٹھا ہوں کہ میں نے ان کا مقام حاصل کرلیا یہ تو جہالت ہے اور اگر ان کی پیروی کی حیثیت سے دعویدار ہے تو ان میں خود پسندی کی صفت تو تھی ہی نہیں جبکہ خوف' اپنی ذات کو حقیر و ناجائز جاننا اور خلق کو بڑا خیال کرنا اور مذمت نفس وغیرہ قسم کی باتیں ان میں پائی جاتی تھیں اور انہیں شرف طاعت' علم اور اعلیٰ خصلتوں سے ہوا تھا نسبت کی حیثیت سے نہیں۔ اس لیے ہمیں وہی بزرگی حاصل کرنی چاہئے جو انہیں میسر تھی۔ ورنہ نسبی حیثیت دیکھی جائے تو ہمارے بزرگ اکابر جن کی اولاد میں سے تھے ان کی اولاد سے کئی ایسے قبیلے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پہ ایمان بھی نہیں رکھتے اور

اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ کتے اور سور سے بھی برے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ یَآاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی (پ 26 حجرات آیت 31) اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔(کنز الایمان) یعنی تمہارے درمیان انساب کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں' تمہاری سب کی اصل ایک ہی ہے۔ بعدازاں نسبی فوائد کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا (پ 26 حجرات آیت 13) اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو (کنز الایمان) اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ تمہاری بزرگی تقویٰ کی وجہ سے محض نسب کی بنا پر نہیں اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (حجرات آیت 13) بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو زیادہ پرہیز گار ہے(کنز الایمان)

حدیث شریف: لوگوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا بزرگ اور دانا کون ہے؟ تو آپ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ وہ جو میری نسل مبارک سے ہے بلکہ جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو سب سے زیادہ موت کو یاد کرے' تمام میں سب سے زیادہ موت کی تیاری کرے۔

شان نزول: اس آیت مبارکہ کی شان نزول یہ تھی کہ فتح مکہ کے دن جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی تو حارث بن ہشام سہیل بن عمر اور خالد بن اسید نے کہا کہ یہ حبشی غلام اذان دے رہا ہے تو اس وقت یہ حکم مبارک نازل ہوا کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (حجرات آیت 13) بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے (کنز الایمان) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے قریشیو کہیں ایسا نہ ہو کہ عام لوگ تو بروز قیامت اعمال لائیں اور تم دنیا کو اپنی گردنوں پہ لاد کر لے آؤ اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پکارتے رہو۔ اس دن میں بھی اسی طرح ہی جواب دوں گا۔ یعنی تم سے اپنا منہ پھیر لوں گا۔ اس حدیث مبارکہ سے غرض یہ ہے کہ اگر تم دنیا کی طرف رغبت کرو گے تو پھر تمہیں تمہارا نسب قریش کوئی فائدہ نہ دے گا۔ (۱) جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (الشعراء 214) اور اے محبوب اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈراؤ (کنز الایمان) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے تمام عزیز و اقارب کو الگ الگ نام لے کر پکارا یہاں تک کہ (اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ) اے عبدالمطلب کی بیٹی اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ اپنے لیے خود عمل کرو۔ یہ خیال نہ کرنا کہ میں تجھے اللہ تعالیٰ سے نجات دلا دوں گا۔

مکی زندگی میں محض انتباہ کے طور پر فرمایا اور یہی تبلیغ کا طریقہ ہے ورنہ مدنی زندگی میں شفاعت کی احادیث کتنا بے شمار ہیں۔ (اویسی غفرلہ) پس جو شخص یہ حقیقت پہچان لے گا کہ جتنا زیادہ پرہیزگاری اختیار کروں گا اتنا زیادہ شرف و

۱۔ کفار رشتہ دار قریش کو انتباہ ہے ورنہ شفاعت کی احادیث اتنا بے شمار ہیں کہ حیران کو حیرانی ہوتی ہے' فقیر کی تصنیف شفاعت کا منظر پڑھیے۔ اویسی غفرلہ

بزرگی سے نوازا جاؤں گا۔ میرے بزرگوں کی عادت کریمہ بھی تواضع تھی اس لیے تواضع اور پرہیز گاری اختیار کرنے میں ان کی پیروں اختیار کرے گا اور نہ اپنی زبان حال سے اپنے نفس کو برا کہے گا کیونکہ اچھے لوگوں کی طرف منسوب تو ہو گا مگر تواضع، پرہیزگاری اور خوف جیسی صفات ہیں ان جیسا نہیں ہو گا تو گویا اصل کی برائی بھی فرع کے برابر ہونے سے ظاہر کرے گا۔

سوال؟: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس قول مبارک کے بعد کہ میں تمہیں اللہ سے نہیں بچا سکوں گا جبکہ حضرت بی بی فاطمۃ الزہراہ رضی اللہ عنہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ لیکن تمہیں مجھ سے قرابت ہے اس لیے قرابت داری کا حق ہے میں اسے نبھاؤں گا نیز قوم سلیم کو ارشاد فرمایا کہ کیا تم لوگ میری شفاعت کی توقع رکھتے ہو اور عبدالمطلب کی اولاد میری شفاعت کی توقع نہ کریں۔ ان دونوں احادیث سے واضع ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے قرابت داروں کو شفاعت میں خاص کریں گے۔ اس لحاظ سے سادات کرام کو بھی شفاعت کی توقع ہے؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کی توقع ہر مسلمان کو ہے۔ سید بھی شفاعت کی توقع رکھتا ہے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرتا ہو سزاوار بھی اسی بات کا ہے کہ وہ حضور ﷺ سے شفاعت کا متوقع ہو لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کے قہرِ غضب میں مبتلا ہو گیا تو پھر اس کی شفاعت کرنے کی اجازت کسی کو بھی نہیں ہوگی۔ شفاعت کے اعتبار سے گناہوں کی دو اقسام ہیں۔

(1) ایسے گناہ جو اللہ تعالیٰ کے غضب کے موجب ہوں ان گناہوں کی شفاعت کی اجازت نہیں ملے گی۔

(2) یہ ایسے گناہ ہوں گے جو شفاعت کرنے کی وجہ سے معاف ہو جائیں گے۔

مثال: جس طرح دینوی بادشاہوں کے ہاں ہوتا ہے کہ مجرم کی بعض خطائیں تو ایسی ہوتی ہیں کہ جن کی وجہ سے بادشاہ کو بہت زیادہ غصہ ہوتا ہے اس وقت مقربین بارگاہ میں سے کوئی بھی سفارش کرنے کی مجال نہیں رکھتا۔ اسی طرح حقیقی بادشاہ کے یہاں بھی بعض گناہوں سے شفاعت کی وجہ سے نجات حاصل نہیں ہوگی بلکہ بلا اذن شفاعت بھی نہیں ہو سکے گی جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ (1) وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى (انبیاء 17 28) ترجمہ کنزالایمان: اور شفاعت نہیں کرتے مگر اس کے لیے جسے وہ پسند فرمائے۔(2) مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرہ 255 پ 3) وہ کون ہے جو اس کے یہاں سفارش کرے بے اس کے حکم کے (کنز الایمان) (3) وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ترجمہ کنزالایمان: اور شفاعت کام نہیں آئے گی اس کے پاس مگر اسے جس کے لیے حکم دیا۔ (4) فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ (مدثر 48) تو انہیں سفارشیوں کی سفارش کام نہ دے گی۔ (کنزالایمان)

فائدہ: جب ثابت ہو گیا کہ دو قسم کے گناہ ہیں کسی گناہ کے سلسلے میں شفاعت تسلیم کر لی جائے گی اور کسی کے سلسلے

میں نہیں تو خوف کرنا واجب ہو گیا۔ اگر تمام گناہوں کی شفاعت ہو سکتی تو آپ قریش کو طاعت کا حکم نہ فرماتے۔ اپنی لخت جگر فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کو گناہوں سے نہ روکتے بلکہ انہیں ہر قسم کے گناہ کرنے کی اجازت دیتے کہ جتنا جی چاہے لذتوں اور شہوتوں سے فائدہ اٹھا لیجئے پھر آخرت میں بھی انہیں شفاعت کر کے آخرت میں بھی کامل لذت دلوا دیتے۔

فائدہ: تقویٰ و پرہیز گاری کر کے شفاعت کی توقع پہ گناہوں میں مستغرق رہنا اسی طرح ہے جیسے مریض بے پرہیزی جی بھر کر کرے اور پھر سمجھے کہ میرا معالج بڑا مشہور و معروف طبیب اور بڑا مہربان باپ یا بھائی ہے اسے بڑھ کر یہ کہ میرے احوال کا نگران ہے حالانکہ یہ سب کچھ مبنی بر جہالت ہے کیونکہ طبیب کی کوشش سے کچھ امراض تو دور ہو سکتے ہیں مگر تمام امراض نہیں تو طبیب کے بھروسے پہ پرہیز نہیں چھوڑ دینا چاہئے۔ طبیب کی طب کا اثر محض خفیف امراض اور غلبہ مرض کے وقت مفید ہوتا ہے۔ ہر وقت ہی موثر نہیں ہوتا ہے۔ یونہی سمجھیں کہ عنایت شافعین کی انبیاء ہو یا اولیاء قریبوں اور اجنبیوں کے حق میں ایسی ہی ہے کہ شفاعت کبھی منظور ہو جائے اور کبھی نہیں۔ شفاعت پہ بھروسہ کر کے بے خوف نہیں ہونا چاہئے۔ دیکھئے ' انبیاء کرام کے بعد سب سے بہتر مخلوق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ صحابہ کرام بھی خوف کی وجہ سے آرزو کیا کرتے تھے کہ اگر ہم جانور ہوتے تو بہتر ہوتا حالانکہ وہ تقویٰ کمال رکھتے تھے انہیں حسن اعمال و قلبی صفائی بھی میسر تھی۔ اپنے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے وعدہ جنت بھی سماعت فرما چکے تھے' تمام اہل اسلام کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت عموماً جانتے بھی تھے مگر پھر بھی محض شفاعت پہ تکیہ نہ کیا۔ ان کے دلوں سے خوف اور خشوع جدا نہیں ہوا تو جسے ان میں سے کوئی بات بھی حاصل نہیں پتہ نہیں ایسا شخص خود پسندی کیسے کرتا ہے۔

ظالم سلاطین کا نسب کے باعث خود پسندی اختیار کرنا: ظالم سلاطین کے نسب کی وجہ سے خود پسندی کا شکار ہو یا اپنے آپ کو ان کے مددگاروں میں سمجھتے ہوئے خود پسندی کرے دین و علم کے نسب سے نہ کرے تو ایسی وجہ سے خود پسندی کا شکار ہونا بہت بری جہالت ہے۔ اس سبب سے پیدا ہونے والی خود پسندی کا علاج یہ ہے کہ ان ظالم سلطانوں کی ذلت سوچے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں پہ ظلم و ستم کے پہاڑ گرائے۔ دین حق میں فساد مچایا اسی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مستحق غضب ٹھہرے۔ ان کی صورت اگر دوزخ میں نظر آجائے۔ ان کی بدبو اور گندگی نظر آجائے تو پھر دیکھنے والا انہیں اتنا برا خیال کرے کہ ان کی طرف اپنی نسبت کبھی نہ کرے بلکہ ان ظالموں کی طرف منسوب کو بھی برا سمجھے اس کی نظروں میں ذلیل و حقیر ہو جائیں۔ اگر قیامت کے دن ان ظالموں کا حال اس پہ کھل جائے کہ جن لوگوں پہ انہوں نے ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھا دیئے تھے وہ لوگ انہیں لپٹے ہوئے ہیں۔ وہ ان کے سر کے بالوں کو پکڑ کر اوندھے منہ جہنم میں گھسیٹ کر لے جا رہے ہیں۔ اللہ کے بندوں پہ ظلم ڈھانے کی وجہ سے مختلف قسم کے ذلت و رسوائی والے عذابوں میں مبتلا ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے اور کہے مجھ سور اور کتے

کی نزدیکی منظور ہے مگر ان لوگوں کی قربت ہرگز منظور نہیں اس لیے اگر ظالمین کی اولاد کو اللہ تعالیٰ ظلم و ستم کی کارروائی سے بچائے تو انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا دین محفوظ رکھا اور اگر ان کے آباؤ اجداد مسلمان تھے تو ان کے لیے استغفار پڑھا کرے۔ ایسے ظالموں کے نسب کی وجہ سے خود پسندی کرنا محض جہالت ہے۔

کثرت اقربا و مدد گار: بندہ اس وجہ سے خود پسند ہو کہ میری اولاد یا خدام یا غلام یا عزیز و اقارب یا دوست مدد گار بہت ہیں جس طرح کہ کافر کہا کرتے تھے کہ نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ہم مال اور اولاد میں بڑھ کر ہیں۔ (کنز الایمان) جیسے مسلمانوں نے غزوہ حنین کے موقع پر کہا تھا کہ آج کمی کی وجہ سے تو ہم مغلوب نہیں ہو سکتے۔ اس سبب کا علاج بھی وہی ہے جو ہم کبر کے باب میں بیان کر چکے ہیں کہ اپنے ضعف اور کمزوری کو تصور میں لائیں اور تصور کرے کہ تمام بندے عاجز ہیں۔ اپنی جانوں کے لیے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ (البقرة 249) بارہا کم جماعت غالب آئی ہے زیادہ گروہ پر اللہ کے حکم سے (کنز الایمان) اس کے علاوہ ان کی وجہ سے خود پسند ہونے کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ تمام لوگ مرنے کے بعد الگ ہو جائیں گے۔ اکیلا ذلیل و خوار ہو کر قبر میں جا ڈیرے لگائے گا نہ کوئی دوست ہو گا نہ کوئی جاننے والا' نہ باپ' نہ بیٹا' نہ کوئی اپنا ہو گا اور نہ ہی کوئی وہاں بیگانہ ہو گا بلکہ یہ تمام خود ہی خاک میں سانپ' بچھو اور کیڑوں کے حوالے لاش کو کردیں گے۔ ایسے مشکل وقت میں وہ کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ یونہی میدان قیامت میں دور ہو جائیں گے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ذیشان ہے يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ (عبس 34 تا 36) اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی اور ماں اور باپ اور جورو اور بیٹوں سے (کنز الایمان) پس ایسے لوگوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ شدید ضرورت کے وقت جب الگ ہو جائیں تو ایسے لوگوں کی وجہ سے خود پسندی کا شکار ہونا کیسا؟ قبر' قیامت اور پل صراط پہ سوائے اپنے عمل اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے کوئی چیز کام نہ آئے گی تو تعجب ہے بندہ ایسی چیز پہ بھروسہ کرے جو مشکل وقت کے کام ہی نہ آئے جو ذات کے نفع و نقصان کی مالک ہے اسے بھول جائے۔

مال: مال کی وجہ سے خود پسندی کرے جیسے اللہ تعالیٰ نے دو باغ والوں کا قول نقل فرمایا ہے اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا (کہف 34) میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں اور آدمیوں کا زیادہ زور رکھتا ہوں (کنز الایمان)

حکایت: ایک بار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک فقیر غنی کے پاس آکر بیٹھا۔ فقیر کے اپنے کپڑے سمیٹ لیے اور سکڑ گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تو ڈرتا ہے تجھے اس کا افلاس چمٹ جائے گا۔ یہ مال کے سلسلے میں خود پسندی ہے۔ اس سبب کا علاج یہ ہے کہ آفت مال' مال کے زیادہ حقوق' فضیلت فقراء' فقراء کا جنت کی طرف سبقت وغیرہ کو تصور میں لائے نیز مال کی حالت کہ اگر مال صبح آتا ہے تو شام کو چلا بھی جاتا ہے۔ مال کی اصل

کوئی نہیں۔ کئی کافر زیادہ مال و دولت کے مالک تھے اور اس حدیث مبارک کے مضمون میں غور و فکر کرکے کہ اسی اثنا میں بندہ لباس پہنے ہوئے تکبر کرتا ہے۔ اپنے جی میں خوش ہوتا ہے کہ اچانک زمین کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہوتا ہے کہ زمین اسے نگل جاتی ہے۔ یہ تاقیامت زمین میں دھنستا چلا جاتا ہے۔ اس حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ مال و نفس پہ خود پسند بننے کا ایسا عذاب ہوتا ہے۔

حدیث شریف: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مسجد شریف میں داخل ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابو ذر' اپنا سر اوپر اٹھاؤ۔ میں نے دیکھا تو پتہ چلا کہ ایک آدمی عمدہ لباس پہنے ہوئے تھوڑی دیر بعد ارشاد فرمایا کہ اپنا سر اٹھا کر دیکھئے۔ پھر میں نے اپنا سر اٹھا کر دیکھا تو پتہ چلا کہ ایک شخص پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے ابوذر یہ شخص اس دوسرے شخص جیسے جتنے بھی زمین پہ پھر رہے ہیں ان تمام سے بہتر ہے۔ مختصر یہ کہ ایسی تمام روایت اور باتیں جو ہم زہد کے باب' ذم دنیا اور باب ذم مال میں بیان کر چکے ہیں۔ ان تمام میں دولت مندوں کی حقارت اور فضائل فقراء اللہ تعالیٰ کے نزدیک واضح ہیں۔

فائدہ: پس مومن سے کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنی دولت مندی کی وجہ سے خود پسند ہو بلکہ الٹا یہی خوف ہر وقت دامن گیر رہتا ہے کہ مال کے حقوق ادا کرنے میں کہیں غلطی نہ ہو گئی ہو۔ کیا یہ مال حلال طریقے سے حاصل کیا ہے یا نہیں۔ کیا اسے صحیح موقع پر خرچ کیا ہے یا نہیں جو ایسی سوچوں میں ہر وقت گم رہے وہ کیا خاک خود پسندی کا شکار ہوگا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کا حال تو سوائے ذلت و عذاب کے کچھ بھی نہیں ہے۔

غلط رائے پہ خود پسندی: اپنی غلط رائے کے باوجود خود پسندی کا شکار ہونا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی شخص کے حال کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ (1) فَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا بھلا ایک شخص کو جو اس کی برائی بھی اچھی لگے۔ ایک اور مقام پہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ (2) يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (کہف 104) وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔ (کنز الایمان)

حدیث شریف: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس امت کے آخری زمانہ میں اپنی غلط رائے پہ بھی عجب کرتا ہوگا۔ اسی سے بھی پہلی اقوام تباہ و برباد ہوئیں کیونکہ خود پسندی کی بنا پر ہی گروہ الگ ہوا۔ ہر ایک یہی جانتا ہے۔ میں بھی اچھی طرح جانتا ہوں۔ اپنے ہی عقائد پہ خوش و خرم ہے۔ سبھی بدعتی و اہل ضلالت اپنی اپنی بدعت و گمراہی پہ اسی لیے مصر ہیں کہ وہ اپنی رائے کی وجہ سے خود پسند ہیں۔ بدعت پہ خود پسندی اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بندے کی خواہش و شبہ جس بات کی طرف ہو اسے اچھا اور برحق سمجھے۔ اس وجہ سے خود پسندی کا علاج بقیہ تمام اسباب کے علاج سے زیادہ مشکل ہے کیونکہ جس کی رائے غلط ہے وہ اپنی رائے کی غلطی کو نہیں

پہچاننا۔ اگر پہچانے تو چھوڑے پس جس بیماری کو جانتا ہی نہیں وہ اس بیماری کا علاج کس طرح کرے اس لیے اس کا علاج مشکل ہے مگر عارف تو اس بات پہ قدرت رکھتا ہے کہ جاہل کو اس کی جہالت سے روشناس کروا کر اسے دور کردے۔ اگر وہی جاہل اپنی جہالت پہ ہی خود پسندی کا شکار ہو جائے تو ایسے جاہل عارف کی بات کب سنے گا بلکہ الٹا اسے بھی الزام لگائے گا کیونکہ اس پہ اللہ تعالیٰ نے اس پہ ایک زبردست بلا مسلط کردی ہے جو اس کی تباہی و بربادی کا سبب بنی ہے حالانکہ وہ اسے ایک نعمت سے تعبیر کرتا ہے تو ایسی تباہی کا علاج کیسے ہو سکتا ہے۔ اپنے خیال کے مطابق جسے سعادت سمجھتا ہے اس سے وہ نفرت کیسے کرے گا۔ پھر بھی اس کا علاج یہ ہے کہ

علاج: ہمیشہ اپنی رائے غلطی سے خالی نہیں سمجھنی چاہئے۔ اس سے دھوکے میں نہیں آنا چاہئے۔ جب تک کہ کوئی دلیل قرآن شریف' حدیث مبارکہ ایسی صحیح عقلی دلیل کہ جس میں دلیلوں کی تمام شرائط مددگار نہ پائے۔ عملی و شرعی دلائل کو جاننا اور ان کی شرائط و غلطی کے موقعوں کو ایسی پہچاننا ہر شخص کے بس کا روگ نہیں ہے اس کے لیے کامل طبیعت' عقل و فہم کا تیز ہونا' تلاش جستجو اور مضبوط استعداد' قرآن و حدیث کا روزانہ مطالعہ' ہمیشہ علماء کرام کے پاس بیٹھنا' درس و تدرس کا شغل ہمیشہ اختیار کرنا' ان تمام باتوں کے میسر ہونے کے باوجود بعض امور میں خوف عطا ہوتا ہے اس لیے جو شخص اپنی تمام زندگی حصول علم میں بسر نہ کر سکے اس کے لیے یہی بہتر ہے کہ مختلف مذاہب کی باتوں پہ توجہ ہی نہ کرے اور غورو فکر بھی نہ کرے بلکہ صرف یہی عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔ اس جیسا کوئی نہیں' وہ سمیع و بصیر ہے۔ اس کے رسول (حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) برحق ہیں جو کچھ اس نے بتایا وہ سبھی کچھ سچ ہے۔ بزرگان دین کے طریقے کو اپنائے۔ تمام قرآن و حدیث میں جو احکامات ہیں انہیں بحث و مباحثے سے چون و چرا کے بغیر تسلیم کرلے۔ ہر فرمان ذیشان پر آمنا و صدقنا کہہ کر تمام گناہوں سے پرہیز کرے تقویٰ اختیار کرے' طاعتوں پہ عمل کرے' تمام مسلمانوں سے محبت و شفقت کے ساتھ پیش آئے۔

فائدہ: اگر مختلف مذاہب اور بدعات میں غورو فکر کرے گا اور عقائد میں متعصبانہ روش اپنائے گا تو یوں تباہ و برباد ہوگا کہ اسے پتہ بھی نہ چلے گا۔ یہ حال تو اس شخص کا بیان کیا گیا ہے جو سوا علم دین کے کسی دوسری چیز کو اپنا کر اپنی حیات کے دن گزارے لیکن جو شخص پختہ عہد کرلے کہ ساری زندگی میں علم میں ہی صرف کروں گا۔ پھر اس کے لیے پہلا کام یہی ہے کہ وہ دلیل اور دلیل کی شرائط کو پہچانتا ہو اس سلسلے میں معاملہ طول پکڑ جاتا ہے۔ اکثر و بیشتر مفاہم میں یقین و معرفت کو پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ سوائے عظیم لوگوں کے جو کہ اللہ تعالیٰ کے نور سے موید ہوتے ہیں۔ ان بزرگوں کے علاوہ کسی دوسرے میں اتنی قدرت نہیں ہوتی کہ یقینی امور معلوم کرسکیں۔ ایسے بزرگ فی زمانہ کمیاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی گمراہی سے بچائے اور جہاں کے خیالات سے بھی پناہ عطا فرمائے (آمین ثم آمین)

الحمد اللہ اولًا و آخرا وصلی اللہ علی سیدنا محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

باب 10

غرور اور مغالطہ

معلوم ہونا چاہئے کہ آدمی کے لیے سعادت کی چابی ہوشیار رہنا ہے بدبختی کی چابی غرور و غفلت میں رہنا ہے۔ بندوں پہ ایمان و مغفرت سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے کوئی نہیں اور کشادگی سینہ کے علاوہ اس کی طرف وسیلہ کوئی شے نہیں۔ کوئی بھی برائی کفرو گناہ سے زیادہ نہیں اور ان کی طرف بلانے والی قلبی نابینائی اور جہالت کے سوا کوئی اور نہیں۔ ارباب بصیرت کو ایسا دل میسر ہوا جس کی شان قرآن پاک میں یوں بیان ہوئی۔ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ (النور:35) ترجمہ کنزالایمان: جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے وہ چراغ ایک فانوس میں ہے وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے۔ موتی سا چمکتا روشن ہوتا ہے برکت والے پیڑ زیتون سے جو نہ پورب کا نہ پچھم کا قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے ... نور پر نور ہے۔

غافلوں کے دل کی یہ کیفیت ہے کہ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (نور:40) یا جیسے اندھیریاں کسی کنڈے گے دریا میں اس کے اوپر موج، موج کے اوپر اور موج اس کے اوپر بادل، اندھیرے میں ایک پر ایک جب اپنا ہاتھ نکالے تو سوجھائی دیتا معلوم نہ ہو اور جسے اللہ نور نہ دے اس کے لیے کہیں نور نہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

فائدہ: اپنے پیارے لوگوں کو اللہ تعالیٰ جب ہدایت عطا فرمانا چاہتا ہے تو ان کے دل اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ غافلوں اور مغروروں کو بصیرت عطا نہیں فرماتا کہ وہ اپنے نفس کی ہدایت کی کفالت کر سکیں۔ وہ نفسانی و شیطانی خواہشات کو ہی اپنا رہبر و رہنما تصور کرتے ہیں چونکہ غرور تمام بدبختیوں کی اصل اور ہلاکت میں ڈالنی والی چیزوں کا منبع ہے اس لیے ان کی راہوں اور کثرت سے غرور جن وجوہات سے آتا ہے کا بیان کرنا ضروری ہے تاکہ انہیں جاننے کے بعد ان سے بچا جا سکے اس لیے ہم غرور و غفلت کی قسمیں اور اصناف مغرور قاضیوں اور علماء صالحین سے ضبط تحریر میں لاتے ہیں جو ظاہر امور کو اچھا جانتے ہوئے ان کے باطن سے غفلت برتتے ہیں۔ اس بیان کے دوران

میں ان کی غفلت کے اسباب بھی بیان کرتے جائیں گے۔ اگرچہ یہ امر گنتی سے باہر ہے مگر مثالوں کے ذریعے ایسی تنبیہ ضرور ہو سکتی ہے کہ تمام کی ضرورت نہ رہے۔ اگرچہ مغرور غافلین کے بہت گروہ ہیں مگر وہ تمام ہی چار قسموں میں آجاتے ہیں۔

مغروروں کی اقسام: (۱) علماء' (2) عابدین' (3) صوفی' (4) ارباب دولت۔ ان چاروں قسموں کی مزید کئی قسمیں ہیں ان کی غفلت اور غرور کی وجوہات بھی ایک دوسری سے مختلف ہیں مثلاً بعض لوگ امر منکر کو بہتر سمجھتے ہیں جیسے بعض حرام مال سے مساجد تعمیر کرکے انہیں خوب سنوارتے سجاتے ہیں اور اسے کار ثواب سمجھتے ہیں۔ بعض لوگ اس کے متعلق بھی تمیز بھی نہیں کر سکتے کہ یہ نیک کام اپنے نفس کی خاطر کر رہے ہیں حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے واعظ مقرر کہ اس کی غرض و غایت محض لوگوں میں مقبولیت اور عزت ہوتی ہے۔ بعض لوگ امر بالمعروف چھوڑ کر دوسرے کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگ فرض چھوڑ کر نوافل میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ بعض مغز ترک کرکے پوست کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں جس طرح کہ ایسا نمازی کہ جس کی توجہ محض حروف کے مخارج کی طرف ہی ہو۔ خلاصہ کلام یہ کہ ایسی ہی کئی وجوہات ہیں کہ مختلف فرقوں اور انہیں مثالوں کے ذریعے بیان کرنے کے بغیر ان کی وضاحت نہیں ہو سکتی۔ ہم پہلے غرور کی مذمت' اس کی حقیقت' تعریف اور مثالیں بیان کریں گے۔ اس کے بعد علماء کا غرور بیان کریں گے۔ یہ باب دو بیانوں پر مشتمل ہے۔

غرور کی مذمت اور اس کی حقیقت: غرور کی مذمت کے متعلق یہ دو آیات کافی ہیں۔ (۱) فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۗ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ (لقمان 33) تو ہرگز تمہیں دھوکہ نہ دے دنیا کی زندگی اور ہرگز تمہیں اللہ کے حلم پر دھوکہ نہ دے وہ بڑا فریبی۔ (کنز الایمان) (2) وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ (الحدید 14) ترجمہ کنزالایمان: مگر تم نے تو اپنی جانیں فتنہ میں ڈالیں اور مسلمانوں کی برائی تکتے اور شک رکھتے اور جھوٹی طمع نے تمہیں فریب دیا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آگیا اور تمہیں اللہ کے حکم پر اس بڑے فریبی نے مغرور رکھا۔

حدیث شریف: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہوشیاروں کا سونا کیا خوب ہے۔ یہ لوگ اپنا افطار کیسے ناقص کر دیتے ہیں۔ بے وقوفوں کی شب بیداری اور کوشش کو بھی ہاں البتہ صاحب تقویٰ و یقین والوں کا ذرہ بھر عمل بھی بہتر ہے۔

فائدہ: فضیلت علم اور مذمت جہل میں جو کچھ بھی بیان ہوا ہے وہ سب کچھ غرور کی برائی پہ دلیل ہے کیونکہ غرور بھی جہالت کی ایک قسم کا نام ہے کیونکہ جہالت کسی چیز کو اس کی حقیقت جیسی نہ جاننے کا نام ہے اسی لیے غرور بھی ایک قسم کی جہالت ہے۔ مگر یہ بھی یاد رکھے کہ محض جہالت ہی غرور نہیں بلکہ مغرور فیہ اور مغرور بہ مغرور کے لیے

ضروری ہیں اس لیے اگر نفسانی خواہش کے مطابق اعتقاد ہو جبکہ کسی شبہ یا غلط خیال کو اپنے خیال کے مطابق دلیل سمجھتے ہوئے اپنی جہالت پہ اڑ جائے اور وہ شبہ یا خیال حقیقتاً اس کی دلیل نہ ہو تو جو جہل اس وہمی دلیل کی وجہ سے میسر آئے گا اسے غرور کے نام سے یاد رکھا جاتا ہے۔

غرور کی تعریف: غرور کی تعریف یہ ہے کہ شیطانی شبہ اور مکر کی وجہ سے کسی ایسی چیز پہ نفس ٹک جائے جو کہ خواہش نفسانی و طبعی خواص کے مطابق ہو۔ اس سے یہ بات لازم ہوئی کہ کسی نکمے شے سے حال یہ نتیجہ میں جو کوئی معتقد ہو وہ مغرور ہے اور اکثر و بیشتر بندوں کا حال ایسا ہی ہے کہ اپنے نفسوں کے لیے بہتری کے تصور میں گم ہوتے ہیں حالانکہ یہی بہتری والا گمان سرے سے غلط ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ اکثر و بیشتر لوگ مغرور ہوتے ہیں گو ان کے غرور کی قسمیں اور درجے مختلف ہیں یہاں تک کہ بعض لوگوں کا غرور بعض لوگوں سے زیادہ ظاہر اور سخت ہوتا ہے اور سب سے زیادہ سخت غرور ان لوگوں کا ہے۔ (1) کفار (2) گناہ گار و بدکار۔ اب ہم ان دونوں اقسام کی مثالیں بیان کرتے ہیں تاکہ ان کے غرور کی حقیقت معلوم ہو سکے۔

کافروں کے غرور: ان میں سے بعض کو تو دنیوی زندگی نے مغرور کر رکھا ہے اور بعض کو شیطان نے غرور کے پھندے میں پھنسا رکھا ہے جنہیں دنیوی زندگی نے مغرور کر رکھا ہے ان کا قول یہ ہے کہ نقد ادھار سے بہتر ہے اور دنیا نقد ہے جبکہ آخرت ادھار ہے۔ اس لیے دنیا آخرت سے بہتر ہونے کی وجہ سے اسے ہی اختیار کرنا چاہیے۔ یہ قول بھی انہیں کا ہے کہ دنیا یقین ہے اور آخرت کا معاملہ شک میں ہے۔ یقین شک سے بہتر ہوتا ہے۔ یقین کو شک کی وجہ سے انہیں چھوڑنا چاہیے۔ اسی طرح ان کی تمام دلائل نکمے اور شیطانی دلیلوں سے ملتی جلتی ہیں۔ جس نے اپنی برتری کی دلیل یوں دی تھی قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (صٓ 76) بولا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے پیدا کیا (کنز الایمان)

تردید الکفار از قرآن: اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ وہی ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی خریدی دنیا کی زندگی ہے جنس دغا کی۔ (2) فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا (لقمان 33) ترجمہ کنزالایمان: تو ہرگز تمہیں دھوکہ نہ دے دنیا کی زندگی۔

فائدہ: ایسے غرور کا علاج دل سے ایمان سے ہوتا ہے یا دلیل مضبوط و حجت تو یہ سے دل سے ایمان والی صورت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان اقوال مبارکہ کو سچا جانے مَا عِنْدَكُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (النحل 96) جو تمہارے پاس ہے ہو چکے گا اور جو اللہ کے پاس ہے ہمیشہ رہنے والا ہے۔ (کنز الایمان) (2) وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر ہے۔ (3) وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی (الاعلیٰ 17) اور آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی (کنز الایمان) (4) و۔

اَلْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (آل عمران ﷺ 185) اور دنیا کی زندگی تو یہی دھوکے کا مال ہے۔ (کنز الایمان) (5) فَلَا یَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا

فائدہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو ان کی خبر کئی جماعتوں کو کافروں سے پہنچائی تو فوراً دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور بغیر کسی دلیل طلب کیے آپ کو سچا جانا اور یہ ایمان لائے اور بعض لوگ کہتے یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم آپ سے اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر دریافت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بناکر بھیجا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہاں اس پر وہ لوگ ایمان لائے۔ یہ عوام کا ایمان ہے اور غرور کے دائرے سے خارج ہے بلکہ ان کی یہ تصدیق ایسی ہے جیسے بیٹا اپنے باپ کے قول کو سچا جانتا ہے۔ گو اسے اس کی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ مدرسے میں جانا کیوں بہتر ہے۔ یعنی جب باپ کہتا ہے کہ کھیل کے میدان میں جانے سے مدرسہ میں جانا بہتر ہے تو لڑکا اسے سچ سمجھتا ہے گو اس کی وجہ نہیں جانتا کہ مدرسے میں جانا کیوں بہتر ہے؟

فائدہ: اس کی دوسری وجہ اور قیاس کے برا ہونے کی معلوم ہو جائے جو اس کے دل میں شیطان نے وسوسہ ڈال دیا ہے کیونکہ ہر مغرور کے غرور کی وجہ ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اسے دلیل سمجھتا ہے اور تمام دلیلیں ایک قسم کے قیاس ہی ہوتی ہیں جو کہ اس کے نفس میں پیدا ہوتی ہے اس کے نفس کے اطمینان کا سبب بنتی ہیں۔ گو اسے معلوم نہ ہو اور نہ اسے معلوم کرنے کی طاقت رکھتا ہو کہ اسے علماء کرام کے طریقہ پر بیان کیا جائے۔

فائدہ: اس مثال میں جو قیاس ذکر کیا گیا ہے اس میں دو جملے بیان ہوئے ہیں۔ (ا) دنیا نقد ہے جبکہ آخرت ادھار ہے۔ یہ جملہ صحیح تو ہے مگر دوسرا جملہ ادھار سے نقد بہتر ہے۔ اس میں دھوکہ ہے یہ جملہ صحیح نہیں بلکہ اگر نقد اور ادھار مقدار و مقصود کے لحاظ سے مساوی ہوں تو پھر یہ جملہ صحیح ہے اور اگر ادھار سے نقد کم ہے تو پھر بھی ادھار ہی نقد سے بہتر ہے۔

مثال نمبر1: مغرور کافر تجارت میں اپنا ایک روپیہ محض اس لیے لگاتا ہے کہ اسے ایک روپیہ کے دس روپے ملیں گے تو پھر وہ یہ نہیں کہتا کہ نقد ادھار سے بہتر ہے اس لیے اس ایک کو کیوں ضائع کر بیٹھوں یونہی اگر حالت بیماری میں حکیم عمدہ قسم کے کھانوں اور میوں سے روک دے تو اس وقت بیماری کے ڈر کی وجہ سے ترک کر دے گا حالانکہ ان کی لذت تو نقد ہے جبکہ بیماری کی تکلیف تو آئندہ کبھی ہوگی۔

مثال نمبر2: سوداگر خشکی اور تری میں مصائب نقد برداشت کرتا ہے تاکہ آئندہ اسے خوشی اور نفع حاصل ہو حالانکہ وہ کبھی نہیں سوچتا کہ نقد ادھار سے بہتر ہے۔

خلاصہ کلام: ایک نقد کے بدلے دس ادھار حاصل ہوں تو ایک سے دس بہتر ہوں گے اب ذرا دنیا اور آخرت کی

باتوں کے مابین نسبت دیکھی جائے تو اس نسبت کا کچھ بھی علم نہیں مثلاً انسان دنیا میں زیادہ سے زیادہ سو سال زندہ رہتا ہے اگر 100 سال دنیوی حیات کی اخروی حیات سے نسبت کی جائے تو دنیوی حیات اخروی حیات کے کروڑ ویں حصہ کے برابر بھی نہیں تو اگر دنیوی حیات میں ایک ترک کرے گا تو آخرت میں لاکھوں بلکہ بے شمار حاصل کرے گا۔ اگر نوع کے لحاظ سے دیکھا جائے تو دنیوی لذت میں ہر طرح کی آزردگی' دکھ اور مصیبتیں پائی جاتی ہیں جبکہ اخروی لذت پاک صاف و بے انتہا ہے۔

فائدہ: بہرحال کفار کا نقد ادھار سے بہتر کہنا غلطی کا سبب یہی ہے کہ جیسا اور لوگوں سے سنا ویسا ہی یقین کرلیا یہ نہ سمجھا کہ اس جملے کا یہ مطلب ہے کہ نقد اور ادھار اگر مقدار و مقصود دین برابر ہوں تو پھر نقد ادھار سے بہتر ہے۔

شیطانی قیاس کی تردید: شیطان ایک یہ خیال بھی دل پر مزید نقش کر دیتا ہے کہ یقین شک سے بہتر ہے جبکہ آخرت مشکوک ہے۔ یہ شک پہلے سے بھی زیادہ غلط ہے۔ اس شک کے تو دونوں جملے ہی بے اصل ہیں۔ مثلاً پہلا جملہ کہ یقین شک سے بہتر ہے۔ یہ جملہ اس وقت صحیح ہوگا جبکہ یہ دونوں (شک و یقین) برابر ہوں ورنہ سوداگر یقیناً محنت و مشقت کرتے ہیں مگر نفع مشکوک ہوتا ہے۔ طالب علم حصول علم کے لیے یقیناً محنت کرتا ہے مگر مرتبہ علم و فضل تک پہنچنا مشکوک ہے۔ شکاری شکار کے لیے یقیناً گشت کرتا ہے مگر شکار مل جانا مشکوک ہے۔ مریض بد مزہ دوائی کا ذائقہ تو یقیناً پاتا ہے مگر شفا مشکوک ہے۔ غرضیکہ عقلاء کے نزدیک جتنے امور بھی احتیاط میں داخل ہیں۔ سبھی ایسے ہی اس مشکوک امر کی خاطر یقین کو ترک کرنا پڑتا ہے تاجر کہا کرتا ہے اگر میں تجارت نہ کروں۔ مصیبت برداشت نہ کروں تو پھر بڑا زبردست نقصان ہوگا' بھوکا مروں گا۔ تجارت میں محنت تھوڑی کرنا پڑتی ہے۔ فائدہ زیادہ ہوتا ہے۔ یونہی مریض کہتا ہے مرض کے انجام کے خوف سے دوائی کی تلخی و بدمزگی تھوڑی ہے کیونکہ مرض کی انتہا موت ہے۔ بنا بر جو خود آخرت میں شک رکھتا ہے اس پہ احتیاط واجب ہے کہ اس طرح کہے کہ زندگی کے تھوڑے سے دن صبر کرلینا میرے لیے بہتر ہے۔ ان امور کی نسبت جو آخرت کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کیونکہ بفرض محال اخروی معاملات جھوٹے ہوئے تو اس میں میرا کیا نقصان ہے؟ کہ چند روزہ زندگی کے عیش ضائع ہوئے۔ ازل سے اس وقت تک تو میں ایسا ہی تھا کہ میں عیش و عشرت نہ کرتا تھا۔ میں سمجھوں گا کہ معدوم کے پردے میں رہتا ہے اگر اخروی معاملات صحیح ہوئے (جو یقیناً صحیح ہیں) تو ہمیشہ ہمیشہ بھڑکتی آگ (جہنم) میں جلتا رہوں گا اس کی برداشت نہ ہو سکے گی۔

شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول مبارک: حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے ملحد کو فرمایا کہ اگر تیرا قول سچ ہے تو ہمارا دونوں کا کوئی نقصان نہیں اور اگر میرا قول صحیح ہے تو میں نجات حاصل کرلوں گا جبکہ تو ہلاکت میں پڑے گا۔ آپ نے یہ قول مبارک اس لیے نہیں فرمایا کہ معاذ اللہ آخرت کے متعلق آپ کو شک تھا نہیں ایسی بات

نہیں بلکہ اس ملحد کے عقل و فہم کے مطابق آپ نے تقریر فرمائی اور اسے سمجھایا کہ اگر مجھے آخرت کا یقین نہیں تو پھر تم بڑے زبردست دھوکے میں ہو۔

قیاس کا جملہ دیگر اور اس کی تردید: مذکورہ قیاس کا جملہ یہ ہے کہ آخرت مشکوک ہے حالانکہ یہ جملہ بھی غلط ہے بلکہ مومنین کے نزدیک تو آخرت یقینی ہے۔ آخرت کا یقینی ہونا دو چیزوں سے معلوم ہوتا ہے۔ پہلی بات تو ایمان ہے' تصدیق' انبیاء کرام اور تقلید علماء کرام سے کہ یہ مغالطہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ آخرت کا یقین ہو جاتا ہے۔ عوام و خواص کا یقین و اعتماد کرتے ہوئے وہی علاج شروع کردے گا اور اگر کوئی پاگل یا بے ہوش اطباء کے قول کو جھوٹا بتائے تو وہ غلط ہے اس لیے کہ قرائن سے مریض خود یہ بات جانتا ہے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ اطباء گنتی میں اس پاگل سے زیادہ ہیں دوسرا فرق یہ کہ اطباء اس سے علم و فضل میں بھی زیادہ ہیں تیسری وجہ یہ کہ انہیں طبی تجربہ حاصل ہے جبکہ وہ پاگل طبی علم سے بالکل ہی واقفیت نہیں رکھتا تو صاف ظاہر ہے کہ اس شخص کا قول اطباء کے قول کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا اس لیے وہ نہ ہی تسلیم کرے گا اور نہ ہی اس کے کہنے کی وجہ سے اطباء کو جھوٹا سمجھے گا اس وجہ سے اپنا اعتماد کمزور نہیں کرے گا اور اگر بالفرض محال اس کے قول کا اعتماد کرتے ہوئے اطباء کے قول کو چھوڑ بیٹھے تو بلاشبہ وہ خود بھی بے عقل اور مغرور ہوگا۔ اسی طرح جو شخص آخرت کے اقراری اور خبر دینے والوں کو دیکھتا ہے تو یہ بزرگ فرماتے ہیں کہ سعادت اخروی کے حصول کے لیے تقویٰ نفع بخش دوا کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ شخص یہ بھی جانتا ہے کہ تمام خلق سے یہ بزرگ بہتر ہیں۔ بصیرت و معرفت عقل میں تمام مخلوق سے اعلیٰ مقام رکھتے ہیں' یعنی انبیاء' علماء' اولیاء اور حکماء اس بارے میں ہر قسم کے لوگ انہیں کا کہا مانتے ہیں۔ مگر جن پہ شہوتوں کا غلبہ ہے جن کے نفس دنیوی مفاد پہ جان دیتے ہیں - وہ لوگ ان بزرگوں کا کہا تسلیم نہیں کرتے کیونکہ شہوتوں کو چھوڑنا ان کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ وہ خود اپنے ہی منہ سے کیسے کہیں کہ ہم جہنمی ہیں اس لیے کہ آخرت کے منکر ہوئے انبیاء کرام کو جھٹلایا جیسے بچے یا بے عقل کے کہنے سے قلبی اطمینان طبیبوں پہ دور نہیں ہوتا تھا یونہی ایسے کند ذہن لوگوں اور شہوات کے غلاموں کا انکار بھی انبیاء' علماء' اولیاء اور اطباء کے قول سچا ہونے کے بارے میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ مخلوق کے لیے تو اتنا ہی ایمان کافی ہے۔ یعنی اتنے ہی ایمان سے غرور کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے اور ایسا پختہ یقین ہے کہ عمل یہ بھی ابھارتا ہے۔ آخرت کے یقینی معلوم ہونے کے سلسلے میں دوسری چیز انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے لیے تو وحی ربانی اور اولیاء کرام رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے لیے الہام ہے۔

فائدہ: یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو آخرت یا دینی امور کو جانا محض حضرت جبرئیل علیہ السلام سے سن کر تقلید کی حیثیت سے جانا جیسے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سن کر جانا۔ اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ جیسے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا اس طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سنا ہمارے سننے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

سننے میں کوئی فرق نہیں جیسی معرفت آپ کی تھی اس جیسی ہماری معرفت بھی ہے۔

نبی علیہ السلام و امتی کی معرفت کا فرق: یہ بات ہرگز نہیں کیونکہ تقلید معرفت نہیں بلکہ تقلید تو ایک اعتقاد درست کا نام ہے اور انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو جو عارف کہا جاتا ہے۔ ان کی معرفت ایسے ہے کہ اشیاء کے حقائق ان پہ اصل حالت میں کھول دیئے جاتے ہیں۔ وہ انہیں چشم بصیرت سے یوں ملاحظہ فرمالیتے ہیں۔ جیسے ہم کسی محسوس ہونے والی شے کو ظاہری طور پر دیکھ لیتے ہیں اس لیے وہ جو کچھ بھی خبر دیتے ہیں دیکھ کر بتاتے ہیں۔ ان کا بیان کرنا محض سننے اور تقلیدی خبر کی حیثیت نہیں ہوتی مثلاً ان پہ روح کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ روح امر ربی ہے اور امر ربی سے مراد وہ نہیں ہے جو نہی کے مقابل ہے کیونکہ اقسام کلام میں سے ایک ہے جبکہ روح کلام نہیں اور امر سے شان بھی، مراد نہیں ہے کیونکہ پھر یہ لازم آئے گا کہ روح اللہ کی مخلوق ہے کیونکہ مخلوق ہونا تو تمام خلق میں پایا جاتا ہے اس میں روح کی کوئی خصوصیت نہیں۔

اقسام عالم: بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عالم کی دو اقسام ہیں۔ (1) عالم امر (2) عالم خلق

یہ دونوں عالم ہی اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ عالم خلق میں تو وہ چیز میں داخل ہیں جو مقدار و کمیت رکھتی ہیں اس لیے کہ لغت کے اعتبار سے خلق کے معنی میں اندازہ کرنا جو کہ مقدار پہ صحیح بن سکتی ہیں جبکہ عالم امر میں وہ چیزیں داخل ہیں جو کمیت اور مقدار سے مبرا ہیں اور اسے سر روح سے تعبیر کرتے ہیں۔

فائدہ: اس کے بیان کی اجازت نہیں ہے کیونکہ اکثر و بیشتر مخلوق کو اس کے سننے سے نقصان ہوتا ہے جیسا کہ شب قدر کا راز ظاہر نہ فرمایا گیا وہی اپنے نفس کو پہچانتا ہے جو روح کے راز کو پہچان لیتا ہے جبکہ نفس اور اللہ تعالیٰ کی معرفت سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ انسانی روح طبیعت و سرشت کی روح سے امر ربی ہے اور اس کا جسمانی عالم میں ہونا ایک عجب امر ہے۔ جسمانی عالم میں اس کا اترنا اس کی طبیعت و ذات کا متقاضی نہیں بلکہ ایک عارضی و اجنبی سے جو کہ اس کی ذات میں داخل نہیں۔ وہ یہ امر عارض وہ امر ہے جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی پیش ہوا کہ معصیت کے نام سے موسوم کرایا گیا اور انہیں جنت سے زمین پہ اتارا گیا حالانکہ جنت آپ کہ ذات مبارکہ کی مقتضا کے بموجب انہیں کے لائق تھی کیونکہ جنت حق تعالیٰ کے قرب میں ہے اور حضرت آدم علیہ السلام روح کے اعتبار سے امر ربی تھے اس لیے امر ربانی کا شوق بمقتضائے طبع و ذات کے قرب ربانی کی طرف ہونا چاہئے تھا بشرطیکہ اس اجنبی عالم کا کوئی بھی امر عارضی اسے مقتضائے طبع سے رکاوٹ نہ ہو ورنہ وہ اپنے نفس اور اللہ تعالیٰ (دونوں) کو بھول جائے گا۔ اپنے نفس پہ ظالم کے لقب سے پکارا جائے گا کیونکہ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد ربانی ہے کہ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (الحشر 19) ترجمہ کنزالایمان: اور ان جیسے نہ ہو جو اللہ کو بھول بیٹھے تو اللہ نے انہیں بلا میں ڈالا کہ اپنی جانیں یاد نہ رہیں وہی فاسق ہیں۔ اس آیت مبارکہ کا مطلب

یہ ہے کہ جو ان کے مقتضائے طبع و گمان استحقاق تھا وہ اس سے خارج ہو جایا کرتے ہیں۔

فائدہ: فاسق فسق سے مشتق ہے۔ لغت میں اس کے معنی اصل سرشت سے تجاوز کے بھی آتے ہیں۔ یہ باتیں گلدستہ گلزار اسرار میں عارفین کے دماغ سے ان کی خوشبو کا شوق رکھتی ہیں۔ کم بخت تو ایسے الفاظ مبارک سن کر ہی غلط خیالی کا شکار ہو جاتے ہیں اس لیے ایسی باتیں انہیں نقصان دیتی ہے جیسے گوبر کے کیڑے کو گلاب کی خوشبو گندی لگتی ہے یا سورج کی روشنی چمگادڑ کو بری لگتی ہے۔

ولی اور عارف: سر قلبی تا عالم ملکوت کے منکشف ہونے کی معرفت اور ولایت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس پہ یہ راز کھل جائے اسے ولی اور عارف کے پیارے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ یہ مقام انبیاء کے مقامات کا پہلا مقام ہے جبکہ اولیائے کرام کے مقامات میں سے انتہائی مقام ہے پس جہاں اولیائے کرام کے مقامات کی انتہا ہوتی ہے۔ وہاں سے انبیاء کرام کے مقامات کی ابتدا ہوتی ہے۔

مغالطۂ شیطانی کا علاج: اب ہم اصل مدعا کی طرف آتے ہیں کہ شیطانی مغالطہ یعنی آخرت شکوک ہے والے جملے کے شک یقینی سے رفع کرنا چاہئے یا بصیرت اور باطنی مشاہدے سے دور کرنا چاہئے اور جب اہل ایمان اپنی گفتگو اور عقائد کے لحاظ سے احکام حق تعالیٰ کو چھوڑ بیٹھتے ہیں تو پھر وہ بھی کافروں کے ساتھ اس مغالطہ میں شامل ہو جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے بھی آخرت پہ دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہے ہاں یہ الگ بات ہے کہ اصل ایمان کی وجہ سے ابدی عذاب سے نجات حاصل کریں گے اور ایک عرصہ بعد دوزخ سے نکل آئیں گے۔ بہرحال ان کے مغرور ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں کیونکہ گو انہیں اس بات کا اعتراف ہے کہ دنیا سے آخرت بہتر ہے مگر پھر بھی انہوں نے دنیا کی طرف رغبت کیا اور اسے ہی اختیار کیا ہے اس لیے ابدی فلاح کے لیے محض ایمان ہی کافی نہیں ہے۔ جب تک کہ اس پہ عمل نہ ہو۔ اللہ کی پاک کتاب اس بات کی گواہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ (1) وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی (طٰہٰ 82) ترجمہ کنزالایمان: اور بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں۔ اسے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھا کام کیا۔ پھر ہدایت پر رہا۔ (کنز الایمان) (2) اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (اعراف 56) بے شک اللہ کی رحمت نیکوں سے قریب ہے۔ (کنز الایمان) احسان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

حدیث شریف: الاحسان ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ (بخاری و مسلم) احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اسے دیکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (سورۃ العصر) اس زمانہ محبوب کی قسم بے شک آدمی ضرور نقصان میں ہے مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے (کنز الایمان)

فائدہ: سارے قرآن پاک میں ایمان اور عمل صالح دونوں کے متعلق مغفرت کا وعدہ ہے۔ محض ایمان پر وعدہ مغفرت نہیں ہے اس لیے جو لوگ محض دنیا پہ مطمئن ہو کر خوش ہیں اور دنیوی لذتوں میں غرق رہتے ہیں اور مر جانے کو قبیح جانتے ہیں اس نقطہ نظر کی بنا پر کہ تمام لذتیں چھوٹ جائیں گی۔ اس لیے کہ پتہ نہیں مرنے کے بعد کیسا معاملہ درپیش ہو۔ ایسے لوگ دنیوی مغالطے کا شکار ہو چکے ہیں۔ وہ کافر ہوں یا مسلمان' اس لیے اب ہم دو باتیں کافروں اور گناہ گار مسلمانوں کے مغالطے والی بیان کرتے ہیں جو وہ اللہ کے بارے میں کہتے ہیں۔ کچھ کفار تو اللہ کے بارے میں دلوں میں یا زبانی طور پر بھی کہتے ہیں کہ واقعی اللہ نے اگر قیامت برپا کر دی تو پھر بھی دوسروں سے زیادہ ہم حقدار ہوں گے۔ جیسے اللہ تعالیٰ دو اشخاص کے سوال و جواب میں ایک قول نقل فرمایا ہے کہ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا (الکھف 36) اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہو اور اگر میں اپنے رب کی طرف پھر گیا بھی تو ضرور اس بات سے بہتر پلٹنے کی جگہ پاؤں گا۔ (کنز الایمان)

فائدہ: یہ مضمون ایک حکایت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ (اویسی غفرلہ)

حکایت: بقول مفسرین واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ان دو اشخاص میں سے ایک شخص جو کہ کافر تھا اس نے ہزار دینار کی لاگت سے ایک محل بنوایا اور ایک ہزار دینار سے ایک باغ خریدا' اسی طرح ایک ہزار دینار کا خادم بھی لیا۔ ایک ہزار دینار خرچہ کر کے ایک عورت سے شادی کی جبکہ اس کا دوسرا ساتھی مومن تھا۔ مومن نے کافر کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ تو نے مکان ایسا خریدا ہے جو (ایک نہ ایک دن) ختم ہو جائے گا۔ جنتی مکان کیوں نے خریدا جو کبھی فنا نہ ہوتا۔ اسی طرح تیرا یہ باغ بھی تباہ ہو جائے گا۔ پائدار تو جنتی باغ تھا تجھے وہی خریدنا چاہیے تھا۔ یہ غلام اور بیوی سبھی مر جائیں گے جبکہ حوران جنت اور غلمان کبھی فنا نہیں ہوں گے۔ یہ نصیحت سنتے ہوئے ہر بات کا جواب یونہی دیتا کہ جس جنت کا حال لوگ بیان کرتے ہیں وہ کہاں ہے؟ یہ سب کچھ جھوٹ ہے۔ اگر بالفرض محال جنت ہوئی بھی تو پھر جنت میں مجھے اس سے بہتر ملے گا۔ یونہی عاص بن وائل کا قول بھی قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا (مریم 77) اور کہتا ہے مجھے ضرور مال و اولاد ملیں گے۔ (کنز الایمان) جواباً اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہوا کہ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (مریم 78-77) ترجمہ کنز الایمان: کیا غیب کو جھانک آیا ہے یا رحمٰن کے پاس کوئی قرار رکھا ہے' ہرگز نہیں۔

شان نزول: جناب ابن ارث رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ عاص بن وائل پہ میرا کچھ قرض تھا' میں وہ قرضہ طلب کرنے گیا تو اس نے مجھے نہ دیا۔ میں نے اسے کہا کہ آخرت میں تو میں تجھ سے لے ہی لوں گا۔ اس نے کہا میں اور میری اولاد بھی وہاں ہوگی تیرا قرض بھی اس سے دے دوں گا تب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ (۱) اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا (مریم 77) تو کیا تم نے اسے دیکھا جو ہماری آیتوں سے منکر ہوا اور کہتا ہے

مجھے ضرور مال و اولاد ملیں گے۔ (کنز الایمان) (2) وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِىْ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّىْۤ اِنَّ لِىْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى (حم السجدۃ 50) اور اگر ہم اسے کچھ اپنی رحمت کا مزہ دیں اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی تھی تو کہے گا یہ تو میری ہے اور میرے گمان میں قیامت قائم نہ ہوگی اور اگر رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو ضرور میرے لیے اس کے پاس بھی خوبی ہی ہے۔ (کنز الایمان)

خلاصہ: اس مغالطہ کی ایسی باتیں ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے۔ اس مغالطے کی اصل وجہ یہ ہے کہ شیطان اپنے قیاسوں میں سے ایک قیاس لڑاتا ہے۔ مثلاً اول تو یہ کہ جو لوگ اپنے اوپر دنیوی نعمتیں ملاحظہ کرتے ہیں تو اخروی نعمتوں کو بھی اس پہ قیاس کرتے ہیں اور کبھی کبھی عذاب میں تاخیر کو دیکھتے ہیں دنیا میں جو ظلم و ستم ہوا اس کا انجام جلدی ظاہر نہ ہوا اس پہ اخروی عذاب کے بارے میں بھی قیاس کا گھوڑا دوڑاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے انہیں کا قول قرآن پاک میں نقل کیا ہے۔ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ اپنے دلوں میں کہتے ہیں ہمیں اللہ عذاب کیوں نہیں کرتا ہمارے اس کہنے پر (کنز الایمان) (المجادلہ 8) ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (المجادلہ 8) انہیں جہنم بس ہے اس میں دھنسیں گے تو کیا ہی برا انجام (کنز الایمان)

شیطانی قیاس: یہی لوگ جب بعض اوقات مومنین کو فقر و فاقہ اور خستہ حال گرد آلود دیکھتے ہیں تو انہیں حقیر سمجھتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان پہ اللہ عزوجل نے احسان کیا ہے جو کہ ہم پہ نہیں کیا۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ایمان کوئی عمدہ قسم کی چیز ہوتی تو ان حقیر ترین لوگوں کو ہم سے پہلے ہرگز نہیں ملتی۔ شیطان ان کے دلوں میں جو قیاس ڈالتا ہے۔ ان قیاسوں کے جملے اس طرح کے ہوتے ہیں کہ ہم پہ اللہ تعالیٰ نے احسان کیا ہے جو محسن ہوتا ہے اسے محبت بھی ضرور ہوتی ہے اور جسے محبت ہوتی ہے وہ زمانہ مستقبل میں بھی احسان کرتا ہے۔ مستقبل کو ماضی پر قیاس کرنے کا محض یہی سبب ہے کہ وہ حق تعالیٰ کا احسان کا سبب اپنی بزرگی اور محبت کو جانتا ہے۔ یعنی تصوراتی دنیا میں گم ہو کر سوچتا ہے کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند رتبے والا اور محبوب نہیں ہوں تو اس نے مجھ پہ احسان کیوں فرمایا اور اس جملے میں مغالطے کا بیان ہے کہ محسن نہیں رکھتا بلکہ اس جملے میں ہے کہ دنیا میں احسان اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ اس مغالطے کی وجہ سے وہ دھوکے کا شکار ہوا کہ وہ سمجھ بیٹھا کہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے رتبے والا ہوں۔ اس کی دلیل ایک ایسی چیز کو سمجھ بیٹھا جو بزرگی پہ دلالت نہیں کرتی بلکہ بصیرت والوں کے نزدیک تو یہ دلیل ذلت و خواری کی دلیل ہے۔

مثال: اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک شخص کے دو غلام ہوں۔ وہ اپنے ایک غلام سے تو محبت رکھتا ہے جبکہ دوسرے غلام سے محبت نہیں رکھتا جس سے محبت رکھتا ہے اسے کھیلنے سے روک دے اور مدرسے میں بھیج دے۔ وہاں اسے اٹھنے نہ دے تاکہ اسے آداب و قواعد اچھی طرح معلوم ہو جائیں جو میوے اور لذیذ کھانے اسے نقصان

دیں انہیں ان کے پاس بھی نہ آنے دے بلکہ اسے مفید ادویہ پلاتا رہے جبکہ دوسرے غلام کو جس سے اسے محبت نہیں ہے اسے ویسے ہی کھلا چھوڑ دے۔ جہاں چاہے وہاں چلا جائے۔ کھیلتا پھرے' مدرسے میں نہ جائے جو دل چاہے کھاتا پھرے۔ پس اگر یہ دوسرا غلام یہ تصور کر بیٹھے کہ اپنے آقا کے نزدیک محبوب اور بزرگ ہوں اس لیے مجھے ہر قسم کی شہوتوں' لذتوں پر اختیار دے رکھا ہے حالانکہ اس کا یہ سوچنا محض حماقت و مغالطہ ہے۔

فائدہ: اسی طرح چونکہ تمام دینوی لذتیں تباہ و برباد کرنے والی اور اللہ سے دور کرنے والی ہیں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو ان سے محفوظ رکھتا ہے۔ جیسے بعض اوقات مریض کو اس کے گھر والے محبت کی وجہ سے ہی کھانا پینا نہیں دیتے اور یہ روایت آثار پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ ارباب بصیرت سلف میں سے ایسے بھی گزرے ہیں کہ ان کے پاس جب دنیا آتی ہے تو وہ غمگین ہو جاتے اور فرمایا کرتے کہ ہم سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے جس کا عذاب عنقریب ہمیں پہنچے گا۔ دنیا کو اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب اور اپنے اوپر بے اعتنائی کا سبب سمجھتے ہیں ان پہ جب فقر و فاقہ کا دور آتا تو خوش ہو کر فرمایا کرتے کہ بہت اچھا ہوا کہ یہ ہمارے پاس سلف صالحین کا شعار آیا ہے۔

مغروروں کی سوچ: لیکن جب دنیا مغرور کے پاس آتی ہے تو مغرور سمجھ بیٹھتا ہے کہ اللہ کے ہاں میرا بڑا مقام ہے مگر جب چلی جاتی ہے تو سمجھ بیٹھتا ہے کہ میں تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیر و ذلیل ہوں۔ قرآن پاک میں ہے کہ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ كَلَّا (الفجر15) لیکن آدمی تو جب اس کا رب آزمائے کہ اس کو جاہ اور نعمت دے جب تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت دی اور اگر آزمائے اور اس کا رزق اس پر تنگ کرے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے خوار کیا۔ یوں نہیں۔ (کنزالایمان)

اس آیت مبارکہ میں فرمایا ہے کہ ان کا یہ گمان کرنا سراسر غلط ہے۔

فائدہ: حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف کلا بیان کرکے ان کے دونوں قیاسوں کو جھوٹا کر دیا ہے۔ یعنی نہ تو وہ میری تعظیم ہے اور جسے اہانت کے کھاتے میں ڈالا ہے نہ ہی حقیقتاً وہ میری اہانت ہے بلکہ وہ شخص کریم ہے جسے میں اس کی طاعت کی وجہ سے بزرگی عطا کروں وہ شخص ہے جسے میں گناہ کی وجہ سے حقیر کروں۔ ایسا شخص دولت مند ہو خواہ فقیر ہو۔

مغالطے کا علاج: کرامت اور ذلت کے دلائل کو دانائی یا تقلید سے پہچانے یوں کہ دینوی شہوتوں کی طرف میل کرنا اللہ تعالیٰ سے کس طرح دور کردیتا ہے اور ان سے علیحدگی کیسے اللہ تعالیٰ سے قرب کا سبب بنتی ہے اولیاء و عارفین کو الہام سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے اگر محض ایسے ہی بیان کیا جائے تو مکاشفے تک بات جا پہنچتی ہے جو کہ علم معاملے میں بیان کرنا مناسب نہیں ہے' تقلیدی طور پر اس کا معلوم کرنا اس طرح ہے کہ قرآن مجید پہ پختہ ایمان لائے اور

اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سچا سمجھے ایسے لوگوں کا حال اللہ تعالیٰ یوں بیان فرمایا ہے کہ (1) اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ (المومنون 18 55-56) کیا یہ خیال کر رہے ہیں۔ کہ وہ جو ہم ان کی مدد کر رہے ہیں اور مال بیٹوں سے یہ جلد جلد ان کو بھلائیاں دیتے ہیں بلکہ انہیں خبر نہیں (کنز الایمان) (2) سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ (القلم 29 44) قریب ہے کہ ہم انہیں آہستہ آہستہ لے جائیں گے جہاں سے انہیں خبر نہ ہوگی (کنز الایمان)

تفسیر: اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں مفسرین نے فرمایا کہ وہ جتنے زیادہ گناہ کرتے ہیں ہم انہیں اتنی ہی زیادہ نعمت عطا کرتے ہیں تاکہ ان کا مغالطہ مزید بڑھ جائے۔ (3) فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ (الانعام 7 44) ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔ یہاں تک کہ جب خوش ہوئے اس پر جو انہیں ملا تو ہم نے اچانک انہیں پکڑ لیا اب وہ آس ٹوٹے رہ گئے۔ (کنز الایمان) (4) اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْۤا اِثْمًا (آل عمران 4 178) ہم تو اسی لیے انہیں ڈھیل دیتے ہیں کہ اور گناہ میں بڑھیں۔ (کنز الایمان) لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ (پ 13 ابراھیم 42) اور ہرگز اللہ کو بے خبر نہ جاننا ظالموں کے کام سے انہیں ڈھیل نہیں دے رہا ہے مگر ایسے دن کے لیے جس میں آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ (کنز الایمان) مندرجہ بالا آیات کے علاوہ مزید بہت سی آیات و احادیث ہیں ان کا حال درج ہے۔ پس ان آیتوں کا جو شخص معتقد ہوگا۔ وہ اس دھوکے کا شکار نہیں ہوگا کیونکہ اس غلطی کا منشاء و مقصد یہ ہے کہ بندہ مغرور ہوا اللہ اور اس کی صنعتوں پہ ورنہ اس میں تو ایسی کوئی صفت نہیں ہے۔ اللہ کو جو شخص پہچان لیتا ہے وہ حق تعالیٰ کے عذاب سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی ان غلط خیالات کی وجہ سے دھوکہ کھاتا ہے کیونکہ اس کے سامنے فرعون، ہامان، قارون اور دیگر روئے زمین کے سلطانوں کا حال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ابتداً کیسے عروج عطا فرمایا پھر ان کا سبھی کچھ تباہ کر دیا بلکہ خود اپنے عذاب سے انہیں ڈرایا بارہا مقامات میں قرآن پاک میں اس کا ذکر ہے۔

(1) فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ (پ 9 الاعراف 99) تو اللہ کی خفی تدبیر سے نڈر نہیں ہوتے مگر تباہی والے (کنز الایمان) (2) وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ (النمل 19 50) اور انہوں نے اپنا سا مکر کیا اور ہم نے اپنی خفیہ تدبیر فرمائی اور وہ غافل رہے۔ (کنز الایمان) (3) وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ (آل عمران 54) اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے۔ (کنز الایمان) (4) اِنَّهُمْ یَكِیْدُوْنَ كَیْدًا وَّاَكِیْدُ كَیْدًا فَمَهِّلِ الْكٰفِرِیْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَیْدًا (سورۂ طارق 30) بے شک کافر اپنا سا داؤں چلتے ہیں اور میں اپنی خفیہ تدبیر فرماتا ہوں تو تم کافروں کو ڈھیل دو انہیں کچھ تھوڑی مہلت دو۔ (کنز الایمان)

فائدہ: وہ غلام جسے اپنے آقا نے چھوڑا ہوا ہے اسے چھوڑ رکھنے کی وجہ سے وہ اس بات پہ دلیل قائم نہیں کر سکتا

کہ مجھے میرا آقا برا چاہتا ہے کیونکہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس کے آقا نے اسے تخریب و تعذیب کے لیے کیا ہو اس کے باوجود کہ اسے آقا نے اپنے عذاب سے مطلع بھی نہیں کیا تو ایسا وسوسہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیسے درست ہو سکتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے کلام میں بار بار ارشاد بھی فرمایا ہے کہ میرا پکڑ میں ڈھیل کرنا' مزید نعمت عطا کرنا اور عذاب نہ دینا ان لوگوں کے حق میں بہتر نہیں۔ پھر اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہو جائے تو مغالطے کے علاوہ کیا تصور کیا جا سکتا ہے۔ اس دھوکے کا منشاء محض یہی ہے کہ دنیوی نعمت میسر آنے پر مغرور ہونے والے کو یہ پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک میرا بڑا مقام ہے۔ حالانکہ یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ دنیوی نعمت ذلت و خواری کی دلیل ہو' چونکہ یہ احتمال نفسانی خواہشات سے موافقت نہیں رکھتا اس لیے اسے تسلیم نہیں کیا۔ اس کے دل کو شیطان نے محض اس طرف جھکایا جو اس کے مطابق دیکھا یعنی محض یہی احتمال اس کے دل میں رہا کہ دنیوی حیات میں نعمت کا ملنا بزرگی کی دلیل ہے حالانکہ یہ بہت بڑا دھوکا ہے۔

مثال نمبر2: مغالطہ کی دوسری مثال گناہ گار مومنین کی ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کریم ہے۔ ہمیں کریم کے عفو و درگزر کی توقع ہے اور اس پہ اعتماد کر کے اعمال صالحہ چھوڑ بیٹھتے ہیں اپنی اس غلط تمنا اور غرور کا نام وہ توقع اور رجا رکھ لیا کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ دین میں رجا کرنا اعلیٰ ترین بات ہے اللہ تعالیٰ کی نعمت بڑی وسیع ہے اور اس کی رحمت سبھی کو میسر آئے گی۔ اس کی رحمت بڑی وسیع ہے اس کے دریائے رحمت کے مدمقابل بھلا بندوں کے گناہ کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ ہم تو موحد اور مومن ہیں۔ ایمان کی وجہ سے ہم یہ توقع رکھتے ہیں۔

دلیل رجا: ان کی رجا کی بعض اوقات محض یہی دلیل ہوتی ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد سعید اور بڑے اعلیٰ مقام کے مالک تھے جیسے سید کہ اپنے حسب و نسب کی وجہ سے بعض اوقات تکبرانہ روش کا شکار ہو جاتے ہیں حالانکہ خوف خدا اور پرہیزگاری نسبت کی وجہ سے بزرگ ہیں حالانکہ ان کے آباؤ اجداد تقویٰ و پرہیزگاری کی وجہ سے ڈرتے رہتے تھے جبکہ یہ لوگ فسق و فجور میں مستغرق رہنے کے باوجود بے خوف رہتے ہیں۔ یہ زبردست دھوکہ ہے۔ یہ مغالطہ ان کے دلوں میں شیطان نے ڈالا ہے کہ جو کسی سے محبت کرتا ہے۔ وہ اس کی اولاد سے بھی محبت رکھتا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے بزرگوں کو پیارا سمجھتا ہے اس لیے تمہیں بھی محبوب جانے گا پھر تمہیں عبادت و طاعت کی کیا ضرورت ہے حالانکہ ان کے ذہنوں میں یہ قانون ذہن نشین نہیں ہوتا کہ جب حضرت نوح علیہ والسلام نے اپنے بیٹے کو کشتی میں اپنے ساتھ سوار کرانا چاہا تو دعا مانگی کہ (1) رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ (ھود 45) اے میرے رب میرا بیٹا بھی تو میرا گھر والا ہے۔ (کنزالایمان) (2) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ (ھود 46) اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں نہیں' بے شک اس کے کام بڑے نالائق ہیں۔ (کنزالایمان)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے بارے میں دعا مانگی تو وہ دعا منظور نہ ہوئی۔ جب ہمارے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے (2) دعا مانگی اور ان کی بخشش طلب کرنے

کے لیے قبر مبارک کی زیارت کا تو حکم ہوگیا مگر مغفرت طلب کرنے کی اجازت نہ ملی۔ جب آپ والدہ ماجدہ کی قبر مبارک پر تشریف لے گئے تو مادری محبت کی وجہ سے قبر مبارک کے پاس بیٹھے روتے رہے۔

(نمبر ا) آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں چچا تھا' آیت وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ (ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کے غلط فہمی ہوتی ہے حالانکہ جمہور مفسرین و محدثین اور مورخین کے نزدیک یہاں باپ کے ہمراہ چچا ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا۔ وہ موحد مومن تھے۔ چچا کا نام آزر تھا۔ یہ مشرک تھا از قاموس و مسالک الحنفا العلامہ سیوطی از خزائن العرفان عرب میں عام طور پر چچا کو باپ کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے بھی چچا کو باپ بہت جگہ فرمایا ہے۔ والہ ابآبک ابراہیم اسماعیل و اسحاق حضور ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا والد فرمایا (مفردات راغب و تفسیر کبیر وغیرہ) اس کی تفصیل کے لئے فقیر کے رسالہ آزر کا مطالعہ کیجئے۔

(2) حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ابوین کریمین کے کفر و ایمان کا مسئلہ دور حاضرہ میں وہابیوں دیوبندیوں نے معرکہ آلاراء بنا دیا ورنہ دور سابق میں جمہور علما ان کے ایمان پر متفق تھے۔ دور حاضر کے گستاخوں کے اعتراضات کے مفصل جوابات فقیر کی تصنیف ابوین مصطفیٰ میں پڑھیں۔

سوال: ابوداؤد کی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت چاہی اور آپ کو اجازت نہ دی گئی اور مسلم شریف میں ہے کہ استاذنت ربي لا ستغفرلا مي فلم باذن لی

جواب: طلب استغفار کی روایت پہلے ہیں اور احیائے ابوین کی روایات بعد کو۔ اس معنی پر طلب استغفار کے اذن کی روایات منسوخ ہوگئیں۔ اس کی تفصیل الالی الکاہنہ میں ہیں۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔ (اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

(بقیہ حاشیہ)

واما ماروی عنه فلم یوذن لی فی ا لشفاعة فهو متقدم علی احیا هما لانه کان فی حجته الوداع فمن الجایزان تکون هذا الدرجته حصلت له علیه الصلٰوة والسلام بعد ان لم تسکن (روح البیان صفحہ 1407 جلد 1) ترجمہ: جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ مجھے شفاعت طلب کرنے کی اجازت نہ ملی۔ یہ روایت واقعہ احیاء سے پہلے کی ہے کیونکہ ان کے احیاء کا واقعہ حج الوداع میں ظہور پذیر ہوا ہے اور یہ بات بالکل ممکن الوقوع اور جائز ہے کہ یہ کرامت احیاء ابوین گرامی کی آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان روایات مخالف کے بعد ہی حاصل ہوئی ہو۔ یہی بات قابل اعتماد ہے۔

(2) علامہ سید احمد حموی شرح الاشباہ والنظائر ص 453 صاحب روح البیان کے قول کی تائید کرتے ہیں۔

(3) وذکر بعض اهدالعلم فی الجمع ما حاصله ان من الجایز ان تکون هذا الدرجة حصلت له علیه الصلٰوة والسلام بعد ان لم تکن وان یکون الاحیاء والایمان متاخرا ترجمہ: بعض اہل علم نے تطبیق روایات یوں ذکر کی ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ کرامت نبی کریم رؤف الرحیم علیہ الصلوۃ والسلام کو بعد حاصل ہوئی اور پہلے حاصل نہ ہوئی کہ ابوین شریفین کا زندہ ہونا ایمان لانا مخالف احادیث سے بعد کا واقعہ ہو تو اس صورت میں کوئی تعارض باقی نہ رہا۔ پھر ان کا احیاء ایمان صاف متحقق ہوگیا۔

(4) حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ ص 57 میں تحریر کرتے ہیں۔

قال القرطبی رحمته اللّٰه علیه تعارض بین الحدیث نهی امرز السنغفار ان حدیث الاحیاء متاخرا عن الاستغفار لهما بدلیل حدیث عائشته رضی اللّٰه عنها ان ذالک کان فی حجته الوداع و لذالک جعله ابن شاهین ناسخا لما ذکر من الاخبار ترجمہ: امام قرطبی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ احادیث احیاء ابوین شریفین اور نہی عن الاستغفار کے درمیان کوئی تعارض نہیں ساتھ دلیل حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کیونکہ احیاء ابوین گرامی کا واقعہ بیچ زمانہ حج الوداع کے گزرا ہے اسی لیے ابن شاہین محدث نے حدیث احیاء کو کتاب الناسخ المنسوخ میں دوسری حد۔ثوں کے لیے ناسخ قرار دیا ہے اور یہی بات اقرب الی اصواب اور قابل اعتماد ہے۔

(5) حافظ فتح الدین ابن سید الناس رحمتہ اللہ علیہ نے سیرت میں حدیث احیاء کو حدیث نہی عن الاستغفار سے موخر ذکر کیا ہے۔ قال و ذکر بعض اهل لعلم فی الجمع بین الروایات ما حاصله ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لم یزل راقیا فی المقامات السنیته صاعداً فی الدرجات العلیته الیٰ ان قبض اللّٰه روحه المطهرة الیه وازلفه بما خصه اللّٰه تعالیٰ من الکرامات حین القدوم علیه فمن الجایز ان یکون هذه الدرجته حصلت له صلی اللّٰه علیه وسلم بعد ان لم یکن و ان یکون الاحیاء والایمان متاخراً من تلک الاحادیث ترجمہ: بعض اہل علم حضرات نے بیچ تطبیق دینے احادیث کے ذکر کیا ہے جس کا ماحاصل یہ ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دائم الاوقات حصول مقامات سنیہ اور درجات رفیعہ کے حصول کے ترقی کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور پر نور کے روح مطہرو مقدس کو قبض کیا اور ان کو ان کے فضائل اور خصائص سے اپنے قریب کیا جو اللہ کو منظور تھا۔ یہ بالکل ممکن اور جائز ہے۔ یہ درجہ حضور پر نور ﷺ کو بعد میں حاصل ہوا ہو۔ پہلے نہ تھا یہ کہ احیاء ابوین شریفین اور قبول اسلام ان تمام مخالف احادیث کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس صورت میں احادیث

میں کوئی تعارض باقی نہ رہا۔

(5) زرقانی جلد اول مصری ص 476 میں ہے کہ ویمکن الجواب عن الحدیثین انهما کانا موحدین غیر انهما لم یبلغا شان البعث وانشر ذالک اصل کبیر فاحیا هما اللّٰه له حتٰی آمنا بالبعث وبجمیع ما فی الشریعته ولذا تاخر احیا هما الٰی حجته الوداع حتٰی تمت الشریعته و منزل الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینًا فاحییت حتٰی امنت بجمیع ما انزل اللّٰه علیه هٰذا معنی نفیس جرأ ترجمہ: معارض حدیثوں کا یہ جواب ممکن ہے کہ ابوین شریفین پہلے ہی موحد اور خدا پرست تھے۔ مگر ان کو کما حقہ' علم دار آخرت کا حاصل نہ تھا چونکہ آخرت پر ایمان لانا دین حقانی کے اصولی چیزوں سے ہی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا تاکہ دار آخرت اور تمام احکام شرعی پر کامل طور پر ایمان لائیں اس لیے اللہ نے حجتہ الوداع کے زمانہ تک ان کے زندہ کرنے میں تاخیر کی یہاں تک کہ دین اسلام مکمل ہوگیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ آج کے دن کامل کیا میں نے دین تمہارا اور پوری کردی میں نے تم پر نعمت اپنی اور پسند کیا تمہارے لیے اسلام حقانی کو دین۔ پھر ان کو زندہ کیا گیا تاکہ تمام امور دینی اور احکام شرعی پر مکمل طور پر یقین لائیں۔

یہ جواب نہایت پسندیدہ اور مقبول عام علماء کرام کا ہے اور یہ بات بالکل صحیح اور قابل اعتماد اور ان کے ایمان پر استدلال کے لائق ہے۔

خلاصہ : انہیں یہ دھوکہ و فریب بھی اللہ کے ساتھ ہی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تو مطیع و فرمانبردار کے ساتھ محبت کرتا ہے اور گناہ گار کو برا سمجھتا ہے اس لیے جیسے باپ مطیع و فرمانبردار ہو تو اس کی گناہ گار اولاد کی وجہ سے اسے برا نہیں سمجھتا یونہی باپ کی محبت کی وجہ سے اسے کی گناہ گار اولاد سے بھی محبت نہیں کرتا۔ اگر باپ کی محبت بیٹے تک چلی آئے تو پھر بغض و عناد بھی پہنچے گا مگر حقیقت یہ ہے کہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (الانعام 164) اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی (کنز الایمان)

فائدہ : جسے یہ خیال ہو کہ باپ کی پرہیز گاری کی وجہ سے مجھے نجات مل جائے گی وہ یوں ہی سمجھیں کہ جیسے خیال کرے کہ باپ کی شکم سیری سے میرا پیٹ بھی بھر جائے گا۔ میرے باپ کے پانی پینے سے میری پیاس بھی بجھ جائے گی۔ میرا باپ عالم بن گیا تو میں بھی عالم بن جاؤں گا۔ میرے والد گرامی کے حج کرنے سے یہ سعادت مجھے بھی میسر آجائے گی حالانکہ یہ امر کوئی بھی تصور میں نہیں لاتا اور تصور میں آسکتا بھی نہیں۔

جواب : حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنی والدہ کے استغفار کی اجازت نہ ملنے والی حدیث کا جواب یوں ہوگا کہ ممکن ہے اس میں مسلسل ہونگی کی ایسی ممانعت ہو جیسے کہ شروع اسلام میں اس شخص کی نماز جنازہ ممنوع تھی جس پہ قرض ہو باوجودیکہ وہ مسلمان ہو۔ پھر یہ کہ اس کا بھی امکان ہے کہ یہ ممانعت دیگر کافروں کے ضمن کی بنا پر ہوئی ہو۔ اس وجہ سے ان کے لیے بھی استغفار کرنے سے روک دیا گیا ہو۔ (مسالک الحنفاء) (حاشیہ ختم)

فائدہ: اس سے معلوم ہوگیا کہ تقویٰ تو فرض عین ہے اس سلسلے میں بیٹے کے بدلے باپ کافی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ حق میں تقویٰ پر ہی ثواب ملے گا۔ اس دن کے بندہ اپنے بھائی اور والدین سے بھی بھاگے گا۔ ہاں البتہ جس پر حق تعالیٰ کا قہرو غضب زیادہ نہیں ہوگا اسے اجازت شفاعت بھی مل جائے گی تو پھر وہ بحیثیت سفارشی کسی کے کام آجائے تو آجائے جیسے کبرو عجب کے باب میں بیان ہو چکا ہے۔

وہم: اگر کہا جائے کہ گناہ گار جو یہ کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کریم ذات ہے۔ ہم کریم کی رحمت کے امیدوار ہیں تو اس کہنے میں بھی کیا غلطی ہے۔ بظاہر یہ دونوں جملے ہی درست ہیں۔ دلوں کو پسند بھی آتے ہیں۔

جواب: اس وہم کا جواب یہ ہے کہ انسان کو شیطان اس قسم کی باتوں میں پھنسا کر ہی بہکایا کرتا ہے جو ظاہری طور پر پسندیدہ ہو اور حقیقتاً باطنی طور پر مردود ہو۔ اگر ظاہری طور پر کلام اچھا اور پسندیدہ ہوتا تو دل فریب میں کیسے آتے؟ مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس قول کی حقیقت واضح فرما دی ہے جیسے حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ شخص دانا ہے جو اپنے نفس کو مطیع و فرمانبردار کر کے مرنے کے بعد کے لیے عمل کرے اور احمق وہ ہے جو خواہشات نفسانی کے پیچھے پڑا رہے اور پھر اللہ تعالیٰ پہ آرزوئیں کرے۔

فائدہ: حقیقتاً یہ آرزو بے عمل کی ہے جسے شیطان نے نام تبدیل کر کے رجا اور توقع کہا ہے اور اسی سے جہلا کو دھوکہ دیا حالانکہ رجا کی وضاحت حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں یوں بیان فرمائی ہے کہ (1) إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ (البقرۃ 218) وہ جو ایمان لائے اور وہ جنہوں نے اللہ کے لیے اپنے گھربار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے۔ وہ رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں۔ (کنز الایمان) یہ لوگ رجا کرنے کے لائق ہیں۔ قرآن پاک میں اخروی ثواب کو اجر قرار دیا ہے جیسے ارشاد فرمایا إِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (آل عمران 185) ارر تمہارے بدلے تو قیامت ہی کو پورے ملیں گے (کنز الایمان) جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (االاحقاف 14) ان کے اعمال کا انعام۔ (کنزالایمان)

اب ہم پوچھتے ہیں کہ اگر کوئی کریم ہو' وعدہ پورا کرنے والا' مقررہ مزدوری سے بھی زیادہ عطا کرے وہی اگر کسی مزدور کو برتن دھونے کے لیے مقرر کرے۔ مزدور ان تمام برتنوں کو توڑ کر تباہ و برباد کر کے مزدوری کے لیے آس لگا کر بیٹھ جائے کہ اجرت دینے والا تو بڑا کریم ہے وہ اجرت ضرور دے گا تو ایسا شخص بڑا مغرور اور تمنا کرنے والا ہے۔ جاہلوں کو محض اس وجہ سے غلط فہمی ہوئی کہ وہ توقع اور غرور کے معنی میں فرق نہیں کرتے۔

حکایت: کسی نے حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ سے توقع رکھنے کی وجہ سے عمل نہیں کرتے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ توقع رکھنا ان کی محض خام خیالی ہے جو شخص جس شے کی توقع رکھتا ہے وہ شخص اس کی جستجو بھی کرتا ہے اور وہ جس شے سے خوف کرتا ہے وہ اس سے دور بھی بھاگتا ہے۔

حکایت: حضرت مسلم بن یسار رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا میں ایک رات زور سے سجدہ میں گرا کہ میرے اگلے دو دانت ٹوٹ گئے۔ مجھ سے کسی نے سوال کیا کہ ہم تو اللہ تعالیٰ سے بخشش رکھتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت مسلم رحمتہ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ یہ رجا نہیں ہے۔ بندے کو جس چیز کی رجا ہوتی ہے وہ اسے تلاش کرتا ہے اور جس چیز سے وہ ڈرتا ہے اس سے دور بھاگتا ہے۔

مثال: کسی کو اولاد کی توقع ہے۔ ابھی تک اس کا نکاح بھی نہیں ہوا۔ ہم بستری تک معاملہ نہیں پہنچا۔ ایسے شخص کو اولاد کی توقع کرنا محض خام خیالی ہے۔ یونہی جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی توقع رکھتا ہو مگر وہ ایمان دار نہ ہو یا ایمان تو رکھتا ہو مگر اس نے اعمال صالح نہ کیے ہوں یا اعمال صالح بھی کیا کرتا ہو مگر برے اعمال ترک نہ کرے تو ایسا شخص بھی خام خیالی کا شکار ہے۔ ہاں جیسے نکاح' محبت وغیرہ کرنے کے بعد خوف و رجا دونوں کرے کہ اللہ تعالیٰ لڑکا پیدا کرنے کے بارے اپنا فضل و کرم کرے' رحم مادر کی تمام آفات سے محفوظ رکھے۔ بچے کی والدہ بھی سلامتی سے رہے' یہ عقلمندی ہے۔ ایسے ہی ایمان قبول کرے۔ پھر اعمال صالح اختیار کرے۔ اعمال بد کو ترک کردے۔ پھر اعمال صالح کو قبول نہ ہونے کے خوف میں بھی مبتلا رہے اور یہ کہ اعمال صالح پہ ہمیشگی قائم نہ رہ سکے یا خاتمہ برا نہ ہو اور اس بات کی توقع بھی رکھے کہ اللہ تعالیٰ قول ثابت پہ قائم رکھے' مرتے وقت دین و ایمان بچائے' توحید پہ خاتمہ ہو' ساری عمر شہوتوں سے دل کو محفوظ رکھے۔ یہاں تک کہ گناہوں کی طرف رغبت ہی نہ رہے۔ یہی دانا اور ہوشیار ہے۔ ایسے اشخاص کے علاوہ سبھی خام خیالیوں کے چکر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ بروز قیامت جب گرفتار ہوں گے تو اس وقت پتہ چلے گا کہ کون گمراہ تھا؟ اس وقت پکار اٹھیں گے۔ رَبَّنَآ اَبۡصَرۡنَا وَسَمِعۡنَا فَارۡجِعۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا اِنَّا مُوۡقِنُوۡنَ (پ 21 السجدہ 12) اے ہمارے رب اب ہم نے دیکھا اور سنا ہمیں پھر بھیج کہ نیک کام کریں ہم کو یقین آگیا ہے۔ (کنز الایمان)

جیسے لڑکا بغیر نکاح اور صحبت کے پیدا نہیں ہوتا' کھیتی بیج ڈالے بغیر نہیں ہوتی۔ اسی طرح ہی عمل صالح کے بغیر اخروی ثواب نہیں ملتا اس لیے اب ہمیں دنیا میں بھیج دے تاکہ اب ہم عمل صالح کریں تیرے کہنے کا اب ہمیں یقین ہوگیا ہے جو تو نے فرمایا تھا (1) وَاَنۡ لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى وَاَنَّ سَعۡيَهٗ سَوۡفَ يُرٰى (النجم پ 27 40-39) اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش اور یہ کہ اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی۔ (کنز الایمان) (2) كُلَّمَآ اُلۡقِیَ فِيۡهَا فَوۡجٌ سَاَلَهُمۡ خَزَنَتُهَآ اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ نَذِيۡرٌ (الملک) جب کبھی کوئی گروہ اس میں ڈالا جائے گا اس کے داروغہ ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈر سنانے والا نہ آیا تھا (کنز الایمان) یعنی کیا تمہیں پیغمبر نے نہیں سنایا تھا کہ بندوں میں اللہ کا یہ طریق جاری ہے کہ ہر ایک کو اس کے کیے کا بدلہ ملے گا تو پھر کیا سبب بنا کہ تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں مغالطے میں پڑ گئے۔ سننے اور سمجھنے کے باوجود پھر تم کیسے دھوکے میں رہے تو اس کا جواب یوں دیں گے وَقَالُوۡا لَوۡ كُنَّا نَسۡمَعُ اَوۡ نَعۡقِلُ مَا كُنَّا فِىۡۤ اَصۡحٰبِ السَّعِيۡرِ (پ 29 سورۃ ملک) اور کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو دوزخ والوں میں نہ

ہوتے۔ (کنز الایمان) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (سورۃ ملک ۱۱) اب اپنے گناہ کا اقرار کیا تو پھٹکار ہو دوزخیوں کو۔ (کنز الایمان)

فائدہ: دو مقام پر رجا کرنی عمدہ ہے۔ ایسا گناہ گار کہ سر تا پا گناہوں میں مبتلا ہو۔ اس کے دل میں جب توبہ کا خطرہ پیدا ہو تو اس وقت اسے شیطان بہکایا کرتا ہے۔ تیری توبہ تو قبول نہیں کی جائے گی۔ اس بہکانے میں شیطان کی غرض محض یہ ہوتی ہے کہ بندہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جائے تو ایسے حال میں بندے پہ واجب ہے کہ مایوسی کو اپنے سے جدا کر کے رجا اختیار کرے اور یہ بات ذہن میں لائے کہ اللہ تعالیٰ کریم ہے۔ وہ بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ توبہ بھی ایک عبادت ہے جس سے بندے کے گناہ ختم ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس کی تصدیق اس طرح ہے کہ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۔ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ (پ 24 الزمر 54) تم فرماؤ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے اور اپنے رب کی طرف رجوع لاؤ۔ (کنز الایمان) اس آیت مبارکہ میں انابت کا حکم بندوں کو فرمایا ایک دوسرے مقام پہ یوں فرمایا وَاِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى (طٰہٰ 82) اور بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں اسے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھا کام کیا۔ پھر ہدایت پر رہا۔ (کنز الایمان)

فائدہ: جب بندہ توبہ کے ساتھ مغفرت طلب کرے تو پھر اسے رجوع کرنے والا اور توقع رکھنے والا سمجھنا چاہئے ورنہ گناہوں پہ اصرار کرنے کے ساتھ ساتھ مغفرت کی توقع کرنا خام خیالی کے سوا کچھ نہیں۔

مثال: بازار میں کوئی شخص ہو اور جمعہ کا وقت تنگ ہوگیا۔ اس وقت اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ جمعہ کے لیے چلنا چاہئے اس وقت اس کے دل میں شیطان نے وسوسہ پیدا کیا کہ جب ثواب جمعے کا نہیں تو پھر جمعے کو یوں جانا چاہئے۔ اس نے شیطانی قول کو تسلیم نہ کیا اور جمعہ کے لیے دوڑ گیا۔ اسے اب امید ہے کہ اسے جمعہ مل جائے گا تو بے شک یہ شخص راجی و متوقع ہے اور اگر اپنے کام کاج میں متوقع رہنے کے باوجود متمنی ہو کہ میرا امام صاحب دیر کردے گا کسی کے لیے درمیانہ وقت تک ٹھہر جائے گا اور کسی دوسری وجہ سے ذرا ٹھہر جائے گا تو ایسے شخص کو مغرور کہا جائے گا۔

دوسرا مقام: نوافل و فضائل سے اس کا نفس عاجز ہے اور محض فرائض پہ ہی گزارا کرتا ہے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نعمت کے حاصل ہونے کا امیدوار ہے اور جن چیزوں کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے صالحین کے لیے کیا یہاں تک کہ اس کی امید توقع کی لذت سے عبادت کا ایک مزہ جوش مارے اسے نوافل کی طرف متوجہ کرے اور اس آیت مبارکہ والا مضمون اسے یاد آئے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ

مُعْرِضُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۔ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ۔ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ۔ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑ گڑاتے ہیں اور وہ جو کسی بے ہودہ بات کی طرف التفات نہیں کرتے اور وہ کہ زکوٰۃ دینے کا کام کرتے ہیں اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بی بیوں یا شرعی باندیوں پر جو ان کے ہاتھ کی ملک ہیں کہ ان پر کوئی ملامت نہیں تو جو ان کے دو کے سوا کچھ اور چاہے وہی حد سے بڑھنے والے ہیں اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرتے ہیں اور وہ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں۔ یہی لوگ وارث ہیں کہ فردوس کی میراث پائیں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (کنز الایمان) (پ 18 سورۃ المومنون آیات 1 تا 11)

قاعدہ: ایسی حالت میں نا امیدی رجا سے پہلے ہی ٹوٹ جاتی ہے جو کہ توبہ کے سلسلے میں رکاوٹ ہے اور رجا سے سہل پسندی بھی ختم ہو جاتی ہے جو کہ نشاط و تہیہ عبادت سے روکنے والی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایسی توقع جو توبہ اور تہہ عبادت پر ابھارتی ہے اسے رجا کہتے ہیں اور وہ رجا جو عبادت میں سستی' ناحق کی طرف طبیعت کے میل کا سبب بنے وہ غرور اور محض خام خیالی ہے۔ جیسے آدمی کے دل میں یہ بات پیدا ہو جائے کہ گناہ کو چھوڑ کر عمل صالح میں مشغولیت اختیار کی جائے تو اس وقت شیطان نے اس کے دل میں یہ تصور پیدا کر دیا کہ تو اپنی ذات کو کیوں خواہ مخواہ تکلیف میں ڈالتا ہے تیرا رب تو بڑا کریم اور غفور ہے۔ اس وسوسہ شیطانی کی وجہ سے توبہ اور عبادت و ریاضت میں سستی کر بیٹھے تو اس کا یہ سستی کرنا غرور میں شمار ہوگا۔ جب ایسی حالت پیدا ہو جائے تو پھر بندے پہ لازم ہے کہ خوف خدا اپنے وجود میں پیدا کرے۔ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب اور زبردست عذاب سے اپنے نفس کو ڈراتے ہوئے کہے بے شک اللہ تعالیٰ غفور اور تواب ہے مگر اس کا عذاب بھی سخت ہے۔ کریم ہونے کے باوجود کافروں کو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رکھے گا۔ گو کافروں کے کفر سے کوئی ضرر نہیں بلکہ عذاب' تکلیف' مرض و علت اور فقر و فاقہ دنیا میں اس نے اپنے بندوں پہ مسلط کیا ہے۔ یہ اسے قدرت حاصل ہے کہ وہ ان سے یہ چیزیں ہٹا دے۔ جس ذات کا یہ طریقہ اپنے بندوں پہ اس طرح جاری و ساری ہے۔ اس نے اپنے عذاب سے ڈرنے کا حکم بھی دیا ہے تو پھر خوف کیسے نہ کیا جائے۔ مطمئن ہونے کی صورت کیا ہے؟ غرضیکہ خوف و رجا دونوں کی وجہ سے ہی بندہ عمل صالح کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے اور ایسی آرزو تو اسے عمل صالح سے روکے اسے تمنا اور غرور ہی سمجھنا چاہیے۔ اکثر و بیشتر جو لوگ اعمال صالح میں سستی اختیار کرتے ہیں اور دنیا کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ آخرت کے لیے کوشش ہی نہیں کرتے اسی لیے انہیں تمنا اور غرور ہے جسے وہ رجا سمجھ بیٹھے ہیں۔

حدیث شریف: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت کے آخری دور میں غرور غالب ہو

جائے گا۔

فائدہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک بالکل صحیح ہے۔ اس طرح ہی دیکھنے میں آرہا ہے۔ پہلے زمانہ کے لوگ عبادات پہ ہمیشگی اختیار کرتے تھے اور وہ جو عمل مبارک بھی کرتے۔ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف کوٹ کوٹ کر بھرا رہتا تھا۔ ساری ساری رات عبادت میں گزار دیتے۔ تقویٰ' شبہوں سے پرہیز اور شہوتوں سے بہت زیادہ بچتے تھے۔ پھر تنہائی میں بھی اپنے نفس کے لیے رویا کرتے فی زمانہ ملاحظہ فرمایئے ہر زمان و ہر لحظہ رنگے دیگر است کے مضمون کی عملی تصویر پیش کر رہا ہے۔ گناہوں اور دنیا میں مستغرق اللہ سے منہ موڑے ہوئے ہونے کے باوجود پھر بھی خوش و خرم' بے خوف اور مطمئن ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم' عفو درگزر اور مغفرت کی توقع رکھتے ہیں۔ گویا وہ دعویدار ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اتنا زیادہ معلوم ہوگیا ہے کہ جتنا انبیاء کرام علیہ السلام' صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین اور سلف صالحین بزرگوں رحمۃ اللہ علیہم کو بھی معلوم نہ ہو سکا۔ یہ اس حقیقت سے آنکھیں چرا رہے ہیں کہ محض تمنا سے تمام مطالب حاصل ہوتے ہیں اور معمولی سی بات سے بھی ضرورت پوری ہو جایا کرتی تھی بزرگان دین اتنے زیادہ کیوں ڈرتے اور خوف خدا میں کیوں مبتلا ہوتے ہیں۔ وہاں تو رونے دھونے کے علاوہ کچھ اور شے بھی لازم ہے۔ باب خوف و رجا میں ہم نے اس کی تحقیق بیان کردی ہے۔

حدیث شریف: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں پہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جس طرح کپڑے بدن پہ پرانے ہو جاتے ہیں اس طرح قرآن ان کے دلوں میں پرانا ہو جائے گا۔ لوگوں کی تمام باتیں طمع سے لبریز ہوں گی۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں خوف بالکل نہیں ہوگا۔ اگر کچھ نہ کچھ نیکی کرلی تو کہے گا کہ یہ مقبول بارگاہ حق ہوگی اگر برائی کر بیٹھا تو کہے گا کہ یہ مجھے معاف کردی جائے۔

فائدہ: اس حدیث مبارک میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس وقت لوگ اختیار کرنے کے بجائے طمع کیا کریں گے کیونکہ وہ قرآن مجید کی خوف دلانے والی آیات سے جاہل ہوں گے۔ اسی طرح کا حال اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کا ذکر فرمایا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے کہ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَ یَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُ لَنَا (الاعراف 8 169) پھر ان کی جگہ ان کے بعد وہ ناخلف آئے کہ کتاب کے وارث ہوئے اس دنیا کا مال لیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ اب ہماری بخشش ہوگی (کنز الایمان)

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ کتاب کے وارث ہیں۔ یعنی علماء میں مگر معمولی چیز حاصل کرتے ہیں۔ یعنی دنیوی شہوتوں کے طلب گار ہیں حلال ہوں یا حرام۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ (1) وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (پ 27 الرحمٰن 46) اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔ (کنز الایمان) (2) ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَ خَافَ وَعِیْدِ (پ 13 ابراہیم 14) یہ اس کے لیے ہے جو میرے حضور کھڑے ہونے

سے ڈرے (کنز الایمان)

قرآن مجید ابتدا تا انتہا خوف دلانے سے پر ہے۔ قرآن میں فکر کرنے والا خوش اعتقاد اگر اس میں غورو فکر کرے تو غم بڑھنے اور خوف زیادہ ہونے کے سوا کچھ بھی متصور نہیں جبکہ لوگوں کا حال یہ ہے کہ گھاس کی طرح کاٹتے چلے جاتے ہیں۔ محض مخارج حروف' کسرہ ضمہ اور نصب وغیرہ کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ شعروں کی طرح معانی کی طرف توجہ کرنے کا کبھی بھی ارادہ نہیں کرتے اور نہ ہی قرآنی مضامین پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ عالم کے لیے اس سے بڑھ کر غرور اور خام خیالی کیا ہو سکتی ہے کہ یہاں تک کہ وہ جملے ذکر کیے گئے ہیں جو اللہ کے بارے میں غرور اور مغالطے کے سلسلے میں لوگ کہا کرتے ہیں رجا اور غرور کا فرق بھی واضح کر دیا گیا ہے۔ طاعت و معصیت کرنے والوں کا غرور بھی اسی کے قریب قریب ہے۔ وہ لوگ طاعت سے زیادہ معصیت کرتے ہیں پھر بھی مغفرت کی توقع رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمارا نیکیوں کا پلہ بھاری رہے گا۔ خواہ برائیاں زیادہ ہی کیوں نہ ہوں حالانکہ یہ بہت بڑی جہالت ہے۔ کچھ لوگ چند درہم حلال و حرام مال سے خیرات کر دیتے ہیں حالانکہ وہی لوگ جو مال مسلمانوں کا اور شبہوں والا بٹورتے ہیں وہی مال خیرات کیے گئے مال سے بہت زیادہ ہوتا ہے ہو سکتا یہ صدقہ خیرات میں مال دیا گیا ہے۔ وہ بھی مسلمان کے مال میں سے ہی ہو پھر بھی صدقہ خیرات کرنے والوں کو اس مال پہ بڑا بھروسہ ہوتا ہے۔ وہ یہ گمان کر بیٹھتے ہیں کہ اگر ہزار درہم حرام مال کے حاصل کریں اور دس درہم حرام یا حلال میں سے خیرات کردیں تو اس طرح کرنے سے یہ نیکی اور برائی برابر ہو جاتی ہے اور حالانکہ غور فرمایئے کہ یہ جہالت کتنی بڑی ہے۔ اگر ترازو کے ایک طرف دس درہم اور دوسری طرف ہزار درہم رکھ دیئے جائیں تو کیا دونوں پلڑے برابر ہو جائیں گے یا ہلکا پلہ بھاری پلے کو اٹھا دے گا تو کیا ان کا یہ قول صحیح ہو سکتا ہے؟

فائدہ: بعض لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ ہماری نیکیاں گناہوں سے زیادہ ہیں۔ ان کے اس قول کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی برائیوں کو نہیں گنتے اور نہ ہی انہیں تلاش کرتے ہیں مگر جو نیکی کرلیتے ہیں اسے گن لیتے ہیں؟

مثال: ایک شخص دن میں سو بار استغفراللہ یا سبحان اللہ پڑھ لیتا ہے بعدازاں مسلمانوں کی غیبت اور بے عزتی کرتا رہتا ہے۔ پھر سارا دن اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی باتوں میں مشغول رہتا ہے اور انہیں شمار بھی نہیں کرتا تو جب جس وقت بھی پوچھا جائے گا تو یہی جواب دے گا کہ میں روزانہ استغفار یا کلمہ طیب کی ایک تسبیح پڑھتا ہوں۔ سارا دن کیا بکتا رہا اس بارے میں غفلت کا شکار رہے گا۔ اگر سارا دن کی لغو باتوں کو ضبط تحریر میں لائے تو وہی لغو باتیں ایک تسبیح سے گنی یا ہزار گنی ہو جائیں گی حالانکہ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ نے وہ تمام باتیں تحریر کرلی ہیں۔

کلمہ لغو کا عذاب: مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (قٓ 18) کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار بیٹھا ہو (کنز الایمان)

ہمیشہ ایسے شخص کو تسبیح و تہلیل کے ثواب کا خیال رہتا ہے جبکہ اس طرف توجہ بھی نہیں کرتا کہ غیبت کرنے والوں'

جھوٹ بولنے والوں، چغل خوروں اور منافقوں کے عذاب کے بارے میں کیا کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے اور مرنے کے بعد اسی گندی زبان کے بارے میں کتنی خرابی سے دو چار ہونا پڑے گا۔ یہ مغالطہ نہیں ہے تو پھر اسے کیا نام دیں گے؟

فائدہ: یاد رکھئے کہ بندے سے اگر کراماً کاتبین لکھنے کی مزدوری لیا کرتے جبکہ تسبیح و تہلیل ہے کچھ بھی نہ طلب کرتے تو پھر اپنی ضروری باتیں بھی نہ زبان سے نکالتا جن باتوں کو تسبیح و تہلیل کے برابر سمجھتا ہے ان باتوں سے تو زبان کو بند کرلیتا ہے اس لیے کہ کہیں زیادہ مزدوری نہ دینی پڑ جائے۔ تو بڑی شرمساری والی بات ہے کہ چند ٹکوں کی خاطر تو احتیاط کرے مگر جنت الفردوس کے چھینے جانے کے خوف سے احتیاط نہ کرے۔ اگر سوچا جائے تو یہ بہت بڑی مصیبت ہے کیونکہ ہمیں وہ کام کرنا پڑا کہ اگر اس بارے میں ذرہ بھر شک کریں تو کافر ہو جائیں اور اگر اس کی تصدیق کریں تو احمق اور مغرور بنتے ہیں تو جو قرآنی مضمونوں کو سچ سمجھتا ہے اس کے ایسے عمل نہیں ہوا کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ناشکری اور کفران سے محفوظ رکھے۔ (آمین) اس کی ذات ایسی عظیم ذات اس لائق ہے کہ اس سے خوف اور حذر کیا جائے جو ایسی غفلت اور غرور دلی پہ مسلط کر سکتی ہے کہ ہمیں قرآن جیسے واضح احکام میسر آنے کے باوجود تنبیہہ اور عبرت حاصل نہیں ہوتی۔ چھوٹی آرزوؤں اور شیطان اور نفس کے جھوٹے بہانوں پہ بھروسہ کرکے مغرور بنے جا رہے ہیں۔

مغروروں کی اقسام: (۱) علماء مغرور ان میں بعض وہ ہیں جو علوم شرعیہ و عقلیہ کو خوب پڑھتے ہیں۔ ان کا خوب گہرائی سے ایسا مطالعہ کرتے ہیں کہ انہیں اپنے ظاہری اعضاء کا خیال تک نہیں رہتا اور نہ ہی گناہوں سے بچنے کی تدبیر کرتے ہیں اور نہ ہی عبادت الٰہی کرتے ہیں۔ دارصل انہیں اپنے علم سے مغالطہ ہوگیا اور وہ اس خیال میں مبتلا ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے مراتب والے ہیں اور علم کی وجہ سے ہم ایسے ہوگئے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ عذاب نہ کرے گا بلکہ دوسروں کے لیے ہماری شفاعت قبول فرمائے گا اور ہم سے ہماری بزرگی و شرافت علمی کی وجہ سے ہماری گناہوں و خطاؤں کی باز پرس نہ ہوگی یہ حقیقت میں انہیں دھوکہ ہوا ہے۔

علم دو قسم یہ علماء اگر بہ نظر بصیرت مطالعہ کریں تو انہیں معلوم ہو کہ علم دو قسم ہے۔ (۱) علم المکاشفہ یعنی اللہ اور اس کی صفات کی معرفت جسے اصطلاح تصوف میں معرفت کہا جاتا ہے۔ (2) علم المعاملہ حلال و حرام اور نفس کے اخلاق مذمومہ و محمودہ کا پہنچانا اور اخلاق سے فرار وغیرہ وغیرہ تو یہ دوسری قسم یعنی علم بیکار ہوتا جس علم سے عمل مقصود ہو وہی عمل اس علم کی قیمت ہوتی ہے۔

مثال: کوئی بیمار ہوا اس کا علاج مضمون حرکت یعنی چند اجزا ہوں جنہیں سوائے طبیب (ڈاکٹر) حاذق و ماہر کے اور کوئی نہیں جانتا یہ بیمار آدمی حکیم و ڈاکٹر کی تلاش کے لیے گھر سے نکل پڑے اور اسے حکیم (ڈاکٹر) مل جائے اور وہ دوائی بھی اسے بتلا دے یہاں تک کہ ان اجزا کا ایک ایک فرد اور ان کے ملنے کے مقامات اور مقدار اور ان کے تیار کرنے مثلاً انہیں کوٹنا' چھاننا سب کچھ سمجھا دے۔ پھر ان اجزاء کی ترکیب اور معجون تیار کرنے کا طریقہ بنا دیا۔ مریض نے یہ

نسخہ سمجھ کر ایک کاغذ پر خوش ... کر کے لکھا کہ گھر واپس آگیا۔ اب وہ روزانہ اس نسخے کو دیکھتا اور پڑھتا بلکہ دوسرے بیماروں کو بھی کہہ کر دیتا ہے لیکن اس سے اپنی بیماری کا علاج نہیں کرتا۔ اس سے نہ تو وہ خود شفایاب ہوگا اور نہ ہی اس کی بیماری جائے گی۔ ہاں تندرست تب ہوگا جب ان ادویہ پر رقم خرچ کرکے انہیں اس ترکیب سے معجون تیار کرے جیسے طبیب (حکیم) نے سمجھایا تھا۔ وہ اس طرح استعمال اور پرہیز کرے جیسے اسے حکیم طبیب نے بتایا تھا۔ اس کے بعد بیماری سے شفا کی امید ہو سکتی ہے۔ اگر دوائی نہ کھائے اور سمجھے کہ شفا ہو جائے گی تو ایں خیال است و محال است و جنوں۔

عالم بے عمل: یہی حال بے عمل کا ہے کہ وہ فقہ اور علم العبادات سیکھے لیکن عمل نہ کرے۔ گناہوں سے باخبر رہے لیکن ان سے اجتناب نہ کرے۔ اخلاق مذمومہ کو خوب جانتا ہے لیکن تزکیہ نفس نہیں کرتا۔ اخلاق حمیدہ کو تو خوب سیکھا ہے لیکن ان سے موصوف نہیں ہوتا۔ ایسا عالم بے عمل ضرور ہے کیونکہ اللہ عزوجل تو فرماتا ہے قد فلح من زکھا (مراد کو پہنچا جس نے نفس کو سنوارا) یہ نہیں فرمایا کہ فلاح اسے ہے جو نفس کے تزکیہ سے تو واقف ہے لیکن سنوارتا نہیں۔ ایسے ہی یہ عالم بے عمل اور ان کو کہہ دیتا ہے بلکہ بے شمار شاگرد بناتا ہے۔

شیطانی دھوکہ: ایسے عالم مغرور (بے عمل) کو شیطان ایک اور دھوکہ دیتا ہے کہ درست ہے کہ مثال مذکور میں کہا گیا ہے کہ ادویہ سیکھنے کے بعد استعمال نہ ہو تو سیکھنا بیکار ہے لیکن علم کی شرفت سے کیا تعلق علم تو قیمتی جوہر ہے اس کا صرف پڑھنا بھی قرب الٰہی و ثواب کے لیے کافی ہے جیسا کہ احادیث مبارکہ فضائل علم میں بکثرت ہیں۔

دھوکہ کا ازالہ: واقعی شیطان کا یہ دھوکہ قوی ہے۔ بہت سے بے عقل اس کے دھوکہ میں آجاتے ہیں کیونکہ یہ نفس کی عین مراد ہے لیکن دانشور ہو تو شیطان کو جواب دیتا ہے کہ فضائل کی احادیث سر آنکھوں پر لیکن علمائے بے عمل کی سوا بھی تو احادیث مبارکہ میں' وارد ہیں ان کا کیا بنے گا۔

علمائے بے عمل کی وعیدات: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَمَثَلُہٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اس کی کہاوت کتے کی سی کہاوت ہے۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا

فائدہ: عالم بے عمل کی تشبیہ کتے اور گدھے سے دی گئی ہے۔ اس سے اس کی ذالت و رسوائی اور کیا ہوگی۔

احادیث مبارکہ: (1) جسے علم تو بہت زیادہ ہو لیکن اس پر ہدایت کم نصیب ہو وہ اللہ سے دور ہی ہوتا جاتا ہے۔ (2) عالم بے عمل دوزخ میں ڈالا جائے گا اور اس کی آنتیں نکل آئیں گی جیسے گدھا چکی گھماتا ہے اس طرح وہ آگ میں چکر کھائے گا۔ (3) سب میں زیادہ برے لوگ علماء بے عمل (بدکار) ہیں۔ (4) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جاہل کو ایک بار خرابی کہ اس نے علم نہ پڑھا اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی وہ پڑھتا لیکن عالم (بے عمل) کو سات بار خرابی اس وجہ سے کہ اس کا علم اس پر حجت ہوگا اور اسے کہا جائے گا تو نے اپنے علم پر عمل کیا اور اللہ کی نعمت کا کیا شکر ادا کیا۔ (5) حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں سب سے زیادہ عذاب

اس عالم کو ہوگا جسے اس کے علم سے نفع نہ ہوا۔ یعنی اس پر اس نے عمل نہ کیا تھا۔ ان کے علاوہ ہم نے علمائے آخرت کی علامات میں بے شمار احادیث نقل کی ہیں۔

فائدہ: علمائے بے عمل کو ایسی روایات تنفس کے خلاف محسوس ہوتی ہیں اسی لیے شاید ان کی طرف توجہ نہیں دی جاتی اور فضائل علم کی احادیث چونکہ ان کے نفس کے موافق ہیں اس لیے انہیں پڑھ کر خوش ہوتے ہیں۔ یہ بھی شیطان کی طرف سے زبردست مغالطہ ہے کیونکہ اگر علماء غور فرمائیں تو خوب سمجھیں گے۔ اگر ایمان سے سوچیں تو یقین کریں کہ جس ذات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فضائل علم کی روایت بیان فرمائی ہیں اسی ذات کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علم بے عمل کی وعیدات بھی بتائی ہیں بلکہ غور فرمائیں تو اللہ کے نزدیک ان کا حال جہلا سے بھی بد تر ہے۔

انتباہ اس کے باوجود اگر کوئی دل میں خیال رکھے کہ میں عالم ہوں اسی لیے بہتر ہوں لیکن یہ تو سوچ کہ اللہ کی باز پرس بھی تو سخت ہے اگر اس طرح نہیں سمجھتا تو سمجھ لو کہ یہ عالم مغرور ہے۔

شیطانی دھوکہ: کوئی علم المکاشفہ کا مدعی ہے اور کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات و اسماء کا اسے علم ہے لیکن وہ بے عمل کا اور مرونواہی بجا نہیں لاتے تھے اسے بھی مغالطہ ہے اس کا خیال ایسا ہے کہ کوئی بادشاہ کی خدمت کرنا چاہے اور وہ بادشاہ کو اس کے اخلاق و اوصاف اور رنگ و شکل اور طول و عرض اور عادات نشست و برخاست کو تو معلوم کرے لیکن اسے یہ معلوم نہ ہو کہ بادشاہ کو کون سی چیز مرغوب اور کون سی چیز مبغوض ہے کس شے سے وہ خوش ہوتا ہے اور کس سے ناراض، مانا کہ اس نے اس کی یہ باتیں بھی معلوم کرلیں لیکن پھر اسے معلوم نہیں کہ بادشاہ کو کون سی باتیں غصہ دلاتی ہیں اور کون سا لباس اور ہیئت اور حرکات و سکنات اور گفتگو اسے محبوب ہے۔ ان امور سے بے خبر ہو کر بادشاہ کی خدمت حاضر ہو جائے اور چاہے کہ میں بادشاہ کا مقرب ہو جاؤں اور خوب معلومات کروں کہ بادشاہ کا نسب و نام اور شہر اور صورت و شکل، عادات و سیاست اور معاملہ بہ رعیت کیسے ہے لیکن اس سے ناواقف ہے کہ بادشاہ کو کون سی باتیں ناپسند ہیں بلکہ بادشاہ کے سامنے ان باتوں کا مرتکب ہوتا ہے جو بادشاہ کو ناراض کرنے والی ہیں تو ایسا شخص بادشاہ کا مقرب نہ بن سکے گا بلکہ الٹا مبغوض سمجھا جائے گا۔ اگر وہ اتنا طویل امور نہ جانتا صرف بادشاہ کو خوش کرنے والے امور عمل میں لاتا تو بادشاہ کے قرب کی امید کی جاسکتی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ کیسے: اس مثال کے بعد اسے سمجھے کہ جو شخص تقویٰ میں کوتاہی کرتا ہے اور شہوات کی پیروی میں تو یقین سمجھئے کہ اسے اگرچہ علم المکاشفہ حاصل ہے تب بھی وہ اللہ کا مقرب بندہ نہیں ہاں اس کا علم المکاشفہ یعنی معرفت برائے نام ہے۔ وہ صرف پوست پر مست رہا۔ مغز سے محروم۔ اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا حق معرفت جانتا تو اس کے دل میں خوف خدا ہوتا اور تقویٰ کرتا۔

مثال عجیب: کوئی شخص شیر کو جانتا ہے لیکن اس سے ڈرتا نہیں تو وہ نقصان اٹھائے گا کہ جونہی قریب جائے گا شیر

اسے پھاڑ کھائے گا۔

وحی حضرت داؤد علیہ السلام: اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ مجھ سے ڈرو جیسے کوئی درندے ضرر رساں سے ڈرتا ہے۔ ہاں، صرف شیر کا نام اور شکل و صورت جانتا ہے لیکن اس سے ڈرتا نہیں تو سمجھو کہ کوئی اس نے شیر کو پہچانا ہی نہیں۔ اس معنی پر جو اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے تو وہ یہ بھی جان لیتا ہے کہ اس کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ دنیا میں تمام لوگوں کو تباہ کر سکتا ہے اور اسے اس کی کوئی پروا بھی نہیں اور اس کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ اس کے قبضہ قدرت میں انسان بھی ہے کہ وہ اسے جیسے ہزاروں کو ہلاک کر دے یا دائمی طور سے عذاب میں رکھے تو اس کی شان میں ہے کہ اسے اس پر نہ رحم آئے اور نہ اسے افسوس ہو۔ اس لیے اس نے فرمایا انما یخشی اللہ من عبادہ العکماء

فائدہ: زبور کے شروع میں ہے کہ خوف خدا تمام حکمتوں کی جڑ ہے۔

فائدہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ خوف الٰہی کے لیے علم کافی ہے اور اس سے مغالطہ کے لیے جہل کافی ہے۔

حکایت: کسی نے حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے مسئلہ پوچھا کہ آپ نے اس کا جواب دیا اس نے کہا فقہا اس طرح بیان نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے فقیہہ دیکھا نہیں فقیہہ وہ ہے جو شب بیدار ہو اور دن کو روزہ رکھے اور تارک الدنیا ہو۔ نیز آپ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ فقیہہ وہ ہے جو مدارات کرے اور کسی سے نہ جھگڑے اور اللہ کی حکمت کو پھیلائے اگر کوئی اس کی مانے تب بھی شکر کرے نہ مانے تب بھی شکر کرے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ فقیر وہی ہے جو اوامر و نواہی سیکھے اور اللہ کی صفات میں سے ایک صفت اس کی یہ کہ اسے کیا شے محبوب اور کون سی شے مکروہ حقیقی عالم دین وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ بہتر عطا فرماتا ہے۔ اسے دین کی سمجھ عنایت فرماتا ہے۔ جو ایسا عالم نہ ہو اسے مغرور سمجھو۔

عالم بے عمل: علمائے بے عمل کا ایک گروہ ایسا ہے جو علم و عمل دونوں کے جامع ہیں اور گناہوں کا ارتکاب بھی نہیں کرتے لیکن وہ صفات مذمومہ جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں ان سے اپنے قلوب کو پاک و صاف نہیں کرتے جیسے تکبر حسد و ریا طلب ریاست اور طلب بلندی مرتبہ اور ہمسروں کو ایذا' عوام اور بلدان میں اپنی شہرت کی خواہش وغیرہ وغیرہ بلکہ بعض تو ایسے مغرور ہیں وہ ان صفات مذمومہ کو برا بھی نہیں سمجھتے اور عمداً انکار ارتکاب کرتے ہیں۔ انہیں ان احادیث کی طرف توجہ ہی نہیں جو ان کی مذمت میں وارد ہیں۔

احادیث مبارکہ: (1) حضور ﷺ نے فرمایا کہ ریا قلیل بھی شرک ہے۔ (2) جس کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر ہو گا وہ جنت میں نہ جائے گا۔ (3) حسد نیکیوں کو ایسے کھاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو (4) پانی اور بزرگی کی محبت نفاق کو

ایسے بڑھاتی ہے جیسے پانی سبزی کو۔ ان روایات کے علاوہ اخلاق مذمومہ کے متعلق احادیث وارد ہیں ہم نے ابواب مہلکات میں بیان کردی ہیں۔

علمائے بے عمل کا ایک غلط طریقہ: علمائے بے عمل نے اپنے ظاہر کو تو خوب نوازا لیکن باطن کی طرف بالکل توجہ نہ دی جیسے ہمارے دور میں بہت سے مدعیان علم کا حال ہے۔

حدیث شریف: اللہ تعالیٰ تمہاری عورتوں اور اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

فائدہ: بعض علماء نے صرف اعمال کو تو خوب خیال کیا لیکن قلوب کی طرف کوئی توجہ نہ کی حالانکہ اصل تو دل ہے بلکہ نجات و سلامتی اسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (الشعراء 89)

مثال: علماء بے عمل کی مثال اس گارے کی ہے جس میں پختہ کنواں ہو کہ بظاہر تو چونے وغیرہ سے آراستہ ہو مگر اس کے اندر بدبو ہو یا جیسے بعض مردوں کی قبریں بظاہر تو خوب آراستہ و پیراستہ ہوں لیکن اندر مردہ بے ایمانی اور اس کی قبر تاریک ہو (معاذ اللہ) یا جیسے اندھیری کوٹھڑی کی جس کی چھت پر چراغ روشن ہو کہ اوپر تو روشنی ہے مگر اندر تاریکی و ظلمات یا کوئی بادشاہ کو مہمانی کی دعوت دے کر کمرہ کو باہر سے خوب سجائے لیکن کمرہ کے اندر گھاس پھوس ڈال دے۔ ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ یہ تمام امور غلط ہیں۔

عجیب مثال: ایک شخص نے کھیت بویا، کھیتی کے ساتھ ایسی گھاس لگائی جس سے کھیتی بگڑ جائے۔ اسے کہا گیا کہ اگر کھیت کے لیے بھلائی چاہتے ہو تو گھاس کاٹ ڈالو اس نے گھاس کو جڑ سے اکھاڑنے کے بجائے اوپر سے پتیاں وغیرہ کاٹیں۔ اس سے تو الٹا گھاس کی جڑیں اور زیادہ مضبوط ہوگئیں اور گھاس پہلے سے زیادہ بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ کھیتی برائے نام رہ گئی اور کھیت میں گھاس کا قبضہ ہوگیا۔ یونہی علمائے بے عمل کا حال سمجھئے کہ انہوں نے اپنے علم کے کھیت میں عمل کی کھیتی کے ساتھ گناہوں کا گھاس بھی لگا دیا۔ اس سے اگر ان گناہوں یعنی اخلاق مذمومہ گھاس دل سے نہ ہٹایا جائے تو طاعات (اعمال صالحہ) کیسے حاصل ہوں گے بلکہ یہ دل آفات گناہ میں پھنس جائے گا۔

دوسری مثال: کسی کو خارش ہو طبیب (حکیم) دوائی جسم پر ملنے کے لیے دے اور پینے کی دوائی بھی دے اور فرمائے کہ مالش سے چمڑے کو فائدہ ہوگا اور پینے سے اس کی جڑ کٹ جائے گی۔ مریض نے صرف لگانے کی دوا پر قناعت کی اور پینے کی دوا نہ پی بلکہ ایسی چیزیں کھاتا رہا جس سے خارش بڑھے تو اس کی خارش کبھی نہ جائے گی کیونکہ جڑ تو اندر موجود ہے جب یہ جائے گی تو مرض بھی جائے گا۔ علماء کا ایک گروہ اور ہے وہ لوگ اخلاق باطنی کا علم بھی رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ شریعت کی رو سے یہ بری ہیں مگر چونکہ اپنے نفسوں کو بڑا سمجھتے ہیں اس لیے گمان کرتے ہیں کہ ہم میں یہ باتیں نہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا مرتبہ نہیں رکھتے جو ہمیں اللہ تعالیٰ آزمائے۔ یہ چیزیں عوام کے امتحان کی ہیں نہ ہمارے جیسے علماء کے امتحان کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان سے آثار کبر اور ریاست اور بڑائی اور شرف ظاہر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تکبر نہیں بلکہ دین کی عزت اور شرف علم کا ظاہر کرنا اور اللہ کے دین

مخالفوں اور بدمذہبوں کو زک دینا ہے اس لیے کہ ہم عام کپڑا پہنیں اور مجالس میں عام جگہ بیٹھیں تو اعدائے دین ہنسیں گے بلکہ بدگوئی کریں گے اور ہماری ذلت نہ ہوگی بلکہ اسلام کی ہوگی اور ان مغروروں کو یہ معلوم نہیں کہ ان کا دشمن تو واقع میں شیطان ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ڈرایا ہے وہ ان کی حرکات پر خوب ہنستا ہے اور ان کو مسخرہ بناتا ہے۔ انہیں معلوم نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دین کی نصرت کیسی کی اور کافروں کو کیسی زک دی تھی اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کی کیسی تواضع رکھتے تھے اور وہ فقر و مسکینی پر کیسے قائم تھے۔

حکایت: ملک شام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر گھٹیا لباس کا اعتراض کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اسلام سے عزت دی ہے اس لیے ہم دوسری چیزوں میں عزت کی خواہش نہیں رکھتے۔

فائدہ: ہمارا سوال ہے کہ علماء مغرور دین کی عمدہ لباس اور باریک و ریشمی کپڑوں میں (جو حرام ہیں) اور سواریوں اور گھوڑوں میں عزت کیسے طلب کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر اپنے ہمسروں یا اس کے مقابل کو جو اس کی غلطی پر متنبہ کرے تو وہ اسے حسد نہیں سمجھتا بلکہ اس پر اللہ کا غضب ہے کہ وہ اس پر طعنہ کر رہا ہے یا اس پر زیادتی کر رہا ہے۔ اسے دوسرے کا اپنے اوپر حسد کا خیال بھی نہیں اس کی علامت یہ ہے کہ اس طرح کا طعن اگر کسی دوسرے عالم دین پر ہوتا تو کیا وہ اس طعن کرنے والے کو اس طعن سے روکتا یا خوش ہوتا ہے (کہ اس کے ہمسر کا شکوہ ہو رہا ہے) ایسے ہی وہ اپنے ریا کو بھی ریا نہیں سمجھتا۔ اگر کسی وقت کیونکہ ریا اس کے دل میں گزرتا ہے تو کہتا ہے کہ میں ریا نہیں کرتا بلکہ میری غرض اظہار علم و عمل سے ہے کہ لوگ میری اقتدا کریں اور ان کو دین سے آگاہی ہو اور عذاب الٰہی سے نجات پائیں اور اس مغرور کو یہ خیال نہیں گزرتا کہ اگر واقع میں ایسا ہوتا تو عوام اگر دوسرے عالم کی اقتدا کریں تب بھی اسے ایسے ہی خوش ہونا چاہیے۔ (نمبر ۱) کیونکہ مقصد تو عوام کی بھلائی ہے کسی کے ذریعے سے ہو جیسے کسی کے بہت سے خادم ہوں اور اس کو ان کا علاج کرانا منظور ہو ان کا علاج کوئی کرے۔ (شیطان کی شرارت) شیطان علماء کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ جب لوگ میرے سبب سے ہدایت پائیں گے تو ثواب مجھے ہوگا تو میں خوش ہوں تو اپنے ثواب کی وجہ سے خوش ہوتا ہے اس لیے نہیں کہ لوگ مجھے مانتے ہیں۔ یہ منصوبے اپنے نفس میں کرلیتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کو دل کا حال خوب معلوم ہے۔

لطیفہ: کسی مغرور عالم (مولوی) کو بالفرض کوئی نبی علیہ السلام فرمائے کہ تجھے خاموش رہنے اور علم کے خفیہ رکھنے میں بہ نسبت اظہار علم کے زیادہ ثواب ہے اور ساتھ ہی اسے قید کر کے زنجیروں سے جکڑ دیا جائے تو یہ بہانے بنائے گا' قید خانے کو کسی طرح ڈھا کر اور زنجیریں تڑا کر ایسی جگہ جائے گا جہاں اس کے وعظ و تدریس کی وجہ سے نام بلند ہو۔ اسی طرح جو شخص بادشاہوں کے پاس جا کر ان سے دوستی کرتا ہے اور ان کی تعریف اور تواضع و انکسار بجالاتا ہے جس سے یہ بات دل میں گزرتی ہے کہ ظالم بادشاہوں سے عاجزی حرام ہے تو شیطان اسے مغالطہ دیتا ہے کہ تیری تواضع اس قسم کی نہیں ہے۔ یہ تو چاہیے اس وقت سے اسے رُو کے اور شراب سے بھی بچا رہے۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ کو مغرور عالم کے دل کا حال خوب معلوم ہے کہ اس کا مقصد یہ نہیں جو دعویٰ کرتا ہے۔ اگر یہی مراد ہوتی تو کوئی دوسرا شخص اگر بادشاہ کا مقرب ہو کر تمام مسلمانوں کی سفارش کرتا اور اس کی سفارش منظور ہوتی تو یہ عالم اس سے حسد نہ کرتا بلکہ اگر کوئی ایسا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ یہ بادشاہ کے سامنے اس دوسرے پر جھوٹ لگائے گا اور اس کے عیب بتائے گا کیا کیا نہ کر گزرے گا۔

فائدہ : بعض علماء کا غرور یہاں تک پہنچتا ہے کہ بادشاہوں کا مال لے لیتا ہے اور جب خیال آتا ہے کہ مال حرام ہے تو شیطان سمجھتا ہے کہ یہ مال لاوارث ہے اور وہ مسلمانوں کی بہتری کے لیے ہوتا ہے اور تو مسلمانوں کا امام اور عالم ہے اور تجھ سے دین قائم ہے تجھے بقدر ضرورت اس سے لے لینا درست ہے تو مغالطے سے تین باتوں میں دھوکا کھاتا ہے (1) مال لاوارث ہے اس لیے کہ صریح اس کو معلوم ہے کہ بادشاہ عوام سے بطور خراج مال لیتا ہے اور جن لوگوں سے لیا ہے وہ خود زندہ ہیں یا ان کی اولاد وارث موجود ہیں۔ مثلاً دس آدمیوں سے بادشاہ نے سو دینار لیے تھے۔ وہ سب خلط ملط ہوگئے ہیں تو اس مال کی حرمت میں کیا شبہ ہے۔ یہ سمجھنا کہ مال لاوارث ہے نہایت غلط ہے بلکہ واجب ہے کہ ان کے مال کو واپس دے دے۔ اگرچہ ایک چیز دوسری میں مل گئی ہے۔ (2) خود کو دین کی بہتری اور قیام کا موجب سمجھا اس لیے کہ جو لوگ بادشاہوں کے مال کو حلال جانتے ہیں وہ طلب کی دنیا کے راغب ہیں اور آخرت سے روگرداں وہ لوگ دین بگاڑنے والے ہیں۔ یہ علماء ان مغروران سے زیادہ برے ہیں جو دنیا سے روگردانی کر کے دعویٰ کرتے ہیں جبکہ وہ متوجہ الی اللہ ہیں۔

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ ایسے علماء دین کے دجال اور مذہب شیاطین کو استحکام بخشنے والے ہیں نہ کہ دین کے امام و مقتدا اس لیے کہ دین کا امام وہی ہو سکتا ہے جس کی پیروی سے دنیا سے روگردانی نصیب ہو اور اللہ کی طرف توجہ کامل جیسے انبیاء علیہم السلام اور صحابہ اور علماء اسلاف رضوان اللہ علیہم تھے۔

فائدہ : دجال اسے کہتے ہیں جس سے تمام معاملات مذکورہ بالا الٹے ہوں تو ایسا شخص جو اللہ سے روگرداں اور دنیا پر متوجہ ہو اگر دجال نہیں تو کون ہے۔ وہ اپنی دانست میں خود کو دین کا ستون سمجھتا ہے اور شاید اس کے مرنے سے لوگوں کو زیادہ نفع ہو بہ نسبت اس کی زندگی کے (مثال) ایک مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمائی ہے کہ برا عالم ایسا ہے جیسے بہتے پانی کے منہ پر پتھر کہ نہ خود پانی جذب کرے نہ بہنے دے کہ کھیتوں کو نفع ہو۔

فائدہ : مغرور علماء کا ایک گروہ اور ہے جنہوں نے علم بھی خوب پڑھا اور اعضاء کو پاک و صاف کیا اور طاعات کیں معصیت ظاہری سے بھی بچے اور اخلاق نفس اور صفات قلبی ریا اور حسد اور کبر وغیرہ کے درپے ہو کر اس میں کوشش کی کہ نفس ان اخلاق سے بری ہو جائے۔ اس لیے دین سے ان چیزوں کی جڑیں کاٹ ڈالیں مگر اس کے باوجود وہ مغرور رہے۔ یعنی دل کے کونوں میں خفیہ مکر شیطانی اور فریب نفسانی ایسے رہ گئے جن کا معلوم کرنا بہت

ا۔ ہمارے دور میں ایسے مغرور علماء (مولویوں) کی بہتات ہے۔ اللہ ہم سب کو تواضع و انکساری کی دولت سے نوازے۔ (آمین)

مشکل ہے۔ ان کی اطلاع نہ ہوئی اسی لیے ان کو ویسا ہی چھوڑ دیا۔ **مثال**: ان علماء کا حال یوں ہے جیسے کوئی کھیت کو آباد کرنا چاہے اور اس میں جا بجا پھر کر جہاں جہاں گھاس نظر آئے اسے جڑ سے اکھاڑ دے۔ مگر جس گھاس کے سرا ابھی تک زمین سے نکلے ہی نہ تھے اس نے خیال کیا کہ تمام گھاس کو نکال دیا حالانکہ سوئیوں کی طرح ابھی گھاس رہ گیا تھا۔ پھر کہ وہ گھاس کی جڑوں میں پھوٹ کر زمین کے اندر ہی اندر پھیل گئیں۔ اسے نظر میں نہ آئیں اس کو تو یہی خیال ہوگا کہ میں نے تمام گھاس اکھاڑ ڈالی حالانکہ اس کی غفلت سے زمین کے نیچے ان جڑوں نے پھیل کر کھیتی کی جڑوں کو بگاڑ دیا۔ اسی طرح عالم بھی کبھی اچھی باتیں کرتا ہے مگر خفیہ امور کی طرف توجہ نہیں کرتا بعض علماء رات کو جاگتے ہیں اور علوم کی جمع و ترتیب اور تحسین الفاظ اور تصنیفات کے لکھنے میں زندگی بسر کرتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ اس سے ہماری غرض دین کا اظہار اور شریعت کی اشاعت ہے اور خفیہ ظہور پر ان کا خیال ہوتا ہے کہ دنیا میں ہمارا نام مشہور ہو اور عوام اس کی طرف رجوع کریں اور اس کے زہد و تقویٰ اور علم کی مدح و ثنا میں زبان کھولیں اور حاجات و اغراض میں اسے اپنے اوپر ترجیح دیں اور استفادہ کے لیے اس کے ہاں اکٹھے ہوں اور جب وہ کوئی بات بیان کریں تو لوگ دل لگا کر سنیں یا جب اس کی گفتگو سنیں تو اس کی تصدیق کے لیے سرہلائیں یا وجد کریں یا اس سے خوش ہو کر اس کے تابعدار اور غلام بے دام ہوں اور مستفیذین کا ہر وقت اس کے اردگرد میلہ لگا رہے اور سمجھیں کہ یہ خاصیت اسے حاصل ہے کہ علم و تقویٰ اور زہد ظاہری تمام کے تمام اس میں موجود ہیں اور عوام پر زبان طعن دراز کرنا نہ اس نظریہ سے کہ انہیں کوئی دین کا درد ہے بلکہ اپنے آپ کو خاص اور اعلیٰ سمجھ کر عوام کے عیب بیان کریں۔

فائدہ: سوائے ان کے اور بھی ایسی باتیں اور اسباب خفیہ ان کے علم و عمل میں ہیں اور ظاہری زندگی تو ان مغروروں کی دین کے لیے ہے لیکن درپردہ حکومت اور لوگوں کی تعریف پر منحصر ہے۔ اگر عوام کے دل ان سے پھر جائیں اور ان کو کسی عمل کے ظاہر ہونے سے زاہد نہ سمجھیں تو بعید نہیں کہ ان کا دل پریشان ہو جائے پھر سے ورد و وظیفہ بھی چھوٹ جائے اور کئی طرح کے حیلے اور بہانے سے اپنے نفس کا عذر بیان کریں اور اپنے عیب چھپانے کے لیے جھوٹ بھی بول دیں اور یہ بھی نہیں کہ جو ان کے زہد و تقویٰ کا معتقد ہو اس کی تعظیم و توقیر زیادہ کرے گا جتنا اس کا اعتقاد ہے اتنا میں نہ ہو اور اگر کوئی جس قدر تقویٰ سے اسی قدر کا معتقد ہو تو اس سے ملول و محزون ہوتا ہے اور بعض اوقات اپنے دوستوں میں سے ایک دوسرے پر ترجیح دیتا ہے اور اس کی وجہ یہ جانتا ہے کہ چونکہ اس کو فضل و تقویٰ زیادہ ہے اس لیے اس کی تعظیم زیادہ کرتا ہوں حالانکہ اس کی درحقیقت وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ شخص اطاعت و فرمانبرداری زیادہ کرتا ہے اور اس سے کام بہت حاصل ہوتے ہیں اسی لیے اس کی تعریف و توصیف زیادہ کرتا ہے خود خدمت کا زیادہ حریص ہوتا ہے اسی لیے اس کی تعظیم بھی زیادہ ہوتی ہے۔ (نمبرا)

دور حاضرہ میں عموماً علماء اور پیروں میں یہی کیفیت جاری و ساری ہے الا ماشاء اللہ اللہ ہم سب کو جادہ استقامت نصیب فرمائے (آمین)
اویسی غفرلہ

فائدہ: بعض اوقات بعض لوگ کسی عالم سے استفادہ کرتے ہیں اور اس علم کی رغبت پیدا ہوتی ہے تو عالم کو یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ تاثیر میرے اخلاص اور صدق اور علم کے حق ادا کرنے کی وجہ سے ہے اور اسی گمان سے اللہ کا شکر کرتا ہے کہ اس نے میری زبان سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا اسے وہ باعث عفو گناہ اور کفارہ سیئات سمجھتا ہے حالانکہ ابھی تک اسے اپنی نیت کی خبر نہیں کہ درست ہے یا نہیں ہو سکتا ہے کہ ایسے ہی ثواب کا وعدہ اس کو سنایا جائے بشرطیکہ گمنامی اور گوشہ نشینی اور علم کا پوشیدہ رکھنا اختیار کرے تو اس کی خواہش نہ کرے کہ ثواب ملے گا۔ وغیرہ وغیرہ کیونکہ ایسی صورت میں لذت و شہرت اور لذت دینوی عروج مد نظر ہے اور شاید شیطان کا قول ایسے لوگوں پر درست ہے وہ کہتا ہے کہ بنی آدم میں سے جو اس بات کا مدعی ہو کہ میں اپنے علم کے سبب شیطان سے پناہ میں ہوگیا تو وہ اپنی ہوشیاری کی وجہ سے میرے جال میں پھنس گیا۔

صاحب تصانیف کی خرابیاں: کوئی عالم تصنیف کتاب میں بہت کوشش کرتا ہے اور وہ اس خیال میں ہے کہ میں علم الٰہی جمع کرتا ہوں تاکہ لوگوں کو اس سے فائدہ ہو حالانکہ واقع میں مد نظر یہ ہوتا ہے کہ تصنیف کی وجہ سے میرا نام مشہور ہو۔ اگر یہ غرض نہیں تو پھر کوئی دوسرا اس کتاب میں اصل مصنف کا نام مٹا دے اور اپنا نام اس کی جگہ لکھ دے تو مصنف پر ناگوار کیوں گزرتا ہے باوجودیکہ اس کو یہ معلوم ہے کہ جو بھی اس سے استفادہ کرے گا ثواب مجھے ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی میں ہی مصنف ہوں (لیکن ثواب کی بات کہاں وہ تو کتاب پر اپنا نام نہ دیکھ کر آپے سے باہر ہو جاتا ہے) نیز کبھی تصنیف میں اپنی تعریف میں کھل کر بڑے لمبے چوڑے دعوے کرتا ہے اور کبھی ضمناً" اپنی تعریف کرتا ہے اس طرح کہ دوسرے پر طعن و اعتراض کرتا ہے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس کا مرتبہ دوسرے سے بڑھ کر ہے حالانکہ اعتراض اور طعن کی کوئی ضرورت نہ تھی اور بعض اوقات اگر کسی عبارت میں غلطی پاتا ہے تو اپنی کتاب میں اس عبارت کو لکھنے والے کو تصریح کرکے لکھتا ہے اگر اس کی عبارت اچھی ہو تو نام کے نعیم لکھتا ہے تاکہ کوئی سمجھے کہ یہ عبارت خود مصنف کی ہے یا تو عبارت کو بعینہ چرا کر درج کر دیتا ہے اس میں کچھ تصرف اور تبدیل کرکے نقل کرتا ہے۔

سرقہ کرکے تصنیف کرنے والے کی مثال: مذکورہ بالا مصنف کی مثال یوں ہے کہ جیسے کوئی قمیص چرا کر اس کی قبا بنوالے تاکہ چوری نہ سمجھی جائے۔ کبھی یوں کوشش کرتا ہے کہ الفاظ مزین اور مجمع ہوں اور ترتیب بہت عمدہ ہو تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ عبارت ایسی ویسی ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس سے میری غرض حکمت کی ترویج و تیزین ہے تاکہ عوام کو نفع ہو۔ یہ خیال بھی غلط ہے۔

حکایت: کسی حکیم نے تین سو ساٹھ جلدیں حکمت میں لکھی تھیں اس وقت کے نبی علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس سے فرما دو کہ تو نے اس کلام فضول سے تمام زمین بھر دی (میں اللہ تعالیٰ اس سے کوئی شے قبول نہیں کرتا)

فائدہ: بعض اوقات اس قسم کے مغرور جمع ہوتے ہیں تو ہر ایک کو یہی خیال ہوتا ہے کہ میرا نفس عیوب قلوب اور خفیہ برائیوں سے محفوظ ہے اور جب ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے ہیں اور ہر ایک کے ساتھ ایک ایک گروہ کا جم غفیر ہو جاتا ہے۔ اپنے ہم جولیوں کو دیکھتا ہے کہ کیا اس کے ساتھ رش زیادہ ہے یا دوسرے کے ساتھ۔ اگر اپنے ساتھ بڑا رش دیکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔ اگرچہ جانتا ہے کہ دوسرا شخص مجھ سے کثرت جماعت کا زیادہ مستحق ہے۔ پھر جدا ہو کر جب لوگوں کو تعظیم شروع کرتے ہیں تو غیبت و حسد ہونے لگتا ہے اگر کوئی طالب علم کسی استاد کے پاس آتا جاتا تھا پھر اس سے جدا ہو کر دوسرے کے پاس جانے لگا تو استاد کے دل پر نہایت شاق گزرے گا ا۔ پھر دل سے نہ اس کی طرف توجہ کرے گا نہ اس کی حاجت روائی کے لیے آمادہ ہو گا جیسے پہلے کرتا تھا۔ باوجودیکہ اسے معلوم ہے کہ دوسرے استاد کے پاس بھی یہ طالب علم استفادہ کے لئے ہی جاتا ہے شاید اس استاد کے پاس رہنے سے اس کا نفع بہ نسبت اس استاد کے زیادہ ہو یا پہلے استاد کی جماعت میں اسے کوئی خرابی معلوم ہو اسی لیے دوسرے استاد کے پاس چلا گیا تو کوئی حرج نہیں۔ خلاصہ یہ کہ اس استاد کے دل سے نفرت نہیں جاتی اور جب کسی کو حسد ہوتا ہے اور اسے ظاہر نہیں کر سکتا تو بہانہ کرکے اس کے کردار میں طعنہ اور اعتراض کرتا ہے کہ کسی طرح اس پر غصہ آئے حالانکہ جانتا ہے کہ غصہ نہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے نہ اپنے نفس کے لیے۔ اگر محسود کے عیوب اس کے سامنے مذکور ہوں تو ان سے خوش ہوتا ہے اور اگر کوئی اس کی تعریف کرے تو اس سے ناخوش ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کی برائی سننے سے بظاہر ترش رو ہو جاتا ہے کہ کوئی سمجھے کہ مسلمانوں کی غیبت اسے اچھی نہیں لگتی حالانکہ دل میں اس کے عیوب سننے سے راضی اور خوش ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔

فائدہ: بہرحال اس طرح کی باتیں خفیہ عیب میں داخل ہیں جن کو سمجھ دار کے اور کوئی نہیں جان سکتا اور نہ اولیاء کرام کے بغیر کوئی ان سے بچ سکتا ہے ہم جیسے ضعیفوں کو ان سے بچنا بہت مشکل ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ ادنیٰ درجہ سالک کے لیے یہ ہے کہ اپنے عیوب کو پہچانے اور ان کو برا سمجھ کر ان کی اصلاح میں کوشش کرے جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کی بہتری چاہتا ہے تو اس کو اس کے نفس کے عیوب بتا دیتا ہے۔

نکتہ: جو شخص اپنی نیکی سے خوش ہوا اور برائی کو برا سمجھے تو امید ہے کہ اس کا حال اچھا ہو اور اس کی اصلاح ممکن ہے۔ بہ نسبت اس مغرور کے جو اپنے نفس کو پاک سمجھے اور اپنے اہل علم و عمل سے احسان جتائے اور گمان کرے کہ تمام لوگوں سے بہتر میں ہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو غفلت و مغالطہ سے بچائے اور عیوب جان کر اس کی اصلاح نہ کرنے والوں سے بھی محفوظ رکھے۔ (آمین)

غیر ضروری علوم میں گرفتار علماء: یہاں تک ان علماء کا ذکر تھا جنہوں نے علوم ضروری کو حاصل کیا مگر علماء کی وجہ سے عمل میں کوتاہی کی۔ اب ان علماء کا غرور لکھتے ہیں جو ان علوم پر قانع ہیں جو ضروری نہیں اور علوم ضروریہ

ا۔ یہ بیماری بھی ہمارے دور میں دینی علوم کے مدرسین میں عام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خلوص کی دولت عطا فرمائے۔ (آمین)

کو چھوڑ کر غیر ضروریہ علوم پر مغرور ہیں یا تو اس خیال سے کہ علم ضروری سے خود کو بے پروا سمجھتے ہیں یا اس لحاظ سے کہ جو کچھ جانتے ہیں وہ اس علم غیر ضروری میں جانتے ہیں۔ (ا) ایک گروہ وہ ہے جو علم فتویٰ حکومات اور خصومات اور تفصیل معاملات دنیوی (جو عوام میں جاری ہوتے ہیں) کو سیکھتے ہیں اور فقہ کا نام خاص اسی علم کو دیتے ہیں اور اس کو مذہبی علم جانتے ہیں اور اس کی تحصیل میں اکثر اعمال ظاہری اور باطنی کو ضائع کردیتے ہیں نہ تو اعضاء ظاہری کے درپے ہوتے ہیں کہ ان کی حفاظت کریں مثلاً زبان کو غیبت سے روکیں اور پیٹ کو حرام سے اور پاؤں کو بادشاہوں کے یہاں جانے سے اسی طرح تمام اعضاء کو ان کے اعمال بد سے بچائیں اور نہ دل کی حفاظت کریں کہ اسے کبر اور حسد اور ریا اور تمام مہلکات سے دور رکھیں تو ایسے لوگ دو وجہ سے مغرور ہیں۔ (ا) بااعتبار عمل (2) بااعتبار علم (ا) عمل کے اعتبار سے تو غرور کی وجہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

مثال: ایسے لوگوں کی مثال یوں ہے جیسے کوئی بیمار نسخہ مرض لکھ کر اس کو پڑھتا رہے باوجودیکہ جانتا ہے کہ وہ مرد ہے۔ اسے کبھی حیض یا استحاضہ نہ ہوگا لیکن یہ خیال کرتا ہے یہ ہماری (ا) اکثر عورتوں کو ہوا کرتی ہے شاید کوئی مجھ سے علاج پوچھے اس لیے سیکھتا ہے تو یہ بڑی غلطی ہے اس طرح فقیر بے چارے پر بھی محبت دنیا اور اتباع شہوت اور حسد اور کبر اور ریا اور تمام مہلکات غالب ہیں۔ یہ بھی بعید نہیں کہ موت توبہ سے پہلے ہی دبوچ لے اور وہ اس کی تلافی نہ کرنے پائے اور اللہ تعالیٰ کو ایسے حال میں ملے کہ وہ اس پر ناراض ہو (معاذ اللہ)

مثال: وہ شخص بواسیر کا علاج تو نہ کرے لیکن مسائل بیع سلم اور اجارہ اور اظہار اور لعان اور جراحات اور دیات اور دعویٰ اور گواہ اور حیض کے سیکھے کہ جن کی کبھی اسے ضرورت نہ ہو اگر کسی دوسرے کو ضرورت بھی ہو تو اور بھی مفتی بہت ہیں تو باوجود اس کے پھر بھی ان مسائل کا سیکھنا اسی نظریہ سے ہے کہ اس میں جاہ و عزت اور مال حاصل ہوگا۔

علاج: شیطان نے اسے مغالطہ دے رکھا ہے اور اسے خبر بھی نہیں کیونکہ یہ اپنے دل میں یہ خیال کرتا ہے کہ میں دین کے لیے مشغول ہوں اور یہ بھی نہیں جانتا کہ اگر بالفرض اس کی نیت درست بھی ہو اور جیسے وہ کہتا ہے ویسا ہی ہو تب بھی فرض کفایہ میں مشغول ہونا اور فرض عین کو ادا نہ کرنا گناہ ہے اگر فقہ کو اللہ تعالیٰ کے لیے سیکھتا ہے تب بھی اپنے اعضائے ظاہری اور دل کے متعلق جو امور فرض عین ہیں ان سے غافل ہے اور غرور بااعتبار علم کے یہ ہے کہ اس نے صرف علم فتویٰ حاصل کیا اور اسی کو علم دین جانا علم قرآن و حدیث کو نہ سیکھا بلکہ بعض اوقات محدثین پر اعتراض کرتا ہے کہ یہ لوگ کچھ نہیں سمجھے۔ صرف احادیث کے ناقل ہیں اور روایت کو یاد کرلیتے ہیں۔ نیز علم تہذیب الاخلاق اور علم معرفت جن سے جلال و عظمت کی معرفت نصیب ہوئی ہے اور خوف وہیبت اور خشوع و مسکنت کا موجب ہے اور تقویٰ اور احتیاط کا باعث بھی ہے اس نے اسے بھی ترک کردیا مزید براں یہ کہ بے خوف و

ا۔ جیسے دور حاضرہ میں بعض کو معقول و منطق کا خبط ہے بعض کو ادب عربی وغیرہ وغیرہ (اویسی غفرلہ)

لیے انہیں چشم بصیرت نہیں ورنہ قرن اول کا حال ہم دیکھتے ہیں کہ جن کی شان میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ لوگ تمام مخلوق سے بہتر و برتر ہیں۔ انہوں نے بہت اہل بدعت و اہل ہوا دیکھے لیکن عمر اور دین کو نشانہ خصوصیت و جدال نہ بنایا اور قلوب اور اعضاء کے تجسس سے اس بحث و تکرار کی فرصت نہ ملی بلکہ کبھی گفتگو تک نہ کی ہاں جس جگہ ضروری یا آثار قبول کے دیکھے وہاں بقدر ضرورت کچھ کہہ دیا جس سے گمراہ کو اپنی گمراہی معلوم ہو جائے اور جب کسی گمراہ کو گمراہی پر اصرار کرتے دیکھا تو اس سے روگردانی کی اور چھوڑ دیا اور اللہ کے لیے اس سے بغض رکھا نہ یہ کہ اس سے تمام عمر جھگڑا اور لڑائی رکھی ہو بلکہ اکابر و اسلاف کا قول ہے کہ سنت کی طرف دعوت دینا امر حق ہے اور یہ بھی مسنون ہے کہ اس دعوت میں جھگڑا نہ کیا جائے۔

حدیث شریف: ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جس قوم کو ہدایت عنایت ہوئی ہے وہ گمراہ نہیں ہوئی جب تک کہ ان میں جدل پیدا نہ ہو اور ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اصحاب کرام علیہم الرضوان کے پاس تشریف لائے تو وہ جھگڑے اور لڑائی میں مصروف تھے۔ آپ کو اس قدر غصہ ہوا کہ چہرہ اقدس سرخ ہوگیا۔ گویا چہرہ اقدس میں انار کے دانوں کی سرخی و مکتی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ

بعثتم الهذا امر تم ان تفزلوا كتاب الله بعضه ببعض انظر واالى ما امر تم به فاعملوا وما نهية عنه فانتهو

ترجمہ: کیا تم اسی لیے بھیجے گئے ہو کیا تم اس کے مامور ہو کہ تم کتاب اللہ کے بعض کو بعض پر مارو وہ دیکھو جس کا تمہیں حکم ہے اور اس پر عمل کرو اور جس سے تمہیں روکا گیا ہے اس سے رک جاؤ۔

فائدہ: صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جدل سے منع فرمایا حالانکہ حجت و جدال میں وہ سب سے زیادہ بہتر تھے۔ پھر انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ باوجودیکہ تمام اہل ملت والوں کے لیے مبعوث ہوئے تھے کسی اہل ملت کے پاس مجلس مجادلہ میں اس لیے نہیں بیٹھے کہ کسی کو الزام یا ساکت کریں یا کسی حجت کی تحقیق کریں یا اعتراضات و شکوک کے جوابات دیئے ہوں یا خود کسی قسم کا اعتراض کیا ہو۔ ہاں ان پر صرف قرآن سے حجت کی کیونکہ مناظرہ گفتگو سے الٹا ان کے دل پریشان ہوتے اور ایسی گفتگو سے ایسے شکوک و شبہات پیدا ہو جاتے ہیں کہ جن کا دل سے مٹنا مشکل ہو جاتا ہے ورنہ یہ بات نہ تھی کہ (معاذ اللہ) آپ کو یہ علم حاصل نہ تھا اور مجادلہ و الزام کی تعلیم نہ کر سکتے تھے۔ (معاذ اللہ) اھ۔

فائدہ: اصل یہ ہے کہ دانا اور محتاط لوگ مجادلہ پر فریفتہ نہیں تھے۔ ان کا یہ مشغلہ تھا کہ اگر تمام روئے زمین کے لوگ نجات پائیں اور ہم ہلاک ہوں تو ان کی نجات سے ہمیں کیا فائدہ اور اگر ہم نجات پائیں اور وہ ہلاک ہو جائیں تو ان کے ہلاک ہونے سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں اور ہم پر مجادلہ اتنا ضروری ہے جتنا صحابہ کرام کو یہود و نصاریٰ یا دوسری غلط ملت والوں سے ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی تمام عمر کے مجادلات میں ضائع نہیں کی کہ ہم بھی ویسا ہی کریں

اور اس بات سے غافل رہیں جو ہمارے فقر و فاقہ کے دن کام آئے۔ علاوہ ازیں جس بات میں کہ ہم سے غلطی کا بھی امکان ہے اور ہم خطا سے مامون نہیں اس لیے اس میں ہم خوا ہ کیوں غرور و تکبر کریں۔

فائدہ: مذہب سے جتنا بحث کی جائے وہ بحث سے اپنی بد مذہبی نہیں چھوڑتا بلکہ تعصب اور جھگڑے سے اس کی بدمذہبی اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اس صورت میں ہمیں ان مخالفوں کے ساتھ بحث و تکرار بہ نسبت یہی بہتر ہے کہ اپنے نفس کوبی کے لیے کوشش کریں اور اسی سے بحث و تکرار رکھیں تاکہ وہ دنیا کو آخرت کے لیے چھوڑ دے حالانکہ نفس شریر ایسے حال میں ہے کہ فرض کرلیں کہ ہماری جدل او جھگڑے سے ممانعت نہیں ہوئی اور جس حال میں کہ ممانعت وارد ہے تو جدال سے کسی کو سنت کی طرف بلانا گویا ایک سنت کا تارک ہو کہ دوسری سنت کا طالب ہوتا ہے۔ تو بطریق ادنیٰ ہمارے حق میں یہی بہتر ہے کہ اپنے نفس شدید کی اصلاح کے در پے ہو کر اس کی صفات دیکھیں کہ اس کی کون سی صفت کو اس وقت پسند کرتا ہے اور کس کو ناپسند پھر اس کی محبوب صفات کو اختیار کریں اور مبغوض کے قریب نہ بھٹکیں۔

(4) مغرور علماء کا ایک گروہ وہ ہے جو وعظ و نصیحت میں مصروف رہتے ہیں اور ان سب میں اعلیٰ مرتبہ ان لوگوں کا ہے جو اخلاق نفس اور صفات قلبی یعنی خوف و رجا اور صبر و شکر اور توکل اور زہد اور یقین و اخلاص و صدق وغیرہ کی خوبیاں عوام کو سناتے ہیں لیکن ان کا یہ دھوکا ہے کہ وہ ان صفات کو بیان کرتے ہیں اور عوام کو ان کی تعلیم دیتے ہیں تو خود ہم ان صفات سے موصوف ہیں۔

ازالہ دھوکہ: اللہ کے نزدیک ان میں ان صفات کا کوئی وجود نہیں یعنی اس کی کوئی پروا نہیں۔ اگر تھوڑی بہت کوئی صفت ہو تو ہر ایک عام مسلمان میں بھی کچھ نہ کچھ تو ہوتی ہے پھر ان مغرور علماء کو ترجیح کیوں؟

فائدہ: ان کا غرور بڑا سخت ہے کیونکہ یہ اپنے نفس پر بہت عجب کرتے ہیں ان کو یہ گمان ہے کہ جتنا ہم نے جس علم میں تجربہ اور استعداد پیدا کی ہے اسی وجہ سے ہم میں باعث کمال ہوئی مثلاً ہم نے محبت میں .بحر پیدا کیا تو محبت الٰہی ہم میں ہوئی اور اخلاص کے دقائق کو ہم نے سمجھا تو ہم مخلص ہوئے اور خفیہ عیب نفس ہم نے پہچانے تو ان سے ہم بری ہوئے۔ اگر ہم مقرب الٰہی نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہم کو قرب و بعد کے معانی کیوں بتاتا اور علم سلوک الی اللہ اور اس راستے کے منازل کی کیفیت طے کرنے کی ہمیں معلوم ہوئی وغیرہ وغیرہ اس طرح کا عالم مغرور ایسے خیالات فاسدہ سے گمان میں ہے کہ میں خائف ہوں حالانکہ دراصل وہ نڈر و بے باک ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے رجاء میں ہے۔ حالانکہ اصل میں غرور ہے اور وہ اپنی دانست میں راضی .بقضائے الٰہی ہے مگر وہ حقیقت میں ایسا نہیں

ا۔ امام غزالی کا یہی عقیدہ ہے کہ علوم برے ہوں تب بھی اس کا علم برا نہیں اس میں دیو بندیوں کا رد اور اہلسنّت کی تائید ہے۔ (اویسی غفرلہ)

اور وہ بزعم خود متوکل ہے لیکن واقع میں وہ عزت و جاہ و مال و اسباب پر تکیہ رکھتا ہے اور وہ اپنے گمان میں مخلص ہے اور واقع میں ریاکار ہے بلکہ اگر اخلاص کا وصف بیان کرتا ہے تو اپنے بیان میں اخلاص نہیں کرتا اسی طرح ریاکار کا ذکر کرتا ہے تو وہ بھی خالی از ریا نہیں ہوتا اس لیے کہ اس کی مراد یہی ہے کہ لوگوں کا اس کی طرف یہ اعتقاد ہو جائے کہ اگر یہ شخص نہ ہو تو ریا کی گہرائیاں کہاں سے معلوم ہوں گی اور زہد دنیا کا بھی اس لیے کرتا ہے کہ وہ خود شدت سے اس کا حریص ہے غرضیکہ بظاہر لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے اور خود اس سے بھاگتا ہے اور لوگوں کو خوف خدا دلاتا ہے اور خود ایسا نڈر اور بے باک دوسروں کو یاد الٰہی کہتا ہے۔ خود بھولا ہوا ہے۔ غیروں کو اللہ سے قریب کرتا ہے اور خود دور ہے - اخلاص کی ترغیب دیتا ہے اور خود غیر مخلص ہے' صفات مذمومہ کی مذمت کرتا ہے اور خود ان میں ملوث ہے۔ عوام کو خلق اللہ سے دور رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ لیکن خود اس کا حریص ہے۔ جس جگہ بیٹھ کر لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے اگر وہاں کوئی نہ بیٹھنے دے تو جہاں اس پر باوجود دست کے تنگ ہو جائے۔ (ظاہرا تو کہتا ہے کہ میری غرض عوام کی اصلاح ہے لیکن اگر کوئی اس کا ہم عصر ہو کہ عوام اس کے پاس آنے جانے لگیں اور اس سے اپنی فلاح و بہبود سمجھیں تو حسد کی وجہ سے یہ جل بھن جائے کہ اس کے پاس کیوں گئے) اور اگر اس کے سامنے کوئی شخص کسی اس معاصر میں سے تعریف کرے تو تمام لوگوں سے اسے برا سمجھے۔

فائدہ: اس قسم کے مغرور علماء کو بڑا غرور ہے اور ان کا غلطی پر آگاہ ہونا اور راہ راست پر آنا بھی مشکل ہے کیونکہ اچھے اخلاق کی ترغیب اور برے اخلاق کی نفرت اس وقت ہوتی ہے جب ان اخلاق کی آفات اور فوائد سے واقفیت ہو اور ان مغرور علماء کی اگرچہ ان پر واقفیت ہوئی مگر انہیں فائدہ نہ ہوا۔ کیونکہ عوام کو راہ راست بتلانے کی محبت نے ان کے عمل کو روک دیا۔ پھر کس چیز سے ان کا علاج کیا جائے اور کون سی چیز سے ان کو ڈرایا جائے - ڈرنے والی باتیں تو خود عوام کے سامنے ذکر کرتے ہیں مگر خود خوف نہیں کرتے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ان کو جو دعویٰ ہے کہ ہم تمام عمدہ اخلاق سے موصوف ہیں تو اس کا امتحان ان کو بتلایا جائے کہ اس پر اپنے نفسوں کا تجربہ کرلیں وہ یہ ہے کہ مثلاً ان کا دعویٰ محبت ہے تو سوچیں کہ ہم نے اللہ کی محبت کی وجہ سے کون سی دنیا کی محبوب چیزیں چھوڑ دیں ہیں اور خوف الٰہی کا جو دعویٰ ہے اس خوف سے کون سی چیزوں سے باز رہے ہیں اور زہد کا جو دعویٰ ہے تو قدرت پا کر کون سی چیز اللہ کے لیے ترک کی ہے اور اللہ کے ساتھ انس کا دعویٰ ہے تو وہ بتائیں کہ تنہائی میں تو اچھی معلوم ہوتی ہے اور وہ عوام کے دیکھنے سے کیوں نفرت ہوتی ہے۔

مرض بڑھتا گیا: ان امور میں سے ان میں کوئی بھی نہیں بلکہ جب مریدوں کا حلقہ باندھے ہوئے اپنے گرد دیکھتے ہیں تو دل میں لذت پاتے ہیں اور اگر تنہا اللہ کے لیے بیٹھیں تو وحشت ہوتی ہے - ان مغروروں سے ہم پوچھتے ہیں کہ کہیں کیا محب کو اپنے محبوب سے بھی وحشت ہوتی ہے اور اس کے سوا دوسروں سے الفت کیوں؟

خلاصہ: دانا وہ کہ تو اپنے نفسوں کا امتحان ان صفات سے کر کے طالب صفات حقیقی ہوتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ صرف

ظاہر کی بناوٹ کے قانع ہوں بلکہ اللہ سے عہد مستحکم کرکے اپنا ظاہر و باطن یکساں کرتے ہیں اور جو لوگ مغالطے میں ہیں۔ وہ اپنے نفسوں کو اچھا جانتے ہیں ہاں قیامت میں حال کھلے گا تو اس وقت شرمسار ہوں گے بلکہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے اور ان کی آفات ان کے سامنے آجائیں گی اور وہ اسے اس طرح چکر دیں گے جیسے گدھا چکی پر گھومتا ہے۔ (اس مضمون کی حدیث اوپر گزری ہے)

فائدہ: یہ مال اس لیے ہوگا کہ یہ لوگ اپنے دلوں میں کس قدر ان اشیاء یعنی محبت اور خوف خدا اور رضا بقضائے کے اصول پاتے ہیں اور پھر ان امور میں منازل عالیہ کے بیان کرنے کی قوت گویائی ان میں ہوتی ہے تو ان کو یہی گمان ہوتا ہے کہ ہم جو مدارج محبت و خوف الٰہی کے بیان کرسکتے ہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے ان کا علم دیا ہے۔ عوام کو ہمارے کہنے سے نفع ہوتا ہے۔ یہ سب اسی وجہ سے ہیں کہ ہم ان اوصاف سے موصوف ہیں۔

علاج: مغرور علماء نے یہ نہ سمجھا کہ ماننا کلام کا ہوتا ہے اور کلام معرفت اور زبان کے جاری ہونے سے ہوتا ہے اور معرفت سیکھنے سے نصیب ہوتی ہے تو ان امور میں سے کسی ایک سے یہ لازم نہیں آتا کہ کہ بولنے والا ان صفات سے موصوف بھی ہو۔ عام مسلمانوں سے عالم مغرور میں کیا فرق ہے۔ محبت و خوف نہ اس میں ہے نہ اس میں صرف قوت گویائی کا غرور عالم میں ہے لیکن اس سے کام نہیں چلتا بلکہ بعید نہیں کہ عالم مغرور اس قدرت بیان کی وجہ سے زیادہ بے خوف ہو اور مخلوق کی طرف میلان ظاہر کرے اور دل میں محبت الٰہی برائے نام رہ جائے۔

مثال: کوئی بیمار مرض اور دوا اور فصاحت اور شفا کو بڑی فصاحت سے یوں بیان کرسکے کہ دوسرے بیمار اسی طرح بیان کرسکیں۔ نہ اسباب و علامات صحت و مرض اور نہ درجات و اوصاف مرض اور دوا بیان کرسکیں لیکن عالم مغرور سب کچھ کہہ سکتا ہے تو اس کے کہنے سے بیماری میں کیا فرق ہوگا جیسے اور بیمار ہیں ویسے یہ بھی فرق صرف علم میں ہے کہ اصطلاحات طبی سے یہ واقف ہے۔ صرف صحت کی تعریف جان کر اپنے آپ کو تندرست سمجھنا عین جہالت ہے۔ اسی طرح محبت و اخوت الٰہی اور توکل اور زہد اور تمام صفات کا جاننا اور چیز ہے اور ان کے ساتھ موصوف ہونا اور چیز جو ان دونوں کو ایک سمجھے وہ بڑا غلط آدمی ہے۔

بے عمل مقررین کی مذمت: یہی حال مقررین زمانہ کا ہے جن کے بیان میں کوئی عیب نہیں یعنی ان کی تقریر کا ایسا طریقہ ہے جیسے قرآن و حدیث اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے وعظ کا طریقہ بتایا ہے جنھوں نے واعظ کے طریق واجبی۔

(5) علماء مغرور کا ایک گروہ اور ہے کہ جس نے وعظ کے اصول سے عدول کیا ہے اسی دور کے اکثر واعظین اسی طرح ہیں۔ (الا ماشا جن کو اللہ تعالیٰ نے بچایا ہو) مگر ہم نہیں جانتے شاید کوئی اچھے واعظ ہوں (واللہ تعالیٰ اعلم)

بے عمل واعظوں کے غلط طریقے: ان واعظین کا یہ دستور ہے کہ لوگوں کو جدید باتیں سنانے کے لیے بہت

سی جھوٹی سچی حکایات اور بے سروپا ایسے کلمات جو قانون عقل و شرح کے خلاف ہوں بیان کرتے ہیں۔ بعض واعظین مزین اور مسجع الفاظ بولتے ہیں پھر دلیل میں وصال و فراق کے اشعار پڑھتے ہیں۔ اس خیال سے کہ ان کے واعظ میں لوگ بہت روئیں اور وجد کریں اگرچہ اغراض فاسد سے وجد کریں۔ سمجھ لو کہ ایسے واعظین لوگ انسانوں میں شیطان ہیں۔ خود بھی گمراہ ہوئے اوروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ انہوں نے سیدھا راستہ چھوڑ دیا۔ پہلے گروہ نے تو اپنے نفسوں کی اصطلاح نہ کی لیکن دوسروں کی تو اصلاح کی۔ وعظ اور کلام صحیح صحیح بیان کیا مگر یہ واعظین تو مخلوق کا راہ مارتے ہیں کہ ان کو بھی اللہ پر مغرور بنا دیتے ہیں اور اس کا نام رجا بتلاتے ہیں۔ ان کے وعظ سے مخلوق کو زیادہ گناہوں کی جرات ہوتی بلکہ دنیا کی رغبت بڑھتی ہے۔ بالخصوص اس حال میں کہ واعظ اچھے کپڑے اور اچھی سواری وغیرہ سے آراستہ ہو کیونکہ اس صورت میں ہیئت اس کی دلیل ہے کہ یہ شدت سے حرص دنیاوی میں مبتلا ہے تو یہ مغرور واعظ جتنا خرابی اپنے وعظ سے کرتا ہے وہ اصلاح کی بہ نسبت زیادہ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو اس میں اصلاح کچھ بھی نہیں بہتوں کو صرف گمراہ ہی کرتا ہے۔ ایک گروہ اور ہے جو صرف زاہدوں کے کلام اور ان کے اقوال (مذمت دنیا میں) یاد کرلیتے ہیں اور ان کے معنی سمجھے بغیر دوسروں سے کہتے ہیں۔ بعض تو منبروں پر چڑھ کر بیان کرتے ہیں اور بعض مسجدوں میں اور بازاروں میں اپنے دوستوں کو سناتے ہیں اور ان اشعار سے ان کا یہ خیال ہے کہ ہم میں اور بازاریوں اور سپاہیوں میں فرق ہے۔ ہمیں یہ اقوال زاہدوں اور اشعار اہل دین کے یاد ہیں اور ان کو نہیں۔ اس قدر سے ہمارا مطلب حاصل ہے اس سے مغفرت الٰہی ہمارے حال کو شامل ہے اور عذاب اخروی سے بھی محفوظ رہیں گے۔ (ان شاء اللہ) اگرچہ یہ اشعار ظاہر و باطن کے گناہ سے ہمیں نہ بچائیں لیکن نجات کے لیے ان کا یاد کرنا کافی ہے۔

فائدہ: اس گروہ علماء مغرور کا غرور اس پہلے گروہ سے زیادہ ہے۔ (8) علما مغرور کا ایک گروہ اور ہے جو اپنے اوقات علم حدیث کے سماع اور بہت سی روایات جمع کرنے اور مشہور ترین استاد کی جستجو میں بسر کرتے ہیں۔ ایسے مغرور عالم کی ہمت اسی میں مصروف رہتی ہے کہ شہروں میں گشت کرے اور بہت سے محدثین سے استفادہ کرے تاکہ کہہ سکے کہ مجھے روایت فلاں فلاں سے ہے اور جو سند میرے پاس ہے وہ اور کسی کے پاس نہیں۔ (نمبر1)

فائدہ: ان مغرور علماء کا مغالطہ کئی وجوہ سے ہے۔ (1) ان لوگوں کا حال ایسا ہے جیسا کہ کوئی کتابیں بغل میں لیے پھرے لیکن اسے پھرنے سے کوئی عالم نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح یہ لوگ بھی سنت کے معانی کی طرف توجہ نہیں کرتے بجز عقل کے اور کچھ نہیں جانتے اور بزعم خود اتنا قدر کافی سمجھتے ہیں حالانکہ ان کا علم ناقص ہے۔ (2) جب معانی حدیث کے نہ سمجھیں گے تو اس پر عمل کیسے کریں گے اور بعض احادیث کو سمجھتے بھی ہیں لیکن عمل نہیں کرتے اس

1۔ ہمارے دور میں بھی ایسے مغرور بکثرت ہیں کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں دارالعلوم کی سند لے رکھی ہیں۔ اتنی کثیر تعداد میں اپنی اسناد بتاتے ہیں کہ عقل کو چکر آنے لگتا ہے لیکن علم میں بالکل صفر ہوتے ہیں فقیر کو ان جیسے مغروروں سے بڑا واسطہ پڑا ہے۔ اویسی غفرلہ

بہانے سے وہ علم جو ان پر فرض عین ہے (یعنی معرفت علاج قلب) اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ سندات کی کثرت اور ان میں سے اونچی سند کی تحصیل میں مصروف رہتے ہیں حالانکہ ان میں ان کو کسی چیز کی حاجت نہیں۔

فائدہ: جس پر کہ اس زمانے کے لوگ لٹو ہیں یہ ہے کہ حدیث شریف کے سننے سے اگر اور کوئی فائدہ نہیں تو الفاظ حدیث کے معین ہونے کا تو فائدہ ہے جب الفاظ معین ہو جائیں گے اس کے بعد اس کا معنی سمجھ آتا ہے اور سمجھنے کے بعد عمل ہوتا ہے۔ اسی طرح بترتیب پانچ چیزیں ہوتی ہیں۔ سننا' سمجھنا' یاد کرنا' عمل کرنا' دوسروں میں نشر کرنا۔ ان لوگوں نے ان پانچ میں سے صرف سننے پر قناعت کی اور سننا بھی جیسا چاہیۓ ویسا نہیں ہے۔

مثال: کوئی لڑکا کسی استاد کی مجلس میں حاضر ہو کہ وہاں درس حدیث ہو رہا ہے اس کے بعد استاد تو سو جاتا ہے اور لڑکا کھیل میں مصروف ہے باوجود اس کے لڑکے کو سند حدیث مل جاتی ہے (1) جب وہ بڑا ہوتا ہے تو اس بات کے درپے ہوتا ہے کہ کوئی مجھ سے آکر سنے اور اگر کوئی بالغ مجلس حدیث میں جاتا ہے تو وہ بھی اکثر غافل ہو کر کان نہیں دھرتا خود باتیں کرنے لگتا ہے یا لکھنے میں مشغول ہوتا ہے یہاں تک کہ استاد جو حدیث بیان کر رہا ہے اگر الفاظ میں تغیر و تبدل کر دے تو اس کو خبر بھی نہیں ہوتی اور نہ اس کو پہچانے تو یہ تمام باتیں غرور جہالت کی ہیں اس لیے کہ اہل حدیث کے بارے میں یہ ہے کہ اسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنے اور جیسے سنے ویسے یاد رکھے اور جس طرح یاد ہو اسی طرح روایت کرے۔ یعنی روایت حفظ کے بعد ہوتی ہے اور حفظ سننے کے بعد۔

فائدہ: اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سماع نہ ہو سکے تو صحابہ تابعین سے سنے۔ ان سے بھی سننا ایسے ہے، جیسے حضور ﷺ سے یعنی سننے سے غرض یاد کرنا ہے تاکہ اسی طرح دوسروں سے بیان کرے اور یاد کرنا بھی دلوں سے ہو کہ جیسے سنا ویسے ہی یاد کیا یہاں تک کہ ایک حرف کی تبدیلی بھی نہ ہونے پائے۔

فائدہ: اگر کوئی شخص اس میں کچھ تبدیل کر دے یا خطا کرے تو حفظ کرنے والے کو اس کی غلطی معلوم ہو جائے

فائدہ: حفظ حدیث کے دو طریقے ہیں۔ (1) دل ہی دل میں ہمیشہ یاد کرے جیسے روز مرہ کے حالات میں باتیں یاد کرلیتے ہیں۔ (2) جیسے سنے ویسے لکھ لے اور نہایت صحت کے ساتھ لکھے اور اس نوشتہ کی حفاظت کرے کسی دوسرے کے ہاتھ نہ آئے اور حفاظت اپنی تحویل میں سے ہو کیونکہ اگر کسی دوسرے کے ہاتھ وہ کتاب پہنچ گئی تو بعید نہیں کہ اس میں کچھ تغیر ہو جائے اور چونکہ خود حفظ نہیں کی تھی تو یہ معلوم بھی نہ ہوگا کہ کسی دوسرے نے اس میں کوئی تبدیل کرلی ہے۔

فائدہ: لفظ حدیث کی بھی دو صورتیں ہیں یا تو دل میں محفوظ ہو یا کتاب میں محفوظ ہو کہ جب اس کو دیکھے تو کچھ

تعداد بڑھانے کے لیے ہر اہل و نااہل کو دستار فضیلت اور سند دی جاتی ہے تاکہ مشہور ہو کہ فلاں دارالعلوم سے اتنے فضلاء فارغ التحصیل ہوئے۔ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم) اویسی غفرلہ

استاذ سے سنا ہے اس کا خیال آجائے اور اس میں تبدل و تغیر کا خوف نہ رہے۔ جس صورت میں کہ مثلاً تم نے حدیث یاد کی نہ کتاب میں محفوظ رکھی اور صرف ایک مبہم آواز کان میں ڈال کر استاذ کے پاس سے علیحدگی کی اور اتفاقاً اسی استاذ کی وہی کتاب حدیث کہیں نظر آئی جس میں احتمال ہے کہ شاید کچھ تبدیلی ہوگئی ہو۔ یا تم نے اور روایت سنی ہو اور اس میں دوسری طرف ہو تو تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے یہ کتاب استاذ سے پڑھی ہے چونکہ تم کو یہ معلوم ہی نہیں کہ جو کچھ تم نے سنا ہے وہ اس کتاب کے موافق ہو یا مخالف شاید تمہارا سننا اس سے ایک ہی دو کلمے میں اختلاف ہو۔ بہرصورت تمہارے پاس کوئی قطعی دلیل نہیں جس سے اختلاف معلوم کرسکو۔ یا قطعی طور پر پڑھنا ثابت کرو کیونکہ نہ خود تم کو دل میں یاد ہے نہ تم نے استاذ کا مقولہ صحیح صحیح لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے تو ان دونوں باتوں کے لیے کیسے کہہ سکتے ہو کہ میں نے یہی سنا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا تقف ما لیس لک بہ علم (پ 15 ترجمہ کنز الایمان) اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جن کا تجھے علم نہیں۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اس زمانے میں مدعی ہیں کہ ہم نے فلاں کتاب فلاں استاذ سے پڑھی ہے اگر ان میں یہ شرط مذکورہ بالا موجود نہیں تو ان کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

قاعدہ: کم از کم سماع کی شرط یہ ہے کہ تمام کتاب کان کو یوں سنائی دے کہ کچھ کچھ یاد ہوتی جائے اگر بالفرض اس میں کچھ تبدل و تغیر ہو تو فوراً معلوم کرسکے۔

فائدہ: اگر جواز کی صورت یہ ہو کہ لڑکا ہو یا غافل یا سوتا ہو یا لکھنے والا سب کے سب پڑھنے میں داخل کیے جائیں گے۔ تو یہ بھی درست ہونا چاہئے کہ اگر کوئی شیر خوار یا مجنون مجلس حدیث میں ہو تو اس کا سماع بھی معتبر ہو کہ بالغ ہونے کے بعد یا ہوش میں آنے کے بعد ان سے اور لوگ سند لیا کریں حالانکہ یہ بالاتفاق ناجائز ہے اگر یہی جائز ہو تو پیٹ کے بچے کا سماع جائز ہو اس کا جواب اگر کوئی کہے کہ شیر خوار تو بات کو نہ سمجھتا ہے اور نہ یاد کرتا ہے اس لیے اس کا سماع معتبر نہیں تو ہم کہتے ہیں کہ جو لڑکا کھیل رہا ہے اور وہ غافل جو لکھنے میں مشغول ہے۔ وہ کب سمجھتا اور کب یاد کرتا ہے اگر کوئی جاہل جرات کر کے کہے کہ شیر خوار لڑکے کا سننا بھی جائز ہے تو اس کے الزام کو کہنا چاہئے کہ پھر پیٹ کے بچے کا سننا بھی معتبر ہونا چاہئے۔ اگر وہ کہے کہ پیٹ کا بچہ آواز نہیں سنتا اور شیر خوار سنتا ہے تو یہ فرق مفید نہیں اس لیے کہ غرض تو بیان حدیث سے ہے کچھ آواز کے سننے سے نہیں۔ دوسروں سے جب حدیث نقل کرے گا آواز کی سماعت سے کچھ سروکار نہیں اس طرح کے سننے والے کو چاہئے کہ جب بالغ ہو تو اتنی سی بات کہے کہ میں نے بڑا ہو کر یوں سنا ہے کہ میں ایک ایسی مجلس میں حاضر ہوا تھا جس میں حدیث بیان ہوا کرتی تھی اور اس کی آواز مجھے پہنچتی تھی مگر میں نہیں جانتا کہ وہ کیا تھی تو اس میں شک نہیں کہ بالاتفاق اس طرح کی روایت ناجائز ہے اور جس قدر اس میں کچھ زیادتی کرے گا وہ صریح جھوٹ ہوگا۔ اگر بالفرض کسی ترکی کا حدیث سننا جائز ہو

جو عربی سے بالکل ناواقف ہے تو پھر شیر خوار کا سماع بھی معتبر ہو سکتا ہے کہ صورت مبہم دونوں میں ہے اور یہ جہل ہے۔

قاعدہ سماع حدیث کی دلیل: اس قاعدہ کی دلیل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے آپ فرماتے ہیں۔ نصر اللہ اسراء سمع مقالتی فرعا ھا فاواھا کما سمعھا اللہ تعالیٰ اسے بارونق رکھے جس نے میری بات سن کر یاد کی پھر اسے یوں ادا کیا جیسا اس نے یاد کیا تھا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ جس شخص کو یہ خبر نہیں کہ کیا سنا ہے وہ کس طرح ادا کرے جو اس نے سنا ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ یہ بڑی غلطی ہے اور اس میں اس زمانے کے لوگ مبتلا ہیں اگر لوگ احتیاط جستجو کریں تو ایسے بہت سے شیخ ملیں گے جنہوں نے بچپن میں ہی ایسی ہی غفلت کے ساتھ حدیث کو سنا ہوگا مگر چونکہ بعض محدثین کو جاہ و قبول اس میں حاصل ہے اس لیے بیچاروں کو یہ خوف ہے کہ سننے میں یہ شرط لگانے سے کہیں حلقہ کم نہ ہو جائے اور جاہ میں خلل نہ پڑے اور نیز حدیثیں جو اس شرط سے سنی ہوں گی وہ بھی کم ہو جائیں گی بلکہ بعید نہیں کہ اس طرح کی کوئی بھی حدیث اس سے نہ ملے تو رسوا ہونا پڑے اس لیے اس نے یہ اصطلاح ٹھہرائی کہ حدیث کے سننے میں صرف یہی شرط ہے کہ آواز سنئے اگرچہ سمجھتا نہ ہو کہ اس میں کیا بیان ہے حالانکہ اس بارے میں یہ قول معتبر نہیں کیونکہ سماع کی تعریف ان کے علم میں نہیں یہ امر متعلق علمائے اصول فقہ سے ہم نے جو شرائط لکھے ہیں وہ اصول فقہ کے قانون کے مطابق صحیح ہیں۔

فائدہ: یہاں لوگوں کا مغالطہ ہے اگر بالفرض احادیث کو شرائط کے ساتھ سیکھیں تب بھی مغرور ہیں اس لیے کہ صرف حدیث کے نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور روایات کے جمع کرنے میں عمر ضائع کر کے ضروریات دین اور معرفت معانی حدیث سے غافل رہتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ مقصود علم حدیث سے بھی سلوک راہ آخرت ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے لیے ایک ہی حدیث عمر بھر کافی ہو۔

حکایت: بعض اکابر سے مروی ہے کہ وہ ایک مجلس حدیث میں حاضر ہوئے کہ ایک حدیث شیخ نے پڑھی وہ یہ تھی من حسن اسلام المرء ترکہ مالا لعینیہ حسن اسلام سے ہے کہ وہ غیر مفید چیزوں کو چھوڑ دے۔ وہ بزرگ اس حدیث کو سن کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ مجھے اسی قدر کافی ہے۔ پہلے اتنا ہو جاؤں تو پھر دوسری حدیث سنوں گا(1)

۱۔ فقیر نے ایک معتبر بزرگ سے سنا ہے کہ ایک آدمی ریت کی چھوٹی سی گٹھڑی ساتھ رکھتا تھا پوچھا گیا تو کہا کہ میں نے وعظ میں سنا تھا کہ پیشاب کے قطرے سے بچو کیونکہ قبر کا عذاب ہوتا ہے اس وقت سے میں اس گٹھڑی کو ساتھ رکھتا ہوں تاکہ قبر کے عذاب سے بچ جاؤں۔ بہت عرصہ سے اس حدیث پر عمل کر رہا ہوں جب یہ سبق یاد ہو جائے گا پھر اور حدیث سنوں گا اور اس پر عمل کروں گا۔ (اویسی)

غفرلہ)

فائدہ: جو لوگ غرور سے متنفر ہیں ان کا سماع حدیث ایسے ہوتا ہے۔ مغرور علماء کا ایک گروہ وہ ہے جو علم نجوم و شعر اور لغت میں مشغول ہو کر مغالطہ میں گرفتار ہیں۔ وہ اپنی دانست میں مغفور ہیں۔ وہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ دین کا مدار کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہے اور ان دونوں کا مدار علم نحو اور لغت پر ہے اسی وجہ سے وہ اپنی عمر معرفت دقائق نحو اور فن شعر اور غریب لغت میں تلف کرتے ہیں۔

مثال: یہ لوگ ایسے ہیں جیسے کوئی اپنی تمام عمر خوشخطی کی تحصیل میں ضائع کرے اور کہے کہ علوم چونکہ لکھے بغیر یاد نہیں رہتے اسی لیے کتابت اچھی طرح سیکھنا اور خوشخط ہونا ضروری ہے۔

فائدہ: اگر ایسے علماء میں عقل ہو تو یقین ہو کہ اصل خط اور ضرورت کا سیکھنا کافی ہے اور اتنا قدر چاہئے کہ مقصد پڑھا جا سکے اور ضرورت سے زیادہ مقدار سے تجاوز کرتا ہے اسی طرح ادیب بھی اگر تامل کرے تو جان لے کہ لغت عربی لغت ترکی کی طرح ہے ایسے ہی انگریزی زبان کا سیکھنا ہے کہ بقدر ضرورت تو بے شک سیکھے لیکن اتنی زندگی برباد کرنا آخرت میں بربادی کا موجب ہے۔ (۱) جو اپنی عمر لغت عربی کی تحقیق میں ضائع کرے وہ ایسا ہے جیسے وہ شخص جو لغت ترکی ہندی کی یونہی انگریزی اور اردو وغیرہ کی تحقیق میں وقت ضائع کرے۔ فرق اتنا ہے کہ احکام شریعت زبان عربی میں ہیں تو عربی لغت کا تنا ہی علم کافی ہے جس سے حدیث و قرآن کے الفاظ معلوم ہو جائیں۔ اسی قدر نحو کا سیکھنا بھی کافی ہے جس سے حدیث و قرآن کے معانی کو تعلق ہو۔ اگر اس میں تعمق اور مشغولی کرے کہ کسی حد پر بس نہ کرے تو فضول ہے جس کی کوئی ضرورت نہیں اگر انہیں علوم پر اکتفاق کرے۔ معانی و احکام شرعی سے محروم دیکھے۔ عمل نہ کرے تو یہ سخت مغرور ہے۔

مثال: اس کی مثال یوں ہے جیسے کوئی اپنی عمر صرف قرآن پاک کے مخارج حروف کی تصحیح میں بسر کرے۔ (۱) تو ظاہر ہے کہ یہ غلطی پر ہے اس لیے کہ مقصود حروف سے معانی میں حروف بمنزلہ ظروف اور آلہ کے ہیں۔ مثلاً جس شخص کو دفع صفرا کے لیے سکنجبین پینا مطلوب ہو تو ایسا شخص مغرور بلکہ جاہل ہے اسی طرح اہل نحو و لغت اور ادیبوں اور قاریوں کا غرور سمجھنا چاہئے اگر وہ ان علوم میں ایسے مستغرق ہوں کہ وہ علوم جو ان پر فرض عین ہیں ان کو نہ سیکھیں۔

خلاصہ: جملہ امور میں عمدہ مغز تو عمل ہے اور عمل کا جاننا بمنزلہ پوست کے ہے اور یہ بھی بااعتبار اور چیز کے جو اس کے اوپر ہے۔ مغز ہے یعنی معرفت عمل کے اوپر کا پوست الفاظ کا سننا اور اس طرح یاد کرنا ہے اور یہ بھی بااعتبار اپنے اوپر کی چیز کے مغز ہے اور بااعتبار اپنے اندر کی چیز کے پوست ہے اس کے اوپر کی چیز معرفت علم لغت و نحو ہے

(۱) جیسے دور حاضرہ میں علم تجوید و قراۃ میں وقت صرف کیا جا رہا ہے۔ (اویسی غفرلہ)

اور سب سے اوپر کا پوست مخارج حروف ہیں اور جو شخص کہ ان پوستوں میں سے کسی پر قانع رہے۔ وہ مغرور ہے لیکن اگر ان پوستوں کا حصول مقصد کا ذریعہ سمجھے اور ہر سیڑھی کے ڈنڈے پر بقدر ضرورت چڑھ کر آگے بڑھ جائے یہاں تک کہ مغز عمل اور اصل مقصود تک پہنچ جائے تو ایسا شخص درحقیقت اپنے دل اور جراح سے صفت عمل کا طالب ہے اور نفس سے بھی یہی کام لیتا ہے اور اعمال کی درستی اور ان کو آمیزش آفات سے صاف کرنے میں زندگی بسر کرتا ہے اور تمام علوم میں اصل مقصد بھی یہی ہے کیونکہ تمام علوم اس کے خادم اور وسیلہ اور پوست اور منازل ہیں اور جو شخص مقصد تک نہیں پہنچا وہ نقصان میں ہے۔ قریب کی منزل میں ہو یا دور کی اور چونکہ یہ علوم متعلق علوم شرعیہ سے ہیں اس لیے جو ان کو سیکھتا ہے اس کو مغالطہ ہو جاتا ہے۔

علم طب اور حساب اور دوسرے علوم کو علوم شرعیہ سے بظاہر متعلق معلوم نہیں ہوتے تو ان کے ماہرین کو یہ خیال تو نہیں ہوتا کہ ان سے ہماری مغفرت ہوگی۔ اسی اعتبار سے ایسے علوم سے غرور بھی بہت کم ہوتا ہے۔ (ا) بہ نسبت اس غرور کے جو علوم شرعی کی تحصیل سے ہوتا ہے اس لیے کہ علوم شرعیہ اچھے بھی ہوتے ہیں جیسے پوست مغز کی شرکت میں اچھا کہا جاتا ہے لیکن عمدہ تر بالذات وہی ہے جو سب سے اعلیٰ ہے اور دوسرے کو جو اچھا کہتے ہیں تو اس وجہ سے کہ اس سے اول قسم تک پہنچ سکتے ہیں۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ کوئی پوست ہی کو مقصود سمجھ کر اس میں بلند قدری جا ملے۔ (9) علماء مغرورین کا ایک گروہ تفوق عاصل کرے وہ مغرور ہے۔ اور ہے جو فقہ کے فن سے بڑا مغالطہ کھاتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ جو قاضی و مفتی کا حکم ہوتا ہے وہی حکم اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اسی اعتبار سے لوگوں کو حق کچھ نہ دینے کے حیلے بنائے اور الفاظ مبہم کی بڑی بڑی تاویلیں کرتے ہیں اور ظاہر نصوص پر فریفتہ ہو کر اس میں خطائیں کرتے ہیں اور یہ امراز قبیل فی الفتویٰ ہے جو اکثر مفتیوں سے ہوتی ہے مگر یہ قسم ایسی ہے کہ سوائے داناؤں اور سب میں پھیل گئی ہے ہم ان کے توہمات کی کچھ مثالیں لکھتے ہیں۔

غلط فتویٰ: (ا) بعض فتویٰ دیتے ہیں کہ اگر کوئی عورت اپنے شوہر کو مہر معاف کر دے تو شوہر پر اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مواخذہ نہ ہوگا حالانکہ یہ کلیہ غلط ہے کیونکہ بعض اوقات شوہر اپنی منکوحہ سے برائی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ تمام باتوں میں تنگ ہو کر اس کی بدخلقی سے نجات چاہنے کے لیے اس کو مہر معاف کر دیتی ہے۔ کہ کسی طرح عذاب سے نجات پاؤں تو اگرچہ اس نے معاف تو کر دیا مگر بخوشی ظاہر معاف نہیں کیا۔ (ا)

قرآنی فیصلہ: فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــٴًـا مَّرِیْٓــٴًـا (پ4 النساء 4) ترجمہ کنزالایمان: پھر اگر وہ اپنے دل کی خوشی سے مہر میں سے تمہیں کچھ دے دیں تو اسے کھاؤ رچتا پچتا۔

ا۔ انہیں بلا کا غرور ہوتا ہے ڈاکٹر تو ہیں ہی سراپا غرور (الا ماشاء اللہ) لیکن من حیث العلم نہیں بلکہ ہنر کی حیثیت سے

فائدہ: معلوم ہوا کہ عورت کی رضامندی معاف کرنے میں شرط ہے اور یہ کچھ ضروری نہیں کہ جو بات آدمی دل سے کرے اس میں نفس بھی راضی ہو مثلاً دل سے خون نکلوانا چاہتا ہے لیکن نفس کو برا محسوس ہوتا ہے۔ اسی طرح عورت کے معاف کرنے میں رضامندی نفس کی جب ہوئی کہ کوئی ضرورت معاف کرنے کی مقابل نہ ہوتی اور یہ صورت کہ جب دو باتوں میں اس کو تردد ہوا تو آسان بات کو اختیار کرلیا۔ یہ واقعہ میں تاوان ہے کہ اپنے پر جبر کر کے قبول کرلیا ہاں یہ ضروری ہے کہ دنیا کا قاضی دلوں کے حال اور غرض کو نہیں جان سکتا اسی لیے ظاہر کے معاف کرنے کو دیکھتا ہے اور عورت پر ظاہر میں کوئی زبردستی نہیں ہوئی اور باطنی کے جبر پر مخلوق کو اطلاع نہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ قیامت کے میدان میں حکم کے لیے فیصلہ کرے گا اس وقت یہ امر مفید نہ ہوگا۔ (احناف بھی یہی کہتے ہیں کہ فتویٰ ظاہر پر ہے۔ حقیقت میں اسے سزا ملے گی جب اس نے بیوی کو ایسے کرنے پر مجبور کر دیا) اویسی غفرلہ۔

(2) جائز نہیں کہ کسی انسان کا مال لیا جائے جبکہ وہ شرم کی وجہ سے دینے سے انکار نہ کرسکے اور اس کے دل میں یہ ہو کہ اگر یہ شخص تنہائی میں مانگتا تو میں نہ دیتا لیکن اب عوام کی مذمت کے خوف اور مال کے جانے کا رنج دونوں موجود ہیں اور نفس نے ان دونوں میں متردد ہو کر دونوں میں سے آسان کو اختیار کرلیا یعنی اسے مال دینا آسان معلوم ہوا اسی کو اختیار کیا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اس میں اور تاوان میں کیا فرق ہے کیونکہ تاوان میں بھی یہی ہوتا ہے کہ اگر دل مال دینے میں پس و پیش کرے تو بدن کو مار سے ایذا پہنچے تو بدن کی ایذا مال کی بہ نسبت سخت معلوم ہوتی ہے اسی لیے مال دے دیا جاتا ہے۔ (یہ بھی اضاف پر اقاص ہے اس جواب کی تقریر پر وہی ہے جو فقیر اور عرض گردی ہے۔ (اویسی غفرلہ)

(4) جہاں حیا اور ریا کا شبہہ ہو اس جگہ سوال کرنا گویا دل پر کوڑا لگانا ہے تو بہرحال اس میں باطن کی ضرب ہے اور تاوان میں ظاہر کی ضرب ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں باطن و ظاہر ایک ہیں اور حاکم ظاہری صرف آدمی کے ظاہر قول ہی کو دیکھ کر ملک کا حکم کرتا ہے اسی لیے کہ اس کو دل کا حال معلوم نہیں۔ یہ بھی اضاف پر طنز۔ ہے لیکن فتویٰ اور ہے تقویٰ اور ہے احناف فتویٰ کی بات کرتے ہیں امام غزالی قدس سرہ نے تقویٰ کی اس معنی پر اختلاف نہ ہو (اضافہ اویسی غفرلہ)

(5) اگر کوئی شخص اس وجہ سے کسی کو کچھ دے کہ اس کی زبان کی شرارت سے محفوظ رہے یا اس کی چغلی سے بچ جائے تو یہ مال لینا حرام ہے۔

فائدہ: اسی طرح جو مال لیا جائے سب حرام ہے۔

حکایت: حضرت داؤد علیہ السلام کے قصے میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی لغزش کو معاف فرمایا انہوں نے عرض کیا کہ میرا معاملہ میرے خسر سے کس طرح بنے گا۔ حکم ہوا کہ اس سے معاف کرالے وہ شخص مرگیا تھا حکم

ہوا کہ بیت المقدس کے پتھر پر اس کو پکارو۔ آپ نے پکارا کہ اے اوریا اس نے کہا کہ حاضر ہوں۔ اے نبی اللہ آپ نے مجھ کو جنت میں سے بلا لیا۔ کیا ارشاد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تیرے ساتھ کچھ برائی کی ہے تو معاف کردے۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے معاف کی۔ آپ اسی معاف کرنے پر تکبر کرکے واپس آگئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے لغزش کا ذکر بھی کیا تھا۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اب پھر جا کر لغزش کو مفصل کہو پھر آپ نے آکر اس کو پکارا اس نے جواب دیا کہ کیا ارشاد ہے۔ کہا کہ میں نے تیری خطا کی تھی اس نے عرض کیا کہ میں نے اس کو معاف کر دیا آپ نے فرمایا کہ تو نے پوچھا تو ہوتا کہ وہ خطا کیا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ آپ فرمائیں وہ کون سی خطا ہے۔ آپ نے تمام قصہ سنایا پھر اس کا جواب کچھ نہ آیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے اوریا (نمبر1) تو جواب نہیں دیتا اس نے عرض کیا کہ اے نبی اللہ ایسا عمل انبیاء نہیں کرتے اور میرا اور آپ کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوگا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے رونا اور چیخنا شروع کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا کہ قیامت کو میں اس سے قصور معاف کرا دوں گا۔

یہ داؤد علیہ اسلام کے طرف ثانی کا نام ہے چونکہ ہمارے دور میں بے ادبی و گستاخی نبوت کو کچھ نہیں سمجھا جاتا بلکہ کسی بھی نبی علیہ السلام کے بارے میں معمولی طور کوئی خفیف بات مل جائے تو اس کے اوپر قیاس کرکے بہت کچھ سمجھا جاتا ہے اسی لیے فقیر چاہتا ہے کہ واقعہ داؤد علیہ السلام کے بارے میں تفصیل عرض کردے۔ دراصل یہ قرآنی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ (سورۃ ص 21 تا 25 پ 23) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ۔ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ۔ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ۔ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ (ترجمہ کنزالایمان)

اس دعویٰ والوں کی بھی خبر آئی جب وہ دیوار کود کر داؤد کی مسجد میں آئے جب وہ داؤد پر داخل ہوئے تو وہ ان سے گھبرا گیا۔ انہوں نے عرض کی ڈریئے نہیں ہم دو فریق ہیں کہ ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے تو ہم میں سچا فیصلہ فرما دیجئے اور خلاف حق نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ بتائیے۔ بے شک یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی ہے۔ اب یہ کہتا ہے وہ بھی مجھے حوالے کردے اور بات میں مجھ پر زور ڈالتا ہے۔ داؤد نے فرمایا۔ بے شک یہ تجھ پر زیادتی کرتا ہے کہ تیری دنبی اپنی دنبیوں میں ملانے کو مانگتا ہے اور بے شک اکثر ساجھے والے ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور وہ بہت تھوڑے ہیں۔ اب داؤد سمجھا کہ ہم نے یہ اس کی جانچ کی تھی تو اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر پڑا اور رجوع لایا تو ہم نے اسے یہ معاف فرمایا اور بے شک اس کے لئے ہماری بارگاہ میں ضرور قرب اور اچھا ٹھکانا ہے۔

فائدہ: روایت سے معلوم ہوا کہ بلا رضا بخش دینے کا کوئی اعتبار نہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ رضائے نفس بغیر بتلائے معلوم نہیں ہوتی تو اس طرح معاف کرنے اور ہبہ میں بھی رضائے نفس تب ہوگی جب انسان کو اپنے اختیار پر تنہا چھوڑ دیا جائے اور اس وقت خود اس کی ذات میں سے باعث ہبہ وغیرہ کے پیدا ہوں یہ نہیں کہ حالت اضطرار میں کوئی حیلہ یا الزام اس کا باعث ہو جائے۔ (7) انہی فقہی حیلوں میں سے یہ بھی ہے کہ جب مال پر سال پورا ہونے کو ہو تو مرد اپنی زوجہ کو مال ہبہ کردے اور جب اس کی زکوٰۃ ساقط ہوئی۔ (ا) (یہ احناف کے ایک مسئلہ پر اعتراض ہے جواب اویسی غفرلہ حاشیہ پر ملاحظہ ہو۔) ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ اگر تمہاری یہ غرض ہے کہ مطالبہ سلطان یا

تفسیر: اس کی تفسیر صدر الافاضل حضرت علامہ سید محمد نعیم الدین رحمتہ اللہ علیہ نے کی ہے۔ یہ آنے والے بقول مشہور ملا کہ تھے جو حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش کے لیے آئے تھے۔ ان کا یہ قول ایک مسئلہ کی فرضی شکل پیش کرکے جواب حاصل کرنا تھا اور کسی مسئلہ کے متعلق حکم معلوم کرنے کے لیے فرضی صورتیں مقرر کرلی جاتی ہیں اور معین اشخاص کی طرف ان کی نسبت کردی جاتی ہے تاکہ مسئلہ کا بیان بہت واضح طریقہ پر ہو اور ابہام باقی نہ رہے۔ یہاں جو صورت مسئلہ ان فرشتوں نے پیش کی اس سے مقصود حضرت داؤد علیہ السلام کو توجہ دلانا تھی۔ اس امر کی طرف جو انہیں پیش آیا تھا اور وہ یہ تھا کہ آپ کی ننانوے بیبیاں تھیں۔ اس کے بعد آپ نے ایک عورت کو پیام دے دیا جس کو ایک مسلمان پہلے سے پیام دے چکا تھا لیکن آپ کا پیام پہنچنے کے بعد عورت کے اعزہ و اقارب دوسرے کی طرف التفات کرنے والے کب تھے۔ آپ کے لیے راضی ہوگئے اور آپ سے نکاح ہوگیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس مسلمان کے ساتھ نکاح ہوچکا تھا۔ آپ نے اس مسلمان سے اپنی رغبت کا اظہار کیا اور چاہا کہ وہ اپنی عورت کو طلاق دے دے۔ وہ آپ کے لحاظ سے منع نہ کرسکا اور اس نے طلاق دے دی۔ آپ کا نکاح ہوگیا اور اس زمانہ میں ایسا معمول تھا کہ اگر کسی کی عورت کی طرف رغبت ہوتی تو اس سے استدعا کرکے طلاق دلوالیتا اور بعد عدت نکاح کرلیتا۔ یہ بات نہ تو شرعاً ناجائز ہے نہ اس زمانہ کے رسم و عادت کے خلاف لیکن شان انبیاء بہت ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے اس لیے یہ آپ کے منصب عالی کے لائق نہ تھا تو غرض الٰہی یہ ہوئی کہ آپ کو اس پر آگاہ کیا جائے اور اس کا سبب یہ پیدا کیا کہ ملائکہ مدعی اور مدعا علیہ کی شکل میں آپ کے سامنے پیش ہوئے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اگر بزرگوں سے کوئی لغزش صادر ہو اور کوئی امر خلاف شان واقع ہو جائے تو ادب یہ ہے کہ معترضانہ زبان نہ کھولی جائے بلکہ اس واقعہ کی مثل ایک واقعہ متصور کرکے اس کی نسبت سائلانہ و مستفیدانہ سوال کیا جائے اور ان کی عظمت و احترام کا لحاظ رکھا جائے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل مالک و مولیٰ اپنے انبیاء کی ایسی عزت فرماتا ہے کہ ان کو کسی بات پر آگاہ کرنے کے لیے ملائکہ کو اس طریق ادب کے ساتھ حاضر ہونے کا حکم دیتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ گفتگو سن کر فرشتوں میں سے ایک نے دوسرے کی طرف دیکھا اور تبسم کرکے وہ آسمان کی طرف روانہ ہوگئے اور نبی ایک کنایہ تھا جس سے مراد عورت تھی کیونکہ ننانوے عورتیں آپ کے پاس ہوتے ہوئے ایک اور عورت کی آپ نے خواہش کی تھی اس لیے نبی کے پیرایہ میں سوال کیا گیا جب آپ نے یہ سمجھا۔ (خزائن العرفان)

(نوٹ) مزید تحقیق اور تفصیل فقیر کی تفسیر فیوض الرحمان ترجمہ روح البیان کا مطالعہ فرمایئے۔

عامل زکوٰۃ کا نہ رہا تب تو یہ حکم درست ہے اس لیے کہ ان کی نظر ظاہر مالک پر ہے اور وہ جاتی رہی اگر یہ عرض ہے کہ وہ شخص قیامت کی باز پرس سے بھی نجات پائے گا اور اس کا حال ایسا ہوگا کہ گویا مال دار ہوا ہی نہ تھا یا جیسے کوئی بیع و شرا بطور تجارت نہ کرے تو اس صورت میں فقہ میں کمال درجے کی ناواقفیت از فقہ کا ثبوت دیتا ہے۔

نکتہ: زکوٰۃ اس لیے دیتے ہیں کہ انسان کی طبیعت سے بخل جاتا ہے اس لیے کہ بخل ایک مہلک مرض ہے۔ حدیث شریف میں تین مہلک چیزوں میں بخل مطاع بھی داخل ہے اور صورت مفروضہ میں اس شخص کا فعل موجب بخل کی اطاعت کا ہے۔ وہ پہلے سے ایسا نہ تھا جس چیز کو اس نے اپنی نجات کا موجب سمجھا کہ زکوٰۃ نہ دینی پڑے وہی باعث اس کی بربادی کا ہوا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے دل کا حال معلوم ہے کہ یہ مال کی محبت و حرص رکھتا ہے اور وہ حرص کے اس درجے کو پہنچ گیا کہ بخل کے دور نہ کرنے کے لیے حیلے ڈھونڈھتا ہے یہی جہالت و غرور ہے۔

ازالہ وہم

ان فقہا کا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فقیر وغیرہ کے مصالح کے لیے بقدر ضرورت مال کو مباح فرمایا ہے مگر یہ لوگ ضرورت اور شہوات تمنا و فضول میں فرق نہیں کرتے جس چیز سے اپنی رعونت کامل ہوتے دیکھتے ہیں اسے کو ضرورت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے بلکہ دنیا جو بندوں کی ضرورت کے لیے پیدا ہوئی ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ جس قدر عبادت اور سلوک راہ خدا میں کام آئے اتنا قدر وہ مباح ہے پھر جس قدر سے انسان دین اور عبادت میں استعانت لے تو وہ حاجت میں داخل ہوگی اور اس کے سوا سب فضول اور شہوات کہلائے گی۔

خلاصہ: فقہاء کے اس طرح کے توہمات اگر ہم ذکر کریں تو ان کے لیے دفتر چاہیے۔ ہم نے تفصیل کو طویل سمجھ کر صرف مشتے نمونہ از خروار سے چند مثالیں لکھ دیں تاکہ معلوم ہو کہ ان کے توہمات اس قسم کے ہوتے ہیں۔

زاہدوں اور عابدوں کا غرور: یہ لوگ بھی چند فرقے ہیں۔ بعض کو نماز میں اور بعض کو تلاوت قرآن مجید میں اور بعض کو حج میں بعض کو جہاد میں بعض کو زہد میں' مغالطہ ہوا ہے اس طرح جو جس طرح کا عمل کرتا ہے وہ اس میں خالی از غرور نہیں البتہ دانا لوگ مغالطہ نہیں کھاتے لیکن ایسے لوگ کم ہیں۔

مغروروں کی اقسام: (ا) وہ گروہ ہے جو فرائض کو چھوڑ کر نوافل اور مستحبات میں مشغول ہوتے ہیں اور کبھی

یہ مسئلہ عالمگیری میں مفصل ہے بلکہ مستقل باب ہے۔ کتاب الحیل۔ اس کا مقصد ان مسائل کو بوقت ضرورت و اضطرار استعمال جائز ہے نہ کہ عملاً حیلے بناتا پھرے۔ امام غزالی قدس سرہ کا اشارہ انہی عمداً حیلہ کرنے والوں کی طرف ہے۔ اسے ہم احناف بھی غلط ظاہر کرتے ہیں لیکن فتویٰ ظاہر پر ہوتا ہے اسی لیے زکوٰۃ کی ادائیگی ساقط ہو جائے گی لیکن قیامت میں اگر اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دے تو ورنہ اس کی اس سے باز پرس ہوگی چونکہ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا موضوع تقویٰ ہے اور تقویٰ اسی میں ہے کہ انسان ضرورت کے وقت بھی بجائے ہزیمت کے عزیمت پر عمل کرے۔ (اویسی غفرلہ)

مستحبات میں ایسے مستغرق ہوتے ہیں کہ افراط و اسراف تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ مثلاً بعض لوگوں پر وضو میں وسوسہ کا غلبہ ہوتا ہے تو اس میں حد سے زیادہ مبالغہ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو پانی شریعت کی رو سے پاک ہو اس میں بھی ان کو خلجان رہتا ہے اور دوراز احتمالات نجاست کو قریب تصور کرتے ہیں اور اکل حلال کا ذکر آئے تو اس کے احتمالات سے قریب کو بھی بعید جانتے ہیں بلکہ بعض اوقات حرام محض کھا لیتے ہیں حالانکہ اگر پانی کی احتیاط کو کھانے میں استعمال کرتے تو صحابہ کرام علیہم الرضوان کی سیرت سے زیادہ مشابہ ہوتے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ نے ایک نصرانی عورت کے گھڑے سے وضو کرلیا باوجودیکہ احتمال نجاست ظاہر ہے لیکن کھانے میں اتنا احتیاط تھی کہ بہت سی حلال چیزیں چھوڑ دیتے تھے۔ اس خوف سے کہ حرام میں مبتلا نہ ہوں پھر ان کے بعض پانی میں اسراف کرتے ہیں حالانکہ اس سے ممانعت ہے۔ (کہ پانی میں اسراف نہ کرو اور یہ لوگ پانی میں اسراف کرتے ہیں)

فائدہ: ان کے بعض کو تو اتنا وہم ہوتا ہے کہ وضو کرتے کرتے جماعت چلی جاتی ہے بلکہ کبھی وقت نکل جاتا ہے اگر اول وقت رہے تب بھی ان کی غلطی میں تو شک نہیں اس لیے کہ اول وقت نماز تو فوت ہوگیا اگر اول وقت بھی رہ گیا ہے۔ تب بھی پانی کے اسراف سے مغرور ہوگا اور اسراف بھی نہ کرے تو عمر عزیز ایسی شے میں ضائع کرنا جس میں بہت وسعت ہے یہ خام خیالی نہیں تو اور کیا ہے مگر کیا کیا جائے کہ شیطان بڑے عمدہ طریقے سے عبادت سے باز رکھتا ہے اور جب تک کسی چیز کو عابد کے دل میں جما نہیں دیتا کہ یہ عبادت ہے اس وقت تک اس کی رہزنی نہیں کر سکتا۔ اس طرح کے خیالات سے ان کو اللہ تعالیٰ سے دور کرتا ہے۔ (2) ایک گروہ اور ہے جس پر نماز کی نیت میں شک غالب ہوتا ہے۔ اسے شیطان اتنی مہلت نہیں دیتا کہ نیت درست کرے بلکہ اتنا پریشان کرتا ہے کہ اس کی نماز باجماعت ضائع ہو جاتی ہے یا وقت نماز فوت ہو جاتا ہے۔ اگر تکبیر اولیٰ میں شامل ہو بھی جائے تب بھی صحت نیت میں اسے تردد رہتا ہے اور کبھی یہ لوگ اللہ اکبر کہنے میں وسوسہ کرتے ہیں۔ اتنا شدید وسوسہ کہ الفاظ تکبیر بدل جاتے ہیں ان کی شروع نماز میں یہ صورت ہوتی ہے پھر وہ تمام نماز میں غافل رہتے ہیں۔ دل کو حاضر نہیں کرتے اور مغالطے سے سمجھتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھی بات ہے کہ اپنی جانوں پر شروع نماز میں نیت درست کرنے کے لیے اتنی مشقت اٹھاؤں۔ (3) ایک گروہ اور ہے کہ ان پر وسوسہ حروف الحمد اور تمام قراءت کے مخارج کا غالب رہتا ہے۔ وہ ہمیشہ تشدید و مد اور ظا کے جدا کرنے اور تمام مخارج حروف کی تصحیح میں احتیاط کرتے ہیں۔ ساری نماز میں اسی کو ضروری سمجھ کر نماز کے دیگر ارکان میں فکر ہی نہیں کرتے اور نہ ہی قرآن اور ان کی نصیحتوں اور اسرار سمجھنے سے سروکار رکھتے ہیں اور یہ بہت بڑا مغالطہ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو تلاوت قرآن کا حکم اس طرح ہی دیا ہے جیسے وہ روزہ مرہ کی گفتگو کرتے ہیں۔ جب ایسی بات ہے تو پھر مخارج قرآن میں اتنا بناوٹ کیوں۔

مثال: ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو پیام دیا گیا کہ بادشاہ کے حضور جا کر پیغام ان الفاظ سے دو جب وہ

بادشاہ کی خدمت میں پہنچا تو پیام ادا کرنے میں مخارج حروف کا خیال نہ کیا کہ پیام کا مضمون کیا تھا اور بادشاہوں کے حضور رعایت آداب کس طرح ہوا کرتی ہے تو ایسا شخص بجز سوائے اس کے اسے سزا کے طور پاگل خانے میں بھجوا دیا جائے۔

(4) ایک اور گروہ ہے جو قرآن پڑھنے میں مغالطہ کھاتے ہیں گھاس کی طرح کاٹے چلے جاتے ہیں اور بعض اوقات ایک دن میں ایک ختم کرتے ہیں مگر زبان سے تو قرآن پاک پڑھتے ہیں اور ان کے دل میں کئی طرح کی آرزوئیں گزرتی ہیں اس لیے کہ تلاوت میں معانی کی طرف تو توجہ ہی نہیں زجر و توبیخ اور تذکرے کا کوئی اثر دل میں نہ ہوا اور نہ خیالات فاسدہ سے بچا اوامر و نواہی پر غور بھی نہ کیا تاکہ عبرت کے مضامین سے خوف خدا ہوتا ہے اور تلاوت قرآن پاک کے مقاصد جو ہم نے لکھے ہیں ان میں سے کوئی مقصد حاصل ہوا کم از کم تلاوت سے سینے میں اس کا اثر ہو معنی سمجھ آئے یا نہ آئے۔

مثال: اس کی مثال یوں ہے جیسے کوئی آقا اپنے غلام کو ایک رقعہ میں حکم دے کے فلاں کام کرنا اور فلاں نہ کرنا غلام نے اس رقعہ کے سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے پر توجہ نہ کی بلکہ اس رقعہ کے یاد کرنے پر زور لگایا ظاہر ہے کہ اس نے حکم عدولی کی۔ وہ رقعہ کو بہت نغمہ اور آواز بلند سے دن میں سو دفعہ پڑھتا رہا تو ایسا غلام مستحق سزا ہوگا۔ اگر اسے یہ گمان ہو کہ یہ رقعہ اسی لیے آیا تھا تو صریح مغالطہ ہے ہاں قرآن پاک کی تلاوت سے یہ غرض ہے کہ بھول نہ جائے اور حفظ سے بھی یہ مقصود ہے کہ معنی پر غور ہو اور معنی سے یہ مراد ہے کہ اس کے مطابق عمل ہو۔

فائدہ: بعض اوقات قاری کی آواز اچھی ہوتی ہے تو تلاوت سے لذت پاتا ہے پھر وہ گمان کرتا ہے کہ یہ لذت مناجات الٰہی اور اس کے کلام سے ہے حالانکہ یہ لذت صرف آواز کی ہوگی اور اس کو مغالطہ اسی وجہ سے ہوا کہ اس نے یہ سوچا کہ یہ لذت قرآن مجید کے حسن عبارت و معانی کی ہے یا آواز کی۔ (5) ایک گروہ اور ہے جو روزہ کا عاشق ہے یہ لوگ کبھی مسلسل روزے رکھتے ہیں مگر زبانوں کو غیبت سے اور دلوں کو ریا سے اور پیٹ کو حرام سے اور کلام کو بے ہودگی سے نہیں بچاتے دن بھر فضول بکتے رہتے ہیں۔ باوجود اس کے اپنے آپ کو بہتر سمجھتے ہیں حالانکہ نماز فرض ہے اسے ادا نہیں کرتے تو نوافل کے عاشق ہیں اور وہ بھی جیسے چاہئے ویسے ادا نہیں کرتے یہ بھی کھلم کھلا دھوکہ ہے۔

(6) ایک گروہ اور ہے کہ حج پر مغرور ہیں حج کرنے جاتے ہیں تو حقوق اور قرضے ادا نہیں کرتے، ماں باپ کی اجازت کے بغیر اور بلا زاد حلال کے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ راستے میں نماز اور فرائض کو ضائع کر دیتے ہیں اور کپڑے اور بدن کے پاک کرنے سے عاجز ہوتے ہیں اور لوگوں پر چندہ کا بوجھ ڈالتے جاتے ہیں اور راہ میں فحش اور جھگڑے سے پرہیز نہیں کرتے۔ بعض لوگ مال حرام حاصل کر کے راستے میں رفقاء پر خرچ کرتے جاتے ہیں اور اس سے غرض ریا

اور شہرت ہوتی ہے۔ ان کے ذمہ دہرا گناہ ہوتا ہے کہ اول تو حرام بھی کیا دوسرے ریا میں خرچ کیا جب گھر پر آتے ہیں تو دل میں صفات ذمیمہ اور اخلاق بد کا مرکز ہوتے ہیں۔ حج کرنے کے بعد انہیں ختم نہیں کرتے یا لینھمہ ان کو بہتر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی کھلم کھلا مغالطہ ہے۔ (7) ایک گروہ اور ہے جو خود کو محتسب سمجھ لیتے ہیں۔ دوسروں کو امر معروف اور نہی منکر کرتے ہیں مگر اپنی ذات سے غافل ہوتے ہیں جب کسی کو خیر کے لیے کہتے ہیں تو سختی اور درشتی اور حاکمانہ طریقے پر اگر خود ان سے کسی برے امر کا ارتکاب ہو جائے یا کوئی شخص اعتراض کرے تو غصہ ہو کر کہتے ہیں کہ ہم خود محتسب ہیں تم کون ہو اعتراض کرنے والے۔

فائدہ: بعض کا یہ دستور ہے کہ اپنی مسجد میں عوام کو بلاتے ہیں جو کوئی دیر سے آئے تو اسے سخت وست کہتے ہیں۔ اس سے ان کی غرض ریا اور حاکمانہ طریقہ ہوتا ہے اگر مسجد کی خدمت کا کوئی دوسرا کفیل ہو جائے تو اس پر خفا ہونے لگتے ہیں۔ بلکہ ان کے بعض خود اذان کہتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے لیے اذان کہتے ہیں۔ اگر کوئی دوسرا اذان کہہ دے تو اس پر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے کہتے ہیں کہ ہمارا حق تو نے کیوں لیا اور ہمارے ثواب میں کیوں دخل دیا اسی طرح بعض اوقات امامت خود کرتے ہیں۔ ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ کوئی کہے کہ یہ مسجد کے امام صاحب ہیں۔ اگر کوئی غیر جوان کی بہ نسبت زیادہ متقی اور بڑا عالم ہو امامت کے لیے آگے بڑھے تو ان کو برا محسوس ہوتا ہے۔

(8) ایک گروہ اور ہے وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ مقیم ہو جاتے ہیں۔ وہ اس دھوکے میں پڑ جاتے ہیں پھر نہ اپنے دلوں کی نگرانی کرتے ہیں اور نہ اپنے ظاہر و باطن کو پاک کرتے ہیں۔ ان کے دل گھر کی طرف لگے ہوتے ہیں اور عوام سے اس بات کے سننے کے منتظر ہوتے ہیں کہ فلاح صاحب مکہ مکرمہ کا مجاور ہے بعض اوقات ایسا شخص خود ہی فخریہ کہتا ہے کہ میں اتنا مدت سے مکہ مقیم رہا ہوں اور جب عوام سے سنتا ہے کہ یوں کہنا برا ہے تو زبان سے فخر کرنا تو چھوڑ دیتا ہے مگر دل میں چاہتا ہے کہ لوگوں کو یہ حال معلوم ہو جائے یہ بھی مکہ یا مدینہ میں مقیم رہا ہے۔ عوام کچھ مال و دولت دیں جب اس طرح کچھ مال حاصل کرلیتا ہے تو بخل کرتا ہے اور مقیم ہوتا ہے۔ اس کا جی نہیں چاہتا کہ کسی فقیر کو ایک لقمہ بھی بطور خیرات دے تو اس شخص میں ریا اور بخل اور طمع اور دیگر مہلکات جمع ہو جاتے ہیں اگر مکہ کا مقیم نہ ہوتا تو ان سے محفوظ رہتا لیکن اپنی تعریف اور اس قول سے اتنا محبت ہے کہ کوئی تو کہے کے یہ مجاور مکہ میں مقیم رہا ہے۔ یہ بات دل پر ایسی سماتی ہے کہ باوجود ملوث ہونے کے ان رذائل میں مکہ میں پڑا رہنا منظور کیا ہے تو ایسا شخص بھی مغالطے میں ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہر عمل عبادت میں بہت سی آفات ہیں جو ان آفات سے ناواقف ہے اور اس پر اچھا اعتقاد رکھتا ہے وہ غلطی پر ہے اور آفات کے طریقوں کی تفصیل اس کتات کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی مثلاً نماز کے مداخل میں غرور کا مفصل بیان باب نماز میں ملے گا اور حج اور زکوٰۃ اور تلاوت اور دوسری عبادات غرور کے طریقے ان ابواب میں ملیں گے جن میں ہم نے ان کا ذکر کیا ہے۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ مجمل اشارہ ان

ابواب کے ذکر کی طرف ہو جائے (اور وہ ہوگیا) (9) ایک گروہ اور ہے جو مال میں زہد کرتے ہیں اور خوراک و پوشاک میں معمولی شے پر قناعت کرتے ہیں اور گھروں کے بجائے مسجدوں میں وقت گزارتے ہیں۔ پھر اپنے گمان میں ہیں کہ ہم نے زاہدوں کا مرتبہ حاصل کرلیا ہے مگر باوجود اس کے حکومت و جاہ کی رغبت رکھتے ہیں۔ علم سے یا وعظ سے یا صرف زہد سے تو ایسے لوگوں نے اگرچہ مال چھوڑ دیا مگر بڑی مہلک چیز میں گرفتار ہوئے اس لیے کہ جاہ بہ نسب مال کے زیادہ مہلک ہے اگر یہ لوگ جاہ کے تارک ہو کر مال لیتے تو شاید بچ جاتے۔ اب تو مغالطے میں پھنس گئے۔ یعنی اپنے آپ کو تصور کیا کہ ہم زاہد ہیں حالانکہ وہ یہ نہیں جانتے کہ دنیا کیا ہے۔ دنیا کا انتہائی اور اعلیٰ درجہ حکومت طلبی ہے اور جو حکومت کا خواہشمند ہے وہ یقیناً منافق و حاسد و متکبر اور ریا کار بلکہ تمام اخلاق ذمیمہ سے موصوف ہے۔

فائدہ: اگر عابد و زاہد حکومت کا بھی تارک ہو کر تنہائی اور گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے مگر مغرور بھی رہتا ہے اس لیے کہ وہ اپنے اس فعل سے دولت مندں کو سخت و ست کہتا ہے اور ان کو نظر حقارت سے دیکھتا ہے اور عجب سے اپنے نفس کے لیے زیادہ ثواب کا متوقع ہے اور دل کی خباثتیں بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔

فائدہ: اگر کبھی اسے کوئی مال دیتا ہے تو وہ اس خوف سے نہیں لیتا کہ لوگ کہیں گے کہ اس کا زہد جاتا رہا اگر دینے والے کہے گا کہ مال حلال ہے ابھی تو لے لو پھر واپس کر دینا تو نفس پر لوگوں کی منت کے خوف سے اسے لینے کا شوق ہوگا تاکہ اس کے زہد میں فرق نہ پڑے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ ایسا زاہد لوگوں کی مدح کا خواہش مند ہے جو کہ دنیا کی لذت میں سب سے زیادہ لذیذ ہے۔ یہ مدعی زہد فی الدنیا ہے حالانکہ مغرور ہے۔ علاوہ ازیں بعض اوقات یہ دولت مندوں کی تعظیم کرنے لگتا ہے اور انہیں فقرا پر ترجیح دیتا ہے اور جو اس کا معتقد اور مداح ہے اس کی طرف زیادہ متوجہ ہوتا ہے اور جو کسی دوسرے زاہد کا معتقد ہے اس سے نفرت کرتا ہے اس طرح کی تمام باتیں شیطان کے دھوکے اور فریب ہیں۔ (10) عابدوں میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے نفس پر بہت بڑی سختی کرتے ہیں اور اعضائے ظاہری سے بہت کام لیتے ہیں۔ مثلاً دن رات میں ہزار رکعت نفل پڑھتے ہیں اور ایک قرآن ختم کرتے ہیں اور ان باتوں میں سے کسی میں بھی رعایت دل کی نہیں کرتے کہ اس کو بھی ریا اور کبر اور عجب و دیگر مہلکات امراض سے پاک کریں یا تو اس وجہ سے کہ ان کو وہ مہلک امراض نہیں جانتے اگر جانتے بھی ہیں تو اپنے نفس کے لیے مہلک نہیں سمجھتے اور ریا کی وجہ سے کہ اپنے اعمال ظاہری سے سمجھتے ہیں کہ اگرچہ یہ چیزیں نفس کے لیے مہلک ہیں مگر ہم بخشے ہوئے ہیں اور ہمارے لیے کوئی مواخذہ نہ ہوگا یا تو جانتے ہیں کہ مواخذہ ہوگا مگر گمان کرتے ہیں کہ ہمارے اعمال ظاہری کی وجہ سے ہمارا نیکیوں کا پلہ بھاری رہے گا۔ یہ سب وہمی خیالات ہیں۔

انتباہ: متقی کی تھوڑی سی نیکی و دانائی ایک علامت ان جیسے مغروروں کے پہاڑ کے برابر اعمال ظاہری سے افضل ہے۔ پھر یہ مغرور باوجودیکہ لوگوں کے ساتھ بدخلق اور سخت ہیں اور باطن میں ملوث ریا اور حب مدح سے خالی ہیں۔ مثلاً جب کوئی کہتا ہے کہ تم زمین کے قطب اور ولی اللہ اور محبوب اللہ ہو تو نہایت خوش ہوتا ہے اور زیادہ مغالطے میں مبتلا ہوتا ہے اس وجہ سے کہ وہ اپنی دانست میں لوگوں کا اچھا کہنا اس بات کی دلیل سمجھتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہوں اسے یہ خبر نہیں کہ لوگوں کو اس کے دل کی خباثتوں کا حال معلوم نہیں۔ (۱۱) صوفیہ مغروروں کا ایک گروہ اور ہے وہ نوافل پر حریص ہوتے ہیں اور فرائض کو چنداں معتبر نہیں جانتے کوئی نماز چاشت سے خوش ہوتا ہے۔ کوئی تہجد وغیرہ سے۔ یہ فرضوں میں لذت نہیں پاتے نہ فرائض کو اول وقت ادا کرنے کے حریص ہوتے ہیں اور اس حدیث قدسی کو یاد نہیں کرتے جسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جتنا میرا تقرب بندوں کو ادائے فرض سے ہوتا ہے اتنا اور کسی چیز سے نہیں اور نہ یہ جانتے ہیں کہ نیکیوں میں ترتیب چھوڑ دینا بھی برا ہے۔ مثلاً بعض اوقات انسان پر دو فرض معین ہوتے ہیں کہ ایک جاتا رہتا ہے اور دوسرا نہیں جاتا اور دو نفلیں ہوتی ہیں کہ ایک کا وقت تنگ ہے اور دوسری کا نہیں تو ہر ایک میں ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اگر ترتیب کا خیال نہ رکھے گا تو مغالطہ میں پڑے گا اس کے نظائر بے شمار ہیں اس لیے کہ نگاہ گناہ بھی ظاہر ہے اور اطاعت بھی مگر اس میں مشکل یہی ہے کہ کون سی طاعت کو کس پر مقدم کیا جائے مثلاً کل فرائض کو نوافل پر مقدم کرنا اور فرض عین کو فرض کفایہ پر اور وہ فرض کفایہ جس کا ادا کرنا صرف اپنے اوپر لازم ہو۔ کو اس فرض کفایہ پر مقدم سمجھے جس کو کوئی دوسرا ادا کردے اور فرض عین میں سے بھی جو اہم تر ہے اس کو پہلے ادا کرے۔ اس کے بعد وہ جو اس سے کم ہے۔ مثلاً والدہ کی ضرورت کو والد کی ضرورت سے پہلے ادا کرے۔ حدیث شریف میں ہے کسی نے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں کس سے سلوک و احسان کروں۔ آپ نے فرمایا اپنی ماں سے پھر عرض کی پھر کس سے۔ آپ نے فرمایا اپنی ماں سے۔ پھر عرض کی پھر کس سے آپ نے فرمایا اپنی ماں سے۔ پھر پوچھا کہ اس کے بعد کس سے احسان کروں۔ آپ نے فرمایا اپنے باپ سے۔ پھر عرض کیا پھر کس سے آپ نے فرمایا ادناک فادناک یعنی جو سب سے قریب تر ہو۔ اس کے بعد وہ جو اس سے قریب تر ہو۔ اس کے بعد وہ جو اس سے قریب تر ہو۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ صلہ رحمی میں ابتدا سے قریب تر ہو اگر قرابت میں برابر ہوں تو زیادہ محتاج ہے اور اگر اس میں بھی برابر ہوں تو جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہوں۔

مسئلہ: جس کے پاس اتنا مال ہو کہ خدمت والدین اور حج کو کفالت نہ کرے تو وہ مغالطہ سے حج کرتا ہے حالانکہ خدمت والدین حج پر مقدم ہے کیونکہ خدمت والدین اہم ہے بہ نسبت حج کے۔

مسئلہ: کسی نے کسی سے وعدہ کرلیا اور ایفائے وعدہ کے وقت جمعہ کا وقت ہوگیا اور جمعہ ایسی عبادت ہے کہ قضا ہو

جائے تو اس کا نعیم البدل بھی کوئی نہیں اس لیے اس صورت میں ایفائے وعدہ میں مشغول ہونا گناہ ہے۔ اگرچہ وہ بھی بذات خود طاعت ہے۔

مسئلہ : کسی کے کپڑے پر نجاست لگ گئی۔ اس کے لیے ماں باپ اور گھر کے لوگوں کو سخت ست کہنے لگا تو مغالطہ ہے اگرچہ نجاست بھی بری شے ہے اور ماں باپ کا ایذا بھی مگر ان کی ایذا سے پرہیز کرنا زیادہ اہم ہے بہ نسبت نجاست سے بچنے کے۔

فائدہ : ایسی مثالیں جن میں ایک ممنوع دوسرے کے مقابل ہو یا ایک طاعت دوسری طاعت کے مزاحم ہو۔ بہت ہیں مگر ان میں ترتیب کا لحاظ نہ رکھنا مغالطہ ہے اور یہ مغالطہ نہایت درجہ کا باریک ہے کیونکہ سالک کو یہ وہم ہوتا ہے کہ میں اطاعت الٰہی بجا لا رہا ہوں لیکن نہیں سمجھتا کہ جو طاعت اس پر اس سے زیادہ اہم اور ضروری تھی اس کو ترک کرنے سے یہ دوسری طاعت گناہ ہوگئی۔

مسئلہ : اس قبیل سے ہے مشغول ہونا خلافیات فقہ میں اس سالک کے حق میں جسے طاعات و معاصی ظاہری و باطنی کا مشغلہ ہو اور وہ اعضائے ظاہری اور قلب سے متعلق ہیں اس لیے کے فقہ سے مقصود ان مسائل کا جاننا ہے جس سے دوسرے کا کام بنے تو ان مسائل کا جاننا اس کے دل کے لیے کار آمد ہیں۔ بے شک مناسب تر ہے مگر یہ حکومت کی محبت ہے جسے وہ سمجھتا ہے کہ وہ دین کا ضروری کام سرانجام دے رہا ہے۔

فائدہ : یہ ایسے امور ہیں (یعنی حکومت کی محبت اور جاہ و جلال کی لذت اور قرآن پڑھ کر فخر و مباہات جو انسان کو اندھا کر دیتے ہیں فلہذا ان سے بچنا لازمی ہے۔

مغرور صوفیہ : صوفیوں پر مغالطہ اور دھوکا بہت بڑا اور غالب ہوتا ہے اور ان کے بھی بہت سے گروہ ہیں۔ (۱) ایک گروہ وہ ہے جو حال وجد کے دھنی ہیں۔ ان کا دستور ہے کہ سچے صوفیوں کی طرح لباس وہیت اور الفاظ اور آداب اور مراسم اور اصطلاحات اپناتے ہیں اور ظاہری حالات میں ان کے موافق ہوتے ہیں۔ مثلاً سماع سنتے ہیں اور وجد کرتے ہیں اور طہارت اور نماز انہیں کی طرح بجا لاتے ہیں مصلوں پر سر جھکا کر اور گریبان میں گردن ڈال کر متفکروں کی طرح بیٹھتے ہیں۔ لمبی لمبی سانس لیتے ہیں۔ بات کرنے میں آواز پست کرتے ہیں۔ بہرحال ان کی عادات اور صورت اچھے صوفیوں کی سی ہوتی ہے۔ اسی لحاظ سے ان کو مغالطہ ہوتا ہے کہ ہم بھی صوفی ہوگئے ہیں لیکن اللہ جسے بچا لیتا ہے وہ دھوکے میں نہیں آتا۔ ایسے لوگ ظاہری صورت تو صوفیوں کی اختیار کرتے ہیں مگر اپنے نفسوں پر مجاہدہ اور ریاضت اور دل کی حفاظت اور ظاہر و باطن کو خفی اور جلی گناہوں سے پاک نہیں کرتے جو صوفیوں میں ادنیٰ درجے کی باتیں ہیں۔ اگر یہ سب باتیں بھی کر گزریں تب بھی ہم نہیں کہہ سکتا کے وہ خود کو صوفیوں میں شمار کریں۔ پھر وہ بہت زیادہ بدبخت ہیں کہ صوفیوں کی گرد کو بھی نہیں پہنچتے اور نہ کبھی ان کے طالب ہوئے ہوں بلکہ

حرام اور شبہات اور بادشاہوں کے مال پر گزارہ کرتے ہوں اور ایک ایک کوڑی اور پیسے اور روپے پر جان دیتے ہوں ذرا ذرا سی بات پر حسد کرتے ہوں کوئی ذرا سی مخالفت ان کے کسی مطلب میں کرے تو اس کی ہتک اور بے عزتی کے روادار ہوں تو پھر کیسے صوفی کہلائیں گے اور ان لوگوں کا مغالطہ ظاہر ہے۔

مثال: ایک بڑھیا نے سنا کہ بادشاہوں کی طرف سے بہادروں کے لیے جاگیریں مقرر ہوتی ہیں تو اسے بھی جاگیر لینے کا شوق دامن گیر ہوا اسی لیے ایک زرہ پہنی اور سر پر خود رکھا اور جو اشعار میدان جنگ اور جوش جرات کے لیے پڑھتے ہیں کسی سے سیکھ لیے تھے۔ پھر جس طرح پہلوان میدان جنگ میں اکڑ کر چلتے وہ بھی معلوم کر لیے۔ ان کے خصائل اور گفتگو اور حرکات و سکنات سیکھ کر لشکر میں گئی تاکہ بہادروں میں نام لکھا جائے۔ جب وہاں پہنچی تو افسر محکمہ کو حکم ہوا کہ اس زرہ اور خود اتار کر تمام اعضا اچھی طرح دیکھ لو اور کسی پہلوان سے اس کی کشتی کراؤ تاکہ معلوم ہو کہ کتنی اس میں جرات ہے۔ جب اس کا لباس ظاہری اتارا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ تو ایک ضعیف بڑھیا ہے جس سے اچھی طرح زرہ و خود بھی نہ اٹھایا جا سکے گا۔ اس وقت اسے کہا جائے کہ تو بادشاہ سے مذاق کرنے آئی تھی۔ اس بڑھیا کی تمام لوگوں میں خفت ہوگی اس سے بدتر یہ کہ حکم دیا جائے کہ بڑھیا کو پکڑ کر ہاتھی کے پاؤں میں ڈال دو تاکہ اس کی ہڈی پسلی سب پس جائے۔

فائدہ: یہی حال ان لوگوں کا ہے جو ظاہر میں لباس صوفیوں کا پہنتے ہیں۔ قیامت میں احکم الحاکمین کے سامنے پیش ہوں گے وہ لباس ظاہری اور گدڑی کو نہیں دیکھتا وہ آرزوئے دل سے سروکار رکھتا ہے۔ (1)

(12) ایک گروہ اور ہے جو اس سے پہلے گروہ کی نسبت زیادہ مغالطے اور غرور میں ہیں۔ ان پر شاق ہوتا ہے کہ کپڑے گھٹیا ہوں اور صوفی بننے کا بھی دل چاہتا ہے اور صوفیوں کے لباس کے بغیر صوفی نہیں بن سکتے اسی لیے انہوں نے ریشمی اور قیمتی لباس تو ترک کر دیا مگر قیمتی گدڑی اور عمدہ اور رنگین لباس استعمال کیا اور کپڑے ایسے پہنے جو ریشمی سے بھی قیمت میں زیادہ ہوں اور جان لیا کہ صرف کپڑے رنگنے اور پیوند لگانے سے صوفی ہو گئے اور یہ نہ سمجھا کے صوفیوں نے کپڑے صرف اس لیے رنگے کہ ان کے ہمیشہ میل کی وجہ سے دھونا نہ پڑے۔ (نمبر1) اور چونکہ اکابر و اسلاف پیوند لگا کر کپڑا پہنتے تھے۔ نیا کپڑا نہیں پہنتے تھے اس لیے انہوں نے بھی پیوند والا کپڑا پہنا مگر ایسے

1۔ مذکورہ مضمون میں واقعی صوفیہ کی نقل کی سزا بجا لیکن یہ اس کے لیے ہے کہ نقل سے خواہشات نفسانی اور دنیوی امور کے حصول کے لیے کرے۔ اگر ان کی نقل اس سے عند اللہ نیک ارادے پر ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں۔ ممکن ہے میری بھی نجات ہو جائے تو عین مراد ہے اگر صرف ایسے ہی صرف نقل ہو تو بھی فائدہ ہو جس میں دنیوی مفاد مد نظر نہ ہو۔ ایک مخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نقل اتارتا تھا۔ وہ فرعون لشکر کی طرح دریا میں غرق نہ ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال پر اللہ نے فرمایا کہ تمہار نقلی ہے اس لیے بچ گیا۔ غور فرمائیں ہم سب تمام عبادات میں نقلی ہیں۔ نماز، روزہ، حج و دیگر جملہ عبادات میں اصل تو تھے محبوبان خدا حضور غوث اعظم، خواجہ غریب نواز اجمیری، حضور نقشبند، حضور سہروردی، داتا صاحب اور امام اہلسنت [illegible]

عمدہ اور قیمتی کاٹ کر جوڑے سلوانے سے کیسے صوفیوں کے مشابہ ہوگئے۔ ان لوگوں کی خام خیالی والالباس مغروروں سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ یہ نفیس نفیس کپڑے پہنتے ہیں اور لذیذ کھانے کھاتے ہیں۔ خوب مزے اڑاتے ہیں۔ حکام ظالموں کا مال لیتے ہیں اور گناہوں سے بھی نہیں بچتے۔ باطن کا تو کیا ذکر کیا پھر بھی صوفی صاحب ہیں۔ ایسے صوفی صاحبان خود آپ کو افضل خیال کرتے ہیں حالانکہ ان لوگوں کا شر مخلوق میں بھی پھیلتا ہے کیونکہ جو ان کی پیروی کرتا ہے وہ تباہ ہو جاتا ہے اور جو پیروی نہیں کرتا اس کا عقیدہ تمام صوفیوں کی طرف سے کمزور پڑ جاتا ہے۔ سب کو وہ ایسا ہی جانتا ہے اور سچے صوفیوں کی نسبت بھی اس کی کیفیت کو دیکھنے سے زبان طعن کھولتا ہے اور یہ تمام انہیں لوگوں کی شامت اور شرارت سے ہوتا ہے۔ (جیسے آج کل صوفیوں کے دشمنوں نے ان کو بدنام کرنے کی جدوجہد کی ہوئی ہے۔ (13) ایک گروہ اور ہے جو علم معرفت کے مدعی ہیں انہیں دعویٰ ہے کہ ہم تمام مقامات و حالات کو عبور کر چکے ہیں ہر وقت مشاہدہ حق میں رہتے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ رسیدہ ہیں حالانکہ ان باتوں کے صرف انہوں نے نام اور الفاظ ہی سنے ہوتے ہیں۔ ہاں چند باتیں اہل معرفت کی سیکھ کر ان کی رٹ لگائے پھرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ یہ باتیں تمام اسلاف اور صالحین کے علم سے اعلیٰ ہیں اسی لیے وہ فقہا مفسرین اور محدثین اور عابدین کو بھی بنظر حقارت دیکھتے ہیں۔ عوام بلکہ علماء بے چارے کس گنتی میں ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی دیہاتی مزدور اپنا کام چھوڑ کر چند روز ان کی صحبت میں رہتا ہے اور وہ بھی باتیں سیکھتا ہے تو وہ بھی کہتا پھرتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں سب سے بہتر کہتا ہوں اور بڑے راز و نیاز کی باتیں سناتا ہوں۔ عابدوں اور علماء کو وہ کچھ نہیں سمجھتا۔

جاہل صوفیوں کے طعنے: عابدوں کو تو کہتا ہے کہ یہ لوگ محنتی اور مزدور ہیں۔ علماء کے متعلق میں کہتا ہے کہ یہ ظاہری علم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے محجوب ہیں اور وہ جاہل خود دعویٰ کرتا ہے کہ وہ خدا رسیدہ اور مقرب ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسے لوگ منافق اور بدکردار ہیں اور اہل دل کے نظر میں احمق اور جاہل نہ کبھی علم پڑھا نہ کوئی عادت درست کی نہ عمل آراستہ کیا نہ دل کی حفاظت کی بجز اس کے کہ جو دل نے چاہا وہ کیا اور چند بے ہودہ باتیں سیکھ کر یاد کرلیں اور پیر مغاں بن گیا۔ (فقیر اویسی کے شاگردوں میں بھی ایسے ننگ پیر بن بیٹھے جنہیں علماء کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے۔ الحمد اللہ فقیر کے شاگردوں میں صحیح پیر بھی ہیں جو صحیح معنی میں دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ (اویسی غفرلہ) (14) ایک گروہ اور ہے جنہوں نے شریعت کو پس پشت ڈال کر آزادی میں مبتلا ہوئے احکام کو ترک کر کے حلال و حرام کو برابر سمجھا اور ان میں بعض سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے عمل سے بے پرواہ ہے۔ پھر ہمیں اپنے نفس پر تکلیف کرنے کا کیا فائدہ۔ ان کے بعض کا یہ قول ہے کہ لوگوں کو حکم ہے کہ دل کی شہوات و محبت دنیا سے پاک کریں مگر یہ بات محال ہے اور ناممکن کا حکم دیا گیا ہے اور اس دھوکہ میں وہ آئے جسے تجربہ نہ ہو ہم نے تو تجربہ کر کے دیکھ لیا کہ یہ امر محال ہے۔

ا۔ جیسے آج بھی بڑے بڑے جبتاں من قسم کے لوگ یا ویسے ہی میل کچیل کی وجہ سے رنگین لباس کو ترجیح دیتے ہیں۔ (اویسی غفرلہ)

جاہل صوفیہ کی امام غزالی قدس سرہ کی طرف سے تردید: اس احمق کو یہ خبر نہیں کہ شہوت یا غضب کے دور کرنے کا جو حکم ہوا ہے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ ان کو جڑ سے اکھاڑ دیں بلکہ یہ حکم ہے کہ ان کو ایسا دبائیں کہ ہر ایک ان میں سے تابع حکم شرع و عقل کا ہو جائے۔ ان میں بعض کہتے ہیں کہ اعمال ظاہری کا تو کوئی اعتبار نہیں۔ اللہ تعالیٰ دلوں کو دیکھتا ہے اور ہمارے دل اللہ تعالیٰ کی محبت میں وارفتہ ہیں اور معرفت میں کمال تک پہنچے ہیں۔ دنیا میں تو ہم فقط اپنے بدنوں میں گھسے ہوئے ہیں اور دل آستانہ لامکان میں معتکف ہیں۔ ہم میں شہوات کی پابندی ہے تو ظاہر کے اعتبار سے ہے۔ دل کے اعتبار سے نہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم لوگ عوام کے رتبے سے بڑھ گئے ہیں۔ ہمیں ضرورت تہذیب نفس کی اعمال بدنی سے نہیں اور چونکہ ہم لوگ معرفت میں قوی ہیں تو شہوات ہمیں راہ سلوک سے نہیں روک سکتیں۔

فائد: اس سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ خود کو انبیاء علیہم السلام کے درجات سے بڑھ کر سمجھتے ہیں۔ (اگر نہ بھی سمجھیں تب بھی ان کے کوائف کا تقاضا یونہی ہے اور ہمارے دور میں بھی ایسے بدبخت لوگوں کی کمی نہیں خود کو پیری مریدی کے رنگ میں ڈھال کر شریعت مطہرہ کی خوب دھجیاں اڑاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کوئی اپنا ایسا مرد مولیٰ پیدا فرمائے جو ایسے لوگوں کو راہ راست پہ لائے۔ (آمین) (اویسی غفرلہ)

فائدہ: جو اپنے آپ کو آزاد اور صوفیوں کی طرح سمجھتے ہیں۔ بہت ہیں اور سب کے مغالطے کا سبب یہی ہے کہ شیطان کے بہکانے میں آگئے ہیں اس لیے کہ علم کے بغیر کسی عارف شیخ کی اقتداء میں مجاہدے میں از خود لگ جاتے ہیں جس کی وجہ سے ہزاروں ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ (کاش کہ وہ اس سے پہلے علم دین سے بہرہ ور ہوتے پھر دیکھتے کہ یہ مجاہدہ کیسے ہوتا ہے۔ (اویسی غفرلہ) (14) ایک گروہ اور ہے جو ان لوگوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ وہ اعمال صالح اچھی طرح کرتے ہیں اور طلب حلال میں بھی سعی کرتے ہیں اور دل کے تصفیہ کے درپے بھی رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے بعض تمام مقامات زہد اور توکل اور رضا اور محبت کے مدعی ہوتے ہیں مگر نہ ان مقامات کی حقیقت کو جانتے ہیں نہ شرط و علامات و آفات کو پہچانتے ہیں۔ بعض تو مدعی ہوتے ہیں کہ ہم عاشق باللہ اور اس کی محبت کے قیدی ہیں۔ شاید انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسے تصورات باندھ لیے ہوں تو بھی بعید نہیں بلکہ بدعت یا کفر میں غرق ہو جاتے ہیں کیونکہ دعویٰ محبت قبل معرفت کرنے لگتے ہیں۔ پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ ان کے بعض ایسے کام کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک برے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے امور پر اپنے نفس کی خواہش کو ترجیح دینا اور بعض کام عوام کی شرم سے نہ کرنا۔ اگر تنہائی میں ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی شرم سے ہرگز نہ چھوڑتے مگر یہ نہیں جانتے کہ یہ باتیں خلاف محبت ہیں۔ بعض لوگ قناعت و توکل کا میلان رکھتے ہیں اور جنگلوں میں بے زادو اسباب پھرتے ہیں تاکہ دعویٰ توکل صحیح ہو لیکن یہ نہیں جانتے کہ ایسا کرنا بدعت ہے اسلاف و اکابر اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے منقول نہیں

حالانکہ وہ لوگ ان کی بہ نسبت توکل کو زیادہ جانتے تھے۔ انہوں نے یہ نہیں سمجھا کہ جان کو خطرے میں ڈالنا اور اسباب نہ لینا توکل ہے بلکہ وہ لوگ اسباب لے کر اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے تھے۔ اپنے اسباب پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔ ان لوگوں کا یہ دستور ہے کہ گو ظاہر میں زاد نہیں لیتے مگر کسی اور سبب سے اپنا جی بہلا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر توکل جب اس وقت بھی نہیں کرتے۔

فائدہ: منجیات کے جتنے مقامات ہیں ان میں مغالطہ بھی ہوتا ہے جس سے لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں ان میں آفات بھی ہیں۔ ہم نے احیاء العلوم کی جلد 4 میں بیان کیا ہے۔ یہاں ضرورت نہیں۔ (15) ایک گروہ اور ہے کہ انہوں نے غذا کے بارے میں اپنے نفس پر تنگی کر رکھی ہے۔ یہاں تک کہ غذا خالص حلال ہی کھاتے ہیں مگر سوائے اس خصلت کے دل اور اعضاء کو دیگر خصائل کا پابند نہیں کرتے اور بعض اپنے کھانے اور لباس و مکان میں تو حلال تلاش کرتے ہی نہیں۔ دوسری چیزوں میں ان کی بہت بڑی جدوجہد ہوتی ہے۔ ان چاروں کو خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے نہ تو صرف حلال غذا سے راضی ہے اور نہ اس سے کہ تمام اعمال صالحہ کیے جائیں اور بندہ طلب حلال نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے تمام طاعات بجالا کر ہر گناہ سے بچنا چاہئے اور پھر ایسا ہو کہ یہ بھی خیال کرے کہ تھوڑی سی بات سے کام نکل جائے گا تو وہ بھی مغرور ہے۔ (16) ایک گروہ خوش خلقی اور تواضع اور سخاوت کا مدعی ہے۔ چند لوگوں کو صوفیوں کی خدمت کے لیے جمع کر کے بتکلف ان کی خدمت کرتے ہیں اور اس خدمت گزاری کو اپنی عزت اور مال کا جال بنا رکھا ہے۔ بظاہر تو خدمت کرتے ہیں اور غرض ان کی تکبر ہے۔ ظاہر میں تو معلوم ہوتا ہے کہ صوفیہ کا اتباع کرتے ہیں مگر دراصل مخدوم و متبوع بننا چاہتے ہیں۔ ان کی خدمت سے اپنا نفع ڈھونڈھتے ہیں پھر مال حرام اور شبہات اکٹھا کر کے ان کی خدمت کرتے ہیں تاکہ خدمت گزاری میں مشہور ہوں اور لوگ تابع ہو جائیں۔

فائدہ: بعض لوگ بادشاہوں کا مال لے کر صوفیوں کو کھلا دیتے ہیں اور بعض اس مال کو حج میں ان پر خرچ کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہماری غرض صرف ان لوگوں کی خدمت ہے حالانکہ ان سب کا مقصد ریا اور شہرت ہوتی ہے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اقدس میں سے ظاہر و باطن میں کچھ بجا نہیں لاتے صرف حرام مال لے کر خدمت کرنے پر راضی ہیں۔

مثال: جو شخص مال حرام لے کر راہ حج میں خرچ کرے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مسجد بنوائے اور اس میں صرف استنجاء خانہ کو آراستہ کرے۔ پھر کہے کہ میری غرض عمارت مسجد سے یہی ہے کہ وہ خوب آراستہ ہو۔ (17)

ا۔ ہمارے دور میں یہ دھندا رسمی پیروں نے سجا رکھا ہے وہ اور ان کے جاہل و بیکار مرید علماء کرام کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ ہاں جو صحیح پیر ہیں ان کی بات نہیں۔ (اویسی غفرلہ)

ایک گروہ مجاہدہ اور تہذیب اخلاق اور نفس کے پاک کرنے میں مشغول ہو کر عیوب نفس کی بحث میں بہت مبالغہ کرتا ہے اور ہر حال میں عیوب کا متلاشی ہو کر ان کی آفات میں مبتلا ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس راہ کے راز دان ہم ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ نفس میں یہ عیب ہے۔ اگر اس کو عیب جاننے سے غفلت کرے تو یہ بھی عیب ہے اور اس کے عیب ہونے پر اگر توجہ کرے تو یہ بھی عیب ہے۔ اسی طرح گفتگو کرتے ہیں اور ان باتوں میں اوقات ضائع کرتے ہیں۔

مثال: جو شخص عمر بھر عیوب کی تلاش کے بعد ان کے علاج صرف لکھتا رہے اور علاج کو عمل میں نہ لائے تو فضول ہے۔ (18) ایک گروہ اور ہے وہ اس مرتبہ سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ انہوں نے سلوک طریق بھی شروع کر دیا پھر ان پر ابواب معرفت کھل گئے۔ جب معرفت کے مبادی سے ان کے مغز میں خوشبو پہنچتی ہے تو اس سے متعجب اور خوش ہو کر اس سے عجب کرتے ہیں۔ اسی لیے ان کے دل اسی طرف ملتفت ہو کر سوچتے رہ جاتے ہیں کہ یہ دروازہ ہم پر کیسے کھلا اور دوسروں پر کیوں بند ہے۔ یہ ایک مغالطہ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ کے عجائبات کی انتہا نہیں اگر سالک ہر عجیب بات پر ٹھہر جائے اور اسی پر اکتفا کرے تو مقصود کیسے حاصل ہو گا۔

مثال: اسی کی مثال یوں ہے کہ کوئی شخص بادشاہ کی ملازمت کے لیے جائے اور اس کے دروزے کے صحن میں ایک باغ دیکھے جس میں ایسے غنچے اور پھول ہوں جو اس نے کبھی نہ دیکھے تھے وہیں کھڑا ہو کر انہیں کا تماشا کرتا رہے۔ یہاں تک کہ بادشاہ کی ملازمت کا وقت ختم ہو جائے اور عجائبات پر ٹھہرانا اور اس کی سیر اور غور و فکر کا پابند ہونا بھی مغالطہ میں داخل ہے۔ (19) ایک گروہ اور ہے جو ان سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔ یعنی جو انوار اور تجلیاں ان پر کھلتے ہیں۔ ان پر توجہ نہیں کرتے اور نہ ان سے اظہار فرح و سرور کر کے ٹھہرتے نہیں بلکہ برابر راہ قطع کرنے سے کام رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ قریب منزل مقصود تک پہنچ کر اس حد پر فائز ہوتے ہیں جس کا نام قرب الی اللہ ہے اور یہاں آکر بایں گمان کہ ہم واصل باللہ ہو گئے یہاں توقف کر کے دھوکا کھایا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نور کے بے شمار پردے ہیں جب سالک کسی ایک پر پہنچتا ہے اس کو گمان ہوتا ہے کہ میں خدا رسیدہ ہو گیا۔

فائدہ: اسی طرف اشارہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول میں جس کا حال قرآن مجید میں ہے کہ فلما جس علیہ الیل رای مال ھذا ربی (پ 17)

فائدہ: اس آیت میں کوکب سے مراد ستارہ آسمانی نہیں کیونکہ ان ستاروں کو تو آپ کم سنی میں بھی دیکھتے اور جانتے تھے کہ یہ معبود نہیں۔ علاوہ ازیں نادان بھی جانتے ہیں کہ ستارے خدا نہیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام ستارے سے کس طرح مغالطہ کھا سکتے تھے بلکہ اس کوکب سے مراد ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ کے حجاب سالکین کے راستے پر ہے اور اللہ تعالیٰ تک کون پہنچتا ہے ان حجابات کو طے کرنا ممکن نہیں اور ان نور کے حجابات میں بعض بڑے ہیں اور

بعض چھوٹے ہیں اور چونکہ اجرام فلکی میں سب سے چھوٹا ستارہ معلوم ہوتا ہے اس لیے چھوٹے حجاب کے لیے کوکب کو استعارہ کرلیا گیا اور اجرام نورانی میں سب سے بڑا آفتاب اور متوسط درجہ پر قمر ہے اس تحقیق کے بعد آیت کا معنی بموجب جب آیت کریمہ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الانعام 76) ترجمہ کنز الایمان : اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آسمان کے ملکوت کی سیر فرمائی تو نور کے بعد نور آتا گیا اور جو نور پہلے ملا اسے سمجھا گیا کہ میں پہنچ گیا مگر پھر معلوم ہوا کہ اس کے بعد اور جہان ہے اس پر ترقی کی۔ اسی طرح ترقی کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ صرف وہی حجاب باقی رہا جس کے بعد مرتبہ وصول ہو اس کی عظمت دیکھ کر فرمایا کہ ھذا اکبر (یہ سب سے بڑا ہے) جب اس کو بھی باوجود عظمت و جلال کے اوج کمال پر نہ پایا وہ پستی و نقصان سے خالی نظر نہ آیا تو فرمایا اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (الانعام 79) ترجمہ کنزالایمان : میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان اور زمین بنائے ایک اسی کا ہو کر اور میں مشرکوں میں نہیں۔

فائدہ: ثابت ہوا کہ سالک طریق معرفت کو کبھی مغالطہ حجاب سے بھی ہو جاتا ہے۔ (تقریر عارفانہ) سالک حجابات میں کبھی کسی پر ٹھہرتا ہے اور بعض اوقات حجاب اول پر ٹھہر جاتا ہے۔

فائدہ: حجاب اول جو بندے اور اللہ کے درمیان ہے وہ نفس ہے اس لیے کہ وہ بھی ایک امر ربانی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے انوار سے ایک نور ہے جسے سر قلب کہتے ہیں اور جس میں حقیقت حق تمام کمال کے ساتھ جلوہ افروز ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ تمام عالم کی گنجائش اس میں ہو جاتی ہے اور وہ سب پر محیط ہو جاتا ہے اور صورت کل اس میں متجلی ہوتی ہے۔ اس وقت اس میں نہایت درجہ کی چمک ہو جاتی ہے کیونکہ وجود جیسا کہ واقع میں ہے ویسا ہی اس میں ظاہر ہو جاتا ہے اور شروع میں اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ایک فانوس اس پر ستر پوش کی طرح رہتا ہے مگر جب اللہ تعالیٰ کے نور کی تجلی اس پر پڑتی ہے تو وہ چمک پڑتا ہے اور دل کا جمال روشن ہو جاتا ہے۔

فائدہ: جس کے دل پر یہ حال گزرتا ہے اگر وہ اپنے دل کی طرف التفات کرتا ہے تو اس میں اس قدر زیادتی جمال کی پاتا ہے کہ حیران ہو جاتا ہے بلکہ ایسی حیرانی میں کلمہ انا الحق اس کی زبان سے نکل جاتا ہے اس کے بعد اس پر کوئی راز نہیں کھلتا۔ اسی مغالطے پر جم جاتا ہے۔ اسی سے کبھی وہ ہلاک ہو جاتا ہے حالانکہ یہ مغالطہ اسے اللہ تعالیٰ کے انوار میں سے ایک ادنیٰ ستارے سے ہوگیا۔ ابھی تک اس کے لیے قمر کی بھی نوبت نہ پہنچی تھی۔ شمس کی جاری تو اوز آگے ہے۔

انتباہ: یہ مقام مغالطہ کا ہے۔ اس لیے کہ تجلی کرنے والی شے اور جس میں وہ تجلی کرتی ہے دونوں بظاہر ایک صورت کی ہو جاتی ہیں۔ مثلاً جس رنگ کی شے کہ آئینے میں نظر آتی ہے آئینہ کا رنگ بھی ویسا ہی نظر آتا ہے یا مثلاً شیشہ

سفید کو کسی رنگ دار چیز سے بھر دو تو شیشہ اسی رنگ کا محسوس ہو گا۔

فائدہ: یہی دھوکہ نصاریٰ کو ہوا۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے نور کی چمک اور تجلی ان میں بہت زیادہ ہے تو مغالطے سے انہیں کو خدا سمجھ لیا جیسے کوئی شخص ستارے کو آئینے یا پانی میں دیکھ کر خیال کرے کہ یہ ستارہ اس کے اندر ہے پھر اس کے پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو وہی مغرور کہلائے گا۔

قاعدہ: طریق معرفت طے کرنے میں جتنا مغالطے ہوتے ہیں ان کے بیان کو دفتر چاہیے اور جب تک علم مکاشفہ کی تفصیل نہ کی جائے اس وقت تک سب کا بیان بھی نہیں ہو سکتا اور علم مکاشفہ کے بیان کی ہمیں اجازت نہیں بلکہ جس قدر ہم نے بیان کیا ہے اسے بھی ذکر کرنا مناسب نہ تھا اس لیے کہ جو اس طریق کا سالک ہے اسے غیر سے سننے کی حاجت نہیں اور جو سالک نہیں اسے سننے سے کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ جب کوئی ایسی چیز سنتا ہے جو سمجھ میں نہیں آتی اس سے اسے حیرت پیدا ہوتی ہے ہاں اتنا فائدہ ہے کہ جس مغالطے میں وہ ہے اس سے نکل جاتا ہے۔

فائدہ: کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ امر معرفت کو جو اپنے خیال فاسد اور ذہن منتشر اور عقل قاصر میں کوئی ادنیٰ بات سمجھتا ہے۔ ان حالات کے سننے سے یقین کر لیتا ہے کہ واقع میں یہ امر بہت بڑا ہے۔ نیز اولیاء اللہ کے مکاشفات کا ذکر اگر کیا جاتا ہے تو اس کا یقین ہو جاتا ہے اور جس کو مغالطہ قوی ہوتا ہے وہ ہر حال میں یکساں ہے جیسے پہلے نہیں مانتا تھا۔ اب بھی نہیں مانتا۔

مالداروں کے مغالطے: (ا) ان کا ایک گروہ وہ ہے جو مساجد و مدارس اور شاہراہوں اور پلوں کی تعمیر کے حریص ہوتے ہیں۔ یعنی ایسی چیزیں کہ جنہیں تمام لوگ دیکھیں اور ان عمارات پر اپنا نام لکھا دیتے ہیں تاکہ ہمیشہ ان کی یادگار رہے اور مرنے کے بعد بھی نشان باقی رہے اور اپنی دانست میں اس فعل سے مستحق مغفرت ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ لوگ دو وجہ سے مغالطے میں ہیں۔ عمارات مذکورہ کو ایسے مال سے بناتے ہیں جو ظلم و غضب او رشوت وغیرہ سے حاصل کرتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے کہ مال حرام کھایا دوسرا اس وجہ سے کہ اس کو ریا و شہرت کے لیے خرچ کیا حالانکہ ان پر واجب تھا کہ اس طرح مال نہ کھاتے جب اس طرح اللہ کے نافرمان ٹھہرے تو چاہیے تھا کہ توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کرتے اور مال مالکوں کے حوالے کرتے۔ اصل مال کا مالک اگر نہ ملتا تو اس کے ورثہ کو دیتے۔ اگر کوئی وارث بھی نہ ملتا تو اس مال کو مسلمانوں کی سب سے ضروری مصلحت میں خرچ کرتے مساکین کو بانٹتے، یعنی اس مال کا زیادہ مستحق معلوم ہوتا اسے دیتے۔ صرف مساکین کو تقسیم کرتے لیکن یہ نہ کیا۔ اس خوف سے کہ شاید دوسرے لوگوں کو معلوم نہ ہو جائے کہ شہرت نہ ہو گی تو اس لیے وہی عمارت بنا لیں۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ عمارت پر جو یہ لوگ حریص ہیں صرف اس لیے نہیں کہ بقائے خیر چاہتے ہیں بلکہ ان کی غرض

ریا اور نیک نامی اور محبت مدح ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ان کے باقی رہنے سے ہمارا نام جو ان پر لکھا ہے وہ بھی ہمیشہ رہے گا۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان عمارتوں میں روپیہ لگانا اخلاص اور خیر کا کام ہے۔ اگر ان سے کہا جائے کہ اگرچہ ایک روپیہ خرچ کرو لیکن وہاں اپنا نام نہ لکھواؤ تو ہرگز قبول نہ کریں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ نام لکھا ہو یا نہ اگر لوگوں کو دکھلانا مدنظر نہ ہوتا تو صرف اللہ ہی کے لئے کام ہوتا تو نام لکھنے کی کیا حاجت تھی۔ ایک گروہ اور ہے کہ مال وجہ حلال سے حاصل کرکے مساجد میں لگا دیتے ہیں۔ وہ بھی مغالطہ میں ہیں دو وجہ سے۔ (۱) ریا اور (2) طلب مدح اس لیے کہ بعض اوقات ایسے شخص کے پڑوس یا شہر میں ایسے محتاج ہوتے ہیں کہ ان پر خرچ کرنا بہت ضروری ہوتا ہے کہ مساجد کے بنانے سے ان کو دینا بہتر ہوتا ہے مگر ان کو مسجدوں میں لگا دینا اچھا محسوس ہوتا ہے اس کی وجہ ہے کہ لوگوں پر ظاہر ہو کہ فلاں نیک آدمی ہے۔ (2) مسجدوں پر نقش و نگار کرتے ہیں وہ بھی ممنوع ہے او رنمازیوں کا خیال اس میں ہوتا ہے۔ ان کی نظرانہیں پر پڑتی ہے اور مقصود نماز سے عاجزی اور دل کا تصور بھی ادھر ہوگا اور جب دل نقش و نگار میں ہوا تو ثواب باطل ہوگا اور اس کا وبال نقش و نگار کرنے والے کے ذمہ رہے گا اور وہ اس خیال میں ہے کہ وہ کار خیر کرتا ہے کہ اس کے لیے وسیلہ رضائے الٰہی ہوگا حالانکہ اس سے وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں مبتلا ہوا اس کو گمان ہے کہ میں اللہ عزوجل کی اطاعت کرتا ہوں حالانکہ درحقیقت نقش و نگار سے عوام کے دلوں کو پریشان کرتا ہے اور یہ بھی ناممکن ہے کہ لوگ مسجدوں میں یہ کیفیت دیکھ کر اپنے گھروں کو ویسا ہی مزین کریں اور اس کا وبال بھی اس کی گردن پر رہے گا۔

خلاصہ: مسجد اسی لیے ہوتی ہے کہ اس میں تواضع اور حضور قلب نصیب ہو۔

حکایت: حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دو آدمی مسجد میں آئے ان میں سے ایک مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو کر کہنے لگا مجھ جیسا اللہ تعالیٰ کے گھر میں جائے یعنی احتیاط و انکسار سے ایسا کہا وہ صدیقوں میں لکھا گیا۔ یعنی تعظیم مسجد کے اس درجہ پر کہ مسجد میں جانے سے مسجد آلودہ ہوگی اور ایسا عظیم مناسب بھی ہے یہ نہیں کہ مسجد کو حرام مال سے یا دنیا کے نقش و نگار سے منقش کرکے اللہ تعالیٰ پر احسان کیا (معاذ اللہ)

حکایت: حواریوں نے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ یہ مسجد کیسی عمدہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس مسجد کی اینٹ کی وجہ سے معاف نہ کرے گا بلکہ اس مسجد والوں کے گناہ کی وجہ سے سب کو برباد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ سونے چاندی کی قدر ہے اور نہ اینٹوں کی جو تمہیں اچھی معلوم ہوئی ہیں بلکہ اس کے نزدیک سب سے محبوب چیزیں نیک بخت دل ہیں ان سے ہی اللہ تعالیٰ زمین کو آباد رکھے گا۔ جب وہ نیک بخت نہیں رہیں گے تو بروں کی شامت کی وجہ سے زمین کو برباد کرتا ہے۔

حدیث شریف: حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

جب تم مساجد کو منقش کرو گے اور قرآنوں کو چاندی سونا چڑھاؤ گے اس وقت تم پر تباہی آجائے گی۔

حدیث شریف: حضرت حسن رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب تعمیر مسجد کا (مدینہ منورہ میں) ارادہ کیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور فرمایا کہ اس کو سات ہاتھ اونچا بناؤ اسے منقش نہ کرو۔

فائدہ: ان لوگوں کا مغالطہ یہ ہے کہ جو بات بری تھی اس کو اچھا سمجھ کر اس پر سہارا کیا۔ ایک فرقہ اور ہے وہ مال صدقات میں خرچ کرکے فقراء و مساکین کو دیتے ہیں۔ مگر اس خیرات کے لیے ایسا موقع ڈھونڈھتے ہیں جہاں لوگ جمع ہوں اور فقراء میں سے ایسوں کی تلاش کرتے ہیں جو شکر گزار اور نام مشہور کرنے والے ہوں۔ یہ لوگ خفیہ خیرات کو برا جانتے ہیں۔ اگر کوئی فقیر ان سے کچھ لے کر چھپا دے تو اس کو خطاوار اور ناشکرا سمجھتے ہیں کہ کبھی حج میں بہت سا مال لے کر جاتے ہیں۔ یہ ایک حج کے بعد دوسرا کریں گے مگر اپنے ہمسایوں کو بھوکا چھوڑتے ہیں۔

علم غیب: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آخر زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جو بے سبب حج کریں گے چونکہ ان کے پاس مال ہوگا اس لیے سفر کرنے کو کچھ دشوار نہ جانتے ہوں گے حج سے واپس پھریں گے تو محروم ہوں گے یعنی انہیں تو ثواب نہ ملے گا خود تو سواری پر جنگل اور ریگستان میں پھرتے ہوں گے اور ان کے پڑوسی محتاج ہوں گے۔ ان کی خبر نہ لیں گے۔ (دور حاضرہ میں ایسے حاجی ہزاروں ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ علم غیب نہیں تو اور کیا ہے؟ (اضافہ اویسی غفرلہ)

حکایت: حضرت ابو نصر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت بشیر بن الحارث رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرا حج کا ارادہ ہے میں آپ سے رخصت ہونے آیا ہوں۔ کچھ فرمان ہو تو فرمائیں۔ آپ نے پوچھا کہ حج کے لیے تیرے پاس کیا ہے۔ عرض کی کہ دو ہزار درہم آپ نے فرمایا کہ حج سے تیرا مقصود کیا ہے۔ سیر کرنا یا شوق خانہ خدا یا اللہ تعالیٰ کی رضا اس نے عرض کیا کہ مجھے رضائے الٰہی مدنظر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر گھر بیٹھے رضائے الٰہی ان دو ہزار درہموں کے خرچ سے مل جائے اور تجھے یقین بھی ہو جائے کہ بے شک اللہ کی رضا حاصل ہوئی تو کیا تو عمل کرے گا۔ کہا ہاں آپ نے فرمایا کہ ان دو ہزار درہم کو دس پر تقسیم کردے۔ ایک قرض دار جو اپنا قرض ادا کرے۔ دوسرا محتاج وہ اپنی شکستہ حالی درست کرلے گا یا عیال دار کو دے جو اپنے عیال کی پرورش کرے یا یتیم کی پرورش کرنے والے کو دے جو یتیم کی خدمت کرے۔ وغیرہ وغیرہ اگر تیرا دل اس بات پر پکا ہو کہ ایک ہی شخص کو ان اقسام میں سے دے تو ایک ہی کو دے دے۔ یہ میں نے اس لیے کہا کہ کسی مسلمان کے دل کو خوش کرنا اور مظلوم کی فریاد کو پہنچنا اور اس کا دکھ ٹالنا اور کمزور کی مدد کرنا فرض حج کے بعد سو حجوں سے افضل ہے اسی لیے جا کر جیسا میں نے کہا کہ میرا دل تو سفر حج کے لیے ہے۔ حضرت بشر نے تبسم فرمایا اور اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا

کہ مال جب تجارت اور شبہات سے اکٹھا ہو جاتا ہے تو نفس یہ چاہتا ہے کہ کوئی حاجت پوری کی جائے چنانچہ اس کے لیے اعمال صالح ظاہر کیا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قسم فرمائی ہے کہ متقیوں کے اعمال کے سوا اور کسی کے اعمال قبول نہ کرے گا۔ (4) ایک گروہ اور ہے وہ بخل سے مال جمع کرتے ہیں اور عبادت ایسی کرتے ہیں جس میں خرچ نہ کرنا پڑے۔ مثلاً دن کو روزہ رکھنا اور دن کو جاگنا اور تلاوت قرآن مجید کرنا وغیرہ یہ لوگ بھی مغرور ہیں اس لیے کہ بخل جو مہلک مرض ہے ان کے دل پر حاوی ہے۔ اول ان پر لازم ہے کہ بخل کا قلع قمع کریں مال کو اللہ تعالیٰ کے نام پر خرچ کرنا چاہئے جو باتیں وہ کرتے ہیں۔ ان کی کوئی ضرورت نہیں اور ان کی مثال یوں ہے۔

مثال: جیسے کسی کے کپڑوں میں سانپ گھس جائے اور وہ قریب ہلاکت کے ہو لیکن اطمینان سے صفرا دور کرنے کے لیے سکنجبیں بنا رہا ہو بتایئے جسے سانپ کاٹ لے اسے سکنجبیں سے کیا فائدہ۔

حکایت: حضرت بشر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے کہا کہ فلاں مالدار روزہ نماز بہت ادا کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو اس کے حال کے مناسب تھا وہ تو اس نے چھوڑ دیا جو دوسروں کے لائق تھا وہ اختیار کیا حالانکہ اس کو یہ ضروری تھا کہ بھوکوں کو کھانا کھلاتا اور مساکین کو کچھ دیتا خود بھوکا رہتا۔ اس کے لیے راہ خدا میں مال لٹانا بہتر تھا۔ (5) ایک گروہ اور ہے ان پر بخل اس قدر زیادہ ہے کہ مال میں سے سوائے زکوٰۃ کے اور کچھ نہیں دیتے۔ پھر زکوٰۃ میں بھی نکما مال دیتے ہیں کہ خود ویسے مال سے نفرت کریں اور فقیروں میں سے ایسے فقیر کو دیتے ہیں جو ان کی خدمت کرے اور ان کے کاروبار میں لگا رہے یا ان سے کسی خدمت کے محتاج ہوں یا کوئی کسی طرح کی غرض سے اسے حاصل ہو یا ایسے لوگوں کو دیتے ہیں جو کسی بڑے شخص کی سفارش لے کر آیا ہو اس کو بھی اس لیے دیتے ہیں کہ اس کی اس بڑے آدمی کی نظروں میں قدر ہوگی اور ایسے آدمی کا کام بھی کر دیا جو بوقت ضرورت کام آئے گا تو یہ تمام امور بوجہ نیت مفسد کے اعمال کو تباہ کرنے والی ہیں اور جو شخص ایسا کرتا ہے وہ مفرور ہے اور اس کو یہ گمان ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا مطیع ہوں حالانکہ بدکار و گناہ گار ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر غیر سے بدلہ لینا چاہتا ہے اس طرح کی باتیں مالداروں کے لیے مغالطے کی ہیں اور بھی زائد از شمار ہیں مگر تنبیہہ کے طور پر کچھ عرض کی گئی ہیں۔

(4) ایک گروہ اور ہے وہ عوام اور مالداروں اور فقراء سب میں ہیں۔ وہ وعظ کی مجالس میں آنے ہی کو اپنی نجات کے لیے کافی اعتقاد کرتے ہیں اور مجلس وعظ میں آنا ایک رسم و عادت مقرر کرلی ہے اور یہ گمان ہے کہ صرف وعظ کے سنتے ہی ثواب ملے گا۔ اگرچہ اس پر عمل نہ کریں اور یہ ان کا خام خیال ہے اس لیے کہ مجلس وعظ کو فضیلت صرف اس لیے ہے کہ اس سے خیر کی رغبت ہوتی ہے اگر یہ کسی مجلس میں نہ ہو تو اس میں کوئی فضیلت نہیں اور رغبت اسی لیے اچھی ہے کہ اس سے انسان آمادہ عمل ہوتا ہے۔ اگر وعظ سے رغبت ایسی ضعیف ہو کہ عمل پر آمادہ نہ کیا تو ایسی رغبت سے کیا فائدہ اور جو چیز کسی اور چیز کے لیے مطلوب ہوتی ہے۔ اگر وہ دوسری چیز اس سے نہ ملے تو اول چیز کو لے کر کیا کرے گا اور کبھی وعظ کی زبانی فضیلت سنتے ہی [illegible] وعظ [illegible] کر رونے لگے۔ ثواب ملتا تو مغالطے میں پڑ

کر عورتوں کی طرح رونے لگتے ہیں اور کبھی کوئی خوفناک بات سنتے ہیں تو اس سے اور تو کچھ نہیں کرتے کہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ ہمیں بچا یا پناہ دے یا کہتے ہیں۔ معاذ اللہ یا سبحان اللہ وغیرہ اور اپنے گمان میں جو کچھ کرتے ہیں وہ سب اچھا کرتے ہیں حالانکہ یہ صریح مغالطہ ہے۔

مثال: ان کی مثال یوں ہے کہ کوئی بیمار حکیموں کے مطب میں جایا کرے اور جو کچھ وہاں مذکور ہوا اسے سنا کرے یا کوئی بھوکا کسی ایسے آدمی کے پاس بیٹھا کرے جو خوب مزہ دار کھانوں کا ذکر کرے تو اس سے نہ تو مریض کا مرض جائے گا نہ بھوک اسی طرح اطاعت کے اوصاف سننے اور عمل نہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ جس وعظ کے سننے سے انسان میں کچھ تغیر نہ ہو کہ جس کی وجہ سے افعال بدل جائیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف بتوجہ قوی یا ضعیف ہو جائے اور دنیا سے روگرداں ہو تو اس طرح کا وعظ اس کے حق میں اور زیادہ باعث باز پرس کا ہوگا اس کو انسان اپنے لیے ذریعہ سعادت سمجھے تو غلط فہمی ہے۔ بلکہ اس سے عمل مطلوب ہے۔

سوال: جو کچھ آپ نے مغالطے کی وجوہ لکھی ہیں ان سے تو کوئی خالی نہیں اور اس سے بچنا بھی غیر ممکن ہے اور اس سے تو مایوسی پیدا ہوتی ہے کیونکہ اتنی طاقت تو کسی میں ہے نہیں کہ ان آفات خفیہ سے بچے تو ضروری ہے کہ نا امید ہو کر بیٹھ رہے گا؟

جواب: انسان اگر کسی چیز میں ہمت ہار دے تو برا نہیں جانتا اور نا امید بھی ہوتا ہے اور اس راہ کو دشوار گزار سمجھتا ہے لیکن اگر ہمت اور ارادہ صحیح ہو تو مقصد تک پہنچنے کے لیے اپنی فکر سے بڑی باریک باتیں اور خفیہ راہیں نکال لیتا ہے۔ مثلاً اگر اڑتے جانور کو باوجود فاصلے کے اتارنا چاہے تو اتار سکتا ہے یا مچھلی کو سمندر کی تہہ میں سے اوپر نکالنا چاہے تو نکال سکتا ہے۔ یا پہاڑوں میں سے سونا' چاندی نکالنا چاہے تو کھود کر نکال سکتا ہے یا جنگل کے وحشی آزاد کو گرفتار کرنا چاہئے تو کر سکتا ہے یا درندوں اور ہاتھیوں اور دوسرے بڑے جانوروں کو مطیع بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے یا سانپ واژدھا کو پکڑ کر کھیلنا چاہے تو کر سکتا ہے کہ ان کو پکڑ کر زہر مہرہ ان کے اندر سے نکال لے یا اگر چاہے کہ توت کے پتوں سے ریشم منقش بن جائے تو بنا سکتا ہے یا ستاروں کی مقدار اور ان کا طول و عرض معلوم کرنا چاہے تو علم ہندسہ کے ذریعہ سے دریافت کر سکتا ہے غرضیکہ آدمی تدبیریں بنانے میں ماہر ہے۔ ہر ایک چیز کی تدبیر اور ہر ایک کا سامان جدا بناتا ہے اور ہر شے سے جدا کام لیتا ہے۔ مثلاً گھوڑے سے سواری کا کام اور کتے سے شکار اور باز سے پرندوں کے شکار کا کام لیتا ہے اور ان اشیاء کو اپنے قابو میں رکھتا ہے۔ مثلاً مچھلی کے شکار کے لیے جال بناتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو اس طرح کی باریک تدابیر انسان کی بہت ہیں اور یہ سب تدابیر صرف اس لیے ہیں کہ ان سے دنیا کا کام حاصل ہو اور حصول مطلب کے لیے مدد ملے۔ اس طرح اگر اسے امر آخرت پیش آئے اور صرف ایک ہی کام ہو یعنی دل کا سیدھا کرنا تو اس وقت اس کام سے عاجز ہو کر کہنے لگے کہ یہ مشکل ہے اور کسی کی قدرت میں نہیں کہ

ایسا کرے تو انسان کی ہمت کے آگے محال نہیں۔ اگر صرف ایک ہی مطلب پر ہمت لگائے۔ علاوہ ازیں اسلاف و اکابر اس کام سے عاجز نہ ہوئے کہ جنہوں نے ان کا اتباع اچھی طرح کیا وہ بھی اس سے نہ ہارے - آج بھی جو سچا ارادہ اور ہمت قوی رکھتا ہوگا وہ کبھی عاجز نہ ہوگا بلکہ جتنی محبت لوگوں کو دنیوی تدابیر کے پیدا کرنے اور اس کے اسباب کی درستی میں ہے اس کا دسواں حصہ بھی اس شخص کو نہیں ہوتی۔

قاعدہ: مغالطہ سے بچنے کے لیے تین امور ضروری ہیں۔ (1) عقل (2) علم (3) معرفت۔ عقل سے ہماری مراد وہ نور خلقی ہے جس سے انسان اشیاء کی حقیقت کا ادارک کرتا ہے۔ اصل پیدائش میں آدمی کی ہوشیاری اور دانائی بھی ہے اور حماقت اور بلاوت کی وجہ سے غبی آدمی مغالطہ سے یہ نہیں کر سکتا اس لیے عقل کی صفائی اور فہم کی تیزی اصل پیدائش سے ہونا ضروری ہے کند ذہن ہونا اگر انسان شروع پیدائش سے ایسا نہ ہوگا تو اس کا حاصل کرنا ممکن نہیں البتہ اتنا ہو سکتا ہے کہ جب اصل عقل موجود ہے تو تجربہ وغیرہ سے اس کو عمل میں لایا جا سکتا ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ سعادت کی عقل و دانائی سعادت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ تبارک الذی قسم العقل بین عبادہ اشتاتا ان الرجلین لیتسوی عملها و برهما وصومهما وصلوتها و لکنهما ینفا و تان فی العقل کالزرة فی جنب احد ما قسم اللہ بخلقه عظا هوا فضل ترجمہ: برکت والی وہ ذات ہے جس نے اپنے بندوں میں عقل کو مختلف طریق پر تقسیم فرمایا دو شخصوں کے عمل و نیکی اور روزہ اور نماز تو برابر ہوتے ہیں مگر ان کی عقلوں میں اتنا فرق ہوتا ہے جیسے ذرہ اور احد پہاڑوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے کوئی بہرہ افضل اور عمدہ تر عقل اور یقین سے عنایت نہیں فرمایا

حدیث شریف: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص دن کو روزہ رکھتا ہو اور رات کو تہجد پڑھتا ہو اور حج و عمرہ ادا کرتا ہو اور صدقہ و جہاد فی سبیل اللہ اور عیادت مریض اور جنازے کا ساتھ دیتا اور ضعیف کی اعانت کرتا یہ تمام امور میں بجالاتا ہو اس کا درجہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتنا ہوگا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو ثواب بقدر عقل ملے گا۔

(3) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کی تعریف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کی گئی اور سب نے اسے اچھا کہا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس کی عقل کیسی ہے لوگوں نے عرض کیا ہم عبادت اور اخلاق اور بزرگی کا ذکر تے ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی عقل بتاؤ کیسی ہے کیونکہ بے وقوف اپنی حماقت کی وجہ سے گناہ سے بھی زیادہ خطا کر بیٹھتا ہے اور قیامت کے دن لوگوں کو قرب عقل ہی کی مقدار پر ہوگا۔ (4) حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دستور اقدس تھا کہ جب کسی کی شدت عبادت کا ذکر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ہوتا تو اس کی عقل کا حال پوچھتے اگر لوگ عقل کو اچھا کہتے تو

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ ہونہار ہے۔ اگر عقل کو اچھا نہ بتاتے تو فرماتے کہ وہ ہرگز خدا رسیدہ نہ ہوگا۔

(5) ایک دفعہ ایک شخص کی شدت عبادت کا ذکر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا گیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس کی عقل کیسی ہے کہا گیا کہ عقل تو کچھ بھی نہیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس مرتبہ پر تم گمان کرتے ہو وہاں تک وہ شخص نہیں پہنچے گا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ تیزی فہم اور عقل جبلی کا صحیح ہونا بھی ایک نعمت ہے جو اصل پیدائش میں رکھ دی جاتی ہے۔ اگر یہ نعمت حماقت کی وجہ سے ضائع ہو جاتی ہے تو پھر اس کا تدارک بھی ہو سکتا ہے۔ (2) مغالطے کے لیے معرفت ضروری ہے اور اس سے ہماری مراد چار چیزوں کی معرفت ہے۔ (1) نفس کی معرفت (2) معرفت اللہ تعالیٰ (3) معرفت دنیا (4) معرفت آخرت

(1) اپنے نفس کو یوں جانے کہ بندہ ذلیل ہے اور اس عالم میں مسافر ہے اور شہوات بہیمی سے اجنبی اور اس کی طبیعت کے موافق صرف معرفت اللہ تعالیٰ اور اس کا دیدار ہے اور اس کا جاننا معرفت رب کے بغیر نہیں ہو سکتا اس کے جاننے کے لیے جو کچھ ہم نے باب محبت اور بیان عجائبات دل اور باب تفکر اور باب شکر میں لکھا ہے اس کا مطالعہ کیا جائے کیونکہ ان ابواب میں اوصاف نفس اور جلال کبریا کے ارشادات مذکور میں جن سے تنبیہہ ہو جاتی ہے اور کمال معرفت اس کے بعد ہے اس لیے کہ وہ علوم مکاشفہ میں سے ہے اور ہم نے اس کتاب میں صرف علم معاملہ کو لکھا ہے اور معرفت دنیا اور آخرت کے لیے ان باتوں کا مطالعہ کرے جو باب مذمت دنیا اور باب ذکر موت میں لکھی ہیں تاکہ معلوم ہو کہ دنیا کو آخرت سے کوئی نسبت ہی نہیں جب ان چاروں کو پہچان لے گا تو اللہ تعالیٰ کی معرفت کی وجہ سے دل میں محبت الٰہی جوش کرے گی اور آخرت کی معرفت سے شدت رغبت آخرت پیدا ہوگی۔ دنیا کے پہچاننے سے اس کی طرف روگردانی حاصل ہوگی اور سب سے زیادہ ضروری کام اس کی نظروں میں وہی ہوگا جو اللہ تک پہنچا دے اور آخرت میں کام آئے پھر جب یہ ارادہ غالب ہوگا تو تمام امور میں یہی مقصود ہوگا کہ سلوک راہ آخرت نصیب ہو اس درستی نیت سے مغالطہ دور ہو جائے گا۔ جس کا منشا کشش اغراض اور حصول دنیا اور جاہ ومال کا ہے اس لیے کہ انہی چیزوں سے نیت بگڑتی ہے اور جب تک دنیا اس کے نزدیک آخرت کی نسبت اور رضائے الٰہی کی بہ نسبت خواہش نفس محبوب رہے گی۔ اس وقت تک مغالطے سے نجات ممکن نہیں۔

فائدہ: جب دل پر اللہ کی معرفت اور نفس کی معرفت کی وجہ سے جو کمال عقل کے سبب ہوتی ہے۔ محبت الٰہی غالب ہوگی تو ایک تیسری چیز کی حاجت ہوگی یعنی اس بات کا علم کہ راہ خدا کو کس طرح طے کرنا چاہیے اور اللہ سے نزدیک کرنے والی اور دور کرنے والی چیزیں کون سی ہیں اور سلوک کی آفات اور مہلکات اور کھائیاں کون سی ہیں اور ان تمام باتوں کو ہم نے اسی کتاب احیاء العلوم جلد اول میں لکھا ہے اس میں شروط عبادت اور اسی کی آفات لکھی

ہیں۔

فائدہ: شروط کی رعایت رکھنی چاہئے اور آفات سے احتراز کرنا ضروری ہے پھر جلد دوم میں اسرار معاملات اور جن چیزوں پر انسان مجبور ہے ان کو بھی لکھا ہے۔ ان کو قواعد شرع کی مطابق عمل میں لائے اور جس سے مستغنی ہو اس سے اعراض کرے۔ اس جلد میں وہ باتیں مذکور ہیں جو اللہ کی راہ میں مانع ہیں۔ یعنی صفات مذمومہ تو صفت مذموم کو معلوم کرے اس کے علاج کا طریقہ دریافت کرے اور جلد چہارم سے صفات محمود معلوم ہوں گے کہ جب کوئی صفت مذمومہ انسان اپنے اندر سے مٹا دے تو اس کے بجائے اچھی صفت پیدا کرے۔ ان تمام باتوں کو جان لے گا تب ممکن ہے کہ جو مغالطہ کی اقسام ہم نے لکھی ہیں ان سے بچ سکے۔

قاعدہ: ان سب کی اصل یہ ہے کہ محبت الٰہی دل پر غالب ہو اور جب دنیا دل سے اتر جائے یہاں تک کہ ارادہ مستحکم اور نیت درست صاف اور درست ہو جائے۔ یہ اس وقت ہو سکتی ہے جب وہ باتیں جو ہم نے لکھی ہیں۔ ان کو پہچانے۔

فائدہ: یہاں ایک اور بات جاننے کی ضروری ہے وہ یہ کہ تمام امور کے جاننے کے بعد انسان پر ایک اور خوف باقی ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت شیطان سالک کو دھوکہ دے کر اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ عوام کو نصیحت کرنا اور علم کو پھیلانا اور جو بات اللہ تعالیٰ نے بتلائی ہے۔ اس سے دوسروں کو آگاہ کرنا چاہئے کیونکہ مخلص آدمی جب اپنے نفس کی تہذیب اور اخلاق کی درستی سے فارغ ہوتا ہے اور تمام کدورتوں سے دل کو صاف کرکے راہ راست پر آجاتا ہے اور دنیا کو حقیر جان کر ترک کرتا ہے اور عوام سے طمع منقطع کرکے ان کی طرف التفات نہیں کرتا اور سوائے اللہ اور اس کے ذکر و مناجات کی لذت اور شوق دیدار کے اور کوئی کام نہیں کرتا اور شیطان اس کے بہکانے سے عاجز ہوتا ہے کہ دنیا کی طرف اس کو بہکائے تو اس کی اطاعت نہیں کرتا اس لیے دین کی وجہ سے شیطان کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ مخلوق خدا پر رحم کر اور ان کے دین کے بچانے کے لیے انہیں نصیحت کر اللہ تعالیٰ کی طرف ان کو دعوت دے اس وقت انسان اللہ کی مخلوق کو شفقت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور انہیں کاروبار میں سرگردان اور پریشان اور دین سے بے بہرہ اندھے گونگے محسوس [illegible] ہے کہ یہ بیماری ان پر غالب ہے اور ان کو خبر نہیں نہ کوئی روحانی طبیب ہے کہ ان کا علاج کرے۔ سب مرنے کے قریب ہیں۔ ان کے اس حال کے دیکھنے سے اسے رحم آتا ہے کیونکہ اس کے پاس معرفت کی رو روا ہے جس سے ان کو راہ راست پر لا سکتا ہے اور ان کی گمراہی ظاہر کرکے راہ سعادت بتلا سکتا ہے اور اس بتلانے میں کوئی محنت و مشقت نہیں۔ [illegible] رات بھر بے چین اور دن بھر بے قرار رہتا ہے۔ کھانا پینا حس و حرکت شدت درجہ کی وجہ سے کچھ نہیں کر سکتا۔ اس [illegible] علاج کے لیے آسان نسخہ بلا قیمت اور مفت مل جائے۔ جس کے کھانے میں تلخی بھی نہ ہو اور اس کو استعمال [illegible]

آرام سے سوئے اور دن کو آسائش و قرار نصیب ہو۔ تمام خرابی دور ہو کر راحت و فرحت بن جائے اور تندرستی کی لذت حاصل ہو۔ تکلیف کے بعد جان میں جان آجائے۔ پھر وہ بہت سے اپنے ہم جنسوں کو دیکھے کہ ان کو بھی وہی مرض ہے جو اسے تھا اور وہ بھی رات بھر جاگتے ہیں اور مضطرب رہتے ہیں اور ان کی آہ و فغاں کرتے گزرتی ہے تو جو دوا اس نے حاصل کی تھی وہی یاد آجائے اور کہے کہ میں ان کو بہت سہل تدبیر سے چند روز میں تندرست کر سکتا ہوں۔ ان کی زحمت اور مشقت کی وجہ سے ایک لمحہ کی تاخیر بھی ان کے علاج میں نہ کرے۔

شیطان کے بہکانے کا ڈھنگ: بندہ مخلص جب راہ راست پر پہنچ جاتا ہے اور امراض قلبی سے شفا پاتا ہے پھر عوام کو دیکھتا ہے کہ ان کے دل مریض ہیں اور علاج نہایت مشکل اور اطباء اس سے عاجز ہیں اور یہ ہلاک و تباہ ہو جائیں گے۔ سمجھتا ہے کہ اسے ان کا علاج کرنا آسان ہے تو خود بخود ان کی نصیحت کرنے کا اس کے پکا ارادہ دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں پر شیطان بھی اسے بھڑکاتا ہے کہ شاید اسی بہانے سے اسے لے ڈوبے جب وہ شخص وعظ و نصیحت میں مشغول ہوتا ہے تو شیطان کا منصوبہ مکمل ہو جاتا ہے کہ شاید اسی بہانے سے اسے لے ڈوبے جب وہ شخص وعظ و نصیحت میں مشغول ہوتا ہے تو شیطان کا منصوبہ مکمل ہو جاتا ہے کہ پہلے اسے جاہ و جلال کی طرف بلاتا ہے مگر نہایت پوشیدہ طریق سے کہ اسے خبر نہ ہو جب یہ سلسلہ اس کے دل میں پختہ ہوتا ہے تو پھر تصنع اور زینت کی طرف دعوت دیتا ہے کہ اچھے اچھے الفاظ اور نغمات و حرکات استعمال کرنے چاہیں اور لباس و صورت میں تکلف کرنا چاہئے جب ان باتوں پر اسے آمادہ کرلیتا ہے تو اس کے پاس عوام کا رش لگنے شروع ہو جاتا ہے کہ اس کی توقیر و تعظیم بادشاہوں سے بھی زیادہ کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے امراض کا شافی اس کو جانتے ہیں کہ یہ رحمت و مشقت کرکے بے طمع علاج کرتا ہے۔ اسی لئے اسے ماں باپ اور اقارب سے بھی زیادہ محبوب جانتے ہیں اور اپنے مال و اسباب سے اسکی خدمت مقدم سمجھتے ہیں اور اس کی سامنے نوکر و غلام کی طرح ہوتے ہیں اور محفلوں میں سب پر اسی کو ترجیح دیتے ہیں اور اسے بادشاہوں اور حاکموں سے زیادہ مانتے ہیں اس معاملہ سے اسکی طبیعت خوش ہو جاتی ہے اور نفس کو وہ راحت ولذت ملتی ہے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا اس کے سامنے تمام لذتیں ہیچ نظر آتی ہیں باوجود ترک دنیا کے وعظ و نصیحت کی وجہ سے بڑی لذت میں جا پڑتا ہے اس وقت شیطان موقع پا کر اپنا ہاتھ اس کے دل کی طرف بڑھاتا ہے اور اس کو ایسے کام میں لگاتا ہے' جس میں لذت باقی رہے۔

نفس کی شیطان کی جانب جھکاؤ کی علامت: (ا) نفس کے شیطان کی طرف جھکاؤ کی علامت یہ ہے کہ کسی سے غلطی ہو جائے۔ عوام کے سامنے کوئی اس پر انکار اعتراض کرے تو وہ غصہ کرے گا اور اگر دل میں اسے غصے کو برا سمجھے تو فورا شیطان سمجھاتا ہے کہ یہ غصہ اللہ کے لیے ہے کیونکہ اگر مریدوں کا اعتقاد تجھ پر درست نہ ہوگا تو اللہ کی راہ سے علیحدہ ہو جائیں گے وہ اسی سے دھوکہ کھا جاتا ہے اور کبھی اس دھوکے کی وجہ سے ان کی غیبت کرنے لگتا ہے۔ یعنی جس شخص نے اعتراض کیا تھا۔ اس کی غیبت کرتا ہے (اور حرام ہے) حالانکہ اس کے سمجھانے کے

لیے اچھے الفاظ بہت ہیں۔ ان الفاظ کو چھوڑ کر تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے جو امر حق سے اعراض اور اس پر ناشکرا ہونے کا نشان ہے۔

علامت (2): اسی طرح اگر کسی موقع پر ہنس پڑتا ہے یا بعض وظائف میں سستی کرتا ہے تو نفس پریشان ہوتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عوام کو اس کی خبر ہو جائے اور اس کی عزت جاتی رہے اس خیال سے استغفار کرتا ہے اور اونچی اونچی سانس لیتا ہے اور کبھی اعمال و وظائف ان کے دکھلاوے کی وجہ سے پڑھتا ہے اور شیطان دل میں خیال ڈالتا ہے کہ یہ باتیں تو اس لیے کرتا ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں سستی نہ کریں اور تیرے وظائف کے ترک سے کہیں وہ بھی نہ چھوڑ بیٹھیں۔ یہ سب فریب اور دھوکا ہے اصل میں نفس کا اضطراب عزت کی کمی کے خوف سے اس کا سبب ہوا ہے اور اسی وجہ سے لوگ کسی اس جیسے دوسرے شخص کی خطا یا قصور پر واقف ہوں تو اسے کوئی غم نہیں ہوتا بلکہ اس کو اچھا سمجھ کر خوش ہوتا ہے اگر اس کے ہم عصروں میں سے کسی کی طرف لوگوں کے دل مائل ہوں اور اس کے کلام کی تاثیر اس کی بہ نسبت زیادہ ہو تو اسے نہایت شاق گزرتا ہے۔ اگر اس کو شوق و لذت اور عزت کا خطرہ نہیں تو دوسرے کے ہونے کو غنیمت نہیں سمجھتا۔

مثال: اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے رفقاء کو کنویں میں گرا ہوا دیکھے اور کنویں کے منہ پر کوئی شے رکھی ہو جس کے سبب سے وہ باہر نہ نکل سکتے ہوں اور یہ شخص رحم کرکے اس شے کو کنویں سے ہٹا کر اپنے یاروں کو نکالے لیکن اس شے کا اکیلے سے ہٹانا مشکل ہے اب اگر دوسرا شخص اس کی مدد کرے یا خود وہ تنہا اسے ہٹا دے تو اسے بہت خوش ہونا چاہئے کیونکہ اس کی غرض تو یہی تھی کہ اپنے یاروں کو اس قید سے نجات ہو جائے اور وہ حاصل ہوگئی۔ اس طرح نصیحت کرنے والے کی غرض اگر یہی ہے کہ مسلمان دوزخ سے بچیں تو جو شخص اس امر میں اس کا معین و مددگار ہو یا خود ہی یہ کام کر ڈالے اسے برا نہیں ماننا چاہئے بالفرض اگر تمام لوگ خود بخود ہدایت پر آجاتے تو کیا برائی تھی۔ اب اگر دوسرے کے سبب سے انہوں نے راہ حق سیکھا تو کیوں برا مانتا ہے غرضیکہ شیطان کے فریب سے یہ نوبت ہوتی ہے جب یہ بات کسی واعظ میں ہو جاتی ہے تو شیطان اسے دل کے بڑے بڑے گناہوں کی طرف بلاتا ہے اور اعضائے ظاہری سے فاحش خطائیں میں کرا کے تباہ کرتا ہے۔ نفس کا راہ حق پر پہنچانا پھر گمراہ ہونا بہت بڑی مصیبت ہے۔ (معاذ اللہ)

نصیحت حق عوام تک پہنچانے کا صحیح طریقہ: جب کسی طرف رضاء الٰہی کے مطابق عوام کو پند و نصیحت کا ارادہ ہو اور چاہتا ہے کہ اللہ کرے مجھے کوئی معین و مددگار مل جائے یا یہ لوگ خود بخود راہ راست پر آجائیں اس کے چند طریقے ہیں۔ (۱) عوام کے اموال اور ان کی مدح کا خیال بالکل ترک کردے اور ان کی تعریف و مذمت کو یکساں سمجھے اور اللہ کے نزدیک اگر اچھا ہے تو ان کی مذمت کی پروا نہ کرے اگر اس کے نزدیک مستحق مدح نہیں تو مخلوق کی

تعریف سے خوش نہ ہو اور تمام لوگوں اسی نظر سے دیکھے جیسے بڑے بزرگوں کو یعنی کسی پر تکبر نہ کرے اور سب کو اپنے آپ سے بہتر سمجھے اس لیے کہ خاتمہ کا حال معلوم نہیں یہ ایسے ہے جیسے جانور کو دیکھنے سے کوئی پروا نہیں ہوتی کہ وہ اسے کس طرح دیکھا جائے۔ اسی لیے اس کے سامنے زینت و تکلیف کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مثلاً جانور کو چرانے والے کی یہ غرض ہوتی ہے کہ انہیں چوروں اور درندوں سے محفوظ رکھا جائے اور بس یہ ایسے عوام کے ساتھ واعظ کے رہنے سہنے کا طریقہ ہو۔

سالک کا طریقہ: سالک کو چاہئے جب تک تمام لوگوں کو جانوروں کی طرح خیال نہ کرے گا یعنی جیسے انکا دیکھنا مقصود نہیں ایسے ہی انسانوں کو دیکھنا مد نظر ہو اس طرح ان کی اصلاح میں مشغول ہونے سے بچ سکے گا بلکہ بعض اوقات ان کو تو اصلاح پر لائے گا لیکن خود گمراہ ہو جائے گا۔ جیسے شمع کہ اوروں کو روشن کرتی ہے اور خود جلی جاتی ہے۔

سوال: اگر وعظ کا کہنا قاعدہ پر موقوف کیا جائے تو دنیا وعظ سے خالی ہو جائے گی اور لوگوں کے دل خراب ہو جائیں گے۔

جواب: حدیث شریف میں ہے کہ حب الدنیا راس کل خطیئہ ترجمہ: دنیا کی محبت ہر برائی کا سر ہے لیکن اگر لوگ دنیا کی محبت نہ کریں تو تمام عالم درہم برہم ہو جائے اور سب کارخانے بیکار ہو جائیں اور دل اور بدن سب ہلاک ہو جائیں گے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ دنیا کی دوستی مہلک ہے اور اس مہلک بیان کرنے سے بہت لوگوں کے دل سے اس کی محبت نہیں نکلے گی۔ صرف چند لوگ اس کی محبت چھوڑیں گے جن کے چھوڑنے سے دنیا ویران نہ ہوگی اسی لیے آپ نے خیر خواہی کا حق بھی ادا کیا جو کچھ اس میں خطرہ تھا اسے بیان فرما دیا اور اس کے چھوڑ دینے کے خوف و خطرہ کے ذکر کو ترک نہیں فرمایا کیونکہ آپ کو اس پر اعتقو کلی تھا کہ اس کے شہوات مہلک جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر مسلط کر دیے ہیں ان کو دوزخ کی طرف کھینچ کر لے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول ضرور سچا ہوگا۔ وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (السجدة پ 13) (ترجمہ کنزالایمان) مگر میری بات قرار پا چکی کہ ضرور جہنم کو بھر دوں گا ان جنوں اور آدمیوں سب سے۔

فائدہ: جب یہ صورت ہے تو وہ واعظوں کی زبان و عزت کی وجہ سے کوئی کام بند نہ ہوگا اگر کوئی ان سے کہے کہ وعظ محبت دنیا والوں کے لیے حرام ہے اس کے کہنے سے وعظ ترک نہ کریں گے جیسے تمام لوگ سود خوری، زنا اور چوری اور ریاء اور ظلم اور دوسرے گناہ نہیں چھوڑتے حالانکہ اللہ جل شانہ و رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان بار بار سنتے ہیں کہ یہ تمام گناہ حرام ہیں۔

انتباہ: انسان کو اپنے نفس کا خیال رکھنا چاہیے۔ لوگوں کے فکر کی کیا ضرورت ہے۔

فائدہ: اللہ تعالٰی کے کام عقل سے وارد ہیں۔ ایک یا زائد انسانوں کو بگاڑ کر بہت سے لوگوں کی اصلاح کرتا ہے۔ خود فرماتا ہے وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ (البقرہ 251) ترجمہ کنز الایمان: اور اگر اللہ لوگوں میں بعض سے بعض کو دفع نہ کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالٰی اس دین کو ایسے لوگوں سے تقویت دے گا جن کو دین سے کوئی حصہ نصیب نہ ہو۔

فائدہ: یہ خوف کہ پند و واعظ کے قبول کرنے کی راہ بند ہو جائے گی اور یہ خیال کہ واعظ عزت اور محبت دنیا کو مد نظر نہ رکھیں یا وعظ گوئی سے بغیر اس محبت عزت و دنیا کے اپنی زبانیں روک لیں۔ یہ کبھی نہ ہوگا۔ اگر کوئی سالک اس فریب شیطانی سے واقف ہو کر اپنے نفس کی اصلاح میں مشغول ہو اور وعظ چھوڑ دے یا وعظ و نصیحت کرے لیکن صدق و اخلاص کی شرطیں اس میں ملحوظ نہ رکھے تب بھی اسے ایک بہت بڑا خوف درپیش ہے۔ وہ یہ ہے کہ شیطان اس وقت اسے کہتا ہے کہ تو نے مجھے تھکا دیا اور اپنی ذکاء و عقل کے کمال کی وجہ سے مجھ سے بچ گیا۔ بہت سے اولیاء و اکابر میرے قابو میں آگئے تو میرے ہاتھ سے نکل گیا تو بڑا ہی صابر ہے اور اللہ کے نزدیک تیرا بڑا رتبہ ہے اس لیے کہ تجھے اتنی قوت دی ہے کہ مجھے مغلوب کرلیا اور تمام حیلے میں نے تجھ پر چلائے لیکن تو سمجھ گیا۔ سالک شیطان کی یہ بات سن کر بچ جاتا ہے اور غرور سے نکل کر عجب میں گرفتار ہو جاتا ہے اور نفس پر عجب کرنا نہایت درجے مغالطہ ہے اور یہی سب سے بڑا مہلک ہے اور سب گناہوں سے بڑا گناہ ہے۔ اسی لیے شیطان کا مقولہ ہے اے ابن آدم اگر تو یہ گمان کرے کہ اپنے علم سے مجھ سے چھوٹ گیا تو جان لے کہ تو جہالت سے میرے پھندے میں آگیا۔ اگر کوئی اپنے نفس پر عجب بھی نہ کرے اور شیطان کے دھوکے میں نہ آئے اور سمجھ لے کہ یہ مرتبہ مجھے اللہ تعالٰی کی طرف سے عطا ہوا اور مجھ جیسا شخص شیطان کے دفع کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا (۱) مگر یہ کہ توفیق الٰہی اور اس کی مدد شامل حال ہو اس لیے کہ نفس انسانی نہایت ضعیف اور عاجز اور ذلیل تر ہے۔ جب اس سے بڑا کام معلوم ہوا تو ظاہر ہے کہ یہ خود بخود اس پر قادر نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالٰی کی مدد سے ہوا تو باوجود اس کے بھی ایک اور خوف اس کو باقی ہے وہ یہ کہ کہیں اللہ کے فضل و کرم پر مغرور ہو کر اس کے کرم پر تکیہ نہ کر بیٹھے اور اس کے عذاب سے نڈر نہ ہو جائے اور گمان کرنے لگے کہ میں آگے بھی ایسا ہی رہوں گا اور کسی طرح کے فتور و انقلاب سے خوف نہ کرے۔ یعنی صرف اللہ کے فضل پر تکیہ رکھے اور اس میں خوف و عذاب کا خیال نہ کرے چونکہ جو شخص اللہ تعالٰی کے عذاب سے بے خوف ہو جاتا ہے وہ لازماً نقصان کار ہوتا ہے اس لیے ایسے شخص کو مناسب یہ ہے کہ اول تو مذکورہ بالا باتیں اللہ کے فضل سے سمجھے پھر اپنے نفس پر اس بات کا خوف کرتا رہے کہ کہیں کوئی صفت مذمومہ دل کے صفات میں ملوث نہ ہو جائے جیسے حب دنیا اور ریا اور بد خلقی اور مغالطہ وغیرہ سے مجھے دور ہونے کو کوئی صفت میرے میں نہ پائی جائے اور میں اس سے غافل ہوں اور ہر دم اس بات کا خوف رکھے کہ کہیں یہ حال (جواب حاصل ہے) چھن نہ جائے کسی وقت بھی اللہ کے عذاب اور خاتمہ کے خوف سے غافل نہ

رہے اور شیطان یہ فکر ایسا ہے کہ اس سے نجات نہیں ملتی۔

حکایت: شیطان ایک ولی اللہ کے پاس نزع کے وقت حاضر ہوا۔ شیطان نے کہا کہ آپ مجھ سے بچ گئے۔ انہوں نے فرمایا کہ ابھی دیر ہے یعنی خاتمہ بخیر ہوگا تو یقین کروں گا کہ میں بچ گیا۔ [1]

فائدہ: اسی لیے اکابر فرماتے ہیں کہ تمام انسان تباہ کار ہیں مگر علماء اور علماء بھی سب ہلاک ہونے والے ہیں مگر باطل اور باطل علماء بھی سب ایسے ہی ہیں مگر مخلص اور مخلص بھی بڑے خطرے میں ہیں۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ سب مغرور تباہ کار ہیں اور مخلص وہ ہیں جو غرور سے بھاگتے ہیں لیکن وہ بھی خطرے میں ہیں اسی وجہ سے خوف و احتیاط اولیاء اللہ کے دل سے کبھی جدا نہیں ہوتی اور چونکہ اعتبار خاتمے پر ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ سے ہم دعا کرتے ہیں کہ حسن خاتمہ نصیب ہو (آمین)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

۱۔ جیسے حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے لیے ہوا کہ شیطان نے جب کہا کہ آپ مجھ سے علم کی وجہ سے بچ گئے آپ نے جواب دیا بلکہ اللہ کے فضل و کرم سے بچ گیا ہوں۔ (اویسی غفرلہ)